رسولِ مبین

Marfat.com

صدارتی ایوارڈ یافتہ

رسولِ مبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تالیف

محمد احسان الحق سلیمانی

تعارف

خورشید محمد سلیمانی

دیباچہ

ڈاکٹر ایم۔ ایس ناز

مقبول اکیڈمی

سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

Marfat.com

297.9921
ارش 28 م
96344

©جملہ حقوق محفوظ
2009

اهتمام ملک مقبول احمد
ناشر مقبول اکیڈمی
مطبع خورشید مقبول پریس
قیمت 800 روپے

MAQBOOL ACADEMY
Chowk Urdu Bazar, Circular Road, Lahore.
Ph: 042-7324164, 7233165 Fax: 042-7238241

10-Dayal Singh Mansion, The Mall, Lahore.
Ph: 042-7357058 Fax: 042-7238241
Email: mqbool@brain.net.pk

Marfat.com

بلغ العلیٰ بکمالہ

کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ

صلوا علیہ وآلہ

Marfat.com

Marfat.com

نقوشِ سلیمانی

جناب محمد احسان الحق سلیمانی اپنے علاقے کی مشہور شخصیت عالم فاضل، ادیب، محقق، مفتی، قاضی، اعلیٰ پایہ کے مقرر، مذہبی راہنما، اور تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن الحاج محمد عبداللہ سلیمانی کے چشم و چراغ تھے۔ کنجاہ ضلع گجرات میں ۱۰ جنوری ۱۹۲۵ء کو پیدا ہوئے۔ میٹرک ۱۹۴۰ء میں اسلامیہ ہائی سکول کنجاہ سے پاس کیا۔ ایف اے ۱۹۴۲ء میں، بی اے ۱۹۴۴ء میں زمیندار کالج گجرات سے پاس کیا۔ ۱۹۴۵ء میں سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے بی ٹی اور ۱۹۵۰ء میں ایم اے عربی پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔

۱۹۴۵ء میں احسان الحق سلیمانی تقریباً بیس سال کی عمر میں اسلامیہ ہائی سکول کنجاہ کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے ان دنوں تحریک پاکستان عروج پر تھی سلیمانی صاحب نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ اپنے والد محترم کی گرفتاری کے بعد بہت بڑے بڑے جلوسوں کی قیادت کرتے رہے جو کنجاہ سے گجرات پیدل جایا کرتے۔ آپ نے مہاجرین کی آباد کاری میں بھی حصہ لیا ۱۹۵۴ء میں آپ کو پی۔ ای۔ ایس ملا اور آپ گورنمنٹ ہائی سکول جہلم میں ہیڈ ماسٹر متعین ہوئے یہ سکول اس وقت بھی بہت بڑا سکول تھا۔ جس میں ستر، اسی کے قریب اساتذہ تھے آپ نے یہاں بڑی محنت، لگن اور ولولے سے کام کیا اس کے بعد آپ گورنمنٹ نارمل سکول لالہ موسیٰ میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے ۱۹۵۶ء میں آپ دیلج ایڈ میں تعلیم بالغاں کے لئے چیف انسٹرکٹر مقرر ہوئے یہاں ۱۹۶۱ء تک کام کرتے رہے ۱۹۵۷ء میں آپ کو یونیسکو کی فیلوشپ ملی اور اس طرح آپ مختلف ممالک میں تشریف لے گئے جن ممالک کے مختلف اداروں میں گئے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

بھارت میں جامعہ ملیہ نیو دہلی

امریکہ میں یونیورسٹی آف کولمبیا، یونیورسٹی آف سیراکیوس، یونیورسٹی آف اوہو، یونیورسٹی آف

Marfat.com

انڈیانا۔

برطانیہ میں یونیورسٹی آف لندن۔

فرانس میں یونیسکو سیکرٹریٹ پیرس

بیروت میں لیٹریسی پروگرام میں حصہ لیا

برما میں برا ٹرانسلیشن سوسائٹی

فلپائن میں یونیورسٹی آف فلپائن سے ٹیچرز ایجوکیشن کا کورس کیا

بنکاک میں ایک ورکشاپ میں شرکت کی۔

آپ نے اپنے مختلف اوقات میں بنکاک، تہران، فلپائن، جکارتہ، ایڈن برگ، اور دیگر ممالک میں مختلف قسم کی ورکشاپوں میں شرکت کی۔ ویلیج ایڈ کی سروس کے دوران آپ نے تعلیم بالغاں کے لئے مختلف مضامین پر کتابیں لکھیں۔ ۱۹۶۱ء میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز میانوالی مقرر ہوئے بعد میں آپ ڈپٹی انسپکٹر آف سکولز راولپنڈی مقرر ہوئے اور پھر اسسٹنٹ ڈائریکٹر آف ایجوکیشن راولپنڈی ریجن مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۴ء میں وہاں کے ایک ڈائریکٹر سے اختلاف پیدا ہوا تو آپ یونیسکو کے ایک پراجیکٹ پر کام کرنے کے لئے کراچی چلے گئے۔ ۱۹۶۵ء میں آپ کو ترقی دے کر ڈویژنل انسپکٹر آف سکولز سرگودھا مقرر کر دیا گیا آپ نے گورنمنٹ نارمل سکول فیصل آباد اور گورنمنٹ ٹیکنیکل سکول فیصل آباد میں بھی کام کیا۔

آپ گورنمنٹ سنٹرل ماڈل ہائی سکول سمن آباد میں بھی ہیڈ ماسٹر رہے ہیں۔ ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۲ء تک سیکرٹریٹ میں سیکشن آفیسر، ڈپٹی سیکرٹری، ڈپٹی ایجوکیشن ایڈوائزر گورنمنٹ آف ویسٹ پاکستان پلاننگ فار پرائمری ایجوکیشن اینڈ ٹیچرز ٹریننگ اور ڈپٹی ڈائریکٹر ایجوکیشن لاہور رہے یہاں انہوں نے سکولوں اور کالجوں کی نیشنلائزیشن کا کام بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔ ۵ فروری ۱۹۷۳ء سے ۱۳ جون ۱۹۷۹ء تک بطور ڈپٹی ڈائریکٹر ایجوکیشن ایکسٹینشن سنٹر لاہور کام کرتے رہے اور اس دوران انہوں نے تقریباً اسی ہزار پرائمری ٹیچرز آٹھ ہزار سیکنڈری سکول ٹیچرز تین ہزار ماسٹر ٹرینرز کی تربیت کی جب آپ کا ایک ڈی پی آئی پنجاب سے اختلاف ہوا تو آپ کو گورنمنٹ ایلیمنٹری ٹیچرز ٹریننگ کالج گکھڑ، اور بعد میں کوٹ ادو تبدیل کر دیا گیا۔ جب حالات سازگار ہوئے تو آپ کو ڈائریکٹر تھرڈ فورتھ ایجوکیشن پراجیکٹ لاہور مقرر کیا گیا یہاں آپ نے ۲۰ ستمبر ۸۰ء سے ۷ اکتوبر ۸۱ء تک کام کیا اس کے بعد ۱۴ اکتوبر ۸۱ء کو آپ ڈائریکٹر ایجوکیشن راولپنڈی مقرر ہوئے۔ اس عہدہ پر آپ ۱۳ جون ۸۳ء تک بڑے محنت اور جانفشانی سے کام کرتے رہے۔

۱۴ جون ۸۳ء کو آپ چیئرمین بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن بہاولپور مقرر

Marfat.com

ہوئے جہاں آپ نے برونس کا ایک طویل سفر بڑے خوش اسلوبی سے سرانجام دینے کے بعد ۹ جنوری ۸۵ء کو ریٹائرمنٹ لے لی۔

جناب احسان الحق سلیمانی نے تعلیم و تدریس کے دوران تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور تمدن عرب، مسلمان یورپ میں، قرآن حکیم اور ہماری زندگی، بہتر تدریس بہتر تعلیم ایسی کتابیں لکھیں۔

زندگی کے آخری ایام میں ایک کتاب رسول مبین ﷺ لکھ رہے تھے جس کی خاطر لندن بھی تشریف لے گئے تاکہ وہاں کی لائبریریوں سے متعلقہ مواد حاصل کیا جا سکے یہ آپ کی آنحضور ﷺ سے عقیدت و محبت کا اظہار تھا مگر افسوس کہ آپ کی زندگی ایفا نہ کر سکی اور اس طرح یہ کتاب آپ کی زندگی میں شائع نہ ہو سکی۔ ۲۶ فروری ۱۹۹۲ء کو آپ ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے گئے۔

خورشید محمد سلیمانی

Marfat.com

Marfat.com

دیباچہ

آنحضرت ﷺ کی سیرت نگاری کا شرف حاصل کرنا ہر مسلمان اہل قلم کی ہمیشہ سے خواہش رہی ہے اور بقول شبلی: مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کے حالات و واقعات کا ایک ایک حرف اس استقصاء کے ساتھ محفوظ رکھا ہے کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلمبند نہیں ہو سکے اور نہ آئندہ کئے جا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی مجموعی تاریخ میں آنحضرت ﷺ کے مفصل حالات کے علاوہ الگ یرت رسول ﷺ پر بھی عربی، فارسی، ترکی اور اردو میں بے پناہ کتب موجود ہیں۔ یہ لہ یورپ کی زبانوں تک محیط ہے اور آج بھی جاری و ساری ہے۔ اس شرف سے اب ہونے والوں میں ایک جناب محمد احسان الحق سلیمانی (م ۲۶ جنوری ۱۹۹۲ء) ہیں جن کی عالمانہ تحقیق رسول مبین ﷺ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

مرحوم احسان الحق سلیمانی عصر حاضر کے ایک صاحب طرز ادیب، ممتاز دانشور، عظیم استاد اور سب سے بڑھ کر ایک مخلص انسان، محب وطن پاکستانی، باحمیت مسلمان اور سچے عاشق رسول ﷺ تھے۔ ان میں سے بیشتر صفات انہیں پیدائشی طور پر ودیعت ہوئی تھیں۔ ان کے والد الحاج مولانا شیخ محمد عبداللہ سلیمانی اپنے وقت کے مشہور عالم، فاضل، ادیب، شاعر، محقق، مفتی، قاضی، مذہبی رہنما اور تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن تھے۔ سلیمانی مرحوم کی نابغہ روزگار شخصیت اپنے والد ماجد کا پرتو تھی۔ انہوں نے اپنی زندگی کا سفر افسرانہ انداز میں تعلیم کے مختلف شعبوں میں طے کیا۔ حق گو اور بیباک تھے۔ امانت و دیانت ان میں بدرجہ اتم موجزن تھی۔ اپنی انہی خوبیوں کی بدولت انہیں کئی بار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر وہ ہمیشہ ثابت قدم رہے۔ میں جب کبھی ان سے ملا، انہیں اقبال کے اس شعر کا مصداق پایا:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

قرآن و حدیث اور تاریخ و ادب میں احسان الحق سلیمانی کا مطالعہ بڑا وسیع تھا۔

Marfat.com

۱۹۵۴ء میں انہوں نے تمدن عرب لکھی۔ اس کی مقبولیت سے تاریخ کا ذوق و شوق بڑھا تو "مسلمان یورپ میں" ایسی تحقیقی کتاب منصہ شہود پر لے آئے۔ سیرت ابن ہشام پر تعلیقات بھی لکھے۔ ان کے اس مطالعہ و تحریر کو قبول عام کا درجہ حاصل ہوا تو وہ ملازمت سے سبکدوش ہو کر کامل یکسوئی اور نہایت ذوق و شوق اور عقیدت و محبت سے سیرت رسول ﷺ لکھنے میں مصروف ہو گئے۔ عشق رسول ﷺ کی طرف پہلے سے طبیعت مائل تھی۔ اب اس جذبے کو اوڑھنا' بچھونا بنا لیا۔ رسول مبین ﷺ اسی جذبہ عشق کا ایک والہانہ اظہار وارفتگی ہے۔

یہ کتاب سیرت نگاری میں ایک منفرد طرز تحقیق کی حامل ہے۔ سلیمانی مرحوم نے اس میں دراصل وہ کام کر دکھایا ہے۔ جو آج تک سوائے معدودے چند دانشوروں کے کوئی سرانجام نہیں دے سکا۔ مستشرقین کی کتابیں عرصہ دراز تک ان کے زیر مطالعہ رہیں اور وہ ان کے بارے میں ایک عجیب سی خلش محسوس کرتے رہے۔ اس میں کلام نہیں کہ زیادہ تر مستشرقین ابتداء ہی سے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے دشمن رہے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ سیاسی و مذہبی تعصبات سے کام لیا اور اپنی اسلام دشمنی کو باقاعدہ ایک تحریک کی شکل دی۔ ایسے مستشرقین میں مارگو لیتھ' شپرنگر' سرولیم میور' ولیم ڈریپر' ہنری سٹب' الیگزنڈر رالس' ہمفرے پرائی ڈکس اور پروفیسر منٹگمری واٹ سرفہرست ہیں جن کے مخاصمانہ اعتراضات کا مدلل جواب توراۃ و انجیل کے حوالوں سے رسول مبین ﷺ میں دیا گیا ہے۔

مستشرقین کا انداز فکر کیا ہے اور وہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے متعلق اس نوع کے کیا کیا جذبات اور نظریات رکھتے ہیں؟ اس بارے میں متعدد حقائق منصہ شہود پر آ چکے ہیں۔ ولیم میور شپرنگر لامنس' مارگو لیتھ اور گولڈ زیہر اور کیتانی ایسے مستشرقین کے انتہا پسندانہ اور غیر ذمہ دارانہ طرز فکر کا نوٹس تو لائیڈن کے مقالہ نگار اور نولڈیکی نے بھی لیا ہے۔ اسی طرح جدید مصنفین میں منٹگمری واٹ نے اپنے پیشرو میں بعض کی تخلیقات پر تشویش ظاہر کی ہے۔ لیکن یہ تشویش بھی محض تشویش ہے کیونکہ ولیم میور سے لے کر منٹگمری واٹ تک یہ توقع رکھنا کہ مستشرقین سو فی صدی اسلام اور پیغمبر اسلام کے حق میں لکھیں گے' عبث ہے۔

جناب محمد احسان الحق سلیمانی خراج تحسین کے مستحق ہیں کہ اول انہیں مستشرقین کی بیشتر کتب پڑھنے کا موقع ملا' ثانیاً" انہوں نے اپنی اس گرانمایہ تحقیق رسول مبین ﷺ کے لئے یورپ' امریکہ اور بلاد اسلامیہ تک سفر اختیار کئے اور اپنا زیادہ وقت

Marfat.com

وہاں کے کتب خانوں میں مواد کے حصول کے لئے گزارا اور مآل کار اپنی اس تازہ ترین تصنیف میں مستشرقین کے مخاصمانہ اعتراضات کا مدلل اور منہ توڑ جواب دینے میں کامیاب ہوئے۔ یہ وہ کارنامہ ہے جس کی ابتداء سرسید احمد خان، علامہ شبلی، اور مولانا چراغ علی نے کی۔ پھر مولوی رحمت علی کیرانوی، مولوی آل حسن اکبر آبادی، مولوی عنایت اللہ چڑیا کوٹی، مولوی کرامت اللہ اور سید امیر علی جیسے علماء و دانشور یہ فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ سلیمانی مرحوم نے اب اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا ہے۔

رسول مبین ﷺ کئی اعتبار سے منفرد و ممتاز ہے۔ مستشرقین کے جوابات میں لکھی جانے والی اکثر کتابیں اول تو کسی ایک مستشرق کا جواب ہیں یا مختلف مستشرقین کے اعتراضات کا سرسری جائزہ پیش کرتی ہیں۔ مثلاً سرسید کی کتاب سرولیم میور کے رد میں لکھی گئی اور شبلی نے سیرۃ النبی اور محمد حسین ہیکل نے حیاۃ محمد ﷺ کے مقدمہ میں مستشرقین کے اعتراضات پر عالمانہ تنقید کی ہے۔ نیز ان کے تعصبات کے علاوہ ان کے اصول کار کی غلطیاں واضح کر دی ہیں۔ سلیمانی مرحوم کا انداز فکر اور اسلوب نگارش ان سب سے مختلف دکھائی دیتا ہے۔ وہ رسول مبین ﷺ میں مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دیتے ہیں اور ان کے تعصبات کا رد انہی کی کتابوں کے حوالے سے پیش کرتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے سیرت نگاری کے صحیح اصولوں کی نشاندہی کی ہے اور سیرت رسول ﷺ کے معیاری اور احسن نمونے بھی منصہ شہود پر لے آئے ہیں۔

بادی النظر میں رسول مبین ﷺ ۱۹ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب دو حصوں میں منقسم ہے۔ بعض ابواب میں اعتراضات کے تشفی آمیز جوابات کے لئے ضمیمہ جات کے ملحقات کو بھی ضروری سمجھا گیا ہے۔ اس طرح ابواب، ذیلی ابواب، ضمیمہ جات، تعلیقات، اور مصادر و مراجع تک جو سیرت کی اس کتاب کو معراج تحقیق تک پہنچانے میں ممد و معاون ہیں۔ ان کی تعداد پچاس کے لگ بھگ ہے۔ ابتداء میں محقق نے استشراق اور مستشرقین کے موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے اور پھر سیرت نبوی ﷺ کے مختلف پہلوؤں کو خوبصورت عنوانات سے آراستہ کرتے ہوئے ان کی تفصیلات اس انداز میں بیان کر دی ہیں کہ مستشرقین کی غلط اندیشیوں کا اندازہ لگانے میں بھی کوئی مشکل نہیں رہتی اور ان کا باسانی ازالہ بھی ذریعہ تفہیم بن جاتا ہے۔

احسان الحق سلیمانی بلاشبہ ایک بلند پایہ محقق تھے اور فن تحقیق کے رموز و اوقاف سے کماحقہ آگاہ۔ انہیں اس حقیقت کا ادراک تھا کہ تحقیق کا بنیادی اصول امانت و دیانت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہر بات افراط و تفریط سے قطع نظر فکری اعتدال و

Marfat.com

توازن اور بلا رو رعایت بیان کرنے میں بخل سے کام لیا ہے نہ امانت و دیانت کے تقاضوں کو مجروح کرنے کی دانستہ یا نادانستہ سعی کی ہے۔ اگرچہ وہ مستشرقین سے مذہبی اختلاف رکھتے تھے اور اکثر مستشرقین کی اسلام دشمنی اور زہر فشانی کے پیش نظر رسول مبین ﷺ میں ان کے متشدد ہونے کا امکان تھا مگر سلیمانی صاحب نے ایسی کوئی بات نہیں لکھی۔ جس سے استشراقیت پسندوں کی جبیں شکن آلود ہو جائے۔ انہوں نے اپنی اس کتاب میں بعض مستشرقین کی کاوشوں کو سراہا بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول مبین ﷺ ایک خاص مقصد کے تحت لکھی گئی ہے۔ اس کا لفظ لفظ مستشرقین کے ان گمراہ کن تعصبات اور پھیلائے ہوئے زہر کا تریاق ہے' جو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں انہیں مذہبی وراثت سے ملا ہے۔

رسول مبین ﷺ کا مرکزی نکتہ ایمان و رسالت ہے جس کے اردگرد کونین کے تمام حقائق لپٹے ہوئے ہیں۔ ان حقائق کو اجاگر کرنا ایک عاشق رسولؐ ہی کا کام تھا اور احسان الحق سلیمانی مرحوم نے اسے نہایت عرق ریزی سے مکمل کر دکھایا۔ فن سیر اور فن تاریخ کا یہ ایک حسین امتزاج ہے جس کی اہمیت و افادیت کا اندازہ کتاب کے محتویات ہی سے لگایا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب بڑے ادب و احترام' حزم و احتیاط اور محبت و خوف سے لکھی گئی ہے۔ مبادا کوئی ایسا لفظ زبان قلم پر نہ آ جائے جو شان رسالت ﷺ سے مناسبت نہ رکھتا ہو۔ مصنف کا انداز تحقیق جداگانہ ہے اور تحریر کی سادگی و پرکاری کے پہلو بہ پہلو اسلوب نگارش کی انفرادیت۔ لیکن اس کا حرف حرف جذبہ عشق رسالت ﷺ سے مملو ہے۔ عام قاری سے لے کر عالم دین اور محقق تک سب اس کتاب سے یکساں مستفید و مستفیض ہو سکتے ہیں۔

یہ کتاب ابھی زیر طبع تھی کہ احسان الحق سلیمانی اچانک اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ افسوس وہ اس کتاب کو زیور طباعت سے آراستہ نہ دیکھ سکے۔ اب اس کتاب کو شائع کرنے کی سعادت میرے اور سلیمانی صاحب کے مشترکہ دوست اور محسن ملک مقبول احمد حاصل کر رہے ہیں اور یہ مقبول اکیڈمی کے لئے باعث عز و شرف ہے۔ اللہ کرے' یہ کتاب سلیمانی صاحب مرحوم و مغفور کی معرفت اور شفاعت کا ساماں بن جائے۔ (آمین)

ایم۔ ایس ناز
ادارہ تحقیقات اسلامی
(ریسرچ ایسوسی ایٹ)
(بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی)
۲۶ دسمبر ۱۹۹۴ء
فیصل مسجد۔ اسلام آباد

Marfat.com

مقدمہ

(۱)

مختلف اقوام و ملل کی سیاسی ، معاشی اور معاشرتی تاریخ کے مطالعہ سے بہت سی ایسی شخصیات کا پتہ چلتا ہے جن کے نام ان کے کارہائے نمایاں کے سبب جلی حروف میں لکھے گئے ہیں۔ انھوں نے اپنے علم و تجربہ، سعی و کوشش اور تدبر و تفکر سے اپنی قوم کے مختلف گروہوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کی، ان کو نیا سماجی شعور بخشا اور ملی استحکام اور ملکی ترقی کے لیے وہ اقدام کیے کہ قوم نے ان کے سنگی و برنجی مجسمے ترشوا کر شاہراہوں پر نصب کرواتے اور ان کے حالاتِ زندگی اس طرح قلم بند کرواتے کہ آیندہ نسلیں ان کے قدموں پر چل کر اپنے حال کی تعمیر اور آزادی کے نئے ممکنات کی تلاش کر سکیں۔

دنیا کی تمام اہم زبانوں میں ایسی کئی شخصیات کے سوانح ملتے ہیں جنھوں نے انسانیت کی خدمت کے لیے ایک واضح اسلوب اختیار کیا۔ اگر ایک نے طب و جراحت میں نام پیدا کیا تاکہ دکھی انسانیت کو جسمانی عوارض اور بیماریوں سے نجات دلائی جاسکے تو دوسرے نے زندگی کی ان اعلیٰ اقدار کے احیا و بقا کی کوشش کی جن کے بغیر نہ تو سماجی زندگی کی شیرازہ بندی کی جاسکتی ہے اور نہ ہی اخلاقی اور روحانی زندگی میں ترفع پیدا کیا جاسکتا ہے؛ اگر ایک نے قوم کی فکری ژولیدگی کو ختم کر کے اسے حریت فکر سے آشنا کیا تو دوسرے نے قوم کے ذہین طبقے کو عالم انفس و آفاق پر فکر و تدبر کرنے اور کائنات کی عظیم طاقتوں کو مسخر کرنے کی ترغیب دلائی؛ اگر ایک نے کسی پیکرِ خیال کو الفاظ کا حسین جامہ پہنا کر زندۂ جاوید بنا دیا تو دوسرے نے رنگ و سنگ سے آرٹ کے وہ نمونے تخلیق کیے کہ شہرت نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور قبولیت نے انھیں دوام بخشا۔

Marfat.com

جن شخصیات کی سیرت حوالۂ قرطاس ہوتی ہے، ان میں وہ شاہانِ کجکلاہ ہیں جنھوں نے ضعفِ خودی کی بیمار اور انتشار و افتراق کی شکار قوموں کی صفیں اُلٹ دیں، انھیں اپنا باجگزار بنایا اور ان کے وسائلِ دولت کا استحصال کر کے اپنے لیے عیش و طرب کا سامان پیدا کیا؛ ان میں وہ فاتح، کشورکشا ہیں جنھوں نے محض جُوع الارض (Earth Hanger) کے لیے دوسرے علاقوں کو فتح کر لیا اور وہاں پر بسنے والی اقوام کے پاؤں میں وہ بیڑیاں پہنائیں کہ آج تک کاٹی نہیں جا سکیں؛ ان میں فلاسفہ، لکھنے والے وہ ادیب اور شاعر ہیں جنھوں نے اپنی فلسفیانہ موشگافیوں، شاعرانہ تعلیوں، علمی دقیقہ سنجیوں اور بوقلموں تلخ نوازیوں سے کبھی قوم کو "رعنائی خیال" کا تحفہ پیش کیا اور کبھی غمِ دوراں سے وافر حصہ عطا کیا؛ ان میں طبیعات اور مابعد الطبیعات کے وہ مفتش اور حیاتیات و اقتصادیات کے وہ محقق ہیں جنھوں نے اپنے جدید نظریات سے زندگی کی سمت اور ارتقاء کے رُخ کو متعین کیا؛ ان میں جدید دُنیا کے وہ معمار ہیں، جنھوں نے اپنی حرکی قوت اور جاندار فلسفہ سے قوموں کو کورانہ تقلید سے نجات دلا کر انھیں اپنے نیشتر سے عمل کی نئی راہیں نکالنے پر آمادہ کیا اور وہ سائنس دان ہیں جنھوں نے ایسے خوفناک اور تباہ کُن آلاتِ حرب و ضرب ایجاد کیے کہ دُنیا کی سُپر طاقتیں خود ہی "تخفیفِ اسلحہ" کے لیے متحارب گروہوں کے اجلاس بُلانے اور کسی قابلِ عمل فیصلے پر پہنچنے کے لیے مجبور ہو گئی ہیں۔

وہ تمام شخصیات جن کی سیرتیں زمانے کی دست بُرد سے بچ کر ہم تک پہنچی ہیں اپنے اپنے زمانے میں، اپنے افکار و خیالات اور کردار و عمل کے لحاظ سے بلند قد و قامت کی مالک تھیں۔ ان کا فلسفۂ حیات چاہے کچھ ہو، اس پر عمل کرنے والے ہزاروں لاکھوں انسان ہوں گے، لیکن تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ وہ فلسفۂ زندگی جس کی نکتہ آفرینیوں پر انھیں داد ملتی رہی اور وہ اعتقاد و عمل جس کا پرچار وہ عمر بھر کرتے رہے، ان کی موت کے بعد زیادہ دیر نہ چل سکا۔ کیوں؟ برہمو سماج کے حوالے سے کسی نے ٹیگور سے پوچھا کہ یہ مسلک جس کے اصول عقلِ استدلالی کے معیار پر پورے اُترتے ہیں اور جس کی تعلیمات سادہ اور واضح ہیں، کیوں زیادہ دیر تک لوگوں کو اپنے قابو میں نہ رکھ سکا اور ناکام ہو گیا؟ ٹیگور نے، جسے زندگی کے مسائل میں گہری بصیرت حاصل تھی، کہا:

"وہ مسلک یا مذہب جس کے پیچھے کوئی شخصی زندگی پوری طرح جلوہ گر نہ ہو،

Marfat.com

جسے لوگ دیکھ سکیں، جس کے نقشِ قدم پر چلنے میں فخر محسوس کریں اور جس کی اتباع میں اپنے معاشی اور معاشرتی مسائل کو حل کر سکیں، زیادہ دیر تک پروان چڑھ سکتا ہے، نہ زندہ رہ سکتا ہے۔"

(یہ شخصیات ان ستاروں کی مانند ہیں جو رات کی تاریکی میں راہروانِ کوتہ تمنا کی رہنمائی کرتے ہیں لیکن صبح سے قبل ہی غروب ہو جاتے ہیں تاکہ سپیدۂ صبح نمودار ہو اور حیاتِ انسانی زندگی اور حرارت سے دھڑکنے لگے۔)

(حضور ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے جتنے انبیاء (علیہم السلام) دُنیا میں تشریف لاتے، وہ ایک محدود وقت کے لیے اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث کیے گئے تھے تاکہ انھیں مرئی خداؤں کے استھانوں سے ہٹا کر اس خداوندِ قدوس کے آستانۂ جلال و جبروت پر جھکا دیں، جو لوگوں کا اِلٰہ ہے، مونسِ اِنس و جاں ہے اور روزی رساں ہے، لوگوں میں اپنے اعمال کی جواب دہی کا احساس پیدا کریں تاکہ وہ حسنات میں اضافہ کر سکیں، گناہوں کا بوجھ اُٹھانے سے باز رہیں اور عدل و مساوات کو قائم کریں جس کے بغیر معاشرے طبقاتی کشمکش کا شکار ہو جاتے ہیں اور نفرتوں کے آلاؤ انھیں بھسم کر دیتے ہیں۔

دُنیائے مذہب کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ان پاکیزہ ہستیوں کی وفات کے بعد ان کے ربیّوں اور احبار نے ان کی تعلیمات کو یکسر بدل دیا۔ اور اس میں ردّ و بدل اور تحریف و الحاق کے مرتکب ہوتے۔ جب کبھی انبیاء (علیہم السلام) کی تعلیم "مذہب کے ٹھیکیداروں" کے ہاتھوں تلبیس کا شکار ہو جاتی تو خداوندِ علیم و قدیر ایک نیا رسول بھیج دیتے جو پہلی شریعت کو منسوخ کر دیتا اور نئی شریعت کا اجراء کرتا۔ یہ سلسلۂ رشد و ہدایت جس کا آغاز حضرت آدمؑ سے ہوا تھا حضرت عیسیٰؑ پر منتج ہوا۔

حضرت عیسیٰؑ کے بعد کی پانچ چھ صدیاں انسانی تاریخ کا پُرآشوب باب ہیں اور تاریک ترین دور۔ قرآنِ مجید نے اس دَورِ مظلمہ کو کبھی تو ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ کہہ کر یاد فرمایا اور کبھی اس کی مثال اس تاریکی سے دی ہے جس میں ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا۔

أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ
مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ۚ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۗ

لیکن ان استحصالی قوتوں اور مستبد حکومتوں کے باوجود جو اس دَور میں اُبھرتی اور قائم

Marfat.com

ہوتی رہیں؛ اس اخلاقی زبوں حالی اور سیاسی ابتری کے باوجود جس نے معاشروں کو آگ کے گڑھے کے کنارے لا کھڑا کیا اور اس انتشار و افتراق اور ننگ و افلاس کے باوجود جس کا نقشہ ایمفی تھیٹر (Amphi Theatre) اور رومن اکھاڑے؛ معبد اور مندر پیش کرتے ہیں، ہمیں انسان کا شعورِ ذات اپنے ارتقائی مراحل طے کرتا دکھائی دیتا ہے۔ زمین کے وہ قطعات جو ذرائع ابلاغ اور ذرائع نقل و حمل کی کمی کے سبب ایک دوسرے سے کٹے ہوئے تھے، اب ایک دوسرے کے قریب آتے دکھائی دیتے ہیں۔ زندگی کے اس دورِ شباب کے لیے جو چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی سے شروع ہونے والا تھا، نوعِ انسان کو ایک ایسے دستورِ حیات اور ضابطۂ اخلاق کی ضرورت تھی جس کے تحت فرد اپنی خداداد صلاحیتوں اور استعدادوں کی نشوونما کر سکے اور اپنی شخصیت کو نکھار سکے اور معاشرہ اپنے ان تمام فطری داعیوں اور عصری تقاضوں کو پورا کر سکے جو عام حالات میں حرص و آز کے اندرونی رجحانات اور استحصالی قوتوں کے خارجی موثرات سے اثر پذیر ہوتے رہتے ہیں۔

مشیتِ ایزدی نے چاہا کہ نوعِ انسان کو اس کے حال کی تعمیر اور استقبال کی ترقی اور خوشحالی کے لیے ایک ایسا دستورِ زندگی اور مجموعۂ قوانین عطا کیا جائے جو عالمگیر، دائمی اور پائیدار ہو۔ وہ ردّ و بدل کا متحمل ہو، نہ تحریف و الحاق کا شکار۔ اس کا لانے والا "وہ نبی" ہے جسے صحائفِ ربانی میں کبھی فارقلیط کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور کبھی منحمنّا کے نام سے۔ قرآنِ مجید نے اسے محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اسمائے گرامی سے یاد فرمایا ہے۔ کتابِ حکیم اور رسولِ مبینؐ کے درمیان ایک گہرا تعلق ہے۔ جس طرح حکمتِ قرآن انسانی ترقی کے تمام ممکنات کو حاوی ہے، اسی طرح سیرتِ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی جامعیت میں سیرتِ انسانی کی ترقی کے تمام مدارج پر حاوی ہے۔ درحقیقت قرآنِ عظیم اور سیرتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ربط دین و ایمان کی معرفت کا انتہائی مقام ہے ؏

ایں دو شمع اند کہ از یکدگر افروختہ اند

قرآنِ مجید کا لانے والا "اللہ کا بندہ" اور اس کا "رسول" ہے۔ "عبدیت" کا اتمام اس پاکیزہ انسان پر ہوا ہے، صدق جس کا ساتھی تھا، عاجزی اور انکسار جس کا فخر تھا، نماز جس کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی، جہاد جس کی خصلت تھی اور علم جس کا ہتھیار تھا۔ کرشن کی طرح نہ تو "وشنو" نے اس کے اندر حلول کیا ہے، نہ حضرت عیسیٰؑ کی طرح (عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق) وہ

Marfat.com

دو طبیعتوں کا مالک ہے اور "ابن اللہ" کے درجے پر فائز ہے اور نہ ہی اسکندر یونانی کی طرح وہ (Son of Ammon) ہے اور "مافوق البشر" ہے۔ انسان کے علم و آگہی، فہم و فراست اور تدبر و تفکر کی آخر ترین سرحد اگر کوئی معلوم ہو سکتی ہے تو وہ ذات قدسی صفات آقائے نامدار (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہے۔ لفظ "محمدؐ" کے ایک معنیٰ "قضاء الحق" بھی بیان ہوئے ہیں۔ جس سے مُراد یہ ہے کہ "قدرت کی جانب سے نوعِ انسان کو جس سرحدِ کمال تک پہنچانا مقصود تھا اور انسان کا اپنے خالق پر جو حقِ تخلیق مقرر تھا، وہ ختمی مرتبتؐ پر پورا کر دیا گیا۔"

سب کو ملا، بقدرِ ظرف، شعورِ ذات
اُمی لقبؐ پہ ختم ہوئی آگہی تمام

تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ اخلاق و کردار کی پختگی اور تکمیل کا جو نمونہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذاتِ مبارک نے پیش کیا، عالم انسانی اس کی نظیر سے عاجز ہے۔ آیۂ مبارکہ "اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِيْمٍ" اِس پر گواہ ہے۔

قلم نے آج تک جن عظیم شخصیتوں کے سوانح لکھے ہیں یا ان کا سراپا رقم کیا ہے یا ان کی سیرت کے نقوش نمایاں کیے ہیں یا ان کی دعوتِ حق کے نتیجے میں پیدا ہونے والے نظامِ تمدن و اخلاق، نظامِ معیشت و معاشرت، نظام دین و سیاست اور ہیئت اجتماعی کی جزئیات و تفصیلات بیان کی ہیں، ان میں سب سے زیادہ عظیم، سب سے زیادہ معروف اور سب سے زیادہ محبوب شخصیت رسولِ مبین اور رحمۃ للعٰلمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہے۔ آپؐ کی سیرت پاک ایک عام انسان کی بیاگریفی (Biography) نہیں بلکہ ایک ایسے داعیِ انقلاب، معلمِ اخلاق اور نبیِ خاتم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت ہے جسے محی الدین ابن عربیؒ نے "عقلِ اوّل"، "رُوحِ اعظم"، "قرآنِ ناطق" اور "انسانِ کامل" کے حسین القاب سے یاد کیا ہے۔ یہ عہد ساز اور تاریخ ساز شخصیت، دیگر بانیانِ مذہب کے علی الرغم، نہ تو ماضی کے دھندلکوں میں مستور ہے نہ تاریخ کے دبیز پردوں میں نہاں ہے، آپؐ کی زندگی کا ہر پہلو جوہر شناس آنکھ کے لیے صاف اور واضح ہے اور ہر کار آمد گروہ کے لیے قابلِ تقلید ہے۔ "لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" میں آپؐ کی شخصیت کے پہلو دار ہونے اور اس کے قابلِ تقلید ہونے کا اعلان ہے۔

Marfat.com

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) انسان کو "وحیِ الٰہی" کی روشنی میں، بلا امتیاز رنگ و نسل اور بلا لحاظ قوم و وطن، اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لا کھڑا کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ تاریخ کی قوتوں کو اپنے قابو میں لا کر مقاصد و مطامع کی ایک نئی دُنیا آباد کرے۔ آپ کا شعورِ نبوت انسانیت کو نئے قالب میں ڈھالنے کا متمنی تھا اور آپ کی آنکھ جو کچھ دیکھتی تھی، اسے آپ ایک جیتی جاگتی دُنیا کے پیکر میں متشکل کر دینے کے آرزومند تھے۔ آپ کے لائے ہُوئے "پیامِ آخرین" کی قدر و قیمت کا اندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے حیاتِ کائنات میں جس پر افسردگی اور موت طاری تھی کس طرح تموّج پیدا کر دیا اور وحدتِ انسانی کو جو غیر فطری حدود و قیود کے سبب پارہ پارہ ہو چکی تھی، ایک بار پھر "اپنے جامِ صہبائے محبت" سے جوڑ دیا۔

خیز و بخاکِ تشنہ بادۂ زندگی فشاں

نطشے کا "تکرارِ ازل" (Eternal Recurrence) ہو یا ہیگل کا "نظریہ اضداد" ان دونوں کو قرآنِ حکیم کے غیر متبدل قوانین سے، جن کی بنیاد انسان کی فطرتِ صالحہ اور نیکی اور بدی کے آفاقی تصور پر رکھی گئی ہے، کیا نسبت؟ یہی قانونِ دوری حرکت (Cyclic Motion) جب مارکس (Marx) تک پہنچا تو اس کی توجیہہ جدلیاتی (Dialectical Process) طور پر اس طرح کی گئی کہ "دوری حرکت" کا قانون صرف تصورات ہی پر حاوی نہیں بلکہ مختلف نظام ہائے زندگی میں بھی جاری و ساری ہے۔ اس قانون کے مطابق دُنیا میں جب ایک نظامِ معیشت قائم ہوتا ہے تو پھر اس میں سے اس کی ضد دوسرا نظام پیدا ہو جاتا ہے جو پہلے کو ختم کر دیتا ہے جیسے سرمایہ داری (Capitalism) کی کوکھ سے (ردِّ عمل کے طور پر) اشتراکیت (Socialism) نے جنم لیا۔ ان کے خیال کے مطابق یہ زندگی ایک ایسی تجربہ گاہ ہے جس میں انسان عمل اور ردِّ عمل کے آواگون سے کبھی نکلنے ہی نہیں پاتا۔ فلاسفہ کی یہ شرح طبعی زندگی کے بعض علمی مسائل کو حل کرنے میں تو سود مند ثابت ہو سکتی ہے لیکن یہ معاشرتی زندگی میں توافق پیدا کرنے اور روحانی زندگی میں تعامل پیدا کرنے میں بُری طرح ناکام رہی ہے۔ سرمایہ داری بھی (بطور نظامِ زندگی) اتنی ہی بڑی لعنت ہے جتنی اشتراکیت ہے۔ اشتراکیت نے تو ریاست کو (Super Entity) بنا دیا جس نے خالقِ کائنات کی جگہ لے لی۔

Marfat.com

خدا کا قانون کہیں باہر (Super Imposed) سے عائد نہیں ہوتا بلکہ خود اپنی فطرت کی گہرائیوں سے پھوٹتا ہے۔" وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ" (اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین میں کسی طرح کی تنگی نہیں رکھی)۔

بعض لوگوں کا یہ خیال کہ قرآن کے احکام قرنہا قرن کے گزر جانے کے بعد "اضغاثُ احلام" اور "اساطیر الاوّلین" سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتے، نہ صرف غلط ہے بلکہ گمراہ کن بھی ہے۔ یہ نتیجہ ہے مغربی تمدن سے مرعوبیت کا اور انجام ہے ہماری انفعالی کیفیت کا۔ ربّ کائنات کے احکام و فرامین کو انسان کے بنائے ہوئے قوانین پر ہمیشہ فوقیت حاصل رہی ہے اِس لیے قوموں کے دساتیر (Constitutions) جن کی رُو سے مملکت کے بنیادی اصول، اس کے مذہب کی نوعیت، مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کے دائرہ کار کی تعیین کی جاتی ہے، اکثر و بیشتر ترمیم و تنسیخ کے مراحل سے گزرتے رہتے ہیں اِس لیے کہ ان کی تمام تر بنیاد ذاتی یا قومی منفعت، وقتی مصلحت، قلبی رجحانات اور ذاتی تعصبات اور لطفِ طبع پر ہوتی ہے۔

تاریخ سے ایسے نظائر پیش کیے جا سکتے ہیں جہاں ترقی یافتہ قوموں نے عدلیہ کو اپنے دساتیر کے پرکھتے رہنے کا اختیار دے رکھا ہے۔ بعض عالمی شہرت رکھنے والے ماہرینِ قانون نے انسانی فکر کی کوتاہیوں کے پیشِ نظر اس بات کا کُھلے بندوں اعتراف کیا ہے کہ "قانون ساز اداروں کے ارکان کا اختیار ان کے خالق سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔"

یہ خیال بھی اتنا ہی سقیم ہے جتنا یہ کہ ظروف و احوال کے بدلنے سے قوانین بدل جاتے ہیں۔ وہ قوانین جنھیں "وحیِ الٰہی" "قلبِ مصطفےٰ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) پر نقش کرتی ہے کبھی نہیں بدلتے۔ اِس لیے کہ ظروف و احوال کے بدلنے سے انسانی فطرت کے تقاضے بدلتے ہیں نہ اس کے داعیے، احساسات و جذبات کی نوعیت بدلتی ہے نہ اس کے محرکات و مہیجات کی۔ اور نہ ہی ان کی تہذیب و تصعید کے اصول بدلتے ہیں جن سے قرآنِ حکیم نے بحث کی ہے۔

" اخلاقی و معاشرتی قوانین اور انسانی معاملات کے جو اصول فطری ہیں، ان میں نہ کبھی کوئی تغیر ہوا ہے نہ ہو گا۔ نیکی بدی نہیں بنتی، بدی نیکی نہیں۔ سچ جھوٹ نہیں ہو جاتا، جھوٹ سچ نہیں۔ ظلم انصاف کا نام نہیں پاتا اور انصاف

Marfat.com

ظلم کا نہیں۔ دوسروں کے حقوق غصب کرنا، دوسروں کی چیز ناحق لینا، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، دوسروں کی عزت اور آبرو کو داغ لگانا، دوسروں کے مال کو ناجائز طریق سے لے لینا، حق قانون کے بغیر کسی عورت پر تصرف کرنا، کسی کی جائیداد اور ملکیت پر قبضہ کرنا، ہمیشہ ناجائز رہا ہے اور رہے گا۔ لین دین میں طرفین کی رضامندی، لڑائی اور جھگڑے کے اسباب کی روک تھام، اخلاق سوز حرکات کی بندش، فتنہ فساد کا انسداد، ظالمانہ طریقوں کی ممانعت ہر عہد میں ہر قانون کی متفقہ دفعہ رہی ہے۔ جب کبھی کوئی قانون بنا ہے، یہی فطری دفعات قانون کے ضروری اجزاء رہے ہیں۔ اور اب بھی جب کبھی بنے گا، اس کے یہ اجزاء برقرار رہیں گے۔ البتہ اس کے جزئیات نئے نئے پیش آئیں گے، اور نئی نئی شکلوں میں ان کلیات کے فروع سامنے آتے رہیں گے اور ان کے لیے قانونِ الٰہی کے کلیات سے جزئیات اور احکام سے نظائر ہمیشہ نکلتے اور بنتے رہیں گے۔"

اسی قانونِ فطرت کے بارہ میں ایک عظیم مفکر اور دانشور نے کہا تھا:

"صداقتِ مطلق کی زندگی کوئی اجنبی زندگی نہیں۔ اگر وہ ہم سے کہیں باہر ہوتی ہے تو خود ہمارے اندر بھی وہی ہوتی ہے۔ اس کے سامنے جھک جانے سے ہم کسی خارجی مستبد قانون یا کسی بیرونی طاقت کی محکومیت اختیار نہیں کرتے بلکہ ایک ایسے قانون کی اطاعت کر رہے ہوتے ہیں جو ہمارے قلب کی گہرائیوں سے پھوٹتا ہے۔"

علامہ اقبالؒ جنہیں قانون اور اس کے مآخذ پر گہری بصیرت حاصل تھی، اس بات کے معترف تھے کہ انسان کو صرف اسی قانون کی متابعت کرنی چاہیئے جو اسے وحیِ الٰہی کے ذریعے حاصل ہوا ہے، ان کے خیال میں یہ قانون اجماع، قیاس اور اجتہاد کو رد نہیں کرتا بلکہ ارباب علم اور اہلِ ذکر سے توقع رکھتا ہے کہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں "فروعات" کے لیے قواعد کا استنباط کرتے رہیں۔ تاکہ قانون سازی کا کام ایک ترقی پذیر معاشرہ میں نئے حالات کا مقابلہ کر سکے۔ "تشکیلِ الٰہیاتِ جدید" میں وہ اس موضوع پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

Marfat.com

"اسلام بحیثیت ایک نظام سیاست کے اصول توحید کو انسان کی جذباتی اور ذہنی زندگی میں ایک زندہ عنصر بنانے کا عملی طریقہ ہے۔ اس کا مطالبہ خداوندِ قدوس سے (غیر مشروط) وفاداری کا ہے نہ کہ تاج و تخت کے لیے۔ اور چونکہ ذاتِ باری تعالیٰ تمام زندگی کی روحانی اساس سے عبارت ہے، اس لیے اس کی اطاعت کیشی کا مطلب اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ انسان خود اپنی معیاری فطرت کی اطاعت اختیار کرے۔"

"صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً۔"

Marfat.com

۲

سیرتِ طیبہ پر لکھنے والوں میں محدث بھی ہیں اور فقیہ بھی؛ مورخ بھی ہیں اور سیرت نگار بھی؛ مدبر بھی ہیں اور قانون دان بھی؛ ادیب بھی ہیں اور شاعر بھی؛ اپنے بھی ہیں اور بیگانے بھی۔ انہوں نے جس صحت، جامعیت، دقتِ نظر اور شغف سے رسولِ مبین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیاتِ مبارکہ اور آپ کے عہدِ ہمایوں پر قلم اُٹھایا، وہ تو خیر تحسین کے قابل تھے ہی لیکن بعض دوسرے لوگوں نے بھی اِس کام کو جس امعانِ نظر سے انجام دیا ہے، وہ بھی داد کے قابل ہیں۔

انہوں کو حضورِ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایک شعوری اور جذباتی لگاؤ تھا۔ وہ آپ کو دیکھتے رہتے لیکن ان کی آنکھیں نہ تھکتیں؛ وہ آپ کو سنتے رہتے لیکن اُکتاہٹ محسوس نہ کرتے۔ دید میں بھی انھیں حسرتِ دید رہی۔ جہد و کوشش کی کڑی سے کڑی آزمائش سے گزرنے کے باوجود ان کی ہمتیں پست ہوتیں نہ ان کے پاؤں ڈگمگاتے؛ اتباعِ رسولؐ میں انھوں نے سرِ مُو انحراف کیا نہ کبھی تعمیلِ ارشاد میں ان سے سستی ہوئی۔ ان صحابہ کبارؓ کے لیے آپ کی اطاعت عین ذاتِ خداوندی کی اطاعت تھی اور قرباتِ عنداللہ کا واحد ذریعہ۔

قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

۱۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النسآء ۴: ۶۴)

۲۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج (النسآء ۴: ۸۰)

۳۔ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۚ (الشعرآء ۲۶: ۱۲۵-۱۲۶)

۴۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط (اٰل عمران ۳: ۳۱)

۵۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ .... وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (النسآء ۴: ۶۵)

Marfat.com

۶۔ اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْآ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ..... سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا، وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (النور۲۴-۵۱)

ترجمہ ا۔ ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے، اسی لیے بھیجا ہے کہ اذنِ خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔

۲۔ جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی۔

۳۔ مَیں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

۴۔ اے نبیؐ! لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔

۵۔ اے محمدؐ! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے اختلافات میں یہ تم کو حَکَم نہ مان لیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں۔

۶۔ (ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسول کی طرف بُلائے جائیں تاکہ رسولؐ ان کے مقدمے کا فیصلہ کریں تو وہ کہیں کہ ہم نے سُنا اور اطاعت کی۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔)

سیرت نگار

قدیم سیرت نگاروں میں حضرت ابان بن عثمانؓ (۲۰ ھ/۶۴۱ء تا ۱۰۰ ھ/۷۱۸ء) کے بعد حضرت عُروہ بن زبیرؓ (۲۳ ھ/۶۴۴ء تا ۹۴ ھ/۷۱۳ء) کا نام آتا ہے جنھوں نے نقوشِ سیرت کو ضبط و اتقان اور غایت درجہ اہتمام کے ساتھ قلم بند کیا۔ ان کی خاندانی وجاہت، علمی ثقاہت، زہد و قناعت اور حلم و وقار کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی تربیت ایسے پاکیزہ، نیک سیرت اور باعمل ہاتھوں میں ہوئی جو "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ" کے زمرے میں شامل تھے۔ حضرت زبیرؓ بن العوام ان کے والد تھے۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق ان کے نانا تھے، حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ ان کی والدہ تھیں اور اس نسب شریف

Marfat.com

سے حضرت عائشہؓ ان کی خالہ تھیں اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ان کی پھوپھی تھیں۔ ماحول کی پاکیزگی، علمی روایات کی تابانی، اہل علم اور اصحابِ دل سے تعلقات کی فراوانی نے جہاں انھیں خداخوفی، انسان دوستی اور تقرب و انابت کا پیکر بنایا تھا وہاں انھیں روایت و درایت، علم و عمل اور فہم دین و دُنیا کی مسند کا بھی صدر نشین بنا دیا تھا۔

منٹگمری واٹ (Montgomery Watt [۸]) نے، جیساکہ مستشرقین کی عادت ہے، بنی اُمیہ کے ساتھ ان کے تعلقات کی ایسی بھونڈی توجیہہ کی ہے کہ ان کی عظیم شخصیت (بحیثیت سیرت نگار کے) مشتبہہ نظر آنے لگتی ہے۔ اس کا یہ کہنا "کہ حضرت عروۃؓ کی ہمدردیاں ایک مدت تک حزبِ اختلاف کے ساتھ رہیں اگرچہ شاید ۲ھ؁ کے بعد قدرے بدل گئی تھیں، لہٰذا اس کے لیے کچھ جواز موجود ہے کہ عبدالملک کے نام ان کا خط غیر جانبدارانہ نہیں (تعصب سے پاک نہیں)"، نہ صرف غلط ہے بلکہ گمراہ کُن بھی ہے۔ سیاست سے کنارہ کشی، نفرتوں کے ہجوم سے علیحدگی، زندگی کی طرف مثبت رویہ اور مقصدِ حیات کی لگن۔ ایسے عناصر ہیں جنھوں نے حضرت عُروہ بن الزبیرؓ کو اس چیز سے بُلند تر بنا دیا تھا کہ وہ بنی اُمیہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ڈپلومیٹ (Diplomat) کا رول ادا کرتے یا واقعات میں ردّوبدل کرتے۔ یہ واٹ کے ذہن کی ایسی تخلیق ہے جس کے بغیر اس کا عیسائی مستشرق ہونا ثابت ہی نہیں ہو سکتا۔

حضرت عُروہؓ کے پُرخلوص عزائم کا جائزہ لینے کے لیے ہمیں اِس واقعہ پر نگاہ ڈالنی چاہیے جسے ابنِ خلکان نے محفوظ کیا ہے اور جس کا تعلق مسجدِ نبویؐ کی ان صحبتوں سے ہے جن میں حضرت عُروہؓ بن الزبیرؓ، حضرت مصعب بن الزبیرؓ، عبدالرحمٰن بن مسور، عبداللہ بن عبداللہ، ابراہیم بن عبدالرحمٰن اور عبدالملک بن مروان شریک ہوتے۔ عبدالملک ان دنوں ایک شہزادہ تھا جو عظیم حکمران بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس کا شوقِ مطالعہ، علم حدیث میں اس کی بصیرت اور تاریخی واقعات میں اس کا انہماک اس بات کا ثبوت ہیں کہ اگر وہ قبائے شاہی زیبِ تن نہ کرتا تو وہ آسمانِ علم حدیث و فقہ کا ایک روشن ستارہ ہوتا۔ واقعہ یوں ہے:-

"ایک شب عبدالملک، عبداللہ بن الزبیرؓ اور ان کے دونوں بھائی، حضرت عُروہؓ اور مصعبؓ، حضرت معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں ایک جگہ جمع تھے۔ کسی

Marfat.com

نے کہا: آؤ ہم سب اپنی اپنی خواہش کا اظہار کریں۔ عبداللہؓ نے کہا: میری تمنا ہے کہ دونوں مقدس شہروں کا حکمران بنوں اور خلیفہ کہلاؤں۔" مصعبؓ بولے: میری آرزو ہے کہ دونوں عراقوں پر قبضہ کروں اور قریش کی دو حسین عورتیں، سکینہ بنت الحسینؓ اور عائشہ بنت طلحہؓ میرے نکاح میں آئیں۔ عبدالملک بن مروان نے کہا: میری تمنا ہے کہ ساری دنیا پر حکومت کروں اور معاویہؓ کا جانشین بنوں۔ حضرت عروہؓ نے کہا: مجھے اِن باتوں سے کوئی غرض نہیں۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تقویٰ کی زندگی گزاروں، آخرت میں سرخرو ہوں اور ان لوگوں میں شمار کیا جاؤں جن سے علم کی روایت کی جاتی ہے۔"

چنانچہ زمانے نے کروٹ بدلی اور ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی مراد کو پہنچا۔ عبدالملک کہا کرتا تھا:

"جو کوئی دنیا میں جنتی آدمی کو دیکھنا چاہے وہ حضرت عروہؓ کو دیکھ لے۔"

منٹگمری واٹ نے حضرت عروہؓ کو جانبدار اور طالع آزما ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی ہے تاکہ ان کی شخصیت کو متنازعہ فیہ بنا کر سیرت مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اپنی پسند کی تصویر پیش کر سکے۔ اسی عبارت میں جو (Mohammad at Mecca) کے صفحہ ۱۸۱-۱۸۲ سے لی گئی ہے، وہ آنحضورؐ کے دور میں پارٹی سسٹم (Party System) کا وجود ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جس میں اہم کردار حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح ادا کر رہے تھے۔ اس پارٹی کو واٹ (Tri-um-Virate) کے نام سے یاد کرتا ہے اور بتانا چاہتا ہے کہ یہ ایک (Pressure group) تھا جس کی مرضی اور منشا کے خلاف کوئی کام طے نہ پاتا۔ واٹ بھی بہت دُور کی کوڑی لایا ہے۔ کیا اس کا نام مورخانہ واقعہ نگاری ہے؟ اور کیا یہی محققانہ روشن خیالی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عروہؓ کے عبدالملک اور بعد میں ولید کے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے جو سیاسی وابستگیوں سے ماورا تھے اور وہ ان صحبتوں کا نتیجہ تھے جن کو مسجدِ نبویؐ کے ساتھ پُرخلوص نسبت تھی۔

عبدالملک بن مروان جید صحابہؓ سے ابتدائی غزوات کے حالات معلوم کرتا رہتا تھا اور

Marfat.com

وہ حضرت عروہؓ سے بھی علمی استفادہ کی کوشش کرتا۔ حضرت عثمانؓ کے فتاوے اسے زبانی یاد تھے۔ اس نے حضرت ابوہریرہؓ اور ابوسعید خدریؓ جیسے کبار صحابہؓ سے حدیثیں سُنی تھیں۔ اگر اس نے مدینہ منورہ کی طرف رجوع کیا تھا جو علم و ادب کا مرکز اور حدیث و فقہ کا گہوارہ تھا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ حضرت عروہؓ کے رسائل سے جو اقتباسات ہمیں ابن اسحاق، الواقدی اور ابنِ جریر الطبری کے ہاں ملتے ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عروہؓ نے سیرت و مغازی سے متعلق بہت سا مواد تحریری صورت میں جمع کر رکھا تھا جس کی روایت ان کے بیٹے ہشام بن عروہؓ اور محدثِ عظیم ابنِ شہاب الزہری کے واسطے سے ہوتی ہے۔

جن واقعات کے بارے میں حضرت عروہؓ نے عبدالملک کو آگاہ کیا، ان میں ہجرتِ حبشہ، ہجرتِ مدینہ، جنگ بدر، اُحد اور فتح مکّہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت عروہؓ کی تحریریں نہ صرف عربی زبان کی ابتدائی (تاریخی) نثر کے اسالیب پر روشنی ڈالتی ہیں بلکہ ان سے رسولِ مبین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیاتِ طیبہ کے بہت سے پہلوؤں کے مطالعہ میں آسانی بھی پیدا ہوتی ہے۔ حضرت عروہؓ کو لطافتِ جذبات سے وافر حصہ ملا تھا۔ وہ واقعات کی تطبیق کرتے ہوئے اشعار کا خوبصورت استعمال کرتے ہیں۔ ان کی موت جسم میں کینسر کے پھیل جانے سے واقع ہوئی۔ ان کی ایک ٹانگ کاٹ دی گئی تھی۔ اپنے بیٹے کی بے وقت موت اور اپنی ٹانگ کے کٹ جانے پر آپ نے جس صبر و تحمل کا ثبوت دیا، اس کا اظہار درج ذیل عبارت سے ہوتا ہے:۔

"اے اللہ! تو نے میرا ایک عضو چھین لیا مگر باقی اعضاء تو محفوظ ہیں۔ اگر ایک بیٹے کو مجھ سے جُدا کر دیا تو کوئی غم نہیں، دوسرے بیٹے تو ہیں۔ اگر تیری طرف سے آزمائش آتی ہے تو عافیت بھی تو ہی مہیا کرتا ہے۔"

حضرت عروہؓ کے بعد وہب بن منبہ (۳۴ھ تا ۱۱۰ھ) کا نام آتا ہے۔ جو خود آگاہ اور خداشناس انسان تھے۔ ان کے رسائل کا اکثر و بیشتر مواد یہودی اور عیسائی رواۃ سے لیا گیا ہے یا پھر ان صحائف سے ماخوذ ہے جن کا مطالعہ انھوں نے دقتِ نظر سے کیا تھا۔ "کتاب المبتداء" اور "قصص الانبیاء" ان کی اہم تصنیفات ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وقت کے گزرنے کے ساتھ بہت سی غیر معتبر روایات ان کی کتابوں میں راہ پا گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جامعینِ حدیث نے ان سے اخذ سے اجتناب کیا ہے۔ حاجی خلیفہ کے مطابق، انھوں نے

Marfat.com

سیرت و مغازی پر بھی لکھا ہے جس کا کچھ حصّہ ہائیڈل برگ (Heidel berg) کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس مخطوطے پر ۲۲۸ھ درج ہے، گویا کہ اسے آپ کی وفات کے کم و بیش سو سال بعد تیار کیا گیا۔ متن میں کوئی ایسی چیز نہیں جو نئی ہو۔ لیکن یہ مخطوطہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیاتِ طیبہ سے متعلق بیشتر مواد، جس سے بعد میں آنے والے سیرت نگاروں نے خوشہ چینی کی ہے، پہلی صدی ہجری کے اخیر تک اکٹھا کر لیا گیا تھا اور وہ ضروری اسناد کے ساتھ تحریری صورت میں موجود تھا۔

اس دَور کی ایک اور اہم شخصیت عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم ہیں۔ جن کے آباؤ اجداد کی خدمات اسلام کے لیے اَن گنت ہیں۔ وہ ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے جس میں اسلامی علوم کا ہمیشہ چرچا رہا اور شاعری کا غلغلہ رہا۔ ان کے والد ابوبکر مدینہ کے گورنر اور قاضی القضاۃ تھے۔ عبداللہ کو حدیث کا زیادہ سرمایہ اپنی خالہ عمرہؓ بنت عبدالرحمٰن سے ملا جن کے حضرت عائشہؓ کے ساتھ قریبی تعلقات تھے۔ عبداللہ بن ابی بکر کی روایات آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ابتدائی زمانے سے لے کر وفود تک جو ۹ھ میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوتے اور ردّہ (قبائل عرب کے ارتداد) کے واقعات کو محفوظ کیے ہوئے ہیں۔ ہمارا یہ سیرت نگار نہ صرف ثقہ اور محتاط تھا بلکہ گہرے تاریخی شعور کا مالک تھا۔ انھوں نے تمام واقعات کو تاریخی ترتیب سے مدوّن کیا ہے۔ انھیں بعض ضروری کتابوں اور اہم دستاویزات تک رسائی حاصل تھی۔ ان کے پاس وہ مکتوبِ گرامی محفوظ تھا جو آنحضورؐ نے ملوکِ حِمیَر کو لکھا تھا۔ اور وہ مفصل دستاویز بھی موجود تھی جو فخرِ موجوداتؐ نے ان کے پردادا کو ان کی رہنمائی کے لیے عطا فرمائی تھی جب وہ اہلِ نجران کی تعلیم و تربیت کے لیے بھیجے گئے تھے۔

اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی حضرت محمد بن مسلم بن شہاب الزہری (۵۱ھ تا ۱۲۴ھ) ہیں جو ایک مسلّم محدّث اور عظیم سیرت نگار ہیں۔ وہ قرآن و سنّت پر عمل کرنے والے اور سچ بات کہنے والے تھے۔ علامہ الذہبی نے اپنی کتاب "تہذیب التہذیب" میں ان کی سچائی اور ثابت قدمی پر ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حق بات کہنے والے اور کھری کھری سنانے والے تھے۔ واقعہ یوں ہے:

"ایک دن الزہری اموی خلیفہ ہشام کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ سلیمان بن یسار بھی

Marfat.com

وہاں آپہنچے۔ ہشام نے پوچھا کہ قرآن کی آیۃ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ مِنْھُمْ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (سورہ النور : ۱۱) میں کس شخص کی طرف اشارہ ہے سلیمان نے کہا عبداللہ بن اُبی کی طرف جو منافقین کا سردار تھا، اس پر ہشام نے کہا : تم جھوٹ بولتے ہو: اس میں اشارہ (حضرت) علی کرم کی طرف ہے۔ ہشام نے الزہری کی طرف دھیان کرتے ہوتے پوچھا : تم بتاؤ؟ الزہری نے کہا : عبداللہ بن اُبی کی طرف۔ ہشام نے جھنجلا کر کہا : تم بھی جھوٹے ہو۔ یہاں (حضرت) علیؓ ہی مراد ہیں۔ الزہری نے کہا : مَیں جھوٹا ہوں؟ خدا کی قسم اگر آسمانوں سے ندا دی جائے کہ خدا نے جھوٹ بولنا جائز قرار دے دیا ہے، مَیں تب بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

علامہ الزہری نے متواتر دس سال تک حضرت سعیدؒ بن المسیب سے اکتساب حدیث کیا، سعید قریش کے چار علمی سمندروں میں سے ایک تھے۔ جبکہ باقی تین حضرت عروۃؓ (بحرٌ لا ینزف)، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور عبیداللہ بن عبداللہ تھے۔ عبیداللہ بھی اپنے زمانے کے عظیم فقیہہ اور شاعر تھے۔ حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے ان کے بارہ میں کیا خوب کہا تھا :

" افقہ الشعراء واشعر الفقہاء"

(شعراء میں بہترین فقیہہ اور فقہا میں بہترین شاعر)

ابوالزناد، محمد بن عکرمہ اور صالح بن کیسان کی شہادتیں اس بارہ میں موجود ہیں کہ الزہری زود نویس تھے، ثقہ تھے اور بلا کا حافظہ رکھتے تھے۔ انھوں نے جو تحریری مواد چھوڑا ہے، اس کی کثرت کا اندازہ اس ذخیرے سے لگایا جا سکتا ہے جو الولید کے قتل کے بعد اس کی لائبریری سے حاصل ہوا۔ یہ تمام ذخیرۂ کتب الزہری کے علم پر مشتمل تھا۔ ابن خلکان نے ان کے شوقِ مطالعہ اور ذوقِ تحقیق و تجسس پر ان کی بیگم کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔ کتنے برمحل ہیں :

"کہ الزہری جب گھر میں بیٹھتے تو ان کے چاروں طرف کتابیں ہوتیں اور وہ دُنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہوتے۔ اس پر ایک دن ان کی بیوی نے کہا : یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے زیادہ شاق ہیں۔"

الزہری کے شاگردوں میں موسیٰ بن عُقبہ (جن کی کتاب کے بعض حصے دستیاب ہو گئے ہیں)

Marfat.com

خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ حضرت مالک بن انسؒ انھیں ثقہ سمجھتے اور لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ مغازی کا علم ان سے سیکھا جائے۔ وہ الواقدی کی طرح زود نویس نہ تھے بلکہ حزم و احتیاط سے کام لینے والے تھے۔ موسیٰ بن عقبہ کی کتاب "المغازی" کے بعض حصے مل جانے کے بعد، ان روایات میں سے اکثر کی تصدیق ممکن ہو سکی ہے جو احادیث کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ موسیٰ کی کتاب میں بیعتِ عقبہ میں حصہ لینے والوں کے اسماء، ہجرتِ حبشہ میں شرکت کرنے والوں کے نام اور جنگِ بدر میں شامل جانثاروں کی مکمل فہرست درج ہے۔ حضرت امام مالکؒ ان فہرستوں پر انحصار کرتے اور انھیں مستند (Puthen Tic) سمجھتے۔ الواقدی، ابنِ سعد اور الطبری نے ان سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ موسیٰ کی روایات کا انحصار زبانی روایات سے کہیں زیادہ ان خطوط اور دستاویزات پر تھا جو انھوں نے جمع کر رکھی تھیں۔ ہمیں تاریخی واقعات ان کے ہاں تاریخی ترتیب سے لکھے ہوتے ملتے ہیں جو جرح و تعدیل کے مرحلوں سے گزر چکے ہیں۔

الزہری کے ارشد تلامذہ میں محمد بن اسحٰق بھی ہے جو آسمانِ شہرت کا تابندہ ستارہ ہے وہ ۸۵ھ کے لگ بھگ پیدا ہوا اور ۱۵۱ھ/۷۶۸ء میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا۔ اس کی کتاب "المغازی"، سیرت و مغازی پر وہ شہرۂ آفاق کتاب ہے جس کی نظیر ملنا محال یہ کتاب ابنِ ہشام کی کوشش و کاوش کا نتیجہ ہے اور اب "سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام سے موسوم ہے۔

ابن اسحٰق کو شروع ہی سے روایتِ نبویؐ سے گہرا شغف تھا۔ وہ اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جس میں ابنِ شہاب الزہری، عاصم بن عمر بن قتادہ اور عبداللہ بن ابی بکر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مدینہ منورہ میں ایک مدت تک تاریخی سرمایہ اکٹھا کرتے کے بعد وہ مصر کی طرف کوچ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جہاں انھوں نے یزید بن ابی حبیب (م ۱۲۸ھ) سے حدیث کی سماعت کی۔ یزید بن ابی حبیب وہ شخصیت ہیں جنھوں نے سب سے پہلے علم حدیث کا پودا مصر میں کاشت کیا۔ یہی پودا بڑھ کر گرانڈیل درخت بنا اور ہزاروں تشنگانِ علم نے اس کے گھنے سائے میں پناہ لی۔ الزہری نے جو ۱۲۳ھ کو مدینے میں تھے، ابنِ اسحٰق کا تعارف کراتے ہوئے کہا تھا:

"مدینہ میں علم کبھی کم نہ ہوگا جب تک ابنِ اسحٰق زندہ ہیں۔"

Marfat.com

یہ اتفاق کی بات ہے کہ ابنِ اسحٰق نے حضرت مالک بن انسؓ اور ہشام بن عروہؓ کی دشمنی مول لے لی۔ جس کے نتیجے میں ان پر کبھی قدری ہونے کا الزام لگایا گیا اور کبھی شیعی ہونے کا۔ بعض لوگوں نے ان کی صداقت پر بھی حرف گیری کی ہے۔ ان حالات میں ابنِ اسحٰق نے مدینہ منورہ چھوڑ، بغداد میں پناہ لی۔ اوّل الذکر سے ان کا جھگڑا اس لیے تھا کہ وہ (ابنِ اسحٰق) حضرت مالک بن انسؓ کے علمی کام سے مطمئن نہ تھے اور ہشام سے اختلافات اس لیے بڑھتے جا رہے تھے کہ وہ ان کی بیوی فاطمہ سے روایت کرتے تھے اور ہشام غصّے کی حالت میں جھنجھلا کر کہتے کہ ابنِ اسحٰق ان کی بیوی سے تو کبھی ملا ہی نہیں۔ حقیقت یہ تھی کہ ابنِ اسحٰق نے فاطمہ سے وثوق کے ساتھ روایت کی ہے۔ جو ان سے عمر میں تیس چالیس برس بڑی تھیں۔

ابنِ اسحٰق نے حقائق و واقعات کی تلاش، ان کے حصول اور ان کی چھان پھٹک کے لیے ہر ممکن کوشش کی ہے۔ انھوں نے حضرت عروہؓ کی مرویات ان کے مولی یزید بن رومان سے حاصل کیں اور آلِ زبیرؓ کے دوسرے موالی سے بھی بھرپور استفادہ کیا۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جہاں کہیں انھیں ضرورت محسوس ہوتی انھوں نے حاملینِ توراۃ سے بھی استفادہ کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا۔

ابنِ اسحٰق پر کیے گئے اعتراضات کا جواب ابنِ سیدالناس (ابوالفتح محمد بن محمد بن سیدالنّاس الاندلسی) (م ۷۳۴ھ/۱۳۳۴ء) نے اپنی تصنیفِ لطیف "عیون الاثر" میں بڑی خوبصورتی سے دیا ہے۔ انھوں نے بڑی محنت اور کوشش سے وہ تمام حوالے اکٹھے کر دیئے ہیں جو ابنِ اسحٰق کے حق میں ہیں اور وہ بھی جو اس کے خلاف ہیں۔ ابن سیدالنّاس نے ہشام بن عُروہؓ اور حضرت امام مالکؒ کے اعتراضات کو بھی تاریخی تناظر میں پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی تحقیق کا ماحصل یہ ہے :-

۱۔ اگرچہ ابنِ اسحٰق کی روایات میں مکمل دستاویزی شہادتوں کی کمی ہے لیکن جو مفہوم یا مافیہ وہ بیان کرتا ہے، اس میں اس کی صداقت پر کلام کی کوئی گنجائش نہیں۔

۲۔ ابنِ اسحٰق نے اپنی سیرت میں کہیں بھی حضرت ابوبکرؓ کی آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے والہانہ محبت و عقیدت اور جذبۂ ایثار و قربانی اور حضرت عمرؓ کی

Marfat.com

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے غیر مشروط اطاعت اور بے لوث محبت کو چھپانے یا گھٹانے کی کوشش نہیں کی۔

۳۔ ابنِ اسحٰق کا تاریخی شعور اپنے شباب پر نظر آتا ہے۔ اگرچہ تیسری صدی ہجری میں حدیث کی موجودہ ہیئت کو اس کے مافیہ کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دی جانے لگی تھی۔ اور سلسلہ رواۃ کا بیان کرنا ضروری سمجھا جانے لگا تھا۔

۴۔ جب تک ابنِ اسحٰق مدینے میں رہا، اس کے تعلقات حضرت امام مالکؒ سے خراب رہے۔ لیکن جب اس نے عراق جانے کا فیصلہ کر لیا تو ان دونوں حضرات میں صلح ہو گئی۔ امام مالکؒ نے اسے ۵۰ دینار اور اپنی کھجور کی فصل کا نصف حصہ بطورِ تحفہ پیش کیا۔ گیوم (A-Guillaume) کا خیال ہے کہ "جہاں تک ابنِ اسحٰق کے قدری یا شیعی ہونے کا تعلق ہے وہ کسی دوسرے میدان میں توضیح ہو سکتا ہے لیکن "سیرت" سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ہر شخص اس بات کی تصدیق کرے گا کہ "سیرت رسولؐ اللہ" انتہائی دیانتداری، صداقت اور غیر جانبداری کے ساتھ لکھی گئی ہے"۔

ابنِ اسحٰق نے "کتاب المغازی" میں جن اشعار کا استعمال کیا ہے، ان میں سے اکثر جعلی شمار کیے گئے ہیں۔ ایسے نظر آتا ہے کہ اشعار کے سلسلے میں جو کچھ اسے ملا، اس نے بلا جرح و تنقید اکٹھا کر دیا۔ اگرچہ ابنِ ہشام نے، جو خود شعر و شاعری میں ناقدانہ بصیرت کا مالک تھا، سیرت کی تدوین کے وقت ایسے تمام اشعار نکال دیئے ہیں جن کے بارے میں شک کیا جاتا تھا، لیکن اس کے باوجود یہ سوال قاری کے سامنے رہتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟

ابنِ اسحٰق کے متن کی روایت کرنے والوں میں زیاد بن عبداللہ البکائی (م ۱۸۳ھ) یونس بن بکیر (م ۱۹۹ھ) سلمہ بن الفضل (م ۱۹۱ھ) اور علی بن المجاہد (م ۱۸۰ھ) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ تمام لوگ مخلص اور قابلِ اعتماد تھے۔

جہاں تک ابنِ اسحٰق کے حدیث میں پایۂ علمی اور ثقاہت کا تعلق ہے، یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ امام بخاریؒ نے ان سے مغازی اور سیرت پر واقعات کا انتخاب کیا

Marfat.com

ہے۔ حضرت ابوعیسیٰ ترمذیؒ اور ابنِ حبان نے اُسے بطور سند استعمال کیا ہے۔ حافظ ابنِ کثیر جیسے محدث اور ناقد سیرت نگار نے "کتاب المغازی" کو "منارۂ نور" اور قابلِ فخر کارنامہ" قرار دیا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کی اس رائے کے بعد کہ تمام لوگ" سیرت و مغازی میں ابنِ اسحٰق کے احسان مند ہیں"۔ اسے اپنے مصادر میں شامل کیا ہے۔

یہ انتہائی ناسپاسی ہو گی اگر ہم عبدالملک بن ہشام (الحمیری المعافری) کا، جو دو واسطوں سے علامہ ابن شہاب الزہری کے شاگرد ہیں، شایانِ شان ذکر نہ کریں۔ ابنِ اسحٰق کی اصل کتاب تو ناپید ہے لیکن ابنِ ہشام نے "کتاب المغازی" کی تلخیص و تہذیب اور تحقیق و تنقیح جس کاوش اور ذرف نگاہی سے کی ہے، وہ "سیرت ابن ہشام"، کے نام سے موجود ہے۔

عبدالملک بن ہشام کی پیدائش ۱۱۲ یا ۱۲۲ھ میں ہوئی، جو دوسری صدی ہجری کا آغاز ہے۔ یہ عہد اسلام کی علمی اور ادبی تاریخ میں ایک زریں باب کی حیثیت رکھتا ہے مسلمانوں نے دوسری زبانوں کے علمی، ریاضیاتی، سائنسی اور فلکیاتی خزانوں کو عربی میں منتقل کر کے نہ صرف اپنے ذخیرۂ علوم میں اضافہ کیا بلکہ علوم و فنون کی تشکیلِ جدید اور ترویج و اشاعت میں تحقیق و تفتیش کے نئے انداز پیدا کیے جس سے سائنسی فکر کے نئے دھارے بہہ نکلے۔ یہی وہ دور ہے جس میں عربی اور عجمی تہذیبوں کے امتزاج سے ایک نئے اسلامی تمدن کی داغ بیل پڑی جس کی تمام تر بنیاد حریتِ فکر، احترامِ آدمیت اور عدل و مساوات کے عالمگیر اصولوں پر رکھی گئی تھی۔

کوفہ کے علاوہ جو علوم و فنون کا مرکز اور شعر و ادب کا گہوارہ تھا، بصرہ کی نئی چھاؤنی کو بھی غیر معمولی اہمیت حاصل ہوئی۔ شعر و ادب کی محافل نے بصرہ کو جو رونق بخشی وہ تو تھی ہی لیکن مربد کے میلوں نے اس کے رنگ کو اور زیادہ شوخ کر دیا۔ یہاں پر تفسیر و حدیث، لغت و نحو اور انساب و اخبار کے وہ سدا بہار پھول کھلے جن کی خوشبو سے ایک زمانہ مہکتا رہا۔ ابوعمرو بن علا۔ (۱۵۴ھ) سفیان ثوری (۱۶۱ھ) خلیل بن احمد (۱۷۵ھ)، سیبویہ (۱۸۰ھ)، یونس بن حبیب (۱۸۲ھ)، ابوعبیدہ (۲۱۰ھ) اور اصمعی (۲۱۳ھ) ان قد آور شخصیتوں میں سے چند ہیں جنھوں نے اپنی قابلیت، تبحرِ علمی اور ذکاوت و ذہانت کا لوہا دُنیا سے منوایا ہے۔ ہمارا فاضل مؤلف بھی اسی شمیمِ جانفزا کی پیدا وار ہے۔ ابنِ ہشام

Marfat.com

نے کئی مایہ ناز ہستیوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ خیال رہے کہ ابنِ ہشام نے سیرت الرسول کی روایت زیاد البکائی سے کوفہ میں کی تھی۔ حضرت امام شافعی (۲۰۴ھ) سے ابن ہشام کی ملاقات مصر میں ہوئی جہاں وہ ۱۹۹ھ میں پہنچے تھے۔ دونوں حضرات کی ملاقات ایک دوسرے کے لیے انتہائی دلچسپ اور مفید رہی۔ تبادلۂ خیالات کے علاوہ جس سے ذہن میں ترفع پیدا ہوتا ہے، دونوں میں تعلقات کی گرمجوشی پیدا ہوئی جو اخیر تک رہی۔ مصر ہی میں ابنِ ہشام نے سیرت کا درس دینا شروع کیا اور یہیں پر وہ آسودۂ خاک ہوئے۔

ابنِ ہشام ادیب تھے، نحوی تھے، ماہرِ انساب تھے، امامِ لغت تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ سیرت نگار تھے۔ ابنِ اسحٰق کی سیرت ابنِ ہشام کی تہذیب و تدوین کے بعد اس قدر مشہور ہو گئی ہے کہ وہ "سیرت ابنِ ہشام" کے نام سے یاد کی جانے لگی ہے علامہ ابنِ حجر کا خیال ہے: کہ ابنِ ہشام نے زیاد بن عبداللہ البکائی سے سیرت کی روایت کوفہ میں کی، اس کی از سرِ نو شیرازہ بندی اور تلخیص کا کام بصرہ میں شروع کیا اور تنقیح و تحقیق کا سلسلہ مصر کے زمانۂ قیام تک جاری رہا۔"

ابنِ ہشام نے اصل کتاب میں سے ان تمام روایات کو قلم زد کر دیا جن میں نہ تو آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر تھا اور نہ ہی ان کی تائید میں قرآنِ مجید کی کوئی آیت موجود تھی۔ اس نے ان تمام اشعار کو بھی نکال دیا جن کے بارے میں ماہرینِ شعر نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تھا، اس نے وہ روایات بھی خارج کر دیں جن پر البکائی نے عدم اطمینان کا اظہار کیا تھا۔

ابنِ ہشام نے تلخیص و تہذیب کے علاوہ ابنِ اسحٰق کی سیرت پر ضروری حواشی بھی لکھے ہیں۔ جن سے کتاب کی قدر و قیمت دو چند ہو گئی ہے۔ اس نے مشکل الفاظ کی تشریح کر کے قارئین کے لیے سہولت اور دلچسپی پیدا کر دی ہے۔ شعری مواد کی چھان بین، واقعات پر حواشی اور تعلیقات کا اضافہ، اختلاف کی صورت میں بعض روایات کی بعض پر ترجیح، شبہات کا ازالہ اور دوسرے ضروری اضافے ابنِ ہشام کی محنت، دقّتِ نظر اور وسعتِ مطالعہ کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور یوں دکھائی دیتا ہے کہ اس نے سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تدوین میں اپنی ساری صلاحیتیں نچوڑ کر رکھ دی ہیں۔

Marfat.com

ابنِ ہشام نے ۲۱۸ھ میں مصر میں وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو۔
سیرت ابنِ اسحٰق وہ واحد کتاب ہے جس کی علماءِ سیرت نے بہترین تلخیصیں پیش کیں، اس کی شرحیں لکھیں اور اسے منظوم کیا۔ تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں۔ اس سلسلے کی ایک اہم کڑی "الروض الأنف" ہے جو امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد السہیلی (م ۵۸۱ھ) کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔ یہ بیش قیمت معلومات، روح پرور واقعات اور نادر افادات کا خزانہ ہے۔ اس کی ایک اور اہم شرح علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی (م ۸۵۵ھ) کے قلم سے نکلی ہے۔ وہ تفسیر و حدیث اور تاریخ و فقہ کے بلند پایہ عالم تھے۔ "عمدۃ القاری شرح الصحیح البخاریؒ" کے مصنف کی حیثیت سے وہ علمی حلقوں میں ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں۔

کئی شعراء نے سیرت الرسول کو منظوم کیا ہے جن میں ابونصر بن موسیٰ خضرادی، (م ۶۶۳ھ) کا نام قابلِ ذکر ہے۔ وہ سیوط کے قاضی تھے اور نظم پر عظیم قدرت کے مالک تھے۔ اس کے انگریزی، فارسی، لاطینی، جرمنی اور اردو زبانوں میں بھی کئی تراجم ہو چکے ہیں۔ ہمارے سامنے جو عربی نسخہ موجود ہے اسے مصطفیٰ السقا، ابراہیم الابیاری اور عبدالحفیظ شبلی نے ایڈٹ (Edit) کیا ہے اور انگریزی ترجمہ الفرڈ گیوم، (A-Guillume) کا ہے جسے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے ۱۹۵۵ء میں طبع کیا ہے۔

اوپر کی تفصیلات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ابنِ ہشام کو سیرت نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے محبت ہی نہ تھی بلکہ انھیں حضور ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی علوِ مرتبت اور جلالتِ شان کا پورا احساس تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ابنِ اسحٰق کی سیرت کو مربوط اور منقح صورت میں پیش کرنے کے لیے پوری محنت، شغف اور بصیرت سے کام لیا ہے۔ ان کے قلم میں انتہائی درجے کی سلاست، اعجاز اور وقار پایا جاتا ہے ان کا اسلوبِ نگارش علمی ہے اور ان تمام محاسن کا، جو ایک علمی اسلوب کا طرۂ امتیاز ہو سکتے ہیں، مجموعہ ہے۔

سیرتِ نبویہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر لکھنے والے یوں تو بے شمار ہیں لیکن اساطین میں سے صرف چار ہیں :-

Marfat.com

۱۔ ابنِ اسحٰق

۲۔ محمد بن عمر الواقدی

۳۔ ابو عبداللہ محمد بن سعد

۴۔ علامہ ابن جریر الطبری

ابنِ اسحٰق پر تبصرہ اوپر گزر چکا ہے۔ الواقدی ۱۳۰ ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوا۔ اس نے مدینہ کے مشہور محدثین سے حدیثِ نبویؐ کی سماعت کی تھی۔ وہ سخا اور حیا کی صفات سے متصف تھا۔ غالباً اسی لیے اکثر مقروض رہتا۔ اور جب قرض میں تا بہ کمر ڈوب جاتا تو پھر بغداد کا رُخ کرتا تاکہ خلفائے بنی عباس اس کا بوجھ ہلکا کرنے میں اس کی مدد کریں۔ یحییٰ بن خالد برمکی اس کے محسنوں میں سے تھا۔ اس کے واقدی پر احسانات بے پایاں تھے تاکہ یہ فقیرِ روزگار اپنے علمی مشاغل کو یکسوئی سے جاری رکھ سکے۔

واقدی کا کہنا تھا: "کسی شخص کا حافظہ اس کی اپنی تصنیفات سے زیادہ نہیں ہوتا لیکن میرا حافظہ میری تصنیفات سے کہیں زیادہ تھا۔" اس کی "کتاب المغازی" اور "کتاب الطبقات" ایسی کتابیں ہیں جن سے بعد کے سیرت نگاروں نے پوری طرح استفادہ کیا ہے۔ ہم واقدی کو "مدینہ سکول" کا صحیح نمائندہ کہہ سکتے ہیں۔ اگرچہ محدثین واقدی کو ثقہ نہیں مانتے، لیکن سیرت، مغازی اور فقہ میں اس کا درجہ بہت بلند ہے۔ مولینا شبلی نعمانی نے بھی اسے "ناقابلِ اعتماد" اور "ناقابلِ ذکر" قرار دیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغازی اور سیرت میں واقدی کے بغیر بات بنتی نظر نہیں آتی۔ کہا گیا ہے کہ واقدی نے سیرتِ پاک میں روایات کو جس بے احتیاطی سے جمع کیا ہے، اس سے شہ پاکر مستشرقین نے شارعِ اسلام (علیہ السلام) کو بیجا تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ اس نے اکثر "گرمیٔ سخن اور شوقِ داستاں سرائی میں ختمی مرتبتؐ سے متعلقہ روایات اور واقعات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ بد باطن مؤرخین اور سیرت نگاروں نے اس کے" اکاذیبِ باطلہ کے جھوٹے موتیوں کو ایک بیش بہا تاج بنا کر اپنی تحقیق کے سر پر رکھ دیا ہے۔"

یہ مکمل حقیقت نہیں بلکہ کسی حد تک جانبدارانہ رائے ہے۔ مستشرقین نے اپنے اعتراضات کے لیے حدیث و سیرت سے صرف اور صرف ان روایات کا انتخاب کیا ہے جن سے وہ اپنے مذموم ارادوں کی تعبیر بیان کر سکتے تھے اور اسلام کے مآخذ و مصادر کو تنقید کا نشانہ بنا سکتے تھے

Marfat.com

تاکہ مسیحی نظامِ تمدّن و اخلاق کو اسلام کے مقابلے میں برتر اور اولیٰ ثابت کر سکیں ۔ یہی سلوک انھوں نے واقدی کے ساتھ کیا جسے "ابن الناس" کہا گیا اور کبھی "امیر المومنین فی الحدیث" کے نام سے یاد کیا گیا ۔ اگر ابنِ معین ، ابن حاتم ، ابنِ راہویہ اور دارقطنی ایسے محدثین اسے ضعیف سمجھتے ہیں تو وہ اخبار و احوال اور سیَر دفتہ میں اُسے ثقہ بھی مانتے ہیں ۔ اس میں شک نہیں کہ اس نے خیال آفرینی کے شوق میں عبارت آرائی سے پرہیز نہیں کیا اور اس کا طرزِ بیان سیرت و تاریخ سے کہیں زیادہ افسانہ و ناول کے لیے موزوں ہے ۔ خطیبِ بغدادی نے واقدی کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے اس کے شوقِ تحقیق و تفحص کے بارے میں کہا تھا :

"جب کوئی واقعہ واقدی کے سامنے پیش کیا جاتا (تو وہ اسے) بلا چون و چرا قبول نہ کر لیتا بلکہ وہ موقع پر پہنچ کر جائے وقوع کا معائنہ کرتا اور راویوں کے متعلق استفسار کرتا ۔ اس سلسلے میں اس کے کاتب ابنِ سعد ، مؤلف کتاب الطبقات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے ۔"

الواقدی نے ۷۷ برس کی عمر میں ۲۰۷ھ / ۸۲۲ء کو بغداد میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا ۔ اور مقابرِ خیزُران میں دفن ہوئے ۔

محمد بن سعد (۱۶۸ھ / ۷۸۴ ء تا ۲۳۰ھ / ۸۴۵ء) اپنے مختصر نام ابنِ سعد سے مشہور ہے ۔ وہ بصرہ میں پیدا ہوا جو اُن دِنوں اپنی علمی اور ادبی سرگرمیوں کے لیے خاص شہرت کا مالک تھا ۔ اس کی واقدی سے پہلی ملاقات بغداد میں ہوئی جس نے اسے اپنا سیکرٹری مقرر کر دیا ۔ چنانچہ ابنِ سعد "کاتب الواقدی" کے نام سے مشہور ہوا ۔

علماءِ رجال نے ابنِ سعد کے تمام شیوخ کو جن سے اس نے استفادہ کیا "ثقہ" اور "محقق" تسلیم کیا ہے ۔ خطیبِ بغدادی نے ابنِ سعد کی "عدالت" پر گواہی دی ہے ۔ اور اس کی "سچائی" کا سبب اس کی "تلاش و جستجو" کو ٹھرایا ہے جو واقعات کو قبول کرنے سے پہلے حقائق کی ٹوہ میں رہتی ۔ ابنِ سعد کا سب سے بڑا کارنامہ اس کی "الطبقات الکبریٰ" ہے جو بارہ جلدوں میں ہے ۔ یہ عظیم اور ضخیم کتاب نہ صرف رسولِ مبین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیاتِ طیبہ پر روشنی ڈالتی ہے بلکہ اصحابِ رسولؐ ، تابعین اور تبع تابعین کی تمام علمی ، مذہبی اور سیاسی سرگرمیوں کے بارے میں مستند معلومات مہیا کرتی ہے ۔ یہ کہنا چنداں مبالغہ نہ ہوگا کہ

Marfat.com

الطبقات الکبریٰ اسلام کی پہلی دو صدیوں کے معاشرے کی علمی، معاشی اور معاشرتی زندگی پر محیط ہے اور اس کی اس خوبصورتی سے عکاسی کرتی ہے کہ اس کی مثال ملنا محال ہے۔

"طبقات" افرادِ قوم کے "تراجم" بیان کرنے کا وہ طریقہ ہے جس میں "متحرک" معاشرے کے "فعال اور موثر" لوگوں کے نام ان کی پشتوں یا طبقات کے لحاظ سے درج کیے جاتے ہیں یا انھیں ان شہروں کی رعایت سے تقسیم کیا جاتا ہے جہاں ان کا علم پروان چڑھا یا انھوں نے انھیں اپنے علمی اشتغال کے لیے مستقر بنایا۔ ابن سعد نے الطبقات کی پہلی دو جلدیں محبوبِ داورِ حشر کی زندگی اور آپ کے عہدِ ہمایوں کے لیے وقف کی ہیں اور باقی دس جلدیں صحابہ کبار (رضوان اللہ علیہم) اور ان کے بعد آنے والوں کے حالات پر مشتمل ہیں۔ الواقدی کی "طبقات" اگر ہر قسم کے رطب و یابس سے پُر ہے، تو ابنِ سعد کی طبقات جرح و تعدیل رواۃ کے اصولوں پر مبنی ہے اور واقعات کی مقدور بھر صحیح عکّاسی کرتی ہے۔

طبقات کے مضامین پر ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کا مضمون جو نقوش کے "رسول نمبر" (جلد اوّل) کی زینت بنا ہے۔ انتہائی اہم، خیال انگیز اور معلومات افزا ہے۔ اگر احباب مزید شوق رکھتے ہوں، تو اس کا مطالعہ ان کے لیے تسکین و طمانیتِ قلب کا باعث ہوگا۔

"طبقات" کی اہمیت وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی گئی ہے۔ بعد میں آنے والے اصحابِ سیَر نے اس سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ پوری تحریر میں ابنِ سعد کی شخصیت کہیں نمایاں نہیں ہوتی بالکل اسی طرح جس طرح ابنِ ہشام نے ابنِ اسحٰق کی سیرت کی تلخیص و تدوین کے وقت نہ تو ابنِ اسحٰق پر بے جا تنقید کی ہے اور نہ ہی اپنی عبارت میں عُجب و غرور اور خود پسندی کا اظہار ہونے دیا ہے۔ یہ وہ عظمت ہے جو بہت کم لوگوں کے حصہ میں آتی ہے۔

ابو جعفر محمد ابن جریر الطبری (۸۳۸ء تا ۹۲۳ء) طبرستان میں پیدا ہوا۔ اس کی شہرت اس جامع اور مفصل تاریخ پر منحصر ہے جو "تاریخ الرسل والملوک" کے نام سے مشہور ہے اور اس کی ساکھ کا مایۂ خمیر وہ تفسیر ہے جس کی بنیاد حدیثی سرمائے پر اُٹھائی گئی ہے۔ ابنِ اثیر اور ابو الفدا، جیسے جیّد مورخین نے الطبری کی تاریخ سے خوشہ چینی کی ہے۔ تمام واقعات سن وار صحت سے بیان کیے گئے ہیں جو ۳۰۲ھ/۹۱۵ء تک پھیلے ہوتے ہیں۔

الطبری کو حصولِ علم کے لیے سیاحت کا بڑا شوق تھا۔ اس نے ایران، عراق، شام اور مصر کے علاقوں کی خوب سیر کی تھی اور وہاں کی نابغہ روزگار شخصیتوں سے پوری طرح استفادہ کیا

Marfat.com

تھا۔ ان اسفار کے دوران ایک ایسا وقت بھی آیا جب اسے اپنی بھوک مٹانے کے لیے اپنی قمیض کی آستینیں فروخت کرنی پڑیں۔ اس نے مختلف کتب خانوں کو بھی کھنگالا تاکہ نئے مصادر تک رسائی حاصل کی جا سکے۔ اس کی تاریخ اسلام کی پہلی تین صدیوں کے واقعات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوتے ہے اور عربی ادب میں عدیم النظیر ہے۔ اس کی مشقت اور جوش کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ متواتر اور مسلسل چالیس برس لکھتا رہا اور اس نے اوسطاً چالیس صفحے روز لکھے۔

پروفیسر ڈی۔خوئی (De-Goeje) ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اپنی محنت، شغف اور دقتِ نظر سے اس عظیم کتاب کے منتشر اجزا۔ کو اکٹھا کیا، اسے مدوّن کیا اور دیگر اہلِ علم حضرات کے تعاون سے بارہ جلدوں میں شائع کیا۔ انھوں نے ایک جامع اشاریہ (Index) کے علاوہ مشکل الفاظ کا لغت بھی تیار کیا تاکہ شائقینِ علم کو اس کے سمجھنے میں مدد مل سکے۔ تاریخ کا وہ حصہ جو سیرتِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے متعلق ہے، وہ بھی خاصا ضخیم ہے۔ اور جامعہ عثمانیہ کے اہتمام سے اُردو میں منتقل ہو کر حیدر آباد (دکن) سے طبع ہو چکا ہے۔

ان اساطین کے علاوہ ابنِ قتیبہ (م ۲۷۰ھ)، البلاذری (م ۲۷۹ھ)، الدّینوری (م ۲۸۲ھ)، یعقوب المصری الکندی (م ۲۸۴ھ)، علامہ ابنِ حزم (م ۴۵۶ھ)، حافظ ابنِ عبدالبر (م ۴۶۳ یا ۴۰۸ھ) اور الخطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) کے اسماء خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

متاخرین میں سے جن حضرات کو قبولیتِ عام حاصل ہوئی۔ ان میں قاضی عیاض (م ۵۴۴ھ) ابنِ سیّدالناس (م ۷۳۴ھ) حافظ ابنِ قیّم الجوزیہ (م ۷۵۱ھ)، احمد بن محمد شہاب الدین القسطلانی (م ۹۲۳ھ)، علامہ ابنِ محمد دیار بکری (م ۹۶۶ھ) اور علامہ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) شامل ہیں۔

یہ تھی مختصر سی داستان ان حضرات کی مساعی جمیلہ کی جنھوں نے سیرت کے واقعات کی طلب و جستجو، تسوید و تدوین اور ترتیب و اشاعت میں اپنی عمریں گنوا دیں۔ وہ رسولِ مبین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پاکیزہ زندگی، آپؐ کے قابلِ نمونہ ہونے کی حقیقت، نبوتِ کاملہ کی نوعیت اور اس کی ابدیت کو خلوص اور عزیمت کے ساتھ آئندہ نسلوں تک پہنچانے کی کوشش میں مصروف

Marfat.com

رہے۔ اگر کہیں ان کے ہاں موتیوں کے ساتھ خذف ملتا ہے تو اس لیے نہیں کہ ان کی نیت میں فتور تھا بلکہ اس لیے کہ اس زمانے میں جرح و تنقید کے وہ اصول نہیں اپنائے گئے تھے جو بعد میں صواب و ناصواب کا معیار ٹھہرے۔ روایات کا تمام سرمایہ جو انھیں اہلِ دل حضرات سے ملا تھا، اسے وہ اصحابِ علم کی خدمت میں پیش کر دینا چاہتے تھے۔ اگر کسی نے "اسناد" کا التزام نہیں کیا تو وہ اس لیے نہ تھا کہ وہ اسے درخورِ اعتنا نہ سمجھتے تھے، بلکہ وہ ایجاز کی خاطر ایسا کرنے پر مجبور تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ واقعات کے قریب کھڑے تھے اور انھیں اسناد پیش کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ تیسری صدی ہجری میں جب فنِ حدیث نے ترقی کی اور جرح و تعدیل کے ضابطے مرتب ہوتے تو جھوٹ کو سچ سے علیحدہ کرنے کے لیے 'اسناد' پر زور دیا جانے لگا اور "اسماء الرجال" نے ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کی۔

Marfat.com

(۳)

استشراق اور مستشرقین

استشراق (Orental) کا مادہ "شرق" ہے اور یہ لفظ "استفعال" کے وزن پر ان تمام خصوصیات کا مجموعہ ہے جو ثلاثی مزید فیہ کے اس باب میں پائی جاتی ہیں مثلاً اخذ و طلب میں تگ و دو، علم و خبر کے حصول میں سعی و کوشش اور اظہار بیان میں تصنّع و تکلف وغیرہ وغیرہ۔ استشراق کے لغوی معنوں میں بحیرہ روم یا قدیم رومی سلطنت کے مشرق میں واقع کسی ملک میں اقامت پذیر ہونا یا بہ تکلف ٹھہرنا ہیں۔ اس لحاظ سے مستشرق (Orientalist) وہ شخص ہوگا (عموماً مغربی قوم کا باشندہ برطانوی ہو یا امریکی؛ جرمن ہو یا اطالوی؛ فرانسیسی ہو یا آسٹردی؛ ہسپانوی ہو یا روسی) جو کسی مشرقی (مسلمان) ملک کو اپنا مستقر بنا لیتا ہے تاکہ وہاں کی زبان پر دسترس حاصل کرنے کے بعد وہاں کے لوگوں کے عادات و اطوار، رسم و رواج، تاریخی روایات و معتقدات اور ان کے فنون لطیفہ کا گہری نظر سے مطالعہ کرے۔ یہ تھی لغوی بحث۔ لیکن جب ہم استشراق پر وسیع تر تاریخی تناظر میں نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یہ محض علوم و فنون کے حصول کی علمی تحریک نہ تھی بلکہ اسلام اور شارعِ اسلام (علیہ الصلوٰۃ والسّلام) پر بے جا تنقید، مسلمانوں کے نظامِ تمدّن و اخلاق کی تضعیف اور ان کے عقلی اور ذہنی سرمائے کی تحقیر کی ایک ایسی منظم تحریک تھی جو مشرقی ممالک میں مغربی قوموں کے استیلاء اور غلبہ، سیاسی تفوّق اور تغلّب کے جلو میں داخل ہوتی۔

یوں تو اس کی بنیاد اسی دن سے رکھ دی گئی تھی جس دن عیسائیت اور یہودیت نے اسلام کے عقیدہ توحید سے گھبرا کر اس کے فعّال نظام تمدّن و اخلاق سے مرعوب ہو کر اسلام

Marfat.com

اسلام کو اپنا دشمن قرار دے دیا تھا۔ (وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ) لیکن اس کو تقویت اس وقت ملی جب مغربی قوموں نے مشرق کی مسلمان اقوام کو ان کی نا اتفاقی، ضعفِ خودی اور زندگی کے حقائق سے پہلو تہی کے سبب سیاسی اور حربی طور پر مغلوب کر لیا۔ عیسائی اور یہودی اقوام صلیبی جنگوں کے دوران دیکھ چکی تھیں کہ مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں شکست دینا بہت مشکل تھا اس لیے انھوں نے مسلمانوں کو علمی سطح پر مرعوب کرنے کی کوشش کی۔ بے ہودہ راہبوں اور بے مغز مشنریوں کی ترغیب اور تحریص پر انھوں نے اپنے بہترین دماغوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مشرقی زبانوں پر عبور حاصل کرنے کی کوشش کریں تاکہ ان کے ذریعے مسلمانوں کو اسلام سے بیگانہ کیا جا سکے جس کی شرائط میں اللہ تعالیٰ کی وحدت، رسولِ مبین (صلی اللہ علیہ وسلم) سے انتہاء محبت قرآنِ حکیم کی متابعت اور قلب و نگاہ کی عفت و عصمت شامل ہیں۔ گویا کہ استشراق مشرقی زبانوں کے سیکھنے تک ہی محدود نہ رہا بلکہ آگے بڑھ کر اسلام اور پیغمبرِ اسلام سے بغض و عناد اس کا لازمی حصہ قرار پایا۔ پہلے پہل تو یہ عصبیت، مشنری جذبات کی آئینہ دار تھی لیکن کچھ عرصہ بعد اس نے متعین مقاصد کے تحت تحقیق و تدوین کا لبادہ اوڑھ کر ایک مستقل روئیے یا سلوک (Discipline) کی شکل اختیار کی۔

یہ تحریک جس کا آغاز گیارہویں صدی عیسوی میں کیا گیا تھا، سولھویں اور مابعد کی صدیوں میں اپنے عروج کو پہنچی۔ اس تحریک کے علم بردار بلا لحاظ رنگ و نسل عیسائی تھے یا یہودی جو اپنے مسخ شدہ مذہب کے تحفظ کے لیے سر جوڑ کر بیٹھ گئے تھے۔

ان علمائے فرنگ نے "تجدد و تحقیق کے پردے میں جو انکشافات کیے ہیں، وہ اس قدر متشدد، اہانت آمیز اور روح فرسا ہیں کہ ان کا سننا یا پڑھنا کسی مسلمان کے لیے نہ صرف ناگوارئ طبیعت کا باعث بنتا ہے بلکہ ان کے سننے یا پڑھنے سے اس کے جذبات کھولنے شروع ہو جاتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ مارگولیس کی "نگارشات" و "تحقیقات" اور سپرنگر کی "اختراعات" و "مفتریات" کا مطالعہ میرے لیے کس قدر مشکل ہو گیا تھا جب میں نے اپنے مآخذ کے لیے ان کی طرف رجوع کیا تھا۔

"شروع میں آپؐ کی سیرت و سوانح کے بارے میں مہمل کہانیاں، دیو مالائی قصے اور بے سروپا باتیں مشہور کی گئیں۔ ایک خیال یہ پھیلایا گیا کہ مسلمان دراصل کچھ زیادہ

Marfat.com

ہی بُت پرست (Pagan) تھے اور ان کا مرکزِ پرستش محمدؐ (فداہٗ ابی و امّی) کا بت تھا . . . . پھر یہ انکشاف کیا گیا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) تو خود پیروانِ عیسیٰؑ میں سے تھے لیکن پوپ منتخب نہ ہو سکے تو انتقاماً رومی چرچ سے بغاوت کر کے اسلام ایجاد کر لیا۔ وحی و تنزیل کے حوالے سے یہ افسانہ تراشا گیا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک سفید کبوتر یا فاختہ (Dove) کو سدھار رکھا تھا جو اُن کے کندھے پر بیٹھا، ان کے کان سے دانے چُگا کرتا تھا جس سے ان کے خیال میں یہ آتا تھا کہ فرشتہ ان سے باتیں کرتا ہے اور دوسروں کو وہ یہ تاثر دیتے تھے کہ ان پر وحی نازل ہو رہی ہے۔

ان کے حسد و عناد کی اس سے بدتر مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ انھوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بگاڑ کر (Mohound) کا لفظ استعمال کرنا شروع کر دیا جس کے معنیٰ "تاریکی کے شہزادے" کے ہیں۔ جان آف دمشق سے لے کر جس کا زمانہ (۷۰۰ء تا ۷۵۴ء) تھا آج تک مستشرقین اسلام اور شارعِ اسلام (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے خلاف نفرت اور دشمنی کی آگ بھڑکاتے چلے آرہے ہیں۔ ہلدی برٹ (Hildebert) ہو یا آندرے ڈینڈلو، فرانسس بیکن (Francis Bacon) ہو یا راہب یولوجیس (Eu-logius): جان لڈگیٹ (J-Lydgate) ہو یا معزز پیٹر (Peter the Venerable) ان میں سے ہر ایک کو اسلام اور شارعِ اسلام (علیہ السلام) کے معاملہ میں کمالِ تلبیس حاصل تھا۔ یہ ان بدباطن لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے آنحضورؐ کی ذاتِ اقدس پر جنسی اور شہوانی الزامات کی بھرمار کر دی اور اسلام کا تعارف ایک بت پرستانہ مذہب کی حیثیت سے کرایا۔ یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ ان تمام یورپی مستشرقین نے سیرتِ ختم الرسل (صلی اللہ علیہ وسلم) کو افراط و تفریط کے سانچوں میں ڈھال کر محض قیاس و خیال کے سہارے پیش کیا۔

صلیبی جنگوں (۱۰۹۵ء-۱۱۹۲ء) کے بعد صلیب (Cross) جب سرنگوں ہو گئی تو انھوں نے کمال عیاری سے اپنی تدبیر و حکمتِ عملی کو بدل ڈالا۔ اور جنگ جیتنے کے لیے نئے ترکش اور نئے تیر استعمال کیے۔ چنانچہ آلاتِ ضرب کی بجائے اب سرد جنگ (Cold war.) کی باری آئی۔ اور کہا گیا کہ مذہب اسلام کے خلاف "پُرامن صلیبی جنگ جاری رکھی جاتے گی جس کے اسلحہ خالص روحانی ہوں گے"۔

Marfat.com

متحدہ ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ کا چراغ گُل ہو جانے پر سر ولیم میور (Sir W. Muir) کی دلآزار کتاب (The life of Mohammad) ایک یورپی پادری پی۔فنڈر (C.P.P. Finder) کی فرمائش پر چار جلدوں میں پہلی مرتبہ ۱۸۵۸ء تا ۱۸۶۱ء میں شائع ہوئی۔ سر ولیم میور (م ۱۹۰۵ء) صرف ایک عالم ہی نہ تھا بلکہ برطانوی سرکار کا منتظم سیاس (لفٹیننٹ گورنر ممالکِ آگرہ و اودھ) اور جنگِ آزادی (۱۸۵۷ء) میں آگرہ میں شعبۂ جاسوسی کا سربراہ بھی تھا۔ ہندوستان میں اس کتاب کا ملے جلے جذبات سے استقبال کیا گیا۔ جن لوگوں نے اس کا سرسری مطالعہ کیا وہ مصنف کی قابلیت، جدّتِ قطعیت، اور دقتِ نظر کے قائل تھے۔ لیکن جن اصحابِ نظر نے اس کا گہرا مطالعہ کیا۔ وہ یہ بات آسانی سے بھانپ گئے کہ مصنف نے سیرت کے سیدھے سادے واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی جسارت کی ہے۔ یہ بات بھی واضح تھی کہ "پہلے ہی سے اس کتاب کا اس طرح لکھنا مقصود اور مرکزِ خاطر تھا"۔ نتیجہ یہ ہوا سر سید مرحوم جیسے صُلح جُو مگر غیرت مند مسلمان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ انھوں نے اس اہانت آمیز کتاب پر خاموشی اختیار کرنے کو گناہِ عظیم سمجھا اور کتاب پر تنقید و محاکمہ کا کٹھن کام اپنے ذمہ لے لیا۔ اس طرح ۱۸۶۹ء میں ایک خالص علمی تحریک کا آغاز ہوا اگر ان خطوط کا مطالعہ کیا جائے جو سر سید مرحوم نے انگلستان سے اپنے عزیز دوست نواب محسن الملک (مولوی مہدی علی خاں) کے نام بھیجے۔ تو پتہ چلے گا کہ ان کا احساسِ کرب کتنا شدید تھا۔ انھوں نے تمام مشکلات ـــــ احباب کی سرد مہری، مالی وسائل کی کمی، حوالے کی کتابوں کی کمیابی اور صحت کی خرابی ـــــ کے باوجود اس جانبدارانہ کتاب کا جواب لکھنے کے لیے جس تندہی اور جوش و خروش کا ثبوت دیا وہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کی والہانہ شیفتگی اور سرفروشانہ عقیدت کا کھلا ثبوت ہے۔ وہ اپنے ایک خط میں سید مہدی علی خان کو لکھتے ہیں :

"مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ آنحضرتؐ کی سیرت میں، جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا، کتاب لکھی جاتے۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے۔ قیامت میں تو یہ کہہ کر پکارا جاؤں گا کہ اس فقیر مسکین احمد کو جو اپنے دادا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر فقیر ہو کر مر گیا حاضر کرو۔

؎ مارا ہمیں نغمہ شاہنشاہی بس است

چنانچہ "خطباتِ احمدیہ" چھپ کر تیار ہو گئی اور اس کا انگریزی ترجمہ بھی انگلستان سے

Marfat.com

Essays on the life of Mohammad

کے نام سے ۱۸۷۰ء میں شائع ہوا۔ اس کام کو مولانا شبلی نعمانی نے جاری رکھا اور اپنی کتاب "سیرۃ النبیؐ" کی جلد اوّل میں مستشرقین کے ردّیوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کے اعتراضات کا مدلل جواب دیا۔ زندگی کے دن کتنے تھوڑے تھے کہ وہ اس کتاب کے خاکے میں ابھی رنگ بھرنے بھی نہ پائے تھے کہ اللہ میاں کو پیارے ہو گئے۔ اگر زندگی مہلت دیتی تو وہ سیرتِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر مکمل ایک "دائرۃ المعارف النبویہؐ" اپنے پیچھے چھوڑ جاتے تاکہ :

"یورپ کے مصنفین نے جو کچھ آنحضرتؐ کے متعلق لکھا ہے، اس سے پوری واقفیت حاصل کی جاسکتی۔ ان کے تائیدی بیان حسبِ موقعہ حجت الزامی کے طور پر پیش کیے جاتے اور جہاں انھوں نے غلطیاں اور بددیانتیاں کی ہیں نہایت زور و قوت کے ساتھ ان کی پردہ دری کی جاتی۔"

اِس سلسلے میں مولوی چراغ علی کی تصنیفات (بزبانِ انگریزی) خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ وہ عربی اور فارسی کے علاوہ انگریزی، عبرانی، کالڈی اور یونانی زبانوں پر کمال دسترس رکھتے تھے۔ انھوں نے انگریزی زبان میں اعلیٰ پائے کی تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں (Critical Exposition of the popular Jehad. اور Proposed Political, Legal and SOC. Reforms under M.R.

خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے اُردو ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ اوّل الذکر "تحقیقِ جہاد" کے نام سے اور دوسری "اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام" کے نام سے موسوم ہیں۔ یہ ناانصافی ہو گی اگر مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولوی آلِ حسن اکبرآبادی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا عنایت رسول چڑیا کوٹی اور مولوی کرامت علی جونپوری کے اسمائے گرامی اس نامی فہرست میں شامل نہ کیے جائیں جو عاشقانِ رسولؐ پر مشتمل ہے۔ حیاتِ شبلی میں سید سلیمان ندوی مرحوم نے مولانا رحمت اللہ صاحب کے ساتھ ڈاکٹر وزیر خان کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جو عیسائیوں کے نام اسرار کے واقف اور ان کی مذہبی تصنیفات کے ماہرِ کامل تھے۔ سید امیر علی (۱۸۴۹ تا ۱۹۰۹ء) کی تصنیفات بھی چراغِ راہ ثابت ہوتی ہیں۔ ان کی نظر عیسائیوں، یہودیوں اور ہندوؤں کے ماضی پر تھی اور ان خامیوں اور خرابیوں پر بھی جو وقت کے گزرنے کے ساتھ ان کے سماج، رسم و رواج اور تاریخی روایات میں پیدا ہو چکی تھیں، چنانچہ اسلام اور

Marfat.com

عیسائیت کا موازنہ کرتے وقت اس واقفیت کا استعمال انھوں نے بڑی قابلیت سے کیا ہے (spirit of Islam) کو جو مقبولیت مغرب میں حاصل ہوئی ہے، وہ کسی اور مسلمان کی تصنیف کو حاصل نہیں ہو سکی۔ اس کا اردو ترجمہ 'روحِ اسلام' کے نام سے پروفیسر ہادی حسین نے کیا ہے جو انتہائی فکر انگیز اور روح پرور ہے۔

جہاں تک مستشرقین کی "تحقیق و تفتیش" کا تعلق ہے، اس کی سیر کرنا بھی ضروری ہے تاکہ آپ پر واضح کیا جا سکے کہ ان کی سعی و کوشش کا مقصد "تحقیق" تھا نہ تفتیش؛ ان کی غواصی کا مقصد کوئی گوہر آبدار تلاش کرنا تھا نہ فنِ سیرت کی تکمیل۔ وہ تو اپنی "خوش تدبیری" سے مسلمان غلام قوموں کو اپنے 'ماضی' سے بیگانہ کرنے کے آرزومند تھے یا پھر انھیں ایسے 'خلجان' میں مبتلا کر دینا چاہتے تھے کہ وہ اپنے قومی ورثہ کو 'مغربی تمدن' کے مقابلے میں کہتر، فرسودہ اور جدید عصری تقاضوں سے غیر ہم آہنگ سمجھنے لگیں۔ ان کی غواصی کے نتیجے میں جو ڈھیر سارے موتی نکلے ہیں، ان کی "چمک دمک" اور "قدر و قیمت" کا اندازہ اِن بیانات سے لگایا جا سکتا ہے:

۱۔ مارگولیس، آکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر تھے اور بہت بڑے عالم۔ ان کی لاعلمی اور جہالت یا تعصب و عناد کا یہ حال ہے کہ حضرت عبدالمطلب کو مطلب کا غلام سمجھے ہوتے ہیں۔ حضرت عبدالمطلب کی سیادت اور عظمت سے، جو انھیں قریش مکہ کے درمیان حاصل تھی، انکاری ہیں۔ خانہ کعبہ کی عمارت کی قدامت کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ یہ کہنے سے بھی نہیں جھجکتے کہ آنحضورؐ نے نبوت کی تعلیم مسیلمہ کذاب سے پائی تھی، ایامِ قبلِ نبوت میں آپؐ اور آپؐ کی زوجۂ محترمہ (حضرت خدیجۃ الکبریٰ) سونے سے پہلے لات و عزیٰ کی پوجا کرتے۔ آپؐ کا نام فیلِ محمود کی نسبت سے رکھا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ بڑے ابطال پرست (Hero worshipper) تھے۔ انھوں نے جب آپؐ کا بخت بلند دیکھا تو فوراً مسلمان ہو گئے۔ وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ ولیم ڈریپر بہت بڑے سائنسدان تھے اور امریکہ کے مشاہیر علماء میں سے تھے۔ نسطوری راہب کے قصہ کو جو طول انھوں نے بخشا ہے۔ وہ انہی کا حصہ ہے۔

Marfat.com

وہ سمجھتے ہیں کہ نبی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُسی راہب کے اصولوں کی تبلیغ میں اپنی عمرِ عزیز کھپا دی۔ بلکہ آنے والے خلفاء (رضی اللہ عنہم) بھی اِسی مقصدِ وحید کے لیے کوشاں رہے۔

۳۔ ہنری سٹب (جو سترھویں صدی کا ایک معتدل مزاج مستشرق ہے اور عیسائیوں کو اسلام کے بارے میں معتدل رویّہ اختیار کرنے کا مشورہ دیتا ہے) رقمطراز ہے :۔

"آنحضورؐ نے اپنی حربی قابلیت (Military Genius) میں اضافہ اپنے چچا ابو بکر کی نگرانی میں کیا جو عیسائی افواج کے بریگیڈ کمانڈر تھے۔ یہیں پر آپؐ نے اپنی سول اور ملٹری حذاقت کو حدِ کمال تک پہنچایا اور عیسائی فرقوں کے اختلافات سے واقفیت حاصل کی تاکہ ان سے مناظرہ اور مجادلہ کر سکیں۔

شام میں قیام کے دوران ایک بیوہ خاتون (خدیجہؓ) نے جو اپنی عاداتِ ستودہ اور اوصافِ حمیدہ کے لیے مشہور تھی، آپؐ سے کہا کہ وہ اپنی حربی زندگی کو خیرباد کہہ کر اس کے ساتھ متاہل زندگی گزارنا شروع کریں جسے آپؐ نے بخوشی قبول فرما لیا۔

۴۔ سر ولیم میور جس کے زلّاتِ علمی کا جواب سر سید احمد خان نے نہایت ہی محققانہ انداز میں دیا ہے، کہتا ہے :۔

"وان ہیمر کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے ہم قرآنِ مجید کو بالکل اسی طرح محمدؐ کا کلام سمجھتے ہیں جس طرح مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں۔"

اپنی کتاب کی چوتھی جلد میں (ص ۳۲۱ پر) اسلام اور قرآن کے بنی نوعِ انسان پر "احسانات" گنواتے ہوئے کہتے ہیں :۔

مذہبِ اسلام سے ہر زمانے میں اور ہر ملک میں جہاں اس کا اثر و نفوذ ہوا) اور مستقبل میں (جب تک قرآن معیارِ عقیدہ و دین رہے گا) تین بڑی خرابیاں پیدا ہوئی ہیں :۔

اوّل۔ اسلام نے کثرتِ ازدواج، طلاق اور غلامی کو نہ صرف قبول کیا ہے

Marfat.com

بلکہ ان کو رائج کرنے میں سرگرمی کا مظاہرہ کیا ہے۔ حالانکہ یہ چیزیں اخلاق کی بیخ کنی کرتی ہیں اور عام زندگی کو آلودہ اور ناپاک بنا دیتی ہیں۔

دوم : مذہب نے آزادئ رائے کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ اور اب وہ معدوم ہو چکی ہے۔ اسلام میں انکار کی لازمی سزا موت ہے۔ اس مذہب میں رواداری نام کو نہیں۔

سوم : اسلام نے عیسائیت کے قبول و ترقی میں رکاوٹ ڈال دی ہے اسلام کا شکوہ کرتے ہوئے کہتے ہیں : مشرک عرب شاید عیسائیت کو قبول کر کے روحانی ترفع حاصل کر لیتا لیکن اب وہ کبھی بھی انجیل مقدس کے خوشگوار اثرات قبول نہ کر سکے گا۔

کہیے ! ان حاملین توراۃ اور انجیل نے خوب صورت الفاظ کے پردے میں کس طرح "شیطانی تلبیسات" کو سمویا ہے، اپنے 'ماضی' سے کٹا ہوا انسان کس طرح تحریر کی لذت اور اسلوبِ بیان کی چاشنی سے دھوکہ کھاتا ہے۔ اگر فوری لذت اور ظاہری آب و تاب ان میں نہ ہو تو کوئی ادھر کا رُخ ہی کیوں کرے ؟ (یُوحِی بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا)

۵۔ الیگزنڈر راس (Alexander Ross) نے قرآن مجید کا فرانسیسی سے انگریزی میں ترجمہ کرتے ہوئے اپنے ابتدائیہ میں قرآن اور حاملِ قرآن پر جس غیر شائستہ ؛ نازیبا اور حد سے گری ہوئی زبان میں تبصرہ کیا ہے، اس کے اعادہ کی جرأت مجھ میں کہاں ؟ ڈاکٹر بیجر (Dr. Badger) نے (Contemporary Review) میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ دو سو سال کی تعلیم اور تجربہ نے اگرچہ مستشرقین کے قومی ادب میں قدرے نرمی پیدا کر دی ہے لیکن انگریز ادیبوں کی ایک بڑی اکثریت اب بھی اسلام اور شارعِ اسلام (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے متعلق انہی فرسودہ اور لغو خیالات کی حامل ہے جن کا اظہار راس نے کیا ہے۔

Marfat.com

۶۔ سپرنگر (Sprenger) ایک اور ذاتِ شریف ہے جس نے آنحضورؐ کے نفسیاتی اور دماغی امراض کا گھر بیٹھے ہی تجزیہ کرنا شروع کیا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ آنحضورؐ کا نظامِ اعصاب مختل ہو چکا تھا اور آپؐ (نعوذ باللہ) ہذیان اور اعصابی اختلال کے مریض تھے۔ لامنس (Lamens) نے اس کی ہاں میں ہاں ملانے کی کوشش کی ہے۔ اس کی اسلام دشمنی اپنے کمال پر نظر آتی ہے جب وہ اسلام کے ظہور کو ایک "منحوس تاریخی واقعہ" قرار دیتا ہے۔

۷۔ ہمفرے پرائی ڈکس (H-Prideaux) بھی ان شترکینہ لوگوں میں سے ہے جن کی کتاب (حیاتِ مصطفٰی) لاطینی میں خرافات کا مجموعہ ہے۔ اور معاندانہ مواد سے بھری پڑی ہے۔ کذب و افترا کی اس پوٹ کا یہ حال تھا کہ ایک ہی سال میں اس کے دو ایڈیشن شائع ہوئے اور اسی سال (۱۶۹۷ء) اس کا فرانسیسی ترجمہ بھی تیار ہو کر چھپ گیا۔ یہ کتاب کم و بیش ایک سو سال تک حوالے کی کتاب کے طور پہ مغربی دنیا میں استعمال ہوتی رہی ہے۔

۸۔ دورِ جدید کے مستشرقین نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے قدرے نرم لب و لہجہ اختیار کیا ہے لیکن ٹانی بی ہو یا پروفیسر منٹگمری واٹ یہ رٹ لگاتے باز نہیں آتے کہ مکّہ کے قیام کے دوران تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیثیت ایک "مذہبی مشنری" کی تھی لیکن جب آپ مدینہ تشریف لے گئے تو "بادشاہ" بن بیٹھے۔ "مقدس جھوٹ" کو اپنا لیا، تلوار کے زور سے فیصلے کرنے لگے۔ اسلام کے دشمنوں کو راستے سے ہٹانے کے لیے ہر قسم کے ہتھکنڈے آزمائے جانے لگے وغیرہ وغیرہ۔

اصل میں عیسائی اور یہودی مستشرقین اور معاندین کا یہ لب و لہجہ اس وقت نرم ہوا جب "تاریخی قوتیں" جن پر برسوں ان کا غلبہ رہا تھا ان کے ہاتھ سے نکل گئیں اور وہ برطانوی سلطنت جس پر سورج کبھی غروب نہیں ہوتا تھا اب اتنی سکڑ اور سمٹ گئی کہ سورج کبھی طلوع ہوتے دکھائی نہیں دیتا۔" اورینٹ" بھی اب اپنی نیند سے بیدار ہو چکا تھا۔ اس نے

Marfat.com

اپنے مستبد حکمرانوں اور ہوس پرست آقاؤں کو نکال باہر کیا۔ مشرقی اقوام جوں جوں بیدار ہوتی جارہی ہیں۔ استشراق اتنا ہی سکڑتا جارہا ہے۔ اب تحریک استشراق انتشار کا شکار ہے۔ اگرچہ بعض مذہبی بھاٹ اسے اپنے سینے سے چمٹاتے ہوتے ہیں لیکن وہ کر و فر اور عجب و استکبار کہاں جو فتح و کامرانی کے نشہ نے پیدا کیا تھا۔

بنے ہے شاہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

اس دجل و تلبیس کے کام میں صرف مستشرقین ہی پیش پیش نہ تھے بلکہ وہ ادارے بھی سرگرم عمل تھے جنھیں بعض عیسائی حکومتوں نے اسلام دشمنی کی بنیاد پر قائم کیا تھا۔ ان "کوتلوں" کی چپک دمک اور تراش خراش کے لیے السنہ شرقیہ کے یہ ادارے اہم کردار ادا کرتے رہے۔ ان میں کلیہ فرانس (College of France) ۱۵۳۹ء میں قائم ہوا جہاں پر (G-Pastel) کو عربی کی پہلی کرسی صدارت پیش کی گئی۔ ۱۶۳۸ء میں (E-Pococke) کو آکسفورڈ میں شعبہ عربی کا صدر نشین بنایا گیا۔ اسی طرح اسلامی آداب و علوم کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کیلئے ایک ادارہ (D-Herbelot) کی سرکردگی میں ۱۶۸۰ء میں قائم ہوا۔ مشرقی زبانوں کے متعلق "تحقیق و تفتیش" کے کام کو جاری رکھنے کے لیے ایک اور ادارہ پیرس میں ۱۷۹۵ء میں (Ecole des Lang Orientalus Vivandiess) معرض وجود میں لایا گیا۔ ان کے علاوہ سوسائٹی ایشیاٹک آف پیرس ۱۸۲۲ء میں، رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹن اینڈ آئر لینڈ ۱۸۲۳ء میں اور اورینٹل سوسائٹی ۱۸۴۲ء میں معرض وجود میں آئیں۔ یہاں سے جاری ہونے والے جرائد، رسائل اور اخبارات نے استشراق کی تحریک کو بے حد تقویت پہنچائی۔ یہ ادارے اسلام اور شارع اسلام (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے بارے میں ہر قسم کی معلومات اکٹھا کرنے، ان کی تسوید و تدوین (Dolumentation) اور ترویج و اشاعت (Dissemination) کے ذمہ دار تھے۔

بہرحال یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مستشرقین نے اپنے اپنے مذاہب کی برتری اور اپنے نظام تمدن و اخلاق کی عمدگی، انقلاب آفرینی اور عملیت کو ثابت کرنے کے لیے نہ صرف شرق کے جمود سے فائدہ اٹھایا؛ بلکہ اس کی جہالت، باہمی ناچاقی اور مذہب سے دوری کا بھی فائدہ

Marfat.com

اُٹھاتے ہوئے اپنے مشنری جذبوں کی تکمیل کی۔ یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ مغلوب قومیں ایسے میں اپنے آپ کو ترقی پسند (Progressive) ثابت کرنے کے لیے اپنی ثقافت، اپنے تمدنی اداروں اور اپنے رسم و رواج اور تاریخی روایات سے نفرت کرنا شروع کر دیتی ہیں اور جلد ہی اپنا تشخص کھو دیتی ہیں۔ اور بقول اقبال : ؎

چلا جب چال کو اہنس کی اس کا چلن بگڑا

یہ حقائق اس نقطہ کو واضح کرنے کے لیے بیان کیے گئے ہیں کہ مستشرقین نے اپنی تحقیق و تدقیق کے پردے میں جو شرمناک کھیل کھیلا ہے، اس کا کوئی علمی جواز تھا نہ اخلاقی۔ عیسائیت کو اسلام کے خلاف اپنی بھڑاس نکالنے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی طریقہ ہاتھ نہ لگا کہ وہ پڑھے لکھے طبقے کو جو بدلتے ہوئے حالات سے بدظن ہو چکا تھا اور جدید عصری تقاضوں کا مقابلہ کرنے کی اپنے اندر ہمت نہ پاتا تھا۔ اپنے "علمی بلاغات" سے مزید احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیتی اور اسے مجبور کر دیتی کہ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ 'مغربی تمدن' کی دہلیز پر سجدہ ریز ہو جاتا اور وہاں سے ملنے والی 'خیرات' کو جسم کی بالیدگی اور روح کی ترقی کے لیے کافی و شافی سمجھتا۔

ہمیں یہ بات کسی ذہنی تحفظ کے بغیر مان لینے میں کوئی باک نہیں کہ تحریکِ استشراق نے مسلمانوں کو اِن بھولے بسرے عربی مآخذوں سے روشناس کرا دیا جو بکھرے پڑے تھے۔ اگر مستشرقین اپنی محنت و ریاضت اور سعی و کوشش سے انھیں ڈھونڈ نہ نکالتے، تو وہ ہمیشہ کے لیے ضائع ہو جاتے۔ "پرانے قلمی نسخوں کی دریافت، آثار و اکتشافات قدیمہ کا مطالعہ اور ان سے نتائج کا استنباط، کتابوں کی نشر و اشاعت اور فہرستوں اور اشاریوں کی تیاری مستشرقین کی علم دوستی اور مشرق نوازی کی روشن دلیل ہے۔" مستشرقین میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جنھوں نے اسلام اور شارعِ اسلام (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا مطالعہ بہت حد تک غیر جانبداری سے کیا ہے۔ ان میں ڈاکٹر نکلسن، کارلائل، ایڈورڈ گبن، سٹینلے لین پول، ورنگھم، موسیو لیبان، باسورتھ سمتھ، سیدیو (Sedillot) کاسن ڈی پرسیوال، گاڈفرے ہگنس، جان ڈیون پورٹ، پروفیسر منٹگمری واٹ اور فلپ کے۔ حتی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

سر سید احمد خاں مرحوم گاڈفرے ہگنس سے بہت زیادہ متاثر تھے، چنانچہ انھوں نے

Marfat.com

خطباتِ احمدیہ" کی تصنیف میں اس سے پورا استفادہ کیا ہے۔ اسی طرح کارلائل کے لیکچر کو، جو آج سے ڈیڑھ سو سال قبل ایک ایسے جامعہ میں دیا گیا تھا، جہاں تمام کٹر عیسائی تھے اور جن کے نزدیک اسلام کا نام لینا بھی کفر تھا، اس کے تاریخی تناظر میں دیکھا جائے، تو ہم کارلائل کی غیر معمولی اخلاقی جرأت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ ان مستشرقین کے ہاں کہیں کہیں سونے کے ساتھ ڈھول ملی نظر آتی ہے۔ کارلائل ہی کو لے لیجئے۔ جہاں وہ یہ کہتا نظر آتا ہے کہ :

"ہم کسی طرح آنحضورؐ کو حریص، منصوبہ باز اور ان کی تعلیمات کو جہل و نادانی نہیں سمجھ سکتے۔ وہ الہامی پیغام جو وہ لے کر آتے تھے، بالکل سچا تھا۔ وہ ایک آوازِ پریشاں تھی جو پردۂ غیب سے بلند ہوتی ان کے اقوال جھوٹے تھے نہ اعمال۔ ان میں تنگ ظرفی اور نمائش کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہ زندگی کا ایک جلوۂ تاباں تھے جو خاص سینۂ فطرت سے ہویدا ہوتے اور جنھیں خالقِ عالم نے کائنات کو منور کرنے کے لیے بھیجا۔"

وہاں وہ ایسے افکار بھی پیش کرتا ہے، جو اس کی "کوتاہ علمی" کی دلیل ہیں۔ مثلاً اس کا قرآنِ مجید کی زبان کو پیچیدہ، اُلجھا ہُوا اور الفاظ کو غٹ پٹ قرار دینا، بہشت اور دوزخ کے تصور کو مادی قرار دینا، اسلام پر بزورِ شمشیر پھیلنے کا الزام لگانا اور کثرتِ ازدواج کی اجازت پر انگشت نمائی کرنا، ایسی باتیں ہیں جو واقعات کے خلاف اور حقائق سے متصادم ہیں۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ " علماءِ کرام اور فضلائے عظام" مستشرقین کے ان اعتراضات کا شافی جواب دیتے لیکن انھیں تکفیر کے فتاویٰ جاری کرنے، مناظرے اور مجادلے کی محافل منعقد کرنے، افراط و تفریط، تشدد و تغلب اور توسع و تعصر کی کیفیات میں مبتلا ہونے سے فرصت کہاں ؎

پکارے جاتی ہے مدت سے زندگی مجھ کو
تیرے خیال سے فرصت ملے تو اسکی سنوں

"محسنِ انسانیت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے خلوص و عقیدت اور تشکر و امتنان کے وہ جذبات جو سرسید احمد خان، مولنا شبلی نعمانی، مولنا رحمت اللہ کیرانوی اور سلیمان سلمان منصوری پوری کو حاصل تھے اور جن کے سبب انھوں نے معترضین و معاندین کے اعتراضات

Marfat.com

کا جواب خوب صورتی اور دلائل سے دیا، وہی جذباتِ شیفتگی و دارفتگی اس ہیچمداں کو بھی حاصل تھے۔ جب اس نے مستشرقین کے زلاتِ علمی اور مفتریاتِ مذہبی کا جواب دینے کے لیے کمرِ ہمت باندھی۔ اقرارِ توحید کے بعد تحفظِ ناموسِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے۔ یہ نہ صرف عقیدہ ہی ہے بلکہ معیارِ حق و باطل بھی۔

مؤلف کو اپنی بے بضاعتی، علمی کم مایگی، حوالے کی کتابوں کی کمیابی اور راستے کی مشکلات کا پورا احساس تھا لیکن فراوانیِ شوق کا کیا کہنا! اس نے ۱۹۸۵ء اور ۱۹۸۶ء کی تعطیلات موسم گرما میں لندن اور قاہرہ کا سفر اختیار کیا تاکہ وہ ان کتابوں تک رسائی حاصل کر سکے جن کے حوالے سے مستشرقین نے مختلف اعتراضات پیش کیے ہیں۔ اصل مآخذوں کے مطالعہ سے پتہ چلا کہ "رائی کا پہاڑ" بنانا اور حق کی تلبیس مستشرقین کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ انھوں نے جو کچھ کہا ہے وہ ان کے اسلاف کے سینوں میں صدیوں پلتا رہا ہے۔ انھوں نے اپنے کلیجے کی پھنکن اس وقت نکالی جب وہ سیاسی تفوق اور علمی بساط کے صدر نشین بن بیٹھے۔ اگرچہ ان کی اکڑی ہوئی گردن اب جھک گئی ہے اور ان کے غیر جانبدار طبقے کو اپنے "اسلاف" کے کارناموں پر سخت افسوس ہے لیکن بایں ہمہ مستشرقین کا ایک گروہ اسلام اور شارع اسلام (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے بارہ میں اپنی ضد پر قائم ہے۔

ہمارا پڑھا لکھا نوجوان طبقہ جو اسلامی نظامِ زندگی سے بیزار اور مغربی تہذیب و تمدن سے مرعوب ہے، یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ مغربی علماء کا فرمایا ہوا سند ہے اور پتھر کی لکیر ہے۔ اس نے اپنی تاریخ اور روایات کو مغربی علماء کی تحریروں کے حوالے سے سمجھنے کی کوشش کی ہے جو خالصتہً جانبدارانہ، ناقابلِ اعتنا اور ناقابلِ اعتماد ہیں۔ اگر تمام بحث کو دو چار فقرات میں سمیٹنا مقصود ہو تو یہ ہیچمداں والہوسن (Well housen) سے اتفاق کرتے ہوتے یہ کہنا چاہتا ہے:

> "میور، سر ولیم، کی تصنیف "حیاتِ محمدؐ" ایک عیسائی کے قلم سے ایک جانبدارانہ تصنیف ہے اور سپرنگر (Sprenger) کی سیرتِ مصطفےٰ اعلیٰ معیار سے کہیں فروتر اور ماضی کا اکتشاف کرنے کی ایک ناقابلِ معیار اور ناقابلِ اعتماد کوشش ہے۔"

یہ الفاظ کسی کٹر مسلمان عالم کے نہیں بلکہ جرمنی کے ایک عظیم مستشرق کے ہیں جس نے صنادید قوم کی تاریخ نویسی، غیر جانبداری اور تحقیق و تفتیش کا سارا بھرم کھول دیا ہے۔

Marfat.com

اگر اِن احباب (مستشرقین) سے کوئی اچھی چیز صادر ہوتی ہے تو وہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جس نے ابوجہل جیسے بدخواہ انسان کے منہ سے یہ کہلوا دیا کہ "محمدؐ (فداہ ابی وامی) ایک سچا انسان ہے"۔ ہم اسے نہیں جھٹلاتے۔ ہم تو اس پیغام کو جھٹلاتے ہیں جو وہ لے کر آیا ہے"۔ حالانکہ وہ ذاتِ قدسی صفات اور ان کا پیغام ایک ہی حقیقت کے دو رُخ ہیں اور دونوں ایک دوسرے پر گواہ، ایک دوسرے کے مؤید و معاون۔ اگر ایک سچا ہے تو دوسرا جھوٹا ہو ہی نہیں سکتا۔

اِس کتاب کے دو حصّے ہوں گے۔ پہلا حصّہ (جو حاضر ہے) محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیاتِ طیبہ کے جنگِ بدر سے پہلے کے واقعات پر مشتمل ہے۔ اس میں آنحضورؐ کے نسب نامے آپؐ کی خاندانی شرافت اور نسلی سعادت و سیادت، حضرت اسمٰعیلؑ کے مقام و مرتبہ پر معاندین کے اعتراضات سے لے کر ہجرت تک کے تمام مطاعن پر کھُل کر بحث کی گئی ہے۔ الزامات کا جواب دیتے ہوتے:

اولاً: توراۃ اور انجیل کے حوالوں پر انحصار کیا گیا ہے تاکہ مخالفین کے خلاف حجّتِ الزامی قائم کی جا سکے؛

ثانیاً: ایک مستشرق کے ہفوات کا جواب دوسرے مستشرق کی عبارات سے دیا گیا ہے۔ جو تبحرِ علمی اور تحقیق و جستجو میں پہلے سے کسی طرح کم نہیں؛

ثالثاً: واقعات کی چھان پھٹک کے لیے مستند کتابوں پر انحصار کیا گیا ہے تاکہ کوئی سقیم اور کمزور روایت متن میں نہ آنے پاتے؛

رابعاً: لغوی اور فقہی پیچیدگیوں کو دُور کرنے کے لیے مستند کتابوں کے حوالے دیتے گئے ہیں۔

خامساً: آخر میں قرآن و حدیث کی گواہی ثبت کی گئی ہے۔ (فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ)

یہ کتاب رسولِ مبین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیاتِ طیبہ کے نہ صرف مصدّقہ، مربوط، خیال انگیز اور رُوح پرور واقعات پر ہی مشتمل "ہے" بلکہ یہ ایک عظیم تہذیب و تمدّن، نظامِ معیشت و معاشرت اور دبستانِ اخلاق و ہیئتِ اجتماعی کی مسلسل داستان بھی ہے جو ایک "حکیم نے نواز" کی آواز اور داعیِ انقلاب کی تحریک کے نتیجے میں وجود میں آئی۔ یہ تہذیب ایران و شام اور روما و یونان کے کھنڈرات پر قائم ہوئی جو اپنی توانائی کھو چکنے کے بعد انتشار و تشتّط کا شکار ہو چکے تھے۔ یہ وہی اسلامی تہذیب ہے جسے قرآنِ مجید نے "دینِ قیّم" کے نام سے

Marfat.com

موسوم کیا ہے۔ اس کی بنیاد ایک ایسے مربوط نظامِ فکر اور جاندار فلسفۂ عملیت و تجربیت پر رکھی گئی تھی جسے وحیٔ الٰہی کی تائید حاصل تھی۔ میرا ایمان ہے کہ اگر انسانیت ترقی و خوش حالی، سربلندی و سرخوشی کی راہ پر چلنے کی خواہش رکھتی ہے تو اسے اس ضابطۂ حیات، آئینِ مملکت اور نظامِ معاشرت کو قبول کرنا ہوگا جس کے اصول و مبادیات کا خزینہ تو قرآنِ حمید ہے لیکن ان کی تفسیر خود رسولِ مبین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیاتِ طیبہ تھی۔ اگر یہ کتاب سیرتِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطالعہ کا ذوق پیدا کرنے اور قارئین کرام کو یہ یاد کرانے میں کامیاب ہو جائے کہ سیرتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پرکھ کا معیار مغربی اصولِ انتقاد نہیں بلکہ ہماری وہ آنکھ ہے جو سُرمۂ خاکِ مدینہ و بطحاء سے روشن ہے۔ تو میں سمجھوں گا کہ میری کوشش رائگاں نہیں گئی۔

اِس کتاب کی دوسری جلد 'جہاد' کے فلسفہ، نوعیت اور طریقِ کار کی فکر انگیز کہانی ہے یہ ان غزوات اور سرایا پر مشتمل ہوگی جو فرزندانِ اسلام نے اپنے رہبر و رہنما کی مؤثر قیادت میں "شرارِ بولہبی" کے خلاف اللہ کی حاکمیت کو قائم کرنے، اپنے نظریۂ حیات کو تحفظ بخشنے اور اپنے تشخص کو دوام بخشنے کے لیے لڑے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے اس 'حزب' نے جو شکست نا آشنا تھا، جلد ہی یہ ثابت کر دیا کہ کثرت پرستی مرگِ دوام ہے ساقی۔ یہ بحیثیت ایک سیاسی فکر اور ایک مذہبی مسلک کے جھوٹ کی پوٹ ہے۔ اور وہ تہذیب و تمدن جس کی بنیاد شرک پر رکھی گئی ہو، کبھی فوز و فلاح کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ مستشرقین نے جو سوالات 'جہاد' اور 'غزوات' پر کیے ہیں، ان کا جواب دیتے ہوئے یہ بات قرینِ مصلحت ہوگی کہ اسلامی غزوات کو ان جنگوں سے کیا نسبت جو مشرک اقوام نے اپنے سفلی جذبات کی تسکین اور ہواتے نفس کی تکمیل کے لیے لڑی ہیں۔

اسی جلد (دوم) میں ان 'ہفوات' کا جواب بھی دیا جائے گا، جو ازواجِ مطہرات (رضوان اللہ علیہن اجمعین) کے ناتے سے مستشرقین نے محسنِ انسانیت' اور 'انسانِ کامل' (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف منسوب کیے ہیں۔ یہاں ان 'وفود' کا بھی ذکر کیا جائے گا جو اقلیم لا الٰہ میں آباد ہونے کے بعد اس تہذیب و معاشرت کے فیوض و برکات اور اچھے ثمرات کو دنیا کے کونے کونے تک پھیلانے کے ذمہ دار تھے جس کی بنیاد خدا پرستی، خدا خوفی آخرت کے تصور، عدل و مساوات کے قیام اور انسان دوستی کے عالمگیر اصولوں پر رکھی

Marfat.com

گئی تھی۔ سر ولیم میور کے ان اعتراضات و مطاعن کا بھی جائزہ لیا جائے گا جو اس نے عیسائیت کی بالادستی ثابت کرنے کے لیے اسلام کے خلاف لگائے ہیں۔

مجھے ان غیر ملکی کتب خانوں کی مہتمم خواتین و حضرات کا شکریہ ادا کرنا ہے جنھوں نے میرے مطالعہ کے دوران نہ صرف کتابوں کو مہیا کرنے میں چابک دستی سے کام لیا بلکہ میرے مطالعہ کو بھی آرام دہ اور مفید بنایا۔ اگر پبلک لائبریری، مانچسٹر، لائبریری آف اورنیٹل اینڈ آفریقن سٹڈیز، یونیورسٹی آف لندن، امریکن یونیورسٹی لائبریری، قاہرہ اور جامعہ ازہر کی لائبریری کے کارپردازانِ میری مدد نہ کرتے تو میں ان "بدباطن" اور "کور چشم" علماءِ مغرب کے مفتریات و مخترعات کا جواب وثوق سے نہ دے سکتا۔

برادرم محمد زکی رضوی صاحب پہلے کی طرح اب بھی میرے ممد و معاون تھے۔ مسودے کی تلخیص و تنقیح میں ان کی چشم بصیرت وا رہی اور اس کو درست کرنے میں انھوں نے جس خلوص اور محنت کا ثبوت دیا، اس کے لیے ان کا جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔ میں جناب مقبول احمد صاحب اور ان کے عزیزان کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے اس کتاب کی شایانِ شان اشاعت کا انتظام فرمایا۔

یہ ہیچ مداں تو اسے قرانِ اعظم کہے گا کہ جب وہ یہ آخری سطور رقم کر رہا تھا تو صبح کے جانفزا لمحوں میں اس کے کانوں میں یہ آواز پڑی کہ پاکستان کی قومی اسمبلی نے بھاری اکثریت کے ساتھ نفاذِ شریعت کا بل کل منظور کر لیا۔ اور اب یہ بل مناسب مرحلوں سے گزرنے کے بعد مملکت خداداد پاکستان کا سپریم لا۔ قرار پائے گا۔ اس موقع پر خداوندِ قدوس کا جس قدر شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔ یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی زندگیوں کو اس کے مطابق ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

میں اپنی اس کوشش کو جناب نواز شریف کے نام منسوب کرنے کی جسارت کرتا ہوں جن کی فعّال اور موثر قیادت میں یہ مبارک دن دیکھنا نصیب ہوا۔ قراردادِ مقاصد کے بعد یہ سب سے اہم قدم ہے جس نے ہماری زندگی کی سمت اور ارتقاء کے رخ کو متعین کر دیا ہے۔

کنجاہ
(صبح ۶ بجے)
۱۷ مئی ۱۹۹۱ء

ہیچمداں
محمد احسان الحق سلیمانی

Marfat.com

Marfat.com

باب اوّل

معمارِ حرم

ایک تاریک رات کو جب فضا ڈھلی ہوئی تھی اور ستارے رہروانِ منزل اور قافلہ ہائے شوق کی رہنمائی کر رہے تھے، ایک اجنبی آواز نے حضرت ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو خیمے سے باہر بلایا اور کہا:

"آسمان کی طرف نگاہ کر اور اگر تو ستاروں کو گن سکتا ہے تو گن۔
اور اس سے کہا: کہ تیری اولاد ایسی ہی ہوگی۔"

حضرت ابراہیمؑ زندگی کی بچاسی بہاریں دیکھ چکے تھے لیکن ان کے ہاں کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی تھی۔ وہ ایک ایسی صالح اور پاکیزہ اولاد کے آرزومند تھے۔ جو اُن کے بعد تبلیغِ دین اور دعوتِ حق کے فریضہ کو انجام دیتی رہے۔ خداوندِ قدوس نے ایک روز اپنا فرشتہ ہاجرہؓ (جو مصر کے شاہی خاندان سے تھیں) کے پاس بھیجا تاکہ وہ انھیں ایک بُردبار لڑکے (غلامٌ حلیمٌ) کی خوش خبری دے۔ "خداوند کے فرشتے نے اس سے کہا: کہ مَیں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا۔ یہاں تک کہ کثرت کے سبب سے اس کا شمار نہ ہو سکے گا۔ اور خداوند کے فرشتے نے اس سے کہا: کہ تُو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا۔ اس کا نام اسمٰعیلؑ رکھنا۔" جب حضرت ابراہیمؑ کے ہاں حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوتے تو اُن کی عمرِ شریف چھیاسی برس کی تھی۔

حضرت ابراہیمؑ جب سو برس کے ہوتے تو فرشتے نے آپ کو حضرت سارہؓ (جو آپ کی پہلی بیوی تھیں) سے ایک صاحبِ علم بیٹے (غلامٌ علیمٌ) کی بشارت

Marfat.com

دی۔ اور کہا :

"بے شک تیری بیوی سارہؑ کے تجھ سے بیٹا ہوگا۔ تو اس کا نام اضحاقؑ (اسحٰقؑ) رکھنا۔ مَیں اس سے اور پھر اس کی اولاد سے اپنا عہد جو ابدی عہد ہے باندھوں گا۔"

حضرت سارہؑ نے، جن کا کاروانِ عمر ایک طویل مسافت طے کر چکا تھا اور اولاد کی پیدائش غیرحقیقی نظر آنے لگی تھی ؛ فرشتے سے پوچھا :

"کیا سو برس کے بڈھے سے کوئی بچہ ہوگا اور کیا سارہؑ کے جو نوے برس کی ہے اولاد ہوگی۔"

نے جواب دیا :

"کیوں نہیں۔ کیا تُو اللہ کے کاموں پر تعجب کرتی ہے؟ اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں تجھ پر، اے اہلِ بیت! (اس کے فضل و کرم سے یہ بات کچھ بعید نہیں ہے)۔ بے شک اللہ تعالیٰ قابلِ تعریف اور شان والا ہے۔"

خداوند بزرگ و برتر نے حضرت ابراہیمؑ سے مزید کہا :

"اسمٰعیلؑ کے حق میں بھی مَیں نے تیری دعا سُنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا۔ اور اسے بہت بڑھاؤں گا۔ اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے۔ اور مَیں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔"

حضرت ابراہیمؑ ایک راست باز، نرم خُو، خود آگاہ اور خُداشناس انسان تھے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو قائم کرنے کے لیے نہ صرف بتخانۂ آذری ہی کی مٹی اور پتھر کی مورتیوں کو توڑ ڈالا بلکہ اپنی مؤثر تعلیمات سے دلوں کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے غیرمرئی خداؤں تک کو نکال باہر کیا۔ زندگی میں ان کے لیے کتنی آزمائشیں تھیں اور ہر آزمائش کتنی کٹھن اور جاں گُسل تھی!

Marfat.com

جب وہ تمام آزمائشوں میں پورا اُترے، تو خداوندِ قدوس نے انھیں تمام انسانوں کے لیے امام (قائد) بنا دیا۔[۹] توراۃ میں آتا ہے:

"میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور برکت دوں گا۔ اور تیرا نام سرفراز کروں گا۔ سو تو باعثِ برکت ہو گا... اور دُنیا کے سارے گھرانے تجھ سے برکت پائیں گے۔"[۱۰]

حضرت ابراہیمؑ کی حیثیت دو عظیم نسلوں کے مورثِ اعلیٰ ہی کی نہیں بلکہ ایک ایسی تحریکِ انقلاب کے بانی کی بھی ہے جس کی صدائے بازگشت کبھی کوہِ فاران کے نکتہ رس خطیب، عظیم معلّم اور بے مثل پیغمبر کے خطبوں میں، کبھی حضرت داؤدؑ کے نغموں میں اور کبھی کوہِ طور اور کوہِ عشیر کے آتش بیاں مقرروں کے وعظوں میں سُنائی دی۔ وہ ایک فرد ہی نہ تھے بلکہ اپنی ذات میں انجمن تھے، کتابِ زندگی کا ایک روشن باب تھے اور ایک ایسا عہد تھے جس کی جلوہ سامانیوں سے زندگی کا عارضِ گلگوں ہنوز تازہ ہے۔ آپ کا اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے کہ قیامت تک کے لیے نبوّت اور رسالت آپ کی ذُرّیت سے باہر نہ گئی۔[۱۱]

اِس شجرِ مقدّس کی ایک شاخِ طوبیٰ حضرت یعقوبؑ کی وساطت سے حضرت عیسیٰؑ تک پہنچی اور دوسری حضرت اسمٰعیلؑ کے ذریعے ختمی مرتبت (صلّی اللہ علیہ وسلّم) پر منتج ہوتی۔ بعثتِ ابراہیمیؑ کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کریں، اسی کو اپنا حاجت روا اور کارساز مانیں۔ اسی کے آستانۂ قدس پر سجدہ ریز ہوں۔ اور اسی کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق اپنی معاشی اور معاشرتی زندگی کو ڈھالیں۔ یہی وجہ ہے کہ خُلّت واصطفیٰ کے اِس پیکر کی اتباع "ملّتِ حنیفہ" کے لیے ضروری قرار پائی۔[۱۲]

جب کسی شجرِ مقدّس کی ایک شاخ نمی نہ ہونے کے سبب خشک ہو جاتی ہے اور اس میں برگ و بار لانے کی استعداد ختم ہو جاتی ہے، تو فطرت اس

Marfat.com

کی کسی دوسری شاخ کو تنومند اور بارآور بنا دیتی ہے۔ یہی حال بنی اسرائیل کا ہُوا۔ اُنھوں نے اپنی فتنہ سامانیوں اور سفلہ پردازیوں سے وہ وعدہ توڑ دیا جو انھوں نے اپنے مالکِ حقیقی سے کیا تھا۔ وہ صریحًا شرک کے مرتکب ہوتے۔ انھوں نے احکامِ خداوندی کو پسِ پُشت ڈال دیا اور انبیاء (علیہم السلام) کا نہ صرف مذاق اُڑایا بلکہ انھیں قتل تک کر دینے سے نہ چُوکے۔ توراۃ ان کی نافرمانی اور تمرّد وسرکشی کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ تواریخ (۲) کے باب (۳۶) کی عبارت (۱۶) کا مطالعہ کیجئے، پتہ چل جاتے گا کہ انھوں نے کس طرح "خُدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھے میں اُڑا دیا۔ اس کی باتوں کو ناچیز جانا اور اس کے نبیوں سے بدسلوکی کی۔ یہاں تک کہ خدا کا غضب اپنے لوگوں پر ایسا بھڑکا کہ کوئی چارہ نہ رہا۔"

قرآن مجید کا اعجاز یہ ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کے خلاف کوئی فردِ جُرم تیار نہیں کی بلکہ اسی فردِ جُرم کی تصدیق کر دی ہے جو قدیم نوشتوں میں موجود تھی۔ قرآنِ مجید کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

"بہرحال بنی اسرائیل پر خواری و نامُرادی کی مار پڑی اور خُدا کے غضب کے سزاوار ہوتے۔ اور یہ اِس لیے کہ وہ خُدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور اس کے نبیوں کے قتل میں بے باک تھے۔ اُنھوں نے اطاعت کی جگہ سرکشی اختیار کی اور تمام حدیں پھلانگ گئے"[۱۲]

یہودیت ہو یا نصرانیت، دونوں مذہب قومی اور نسلی ہیں۔ ان تمام انبیاء (علیہم السلام) نے جو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوتے اپنے پیغام کو "بنی اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں" تک محدود رکھا۔ انجیل کی عبارات عیسائیت کے تبلیغی مذہب ہونے سے صاف صاف انکاری ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے شاگردوں کو تاکید کی تھی کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔"[۱۳] انسانی ذہن کی ترقی اور انسانی شعور کی

Marfat.com

بلوغت Maturity کیساتھ ضروری ہوگیا کہ بنی نوعِ انسان کو ایسا ضابطۂ قوانین اور ایسا دستورِ زندگی دیا جائے جو اس کے حال و استقبال کی تمام ضروریات (معاشی اور معاشرتی؛ تمدنی اور سیاسی) کو پورا کر سکے۔ چنانچہ ملتِ حنیفہ کی دوسری شاخ (اسمٰعیلی) کی یہ خصوصیت مابہ الامتیاز ہے کہ اسے پوری نوعِ انسان سے خطاب کا شرف حاصل ہے۔ اور اس شاخِ طوبیٰ کے گُلِ سرسبد سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) پوری انسانیت کی رہنمائی اور بھلائی کے لیے بھیجے گئے تھے۔ (آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیغام حاضر و غائب، اسود و احمر اور عرب و عجم سب کے لیے تھا۔ اس کی نوعیت ابدی اور عالمگیر تھی۔ آنحضورؐ اللہ تعالیٰ کے دین کو دوسرے تمام ادیان (نظامہائے زندگی) پر غالب کرنے کے لیے تشریف لائے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کی زمین عدل و انصاف سے بھر جائے اور فضا اس کی حمد و شکر کے نغمات سے معمور ہو جائے۔)

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتوِ آں
ہر کجا می نگری، انجمنے ساختہ اند!

حضرت ابراہیمؑ اُر (عراق) کی سکونت ترک کر کے کنعان (فلسطین) میں آباد ہو گئے۔ آپ نے اپنے وطن کو، جس کی مٹی زرخیز اور ہوائیں مشک بار تھیں، اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ اس میں توحیدِ خالصہ کے ننھے پودے کی نشوونما ناممکن ہو چلی تھی۔ آپ ایک ایسی سرزمین کی طرف، ہجرت کر کے جا رہے تھے جہاں حکومتِ الٰہیہ کے قیام و بقا کے روشن امکانات موجود تھے۔ جس طرح آپ کی یہ ہجرت اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت تھی، اسی طرح آپ کی دوسری ہجرت بھی خداوند قدوس کی منشاء کے مطابق عمل میں آئی۔ آپ ایک مختصر سے کُنبے کے ساتھ (جو حضرت ہاجرہؑ اور ننھے اسمٰعیلؑ پر مشتمل تھا) مکہ یا بکہ کے لیے اس راستے پر چل کھڑے ہوئے جسے مستقبل قریب میں ایک عظیم تجارتی شاہراہ بننا تھا۔ اسی شاہراہ کے ذریعے شام کی مصنوعات، یمن کی خوشبویات، ہندوستان کے حریر و دیبا کے

Marfat.com

ملبوسات اور چین کے فلزات کا تبادلہ ہوتا تھا۔ چالیس روز کی طویل اور تھکا دینے والی مسافت کے بعد آپ نے حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو اس جگہ اُتارا جو چاہِ زمزم کے قریب تھی۔[۸] یہ کنواں جہاں مسرت و شادمانی کی نوید ہے وہاں ان جاں گداز لمحوں کی یاد بھی تازہ کرتا ہے جب جگر گوشۂ ابراہیمؑ پیاس کے ہاتھوں سخت مضطرب اور بے چین تھے۔ شدتِ پیاس سے آپ ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔ ماں اپنی ممتا سے مجبور، صفا اور مروہ کے درمیان اِس لیے سعی فرما رہی تھیں کہ کوئی قافلہ نظر آئے جس سے پانی حاصل کیا جا سکے۔ لیکن جب مایوسی کے طویل سایوں کے سوا کچھ نظر نہ آیا تو حضرت ہاجرہؓ نے اپنی درماندگی، ضعفِ قوت اور بے چارگی کا شکوہ اُس مالکِ حقیقی سے کیا جو دانا و بینا ہے، موت و حیات کا خالق ہے اور اسباب (مادی) کے بہم پہنچانے پر قادر ہے۔ جس جگہ پر ننھے اسمٰعیلؑ ایڑیاں رگڑ رہے تھے بس وہیں سے میٹھے پانی کا چشمہ اُبل پڑا۔ زبور میں آتا ہے:

"مُبارک ہے وہ آدمی جس کی قوت تجھ سے ہے۔ جس کے دل میں صیون کی شاہراہیں ہیں۔ وہ وادیٔ بکہ سے گزر کر اسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں۔"[۹]

حضرت ابراہیمؑ ان پاکیزہ جانوں کو اللہ تعالیٰ کی حفظ و امان میں چھوڑ کر چلے گئے۔ پانی کی کثرت اور عمدگی کے سبب تجارتی قافلے یہاں ٹھہرنے لگے۔ بنو جُرہم، جو یمن سے آتے تھے، یہیں آباد ہو گئے۔ ان کی کئی نسلیں اسی دشتِ فاران میں، جو جلد ہی غیرتِ جناں بننے والا تھا، پھلیں پھولیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی پہلی شادی مصر میں ہوئی اور دوسری بنی جُرہم کی ایک عفت مآب خاتون سے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ بنو جُرہم کا سلوک حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد سے اچھا نہ رہا جس کے نتیجے میں بنو جُرہم کو یہاں سے نکلنا پڑا۔ انسانی فطرت منتقم اور حریص تو ہے ہی، انھوں نے جاتی مرتبہ چاہِ زمزم بند کر دیا۔

Marfat.com

حضرت ابراہیمؑ تیس سال گزر جانے کے بعد واپس لوٹے۔ آپ نہ صرف حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی اولاد سے مل کر طمانیتِ قلب حاصل کرنا چاہتے تھے بلکہ حضرت "ذبیح اللہ" کے ساتھ مل کر اس "مقدس گھر" کی بنیادیں اُٹھانا چاہتے تھے جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا[۲۰]۔ یہی وہ بیتِ عتیق ہے، مرکزِ ملت ہے، قبلۂ حاجات ہے اور سجدہ گاہِ جبینِ نیاز ہے جس کا ذکر تمام صُحفِ آسمانی میں موجود ہے۔ حضرت ابراہیمؑ جب کعبہ کی تعمیر کر چکے اور اُسے طواف کرنے والوں عبادت میں سرگرم رہنے والوں، اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک و صاف کر چکے، تو آپ نے لوگوں کو حج کے لیے پکارا[۲۱]۔ اس دن سے لے کر آج تک لوگ دُور دراز کے مقامات سے دُبلے پتلے اونٹوں پر، فرّاٹے بھرتی ہُوئی کاروں پر، سمندری جہازوں پر اور تیز رفتار طیّاروں سے اس گھر کا طواف کرنے آتے ہیں۔ اور لَبَّیْکَ، اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ط۔ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ کی صداؤں سے اپنی عبودیت کا اظہار اور وحدتِ اسلامی کا ثبوت دیتے ہیں۔

"معمارِ حرم" اور مؤسسِ ملتِ حنیفہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ یہ صحرا جو لالہ و گُل سے خالی ہے اور جہاں آگ کے بگولوں اور بادِ سموم کے تھپیڑوں کے سوا کچھ اور نہیں، خداوندِ بزرگ و برتر کی رحمت کے بغیر گُل بداماں نہیں ہو سکتا؛ جب تک سحابِ رحمت اُسے سینچے گا نہیں، وہ رشکِ جناں نہیں بن سکتا۔ آپ نے مالک کون و مکان سے اپنی اولاد اور ان کی آئندہ نسلوں کی حفاظت اور ترقی و خوش حالی کی دُعا مانگی۔ عرض کیا:

"کہ مَیں انھیں "وادیِ غیر ذی زرع" میں چھوڑے جا رہا ہوں جہاں ان کا کوئی مونس ہے نہ غمخوار؛ نگہبان ہے نہ پشتیبان، تو انھیں تحفظ کا احساس اور عبادت کا ذوق عطا فرما۔ انھیں پاکیزہ اور وافر روزی مہیا کر اور لوگوں کے دل ان کی طرف پھیر دے۔ (تاکہ وہ مل جل کر رہ سکیں اور ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کر سکیں جس کی بنیاد تقویٰ اور

Marfat.com

پرہیزگاری، عدل اور احسان، باہمی احترام اور مقاصد کی ہم آہنگی
پر رکھی گئی ہے"۔)

آپ نے ایک اور دُعا مانگی جو آپ کی تمناؤں کی مظہر تھی۔ الفاظ یہ ہیں :۔

"اے ہمارے رب! اِن لوگوں میں خود انہیں کی قوم سے ایک ایسا رسول اُٹھائیو، جو انھیں تیری آیات سُنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے۔ تُو بڑا قوت والا اور حکمت والا ہے"۔ [۲۲]

یہ دُعائے خلیلؑ بھی قبول ہوئی اور اس کے نتیجے میں" وہ نبیؐ " دُنیا میں تشریف لائے جنھیں قدیم نوشتوں میں کبھی" تسکین دہندہ" کے نام سے، کبھی" مُنحمنّا" کے نام سے اور کبھی بَرِقلیطس Periclutos کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ قرآن مجید نے انھیں "مُحمّدؐ" اور" احمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ یہی نام نامی اور اسم گرامی ہماری کتاب کا عنوان جلی ہے۔

(اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّم)

تعلیقات (باب اوّل)

۱۔ توراۃ۔ کتاب پیدائش، ۱۵ : ۵

۲۔ قرآن مجید۔ الصّٰفّٰت، ۳۷ : ۱۰۰ (رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○)

۳۔ ایضاً ۔ ایضاً، ″ : ۱۰۱ (فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ○)

۴۔ توراۃ۔ کتاب پیدائش، ۱۶ : ۱۰-۱۱

۵۔ قرآن مجید۔ الذّٰریٰت، ۵۱ : ۲۸ (... وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ○)

۶۔ توراۃ۔ کتاب پیدائش، ۱۷ : ۱۷

۷۔ قرآن مجید۔ ھودؑ، ۱۱ : ۷۳ (قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○)

۸۔ توراۃ۔ کتاب پیدائش، ۱۷ : ۲۰

۹۔ قرآن مجید۔ البقرہ، ۲ : ۱۲۴
(وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ
قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ)

۱۰۔ توراۃ۔ کتاب پیدائش، ۱۲ : ۲-۳

۱۱ قرآن مجید۔ العنکبوت، ۲۹ : ۲۷
(وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ)

۱۲۔ ایضاً ۔ النّحل، ۱۶ : ۱۲۳
(ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ
حَنِيْفًا ۭ)

۱۳۔ ایضاً۔ البقرہ، ۲ : ۶۱

Marfat.com

(وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ o)

۱۴- انجیل - متی - ۱۵ : ۲۴

۱۵- ایضاً - 〃 ۱۰ : ۵

۱۶- قرآن مجید - سبا، ۳۴ : ۲۸

(وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا)

۱۷- حیاتِ محمدؐ، سر ولیم میور، ج ۱، ص ۳؛ ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ، ٹامس کارلائل، ص ۲۸۴؛ خطباتِ احمدیہ - سر سید احمد خاں، ص ۱۳۸-

۱۸- مکہ یا بکہ کی قدامت اور اس کی مرکزیت پر تاریخی شہادات:

مکہ یا بکہ وہی مقدس مقام ہے جس کی قدامت عہدِ تاریخ سے پرے ہے۔ جارج سیل G. Sale اپنے انگریزی ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں رقمطراز ہے:

"مکہ جسے بکہ بھی کہا گیا ہے (اور یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں اور ان کے معنیٰ مقامِ اجتماعِ عظیم کے ہیں) یقیناً دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے۔ اور بعض کی رائے میں توراۃ کے شہر (Mesa) سے یہی مراد ہے۔" (ص : ۲)

باسورتھ سمتھ (Bosworth Smith) کا خیال ہے کہ:

"کعبہ کی تعمیر کا سلسلہ حسبِ روایت، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ تک پہنچتا ہے۔ بلکہ شیث و آدم تک۔ اس کا نام "بیت ایل" خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ اسے ابتدائی شکل میں کسی ایسے ہی

بزرگ قبیلہ نے تعمیر کیا ہے۔" (محمدؐ اور محمدیت، ص ۱۶۶)

سر ولیم میور (Sir W. Muir) اِس بات کا معترف ہے کہ :

" وہ مکّہ ایک نامعلوم زمانے سے ملکِ عرب کا مرکز چلا آرہا ہے۔"

(حیات محمدؐ - ج ۱، ص (ii c)

ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) ایسا عظیم مؤرخ بھی اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ :۔

مکّہ کی قدامت عیسوی دَور سے بہت پہلے کی ہے۔ اس کا ذکر یونانی مؤرخ (Diodorous) کے ہاں بھی ملتا ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ اس معبد کی تعظیم اور تقدس قدیم الایّام سے چلا آرہا ہے (تاریخ زوالِ روما، ج ۳، ص ۱۷)

ٹامس کارلائل (Thomas Carlyle) نے اپنے شہرۂ آفاق مضمون ہیروز اینڈ ہیروز ورشپ میں مشہور رومن مؤرخ سیلسس کی شہادت نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"کعبہ دُنیا کے تمام معبدوں سے قدیم اور اشرف ہے۔ اور یہ ولادتِ مسیحؑ سے پچاس سال پہلے کا ذکر ہے" (سیرت النبیؐ، علامہ شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۱۵۳)

مارگولیس (Margoliouth) نے مکّہ مکرمہ کی قدامت سے انکار کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ مکّہ میں پہلی عمارت سعید یا سعد بن عمرو نے تعمیر کی۔ چنانچہ اس کے قدیم یا جدید ہونے کا اندازہ اس تعمیر سے لگایا جا سکتا ہے۔ مارگولیس کو کم از کم یہ تو علم ہونا چاہیے کہ اہلِ مکّہ کعبۃ اللہ کے اردگرد عمارات تعمیر کرانے کو بیت اللہ کی بے حُرمتی اور ہتک سمجھتے تھے۔ اِس لیے عمارات نہیں بنائی جاتی تھیں۔ مکّہ ہمیشہ خیموں کا شہر رہا۔ قصیّ پہلا شخص ہے جس نے اپنے خاندان کے منتشر افراد کو ایک جگہ بسایا اور انھیں پختہ مکانات میں رہنے اور کعبہ کے آس پاس آباد ہونے کی ترغیب دی۔ ان عمارات سے جو قصیّ کے زمانے میں تعمیر ہوئیں،

Marfat.com

مکہ مکرمہ کی قدامت کا اندازہ لگانا، مارگولیس کی نااہلی اور صحیح نتائج اخذ کرنے کی عدم صلاحیت کا ثبوت نہیں تو اور کیا ہے؟

مکہ کا طول بلد اور عرض بلد بطلیموس (ایک قدیم جغرافیہ دان) کے جغرافیہ میں درج ہے، جو اس کی قدامت اور جلالت پر گواہ ہے، مکہ کا طول بلد ۷۸ درجے اور عرض بلد ۲۲ درجے ہے۔ (سپرٹ آف اسلام، سیّد امیر علی، ص ۳)

۲۰۔ قرآن مجید میں "یَرْفَعُ" کا لفظ قابلِ غور ہے۔ کعبہ کی بنیادیں پہلی بار رکھی نہیں جا رہی تھیں بلکہ وہ بہت پہلے رکھی جا چکی تھیں۔ عمارت کے منہدم ہو جانے کے بعد اب انھیں از سرِ نو اٹھایا جا رہا تھا۔ (البقرہ - ۲ : ۱۲۷)

۲۱۔ البقرہ ۲ : ۱۲۵۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝

ترجمہ: "اور یہ کہ ہم نے اس گھر (کعبہ) کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ ابراہیمؑ جہاں عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے، اس مقام کو جائے نماز بنا لو۔ اور ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کو تاکید کی تھی کہ میرے اس گھر کو طواف اور اعتکاف، رکوع اور سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔"

۲۲۔ قرآن مجید - الحج ۲۲ : ۲۷۔

وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝

ترجمہ: "اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے۔ لوگ تیرے پاس دنیا کی تمام دور دراز راہوں سے آیا کریں

Marfat.com

گے یا پیادہ اور ہر طرح کی سواریوں
پر جو مشقتِ سفر سے تھکی ہوتی
ہوں گی۔"

۲۳۔ البقرہ، ۲ : ۱۲۹
(رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا
عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○)

۲۴۔ انجیل، یوحنا، ۱ : ۱۹ - ۲۵
۲۵۔ السیرۃ النبویہ (عربی) ابنِ ہشام، ص ۲۳۳۔ حیات محمدؐ، سر ولیم میور۔
ج ۱، ص ۵)

"میور کا خیال ہے کہ (Periclutos) کا جو ترجمہ "احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے کیا گیا ہے، درست نہیں۔ توراۃ اور انجیل کی کتنی ہی ایسی عبارات ہیں جو ختمی مرتبتؐ کی آمد، آپؐ کی رسالت اور آپؐ کی سیرت و کردار کی عظمت پر گواہ ہیں۔ یہ لوگ کس کس کو جھٹلائیں گے؟ سر ہملٹن اے۔ آر۔ گب (A.R. Gibb) نے اپنی کتاب "محمڈیت" میں کہا ہے:

"آنحضورؐ کی آمد کی خبر حضرت عیسیٰؑ نے دی تھی اور فرمایا تھا کہ میرے بعد ایک نبی آنے والا ہے جس کا نام "احمد" ہوگا۔ توراۃ نے آپ کا ذکر بطورِ خاص کیا ہے۔ انجیل آپؐ کو بطور "النبی الامی" کے پیش کرتی ہے۔ اس کے باوجود، یہودی (جن میں عیسائی بھی شامل ہیں) کتاب مقدس کی اس گواہی کو چھپانے کے مرتکب ہوتے ہیں۔ انھوں نے کبھی تو اس قول کو نقل کرنے میں غلطی کی اور کبھی عمداً اس کی تاویل غلط کر دی۔

"They were guilty of misquoting and even of wilfully pennertin

Marfat.com

۲۶-۲۵۔ (اختصار از ضمیمہ پ۲ بہ سلسلہ حاشیہ ۲۸۱ پ۲ تفسیر ماجدی) از مولینا عبدالماجد دریا آبادی۔

ضمیمہ (اوّل)

اسم پاک محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم)

(لفظی تحقیق اور معنوی تشریح)

"حضورؐ کا نامِ نامی آپؐ کے دادا (حضرت) عبدالمطلب نے رکھا۔ عام طور پر اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ "بِ جَاءَ اَنْ یُّحْمَدَ"۔ عبدالمطلب نے آثارِ نیک دیکھ کر محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نام رکھا کہ مستقبل میں یہ مولودِ سعید آقائے نامدار (صلّی اللہ علیہ وسلّم) مجموعۂ محامد اور مرجع خلائق ہے۔ ارباب تصوّف موشگافی کی انتہا کردیتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ لفظ "محمّد" خدا کے نام "احد" سے مشتق ہے"۔

"یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے جیسا کہ تاریخی طور پر ثابت ہے، کہ آپؐ سے پہلے عرب میں کہیں اس نام کا پتہ نہیں چلتا۔ مؤرخین اکثر لکھتے ہیں وَلَمْ یَکُنْ شَائِعًا بَیْنَ الْعَرَبِ هٰذَا الْاِسْمُ۔ اس حالت کو تسلیم کرتے ہوتے دیکھا جاتے تو اتفاقی طور سے "نام مبارک" کا حضرت "عبدالمطلب" کے ذہن میں آنا منشاء خداوندی معلوم ہوتا ہے کہ جب اس نام کا محل کامل دُنیا کو اپنے وجودِ گرامی سے مشرف کرچکا تو پھر اسم بھی فطری طور سے نام رکھنے والے کے ذہن میں وارد ہوا"۔

نام مبارک کا عام اور سادہ ترجمہ یہی کیا جاتا ہے کہ "وہ ذات جس کی تعریف کی گئی"۔ اس ترجمہ کی صحت میں کوئی شک نہیں۔ لیکن اس جامعیتِ کبریٰ، برزخ کامل اور مقصودِ آفرینش کے فضائل وکمالات کے سامنے ترجمہ ہیچ ہے۔ خدا کے تمام نبی اس کے نزدیک موجبِ توصیف ہیں۔ دُنیا کے تمام حکیم، فاتح عام انسانوں کی نظروں میں

Marfat.com

لائقِ مدح وستائش ہیں۔ اس لیے اس ترجمہ کی صحت کو پورے طور پر تسلیم کرتے ہوئے تحقیق کو اور زیادہ وسعت دیں۔ صاحبِ مفردات (علامہ راغب اصفہانی) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معنیٰ لکھتے ہیں:

"اَلَّذِیْ اُجْمِعَتْ فِیْہِ الْخِصَائِلُ الْمَحْمُوْدَۃُ"

یعنی مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ لفظِ "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معنیٰ "مجموعۂ خوبی" کے ہیں۔

کارسازِ قدرت کی وسعت لامحدود، اس کے کرشمے ناقابلِ شمار، اس کی خلقت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے وا ہے۔ غور کرنے سے ہم اپنی عقل کے مطابق اس فیصلے پر پہنچتے ہیں کہ قدرت نے تخلیقِ انواع کے لیے ایک معیار مقرر کیا ہے۔ مخلوقات کی ہر نوع کا ایک درجۂ کمال ہے کہ جس کے آگے اس کا قدم نہیں بڑھتا۔ "حیوانات" "نباتات" اور "جمادات" تک میں اس کے شواہد مل سکتے ہیں۔ صورتیں ایک ہیں شکلیں متحد ہیں، اوصاف مختلف ہیں۔ لیکن ان مختلف اوصاف کی ایک انتہا ہے جسے جنسِ اعلیٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ جس کے آگے کوئی درجہ نہیں۔ ہر نوع میں جنسِ اعلیٰ کو جس پر اوصاف جامعیت کے ساتھ جا کر ختم ہوتے ہیں ہم مقصودِ فطرت اور نقطۂ تخلیق کہہ سکتے ہیں۔

دوسرے تمام انواع کی طرح اس مقصودِ فطرت کو انسانوں کی جماعت میں بھی تلاش کرنا ضروری ہے۔ دوسری مخلوقات اور انسانوں میں ایک عام اور بیّن فرق یہ ہے کہ وہاں نوع کے سینکڑوں افراد ہیں اور یہاں اوصاف و خصوصیات کے اعتبار سے ہر ہر فرد اپنے مقام پر نوعِ مستقل ہے۔ آفرینشِ انسان کی مجمل یا مفصل تاریخ پر ایک اجمالی نظر بتلا سکتی ہے کہ آج بھی انسان کی شکل و شباہت، اس کے اعضاء و جوارح، اس کا ڈھانچہ اور اس کی جسمانی ساخت ٹھیک وہی ہے جو دنیا کے پہلے انسان کی تھی۔ لیکن دماغی کیفیتوں کا حال ان سے جداگانہ ہے۔ ان میں برابر ارتقاء و اختلاف جاری ہے۔ اب اگر انسان کی اس ارتقائے ذہنی پر غور کیا جائے

Marfat.com

توصاف معلوم ہوتا ہے کہ ماقبل و مابعد ادیوں، زبانوں کی تاریخ میں ارتقائے دماغی کی انتہائی سرحد اگر کوئی معلوم ہو سکتی ہے تو وہ ذاتِ قدسی صفات آقائے نامدار رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہے۔ عربی لغت "القاموس" نے لفظ "حمد" کے ایک معنیٰ "قضاء الحق" کے بھی بتلاتے ہیں۔ پس لفظِ "محمد" کے ایک معنیٰ یہ بھی ہیں کہ "وہ جس کا حق پورا کر دیا گیا"۔ یعنی قدرت کی جانب سے نوعِ انسان کو جس سرحدِ کمال تک پہنچانا مقصود تھا اور انسان کا اپنے خالق پر جو حقِ تخلیق تھا وہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر پورا کر دیا گیا۔ علم و عمل، خلق و خُلق، دماغ و کردار ارتقائے ذہنی و ارتقائے عملی یہی دو چیزیں انسان کا خلاصہ اور اس کی کائناتِ تخلیق کا لبِ لباب ہیں۔ جتنی کسی انسان کی حالت مکمل ہو گی اسی قدر اس کی خُلقی کیفیت راسخ اور مستحکم ہو گی۔ ایک کا کمال دوسرے کے کمال کی علامت اور ایک کا نقصان دوسرے کے نقصان کی نشانی ہے۔ تاریخی طور پر یہ امر ثابت ہے کہ:

> کریکٹر اور اخلاق کی جُملہ شاخوں کی پختگی اور تکمیل کا جو نمونہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات مُبارک نے پیش کیا ہے۔ عالمِ انسانی اس کی نظیر سے عاجز ہے۔ حتّٰی کہ خود دشمنوں کے اقرار سے اس کو فرما دیا گیا اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔

منجملہ دیگر کمالاتِ نبوت و معجزاتِ رسالت کے ایک معجزۂ گرامی حضورِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نامِ نامی بھی ہے۔ یہ زندۂ جاوید معجزہ بعثت کے وقت سے تا ہنوز اپنے فضائل کی شہادتیں پیش کر رہا ہے۔ صاحبِ قاموس نے لکھا ہے کہ محمد وہ ہے یُحْمَدُ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ جس کی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو تعریف کے بعد تعریف اور توصیف پر توصیف ہوتی رہے۔ زمانہ جوں جوں بڑھتا جاتا ہے اور انسان اپنی سعی و کوشش کے مطابق جس درجہ ترقی کرتا جاتا ہے محض اعتقاداً نہیں بلکہ واقعتاً، رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم (رُوحی فداہُ) کے کمالات سے پردہ اُٹھتا جاتا ہے۔ علماء و فضلاء یورپ کی اکثریت اپنا مطالعہ جس قدر گہرا کرتی جاتی ہے

Marfat.com

کی مختلف پریشانیوں اور بے قراریوں کو معدوم کرنے کی ضرورت ان کے نزدیک اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے، بادلِ نخواستہ انھیں اسی راہ کی طرف آنا پڑتا ہے اور زبان اعتراف سے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بے شبہ پیغمبر عرب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قوانین دُنیا کی ضرورتوں کے کفیل ہیں اور انؐ کی زندگی عالمِ انسانی کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔

جیسا اُوپر کہا گیا ہے عام طور سے اشخاص کے نام اور اوصاف باہم کوئی نسبت نہیں رکھتے۔ شاذ و نادر اتفاقی حیثیت سے تناسب بھی مل جاتا ہے اور ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ کسی انسان کا وہ نام رکھا گیا ہو جو اس کی تمام زندگی کا آئینہ اور اس کے شعبہائے حیات کی تفصیل ہو۔ مگر نامِ نامی آقائے نامدار (فداہ اَبی و اُمّی) اس سے مستثنیٰ ہے۔ اِسی مطابقت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خاص نام کے رکھنے کے متعلق (حضرت) عبدالمطلب کو ایک غیبی تحریک ہوتی۔ اب غور کیا جائے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کا خلاصہ دوست دشمن کی یکساں تنقید، حاضر و غائب کی رائے زنی کا ماحصل اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ علم و عمل، ظاہر و باطن اور خَلق و خُلق ہر حیثیت سے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی قابلِ تعریف تھی اور اسی خلاصہ حیات کا ترجمہ ہے:

"مُحمّد" (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور اِس سے بھی زیادہ عجیب امر یہ ہے کہ نامِ مبارک حضورؐ کے نہ صرف نبی بلکہ خاتم النبیینؐ ہونے کی دلیل بھی ہے۔ کمال و کمالِ اخلاق بھی انبیاء علیہم السلام کی مخصوص اور ممتاز صفات میں سے ہیں۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کا کمال علمی اور عملی کسی ایک خاص صفت میں مخصوص تھا۔ لیکن حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاق کی جامعیت آپؐ کی سوانح و تعلیمات سے معلوم کی جاسکتی ہے۔ لفظ محمدؐ (فداہ اَبی و اُمّی) کے معنٰی "مجموعہ خوبی" اور "مخلوقِ کامل" کے ہیں۔ اس کے آگے کوئی نقطہ ہی نہیں ہے۔ اسی حالت پر کمالِ کُلّی کی اِنتہا اور معارف کا اختتام ہے جس کے بعد نہ کوئی نبی کی

Marfat.com

حاجت رہتی ہے نہ کسی نبی کا وجود ممکن ہے۔

لفظ "محمدؐ" (صلی اللہ علیہ وسلم) عربی زبان میں "تحمید" سے مشتق ہے جو باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اِس باب کے معنیٰ کے خواص میں سے ہے کہ کسی کام کا وجود میں آنا اس طور پر مانا جاتے کہ گویا کسی مخفی یا ظاہر طاقت نے اس کو وجود میں آنے کے لیے مجبور کیا ہے جیسے صَرَّفَ (پھیر دیا)۔ اسی طرح "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معنیٰ ہیں جس کی تعریف بے اختیار کی گئی ہو۔

اِس باب کی دوسری خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ کسی کام کے اس طور پر ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے تمام پہلوؤں کا استقصاء کیے ہوتے ہے۔ کوئی جُزاس سے چھوٹا ہوا نہیں۔ اِس خاصیت کا لحاظ رکھتے ہوتے نام مبارک کے یہ معنیٰ معلوم ہوتے ہیں کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)" یعنی جس کا جُز جُز قابلِ تعریف ہے۔ اصلاحِ نفس، تدبیرِ منزل اور تدبیرِ مُدن کی وہ کونسی شاخ ہے جس کا عملی نمونہ ذاتِ قُدسی صفات، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پیش نہیں کیا۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی بشارت میں لفظ "احمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا یعنی وہ آتے گا جو اپنے تمام پہلے آنے والوں کا سردار اور سب پر فائق ہوگا۔ الغرض اسلام کی تمام معنوی خوبیوں کے ساتھ پیغمبرِ اسلام کا اسم مبارک بھی اپنے معانی کے لحاظ سے مختلف خوبیوں کا مرقع، بہتیرے فضائل کا خلاصہ ہے۔ ایک طرف وہ اپنے مسمّٰی کے کام اور کام کے انجام کی پیشین گوئی ہے دوسری طرف اس کے کاموں کی تاریخ اور اس کی تعلیم کا لُبِّ لباب ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ٥

نیز ملاحظہ ہو: الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۱۰۴-۱۰۶؛ الصحیح البخاری۔ علامہ بخاری، عن جُبیرؓ بن مُطعم (باب فی اخلاقہ وشمائلہ)؛ خطباتِ احمدیہ، سرسید احمد خان ص ۲۸۳-۲۹۳؛ شمائلِ ترمذی، العلامہ ترمذیؒ۔

Marfat.com

باب دوم

خواجۂ گیہاں سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سلسلہ نسب

(سلسلۂ ناب کی چند کڑیاں)

یُوں تو نبوّت کے شجرِ مقدّس کی ہر ڈالی اور ہر پات حسین و جمیل ہے اور اس کا ہر پھُول خوش رنگ اور دل فریب ہے لیکن جس شاخِ طوبیٰ (سلسلۂ اسمٰعیلؑ) کا مطالعہ ہم کرنے والے ہیں اور جس کے نوعِ انسان پر ہمہ گیر اثرات (تہذیبی اور تمدنی ؛ معاشی اور معاشرتی ؛ اخلاقی اور سیاسی) کا جائزہ ہم لینے والے ہیں، اس کی مثال ایک ایسے شجرِ مقدّس کی سی ہے جس کی جڑ جمی ہوتی ہے اور ٹہنیاں آسمان میں پھیلی ہیں۔[1]

حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے جس شخص کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوتی وہ کنانہ تھا۔ اس کے بعد فہر (ملقّب بہ قریش) نامور ہُوا۔ قریش کا قبیلہ اسی کی طرف منسوب ہے۔ فہر کے بعد قُصیّ اور ہاشم اپنی ذہانت اور جُودت و فطانت کے لیے مشہور ہوئے۔ ختمی مرتبت، نبیِ رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی شاخ کے وہ گُلِ سرسبد ہیں جن کے عہدِ سعادت میں انسانی تصورات میں خوشگوار تبدیلی اور محیّر العقول رفعت پیدا ہوئی۔ انسان کا شعورِ ذات اپنی معراج کو پہنچا اور بنی نوعِ انسان کو وہ "پیامِ آخریں" ملا جو ہر قافلۂ تہذیب اور ہر کاروانِ تمدّن کی رہتی دُنیا تک رہنمائی کرتا رہے گا۔ ؎

جب اپنی پوری جوانی پہ آگئی دُنیا
تو زندگی کے لیے آخری نظام آیا

ختمی مرتبتؐ نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا:

"کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی ذریت میں سے اللہ تعالیٰ نے کنانہ کو پسند فرمایا۔

Marfat.com

کنانہ کی اولاد میں سے قریش کو۔ قریش میں سے ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھے چُن لیا۔ (فداہ ابی وامی) ۲

قُصیّ اس خاندان کا وہ پہلا شخص ہے جس نے قریش کے مختلف خانوادوں کو باہم شِیر وشکر کیا۔ انھیں خیموں سے نکال کر تمدّن وحضارت کی زندگی بسر کرنے کی عادت ڈالی۔ زُہرہ (قُصیّ کا بھائی)، تَیم (اس کا چچا)، مخزوم (اس کا چچیرا بھائی) اور دیگر اعزّہ واقارب صحرا کی زندگی کو خیرباد کہہ کر حرم پاک کے پڑوس میں پختہ مکانوں میں رہنے لگے۔ قصیّ کے اپنی قوم پر احسانات کا ذکر کرتے ہوتے، ایک شاعر نے کہا ہے ؎

قُصَیٌّ لَعَمْرِیْ کَانَ یُدْعٰی مُجَمِّعًا

بِہٖ جَمَّعَ اللّٰہُ الْقَبَائِلَ مِنْ فِہْرٖ

(میری عمر کی قسم۔ قصیّ جو "جمع کرنے والے" کے نام سے مشہور ہوا، اسی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے بنی فِہر کے تمام قبیلوں کو متحد کر دیا)

وہ اس لیے بھی "مُجمّع" کے نام سے موسوم ہوا کہ وہ اپنی قوم کے تمام محاسن کا مجموعہ اور ان کی تمام رفعتوں اور عظمتوں کا خزینہ تھا۔ سیّد امیر علی لکھتے ہیں کہ "یوں قصیّ نے تمام بڑے بڑے دینی، ملکی اور سیاسی مناصب اپنی ذات میں جمع کر رکھے تھے۔ وہی بادشاہ تھے، وہی منصف اور وہی سب سے بڑے مذہبی پیشوا۔ ان کے اقتدار نے، جو تقریبًا شاہانہ تھا، قریش کے نام کو، جس کے وہ مسلّمہ سردار تھے، چار چاند لگا دیے۔" ۳

وہ قریش کا بے تاج بادشاہ تھا۔ وہ اُسے اپنے ریوڑوں پر ہر سال ایک مخصوص ٹیکس ادا کرتے۔ جس سے وہ حجاجِ کرام کی ضیافت کرتا، اور ان کے مفادات کی دیکھ بھال کرتا۔ قُصیّ کی شادی حلیل کی بیٹی سے ہوئی (جو بنی خزاعہ کا سردار تھا) حلیل نے مرتے وقت وصیّت کی کہ حرم کی خدمت قصیّ کے سپرد کی جاتے۔ اگرچہ یہ بات حلیل کے لڑکوں کو پسند نہ تھی لیکن ان کے لیے اس کی سیادت قبول کر

Marfat.com

کے سوا کوئی چارا بھی نہ تھا قُصَی میں قیادت (Leadership) کی وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو ایک انسان کو دوسرے سے ممتاز کرتی تھیں ۔ دل و دماغ کی اعلیٰ صلاحیتیں ، قوتِ فیصلہ ، دوسروں کی خدمت کا جذبہ ، ایفائے عہد اور فیاضی۔

قُصَی نے اپنی قوم کے صاحبِ مشورہ اور صاحبِ رائے لوگوں کو مِل بیٹھنے ، باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال کرنے اور افہام و تفہیم پیدا کرنے کے لیے "دارالندوہ" کی بنیاد رکھی ۔ یہ ایک ایسی پارلیمنٹ تھی جس میں قوم کے اعلیٰ افراد ، قومی مسائل پر ، کُھل کر گفتگو کرتے اور متفقہ لائحہ عمل اختیار کرتے ۔ زعماء کے فیصلے ہمیشہ احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے اور ان پر عمل کیا جاتا ۔ [۴]

تاریخ کے طالب علم کے لیے یہ بات دلچسپی کا باعث ہوگی کہ اس خاندان میں ہر زمانے میں ایک نہ ایک شخص ایسا ضرور ہوا ہے جس کی سیادت کو پوری قوم نے تسلیم کیا ۔ قُصَی کے خاندان میں عبدِ مناف ایسا ہی صاحبِ بصیرت اور صاحبِ عزم و ہمت تھا لیکن بدقسمتی سے قُصَی نے مرتے وقت حرم کے تمام مناصب عبدالدار کو تفویض کیے جو اپنے والد کی زندگی میں بھی کم آمیز ، غیر موثر اور کسلان کا شکار تھا۔ عبدِ مناف نے اپنی خواہشات کا خون ہوتے تو دیکھ لیا لیکن باپ کے فیصلے کے خلاف خفیف سی آواز بھی بلند نہ کی ۔ اگلی نسل میں ہاشم (عمرو بن عبدِ مناف) جب جوانی کو پہنچا ، تو اس کے بھائی بندوں نے اس کی خوش قامتی ، اس کی سیرت اور ذہانت کو دیکھتے ہوتے ، یہ مطالبہ کیا کہ جو اختیارات عبدالدار کو قُصَی کے زمانے میں سونپے گئے تھے ، ہاشم کو واپس کیے جائیں ۔ دونوں گروہوں میں ٹھن گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ عبدمناف کے گھر کی عورتوں نے پرفیوم کے ایک پیالے میں اپنی اُنگلیاں ڈبوتے ہوتے یہ عہد کیا کہ جب تک وہ ہاشم کو برسرِاقتدار دیکھ نہیں لیتیں ، دم نہیں لیں گی ۔ اسی طرح کی تیاریاں بنی مخزوم میں بھی ہونے لگیں ۔ جنھوں نے عبدالدار کا ساتھ نبھانے کا حلف اٹھایا تھا فلک کے

Marfat.com

رفتار نے جو کچھ سوچا تھا، مشیتِ ایزدی نے اس کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ جنگ کے شعلے بھڑکا ہی چاہتے تھے کہ دونوں خاندانوں میں اس بات پر صلح ہو گئی کہ عبدالدار سے "سقایہ"[۵] اور "رفادہ"[۶] کے مناصب واپس لے کر ہاشم کو دے دیئے جائیں، جو صاحب حشم تھا، زیرک تھا اور قومی مفادات کا محافظ تھا۔[۷] ہاشم نے تمام مفوضہ امور کو جس حسن و خوبی سے انجام دیا، اس پر مولینا شبلی (مرحوم) یوں رقمطراز ہیں:۔

"ہاشم نے اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ حجاج کو نہایت سیر چشمی سے کھانا کھلاتے تھے۔ چرمی حوضوں میں پانی بھروا کر زمزم اور منیٰ کے پاس سبیل رکھتے تھے۔ تجارت کو نہایت ترقی دی۔ قیصرِ روم سے خط و کتابت کر کے فرمان لکھوایا کہ قریش جب اس کے ملک میں اسبابِ تجارت لے کر جائیں تو ان سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا۔ چنانچہ اہلِ عرب جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام اور ایشیائے کوچک تک تجارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ اس زمانے میں انگوریہ (انقرہ)، جو ایشیائے کوچک کا مشہور شہر تھا، قیصر کا پایہ تخت تھا۔ تجارِ قریش انگوریہ میں جاتے تو قیصر نہایت عزت اور احترام سے ان کا خیر مقدم کرتا۔"

"عرب میں راستے محفوظ نہ تھے۔ ہاشم نے مختلف قبائل میں دورہ کر کے قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ قریش کے کاروانِ تجارت کو ضرر نہ پہنچائیں گے جس کے صلے میں کاروان قریش ان قبائل میں ان کی ضرورت کی چیزیں خود لے کر جائے گا۔ اور ان سے خرید و فروخت کرے گا۔"[۸]

ہاشم کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ مکہ میں سخت قحط پڑا۔ ہاشم نے اس قحط میں روٹیاں چورا کر کے لوگوں کو کھلائیں۔ اس وقت سے اس کا نام

Marfat.com

"ہاشم" پڑ گیا۔ عربی زبان میں روٹیوں کے چورا کرنے کو "ہشم" کہتے ہیں، اور ایسا کام کرنے والے کو ہاشم ؎

عَمْرُو الَّذِيْ هَشَمَ الثَّرِيْدَ لِقَوْمِهٖ
قَوْمٍ بِمَكَّةَ مُسْنِتِيْنَ عِجَافِ

(عمرو وہی ہے جس نے روٹیاں چورا کر کے اپنی قوم کو کھلائیں جو قحط کے سبب دُبلی پتلی ہو گئی تھی۔)

جب کبھی حج کا موسم قریب آتا تو ہاشم قریش کے اہلِ ثروت اور صاحبِ حیثیت لوگوں کو اکٹھا کرتا اور انھیں ان ذمہ داریوں سے آگاہ کرتا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجاج کے سلسلے میں ان پر عائد ہوتی تھیں۔ وہ کہتا۔

"اے گروہِ قریش! تم اللہ تعالیٰ کے ہمسائے، اس کے گھر والے اور خادمِ حرم ہو۔ زمانۂ حج میں، دور و نزدیک سے، تمھارے پاس حاجی آنے والے ہیں۔ وہ اللہ کے مہمان ہیں۔ اور تمام مہمانوں میں ترجیح کے مستحق ہیں۔ ان کے لیے کھانے پینے کا اتنا معقول انتظام کرو کہ انھیں کسی دوسرے کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ خدا کی قسم اگر میری آمدنی اس مقصد کے لیے کافی ہوتی تو میں اس کا بوجھ تم پر نہ ڈالتا۔" ١٠

ہاشم تجارت کی غرض سے شام جاتے ہوئے مدینہ میں قیام کرتا۔ یہاں عدی بن نجار کی ایک عورت، جس کا نام سلمیٰ تھا، اس کو بھا گئی۔ یہ خاتون اس جاہلی معاشرے میں جس قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی، تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ وہ ہاشم کے ساتھ نکاح پر اس وقت تک آمادہ نہ ہوئی جب تک اس نے یہ عہد نہ لے لیا کہ ناپسندیدگی کی صورت میں اسے علیحدگی کا اختیار ہوگا۔

ہاشم اس کے بعد زیادہ دیر تک زندہ نہ رہا۔ ایک مرتبہ جب وہ تجارت

Marfat.com

کی غرض سے شام گیا ہُوا تھا تو وہاں بیمار پڑ گیا اور غزہ کے مقام پر اس نے اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر دی۔ سلمیٰ نے اس کی وفات کے بعد ایک بیٹے کو جنم دیا جس کا نام "شیبہ" تھا۔ اس کی پرورش اپنے ننھیال میں ہوتی۔ جب یہ بچہ سنِ شعور کو پہنچا اور ذہانت کے آثار اس کے بُشرے سے نمایاں ہونے لگے، تو ہاشم کے بھائی مطلب نے اسے مکہ لانے کا ارادہ کر لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو ہاشم کی دوسری اولاد میں کوئی جوہر قابل تھا اور نہ مطلب کے گھرانے میں کوئی ایسا دیدہ ور تھا۔ جو لوگوں کو اپنے گرد جمع کر سکتا، ان کے مصیبت کے وقت میں کام آتا اور اپنی کشادہ دستی سے ان کے دل جیت سکتا۔

مطلب مدینہ پہنچا اور سلمیٰ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ "شیبہ" کو اس کے ساتھ بھیج دے۔ سلمیٰ نے پہلے تو ٹال مٹول سے کام لیا لیکن جب اسے معلوم ہُوا کہ مطلب کی باتوں میں وزن ہے اور بچے کا مستقبل مکہ کی نئی سوسائٹی میں محفوظ ہے تو اس نے "شیبہ" کو چچا کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔ مطلب اسے اپنے اونٹ کے پیچھے بٹھا کر مکہ کی طرف روانہ ہُوا۔ وہ ابھی شہر میں داخل ہو ہی رہا تھا کہ لوگوں نے اس ہونہار بچے کو "عبدالمطلب" (مطلب کا غلام) کہہ کر پکارنا شروع کر دیا۔ مطلب نے انھیں بڑا سمجھایا کہ وہ اسے عبدالمطلب کے نام سے نہ پکاریں۔ وہ اس کے مرحوم بھائی ہاشم کا بیٹا اور اس کا بھتیجا ہے۔ لیکن کون سُنتا؟ چنانچہ "شیبہ" تاریخ میں "عبدالمطلب" کے نام سے مشہور ہوا[۱۱]۔ مطلب نے بھی کچھ عرصہ بعد یمن میں "ردمان" کے مقام پر وفات پائی۔ جو مرثیے اس کی وفات پر کہے گئے، وہ مطلب کی خندہ پیشانی، مصائب کے مقابلے میں اس کی ثابت قدمی اور فیاضی پر شاہد ہیں[۱۲]۔ ملاحظہ کیجیے: ؎

قَدْ ظَمِئَ الْحَجِيجُ بَعْدَ الْمُطَّلِبْ بَعْدَ الْجِفَانِ وَالشَّرَابِ الْمُنْثَغِبْ

لَيْتَ قُرَيْشًا بَعْدَهٗ عَلٰى نَصَبْ

حُجاج ایک مُدت تک چھلکتے اور لبریز جام سے پینے کے بعد مطلب

Marfat.com

کے چلے جانے سے پیاسے رہ گئے۔ کاش قریش اس کے بعد ایک
جھنڈے تلے جمع ہو سکتے۔)

ایک اور شاعر نے کہا:

أَبِيتُ لَيْلِي أُرَاعِي النَّجْمَ مِنْ أَلَمٍ ... أَبْكِي وَتَبْكِي مَعِي شَجْوِي بُنَيَّاتِي

(ایک کشادہ دست، فیاض اور صاحبِ عزم و ہمت کی وفات پر، رنج و غم کے سبب میں تارے گن کر رات گزارتا ہوں۔ خود بھی روتا ہوں اور میری وہ بچیاں بھی جو ابھی نو عمر ہیں)

حضرت عبدالمطلب دل و دماغ کی بے شمار خوبیوں کے ساتھ ایک خدا یاد انسان تھے۔ انھیں اپنے مالکِ حقیقی پر پورا بھروسہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی مشکلات کا نزول اور تفکرات کا ہجوم ہوتا، وہ اسی "مشکل کشا" کی طرف رجوع کرتے علامہ زرقانی نے اِس بات کی تصریح کی ہے کہ "حضرت عبدالمطلب تاریکی اور جہالت کے اس دور میں لوگوں کو شراب نوشی، زنا اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرماتے۔ انھیں بیت اللہ کا برہنہ طواف کرنے سے روکتے۔ چوروں کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتے اور محارم سے نکاح کرنے سے منع فرماتے"۔ علامہ ابنِ اثیر نے ان کی عبرت پذیری اور سخاوت کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ:

"ماہِ رمضان میں ہر سال غارِ حرا میں جاکر تحنث کیا کرتے تھے اور پورے مہینے مساکین کو کھانا کھلاتے رہتے"۔

اُنھوں نے ان تمام ذمہ داریوں کو بحُسن و خوبی انجام دیا جو انھیں سونپی گئی تھیں انھوں نے سخت محنت اور دل سوزی سے وہ مقام حاصل کر لیا تھا۔ جو دوسروں کے لیے ہمیشہ قابلِ رشک رہا۔

حضرت عبدالمطلب کا سب سے بڑا کارنامہ چاہِ زمزم کی دوبارہ دریافت ہے۔ جسے بنو جرہم مکہ چھوڑنے سے پہلے بند کر گئے تھے۔ یہاں کے باسی ایک طویل مدت سے اس چشمۂ صافی سے محروم تھے۔ ہوا یوں کہ ایک رات جب وہ مقامِ

Marfat.com

حجر میں سو رہے تھے تو کسی آنے والے نے انھیں زَم زَم کھودنے کا حکم دیا۔ انھوں نے پوچھا: زَم زَم کیا ہے؟ اس نے مسکراتے ہوئے بتایا: یہ میٹھے پانی کا وہ چشمہ ہے جو کبھی خشک نہ ہوگا اور حجاج کے بڑے سے بڑے گروہوں کو سیراب کرتا رہے گا۔ وہ اس وقت لید اور خون کے درمیان چیونٹیوں کی بستی کے قریب واقع ہے۔ ۱۲

Dig her, though shalt not regret,
For She is thine inheritance,
From thine greatest ancestor,
Dry She never will, nor fail,
To water all the pilgrim throng".

آپ نے اپنے بیٹے حارث کو ساتھ لیا اور زمزم کی کھدائی شروع کر دی۔ لوگ ان کی اس کوشش پر ہنس رہے تھے اس لیے کہ چاہِ زمزم ایک قصہ پارینہ بن چکا تھا۔ اس کو ڈھونڈ نکالنے کی ہر کوشش ان کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ حضرت عبدالمطلب کو یقین تھا کہ ان کا خواب نہ تو "سوءِ ہضمی" کا نتیجہ ہے اور نہ ہی "ناآسودہ خواہشوں" کا ثمرہ۔ جب کنویں کو گہرا کھودا گیا تو اس میں سے وہ تمام "تبرکات" برآمد ہونا شروع ہوئے جو اسے مٹی سے بھرتے وقت اس کے اندر دفن کر دیئے گئے تھے۔ لوگوں کو جب علم ہوا کہ وہ نذریں جو کبھی اس گھر پر چڑھائی جاتی تھیں، چاہِ زمزم سے نکلنا شروع ہو گئی ہیں تو وہ آپ کے گرد آ جمع ہوتے اور لگے مال کی تقسیم کا مطالبہ کرنے۔ ۱۴

حضرت عبدالمطلب نے جب انھیں بتایا کہ یہ مال ناقابلِ تقسیم ہے تو وہ مرنے مارنے پر اُتر آتے۔ اگرچہ "اس گھر کے مالک" نے انھیں بچا لیا لیکن انھیں افسوس رہا کہ ان کی حمایت میں صرف ایک ہی لڑکا کھڑا تھا۔ اگر ان کے ہاں زیادہ لڑکے ہوتے تو انھیں اس قسم کی شرمندگی نہ اُٹھانی پڑتی۔

Marfat.com

حضرت عبدالمطلب نے منّت مانی کہ اگر ان کے ہاں دس بیٹے ہوتے تو وہ ایک بیٹے کو خدا کے نام پر قربان کر دیں گے۔ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ ان کی زندگی ہی میں تمام بیٹے جوانی کی عمر کو پہنچ گئے اور وہ وقت قریب آگیا جب انھیں اس پُر بہار گلشن کا ایک شگفتہ پھول خدا کی نذر کرنا پڑا۔ وہ ہنستے مسکراتے ان بیٹوں کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ کے پجاری کے پاس پہنچے اور اسے فال نکالنے کے لیے کہا۔ ان کی حیرانگی کی کوئی انتہا نہ رہی جب فال حضرت عبداللہ پر نکلی جو خُوب رُو اور خندہ جبیں ہونے کے علاوہ باحیا اور بامروّت تھے۔ یہ محسوس کرتے ہوئے کہ ان کا والد اپنی نذر پیش کرنے میں مخلص ہے، حضرت عبداللہ کی بہنوں نے گریہ زاری شروع کر دی۔

حضرت عبدالمطلب کسی طرح بھی معاملے کو ٹالنے کے حق میں نہ تھے۔ زمانے کی نبضیں چھوٹ رہی تھیں جب آپ اپنے جگر گوشہ کو ساتھ لیے اور چھری ہاتھ میں لیے اس مقام کی طرف چل دیئے جو اساف اور نائلہ کے درمیان واقع ہے تاکہ اپنی نذر پوری کر سکیں۔ قریش جو اس قربانی کے نتائج و عواقب سے بے پرواہ بیٹھے تھے، فوراً چونک اٹھے۔ انھیں یہ خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں بیٹوں کی قربانی خاندانی رسم نہ بن جائے۔ وہ حضرت عبدالمطلب کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور کہا:

آپ ایسا کام ہرگز نہ کریں جب تک آپ اس کے لیے مجبور نہ ہو جائیں۔

فاطمہ جو حضرت عبداللہ کی والدہ تھیں، قریش کے قبیلہ مخزوم کی ایک بااثر خاتون تھیں وہ ننھیال کی جانب سے عبد (جو قصیّ کا ایک بیٹا تھا) کے خاندان کی چشم و چراغ تھیں۔ وہ حضرت عبدالمطلب کے دس بیٹوں میں سے تین بیٹوں اور پانچ بیٹیوں کی ماں تھیں۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو یوں ضائع ہونے دیتیں۔ مغیرہ (بن عبداللہ) نے جو بنی مخزوم کی آبرو تھا، عبدالمطلب کو پکارا اور کہا۔

"تُو اسے قتل کرنا چاہتا ہے، ایسا کبھی نہ ہو سکے گا۔ اس کے فدیہ میں اگر ہمیں ساری پونجی بھی دینی پڑی تو ہم ایسا کرنے سے دریغ نہ کریں گے۔"

حضرت عبدالمطلب نے جب ہوا کا رُخ بدلا ہوا دیکھا تو اس بارے میں کاہنہ سے

Marfat.com

مشورہ کرنے پر رضامند ہو گئے۔ کاہنہ کے کہنے کے مطابق حضرت عبداللہ پر اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالا گیا۔ تو قرعہ حضرت عبداللہ کے نام پر نکلا۔ اونٹوں پر دس دس اونٹوں کا اضافہ کرتے ہوئے، نو بار اور قرعہ ڈالا گیا۔ یہاں تک کہ بڑھاتے بڑھاتے اونٹوں کی تعداد سو ہو گئی۔ اب اونٹوں پر قرعہ آیا۔ حضرت عبدالمطلب نے جو اپنی دُھن کے پکے تھے، پجاری سے کہا کہ وہ اس عمل کو تین بار دُہرائے۔ اگر قرعہ اونٹوں کے نام ہی پر نکلے تو وہ ایک سو اونٹ قربان کرنے کو تیار ہوں گے۔ چنانچہ قرعہ تینوں بار اونٹوں ہی پر نکلا۔ حضرت عبدالمطلب نے ایک سو اونٹ اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان کر دیئے۔[۱۶] اس واقعہ کے بعد حضرت عبداللہ "ذبیح" کے پاکیزہ لقب سے مشہور ہوئے۔

ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) اس ناطے سے "ابن الذبیحین" کہلاتے۔ حاکم اور ابن جریر طبری کی روایت کے مطابق حضرت امیر معاویہؓ نے ایک موقعہ پر "ذبیحین" سے مُراد حضرت اسمٰعیل اور حضرت عبداللہ لی تھی۔[۱۷]

حضرت عبدالمطلب اس جانکاہ مرحلے سے بخیر و خوبی گزر چکے تو انھیں حضرت عبداللہ کی شادی کی فکر ہوئی۔ انھوں نے آپ کی شادی کے لیے بنی زہرہ کے رئیس وہب بن عبدِ مناف کی صاحبزادی حضرت آمنہ کا انتخاب کیا۔ "وہ قریش کی عورتوں میں نسب اور رُتبے کے لحاظ سے سب سے افضل تھیں۔"[۱۸] حضرت عبداللہ کو زیادہ دیر تک زندہ نہ رہنا تھا۔ وہ تجارت کی غرض سے فلسطین کے شہر غزّہ گئے۔ وہاں سے واپس لوٹے تو انھیں بخار نے آ لیا۔ وہ علاج کے لیے مدینہ ہی میں ٹھہر گئے۔ تقدیر کا لکھا کون ٹال سکتا ہے۔ وہ چند روز بیمار رہ کر اللہ میاں کو پیارے ہوئے۔ اس مہتابِ حُسن کی بے وقت موت پر اپنوں اور بیگانوں نے جس طرح صفِ ماتم بچھائی اور اظہارِ جذبات کے لیے جس طرح غم میں ڈوب کر اشعار کہے، اس کا احساس دلِ حسّاس بخوبی کر سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ نے ترکہ میں کچھ اونٹ، چند بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی تھی۔ ان کا نام اُمِّ ایمن تھا۔ اُمِّ ایمن کا اصلی نام "برکہ" تھا۔

انسان فطرتاً حریص واقع ہوا ہے۔ جب کامیابی اس کے قدم چومتی ہے تو وہ آپے

Marfat.com

سے باہر ہو جاتا ہے۔ وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کی موجودہ کامیابی اس کی کوششوں ہی کا نتیجہ ہے۔ اگر اس کا فہم و ادراک، اس کا تجربہ اور اس کی سرعتِ خاطر دوسروں سے بہتر نہ ہوتی تو وہ ناکام ہو جاتا۔ اس کے برعکس یہ بھی درست ہے کہ جب وہ دوسروں کی کامرانیوں کا سنتا ہے تو اپنے سینے میں تنگی محسوس کرنے لگتا ہے۔ اور جب ان کی ہزیمت و شکست کی خبر پاتا ہے تو ان کی رسوائیوں پر ہنستا ہے۔ خانہ کعبہ پر ابرہہ کی یلغار کے اسباب کچھ بھی ہوں، یہ بات واضح ہے کہ وہ خانہ کعبہ کی اس عظمت و جلالت اور عزت و توقیر سے جل بھن گیا تھا جو اس کے لیے سلیم الفطرت لوگوں کے دلوں میں تھی۔ اس خیال سے کہ جبینِ نیاز یہیں کیوں جھکتی ہے، وہ اکثر بے قرار ہو جاتا۔ اس نے خانہ کعبہ کو ڈھا دینے اور اس کے مقابلے سے ایک نئی عبادت گاہ تعمیر کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔[19] ابرہہ نے نجاشی کو لکھا:

"کہ اے بادشاہ! میں نے تمھارے لیے ایک شایانِ شان عبادت گاہ تیار کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ یہ سنگِ مرمر اور سنگِ رخام کی ہوگی۔ اس پر صلیب سونے کی اور اس کا منبر آبنوس کا ہوگا۔ اس کے معمار ایسے تجربہ کار اور یگانہ روزگار ہوں گے کہ ان کی مہارت اور تجربہ کا کوئی جواب نہ ہوگا۔ یہ حسن و زیبائی میں عرب کی قدیمی عبادت گاہ "بیت اللہ" سے بڑھی ہوئی ہوگی۔ میں اُس وقت تک دم نہ لوں گا جب تک حجاج کو وہاں سے ہٹا کر اس نئی عبادت گاہ کی چوکھٹ پر جھکا نہ دوں۔"

ابرہہ جب اپنی تیاری مکمل کر چکا تو وہ مکّہ کے لیے روانہ ہوا۔ فوج کے آگے ایک جنگی ہاتھی تھا جو قوت و شوکت کی علامت ہونے کے علاوہ آزمودہ کار بھی تھا۔ یہ فوج جلدی جلدی راستہ طے کرتی ہوئی جب طائف پہنچی تو سردارانِ طائف نے شہر سے باہر ابرہہ کا استقبال کیا اور اس کے کام و دہن کی ضیافت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ انھیں اندیشہ تھا کہ وہ کہیں لات کے مندر کو، جو بنی ثقیف کے لیے متبرک تھا، گرا نہ دے۔ سردارانِ طائف نے اسے بتایا کہ جس عبادت گاہ کو ڈھانے کا ارادہ لے کر وہ گھر سے نکلا ہے مکّہ میں[20] واقع ہے۔ انھوں نے ابورغال کو ابرہہ کی رہنمائی کے لیے اس کے ساتھ روانہ کر دیا۔ وہ ابھی

Marfat.com

ممتس تک ہی پہنچے تھے کہ ابو رغال چل بسا۔ ابرہہ نے افواج کو وہیں ٹھہرنے کا حکم دیا۔

اگلے روز فوج کا ایک دستہ مکہ روانہ کیا گیا تاکہ حالات کا جائزہ لے اور حملے کے لیے جنگی پلان تیار کرے۔ یہ دستہ واپس آتے ہوتے قریش کے دو سو اونٹ زبردستی ہانک لایا۔ جب قریش کو ابرہہ کے مذموم عزائم کا پتہ چلا تو انھوں نے جنگی کونسل کا اجلاس طلب کیا تاکہ معاملہ کے مالۂ وماعلیہ پر غور کیا جاسکے اور غنیم کے مقابلے کے لیے کوئی متفقہ لائحہ عمل تیار کیا جائے۔ قریش نے ابرہہ کے لشکرِ جرار کی موجودگی میں کسی قسم کا خطرہ مول لینا پسند نہ کیا اور فیصلہ کیا کہ حملہ آور سے صرف اونٹوں کی واپسی کی درخواست کی جائے اور باقی معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے۔

اسی اثنا میں ابرہہ کا ایلچی شہر میں داخل ہوا اور رئیس قوم کو طلب کیا تاکہ اسے اعتماد میں لیتے ہوئے یہ بتایا جاسکے کہ ابرہہ وہاں کے شہریوں سے لڑنے نہیں آیا بلکہ وہ اس "قدیم گھر" کو ڈھانے آیا ہے جو اُن کی سماجی زندگی کا مرکز اور ان کی مذہبی زندگی کا محور تھا؛ جس کے نام سے ان کی آبرو تھی اور جس کے وجود سے ان کی شہرت کو دوام حاصل تھا۔

ایسے مشکل وقت میں قرعۂ فال حضرت عبدالمطلب کے نام پڑا۔ آپ دربار میں حاضر ہوئے تو ابرہہ انھیں اُٹھ کر ملا۔ اور انتہائی احترام سے پیش آیا۔ حضرت عبدالمطلب کی شخصیت جلال وجمال کا حسین امتزاج تھی۔ ابرہہ نے انھیں حملے کے مقاصد سے آگاہ کیا اور پوچھا کہ وہ ان کی کیا خدمت کرسکتا تھا۔ آپ نے صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا کہ آپ کے سپاہی قریش کے دو سو اونٹ ہانک کر لے آتے ہیں جن کی واپسی کے لیے آپ کی اجازت درکار ہے۔ ابرہہ نے اسی وقت اونٹوں کی واپسی کا حکم جاری کر دیا۔ لیکن . . . . وہ بڑا حیران تھا کہ رئیس قوم نے اونٹوں جیسی حقیر چیز کا ذکر تو کیا لیکن "خدا کے گھر" کا ذکر کرنا بھول گئے۔ حضرت عبدالمطلب کو معاملے کا پتہ چلا تو فرمانے لگے۔

"میں اونٹوں کا مالک ہوں۔ میں نے اونٹوں ہی کا ذکر کرنا تھا۔ اس گھر کا بھی ایک مالک ہے۔ جو اس گھر کی حفاظت پر قادر ہے۔"

ابرہہ نے نشۂ اقتدار میں کہا:

Marfat.com

"وہ مجھ سے اِس گھر کو کیا بچاتے گا؟"

آپ نے کہا۔

"تم جانو اور وہ جانے۔" ۲۱

حضرت عبدالمطلب واپس لوٹے تو لوگوں کو صورتِ حال سے آگاہ کیا اور غارت گری کے خلاف انھیں شہر سے نکل جانے اور گھاٹیوں میں پناہ لینے کا مشورہ دیا۔ اگلی صبح اَبرہہ نے اپنی فوج کو مکّہ کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ اگرچہ اسے اہل مکّہ کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت کا کوئی خوف نہ تھا تاہم اس نے فوج کو ہر قسم کے اسلحہ سے لیس کیا۔ اَبرہہ خود زرق برق لباس زیبِ تن کیے اس کوہ پیکر ہاتھی پر سوار تھا جو اپنی ذہانت اور مہارت کے لیے "محمود" کہلاتا تھا۔ جب تک دشمن کی فوج نے حرم پاک کی سرزمین کے اندر قدم نہیں رکھا، حضرت عبدالمطلب کعبۃ اللہ کے حلقے کو تھامے رہے۔ اور نہایت عجز و انکسار کے ساتھ ربّ العزت کی جناب میں دعا کرتے رہے :ے

لَاهُمَّ اِنَّ الْعَبْدَ يَمْنَعُ   رَحْلَهُ فَامْنَعْ حِلَالَكَ

لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيْبُهُمْ   وَمِحَالُهُمْ غَدْوًا مِحَالَكَ

(اے اللہ! انسان اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے، تو بھی اثاث البیت کی حفاظت فرما۔ (ایسا نہ ہو کہ) ان کی صلیب اور ان کی تدبیر تیری تدبیر پر غالب آ جاتے۔) ۲۲

جنگی ہاتھی جواب تک جھومتا جھامتا اور چنگھاڑتا چلا آ رہا تھا۔ جب "حُرمت والے شہر" کی حدود میں داخل ہوا تو فوراً رُک گیا۔ مہاوت نے پہلے پیار سے اور پھر سختی سے اُسے آگے بڑھنے کا حکم دیا لیکن اس نے حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا۔ وہ لوہے کی زنجیروں سے پیٹا گیا اور آنکس سے زخمی کیا گیا لیکن "محمود" تھا کہ حرکت کرنے کا نام نہ لیتا۔ اَبرہہ شش و پنج میں پڑ گیا کہ کیا کرے۔ اسی اثنا میں، اس نے دیکھا کہ آسمان کو لاتعداد اور اَن گنت پرندوں نے ڈھانپ لیا تھا۔ کہ یہ پرندے (Scavengers) تھے جو لڑائیوں کے موقعوں پر مُردہ سپاہیوں کی لاشوں کو نوچنے اور فضا کو تعفّن سے پاک کرنے کے لیے فوج کے ساتھ ساتھ

Marfat.com

چلتے تھے ؛ یا وہ مسلح سپاہی تھے جو خداوندِ قدوس نے اپنے گھر کی حفاظت کے لیے ابرہہ کی فوج کے خلاف بھیجے تھے ؟[۲۳] ان کی چونچوں میں مٹی اور پتھر کے وہ کنکر تھے کہ جس پر گرتے اسے ہلاک کر دیتے۔ دشمن کی فوج کو صرف ان "بمبار طیاروں" کا ہی خطرہ نہ تھا بلکہ اس وبا (چیچک) کا بھی سامنا کرنا پڑا جس کے سبب ان کے جسم پیپ اور خون سے بھر گئے۔ فوج بدحواسی کا شکار ہو کر اس طرح تتر بتر ہوئی کہ کسی کو کسی کی خبر نہ تھی۔ ان میں سے کوئی راستے پر گر پڑتا اور کوئی کسی پگھٹ پر دم توڑ دیتا۔ ابرہہ یمن تک پہنچنے میں کامیاب تو ہو گیا لیکن اس کے ہاتھ اور پاؤں کی تمام انگلیاں جھڑ چکی تھیں اور ان سے پیپ اور خون بہہ رہا تھا۔ اس کا انجام بھی وہی ہوا جو ایسے سرکش، سفّاک، بد باطن اور بدنہاد انسانوں کا ہوتا ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے اِس کڑی آزمائش کے وقت میں قوم کے اعتماد کو بحال رکھنے اور اس مہم کو سر کرنے میں جس تدبر، تحمّل اور عزمِ راسخ کا ثبوت دیا، اس سے قوم میں آپ کا مقام اور احترام اور بڑھ گیا۔ سر ولیم میور نے مارگولیس کے اِن شبہات کو غلط اور لغو قرار دیا ہے جن کا اظہار اس نے حضرت عبدالمطلب کے بارے میں اپنی کتاب میں کیا ہے۔[۲۴] میور حضرت عبدالمطلب کی سیادت اور صیانت کا پوری طرح سے قائل ہے۔[۲۵] وہ لکھتا ہے :

"He became and continued to his death, the virtual chief of Mecca".

واقدی نے لکھا ہے کہ حضرت عبدالمطلب :

"كَانَ سَيِّدُ قُرَيْشٍ حَتّٰى هَلَكَ"... وَكَانَ شَرِيفًا فِي قَوْمِهِ مُطَاعًا، سَيِّدًا"۔

ابنِ سعد نے طبقات الکبریٰ میں حضرت عبدالمطلب کی خوبیوں کو گنواتے ہوئے ہوتے کہا ہے :

"آپ تمام قریش میں سب سے زیادہ حسین و جمیل اور سب سے زیادہ قوی و جسیم تھے۔ حلم اور بردباری کے علاوہ آپ فیاض اور کریم النفس تھے

Marfat.com

شر و فساد سے ہمیشہ اجتناب فرماتے۔ آپ قریش کے مسلّم سردار تھے۔[۲۶]
خداوندِ بزرگ و برتر نے سورۃ فیل[۲۷] نازل فرما کر جہاں "فیل والوں" کو درسِ عبرت و موعظت بنا دیا، وہاں سورۃ قریش[۲۸] نازل فرما کہ ان کی قدر و منزلت کو بڑھا دیا اور ان کی شہرت کو بقائے دوام بخشا۔

• • • •

تعلیقات (باب دوم)

۱۔ قرآنِ مجید۔ ابراہیم، ۱۴ : ۲۴

وَكَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ ٥)

۲۔ جامع ترمذیؒ۔ ج ۲، باب المناقب؛ الصحیح المسلم بروایت واثلہؓ بن الاسقع

۳۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابنِ ہشام، ص ۱۲۵؛ حیاتِ محمدؐ، سر ولیم میور، ج ۱، باب سوم، ص (ج) سپرٹ آف اسلام، سیّد امیر علی، ص ۴۔

۴۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابنِ ہشام، ص ۱۲۹؛ تاریخ ابنِ خلدون، مجلد ثانی، ص ۶۹۳۔

۵۔۶ سقایہ اور رفادہ کے علاوہ حجابہ، ندوہ اور لواء۔ وہ مناصب تھے جو قصیّ نے قائم کیے۔ سقایہ سے مراد حجاجِ کرام کو زمزم (پانی) پلانا تھا؛ رفادہ غریب حاجیوں کی خبرگیری کرنا اور انھیں کھانا کھلانا تھا، حجابہ خانہ کعبہ کی چابیوں کی نگہداشت تھی۔ فتح مکّہ کے موقع پر یہ منصب عثمان بن طلحہ کے پاس تھا۔ ندوہ وہ فورم (Forum) تھا جس پر اصحابِ رائے مل کر قومی مسائل پر غور کرتے اور ان کا متفقہ حل تلاش کرتے۔ لواء اس جھنڈے کی حفاظت تھی جس کے نیچے جمع ہو کر قوم دشمن سے جنگ کرتی۔ اس کا محافظ تمام افواج کا سپہ سالار ہوتا۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے عہدے قائم کیے گئے تھے جن میں دیات و مغارم، اموال اور ازلام والیسار، سفارت اور خازنہ قابلِ ذکر ہیں۔

Marfat.com

۷۔ سپرٹ آف اسلام، سید امیر علی، ص ۴

۸۔ سیرۃ النبیؐ، علامہ شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۱۶۵-۱۶۶؛ حیاتِ محمدؐ، سر ولیم میور، باب چہارم ص (cxi)

۹۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابن ہشام، ص ۱۳۶۔

وَاِنَّمَا کَانَ اِسْمُہٗ عَمْرو۔ فَمَا سُمِّیَ ھَاشِماً اِلَّا بِھَشْمِہِ الْخُبْزَ بِمَکَّۃَ لِقَوْمِہٖ)

نیز حیاتِ محمدؐ، سر ولیم میور، باب چہارم، ص (cxi)

۱۰۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابن ہشام۔ ص ۱۲۶

۱۱۔ حیاتِ محمدؐ، سر ولیم میور، باب چہارم، ص (cxiii)؛ نیز سپرٹ آف اسلام۔ سید امیر علی۔ ص ۵۔

۱۲۔ ان کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ لوگ انہیں "الفیض" کے لقب سے یاد کرتے۔ تاریخ ابن خلدون، مجلد ثانی، ص ۶۹۶۔

۱۳۔ السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام۔ ص ۱۴۳

۱۴۔ حیاتِ محمدؐ، سر ولیم میور۔ باب اوّل، ص (xxiv)

۱۵۔ تاریخ ابن خلدون، مجلد ثانی، ص ۶۹۷۔

۱۶۔ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور، باب چہارم، ص (cxv)؛ تاریخ ابن خلدون، مجلد ثانی، ص ۶۹۷

۱۷۔ مدارج النبوۃ۔ شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ ج ۲، ص ۱۸؛ تاریخ ابن خلدون، مجلد ثانی، ص ۶۹۷

۱۸۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابن ہشام۔ ص ۱۵۶،

۱۹۔ گولڈسٹن کا خیال ہے کہ ابرہہ کے پیشِ نظر تجارتی مفادات تھے۔ وہ سوچتا تھا کہ کعبہ کو ڈھا دینے کے بعد وہ قریش کو مذہبی اور سیاسی اقتدار سے محروم کر دے گا اور خود ان تجارتی راستوں پر اختیار حاصل کر لے گا جو اس وقت قریش کے پاس تھا۔ اور جس کے سبب انہیں مال و منال اور عزت و تکریم ملی تھی۔ ملاحظہ ہو

Marfat.com

۲۰۔ سیرۃ النبویہ ۔ ابن ہشام ۔ ص ۹۰،۹۴

۲۱۔ ایضاً ۔ " ۔ ص ۵۱

(إِنِّي أَنَا رَبُّ الْإِبِلِ ۔ وَإِنَّ لِلْبَيْتِ رَبًّا سَيَمْنَعُهُ

قَالَ: مَا كَانَ لِيَمْتَنِعَ مِنِّي ۔ قَالَ: أَنْتَ وَذَاكَ)

۲۲۔ حیاتِ محمدؐ ۔ سر ولیم میور ۔ باب چہارم، ص (xvii)؛ السیرۃ النبویہ ۔ ابن ہشام، ص ۵۲،۵۔

۲۳۔ سپرٹ آف اسلام ۔ سید امیر علی، ص ۸۔

۲۴۔ محمدؐ ۔ ڈیوڈ سیموئیل مارگولیس، ص ۴۷۔

۲۵۔۲۶۔ حیاتِ محمدؐ ۔ سر ولیم میور ۔ ج ۱، ص (cclix)

کتاب الواقدی، محمد بن عمر الواقدی، ص ۱۴۔

الطبقات الکبریٰ ۔ ابن سعد ۔ ج ۱، ص ۷۹-۸۱

۲۷۔ قرآن مجید ۔ سورۃ الفیل، ۱۰۵

۲۸۔ ایضاً ۔ سورۃ القریش، ۱۰۶

Marfat.com

باب سوم

مُستشرقین کی غلط اندیشیاں

نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شجرۂ نسب پر مُستشرقین کے اعتراضات اور ان کا جواب

(بہ سلسلہ باب دوم)

"یہ خواہش کہ مذہبِ اسلام کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد سے خیال کیا جائے اور غالباً یہ کہ وہ حضرت اسماعیلؑ کی نسل میں سے ثابت کیے جائیں، آنحضور کو اپنی زندگی میں پیدا ہوئی۔"[1] یہ ہے وہ مفروضہ جس کو ثابت کرنے کے لیے سر ولیم میور نے اپنی کتاب "حیاتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)" کے مقدمہ (Introduction) میں طویل بحث کی ہے۔ اِن کے نزدیک اِس کوشش کا مقصد آنحضورؐ کی خاندانی شرافت، ذاتی وجاہت اور عزّ و وقار کو دوبالا کرنا تھا جس کے لیے:

"آپ کے ابراہیمی نسب نامے کے ابتدائی سلسلے گھڑے گئے اور اسمٰعیلؑ اور بنی اسرائیل کے بے شمار قصّے نصف یہودی اور نصف عربی سانچہ میں ڈھالے گئے۔"[2]

اِس بے تکی بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے کے لیے ان حضرات نے کبھی قرآنی آیات کو موڑ توڑ کر پیش کیا اور کبھی احادیث کو غلط معنی پہنا کر اپنا کام نکالنا چاہا۔ اگر ان مُستشرقین (Orientalists) کے بیانات کو وسیع تر تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ انھوں نے نہ صرف سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہی "ادنیٰ خاندان کا ایک فرد" ثابت کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ حضرت اسمٰعیلؑ کو بھی (نعوذ باللہ) "مبتذل" دکھانے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اسلام اور شارعِ اسلام (علیہ السلام) کے خلاف حسد و کینہ کے یہ جذبات یہودی اور عیسائی مؤرخین

Marfat.com

کو وراثت میں ملے ہیں۔ ان لوگوں نے اسلام کے مقابلے کے لیے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے اور اپنے اشہبِ فکر کی لگام باطل خیالات اور دلی بغض وعناد کے اظہار کی طرف موڑ دی ہے۔ ان کی تقریروں اور تحریروں کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ عربوں کی تہذیب اور تاریخ کی تنقیص کی جائے، ان کے مقام و مرتبہ کو گھٹایا جائے اور ان کے مخصوص فضائل و خصوصیات کی جن میں ان کی انفرادیت مسلّم ہے، تحقیر کی جائے۔

آیئے! ہم ان مفروضات کو تاریخ کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور ان کی صحت وعدم صحت کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ حضرت اسمٰعیلؑ اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہؓ کی روحانی عظمت اور دنیادی وجاہت۔

توراۃ اپنی موجودہ صورت میں ان انبیاء (علیہم السّلام) کے سوانح سے زیادہ کچھ نہیں جو بنی اسرائیل کی طرف وقتاً فوقتاً مبعوث ہوتے رہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے صفحات میں ان پاکیزہ نفوس کا تذکرہ تلاش کرنا جو شاخِ اسمٰعیل سے تعلق رکھتے ہیں، عبث ہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کے اسباط کا جو تذکرہ ہمیں توراۃ میں ملتا ہے وہ نہ صرف حد درجہ مختصر اور نامکمل ہے بلکہ لکھنے والوں کے ان رویّوں کی بھی عکاسی کرتا ہے جو قدامت پسندی، ہٹ دھرمی اور مادہ پرستانہ تنگ نظری سے عبارت ہیں۔ حضرت ہاجرہؓ پر "لونڈی" ہونے کا طعن اور غلامِ حلیم پر "لونڈی بچہ" ہونے کا الزام حاملانِ توراۃ کی علمی ذلالت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اصل واقعہ درج ذیل ہے:

حضرت ہاجرہؓ جن کا عبرانی نام "ہاغار" تھا کبیرۂ مصر تھیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے مصر میں داخل ہونے کے بعد جو واقعات رونما ہوتے اور شاہِ مصر پر حضرت سارہؓ کے سبب جو بلائیں نازل ہوئیں (پیدائش، باب ۱۲: ۱۷-۲۰) ان سے شاہِ مصر کو یہ بات سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی کہ حضرت ابراہیمؑ خداوند تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے اور حضرت سارہؓ ایک نیک فطرت اور پاکیزہ سیرت بی بی تھیں۔ وہ آپ کے حُسنِ اخلاق سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے اپنی بیٹی "ہاغار" کو حضرت سارہؓ کی خدمت کے لیے ساتھ کر دیا۔ یہ حضرت سارہؓ کا فیضانِ صحبت تھا کہ حضرت ہاجرہؓ باخدا

Marfat.com

بن گئیں۔ اور اپنی شرافت، صبر و استقامت اور تقویٰ و پرہیزگاری کے لیے مشہور ہوئیں۔

حضرت ہاجرہؓ اس مقام و مرتبہ کی خاتون ہیں کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی پیدائش سے پہلے خدا کا فرستادہ انھیں بشارت دینے آتا ہے اور نومولودِ مسعود کا نام تجویز کرتا ہے (پیدائش باب ۱۶: ۱۱)، خدا کا فرشتہ مزید کہتا ہے "کہ مَیں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا۔ یہاں تک کہ کثرت کے سبب سے اس کا شمار نہ ہو سکے گا۔" وہ خاتونِ محترم جس کا خدا نے "درد و غم سنا" جس سے خداوندِ بزرگ و برتر کا پیغامبر ہمکلام ہوا، اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ "لونڈی" تھی اور اس کا بچہ "جسے برکت دی گئی"، جسے "برومند" کیا گیا اور جسے "قوموں اور بادشاہوں کا باپ" بنایا گیا، "لونڈی بچہ" تھا، کس قدر احمقانہ خیال ہے اور واقعات کی تضحیک ہے۔

اگر توراۃ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ لونڈی یا غلام کے لیے عبرانی میں تین لفظ استعمال ہوتے ہیں۔

۱۔ شیبوث حرب: ان غلاموں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو لڑائی میں قیدی بنائے گئے ہوں۔

۲۔ مقنت کسف: ان غلاموں یا لونڈیوں کے لیے آتا ہے جو زرِ خرید ہوں؛

۳۔ یلید بایث: ان بچوں پر بولا جاتا ہے جو کسی لونڈی یا غلام کے بطن سے پیدا ہوتے ہوں۔

توراۃ میں حضرت ہاجرہؓ کے لیے ان مذکرہ الفاظ میں سے کوئی لفظ بھی استعمال نہیں ہوا۔ توراۃ میں حضرت سارہؓ نے حضرت ہاجرہؓ کو جس لفظ سے یاد فرمایا ہے وہ "آمتی" ہے، جو عبرانی لفظ "اَمَۃ" کا ہم معنیٰ ہے۔ اس کا ترجمہ "خادمہ" کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ بدذوقی اور کیا ہوگی کہ ایک سوکن نے جو لفظ اپنی سوکن کو غصے کی حالت میں کہہ دیا ہو اسے ہی صحیح مان لیا جائے؟ (ملاحظہ ہو خطبات احمدیہ، ص ۱۸۰)

اسرائیلی قانون میں لونڈی کی اولاد کبھی جائیداد کی وارث نہیں ٹھہری۔ اگر حضرت اسمٰعیلؑ واقعی لونڈی کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہوتے، جیسا کہ یہودی یا عیسائی ان نفوسِ قدسیہ کے بارے میں گمان کرتے ہیں، تو توراۃ کبھی حضرت سارہؓ کو ان الفاظ کے ساتھ پیش نہ کرتی جو پیدائش کے باب (۲۱) کی عبارت (۹۔۱۰) کے تحت درج ہوئے ہیں۔

Marfat.com

"اور سارہ نے دیکھا کہ ہاجرہ مصری کا بیٹا جو اس کے ابراہام سے ہوا تھا ٹھٹھے مارتا ہے تب اس نے ابراہام سے کہا کہ اس لونڈی کو اور اس کے بیٹے کو نکال دے کیونکہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اضحاق کے ساتھ وارث نہ ہوگا"

ظاہر ہے کہ اگر حضرت اسمٰعیلؑ "لونڈی" سے پیدا ہوتے ہوتے تو وہ حضرت اسحٰقؑ کے ساتھ اپنے والد کی جائیداد میں کیونکر شریک ہو سکتے تھے؟ توراۃ کے مشہور مفسر ربی شلومو اسحٰق نے ہر قسم کے تعصب سے بالاتر ہو کر کتاب پیدائش کے باب (۱۶) کی تفسیر میں حضرت ہاجرہؓ کے بارے میں درج ذیل الفاظ کہے ہیں۔

"وہ (حضرت ہاجرہؓ) فرعون کی بیٹی تھیں۔ جب اس نے کرامات کو دیکھا جو بوجہ سارہؓ واقع ہوتی تھیں، تو کہا کہ میری بیٹی کا اس کے گھر میں "خادمہ" ہو کر رہنا دوسرے گھر میں ملکہ ہو کر رہنے سے بہتر ہے" (خطبات احمدیہ، ص ۱۷۹)

یہ واقعات حقیقت کے اظہار کے علاوہ "خادمہ" کی حیثیت کو بھی بیان کرتے ہیں۔ وہ نہ تو "زر خرید" ہے، نہ کسی "لونڈی یا غلام" کے بطن سے پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی "غنیمت" کا مال ہے اس کی حیثیت عُرفی ہے۔ موجودہ توراۃ کی تحریروں کے سیاق و سباق میں حضرت "ہاجرہؓ" کا مقام "راخل" اور "لیاہ" کی نسبت جو حضرت یعقوبؑ کی بیگمات ہیں، زیادہ بلند، پُر وقار اور قابلِ عزت ہے۔ یہ اس لیے کہ ان بزرگ خواتین نے اپنے "لونڈی" ہونے کا خود اعتراف کیا ہے۔

ایک مسلمان کے عقیدے کے مطابق حضرت راخلؓ اور حضرت لیاہؓ اتنی ہی معزز و محترم ہیں جتنی حضرت ہاجرہؓ ہیں۔ اگر موخر الذکر کو حضرت ابراہیمؑ سے نسبت ہے تو متذکرہ خواتین (اللہ ان سے راضی ہو) کو حضرت یعقوبؑ سے قوی نسبت ہے۔ لیکن اگر وہ "لونڈی" ہونے کے باوجود قابلِ احترام ہیں تو حضرت ہاجرہؓ کیوں نہیں جو کبیرۂ مصر ہیں، آزاد ہیں اور امّ المسلمین ہیں

اِن تمام واقعات کو مولٰنا عبدالماجد دریا آبادی مرحوم نے اپنی تفسیرِ ماجدی میں جس اختصار مگر جامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ انھیں کا حصّہ ہے۔ مولٰنا فرماتے ہیں۔

"آپ (حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ) شاہ مصر کی صاحبزادی تھیں اور مصر کا شاہی خاندان حضرت ابراہیمؑ کے خاندان کی ایک شاخ تھا جو عراق سے منتقل ہو کر مصر

Marfat.com

میں آباد ہو گیا تھا۔ جب حضرت ابراہیمؑ اپنے سفر میں ادھر سے گزرے تو بحیثیت ایک شیخ قبیلہ کے آپ کو شاہِ مصر نے اپنا مہمان بنایا۔ اور رخصت کے وقت آپ کے اعزاز و اکرام میں اپنی صاحبزادی کو بطور تحفہ کے پیش کیا۔ اور تواضع و انکسار کی راہ سے کہ مشرقی میزبانی کا خاصہ ہے، کہا کہ یہ آپ کی "کنیزی" کے لیے ہدیہ ہے۔ اُردو زبان میں یہ محاورہ آج تک چلا ہوا ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پر بڑے سے بڑا معزز شخص بھی اپنی لڑکی کو "کنیز" ہی کہہ کر داماد اور سمدھی کے سامنے پیش کرتا ہے"۔

"مشرقی تواضع کے اس عام پیرایۂ بیان سے معاندین کو گویا ایک بڑی معتمد اور مستند دستاویز ہاتھ آگئی اور اُمِّ اسمٰعیلؑ ان کے ہاں آج تک "کنیز" ہی چلی آ رہی ہے۔ واقعات بہرحال واقعات ہیں انھیں کوئی کہاں تک جھٹلا سکتا ہے"۔

جیوش انسائیکلوپیڈیا میں اکابر احبارِ یہود کے حوالے سے ہے:

"حضرت ہاجرہؓ فرشتہ کو دیکھ کر ہیبت زدہ ہوئیں . . . . ان کی عصمت مآبی اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے انھیں اپنے پاس سے الگ کر دیا۔ جب بھی ان کی وفاداری میں کوئی فرق نہ آیا . . . . اُن کے نام کے ایک معنٰی "آراستہ" بھی بیان ہوتے ہیں۔ اور یہ اس بنا پر کہ وہ زیورِ اخلاق و حسنِ عمل سے آراستہ تھیں (ج ۶ ص ۱۳۸)۔ اس میں دوسری جگہ پر یہ روایت بھی درج ہے کہ "بادشاہ نے خود اپنی صاحبزادی بطور "کنیز" ہدیہ کر دی"۔ (ج ۱۱، ص ۵۵)

قصصِ یہود کا جو مجموعہ (Ginsberg) نے چار جلدوں میں شائع کیا ہے، اس میں آتا ہے:

"بادشاہِ مصر نے عہد کر لیا کہ وہ ابراہیمؑ کو ہر طرح پُرقوت و شوکت بنا کر رہے گا۔ چنانچہ اپنی بیٹی تک ہدیہ دے دی۔ (حضرت) سارہؓ کی تربیت میں رہ کر وہ بھی ویسی ہی باخدا بن گئیں اور ہر طرح حضرت ابراہیمؑ کی رفاقت کے قابل"۔ ش

اِن شہادات کے بعد جو خود یہودی علماء اور محققین کی پیش کردہ ہیں، حضرت ہاجرہؓ اور آپ

Marfat.com

کے جگر گوشہ حضرت اسمٰعیلؑ کی روحانی عظمتوں کا انکار بہت بڑی زیادتی ہے۔ الصحیح البخاری کی ایک حدیث سے، جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور کتاب الانبیاء میں درج ہوئی ہے، پتہ چلتا ہے کہ حضرت ہاجرہؓ کو ان کے والد نے "خدمت کے لیے دیا تھا"۔ عبرانی زبان کا لفظ "تشفحہ" جو شاہِ مصر نے استعمال کیا تھا "فَاَخْدَمَهَا" کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جس کا مطلب اِس کے سوا کچھ نہیں کہ "شاہِ مصر نے حضرت ہاجرہؓ کو خدمت کے لیے دیا تھا"۔

اسی طرح بعض علماء نے "ذبیح اللہ" ہونے کا اعزاز بھی حضرت اسمٰعیلؑ سے چھین کر حضرت اسحٰقؑ کو دلوانا چاہا ہے۔ حالانکہ عرب کی روایات اس بات کا ناقابلِ انکار ثبوت ہیں کہ قربانی کی رسم بنی اسمٰعیلؑ میں ہزاروں سال سے جاری ہے جب کہ بنی اسحٰقؑ اس سے بالکل بے خبر ہیں۔ یسعیاہ نبی کی کتاب کا باب (۶۰)، عبارت (۶-۷) اس بات پر گواہ ہے کہ مدیان اور عیفہ کی قومیں جو بنی قطورہ سے ہیں اور حضرت اسمٰعیلؑ کے برادر زادے جو یمن میں سکونت پذیر ہوتے (یہ سب اسرائیل سے نہیں ہیں)، اور قیدار اور نبایوت (جو حضرت اسمٰعیلؑ کے فرزند ہیں) ان تمام قوموں کا ایک "مذبح" پر قربانیاں لانا اور "شوکت کے گھر" یعنی بیت الحرام کے مذبح کو بزرگی اور "جلال بخشنا" ہے اِس بات کی بین دلیل ہے کہ قربانی کا خاص مقام مکہ ہے نہ کہ کنعان کی سرزمین جو اس قربانی کے خون سے کبھی لالہ زار نہیں بنی۔ اسی اندرونی شہادت کو (جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) قرآن مجید نے:

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝
سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ ؎

کے الفاظ میں دہرایا ہے۔

پال صاحب نے جو موجودہ عیسائیت کے بانی اور عقیدۂ تثلیث کے موجد ہیں، اپنے ایک خط میں جو گلتیون کو لکھا تھا، حضرت اسمٰعیلؑ کو "لونڈی" کا ایک ایسا بیٹا ظاہر کیا ہے جو جسم کے طور پر ؎ پیدا ہوا تھا۔ اور آپ کی والدہ کو "عرب کا کوہِ سینا" بتایا ہے جس سے

Marfat.com

عیاں ہے کہ حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ عرب کے دشتِ فاران میں آکر ٹھہرے۔ اِس لیے قربانی پیش کرنے کا مقام بھی عرب ہی ہے نہ کہ کنعان (فلسطین)

جہاں تک آپ کی "پیدائش بطور جسم" کا تعلق ہے، یہ بھی ایک ایسے مبغوض انسان کے ذہن کی پیداوار ہے جس کی جھلک ہمیں کبھی سپرنگر کے ہاں نظر آتی ہے اور کبھی مارگولیس کے ہاں؛ کبھی رنیان کے ہاں دکھائی دیتی ہے اور کبھی میور کے ہاں۔ اگر آپ حضرت اسمٰعیلؑ کے روحانی مقام و مرتبہ کو دیکھنا چاہیں تو آئیے ہم آپ کو توراۃ کی ان عبارات کی سیر کرائیں جو حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ کی شان میں وارد ہوتی ہیں۔ دونوں کے روحانی اور مادی کمالات کیلئے ایک جیسے الفاظ کا استعمال ہمارے اس عقیدے کی تائید کرتا ہے کہ:

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ ۲ : ۲۸۵)

۱۔ خدا نے نام رکھا	ہاجرہؓ کے فرزند اسمٰعیلؑ کا	:	کتاب پیدائش	: ۱۶ : ۱۱
	سارہؓ " " اسحٰقؑ کا	:	"	: ۱۷ : ۱۹
۲۔ خدا نے برکت دی	ہاجرہؓ کے فرزند اسمٰعیلؑ کو	:	"	: ۱۷ : ۲۰
	سارہؓ " " اسحٰقؑ کو	:	"	: ۱۷ : ۱۶
۳۔ خدا ساتھ تھا	حضرت اسمٰعیلؑ کے	:	"	: ۲۱ : ۲۰
	حضرت اسحٰقؑ کے	:	"	: ۲۶ : ۲۴
۴۔ قوموں اور بادشاہوں کا باپ ہوگا	حضرت اسمٰعیلؑ	:	"	: ۲۵ : ۱۶
	حضرت اسحٰقؑ	:	"	: ۱۷ : ۶
۵۔ خدا نے درد و غم سُنا	حضرت ہاجرہؓ کا	:	"	: ۱۶ : ۱۱
	حضرت سارہؓ کا	:	"	: ۱۸ : ۱۴

تحریفات و الحاقات کے باوجود (جو توراۃ کا مقدر بن چکی ہیں)، موجودہ توراۃ کی یہ شہادت حضرت ہاجرہؓ اور آپ کے فرزند ارجمند حضرت اسمٰعیلؑ کی عظمت اور سیادت کا وافر ثبوت مہیا کرتی ہے۔

۲۔ شرفِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

Marfat.com

مارگولیس نے اس بیان کی تائید میں کہ "آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک غریب اور ادنیٰ خاندان (محمد، مارگولیس، ص ۴۷) سے تعلق رکھتے تھے۔" ۹ قرآن مجید کی ذیل کی آیت کا سہارا لیا ہے اور اسے اس قدر غلط معنی پہناتے ہیں کہ موصوف کی عقل کا ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے: وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ

(مشرکین کہتے ہیں کہ یہ قرآن دونوں شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی عظیم (مالدار اور بااثر) آدمی پر کیوں نہ اتارا گیا؟ (الزخرف: ۳۱)

مارگولیس نے عربی زبان کا خوب مطالعہ کیا تھا اور سر ولیم میور بھی تاریخی شہادتوں کو سمجھنے میں کوئی کودن نہ تھے، لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ انھوں نے "عظیم" کو "شریف" سے خلط ملط کر دیا اور غلط نتائج اخذ کرنے کے ذمہ دار ٹھہرے۔ کیا نبوت کی عظیم ذمہ داریوں کے لیے کسی متموّل، صاحبِ ثروت اور بااثر آدمی کی ضرورت تھی یا ایک شریف النفس، باشعور، باخدا اور امانت دار کی؟ قرآنِ مجید کا فیصلہ یہ ہے کہ تونگری و خوش حالی اور فقر و ناداری کا تعلق دُنیا کے تکوینی اور انتظامی معاملات سے ہے۔ انھیں حق و صداقت کا معیار قرار دینا یا دلیلِ صدق و حقانیت سمجھنا پرلے درجے کی حماقت ہے۔" ۱۰ خداوند بزرگ و برتر (السیارہ ۲۵، ۲۷) کی رحمت (نبوت) کے مستحق مالدار ہیں نہ لپٹیے اور نہ ہی طرہ باز یا جتھے دار۔ وہ مکہ اور طائف کے گدّی نشینوں کو اس دولت کے قابل نہیں سمجھتا۔ اس کے لیے موزونیت کا معیار کچھ اور ہے اور وہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس امانت کا اہل کون ہے اور اس فریضہ کو سرانجام دینے کی صلاحیت کس میں ہے۔ قرآنِ مجید میں آتا ہے:

۱۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔ (الانعام: ۱۲۴)

(اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ رسالت کا کام کس سے لے)

۲۔ یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ (النحل: ۲)

(وہ اس رُوح (وحیِ نبوت) کو اپنے حکم سے فرشتوں کے ذریعے اپنے جس بندے پر چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔)

مشرکین مکہ کو آپؐ کی یتیمی اور مالی کمزوری پر تو اعتراض ہو سکتا تھا لیکن انھیں آپؐ کی

Marfat.com

خاندانی شرافت اور نجابت پر کوئی شبہ تھا نہ اعتراض۔ اس میں شک نہیں کہ آپؐ قریش کی اس شاخ کے فرزند تھے جس کے گزر بسر کے ذرائع محدود تھے۔ یہ بھی درست ہے کہ آپؐ قریشِ مکہ کے خرانٹوں کے درمیان مقابلتاً جوان تھے اور ایک ایسی دعوتِ انقلاب کے بانی تھے جو ان کی صاحبزادگی کے لیے خطرہ تھی اور ان کے اقتدار کے لیے بہت بڑا چیلنج۔ اگر انھیں آپؐ کی عالی نسبی پر شک ہوتا تو ابولہب ایسا متمرد اور استخوان فروش انسان جو تبلیغ دین اور دعوتِ حق کی تمام کوششوں کو ناکام بنانے کی قسم کھاتے ہوئے تھا، دعوتِ اسلام سے پہلے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ بیاہ شادی کے ذریعے نجی تعلقات کو استوار کرنے کی کوشش نہ کرتا۔ اسی طرح ابوجہل نے اخنس بن شریق سے جب خاندانِ نبوت سے اپنے اختلافات کا ذکر کیا تو اس نے اپنی نفرتوں اور حقارتوں کے باوجود آپؐ پر کوئی اتہام نہیں باندھا۔ اگر جناب رسالتمآبؐ کے خاندانی شرف میں کسی قسم کا شک اسے نظر آتا تو وہ بلا جھجک آپؐ پر "خاندانی پستی" کا الزام دھر سکتا تھا اور ایسی باتیں منسوب کر سکتا تھا جو بے سروپا تھیں لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا اس سے بڑا احسان کیا ہو سکتا ہے کہ اس نے ابوجہل ایسے بدخواہ کی زبان سے سچی باتیں کہلوا دیں۔ اس نے کہا۔

"خدا کی قسم محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک سچا آدمی ہے۔ عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا مگر جب لواء، حجابت، سقایت اور نبوت سبھی کچھ بنی قصی ہی کے حصے میں آجائے تو بتاؤ باقی سارے قریش کے پاس کیا رہ گیا۔" (۱)

علامہ بیہقی نے زید بن اسلم کے حوالے سے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کا بیان نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"شرک کے ایام میں میں ابوجہل کے ساتھ کہیں جا رہا تھا کہ راستہ میں ہماری ملاقات سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہوئی۔ آپؐ نے ابوجہل کو دیکھ کر فرمایا: "اے ابوالحکم! میں تمھیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ تم کیوں نہیں اللہ اور اس کے رسول کی دعوت کو قبول کرتے؟ وہ بولا۔ "اے محمد! کیا تم ہمارے خداؤں کی تکذیب سے باز آگئے ہو؟ اگر تم چاہتے ہو کہ ہم اس بات کی گواہی دے دیں کہ تم نے اللہ تعالیٰ کا پیغام ہم تک پہنچا دیا ہے، تو ہم شہادت دیتے ہیں کہ تم نے وہ

Marfat.com

بات پہنچا دی۔ مگر خدا کی قسم اگر میں جانتا کہ تم حق پر ہو تو میں تمھاری اتباع کرتا۔"
اس کے بعد آنحضورؐ آگے چل دیتے۔ پھر ابوجہل مجھ سے میری طرف پلٹا اور بولا:
"خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ جو کچھ یہ شخص کہتا ہے وہ حق ہے۔ لیکن جو چیز مجھے روکتی ہے وہ یہ ہے کہ قصی کے بیٹوں نے کہا کہ حجابت ہم میں رہے گی، ہم نے کہا ہاں۔ انھوں نے کہا کہ سقایت کی ذمہ داری بھی ہم لیتے ہیں، ہم نے اسے قبول کر لیا۔ انھوں نے کہا کہ باہمی مشاورت کا ادارہ (دارالندوہ) بھی ہمارے پاس رہنے گا، ہم نے اس کو بھی تسلیم کر لیا۔ پھر انھوں نے کہا کہ لواء (عقاب کا نشان) بھی ہماری تحویل میں رہے گا، ہم نے اس پر بھی اتفاق کر لیا پھر انھوں نے بھی کھانے کھلائے اور ہم نے بھی کھلاتے یہاں تک کہ جب ہمارے گھٹنے ان کے گھٹنوں سے ٹکرانے لگے تو وہ کہتے ہیں ہم میں ایک نبی ہے خدا کی قسم یہ بات میں نہیں مانوں گا۔"[۱۲]

علامہ ترمذیؒ نے امام سفیان ثوریؒ سے اور حاکمؒ نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ ابوجہل نے سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا کہ "ہم تمھیں نہیں جھٹلاتے۔ ہم تو اس پیغام کو جھٹلاتے ہیں جو تم لے کر آتے ہو۔"

ہمارے پاس کوئی ایسی شہادت موجود نہیں ہے جس سے پتہ چلے کہ عرب و عجم کے کسی سلیم العقل انسان نے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندانی شرف و امتیاز پر انگشت نمائی کی ہے۔ متذکرہ واقعات اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ قریش جس طرح آپؐ کی صداقت کے قائل تھے، اسی طرح وہ آپ کی سیادت اور صیانت کے بھی معترف تھے۔ ذاتی وقار اور نسلی برتری کے جذبہ نے کئی روپ دھارے ہیں۔ یہی جذبہ باہمی منافرت اور سیاسی کشمکش کا باعث بنا رہا۔ مشرق کو جانے دیجئے، مغرب میں جو جنگیں اس صدی میں لڑی گئی ہیں اور ان میں جو قتل و غارت ہوئی ہے، انسانی خون کی جو ہولی کھیلی گئی ہے اور انسانیت کی جو تذلیل ہوتی ہے، وہ اسی جذبۂ تفوق اور نسلی منافرت ہی کا نتیجہ تھیں۔ آج بھی امن کے دنوں میں جو کچھ جنوبی افریقہ میں ہو رہا ہے وہ بھی نسلی منافرت (Apartheid)

Marfat.com

کا کرشمہ ہے ۔ یہ ان قوموں کا حال ہے جو اسلام کو غلامی ختم نہ کرنے کا طعنہ دیتی ہیں۔ حالانکہ سیاہ فام اور زرد رُو اقوام کو غلامی کی زنجیریں جو سفید فام اقوام نے پہنائی ہیں وہ ابھی توڑی نہیں جا سکیں۔ اگر بہت سی قومیں جہدِ مسلسل کے بعد Political طور پر آزاد ہو بھی گئی ہیں تو کیا ہوا۔ ذہنی غلامی تو اسی طرح ہے۔ وہی نظامِ معاشرت اور وہی سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت۔ تمدن و اخلاق کے سانچے بھی وہی اور نظامِ تعلیم کے خطوط بھی انہی کے عطا کردہ۔ سیاسی آزادی کے بعد جب تک سوچ کے دھارے نہ بدلیں گے اور تیسری دنیا کے ممالک ایک نئے اقتصادی نظام کی تخلیق نہیں کر پائیں گے موجودہ آزادی بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔

قریش کو اس بات کا علم تھا کہ اسلام کی کامیابی انہیں نہ صرف کعبہ کی تولیت سے محروم کر دے گی بلکہ انہیں اقتصادی اور سیاسی لحاظ سے بھی مفلوج بنا دے گی۔ وہ یہ کیوں کر گوارا کر سکتے تھے کہ اسلام کی محبت لوگوں کے دلوں میں گھر کرے، اس کی حیات بخش دعوتِ حق ان کے فاسقانہ کلچر میں شکست و ریخت پیدا کرتی رہے اور ان کی ساکھ ان تمام قوموں کے درمیان مجروح ہوتی رہے جن سے ان کے تجارتی اور ثقافتی روابط تھے۔

صُلح حدیبیہ کے زمانے میں جب مسلمانوں اور کفارِ مکہ کے درمیان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو چکا تھا، ابوسفیان تجارتی کاروبار کے لیے شام گیا ہوا تھا۔ ہرقل، شاہِ روم نے اسے اپنے دربار میں طلب کیا اور بہت سے سوالات کے علاوہ، یہ بات خاص طور پر پوچھی کہ آنحضورؐ کا نسب کیسا ہے؟ ابوسفیان، جو اس وقت آپ کا بدترین دشمن تھا، یہ کہے بغیر نہ رہ سکا کہ: هُوَ فِينَا ذُو حَسَبٍ۔ چنانچہ ہرقل نے کہا:

"کہ انبیاء (علیہم السلام) ہمیشہ اپنی قوم کے بلند خاندان میں مبعوث ہوتے ہیں۔" ۱۳

نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُوْنِ بَنِي آدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰى كُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِي [illegible] ۱۴

Marfat.com

ترجمہ (مَیں بنی آدم کی بہترین نسلوں میں نسلاً بعد نسل گزرتا ہوا مبعوث ہوا ہوں یہاں تک مَیں اس نسل میں پیدا ہوا جس میں مَیں اَب ہوں۔)

۲۔ جہاں تک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شجرۂ طیبہ کا تعلق ہے۔ عدنان تک اس میں کسی نے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ آپؐ کے تمام آبائے کرام اور اُمہات عُلیا کے اسماء گرامی اور ان کے شعوب وقبائل کے نام صحت اور تفصیل سے درج ہیں۔ عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک دوسرے مرحلے میں) تمام کڑیاں تفصیل سے بیان نہیں کی گئیں۔ عربوں کے ہاں یہ رواج قدیم سے چلا آرہا تھا کہ قریبی بزرگوں کا ذکر تفصیل سے ہوتا اور دُور کے مشاہیر کو اختصار سے بیان کیا جاتا موجودہ اختصار کا مطلب یہ نہیں کہ عدنان کا اولادِ اسمٰعیلؑ میں سے ہونا کسی لحاظ سے بھی مشکوک ہے تمام عرب ماہرینِ انساب اس بات پر متفق ہیں کہ عدنان بنی اسمٰعیلؑ میں سے تھا۔ اور اہلِ عرب کا اتفاق اس کے صحیح ہونے کا ناقابلِ انکار ثبوت ہے۔

معترضین کا یہ خیال کہ صحابہ کبار (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا شجرۂ نسب اپنے سرگرم تخیل سے اس طرح تیار کیا ہے کہ "ان کی نسبت مظاہرِ فطرت سے قائم کی جائے یا زیوس (Zeus) اور (Jupiter) سے جیسا کہ دوسری قوموں میں رواج رہا ہے" نہ صرف غلط ہے بلکہ بے ہودہ اور گمراہ کُن ہے۔ اگر قوموں کی تمدنی زندگی پر نگاہ ڈالی جائے تو پتہ چلے گا کہ انھوں نے تاریخ کے ابتدائی دَور میں اپنے مذہبی پیشواؤں کو کبھی "ابن اللہ" کا درجہ دیا اور کبھی "فرزندِ نور" کا؛ کبھی ان کا رشتہ "سورج" سے جوڑا اور کبھی "چاند" سے۔ اقتدار اور شہرت مل جانے کے بعد، ان مقتدر ہستیوں کو الوہیت کا تاج پہنایا گیا اور انھیں انسانوں کے زمرے سے نکال کر مافوق الفطرت ہستیوں میں شمار کیا گیا۔

اسکندرِ اعظم (مقدونی) جب ایران پر آخری حملے کی تیاریاں کر رہا تھا، تو وہ (Ammon.) دیوتا کے مندر کی جاترا کو گیا۔ وہاں کے سردار کاہن نے اسے یہ خوش خبری سنائی کہ وہ "امن" دیوتا کی اولاد ہے جو سانپ کی شکل اختیار کر کے اس کی ماں "اولیمپیاس" کو اپنے تصرف میں لے آیا۔ ؂ اِس زمانہ میں یہ خیال عام تھا کہ جو شخص اپنے خاندان یا نسل میں غیر معمولی طور پر نمایاں ہوتا، وہ آسمانی نسل سے سمجھا جاتا۔ لہٰذا اسکندرِ اعظم (Ammon Jupiter.)

کا بیٹا مشہور ہوا۔ اِس قسم کی نسب فروشی کی قلعی جناب ڈریپر نے اپنی فاضلانہ تالیف "معرکۂ مذہب وسائنس" میں جس عمدگی سے کھولی ہے، وہ بتاتی ہے کہ آج اس روشنی کے دَور میں بھی یونانی، چینی، ہندی اور خود عیسائی قومیں اپنے بزرگوں کو کبھی "سورج بنسی" اور کبھی "چاند بنسی" ظاہر کر کے جس حماقت اور بے بصری کا ثبوت دیتی ہیں، وہ اظہر من الشمس ہے۔ یہ صرف ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذاتِ گرامی ہے۔ جسے کمالاتِ عبدیت کا اتمام حاصل ہے۔

آپ "متی" کا مطالعہ کریں یا "لوقا" کی ورق گردانی، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت عیسٰیؑ کا نسب نامہ بیان کرتے ہوتے دونوں کتابوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ لوقا نے یوسف (والدِ مسیح) سے زروبابل تک بیس نسلیں گنوائی ہیں جبکہ متی نے صرف گیارہ کا ذکر کیا ہے۔ دونوں نسب ناموں میں آبائے کرام کے نام اِس قدر مختلف ہیں کہ پورے نسب نامے میں صرف دو اشخاص پر اتفاق ہو سکا ہے۔ عیسائی علماء اس کی کیا تاویل کریں گے؟

هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ؟ (۶ : ۱۴۸)

اب ان دونوں انجیلوں کا توراۃ سے مقابلہ کریں تو معلوم ہوگا کہ حضرت عیسٰیؑ کے شجرۂ نسب کے دوسرے حصّے میں (سلاتی ایل سے لے کر حضرت داؤد تک) تمام معاملہ ہی چوپٹ نظر آتا ہے لوقا نے سلاتی ایل سے لے کر حضرت داؤد علیہ السلام تک بائیس نسلیں گنوائی ہیں، متی نے سولہ اور توراۃ نے انیس۔ مزید برآں نسب نامے کے اس حصّے میں کوئی نام دوسرے نام سے مطابقت نہیں رکھتا۔ کیا (نعوذ باللہ) حضرت عیسٰیؑ کو مجہول النسب قرار دیا جائے؟ یہ سوالات اس لیے نہیں اُٹھائے گئے کہ حضرت عیسٰیؑ کی تنقیص مقصود ہے بلکہ کہنا یہ ہے کہ شجرہ نسب لکھنے کا طریقہ عربوں اور بنی اسرائیل کے ہاں ایک جیسا ہی تھا۔ دُور کے بزرگوں کا ذکر بالصراحت نہ کرنا کسی طرح بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ کیا عیسائی علماء جو آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نسب نامے پر معترض ہیں، حضرت عیسٰیؑ کے سلسلہ نسب کو یوسف نجار سے لے کر زروبابل تک اور سلاتی ایل سے لے کر حضرت داؤدؑ تک مکمل کریں گے تاکہ تمام الجھنیں دُور کی جاسکیں اور اُسے ایک معیاری نسب نامہ قرار دیا جائے۔

یہ بات بھی قرینِ قیاس ہے کہ عیسائی علماء نے نسب نامہ لکھتے وقت ان "مشاہیر" کو

Marfat.com

قلم زد کر دیا ہے جن کے اعمال ناپسندیدہ اور عادات غیر ستودہ تھیں۔ کیا خزیاہ، یوآس اور امصیاہ کے نام اسی لیے ترک نہیں کیے گئے کہ عیسائی علماء نے ایسے پاک نسب نامے میں ان کا ذکر مناسب نہیں سمجھا۔[۱۷] (میرے خیال میں اس اصول کو بھی پوری طرح ملحوظِ خاطر نہیں رکھا گیا ملاحظہ ہو تاریخ (۲) کے باب ۲۲ : ۳-۴ ; ۲۴ : ۱۸ اور ۲۵ : ۲، ۱۴)

قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصوری پر اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں ہوں کہ انھوں نے انتہائی محنت اور تلاش سے ان اعتراضات کا شافی جواب دیا ہے جو معاندین نے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نسب نامے پر کیے تھے جبکہ ان کے اعتراضات کا جو انھوں نے حضرت عیسیٰؑ کے موجودہ نسب نامے پر کیے ہیں، کوئی مثبت جواب نہیں مل سکا۔ اس لیے مارگولیس، سیل اور سر ولیم میور کا یہ کہنا کہ "آنحضورؐ کی عظمت کو دوبالا (Glovity) کرنے کے لیے آپؐ کا نسب نامہ "گھڑا گیا"، نہ صرف گمراہ کن ہے بلکہ ان کی علمی خیانت کا بھی پردہ چاک کرتا ہے۔

گبن، ایک عظیم مورخ اور مذہباً عیسائی، اس بات کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکا کہ "آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل میں سے تھے۔ مسیح علماء کا آپؐ کے نسب نامے پر اعتراض محض بے ہودگی ہے۔ تاریخ زوالِ روما میں اُس نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ ایک مسلّمہ امر ہے اور عیسائیوں کا ردّ وکد بے معنیٰ ہے۔ وہ کہتا ہے :

> "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مبتذل اور حقیر نسل سے دکھانے کی کوشش، عیسائیوں کا ایک احمقانہ فعل ہے۔ ایسا اتہام آپؐ کی خوبیوں کو گھٹانے کی بجائے اُلٹا بڑھا دیتا ہے۔ آپؐ کا حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل میں سے ہونا ایک تسلیم شدہ امر ہے اور عرب کی روایات سے ثابت ہے۔"[۱۸]

۴۔ رہا ان کا یہ اعتراض کہ ختمی مرتبتؐ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا تھا کہ وہ انھیں "مولیٰ" اور "سیّد" کے الفاظ سے نہ پکارا کریں۔[۱۹] (محمدؐ، مارگولیس، ص ۷۰)، ایسے ہی ہے جیسے حضرت عیسیٰؑ نے ایک شخص کو، جو آپ کے پاس حصولِ برکت کے لیے حاضر ہوا تھا فرمایا :

> "مجھے نیک نہ کہو۔ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا۔"

پوری عبارت مرقس کے باب ۱۰، عبارت ۱۷-۱۸ کے تحت یوں درج ہوتی ہے :

Marfat.com

"اور جب وہ باہر نکل کر راہ میں جا رہا تھا تو ایک شخص دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا اور اس کے آگے گھٹنے ٹیک کر اس سے پوچھنے لگا: کہ اے نیک استاد! میں کیا کروں کہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں۔ یسوعؑ نے کہا۔ تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے۔ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا۔"

کیا اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ حضرت عیسٰیؑ اپنے نیک ہونے سے انکاری تھے یا آپ کو اپنی فطرت کی پاکیزگی پر شبہ تھا؟ ہرگز نہیں۔ آپ نے نفس کے غرور اور تکبّر سے بچنے کے لیے لوگوں کو ایسے القاب و آداب کے استعمال سے منع فرمایا تھا جو انسانی نفس کو تمرّد و سرکشی پر اُبھارتے ہیں۔ اِسی قسم کی ایک اور مثال حضرت یعقوبؑ کے تذکرہ میں ملتی ہے۔ آپ نے پیغام بَر سے کہا۔

"تو کہنا یہ تیرے خادم یعقوبؑ کے ہیں۔ یہ نذرانہ ہے جو میرے خداوند عیسو کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اس نے . . . سب رکھوالوں کو حکم دیا کہ جب عیسو تم کو ملے تو تم یہی بات کہنا۔ اور یہ بھی کہنا کہ تیرا خادم یعقوبؑ خود بھی ہمارے پیچھے پیچھے آرہا ہے۔" [۲۰]

حضرت یعقوبؑ جب ننھیال سے واپس لوٹے تو انھوں نے اپنے خاص آدمیوں کے ہاتھ اپنے بڑے بھائی عیسو کو کچھ تحفے بھیجے۔ آپ نے انھیں تاکید فرمائی کہ وہ تحفے پیش کرتے وقت احترام اور نرمی سے پیش آئیں۔ اوپر کی عبارت میں آپ نے اپنے لیے "خادم" کا لفظ استعمال کیا ہے اور اپنے بزرگ بھائی کے لیے "خداوند" کا۔ یہ بات آپ کے حُسنِ خُلق، فراخ حوصلگی اور بڑے بھائی کے لیے احترام پر شاہد عادل ہے۔ ورنہ حضرت یعقوبؑ (جو ایک برگزیدہ پیغمبر تھے) یقیناً نوکر یا مبتذل نہ تھے۔ یہی بات سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں بھی درست ہے۔

وہ وجودِ قدسی جس نے "محبت" کو اپنی اساس ٹھہرایا تھا، "عقل" کو دین کی جڑ قرار دیا تھا اور "معرفت" کو اپنی پونجی سمجھا تھا، اسی نے یہ بھی فرمایا تھا:

"کہ عاجزی میرا فخر ہے۔" [۲۱]

آپ کی عاجزی اور درماندگی اللہ تعالیٰ کے لیے تھی جو کارسازِ حقیقی ہے، فریاد رس ہے اور جُود و عطا

Marfat.com

کا مالک ہے۔ یہ روزمرّہ کا مشاہدہ ہے کہ وہ شاخ جو ثمر بار ہوتی ہے، اس شاخ کے مقابلے میں زیادہ جُھکی ہوتی ہے جو بے ثمر اور نامراد ہوتی ہے۔ اس اظہارِ عجز و انکسار سے خاندانی شرافت کا ابطال کیوں ؟

ان معاندین میں وہ لوگ بھی شامل ہیں، جنھوں نے اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے، جسے امام احمدؒ نے اپنی مُسند کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۶۶ پر نقل کیا ہے، یہ کہنے کی جرآت کی ہے کہ آپ کی حیثیت "اس درخت کی سی ہے جو مٹی کے ٹیلے پر اُگتا ہے" اس کی جڑیں زمین کے اندر پیوست نہیں ہوتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب قریش کی طرف سے ہر قسم کی ترغیب و ترہیب آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) کو اپنے مشن سے باز رکھنے میں ناکام ہو گئی تو انھوں نے آپؐ کے متعلق مختلف افواہیں پھیلانا شروع کر دیں کبھی آپ کو جادوگر کہا گیا اور کبھی کاہن؛ کبھی مجنوں کے طور پر پیش کیا گیا اور کبھی شاعر کی حیثیت سے۔ جب جھوٹ کی یہ مہم بھی بے اثر ثابت ہوتی تو وہ انتہائی چھچھوری حرکات پر اُتر آتے۔ انھوں نے خدا خوفی اور انسان دوستی کے تمام تقاضے بالائے طاق رکھتے ہوتے، حضرت عبداللہؓ، طیّب و طاہر، (آنحضورؐ کے صاحبزادے) کی وفات پر یہ کہنا شروع کر دیا "کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے کوئی بیٹا نہیں رہا جو اُن کا وارث بنے۔ جب وہ اس دُنیا سے رُخصت ہوں گے تو ان کا ذکر کرنے والا بھی کوئی باقی نہ رہے گا۔ اس طرح قریش کا ان سے پیچھا چھوٹ جائے گا" اسی قسم کی واہی تباہی بکتے انھوں نے کہا۔

"اب تو وہ اس پودے کی طرح ہیں جو گھورے پر جمتا ہے۔" [۲۲]

كَمَثَلِ نَخْلَةٍ فِي كَبْوَةٍ مِنَ الأَرْضِ ٥

اسی کے جواب میں سورہ کوثر نازل ہوئی۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی مرحوم نے کیا خوب کہا ہے :

"عین اس وقت جب جوشِ مخالفت اور مخالفین کے اقتدار کا شباب ہے، "اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الأَبْتَرُ ٥" کا پیغام جبریلِ امینؑ لے کر آتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ آج ان کور باطنوں کو اپنی کثرتِ آل و اولاد پر غرّہ ہے۔

Marfat.com

اپنی اقبال مندی اور کامرانی کا دعویٰ ہے۔ اپنے پھلنے پھولنے پر ناز ہے۔ تیری اولاد کی وفات پر طعنہ زن ہیں کہ تو بے نام ونشان رہ گیا۔ بے نام ونشان رہ جانے والا تو نہیں بلکہ یہ خود ہیں، بے سلسلہ رہ جانے والا تیرا کام نہیں، خود اُن کا کام ہے۔ مٹ جانے والا نام تیرا نہیں، ان کا نام ہے۔ بجھ جانے والی روشنی تیری نہیں، ان کی ہے۔۔۔۔

یہ ناموری کے بھوکے ہیں، انھیں گمنام و بے نشان کر دیا جائے گا۔ تاریخ ان کے نام پر لعنت بھیجے گی۔ انسانیت اپنا سلسلہ نسب ان سے جوڑتے شرمائے گی۔ ان کا نام لیوا کوئی نہ ہو گا۔"

ختمی مرتبت، نبی رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کا طعنہ سن کر فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور ان کی شاخیں بنائیں تو مجھے بہترین شاخ میں رکھا۔ پھر شعوب وقبائل بنائے تو مجھے بہترین قبیلے میں رکھا۔ پھر گھرانے بنائے تو مجھے بہترین گھرانے میں پیدا کیا۔ میں اصل و روح کے لحاظ سے ذاتی طور پر بھی ممتاز ہوں۔"[۲۱]

عاص بن وائل ہو یا ابوجہل؛ امیہ بن خلف ہو یا ابولہب؛ ولید بن مغیرہ ہو یا ابوسفیان، کسے خبر تھی کہ مکے کا وہ یتیم جس پر وہ آوازے کستے، جس کا مذاق اُڑاتے اور جس کے راستے میں وہ کانٹے بچھاتے، "دس ہزار قدسیوں کے ساتھ (استثنا۔ ۳۳ : ۲ و یسعیاہ، ۴۲ : ۱-۴) ایک دن فاتحانہ انداز میں مکہ میں داخل ہو گا۔ مشرکینِ مکہ کی گردنیں احساسِ گناہ سے جھکی ہوتی ہوں گی۔ ظلم و زیادتی اور جور و جفا، جو مسلمانوں پر روا رکھا گیا تھا، کے واقعات ایک متحرک فلم کی طرح ان کے سامنے گھوم رہے ہوں گے۔ ان کی اپنی جانیں، اور عزیز و اقارب کی جانیں آپؐ کے چشم و ابرو کے اشارے کی محتاج ہوں گی۔ وہ چاہے گا تو بچ جائیں گی، نہ چاہے گا تو کٹ جائیں گی۔

اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) عرض کریں گی:

"یا رسول اللہؐ! ابوسفیان (بن حارث) آپ کے حقیقی چچا کا بیٹا ہے اور عبداللہ حقیقی پھوپھی (عاتکہ) کا لڑکا۔ اتنے قریبی عزیز تو رحمت سے محروم نہیں رہنے چاہئیں۔"

آج انھیں کس کے حکم کا انتظار ہے؟ آج کس سے عفو و کرم کی بھیک مانگی جا رہی ہے؟ آج کسے

Marfat.com

اَخٌ کَرِیْمٌ وَابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ کہہ کر پکارا جا رہا ہے؟ وہی تاجور رحمت بن کر آیا تھا، سلیم الفطرت تھا اور خوئے دل نوازی لیے ہوتے تھا۔ ؎

وَرِثْنَا الْمَجْدَ مِنْ اٰبَاءِ ۔۔۔۔ نَافَنَمٰی بِنَا صُعُدًا

(ہم نے بزرگی ورثے میں پائی ہے۔ ہمارے ہاں پہنچ کر اس کا قد و قامت اور بڑھ گیا ہے)

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سلسلہ نسب اس پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑیں پاتال تک پہنچی ہیں اور شاخیں فضائے بسیط میں پھیلی ہیں۔ آپؐ کا گھرانہ ہی وہ گھرانہ ہے جہاں شرف و مجد کو نئی جہت ملی اور جہاں عزت و توقیر کو نیا ابعاد حاصل ہوا۔

شَرَفُكَ تَالِكٌ وَ اِقْبَالُكَ مَالِكٌ

(آپؐ کا شرف عالی ہے اور آپؐ کے مقدر کا ستارہ ہم اوجِ ثریا ہے)

Marfat.com

تعلیقات (باب سوم)

۱-۲ - حیاتِ محمدؐ - سر ولیم میور - ج ۱ (مقدمہ) ص (xii) ؛ سیرۃ النبیؐ، علامہ شبلی نعمانی / سید سلیمان ندوی، ج ۱، ص ۱۲۱ (فٹ نوٹ) نیز خطباتِ احمدیہ سر سید احمد خاں، ص ۴۸۵

۳ - توراۃ - پیدائش - باب ۱۶ : ۱۱

۴ - توراۃ - " - باب ۳۱ : ۱۴-۱۵

۵ - قصصِ یہود - گنزبرگ - ج ۱، ص ۲۲۸-۲۲۷ (بحوالہ تفسیر ماجدی، ج ۱، ص ۵۰) خطباتِ احمدیہ، ص ۱۷۷-۱۸۶

۶ - توراۃ - یسعیاہ نبی کی کتاب - باب ۶۰ : ۶-۷

عبارت ملاحظہ ہو :

(اونٹوں کی قطاریں اور مدیان اور عیفہ کی سانڈنیاں آکر تیرے گرد بے شمار ہوں گی - وہ سب سبا سے آئیں گے اور سونا اور لوبان لائیں گے - اور خداوند کی حمد کا اعلان کریں گے - قیدار کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی - بنایوت کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے - وہ میرے مذبح پر مقبول ہوں گے اور میں اپنی "شوکت کے گھر کو جلال بخشوں گا۔")

۷ - قرآن مجید - سورہ الصّٰفّٰت ۳۷ : ۱۰۷-۱۰۹

(اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا - اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی - اور سلام ہو (حضرت) ابراہیمؑ پر۔

۸ - گلتیوں کے نام (پولس رسول کا خط) - باب ۴ : ۲۳-۲۴ ؛ خطباتِ احمدیہ سر سید احمد خاں ص ۲۵۸ -

Marfat.com

۹۔ محمدؐ ۔ ڈیوڈ سیموئل مارگولیس ۔ ص ۔ ۷۴ ؛ سیرۃ النبیؐ ، علامہ شبلی نعمانی / سید سلیمان ندوی ،
ج ۱، ص ۱۶۲۔۱۶۳۔

۱۰۔ قرآن مجید۔ سورہ سبا ۔ ۳۴ : ۳۵۔۳۷

۱۱۔ السیرۃ النبویۃ ۔ ابن ہشام ، ص ۳۱۶ ؛ الشفاء ۔ قاضی ابی الفضل عیاض ۔ ج ۱۔ص ۷۹

۱۲۔ البیہقی ۔ زیدؓ بن اسلم عن حضرت مغیرہؓ بن شعبہؓ۔

۱۳۔ الصحیح البخاری ، ج ۱ ، باب کیف کان بدء الوحی ؛ الصحیح المسلم ۔ باب کتب النبی ا لیٰ
ہرقل ملک الشام یدعوہٗ الی الاسلام)

۱۴۔ الصحیح البخاری ، ج ۲ ، کتاب المناقب (عن ابی ہریرۃؓ)

۱۵۔ معرکۂ مذہب و سائنس ، ولیم ڈریپر ۔ ص ۷۔۹ و ترجمہ اُردو از مولانا ظفر علی خاں ، ص ۱۲

۱۶۔ قرآن مجید ۔ سورہ الانعام ۶ : ۱۴۸
(آپؐ کہیے کہ آیا تمھارے پاس ہے کوئی دلیل ؟ (ہو) تو اسے ہمارے سامنے پیش کرو۔)

۱۷۔ توراۃ ۔ تاریخ (۲) ابواب ۲۲ : ۳۔۴ ؛ ۲۴ ؛ ۱۸ ؛ ۲۵ : ۲ ، ۱۴

۱۸۔ تاریخ زوال روما ، ایڈورڈ گبن ، ج ۳ ، ص ۷۵۔۷۶

۱۹۔ محمدؐ ۔ ڈیوڈ سیموئل مارگولیس ، ص ۷۴

۲۰۔ توراۃ ۔ کتاب پیدائش ۔ باب ۳۲ : ۱۸۔۲۰

۲۱۔ رحمۃ للعلمین ۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری ۔ ج ۳ ، ص ۱۹۹ ۔ ۲۴۰ ؛ الشفاء
قاضی ابی الفضل عیاض ، ص ۸۵ ۔ ۸۶

۲۲۔ محمدؐ ۔ ڈیوڈ سیموئل مارگولیس ، ص ۷۴ ؛ جامع ترمذی ۲ ، ابواب المناقب
مارگولیس کی عبارت درج ذیل ہے :

"They compared him to a palm springing out of a dung-bill".

۲۳۔ مشکوٰۃ المصابیح ۔ باب فضائل سید المرسلین ؛ جامع ترمذی ، ج ۲ ، ابواب المناقب ؛ اسلام
کا عروج اور ترقی ۔ ڈاکٹر ہنری سٹب ، ص ۳۷

Marfat.com

باب چہارم

ظہورِ قدسی

(اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ)

(سرورِ کونین کا بچپن)

خزاں کی چیرہ دستیوں سے کون واقف نہیں؟ بادِ شمال کے چلتے ہی درختوں کی پتیاں سُوکھ جاتی ہیں، کلیاں پژمردہ ہو جاتی ہیں، گرانڈیل اور جواں درخت نہ صرف ظاہری لباس سے محروم ہو جاتے ہیں بلکہ ان کی نشوونما بھی رُک جاتی ہے۔ گُلستان کا رنگ جو آنکھوں کو طراوت بخشتا تھا پھیکا پڑ جاتا ہے! پھولوں کی نکہتیں جو مشامِ جاں بنتی تھیں رُک جاتی ہیں اور عنادل کے نغمے جو سکوں بخشتے تھے، خاموش ہو جاتے ہیں۔ خزاں خُتَن کو دیکھو تو سُکڑا سہما نظر آتا ہے اور کشتِ مہتاب پر نگاہ ڈالو تو ؎

جیسے مُلّا کا عمامہ جیسے بنیے کی کتاب

زمین اپنے محور کے گرد مہینوں چکر لگاتی ہے، تب کہیں جا کر رُت بدلتی ہے۔ بہار کے آتے ہی ہماری صبحیں جو ٹھٹھری ہوتی تھیں اور ہماری شامیں جو سکڑی رہتی تھیں، خوشگوار اور آرام دہ بن جاتی ہیں۔ نسیمِ بہار پودوں کو گہری نیند سے بیدار ہونے کا پیغام دیتی ہے اور ابرِ بہاراں وہ نم مہیا کرتا ہے جس سے زمین کی گود ہری ہو جاتی ہے۔ پرندے "کارِ آشیاں بندی" میں پھر سے مصروف ہو جاتے ہیں اور فطرت اپنی رعنائیوں کے سبب جنّت نگاہ بن جاتی ہے۔

دُنیا زندہ پیدا کی گئی ہے لیکن کبھی کبھی اس پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ جس طرح عالمِ آفاق میں خزاں کے تھپیڑے اشیاء کے حسن کو پامال کر دیتے ہیں، پودوں کی قوتِ نمو سلب کر لیتے ہیں اور کائنات کے سینے میں سانس منجمد کر دیتے ہیں، بالکل اسی طرح عالم انفس میں زمستانی ہواؤں سے حُسنِ عمل کے حیات بخش چشمے خشک ہو جاتے ہیں، کشتِ اخلاق کی فصلیں اُجڑ جاتی ہیں اور زمین پر تہذیب و شائستگی کے پھول مُرجھا جاتے ہیں۔ دُنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں

Marfat.com

گزری جو مکافاتِ عمل کے قانون سے مستثنیٰ رہی ہو۔ تاریخ کے اوراق میں ایسی قوموں کا ذکر ملتا ہے جو اپنے ضعف و انتشار کے سبب اپنی عظمت و صولت کھو بیٹھیں؛ ایسی قوموں کا بھی پتہ چلتا ہے جن کی توبہ خداوندِ غفور و رحیم نے عذاب کے نزول سے پہلے ہی قبول فرمالی۔ (یونس ۱۰: ۹۸) اور انھیں اصلاحِ حال کے لیے مہلت دے دی۔ ہمیں ایسی قوموں سے بھی سابقہ پڑتا ہے جو ضعفِ خودی، اتحاد کی کمی اور بے راہ روی کے سبب زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ اور اپنی کھوئی ہوئی توانائیوں کو اکٹھا کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی ہیں۔

وہ شخص جو تقویٰ کی راہ کو (جو سیدھی راہ ہے) چھوڑ کر اثم و عدوان کی پگڈنڈیوں پر چلنا شروع کرتا ہے، کبھی سلامتی کے ساتھ منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکا۔ اس کا دامن کانٹوں سے اُلجھتا ہے، اس کے پاؤں ڈگمگاتے ہیں اور اس کا ذہن وسوسوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ جب کوئی قوم اپنی تہذیب و معاشرت کی بنیاد شرک پر رکھتی ہے تو اس کی شخصیت ثنویت (Dualism) کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس کے نظامِ زندگی میں وحدت نظر آتی ہے نہ اجزائے تمدن میں ہم آہنگی اس کا نظامِ اخلاق لوچ اور ناکارہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ قوم کے اشراف کے لیے قوانین اور ہوتے ہیں اور ادنیٰ لوگوں کے لیے اور۔ پنڈت پرجا کا وہ حصہ ہوتے ہیں جن پر کسی قانون کا اطلاق نہیں ہوتا لیکن شودر معاشرے کا وہ طبقہ ہوتے ہیں جن کے لیے قوانین کے بندھن کبھی ڈھیلے ہی نہیں ہو پاتے۔

ضمیر جب تک بیدار ہوتا ہے، انسان کو اس کی بے راہ روی پر ملامت کرتا ہے، معصیت پر ٹوکتا ہے اور بے حسی اور جمود پر جھنجھوڑتا ہے۔ لیکن انسان جب کفر پر اصرار کرتا ہے، شرک پر جما رہتا ہے اور زندگی کے حقائق سے اغماض برتنے لگتا ہے تو ضمیر کی آواز دب جاتی ہے۔ اور دل سیاہ ہونے لگتا ہے۔ دل کی یہ سیاہی رات کی سیاہی سے کچھ مختلف نہیں رات کے اندھیرے میں لوگوں کی چادر محفوظ ہوتی ہے نہ چار دیواری؛ مال محفوظ ہوتا ہے نہ اولاد؛ جان محفوظ ہوتی ہے نہ ایمان۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو رات کی سیاہی ہی صبحِ خنداں کا پیغام دیتی ہے جب آفتابِ جہاں تاب مشرق سے نکلتا ہے تو نہ صرف تاریکی ہی

Marfat.com

اپنا منہ چھپا لیتی ہے بلکہ تاریکی کے پردے میں کھل کھیلنے والے انسان، گرہوں پر پھونکنے والی عورتیں اور دلوں میں وسوسے پیدا کرنے والے شیطان بھی غائب ہو جاتے ہیں۔

مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند۔

لالہ کی حنابندی ہو یا خشکِ نافہ کی تیاری اور محافظت، فطرت کو ہزار جتن کرنے پڑتے ہیں؛ سحر کی نمود ہو یا صبح کے جانفزا جھونکوں کی نوید، زمین کو اپنے محور کے گرد چکر کاٹنے پڑتے ہیں اسی کوشش میں، شب کی دیوی اپنے لاتعداد غالی موتیوں کو قربان کر دیتی ہے اور وقت اپنی اَن گنت ساعات کو نثار کر دیتا ہے۔ اسی طرح اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو، جو باعثِ تکوینِ خیال تھا اور صدر نشینِ بزمِ کائنات، ظہور میں لانے کے لیے چرخِ کہن سال نے لیل و نہار کی کتنی کروٹیں بدلیں، آسمان کے ستاروں نے اس کے انتظار میں کتنی قندیلیں روشن کیں اور یومِ اَلَسْت سے لے کر اس کی ولادت کی ساعتِ ہمایوں تک کتنے ہی پاکیزہ انسانوں نے اس کی دید کے لیے عمریں گنوا دیں۔ خداوندِ قدوس نے نظامِ فطرت کی طرف جو لطیف اشارے کیے ہیں، وہ آپ کو ان آیات میں ملیں گے:

۱۔ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ (الروم: ۵۰)	تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانیوں کو دیکھو کہ وہ کس طرح زمین کو اس کی موت کے بعد حیات نو عطا کرتا ہے۔
۲۔ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ (الشوریٰ: ۲۸)	اور وہ اللہ ہی ہے جو ناامیدیوں کے بعد بارش نازل کرتا ہے اور اپنی رحمت کو پھیلا دیتا ہے۔
۳۔ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ	اور وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو زندگی کی بشارت دینے والی بنا کر بھیجتا ہے۔ پھر وہ پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو اپنے کندھوں پر اٹھا لاتی ہیں جس سے وہ بستیوں کو

Marfat.com

مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۚ (الاعراف : ۵۷) — سیراب کرتے ہیں اور اس سے مختلف قسم کے پھل اُگاتے ہیں۔

ولادت باسعادت

دُعائے خلیل، تمنائے کلیم، نوید عیسیٰ، یتیم عبداللہ، جگر گوشۂ آمنہ، محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) ۱۲ ربیع الاول، بروز دوشنبہ، سنہ عام الفیل کو مکہ مکرمہ میں قبل از طلوع نیرِ عالمتاب عالمِ قدس سے عالمِ امکان میں تشریف لائے۔ مولانا شبلی نعمانی نے اس صبح جاں فزا کا تذکرہ جس عمدگی سے کیا ہے، وہ انہی کا حصہ ہے۔ فرماتے ہیں:

"آج کی صبح وہی صبحِ جاں نواز، وہی ساعت ہمایوں، وہی دورِ فرخ فال ہے ارباب سِیَر اپنے محدود پیرایۂ بیان میں لکھتے ہیں کہ آج کی رات ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے، آتش کدۂ فارس بجھ گیا اور دریائے ساوہ خشک ہو گیا لیکن سچ یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہیں بلکہ شانِ عجم، شوکتِ روم، اوجِ چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے، آتشِ فارس نہیں بلکہ جحیم شر، آتش کدۂ کفر، آذر کدہ گمراہی سرد ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اُڑنے لگی، بتکدے خاک میں مل گئے، شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراقِ خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔ توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستانِ سعادت میں بہار آگئی، آفتابِ ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں، اخلاقِ انسانی کا آئینہ پرتوِ قدس سے چمک اٹھا۔"

مصر کے مشہور ہیئت دان عالم، محمود پاشا فلکی نے ۱۲ ربیع الاول کی بجائے ۹ ربیع الاول کو صحیح قرار دیا ہے۔ یہ تاریخ ۲۰ اپریل، ۵۷۱ء کے مطابق ہے۔ اس طرح وہ تمام پیش گوئیاں جو آپ کے ظہور سے متعلق تھیں پوری ہو گئیں۔

دادا کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے اپنے مرحوم بیٹے کی واحد یادگار کو اپنی گود میں لیا، اس کی پیشانی کو چوما اور خانہ کعبہ میں لے جا کر دُعا مانگی۔ آپ نے ساتویں دن قبیلے کی دعوت کی اور بچے کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا۔ لوگوں نے کمال حیرانگی سے پوچھا کہ آپ نے خاندان کے مروجہ

Marfat.com

ناموں سے ہٹ کر یہ نام کیوں رکھا؟ آپ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ میرا یہ بچہ دُنیا بھر کی ستائش اور تعریف کا شایاں قرار پائے۔ والدہ نے حسبِ رویت بچّے کا نام احمدؐ رکھا۔ ۵

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے ابتداءً چند روز تک ابولہب کی لونڈی ثوبیہ کا دودھ پیا۔ یہی خوش نصیب خاتون آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) سے پہلے حضرت حمزہؓ، حضرت ابوسلمہؓ اور امّ المومنین حضرت زینب کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو دودھ پلانے کا شرف حاصل کر چکی تھی۔ ثوبیہ نے آنحضورؐ کو اس وقت تک دُودھ پلایا جب تک کسی دوسری مستقل دودھ پلانے والی دایہ کا بندوبست نہ ہو گیا۔ ۶ تاریخ میں جس خاتون نے سیّدالمرسلین، خاتم النبیّین کو مستقل دودھ پلانے اور آپ کی دیکھ بھال کرنے کی سعادت حاصل کی ہے وہ سیّدہ حلیمہؓ سعدیہ ہیں جو حضرت حارث بن عبداللہ کی بیوی تھیں اور قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ سعد بن بکر سے تعلق رکھتی تھیں۔

مکہ کے کھاتے پیتے گھرانوں میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنے بچّوں کو دودھ پلانے کے لیے صحرائی علاقوں کے اچھے قبائل میں بھیج دیتے تاکہ بچے خوشگوار آب وہوا اور آزاد فضا میں پھلیں پھولیں، اپنے قوائے جسمانی و ذہنی کی نشوونما کریں اور خالص عربی زبان بولنا سیکھیں، اس مقصد کے لیے باہر کے قبیلوں کی عورتیں وقتاً فوقتاً مکہ آتی تھیں اور امراء و اشراف کے بچّے لے جاتی تھیں۔ اس خدمت کے صلے میں انھیں معقول رقم مل جاتی۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی ولادتِ باسعادت کے فوراً بعد جو خواتین سیّدہ حلیمہؓ کے ساتھ آئیں، انھوں نے آنحضورؐ کو اس لیے گود لینے سے معذوری ظاہر کی کہ انھیں آپؐ کے گھر والوں سے زیادہ مالی فائدہ کی توقع نہ تھی۔ سیّدہ حلیمہؓ بھی اس درِ یتیم کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہ تھیں۔ ۷ لیکن جب انھیں کسی زیادہ متموّل گھرانے کا کوئی بچہ نہ ملا۔ تو انھوں نے اپنے شوہر سے کہا: کہ میں خالی ہاتھ جانا پسند نہیں کرتی۔ اگر تم اتفاق کرو تو میں اسی بچے کو لے لیتی ہوں جسے میں کل چھوڑ آئی تھی۔ چنانچہ آپ حضرت آمنہ کے پاس گئیں اور اس بچے کو جو گدڑی میں لعل تھا اُٹھا لیا۔ حضرت حلیمہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں جب آپؐ کو لے کر اپنے کارواں میں آئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ میری چھاتیاں جو متواتر فاقوں کے سبب سُوکھ چکی تھیں، اب بھر رہی تھیں۔ نہ صرف حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے ہی سیر ہو کر دودھ پیا بلکہ میرے چھوٹے بچے نے بھی (جو گزشتہ کئی راتوں سے دودھ کی کمی کے سبب سو

Marfat.com

نہیں سکا تھا) پیٹ بھر کر پیا۔ تکثیر دودھ کی برکت صرف مجھ تک ہی محدود نہ تھی بلکہ ہماری اونٹنی نے بھی جو قحط سالی کے سبب چلنے سے عاری تھی اور دودھ دینے سے معذور، اتنا دودھ دیا کہ میں اور میرا خاوند اچھی طرح سیر ہو گئے۔ ہم نے کافی دنوں کے بعد ایک پُرمسرت اور پُرسکون رات گزاری۔ اگلی صبح جب میرا خاوند بیدار ہوا تو اس نے کہا:

"حلیمہ! تُو نے یقیناً ایک مبارک بچہ گود لیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اس کی بدولت ہمارے دن پھر جائیں گے اور ہماری قسمت جاگ اُٹھے گی۔" ۹

حضرت حلیمہؓ فرماتی ہیں کہ جب واپسی کی تیاری ہونے لگی تو دوسری عورتیں دودھ پینے والے بچوں کو لے کر پہلے چل دیں۔ ان کی سواریاں صحت مند تھیں اور مستعد۔ میری اونٹنی کمزور تھی اور رُک رُک کر چلتی تھی لیکن ایسا ہوا کہ آغازِ سفر ہی میں ہماری اونٹنی باقی تمام اونٹنیوں کو پیچھے چھوڑ گئی۔ میری ساتھی عورتوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ یہ وہی اونٹنی ہے جو آتی مرتبہ سب کے لیے بیزاری کا سبب بنی تھی اور ہمارے لیے پریشانی کا باعث ہوتی تھی۔ اب تو ایسے محسوس ہونے لگا تھا کہ یہ اونٹنی کوئی بالکل دوسری توانا اور جوان اونٹنی ہے۔

بنی سعد کی بستیوں کی طرف ہمارا سفر آرام دہ رہا۔ وہ راستہ جو آتی مرتبہ طویل اور کٹھن نظر آتا تھا، واپسی پر چند لمحوں میں طے ہو گیا۔ وہاں پہنچے تو قحط کے سبب پہلے کی طرح، کہیں سبزہ یا ہریالی نظر نہیں آتی تھی، گھاس جل چکی تھی اور پانی کے تمام سوتے خشک ہوتے جا رہے تھے۔ لیکن میری بکریاں چراگاہ سے واپس لوٹتیں تو اُن کے تھن دودھ سے بھرے ہوتے۔ دوسرے لوگوں کی بکریاں بھوکی بھی رہتیں اور دودھ بھی نہ دیتیں۔ وہ لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے: تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ تمھاری بکریوں کے پیٹ اس طرح کیوں نہیں بھرتے جس طرح ابی ذویب کی بیٹی کی بکریوں کے بھرتے ہیں؟

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تک سیّدہ حلیمہؓ کے گھر میں رہے، خیر و برکت حلیمہؓ کے خاندان کے شاملِ حال رہی جس طرح سیّدہ حلیمہؓ نے اپنے اس محسن کی پرورش میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی، اسی طرح دایۂ فطرت نے بھی آنحضورؐ کو اپنی گود میں لے کر پالا کہ آپ جسمانی طور پر مضبوط تھے، آپ کے اعضا متناسب تھے، آپ کا ذہن رسا تھا اور آپ کی زبان صاف

Marfat.com

اور بلیغ تھی۔ سر ولیم میور کو اس بات کا اعتراف ہے کہ "آپؐ کی جسمانی حالت بہت اچھی تھی۔ آپؐ کے اخلاق آزاد اور مستغنی عن الغیر تھے۔ بنی سعد میں رہنے کے سبب آپؐ کی تقریر جزیرہ نمائے عرب کے خالص نمونہ کے موافق تھی۔"[۱۰] آپؐ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا:

"مَیں تم میں سے زیادہ فصیح ہوں۔ مَیں قریشی ہوں اور بنی سعد بن بکر میں پلا ہوں (جو فصیح اللسان اور زبان آور ہیں)۔"[۱۱]

آنحضورؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زمانۂ رضاعت خوش اسلوبی سے گزرا۔ حضرت حلیمہؓ اس سعید اور مبارک بچے سے جُدا ہونے کے لیے تیار نہ تھیں۔ چنانچہ وہ مکّہ آئیں اور حضرت آمنہؓ سے درخواست کی کہ وہ اس بچے کو کچھ دن اور میرے پاس رہنے دیں۔ حضرت آمنہ نے مکّہ کی مضرِ صحت آب و ہوا کے پیشِ نظر آپؐ کو سیدہ حلیمہؓ کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔ حضورؐ اکرم کو بنی سعد کی بستی میں دوبارہ تشریف لائے ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ "شق صدر" کا وہ عظیم واقعہ پیش آیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ قدرتِ کاملہ اس "جوہرِ قابل" کو کس طرح آئندہ کی ذمہ داریوں کے لیے تیار کر رہی تھی اور آپؐ کے جذبات کی تصعید (Sublimation) کے لیے کن ذرائع سے کام لے رہی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ نورانیت اسی پیکرِ خاکی میں رہ کر بلندیوں کو چھو سکتی تھی اور ثریا کی ہم عناں ہو سکتی تھی۔

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک روز اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ گھر کے پچھواڑے میں بکریاں چرانے میں مصروف تھے کہ دو آدمی سفید کپڑوں میں ملبوس آئے اور آپ کو لٹا کر آپؐ کا سینہ چاک کیا اور اس میں سے کوئی چیز نکال کر پھینک دی۔[۱۲] انھوں نے سینے کو پھر سے ویسا ہی کر دیا جیسا کہ وہ تھا۔ جب حضرت حلیمہؓ کو واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور آپؐ کو دلاسا دیتے ہوئے پُوچھا کہ کیا ماجرا ہُوا؟ اگرچہ آپؐ خوفزدہ نظر آتے تھے، آپؐ نے تمام واقعہ کہہ سنایا۔ حلیمہؓ سعدیہ اور ان کے شوہر یہ قصہ سُن کر گھبرا گئے۔ انھیں ڈر تھا کہ آپؐ کو کچھ ہو نہ جائے۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ آپ کو فوراً مکّہ واپس بھجوا دیا جائے۔ حضرت حلیمہؓ آپؐ کو ساتھ لے کر حضرت آمنہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ انھوں نے پوچھا:

"انّا! تم کیسے میرے بچے کو واپس لے آئی؟ تم تو اسے اپنے پاس رکھنے کے لیے

Marfat.com

سخت بے تاب تھی۔"

حضرت حلیمہؓ نے سارا واقعہ سنایا۔ حضرت آمنہ نے فرمایا :

"کیا تمھیں میرے بچے کے معاملے میں شیطان کا خوف ہے ؟ ہاں میں جواب ملنے پر انھوں نے کہا : خدا کی قسم ! شیطان کے لیے اس پر کوئی راہ نہیں۔ وہ تو بڑی شان والا ہے۔" [۱۳]

شق صدر کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے جس کا مقصد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سینۂ اطہر کو ہر قسم کی آلائشوں اور کدورتوں سے پاک کر دینا تھا، اسے حکمت و دانائی اور ایمان و ایقان سے بھر دینا تھا اور آپؐ کے دل کو دھو کر مطلعِ انوارِ ربانی اور مہبطِ وحیِ الٰہی بنانا تھا، سر ولیم میور اور مارگولیس نے اپنے مذہبی تعصب سے اسے اس قدر بدمنظر بنا دیا ہے کہ عقل نقد و تمحیص کے اس معیار پر ششدر و حیران ہے کہ کیا یہی ہے وہ علمی تحقیق، جو عقل و خرد زائی کی بجائے "ابتذال اور رجعت پسندی" سے عبارت ہے اور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اندرونی تجربات کو، جن کی مثالیں دوسرے انبیاء (علیہم السلام) کے سلسلے میں توراۃ اور انجیل کے صفحات پر رقم ہیں، خوش منظر بنانے کی بجائے کریہہ المنظر بناتی ہے؛ اگر یہی ابلاغِ علم اور معارف نوازی ہے تو جہل کس کو کہتے ہیں؛ اور اگر یہی نور اور روشنی ہے تو پھر ظلمت کس کا نام ہے ؟

میور لکھتا ہے :

"یہ غالباً مرگی کا دورہ تھا۔ لیکن مسلمانوں نے اس کے گرد ایسی افسانوی کہانیوں کا جال بُن دیا ہے کہ اصل حقائق کا کھوج لگانا مشکل ہو گیا ہے۔" [۱۴]

حقائق کی چھان بین کے بغیر منہ سے اتنی بڑی بات کہہ دینا، میور ہی کو سجتا ہے یا پھر اس کے سر پھرے ساتھیوں مارگولیس[۱۵] اور سپرنگر[۱۶] کو جو خداوندِ بزرگ و برتر کے اظہارِ جلالی اور اپنے تحریف شدہ مذہب کے پرچار کے لیے ہر قسم کے جھوٹ اور تلبیس و دجل کو جائز سمجھتے ہیں۔[۱۷]

اگر موروثی اثرات کا بھی بغور مطالعہ کیا جائے، تو پتہ چلے گا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بزرگوں میں سے بھی کبھی کوئی فرد اس بیماری میں مبتلا نہیں ہوا۔ وہ مشرکینِ مکہ جو آپؐ پر مجنون، شاعر، کاہن، اور ساحر ہونے کا الزام دھرتے تھے، وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ

Marfat.com

آپؐ تو (نعوذ باللہ) مصروع (مرگی زدہ) ہیں، آپؐ کی بات پر کون کان دھرے؟
لیکن جو بات مشرکین مکہ نہ کہہ سکے، وہ بگڑی ہوئی اور مسخ شدہ علیسائیت کے پیروکاروں نے کہہ دی۔ کسی نے کیا خوب کہا تھا ؎

وَاِذَا اَتَتْکَ مَذَمَّتِیْ مِنْ نَاقِصٍ　　فَھِیَ الشَّھَادَۃُ لِیْ بِاَنِّیْ کَامِلٌ

(جس طرح بے وقوفوں کا اعتراض کسی شے کے معقول ہونے کا ثبوت ہے، اسی طرح اہلِ باطل کا اعتراض حقانیت کی دلیل ہے) (مزید بحث کے لیے صفحہ ۶۰۴ تا ۶۱۷ ملاحظہ ہو)

نبی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عمرِ شریف چھ سال کی تھی جب حضرت آمنہ اُمِّ ایمنؓ کے ساتھ آپؐ کو مدینہ لے گئیں۔ اور ایک مہینہ تک اپنے میکے ٹھہری رہیں۔ انھوں نے آپؐ کو وہ مکان دکھایا جہاں آپؐ کے والدِ مکرم نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا تھا اور وہ جگہ دکھائی جہاں وہ آسودہ خاک ہوتے تھے۔ اس سفر کے واقعات آپؐ کو بعد میں بھی اچھی طرح یاد رہے۔ اس سفر میں حضرت آمنہؓ کا مقصد جہاں اپنے لختِ جگر کو ننھیال کے بااثر اور ہوشمند افراد سے متعارف کرانا تھا، وہاں اپنے مرحوم شوہر کی قبر پر آنسوؤں کے موتی نذر کرنا بھی تھا۔ ایک مہینہ کے قیام کے بعد حضرت آمنہ نے مکہ واپس لوٹنے کا ارادہ کر لیا۔ آپ ابھی ابواء تک ہی پہنچنے پائی تھیں کہ آخری وقت آپہنچا۔ اور آپ اس ملکِ فانی سے دارِ جاودانی کو سدھاریں۔ اس نوعمری میں یہ دائمی جدائی جتنی جگر پاش ہوتی ہوگی، ظاہر ہے۔ چنانچہ بڑی عمر میں جب عمرہ حدیبیہ کے موقعہ پر آپؐ ابواء پر سے گزرے (جو مدینہ سے ۴۳ میل پر مدینہ اور حجفہ کے درمیان واقع ہے) تو آپؐ نے اپنی والدہ مرحومہ کی قبر پر حاضری دی، قبر کو درست فرمایا اور بے اختیار رو دیئے۔ آپؐ نے فرمایا:

اَدْرَکَتْنِیْ رَحْمَتُھَا فَبَکَیْتُ　　(ماں کی مامتا مجھے یاد آگئی اور مَیں رو دیا)

اُمِّ ایمنؓ جو اس سفر میں آپؐ کے ساتھ تھیں، آپؐ کو لے کر مکہ واپس آگئیں۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کی واحد یادگار کی تربیت میں جس دلچسپی کا مظاہرہ کیا، وہ ایک قدرتی امر تھا۔ لیکن آپؐ کی سعادت مندی، اطاعت شعاری، مستعدی اور ذہانت سونے پر سہاگہ ثابت ہوئی۔

"درونِ خانہ کی بے تکلف زندگی ہی میں نہیں، سنجیدہ شہردارانہ محفلوں میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جب دادا قبیلے کے اہلِ رائے لوگوں کے ساتھ ہم بزم ہوتے اور سرِ دار

Marfat.com

اور حاکم عدالت یا سرپنچ کی حیثیت سے ان کے لیے مسند بچھائی جاتی، تو اس وقت بھی لاڈلا پوتا ساتھ رہتا۔ اور مسند ہی پر اپنے لیے جگہ پاتا۔ لوگ منع کرتے اور کسی کونے میں بیٹھنے کو کہتے، لیکن دادا فوراً دخل دے کر اپنے پاس بلا لیتے اور بتاتے کہ بچے میں خود شناسی کا نادر وصف ہے اور وہ اپنے آپ کو بزرگ سمجھتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ مرتبے والا ہوگا۔" ۱۸

"دادا کی شفقت اور تربیت کو مشکل سے دو سال گزرے تھے کہ قدرت کو اس آٹھ سالہ دل و دماغ پر ایک اور صدمہ پہنچانا منظور ہوا۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ آپؐ دادا کے جنازے کے پیچھے روتے جاتے تھے۔" حضرت عبدالمطلب نے موت سے پہلے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کفالت کی ذمہ داری اپنے فیاض اور فراخ حوصلہ بیٹے ابو طالب کو سونپی۔ ابن سعد کا خیال ہے کہ حضرت ابو طالب آنحضورؐ کو اچھا کھانا کھلاتے، آپؐ کو اپنے پاس سلاتے، شدت سے محبت کرتے اور نگہداشت کرتے۔" آپ نے جب چچا کے گھر کی یہ حالت (معاشی درماندگی) دیکھی تو اس میں ذرا بھی عار محسوس نہ کی کہ اپنی بساط بھر روزی کمانے میں ہاتھ بٹائیں چنانچہ آپؐ شہر والوں کی بکریاں چرانے لے جاتے اور مقررہ خفیف اجرت حاصل کرتے۔" ۱۹

یہ بات تکلیف دہ ہے کہ بعض عیسائی مورخین نے آنحضورؐ کے بکریاں چرانے کو معیوب قرار دیتے ہوئے نگہداران رسالت مآبؐ کو مطعون کیا ہے۔ کہ وہ آپؐ کو (نعوذ باللہ) گھٹیا کام کرنے کے لیے کہتے تھے۔ مارگولیس نے تو آپؐ کی یتیمی کا ذکر کرتے ہوتے یہاں تک لکھا ہے کہ حضرت حمزہؓ نے ایک مرتبہ (نشہ کی حالت میں) آپؐ کو اپنے باپ کا غلام قرار دیا تھا۔ ۲۰

حضرت ابو طالب نے اپنے مرحوم بھائی کی "واحد یادگار" کی دیکھ بھال اور نشو و نما کے لیے جس طرح اپنے آپ کو وقف کیے رکھا، وہ ایک تاریخی حقیقت ہے اور محبت و شفقت کی لازوال داستان۔ بنی مدلج کے اس قیافہ شناس کے الفاظ حضرت ابو طالب کے کانوں میں گونجتے رہے جس نے کہا تھا:

"کہ ہم نے کوئی نشانِ قدم ایسا نہیں دیکھا جو مقام ابراہیمؑ پر حضرت ابراہیمؑ کے

Marfat.com

نشانِ قدم سے اِس قدر مشابہ ہو جیسا کہ اس بچے کا نشانِ قدم ہے۔"

آپ نے یتیم عبداللہ" کی برکات کا بخوبی اندازہ لگا لیا تھا کہ جب آپ دوسرے افرادِ کنبہ کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے تو تمام پیٹ بھر کر اُٹھتے لیکن اگر آپ کسی وجہ سے کھانے میں شریک نہ ہو پاتے تو ہر ایک کو کھانا کم پڑ جانے کی شکایت رہتی۔ آپ جگر گوشۂ آمنہ کی ہر خواہش کو مقدور بھر پورا کرنے کی کوشش کرتے۔ انھیں اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر عزیز رکھتے۔ آپ باہر جاتے تو حضرت ابوطالب آپ کے ساتھ ہوتے۔ رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وجہ سے انھوں نے خاصی دشواری اپنے اوپر لے لی تھی۔ حضرت ابوطالب کہا کرتے تھے:

"ربیعہ کے خدا کی قسم! میرے اِس بھتیجے پر سرداری سجتی ہے۔"

اس آڑے وقت میں جب قریش نے کہا: اے ابوطالب! اپنے اس بھتیجے کا ہاتھ روک لو پیشتر اس کے کہ دوسرے اس کا ہاتھ روکیں، انھوں نے جس سختی سے رؤسائے قریش کو جواب دیا تھا اس کا ایک ایک لفظ تاریخ کے اوراق پر رقم ہے۔ آپ نے کہا کہ اگر تم نے کبھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے کا ارتکاب کیا، تو میں تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ ہم لڑلڑ کر ختم ہو جائیں گے۔" ایسی شخصیت کے بارے میں، جس کے لیے آنحضورؐ کی محبت جزوِ ایمان تھی اور آپؐ کی نگہداشت ایک وظیفہ، یہ سوچنا کہ آپ انھیں گھٹیا کام کرنے کو دیتے اور انھیں بکریاں چرانے پر مجبور کرتے، کور ذوقی اور کج فہمی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ جہاں تک بکریاں چرانے کا تعلق ہے، یہ تو سابقہ انبیاء (علیہم السلام) کی سنّت ہے۔ آپؐ نے فرمایا تھا:

"کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریوں کی چرواہی نہ کی ہو۔"

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا:

"کیا آپؐ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟"

فرمایا: "ہاں۔"

حضرت ابوہریرہؓ سے جو حدیث مروی ہے، اس میں اس بات کا اضافہ ہوا ہے کہ:

"میں اہلِ مکہ کی بکریاں کچھ قراریط پر چرایا کرتا تھا۔"

Marfat.com

رہا حضرت حمزہؓ کا یہ قول کہ "تم سب میرے باپ کے غلام ہو"، مارگولیس کو خود بھی اعتراف ہے کہ یہ بات آپ کے منہ سے ایسی حالت میں نکلی تھی جب آپ نشہ میں تھے[۵] نہ عقل کو خبر کہ آپ نے کیا کہا اور نہ خود کو پتہ کہ آپ کس سے مخاطب تھے۔ الصحیح البخاری میں یہ واقعہ اس طرح درج ہے:

"حضرت علیؓ نے فرمایا: بدر کے مالِ غنیمت سے مجھے ایک اونٹنی ملی اور دوسری نبی اکرمؐ نے مجھے مالِ خمس سے عطا فرمائی۔ میری شادی ہو چکی تھی اور میں حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو گھر میں لانے کی تیاری کر رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ جنگل میں جا کر اذخر کاٹ کر لاؤں اور اسے بیچ کر اس سے دعوتِ ولیمہ کا انتظام کروں۔ چنانچہ اس خیال سے میں نے اونٹنیوں کے پالان، تھیلے اور رسیاں تیار کیں۔ لیکن جب سامان لے کر اونٹنیوں کے قریب پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کسی نے ان کے کوہان کاٹ لیے ہیں (اُجِبَّتْ اَسْنِمَتُهُمَا)، ان کے پیٹ پھاڑ دیئے گئے (وَبُقِرَتْ خَوَاصِرُهُمَا) اور کلیجیاں نکال لی گئی ہیں (وَاُخِذَ مِنْ اَكْبَادِهِمَا)۔ مجھے اپنی آنکھوں پر اختیار نہ رہا۔"

لوگوں سے استفسار پر معلوم ہوا کہ پاس ہی ایک گھر میں حضرت حمزہؓ چند دوستوں کے ساتھ بیٹھے جامِ مئے ناب سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ کہ ایک مغنیہ نے یہ مصرعہ پڑھا:

اَلَا يَا حَمْزَ لِلشُّرُفِ النِّوَاءِ

(اے حمزہ! فربہ جوان اونٹنیوں کی طرف اٹھو)

حضرت حمزہ جو مخمور بیٹھے تھے، دل پر چوٹ کھا کر اٹھے اور باہر اپنی تلوار سے اونٹنیوں کا پیٹ کاٹ کر کلیجی نکال لائے۔ حضرت علیؓ یہ دیکھ کر سخت سٹ پٹائے آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ کی خبر دی۔ نیز عرض کیا کہ حضرت حمزہؓ نے میری اونٹنیوں پر بڑا ستم ڈھایا ہے۔

سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی چادر سنبھالی اور چند صحابہؓ کے ساتھ موقعہ

Marfat.com

پر تشریف لائے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت حمزہؓ انتہائی مخمور تھے اور ان کی آنکھوں میں سُرخ ڈورے پھیلے ہوئے تھے (مُحْمَرَّةٌ عَيْنَاهُ) حضرت حمزہؓ نے آنے والوں کی طرف نیم وا آنکھوں سے دیکھا اور کہا: تم سب میرے باپ کے غلام نظر آتے ہو (هَلْ اَنْتُمْ اِلَّا عَبِيْدٌ لِاَبِيْ) نبیِ رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت حمزہؓ کو اس حالت میں دیکھ کر اُلٹے پاؤں واپس چلے گئے"۔ ۲۶

مارگولیس نے واقعہ نگاری کے تمام آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے، ایک ایسی بات کہی جو اس کی بدنیتی اور بدخواہی پر مبنی ہے۔ یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب شراب ابھی حرام نہیں ہوئی تھی۔ اور مسلمانوں میں بھی اس کا پینا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس "لغزش" کو اُڑا سمجھ لینا اور اس پر جھوٹ کا محل تعمیر کرنا یا ذم کا پہلو نکالنا، ایسے ہی تعصب اور حقد و کینہ کے بے خانہ کے بدمستوں کا کام ہو سکتا ہے، کسی غیر جانبدار اور منصف مزاج مورخ کا نہیں۔ کیا کبھی کوئی شہادت جو ایک گواہ نے مستی کی حالت میں دی ہو کسی عدالت میں قابلِ قبول ہوگی؟

ولیم میور نے حضرت ابوطالب کی سرپرستی، آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ آپ کی محبت اور شغف کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا ہے:

"The whole tenor of his acts, and his sacrifices for his nephew stamp his character as singularly un-selfish and noble".

گبن نے بھی حضرت ابوطالب کی بے لوث خدمات، عظیم قربانیوں اور آپ کے ساتھ شیفتگی کا اظہار کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے ہیں:

"Yet the son of Abdullah was ever dear to the aged chief: and he protected the fame and person of his nephew against the assaults of the Koreshites, who had long been jeolous of the pre-eminence of the family of Hashim".

Marfat.com

تعلیقات (باب چہارم)

۱۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابن ہشام، ص ۱۵۸؛ سیرۃ النبیؐ۔ علامہ شبلی نعمانی، ص ۱۷۰-۱۷۱؛ رحمۃ للعلمین۔ قاضی محمد سلیمان، سلمان منصورپوری۔ ص ۴۰؛ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص ۷۴۔

۲۔ سیرۃ النبیؐ۔ علامہ شبلی نعمانی، ص ۱۷۰-۱۷۱

۳۔ ایضاً (ملاحظہ ہو فٹ نوٹ)

۴۔ توراۃ اور انجیل میں ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے متعلق چند پیشین گوئیاں:

۱۔ "میں اُن کے لیے اُن ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے مُنہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا، وہی وہ ان سے کہے گا۔" (استثنا ۱۸ : ۱۸-۱۹)

۲۔ "اور یوحنّا (حضرت یحییٰؑ) کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تُو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا۔ بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انھوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تُو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تُو "وہ نبی" ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس انھوں نے اس سے کہا پھر تو ہے کون؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں۔ تُو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟ اُس نے کہا میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا ہے بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو۔ انھوں نے اُس سے یہ سوال کیا کہ اگر تُو نہ مسیح ہے،

Marfat.com

نہ ایلیاہ نہ "وہ نبی" تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟ (ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل اس زمانے میں بھی حضرت عیسیٰؑ اور حضرت الیاسؑ کے علاوہ ایک اور نبی کے بھی منتظر تھے۔ اس وجودِ ذی جُود کی آمد اتنی مشہور و معروف تھی کہ "وہ نبی" کہہ دینا کافی تھا)۔ (یُوحنّا انجیل) ۱: ۱۹-۲۵)

۳۔ "اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے۔ یعنی رُوحِ حق جسے دُنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی اور نہ جانتی ہے۔ تم اسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمھارے ساتھ رہتا ہے اور تمھارے اندر ہے۔" (یوحنّا ۱۴: ۱۶-۱۷)

۴۔ "لیکن مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمھارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر مَیں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمھارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمھارے پاس بھیج دوں گا۔" ۔ ۔ ۔ "مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے۔ مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ سچائی کا رُوح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اِس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سُنے گا، وہی کہے گا۔ اور تمھیں آئندہ کی خبریں دے گا۔" وہ میرا جلال ظاہر کرے گا۔" (یوحنّا (انجیل) ۱۶: ۷، ۱۲-۱۳)

۵۔ یہ حکایت نامکمل رہ جائے گی اگر یوحنّا نبی کے ان مکاشفات کا ذکر نہ کیا جائے جو انجیلِ مقدس کے اخیر پر دیئے گئے ہیں۔ یوحنّا نبی حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں میں سے تھے اور خدا یاد انسان تھے۔ ان کا یہ مکاشفہ حرف بحرف نبیِ رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر صادق آتا ہے:

"پھر مَیں نے آسمان کو کُھلا ہوا دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید گھوڑا (آنحضورؐ کی سواری سفید تھی جس کا نام بحرؔ تھا) ہے اور اس پر ایک سوار ہے جو سچا اور برحق ہے (آپؐ امینؔ اور صادقؔ کے لقب سے

Marfat.com

مشہور تھے) - اور وہ راستی کے ساتھ انصاف اور لڑائی کرتا ہے۔ (یسعیاہ نبی نے بھی یہی صفت بیان کی ہے) - اور اس کی آنکھیں آگ کے شعلے ہیں۔ (آپؐ کی مردمک انور کے گرداگرد سرخ ڈورے پھیلے تھے) اور اس کے سر پر بہت سے تاج ہیں (آپؐ مجموعہ صفات تھے ؏ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری) - اس کا ایک نام لکھا ہوا ہے جسے اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا (آپؐ کے اسماء مبارکہ میں محمدؐ اور احمدؐ ذاتی نام ہیں جو "حمد" سے بنے ہیں) - اور وہ خون کی چھڑکی ہوئی پوشاک پہنے ہوتے ہے (جیسا کہ طائف کے سفر کے دوران میں ہوا) اور اس کا نام کلام خدا کہلاتا ہے (وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ) - اور آسمان کی فوجیں سفید گھوڑوں پر سوار اور سفید اور صاف مہین کتانی کپڑے پہنے ہوتے اس کے پیچھے پیچھے ہیں۔ (وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ) اور قوموں کو مارنے کے لیے اس کے منہ سے ایک تیز تلوار نکلتی ہے اور وہ لوہے کے عصا سے ان پر حکومت کرے گا ... اور اس کی پوشاک اور ران پر نام لکھا ہوا ہے "بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند"۔ (وہ صاحب وحی بھی تھا اور فاتح عظیم بھی؛ قانون دان بھی تھا اور قوت نافذہ کا مالک بھی۔ یہ تمام خصائص آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا کسی ایک میں جمع نہیں ہوتے)

(مکاشفہ یوحنا ۹ : ۱۱-۱۶)

۵۔ السیرۃ النبویہ - ابن ہشام - ص ۱۶۱؛ خطبات احمدیہ، سرسید احمد خاں، ص ۲۷۸-۲۸۷
۶۔ ایضاً - ابن ہشام - ص ۱۶۳-۱۶۶؛ عیون الاثر - ابن سید الناس، ج ۱، ص ۴۲-۴۳
۷۔ ایضاً - ابن ہشام - ص ۱۶۷، "قَدْ أَخَذَتْ نَسَمَةً مُبَارَكَةً"
۔ سیرۃ النبیؐ - علامہ شبلی نعمانی - ج - ص ۱۷۲؛ حیاتِ محمد - سر ولیم میور، ج ۱، ص ۷؛ عروج و

ترقیٔ اسلام، ڈاکٹر ہنری سٹب، ص ۴۳۔

۱۱۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابنِ ہشام، ص ۱۶۷؛ حیات محمد، سر ولیم میور، ج ۱، ص ۷۔

۱۲۔ ایضاً ؍ ایضاً ، ص ۱۶۵؛ تاریخ ابنِ خلدون، مجلد ثانی، ص ۱۷۱ (۱۷۱)۔ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج ۱، ص ۱۵۰

۱۳۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابن ہشام، ص ۱۶۵؛ عیون الاثر، ابنِ سید الناس، ج ۱، ص ۴۶

۱۴۔ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور، ص ۶ (جلد اوّل)

۱۵-۱۶۔ سپرنگر (ج ۱، ص ۲۰۷) بحوالۂ "محمدؐ اور محمدیت" از باسورتھ سمتھ، ص ۱۱۴؛ محمدؐ۔ ڈی ایس مارگولیس، ص ۴۶۔

۱۷۔ رومیوں کے نام پولس رسول کا خطاب ۳: ۵۔۸؛ عروج و ترقی اسلام، ڈاکٹر ہنری سٹب، ص ۵۰۔۵۱۔

۱۸۔ رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص ۵۰۔۵۱۔

۱۹۔ ایضاً ایضاً ، ص ایضاً

۲۰۔ محمدؐ۔ ڈیوڈ سیموئل مارگولیس، ص ۴۶؛ الصحیح البخاری۔ علامہ بخاریؒ، کتاب المغازی

۲۱۔ عیون الاثر، ابن سید الناس، ج ۱، ص ۵۱؛ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج ۱، ص ۱۱۹

۲۲۔ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج ۱، ص ۱۱۹۔۱۲۰

وَكَانَ يَكُونُ مَعَهُ۔ وكان يُحِبُّهُ حُبًّا شَدِيدًا۔۔۔
وَكَانَ لَا يَنَامُ إِلَّا إِلَى جَنْبِهِ وَكَانَ يَخُصُّهُ
بِالطَّعَامِ۔۔۔۔ وَصَبَّ بِهِ أَبُو طَالِب صَبَابَةً
لَمْ يَصَبَّ مِثْلَهَا قَطُّ)

نیز حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور، ص ۱۰۔۱۱

۲۳-۲۴۔ الصحیح البخاری، کتاب الاجارہ؛ السیرۃ النبویۃ۔ علامہ ذہبی، ص ۲۶؛ الطبقات الکبریٰ ابن سعد۔ ج ۱، ص ۱۲۵؛ محمدؐ و محمدیت۔ باسورتھ اسمتھ، ص ۱۱۲۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابن ہشام، ص ۱۲۶۔

Marfat.com

۲۶-۲۵۔ جیسا ۲۰ کے تحت درج ہوا۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو :

"Late in life Mohammad was taunted by his uncle Hamza (when Drunk) with being one of his father's slaves. (Bokhari)".

۲۷۔ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور۔ ج ۲، ص ۱۹۵۔
۲۸۔ تاریخ زوال روما، ایڈورڈ گبن، ج ۳، ص ۹۵۔

Marfat.com

باب پنجم

ایک سفر ایک ملاقات

وحی ــــــ علم و آگہی کا سرچشمہ

رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی کوششوں کے نقوش، جو آپ نے اپنی نو عمری ہی میں رزق حلال کمانے اور چچا کی معاشی حالت کو سنبھالا دینے کے لیے کی تھیں، تاریخِ عالم کے اوراق پر ثبت کر دیتے ہیں۔ یہ مساعی ہاتھ سے کام کرنے کی اہمیت اور محنت سے روزی کمانے کی افادیت کو واضح کرتی ہیں۔ اِس قسم کی مثالیں دوسرے معلّین اور مصلحین کے ہاں تلاش کرنا بہت مشکل ہے۔ آپؐ نے اپنی کوششوں کا آغاز چوپانی سے کیا (جو سامی قوموں کا طرّہ امتیاز رہے)، ذرا بڑے ہوئے تو تجارتی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عمر شریف ابھی نو دس برس کی تھی کہ آپؐ اپنے چچا کے ساتھ شام کے تجارتی سفر پر روانہ ہوئے۔ بیت المقدس اور دمشق کے درمیان بُصریٰ کے مقام پر آپؐ کی ملاقات ایک سال خوردہ راہب سے ہوئی جس کا نام بحیرا تھا۔ ہمیں یہ پتہ نہیں چلتا کہ بحیرا کا علمی پایہ کیا تھا، کن اساتذہ کے سامنے اس نے زانوئے تلمذ طے کیا تھا، اسے اپنے مذہبی لٹریچر پر کتنا عبور تھا اور مابعد الطبیعیاتی مسائل میں اُسے کس قدر بصیرت حاصل تھی۔ عیسائی مصنفین نے اسے "نابغہ" ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور بتایا ہے کہ وہ ایک قابل استاد تھا جس نے مذہب اور فلسفہ کے پیچیدہ نکات آنحضورؐ کو پل بھر میں سمجھا دیتے۔ میرا خیال ہے کہ عیسائی مورخین کے اس بیان میں قلم کا زور زیادہ ہے اور انصاف کم؛ غلو زیادہ ہے اور حقیقت کم۔

قریش کے تاجروں کا یہ قافلہ مالِ تجارت سے لدا پھندا جب بحیرا کے صومعہ کے قریب ایک سایہ دار درخت کے نیچے فروکش ہوا، تو بحیرا کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ رہا جب اس نے دیکھا کہ وہ درخت قافلہ والوں کے استقبال کے لیے جُھک گیا۔ اور اَبر کا ایک ٹکڑا ان کے سر پر سایہ فگن

Marfat.com

رہا۔[۲] بحیرا نے ان سب کو اپنے ہاں مدعو کیا اور ان کے لیے عمدہ کھانوں کا انتظام کیا۔ اس سے پہلے بھی قریش کے قافلے یہاں سے گزرتے تھے لیکن اس نے کبھی کسی سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی نہ کسی سے تعارف کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ قافلہ کے تمام لوگ دسترخوان کے گرد جمع ہوتے تو اس نے محسوس کیا کہ وہ جانِ محفل اور صدر نشینِ بزم غائب تھا جس کے لیے ضیافت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ بحیرا نے سب کو دیکھا لیکن کسی کی نگاہ میں نہ تو وہ شوخی تھی جس کا وہ متلاشی تھا اور نہ ہی وہ دلبری تھی جس کا وہ جویا تھا۔ بحیرا نے پوچھا: کیا آپ کچھ لوگوں کو اپنے پیچھے چھوڑ آتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ ایک کم عمر بچے کے سوا کوئی اور پیچھے نہیں رہا۔ بحیرا خود باہر گیا اور آپؐ کو اپنے ساتھ اندر لے آیا۔

آنحضورؐ شریکِ طعام ہوتے تو اس کی نظریں آپؐ پر جم گئیں۔[۳] اس نے آپؐ میں ان سب علامات کو تلاش کرنے کی کوشش کی جن کا ذکر اس نے اپنی کتابوں میں پڑھا تھا۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ یہی بچہ "نبی موعود" ہے تو اُس نے آپؐ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا:

"یہ وہ "سید العلمین" اور رسولِ رب العلمین" ہیں جنھیں خداوندِ قدوس "رحمۃ للعلمین" بنا کر بھیجنے والے ہیں"۔[۴]

شیوخِ قریش نے پوچھا:

"تمھیں کیسے پتہ چلا؟"

بحیرا نے کہا:

"میں آپؐ میں نبوت کی وہ بیشتر نشانیاں دیکھ رہا ہوں جس کا ذکر توراۃ اور انجیل میں آیا ہے۔ اور پھر آپؐ کے شانوں کے درمیان وہ مہرِ نبوت بھی تو ہے جو ایک یقینی علامت ہے"۔

بحیرا نے حضرت ابوطالب کو مشورہ دیا کہ وہ آپؐ کو شام کی طرف ساتھ نہ لے جائیں۔ اگر رومیوں نے آپ کو دیکھ لیا تو وہ پہچان جائیں گے اور آپؐ کو قتل کر ڈالیں گے۔

ابنِ اسحٰق نے لکھا ہے کہ آپؐ کی شناخت کر لینے کے بعد بحیرا نے لات و عزیٰ کی قسم دے کر آپؐ سے کچھ سوالات پوچھنے چاہے جس پر آنحضورؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

Marfat.com

"مجھے ان دونوں چیزوں کی قسم دے کر نہ پوچھو۔ خدا کی قسم! مجھے ان دونوں سے جتنی نفرت ہے کسی اور چیز سے نہیں" ؎

بحیرا نے آنحضورؐ سے آپؐ کے بعض معمولاتِ زندگی کے بارہ میں پوچھا تاکہ وہ آپؐ کی صحیح تعیین کر سکے۔

اس روایت کو جن اصحابِ علم نے بیان کیا ہے، ان میں ابنِ اسحٰق، ابنِ سعد، امام ترمذیؒ، علامہ بیہقیؒ، علامہ ابنِ حجرؒ اور ابو سعید نیشاپوری قابلِ ذکر ہیں۔ امام ترمذیؒ نے یہ بھی لکھا ہے:

"کہ بحیرا کے اصرار پر حضرت ابوطالب نے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلال حبشیؓ کی نگرانی میں مکہ واپس بھجوا دیا" ؎

حافظ ابنِ حجر نے "اصابہ" میں ابو سعید نیشاپوری کی کتاب "شرف المصطفیٰ" کے حوالے سے یہ بھی کہا ہے کہ بحیرا آپؐ کے ساتھ دوسری ملاقات میں، جو چودہ پندرہ سال بعد ہوئی، آپؐ پر ایمان لے آیا۔ غالباً اسی بنا پر ابونعیم نے بحیریٰ کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔

"اس روایت سے جس قدر شغف عام مسلمانوں کو ہے، اس سے زیادہ عیسائیوں کو ہے۔ سر ولیم میور، ڈریپر، مارگولیس وغیرہ — اس واقعہ کو عیسائیت کی فتح عظیم خیال کرتے ہیں۔ اور اس بات کے مدعی ہیں کہ رسول اکرمؐ نے مذہب کے حقائق و اسرار اسی راہب سے سیکھے اور جو نکتے اس نے بتائے تھے، انہی پر آنحضرتؐ نے عقائدِ اسلام کی بنیاد رکھی۔ اسلام کے تمام عمدہ اصول انہی نکتوں کے شروح اور حواشی ہیں" ؎

جان ولیم ڈریپر کی اصل عبارت ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

"بحیرا راہب نے بُصریٰ کی خانقاہ میں حضرت محمدؐ کو نسطوری عقائد کی تعلیم دی اور اپنے مظالم کی داستان شروع سے آخر تک حرف بحرف کہہ سنائی۔ یہ انہی ملاقاتوں کا نتیجہ تھا کہ آنحضرتؐ کے دل میں مشرقی کلیسا کی بُت پرستانہ رسموں کی طرف سے عموماً اور اوثان و اصنام کی پرستش کی طرف سے خصوصاً وہ نفرت بیٹھ

Marfat.com

گئی جس کو کوئی قوت مٹا نہ سکی۔ اور یہ بھی بحیرا راہب کی تعلیم ہی کا اثر تھا کہ
آپؐ نے اِس عجیب وغریب زندگی کے دوران میں جس کے کارناموں نے
دنیا کو محوِ حیرت کر دیا، حضرت مسیحؑ کو کبھی "خدا کا بیٹا" کہہ کر نہ پکارا بلکہ ہمیشہ
"مسیح ابن مریم" کے لقب سے یاد فرمایا۔ آپؐ کے ناتربیت یافتہ لیکن مستعد
اَخاذ دماغ نے نہ صرف اپنے اتالیقوں کے مذہبی بلکہ فلسفیانہ خیالات کا
نہایت گہرا اثر قبول کیا۔
.... اِس سے بڑھ کر اور ثبوت اس اُنس وعقیدت کا کیا ہو گا کہ آپؐ نے
اپنی زندگی کو نسطوریوں کے دینی عقائد کی توسیع واشاعت کے لیے وقف کر دیا
اور جب یہ مقصد پورا ہو گیا تو آپؐ کے جانشینوں نے ان کے علمی وشاقی اصول
اختیار کر لیے اور نہایت سرگرمی سے ان کی اشاعت میں حصہ لیا۔" [۸]

سر ولیم میور نے اس واقعہ کو نیا "آب ورنگ" دیتے ہوئے کہا ہے کہ:

"آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بت پرستی سے جو نفرت پیدا ہوئی اور ایک
مذہبِ جدید کا جو خاکہ آپؐ نے قائم کیا، وہ سب اسی سفر اور اس کے مختلف
تجارب ومشاہدات کے نتائج تھے۔" [۹]

پیشتر اس کے کہ ہم ڈریپر صاحب کے زلاتِ علمی کا جائزہ لیں یا میور صاحب کے مبالغہ آمیز
بیان کی صحت یا عدمِ صحت پر گفتگو کریں اور اس قیاسِ منطقی کو دیکھیں جو معاندین نے مقدمہ
کے کبریٰ اور صغریٰ سے اخذ کیا ہے، ہمیں دیکھنا ہو گا کہ کیا انبیاء (علیہم السلام) ایک عام
انسان کی طرح ذاتی مشاہدے اور تجربے کی ٹھوکریں کھا کر استخراجی طور پر نتائج اخذ کرتے ہیں
اور حقیقتِ کبریٰ یا اعلیٰ الیقین تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے ہیں؟ کیا وہ بھی اسی طرح خارجی
اثرات سے متاثر ہوتے ہیں اور ان کی فطرتِ صالحہ ہر قسم کی رنگ آمیزی سے اسی طرح
ملوث ہوتی ہے جس طرح ایک عام انسانی بچے کی جو اپنے والدین کے زیر اثر کبھی نصرانی کہلاتا
ہے اور کبھی یہودی؛ کبھی ہندو کی طرح کالی یا کبھی ماتی کے چرنوں میں بیٹھا نظر آتا ہے اور
کبھی مجوسیوں کی طرح آگ کو اپنا رب الارباب سمجھنے لگتا ہے؟ اس قسم کے تاثرات دراصل

Marfat.com

نبوت کی حقیقت سے بیگانگی کی دلیل ہیں ؟

حضرت ابراہیمؑ نے جب ذاتِ باری پر ایمان لانے اور نوعِ انسان کے ساتھ حسنِ سلوک کا درس دینا شروع کیا تھا تو کیا انھوں نے ایسا کرنے سے پہلے یہ اسباق "تارح" سے سیکھے تھے جو عمیلو طبقہ کا ایک ذی اثر فرد ہونے کے علاوہ قومی معبد کا سردار کاہن بھی تھا یا عموراب سے جو اپنے زمانے کا سب سے بڑا مقنن ہو گزرا ہے ؟ حضرت یعقوبؑ نے آخری وقت جب اپنی اولاد کو اکٹھا کر کے انھیں "بُت پرستی" سے باز رہنے اور "خدا کی بے حُرمتی" کرنے سے بچنے کی تاکید فرمائی تھی تو اس وقت کوئی "لائی کرگس" ان کے قریب موجود تھا جو انھیں خداوندِ علیم و قدیر کی وحدانیت کا سبق دیتا ؟ "قصصِ یہود" مولّفہ گنز برگ، کی جلد دوم صفحہ ۱۴۱ پر لکھا ہے کہ :

"حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم میں سے کوئی بُت پرستی کا میلان رکھتا ہے۔ اس کے جواب میں بارہ بیٹوں نے کہا: سُن اے اسرائیل، اے ہمارے باپ! ہمارا خدا ہی خدائے لم یزل ہے۔ جس طرح تیرا دلی ایمان ایک خدا پر ہے، اسی طرح ہم سب کا دلی ایمان اسی ایک خدا پر ہے۔" لہ

کیا حضرت اسحٰقؑ نے بھی کسی ایسے ہی بحیرا (نسطوری) کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تھا جب انھوں نے اپنے صاحبزادوں کو خداوندِ بزرگ و برتر کا واسطہ دیتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ :

"تم خوف اسی کا رکھنا اور عبادت اسی کی کرنا۔"

اور کیا حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ نے، جن پر سلسلہ اسرائیلی رسالت بلکہ قومی و نسلی رسالت کا ہمیشہ کے لیے ختم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا درس جو متی (انجیل) کے باب ۴ کی عبارت ۱۰ کے تحت درج ہے کہ :

"تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔"

کسی ایسے ہی فقیہہ، مقنن یا سردار کاہن سے سیکھا تھا ؟ اگر ان سوالات کا جواب نفی

Marfat.com

میں ہے، تو پھر یہ تخصیص ختمی مرتبتؐ ہی کے لیے کیوں کہ انھوں نے خداوندِ علیم و قدیر کی الوہیت کا پہلا سبق بحیرا سے لیا تھا اور پھر اسی "سبق" کی نشرو اشاعت میں، جس سے عیسائی دُنیا انکار کر چکی ہے، اپنی زندگی گزار دی؟

اگر نبوتِ مطلقہ کے لحاظ سے تمام انبیاء (علیہم السّلام) برابر ہیں، ان کا پیغام ایک ہے، ان کا منبعِ علم (مبدءِ فیاض) ایک ہے، تو پھر رسالت مآبؐ کے بارے میں یہ سوچنا کہ آپؐ نے جو حضرت مسیحؑ کو ایک طبیعت (Monotheism) کا مالک گردانا تھا اور انھیں "ابنِ مریم" کے الفاظ سے یاد فرمایا تھا یہ بحیرا کی صحبت ہی کا نتیجہ تھا۔ ورنہ آپ شرک کی دلدل میں (نعوذ باللہ) اسی طرح پھنس کر رہ جاتے جس طرح باقی عیسائی دنیا آج بھی پھنسی ہوئی ہے۔ اور یہ فیصلہ نہیں کر پاتی کہ حضرت عیسیٰؑ کا "ابن اللہ" ہونے کی حیثیت سے کیا درجہ قرار پاتا ہے؟ یہ کس قدر عقل سے گری ہوئی بات ہے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف بیٹوں اور بیٹیوں کی نسبت کی جاتے۔ کُھلا شرک اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ انسان یہ عقیدہ اپنا لے کہ "خدا ہی تو عین مسیح ابنِ مریم" ہے۔ قرآن مجید نے اس شرکِ جلی کو روکنے کے لیے انذار کا جو انداز درج ذیل آیت میں اختیار کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ شرک۔ جلی ہو یا خفی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظلم عظیم ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ؕ (المائدہ ۵: ۱۷)	جو لوگ یقیناً کافر ہوتے جنھوں نے کہا کہ خدا ہی تو عین مسیح ابنِ مریم ہے۔ فرما دیجئے کہ اچھا اللہ سے کون کچھ بھی بچا سکے اگر وہ ہلاک کر دینا چاہے مسیح ابن مریم اور ان کی والدہ کو اور جو کوئی بھی زمین پر ہے۔ آسمانوں پر اور زمین پر اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان سب پر اللہ ہی کی حکومت ہے۔

Marfat.com

بلحاظ رشتۂ فرزندی، کیا یہ ممکن ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آیا ہو جبکہ بیٹے کا وجود نہ تھا؟ اس صورت میں حضرت مسیح کا حادث ہونا لازم آتا ہے کیونکہ وہ قدیم قرار نہیں پاتے۔ نتیجتہً ہر سہ افراد تثلیث ازلی نہیں اور نہ ہی تینوں ہم مرتبہ اور مساوی الحیثیت۔ چنانچہ نایسیا (Nicea) کی مذہبی کونسل نے اس طویل جھگڑے کو یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ:

"جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ کسی وقت میں خدا کے فرزند کا وجود نہ تھا، یا پیدا ہونے سے قبل وہ موجود نہ تھا یا وہ نیست سے ہست کیا گیا یا کسی ایسے مادہ یا جوہر سے اس کی تخلیق ہوتی جو ربانی نہیں یا وہ مخلوق یا متغیر ہے ایسے شخص کو کلیسائے مقدس ملعون قرار دیتا ہے۔" [1]

یہ فتویٰ قسطنطین نے اپنے عہدِ حکومت میں بزورِ شمشیر جاری کیا۔ چنانچہ عیسائیوں کا یہ عقیدہ قرار پایا:

"کہ باپ، بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہے۔ جلال برابر، عظمتِ ازلی یکساں، جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا . . . باپ غیر مخلوق، بیٹا غیر مخلوق . . . . باپ غیر محدود، بیٹا غیر محدود . . . باپ ازلی بیٹا ازلی . . . یونہی باپ قادرِ مطلق، بیٹا قادرِ مطلق . . . ویسا ہی باپ خدا، بیٹا خدا۔" [2]

اگر چند لمحوں کے لیے یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ملاقات بحیرا سے ہوتی تھی، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ:

۱۔ جس روایت پر مستشرقین نے اپنے تمام مفروضات کی بنیاد رکھی ہے اس میں آنحضورؐ اور بحیرا کے درمیان کسی علمی گفتگو کا پتہ چلتا ہے؟

۲۔ اس مختصر ملاقات میں جو کھانے کے وقت ہوتی، مذہب کے وہ کون سے اسرار و رموز تھے جو بحیرا نے آپؐ پر منکشف کیے؟ اور وہ کون سے فلسفیانہ خیالات تھے جو آپؐ کے "ناتربیت یافتہ مگر اخاذ ذہن نے قبول کر لیے؟" [3]

۳۔ اِس کم سنی میں (جبکہ آنحضورؐ کی عمر شریف نو دس برس سے زیادہ نہ تھی)

Marfat.com

کیا آپ ان لطائف کے متحمل ہو سکتے تھے جو بحیرا آپ کے ذہن نشین کرانا چاہتا تھا؟

۴۔ اگر آنحضورؐ اور قریشی تاجروں کو جو آپؐ کے ہم سفر تھے، آپؐ کی نبوت کا علم ہو چکا تھا، تو نزولِ وحی سے پہلے مکہ کی سوسائٹی میں اس کا چرچا کیوں نہ کیا گیا؟ یہود جن کی کتابوں میں "نبی موعود" کی تمام علامات بالتفصیل درج تھیں، کیوں نہ "اس نبی" کے گرد برکت اندوزی کے لیے جمع ہو گئے؟

۵۔ اگر مکہ کے باسی آنحضورؐ اور بحیرا کی ملاقات اور اس سے پیدا ہونے والے نتائج سے واقف تھے، تو ان کے لیے آنحضورؐ کا اعلانِ نبوت حیرت زا کیوں تھا؟

۶۔ کیا وحیِ الٰہی کے علاوہ کوئی اور ذریعہ علم تھا جس سے آپؐ اکتساب کر رہے تھے؟

مختلف روایات کے مطالعہ سے جو تصویر بنتی ہے، اس کا سراپا بیان کرنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ معاندینِ اسلام نے ہمیں اپنے "تبحرِ علمی" سے کس طرح مرعوب کیا ہے، اپنی "روشن خیالی" سے کس طرح ہمارا مذاق اڑایا ہے اور "تحقیق و تجسس" کے نام پر کس طرح اسلام اور شارعِ اسلام علیہ السلام کو اپنی پھبتیوں کا نشانہ بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ کیا ان مستشرقین (Orientalists) کے نزدیک دوسرے ادیان اور ان کے پیروؤں کی دل آزاری کا نام "تاریخ نویسی" ہے؟ کیا دوسروں میں معائب کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنے کا نام "تجدد" ہے؟ اور کیا تعصب کی عینک لگا کر اسی کے رنگ میں واقعات کو دیکھنے کا نام "ترقی پسندی" ہے؟

اگرچہ سرسید احمد خاں مرحوم نے سر ولیم میور کو اس کی موجودہ تصنیف "حیاتِ محمدؐ" پر مبارکباد پیش کی ہے اور اس کی غیر جانبداری پر اس کی مساعی کو بڑا سراہا ہے تاہم، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نے سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوانح حیات لکھتے ہوئے کوئی ایسا موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا جب وہ اپنے اوہام و ظنون کا اظہار کر سکتا تھا اور

Marfat.com

آپؐ کی تنقیص کے لیے راہ نکال سکتا تھا۔ جن "اصحاب علم" کی تحقیقات پر اس نے انحصا کیا ہے، وہ یقیناً اس کی نسبت زیادہ متعصب تھے۔ ویل (Weil) ہو یا سیل (G. Sale)، سپرنگر (Sprenger) ہو یا نولدیکی (Noldeke) ڈریپر (Draper) ہو یا مارگولیس (Margoliouth) سب ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں، ایک ہی رنگ میں رنگے ہیں اور ان میں سے ہر ایک عیسائی یہودی پہلے ہے اور مورّخ بعد میں۔

بحیرا نے آثار و قرائن سے یہ جان لیا تھا کہ وہ نوعمر مسافر درحقیقت "وہ نبی" جس کی تمنا حضرت موسیٰؑ نے کی تھی اور جس کی بشارت عیسیٰؑ نے دی تھی۔ اس نے اس بات کا اظہار شیوخِ قریش کے سامنے کیا اور انھیں مشورہ دیا کہ وہ آپؐ کو فوراً گھر واپس بھجوا دیں تاکہ یہود انھیں گزند نہ پہنچائیں۔ ابنِ اسحٰق نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ اس میں جب یہ گفتگو ہو رہی تھی، سات رومی محبوبِ داورِ حشرؐ کو قتل کرنے کی نیت سے وہاں پہنچ گئے۔ بحیرا نے ان سے پوچھا:

"آپ لوگ کیسے آئے؟"

انھوں نے بتایا کہ:

"ہمیں پتہ چلا ہے کہ وہ بچّہ جو نبوّت کا دعویٰ کرنے والا ہے اِن دنوں اِدھر آیا ہوا ہے۔ اس لیے ہر طرف آدمی دوڑا دیئے گئے ہیں تاکہ اس کا کھوج لگائیں اور جہاں کہیں وہ ملے، اس کو قتل کر دیں۔"

بحیرا نے کہا:

"تمھارا کیا خیال ہے؟ جس کام کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر لیا ہو اُسے کوئی شخص روک سکتا ہے؟" (۱۵)

انھوں نے کہا: "نہیں۔"

چنانچہ وہ اپنے ارادے سے باز آگئے اور واپس لوٹ گئے۔

علامہ ترمذیؒ نے اپنی روایت میں جو جامع ترمذی کی جلد دوم (ابواب المناقب

Marfat.com

ہیں درج ہے، لکھا ہے کہ بحیرا کے اصرار پر حضرت ابوطالب نے آنحضورؐ کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلال حبشیؓ کی معیت میں مکہ واپس بھجوا دیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی عمر اس وقت سات آٹھ برس سے زیادہ نہ تھی اور حضرت بلالؓ تو شاید عالمِ وجود میں بھی نہیں آئے تھے۔ آنحضورؐ کی حفاظت کی ذمہ داری حضرت ابوبکرؓ کو سونپنا (جو خود ابھی کم سن تھے) امرِ محال ہے۔ راستے کی طوالت، سفر کی صعوبت اور رہزنوں کا ڈر اس پر مستزاد تھے۔ اس روایت میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ کی شرکت نے تمام واقعہ کو مشکوک بنا دیا ہے۔

علامہ ترمذیؒ جو خود حدیث کے بڑے ناقد ہیں، کا خیال ہے کہ یہ روایت "حسن اور غریب" ہے۔ اِس حدیث کا ایک راوی عبدالرحمن بن غزوان ہے جو منکر حدیثیں بیان کرتا ہے۔ علامہ ذہبیؒ نے اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا ہے:

"میں اِس حدیث کے بعض واقعات کو موضوع، جھوٹا اور بنایا ہوا خیال کرتا ہوں"

ان حالات میں اِس روایت کو قابلِ اعتماد سمجھنا اور اس پر کوئی ایسی عمارت کھڑی کرنا جیسی کہ میور یا مارگولیس نے کی ہے، تاریخ سے صریحًا مذاق ہے۔

واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) اور بحیرا کے درمیان کوئی ایسی گفتگو نہیں ہوئی جو اسلامی تعلیمات کی اساس بنتی یا عقیدۂ توحید کے لیے ٹھوس بنیاد مہیا کرتی۔ حتیٰ مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو "اتحادِ ثلاثہ" سے جو نفرت تھی، حضرت عیسٰیؑ کو "ابن اللہ" کہنے سے جو چڑ تھی اور عیسائیوں کے رویّوں اور طرزِ عمل سے جو کراہت تھی، کیا اس میں عیسائی مورخین کو خداوندِ علیم وقدیر کا ہاتھ صاف دکھائی نہیں دیتا؟ کیا اس میں انھیں ہدایتِ ربانی کی جھلک نظر نہیں آتی؟ کیا ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) جس نظامِ زندگی کی دعوت اپنے ہم وطنوں کو دے رہے تھے، وہ نظام کوئی نیا نہیں تھا۔ اسلام ہمیشہ سے نوعِ انسان کا ایک ہی حقیقی مذہب ہے اور دُنیا میں جب اور جہاں بھی کوئی پیغمبر خدا کی طرف سے آیا ہے، وہ یہی مذہب لے کر آیا ہے۔ نبوّت

Marfat.com

خداوندِ قدوس کی موہبتِ عظمیٰ ہے جس کا نزول قلبِ رسالتمآبؐ پر ہوتا ہے۔ میور نے اپنی کتاب کی جلدِ اوّل کے صفحہ ۳۶ پر، سپرنگر نے صفحہ ۹ پر اور ارونگ واشنگٹن نے صفحہ ۵۲ پر اِس بات کا اعتراف کیا ہے کہ آنحضورؐ بُت پرستی کے خلاف شدید نفرت رکھتے تھے اور تمام عمر "تثلیث" کے گمراہ کُن عقیدے کا رد فرماتے رہے۔ لیکن یہ کہنا کہ آپؐ نے ان عقائد کی تعلیم بحیرا راہب سے حاصل کی تھی، قرآنی تعلیمات سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ ؎

" اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ ایک نو دس سال کا بچہ اقانیم ثلاثہ کی اس عجیب و غریب بحث کو سمجھنے کی قابلیت رکھتا ہے جسے مسیحیت کا چھ صدیوں کا فلسفہ بھی سلجھا نہ سکا، تو پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس لڑکے نے (فداہ ابی و اُمّی) اسی پُراسرار بھول بھلیوں میں سے توحید کی وہ سیدھی اور سچی راہ کیونکر ڈھونڈ نکالی جو فلسفہ اور مذہب دونوں کی نگاہ سے اب تک پوشیدہ تھی۔ نسطوریت باوجود اس میلان کے جو اسے توحّد کی جانب تھا، پھر بھی شرک کے دائرہ کا مرکز تھی، مانا کہ وہ مسیحؑ کے جسمانی حصّہ ہی کو بطنِ مریم سے نسبت دیتی تھی لیکن مسیحؑ کے ربّانی حصّے سے تو اس کو انکار نہ تھا۔ بالفاظ دیگر وہ اس بات کی قائل تھی کہ خدا انسان کا رُوپ ایک طرح سے دھار سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مسیحیت کے دوسرے عقائد مثلاً کفّارہ جو مذہب عیسوی کا سنگِ نجات ہے، نسطوریت میں بلا کسی ترمیم کے داخل تھا۔"

"سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسی قوت تھی جس نے مکّہ کے اس یتیم اور اُمّی بچّے کے دل میں ابتداء ہی سے ان حقائق کو جمع کرنا شروع کر دیا جن کی روشنی میں اُسے تمام ادیان اور مذاہبِ موجودہ کی اچھائیاں اور بُرائیاں نظر آنے لگ گئیں۔ اور جب ارتقاء کے اس ہمہ گیر عمل نے (جس سے پیغمبر بھی مستثنیٰ نہیں ہوتے) اُس کے قوائے ذہنی کو ترقی دی یا بعثت کی ساعت قریب آئی تو اس نے تمام اچھائیوں کو چُن لیا اور انھیں ایک دلآویز اور دل آرا شکل میں دُنیا کے سامنے پیش کر دیا۔" ؎

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سِن وسال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ ان تمام فلسفیانہ مسائل کو سمجھنے کے لیے جن کی طرف معترضین نے اشارہ کیا ہے، فطرت نے آپ کو ابھی تیار ہی نہیں کیا تھا۔ اگر ایسی کوئی گفتگو ہوئی ہوتی اور بحیرا نے

Marfat.com

بر سر عام آپ کو "رسولِ رب العالمین" کہا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس قافلہ کی واپسی پر مکہ کی مذہبی اور سیاسی فضا میں ارتعاش پیدا نہ ہوتا۔ یہ بھی واضح ہے کہ اگر اس سفر کے دوران میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کا چرچا شام و فلسطین تک پہنچ چکا تھا، تو پھر روسائے قریش کو آپ کی دعوتِ انقلاب پر تعجب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ چونکہ اس قسم کی گفتگو خارج از بحث ہے، اس لیے مورخینِ اسلام میں سے کسی نے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

اس واقعہ کی تردید کے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اس کا مضمون نصِ قرآنی کے خلاف ہے۔ موجودہ روایت کے مطابق آنحضور کو چھوٹی عمر سے پتہ چل گیا تھا کہ وہ نبی بننے والے ہیں اور آپ کو ایک ایسی دعوتِ انقلاب کے لیے تیار کیا جا رہا ہے جس سے نیا سماجی شعور اُبھرے گا، نئے علمی اُفق پیدا ہوں گے اور فکر و عمل کے نئے سوتے پھوٹیں گے۔ اس یقین دہانی کے باوجود آپ نے نزولِ وحی تک کبھی خداوندِ قدوس کی وحدانیت کا پرچار کیا، نہ روح الامین سے ملاقات کی خبر دی؛ آخرت پر ایمان لانے کی بات کی نہ کتاب کے نزول کی توقع کی؛ کبھی قوم کو اپنے نبی ہونے سے آگاہ کیا نہ ان کو ان کی بداعمالیوں پر تنبیہہ کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ہر قول اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع تھا اور آپ کا ہر فعل اپنے اظہار کے لیے ہدایتِ ربانی کا منتظر تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی وجہ نہیں کہ جب آپ نے بحیرا سے فلسفیانہ دین کے تمام نکات سیکھ لیے تھے اور مابعد الطبیعاتی تصورات کو اَزبر کر لیا تھا، تو آپ مزید تیس برس تک چُپ کا روزہ رکھتے اور پھر اچانک ایک دن بغیر کسی خارجی تحریک کے لوگوں کو ایک ایسے دین کی طرف دعوت دیتے جو قوم کی مسلمہ روایات کے خلاف "بغاوت" تھی اور ان کی تہذیب و معاشرت کے خلاف ایک کھُلا چیلنج۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات میں کسی دوسرے مبلغ یا مصلح کی تربیت کے اثرات کا کھوج لگانا تحصیل حاصل ہے۔ بہرحال آپ کی تعلیمات اور دیگر نفوسِ قدسیہ (انبیاء علیہم السلام) کی دعوتِ حق میں یقیناً کوئی فرق نہیں۔ اس لیے کہ ان کا منبعِ علم ایک تھا جو ہر خطاء و نسیان سے پاک ہے؛ ان کا پیغام ایک تھا؛ مقصد و مدعا ایک تھا۔ انھیں اپنے پیغام کے لیے کسی دوسرے ذریعہ علم کی ضرورت تھی نہ احتیاج۔ قرآنِ مجید نے اسی حقیقت کو جس خوبصورتی اور عمدگی سے

Marfat.com

بیان کیا ہے، وہ اسی کا حصّہ ہے۔ارشاد ہوتا ہے :

یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ٥ (هود : ۲۸)	اے میری قوم! غور کرو۔ اگر مَیں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر تھا اور اس نے پھر مجھ کو اپنی رحمت (نبوت) سے نوازا۔ اور وہ چیز تمھیں نظر نہیں آتی تو کیا ہم اُسے زبردستی تمھارے سَر چپک دیں۔

عیسائی مورخین کی ایک بڑی جماعت آج تک یہ یقین نہیں کر پاتی کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور وہ خالص کلام (Word of God) ہے جو ہر قسم کی آمیزش، الحاق اور تحریف سے پاک ہے۔مسٹر کارلائل نے جو ایک عظیم ادیب اور مورخ تھا اس بات کا اعتراف کیا ہے :

"کہ سچائی کا جوہر قرآنِ مجید کے تمام مطالب ومعانی میں جھلکتا نظر آتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وحشی عربوں کی نظر میں اس کی قدر وقیمت بڑھ گئی۔حرفِ آخر کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ان تمام خوبیوں کا مجموعہ ہے جن کا تصور (کسی الہامی کتاب میں) کیا جاسکتا ہے۔"

جارج سیل (G. Sale) نے قرآنِ مجید کے انگریزی ترجمہ کا مقدمہ لکھتے وقت یہ بات صراحت سے بیان کی ہے :

"کہ قرآنِ مجید قریش کی زبان میں، جو اپنی شرافت اور شائستگی کے لیے تمام قبائلِ عرب میں ممتاز تھے، انتہائی پاکیزہ اور فصیح زبان میں لکھا گیا ہے۔ یہ عربی زبان کا وہ شاہکار ہے جس کا مثل، جیسا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور کتاب خود اس پر گواہ ہے، انسانی قلم پیش نہیں کرسکا۔ یہ ایک مستقل معجزہ ہے جو مُردوں کو زندہ کرنے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اور تمام دُنیا کو اپنے "ربانی الاصل" ہونے کا ثبوت دینے کے لیے تنہا کافی ہے۔" [۳]

Marfat.com

"آنحضورؐ نے خود بھی اپنی رسالت کے ثبوت میں اس معجزے کو پیش کیا تھا اور ان فصحائے عرب کو، جو اس زمانے میں ایک دوسرے سے اسلوبِ بیان کی عمدگی میں سبقت لے جانے کے لیے کوشاں رہتے تھے، چیلنج کیا کہ وہ کم ازکم ایک باب ایسا تحریر کر لائیں جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ اگرچہ اس کے اسلوبِ نگارش کی پاکیزگی اور اس کی تحریر کی عمدگی کی کئی ایک مثالیں دی جا سکتی ہیں لیکن میں یہاں ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کروں گا:"

"یہ فیصلہ لبیدؓ بن ربیعہ کا ہے (جو اپنی جودتِ طبع، شاعرانہ صلاحیت اور جمالیاتی ذوق کے لیے منصف (Judge) کہلانے کا حقدار ہے، بہت کم لوگ اس کے مقابلے میں لکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے (اس کی شاعری حکمتِ عالیہ، موعظتِ حسنہ اور جامع کلمات سے مزین تھی)۔ لبیدؓ نے جب سورۃ بقرہ کی آیات کو درِ کعبہ پر آویزاں دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اور کہنے لگا "کہ ایسے الفاظ تو کسی نبی کی زبان سے ہی ادا ہو سکتے ہیں"۔ [19]

سر ولیم میور کو بھی اس حد تک اتفاق ہے۔ کہ :

"قرآن مجید جس کی تدوین حضرت عثمانؓ بن عفان کے دورِ حکومت میں ہوئی اپنی خالص صورت میں ہم تک پہنچا ہے۔ اُسے ایسے حزم و احتیاط سے ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے کہ اس میں کسی قسم کے تغیّر کا کوئی شائبہ نہیں۔ ہم یہ بات وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ دُنیا میں کوئی کتاب بارہ صدیوں تک (اور آج پندرہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی) اپنے متن کے لحاظ سے اس قدر پاکیزہ اور محفوظ نہیں رہی جتنا کہ قرآنِ مجید"۔ [20]

اغیار کا یہ سمجھ لینا کہ خداوندِ بزرگ و برتر کی وحدانیت، شرک سے اجتناب، آخرت پر ایمان، نیکی کی جستجو اور بدی سے پرہیز کے اشارات نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بحیرہ سے آنکھوں آنکھوں ہی میں سیکھ لیے، سمجھانے والے کی تقریر الفاظ کے بوجھ سے پاک تھی، تصورات کے پیچ و خم سے بے نیاز تھی اور شرح و بسط کے تکلفات سے مبرّی

Marfat.com

تھی، ایک مجذوب کی بڑ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کسی بحیرا کی طرف دیکھنے کی ضرورت تھی نہ نسیار کی طرف، جبر کی رہنمائی کی ضرورت تھی نہ بلعام کی، کسی کاہن سے اشیر باد لینے کی احتیاج تھی نہ کسی شاعر سے۔

معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح قریشِ مکہ الجھن میں پڑ گئے تھے (امرِ مریج) اسی طرح یہ مستشرقین بھی اپنی بے یقینی کے سبب اضطراب اور التباس کا شکار ہو گئے ہیں۔

اس زمانے میں بھی آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مخالفین آپ کے خلاف جھوٹ باندھنے میں منہ پھٹ تھے اور آج بھی بہت سے "روشن خیال" لوگ آپ کے خلاف افترا پردازیاں کرنے میں بے باک ہیں۔ مکہ کے مشرک یہ گمان کرتے تھے کہ قرآن کا لانے والا "ایک سکھایا پڑھایا مجنون" ہے۔[۲۱] اور اسے "ایک عجمی تعلیم دیتا ہے"۔[۲۲] یہ بے چارا خود تو کچھ کرنے کا نہیں، کچھ دوسرے لوگوں نے اسے ہتھے پر چڑھا لیا ہے۔ جو آیتیں وہ گھڑ گھڑ کر اس کے منہ میں ڈال دیتے ہیں انھیں وہ خدا کا نام لے کر پیش کر دیتا ہے۔

قرآنِ مجید نے کفارِ مکہ کے ان قیاسات کی تردید جن پُرزور الفاظ میں کی ہے اس کی جھلک سورہ "القصص" کی درج ذیل آیات میں نظر آتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۙ ... وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَٰكِنْ رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا أَتَاهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ

اے نبی! آپ اس وقت مغربی گوشے میں موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو شریعت عطا کی۔ اور نہ آپ اس واقعہ کے گواہوں میں سے ہیں۔ آپ اہلِ مدین کے درمیان بھی موجود نہ تھے کہ ان کو ہماری آیات سنا رہے ہوتے۔ مگر (ان واقعات سے آگاہ کرنے والے تو ہم ہیں) آپ اس وقت طور کے دامن میں موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو پکارا۔ یہ آپ کے

وَلٰكِنْ رَّحْمَةً ... ذِكْرٰى (یہ تمہارے) رب کی مہربانی رحمت ہے کہ آپ کو
(القصص: ۴۶) یہ معلومات مہیا کی جارہی ہیں) تاکہ
آپ ایسی قوم کو خبردار کر دیں جن کے
پاس آپ سے پہلے کبھی خبردار کرنے
والا نہیں آیا، شاید کہ یہ لوگ نصیحت
پکڑیں

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ (ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں
اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ کہ اس نبی کو ایک آدمی پڑھاتا
الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ ہے جس آدمی کی طرف ان کا اشارہ
اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ ہے اس کی زبان تو عجمی ہے جبکہ
عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ (قرآن مجید) کی زبان صاف عربی ہے)
(النحل: ۱۰۳)

قرآن مجید یہ بات بار بار ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ آنحضور ﷺ نبوت سے پہلے نہ ان اصطلاحات سے واقف تھے جو اسلام نے دینی اعتبار سے جاری کیں اور نہ ان کے تقریرات سے آگاہ تھے جو ان میں مضمر تھے، ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ (آپ ہرگز اس بات کے امیدوار نہ تھے کہ آپ پر کتاب نازل کی جائے گی۔)
(القصص: ۸۶)

۲۔ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا — (آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی
الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ — ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان
(الشوریٰ: ۵۲) — کیا ہوتا ہے)

اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس برس کی عمر میں یہ معلوم ہو چکا ہوتا کہ آپ نبی بننے والے ہیں [illegible] اس کی مزید تصدیق ہو گئی ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی

Marfat.com

کہ آپ اپنے اوپر کتاب کے نزول کی امید نہ رکھتے۔ اور اس بات سے خالی الذہن تھے کہ آپؐ کو عنقریب اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت لوگوں کو دینی ہوگی۔

قرآنِ مجید ایسی کتاب نہیں کہ اُسے وحی کے بغیر گھڑ لیا گیا ہو۔" وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اسلامی دینیات کے مطابق، خداوندِ قدوس کی اپنی انشاء ہے جو قواعد کے تمام اصولوں اور بلاغت کے تمام اسلوبوں پر محیط ہے۔ عیسائی ماہرینِ دینیات نے مقدس کتابوں میں "عدم موافقت کو دُور کرنے کے لیے "واسطہ کی رنگ آمیزی" کا جو اصول وضع کیا ہے مسلمان متکلمین نے اس کے استعمال سے ہمیشہ احتراز کیا ہے۔ قرآنِ مجید کی زبان خداوندِ علیم و قدیر کی اپنی زبان ہے اور اس کی فصاحت ایک عظیم معجزہ ہے۔ چونکہ یہ کلام حکیم و خبیر کا ہے اس لیے وہ حتمی طور پر ہمارے اخلاق و اعمال کی رہنمائی کرتا ہے۔ گفتار و کردار کا ایسا معیار پیش کرتا ہے، جس کی مثال دوسرے مذاہب کے دبستانِ اخلاق میں تلاش کرنا ممکن نہیں۔ اس کے مضامین میں مکمل اور واضح ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ وہ ان تمام تضادات سے، جو انسانی کوششوں کا بدیہی نتیجہ ہیں، بالکل پاک ہیں۔"[۲۳]

یہ کتابِ مبین ان تمام کتبِ آسمانی کے صحیح احکام کی نہ صرف تصدیق کرنے والی ہے بلکہ ان کے (صحیح) مضامین کی محافظ و نگہبان بھی ہے۔ اگر اس کے مضامین کسی عجمی نژاد کی تعلیمات کا نتیجہ ہوتے یا کسی مرتاض کی سوچ بچار کا ثمرہ ہوتے یا آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذاتی مشاہدات اور تجربات کا نچوڑ ہوتے جیسا کہ "یہ عقل کے اندھے" سمجھتے ہیں، تو قرآنِ مجید کبھی فصحائے عرب کو اس کی مثال لانے کا چیلنج پیش نہ کرتا۔ قرآنِ مجید میں آتا ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ
وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ
هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ
وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ
ظَهِیْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۸۸)

(آپ فرما دیں کہ اگر انسان اور جن
سب مل کر بھی اس قرآن جیسی کوئی
چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لا سکیں
گے، چاہے وہ سب ایک دوسرے
کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔)

Marfat.com

اس آیتِ مبارکہ کے علاوہ قرآنِ مجید میں تین دوسرے مقامات پر اس چیلنج کو دہرایا گیا ہے۔ سورۃ بقرہ کی آیات ۲۳-۲۴ ۔ سورۃ ہود کی آیت ۱۳ اور سورۃ یونس کی آیت ۳۸ کفار کے اس الزام کی سختی سے تردید کرتی ہیں کہ آنحضورؐ نے خود یہ قرآن تصنیف کیا ہے۔ اور خواہ مخواہ اسے خدا کا کلام بنا کر پیش کر رہے ہیں ۔ ایک دوسرے مقام پر کفار کی ایسی ہی غیر ذمہ دارانہ باتوں کی تردید قادرِ مطلق نے جن الفاظ میں کی ہے، ان کی سختی اور تندی ملاحظہ ہو۔ غالباً اس سے زیادہ سخت انداز کسی اور جگہ اختیار نہیں کیا گیا ارشاد ہوتا ہے :

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ	(اور اگر یہ (نبیؐ) خود گھڑ کر کوئی بات
لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ه	ہماری طرف منسوب کر دیتا تو ، ہم
ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ه	دائیں ہاتھ سے پکڑ کر اس کی رگِ
فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ	جاں کاٹ دیتے۔ پھر تم میں سے
حَاجِزِينَ ه (الحاقۃ ۴۴-۴۷)	کوئی بھی رد کنے والا نہ ہوتا۔)

ایک دوسرے مقام پر ربّ العزت نے اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ یہ پوری کتاب اس کی طرف سے ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بذریعہ وحی نازل ہوئی ہے۔ برعکس انجیل مقدس کے جس کی روایت بالمعنیٰ ہوتی ہے، قرآنِ مجید کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف اللہ ہی کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ خداوندِ حکیم کا یہ فرمانا کہ "اے نبیؐ! آپؐ اس وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔ اس کتاب کو (جو ہم آپؐ کے قلب پر نازل کر رہے ہیں) یاد کروا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے پھر جب ہم اسے پڑھ رہے ہوں، تو اس کی قرآت کو غور سے سنتے رہیں۔ پھر اس کو کھول کر بتانا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔" اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ رسول اکرمؐ پر محض خیالات و مفاہیم ہی کا القاء نہیں ہوا، بلکہ الفاظ کا نزول ہوتا رہا ہے، جن کے حافظہ میں محفوظ کرا دینے کی ذمہ داری خداوندِ قدیر نے خود اپنے ذمہ لی ہے۔ یہ آیاتِ بینات سورہ القیامہ (۱۶-۱۹) سے لی گئی ہیں جبکہ سورۃ الشعراء کی آیات ۱۹۲-۱۹۵

Marfat.com

کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام لانے والا فرشتہ "روح الامین" ہے۔ "امین" کا لفظ استعمال کرکے یہ جتانا مقصود ہے کہ وہ پیغامِ خداوندی کو پوری ذمہ داری کے ساتھ "بلا کم و کاست" پہنچاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ مجید کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف منزل من اللہ ہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے۔ آنے والا وقت نہ صرف اس کی لفظی صحت ہی کی شہادت دے گا بلکہ اس کے مفہوم و معانی کی تفقید اور اس کے اصولوں کی صحت کا بھی ثبوت مہیا کرے گا۔ عقائد ہوں یا اعمال؛ اخلاق ہو یا قانونِ معاشرت ہو یا اقتصاد۔ جو اصول بھی وضع کیے گئے ہیں انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں اس لیے ممکن نہیں کہ ان کی صحت اور معقولیت سے انکار کیا جا سکے۔ خداوندِ حکیم فرماتے ہیں:-

(۱) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ	ہم نے قرآنِ مجید کو نازل کیا ہے اور
اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۹)	ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔
(۲) سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي	(عنقریب ہم انھیں اپنی نشانیاں
الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ	آفاق میں بھی اور ان کے اندر بھی
حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ	دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر یہ
الْحَقُّ ؕ	بات واضح ہو جائے گی کہ یہ (کتاب) برحق ہے)

اسی سلسلہ کی چند اور آیاتِ مبارکہ درج ذیل ہیں۔ ان کا مطالعہ جہاں دلچسپی کا باعث ہوگا وہاں دل کی تقویت اور روح کی بہجت کا بھی ذریعہ بنے گا:-

البقرہ (۲) ۲، ۲۳، ۲۴۔ المائدہ (۵) ۴۸۔ الانعام (۶) [illegible] الاعراف (۷) ۲۰۳۔ یونس (۱۰) [illegible] ہود [illegible] الحجر (۱۵) ۹۔ بنی اسرائیل (۱۷) ۸۸۔ [illegible]

[illegible]

الفرقان (۲۵) : ۱، ۳۲ | الشورٰی (۴۲) : ۵۱-۵۲
الشعراء (۲۶) : ۱۹۲-۱۹۵ | زخرف (۴۳) : ۳-۴
النمل (۲۷) : ۶ | الدخان (۴۴) : ۳
القصص (۲۸) : ۸۶ | الاحقاف (۴۶) : ۲
العنکبوت (۲۹) : ۴۸، ۵۰-۵۱ | الطور (۵۲) : ۳۳-۳۴
ص (۳۸) : ۲۹ | الحاقہ (۶۹) : ۴۰-۴۳
الزمر (۳۹) : ۱-۲، ۴۱ | القیامہ (۷۵) : ۱۶-۱۹
حم السجدہ (۴۱) : ۲-۳، ۲۶ | البروج (۸۵) : ۲۱-۲۲

تعلیقات (باب پنجم)

۱۔ الروض الانف، علامہ سہیلی: ولکان رسول اللہ اذ ذاک ابن تسع عشرة سنة؛ رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص ۵۲۔

۲۔ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام، ص ۱۸۰؛ جامع ترمذی، ج ۲، باب المناقب۔

۳۔ ایضاً، ص ۱۸۲؛ عیون الاثر، ابن سید الناس، ص ۵۴۔

۴۔ جامع ترمذی، ج ۲، باب المناقب؛ الطبری، ج ۲، ص ۱۹۴-۱۹۵؛ عیون الاثر، ابن سید الناس، ص ۵۴۔

۵۔ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام، ص ۱۸۳؛ الطبقات الکبرٰی، ابن سعد، ج ۱، ص ۲۰۲؛ عیون الاثر، ابن سید الناس، ج ۱، ص ۵۳۔

۶۔ جامع ترمذی، ج ۲، باب المناقب۔

۷۔ سیرۃ النبیؐ، علامہ شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۱۷۹

۸۔ Hist. of the Conflict Between Religion and Science

Marfat.com

جان ـ ولیم ـ ڈریپر ـ ص ۷۸ ـ ۸۰ ؛ نیز ملاحظہ ہو "معرکۂ مذہب وسائنس"، مولینا ظفر علی خاں مرحوم، ص ۱۰۷

۹ـ سیرۃ النبیؐ ـ علامہ شبلی نعمانی ـ ج ۱، ص ۱۷۹ (ملاحظہ ہو حاشیہ)

۱۰ـ قصص یہود ـ گنز برگ، ج ۲ ـ ص ۱۴۱ ـ بحوالہ تفسیر ماجدیؒ، مولینا عبدالماجد دریا آبادیؒ ج ۱، ص ۵۲ ـ

۱۱ـ معرکۂ مذہب وسائنس، (ترجمہ) مولینا ظفر علی خاں، ص ۴۷ ـ

۱۲ـ عقیدۂ اتھانیاسیس (Athanasian Creed) بحوالہ تفسیر ماجدی، مولینا عبدالماجد دریا آبادی، ج ۱، ص ۲۴۴

۱۳ـ سیرۃ النبیؐ ـ علامہ شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۱۷۹ ؛ معرکۂ مذہب وسائنس، ص ۱۰۷ ؛ محمدؐ اور آپؐ کے خلفاء، واشنگٹن اردنگ، ص ۴۸ ـ ۵۴ ـ

۱۴ـ خطبات احمدیہ ـ سر سیّد احمد، مقدمہ، ص ۷۹ ـ ۸۰ ـ

۱۵ـ السیرۃ النبویۃ ـ ابن ہشام، ص ۱۸۳ ؛ جامع ترمذی، ج ۲، باب المناقب

۱۶ـ "Non-Christian Religious Systems" جے ڈبلیو، اسٹیج سٹوبارٹ، ص ۵۴ ؛ محمدؐ اور آپؐ کے خلفاء ـ واشنگٹن اردنگ، ص ۵۲، ۸۰

۱۷ـ معرکۂ مذہب وسائنس (ترجمہ) مولینا ظفر علی خاں، ص ۱۰۸ ـ ۱۰۹ (ملاحظہ ہو حاشیہ)

۱۸ـ۱۹ـ قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ، جارج سیل، پری لمنری ڈسکورس، ص ۴۳ ـ ۴۴ ـ عبارت ملاحظہ ہو:

and alone sufficient to convince the world of its divine original".

۲۰ـ حیات محمدؐ ـ سر ولیم میور، مقدمہ، ص (xxii-xxiii)

۲۱ـ قرآن مجید ـ سورہ الدخان: ۱۴ (وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ۝)

۲۲ـ " ـ سورہ النحل ۱۰۳: (وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ۝)

۲۳ـ محمدیت، ڈی ـ ایس ـ مارگولیس، ص ۶۲ ـ ۶۳

Marfat.com

۲۴۔ قرآنِ مجید، سورہ البقرہ: ۲۳-۲۴-

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ
مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا
فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ
وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا
وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ
الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ
اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝

(اور اگر تم اس کتاب ہی کے بارہ میں
شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندہ پر
اُتاری ہے تو ایک سورت اس جیسی
تم بھی بنا لاؤ اور اپنے حامیوں کو بھی
اللہ کے مقابلے میں بلا لو اگر تم سچے ہو۔
اور اگر تم (یہ) نہ کر سکو، اور ہرگز
نہ کر سکو گے، تو پھر اس آگ سے ڈرو
جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور
(وہ) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے)

۲۵۔ ق م۔ سورۂ ھود: ۱۳۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۖ قُلْ
فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ
مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ
اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

(کیا یہ کہتے ہیں کہ (آپ) نے اسے گھڑ
لیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تو تم
بھی دس سورتیں اسی کی مثل گھڑی ہوئی
لے آؤ۔ اور اللہ کے سوا جن جن کو
بھی تم بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو)

۲۶۔ ق م۔ سورۂ یونس: ۳۸۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۖ قُلْ
فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا
مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

(کیا یہ کہتے ہیں کہ (آپ) نے اس کو
گھڑ لیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اچھا
تم ایک ہی سورت مثل اس کے لے
آؤ۔ اور اللہ کے سوا تم جس کسی کو بلا
سکو، بلا لو۔ اگر سچے ہو)

۲۷۔ ق م۔ سورۃ القیامۃ: ۱۶-۱۹۔ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ

Marfat.com

عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْاٰنَهُ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهُ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۝

۲۸- قرآن- سورہ الشعراء: ۱۹۲-۱۹۵ (وَاِنَّهُ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Marfat.com

ضمیمہ (ازو ظہر)

قرآن مجید

اصابت اور حفظ وصیانت

مضمون کی مناسبت سے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند شبہات کا (جن کا تعلق قرآن مجید کے ربانی الاصل ہونے، اس کے قابلِ اعتماد وثیقہ ہونے، معاش ومعاد دونوں کے مسائل پر محیط ہونے اور اس کے اسلوبِ بیان کی عمدگی سے ہے) ازالہ کر دیا جائے۔ ان کا اظہار سر ولیم میور نے اپنی کتاب حیاتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اور مارگولیس نے اپنی تصنیف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں مختلف جگہوں پر کیا ہے۔ میور نے وان ہیمر (Von Hammer) کی رائے "ہم قرآنِ مجید کو اسی طرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام سمجھتے ہیں جس طرح مسلمان (قرآنِ حکیم کو) اللہ تعالیٰ کا کلام (Word of God) تسلیم کرتے ہیں" سے اتفاق کرتے ہوئے کہا ہے: (Heavenly Original)

"قرآن مجید کا اسلوب بیان جس میں دریاؤں کی سی روانی، آبشاروں کا سا ترنم اور موجوں کی سی جولانی ہے، وقت کے گزرنے کے ساتھ دھیما اور یکساں ہوتا چلا گیا ہے۔ اس کے باوجود کبھی کبھی شور مچاتی ہوئی ندی کی طرح ہمیں ایسے الفاظ سے سابقہ پڑتا ہے جو جذبات کو اُبھارتے اور ارادوں کو بلند کرتے ہیں۔ جب ہم مدینہ کے بڑھتے ہیں تو اگرچہ یہ مذہبی شفاف دکھائی دیتی ہے اور اس کا سفید جھاگ آنکھوں کو دھوکہ دیتے جاتا ہے تاہم اس کے قدرتی اُبھار میں کمی نظر آنے لگتی ہے اور اس کی افزائش میں کئی جانب لپیٹی تفاصیل کی آمیزش دکھائی دیتی ہے۔"

Marfat.com

"قرآنِ مجید نے اگرچہ بُت پرستی کے خلاف مضبوط دلائل سے کام لیا ہے اور ایک زندہ مذہب کی طرح جیتے جاگتے الفاظ استعمال کیے ہیں لیکن اس میں ایسے قصّے کہانیوں کو داخل کر لیا گیا ہے جو مقامی ہیں اور انھیں حاملِ قرآن (صلی اللہ علیہ وسلم) نے محض اپنے تخیّل سے پھیلا دیا ہے۔ جنت اور دوزخ کے واقعات، قیامت اور یومِ حساب کے مناظر اور ایسے ڈراماتی سین جن میں نیک و بد، فرشتے اور جن اور دوسری بَد روحیں آپس میں گفتگو کرتی دکھائی دیتی ہیں، ایسی ہوشیاری سے تیار کیے گئے ہیں کہ انھیں آنحضورؐ کے مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔"[۵]

وہ مزید کہتا ہے:

"کتاب ہدیٰ کو بتدریج نازل کیا گیا ہے[۶]۔ یہ خداوندِ قدوس کا حق ہے کہ وہ مقرر کر دے جو کچھ آپؐ نے یاد کرنا ہے اور جو کچھ بھلانا ہے۔[۷] یہی بات اِس مفروضے پر منتج ہوتی ہے کہ جہاں کہیں دو متضاد بیان جمع ہو گئے ہیں، بعد کی آیات نے پہلی آیات کو منسوخ کر دیا ہے۔ اس واضح غلطی (نعوذ باللہ) کے باوجود ہم قرآنِ مجید کے لیے ایک ایسا توہم پرستانہ احترام لیے ہوتے ہیں کہ ہم اسے وحی سمجھتے ہوئے ربانی الاصل (Heavenly Original) قرار دیتے ہیں۔"[۸]

سر ولیم میور اپنی ایک دوسری تصنیف میں جو (Coran) کے نام سے شائع ہوئی ہے یوں رقمطراز ہے:

"پہلے سال ہجری کے بعد، روحانی اصول دوسرے معاملات سے خلط ملط ہو گئے ہیں اور یوں نظر آتا ہے کہ وحی الٰہی آنحضورؐ کی حکومت (کے منشور کے اظہار) کا ذریعہ بن گئی ہے۔ فتح و شکست کے مسائل، جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا اور ان کے ساتھ سلوک، سِول اور فوجداری قوانین کی تیاری اور نفاذ، شادی بیاہ سے متعلقہ احکامات اور زن و شوہر کے تعلقات اور آنحضورؐ سے متعلق نزاعات ـــــ یہ تمام

Marfat.com

مسائل بغیر سوچے سمجھے مذہب کے کھاتے میں ڈال دیئے گئے ہیں۔" ۶

میور اور اس کے ساتھی یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ جس طرح عیسائیت کے پیروؤں نے اپنے Saints کے نام پر جنت و دوزخ سے متعلق بہت سی خرافات گھڑ کر بدعقیدہ لوگوں کو مسیحیت کی طرف راغب کرنے یا انھیں نظام خانقاہی پر آمادہ کرنے کے لیے بہت سی دل لبھانے یا خوفزدہ کرنے والی داستانوں کی تخلیق کی تھی۔ غالباً اسی طرح پیغمبر اسلام (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے عرب کے بدوؤں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے دیومالائی کہانیاں تیار کر کے "وحی" کے نام سے مشہور کر دی تھیں

وہ کہتا ہے :

"قرآنِ مجید میں جنت اور دوزخ کے مناظر مادی راحتوں اور کلفتوں کی صورت میں ایک ساتھ پیش کیے گئے ہیں تاکہ سادہ لوح عربوں کے ذہن پر دوررس اثرات ڈالے جا سکیں۔ ہمارے نزدیک یہ ایک بچگانہ اور بھدی کوشش ہے . . .

وہ سورہ الدھر (۷۶) کی آیات ۱۱ تا ۲۲ کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ ہیں وہ خوشنما مناظر جو قرآن نے تشنہ کام اور محروم راحت لوگوں کے لیے کھینچے ہیں۔" ۷

میور حضرت زینبؓ بنت جحش کے ساتھ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شادی سے متعلق قرآنِ مجید میں سورہ احزاب کی آیت (۳۷) کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ آپؐ نے حضرت زینبؓ کے ساتھ شادی کر کے (جو آپؐ کے منہ بولے بیٹے زیدؓ بن حارثہ کی زوجہ تھیں) نہ صرف عربوں کی ایک قدیم رسم کے خلاف قدم اٹھایا بلکہ نکاح کا جواز پیدا کرنے کے لیے کچھ آیات گھڑ کر (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیں۔ "خدا کے نام کو آڑ بنانا ایک گستاخانہ (Blasphemy) فعل ہے۔" ۸ مستشرقین میں کچھ اور بھی ہیں (اگرچہ بہت کم) جو قرآن مجید میں تحریف والحاق کے قائل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ذیل کی آیت جس میں آنحضورؐ کو "احمدؐ" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، الحاقی ہے :

"وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ط (الصف ۶۱:۶)

Marfat.com

میور کے متذکرہ بالا اعتراضات نئے ہیں نہ حقیقت پر مبنی۔ قرآن مجید کے نزول کے وقت قریش کے رؤسا بھی اسی طرح سوچتے تھے جس طرح اکثر مستشرقین اور ان کے متبعین (یہود و ہنود) آج سوچتے ہیں[۱۱]۔

کفار کے پاس لوگوں کو آپؐ سے بدظن کرنے کا مؤثر طریقہ یہ تھا کہ آپؐ پر قرآن مجید خود تصنیف کر لینے اور (نعوذ باللہ) اُسے خداوند علیم و قدیر کی طرف منسوب کرنے کا الزام دھریں۔ یا پھر آپؐ کے پیغام کو جھٹلاتے ہوئے وہ یہ کہیں کہ "قرآن ایک من گھڑت چیز ہے جسے رسالتمآب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود ہی گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں آپؐ کی مدد کی ہے۔"[۱۲] اس دور کے مستشرقین اور آج کے متذبذبین کی سوچ میں جو مشابہت پائی جاتی ہے، وہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔

قرآن مجید کو نعوذ باللہ "من گھڑت" قرار دینے والے یا اسے "اساطیر الاولین" سمجھنے والے اگر مذہبی اور سیاسی تعصبات سے بلند ہو کر اس چیلنج پر غور کریں جس کا ذکر گزشتہ صفحات ۱۴۳ تا ۱۴۵ میں کیا گیا ہے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ فصحائے عرب کے لیے قرآن مجید کے مقابلے میں طویل ابواب تو کجا چند ایسی آیات گھڑ لانا بھی جو الفاظ کی شوکت، تشبیہات کی ندرت، مضمون کی جدت اور رفعت اور طرزِ ادا کی تازگی لیے ہوئی ہوں نہ صرف مشکل تھا بلکہ ناممکن بھی تھا۔ مستشرقین نے اس چیلنج کا جو "ناکافی جواب" دیا ہے، وہ انتہائی ناکافی ہے[۱۳]۔ ولید بن مغیرہ[۱۴] اور عتبہ بن ربیعہ کو اگرچہ اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی لیکن قرآن مجید کو سننے کے بعد ان کے جو تاثرات تاریخ و سیرت کی کتابوں میں نقل ہوئے ہیں اس بات پر شاہد ہیں کہ وہ قرآن مجید کو ایک ارفع کلام سمجھتے تھے[۱۵]۔ اگر وہ اسے انسانی کوششوں کا ثمرہ سمجھے ہوئے ہوتے اور ان کے مقابل کی پیغمبری سے انکاری ہوتے تو وہ اسے قبول کر لینے کی صورت میں اپنے کاروبار کے تلپٹ ہو جانے اور اپنے اثر و رسوخ کے خاتمے ہو جانے پر تشویش کا اظہار نہ کرتے۔ یہ ان کی کوتاہ بینی تھی کہ وہ آنے والے دور کی اجتماعی ترقی، معاشی اور تمدنی برتری ہرگز نہ دیکھ سکے۔ اور نہ اُس کا صحیح اندازہ کر سکے جو انہیں اسلام کے جھنڈے تلے رہ کر جدوجہد کرنے سے حاصل ہونے والا تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم

نے آغازِ دعوت ہی میں فرما دیا تھا کہ اگر تم اس پیغام کو قبول کر لو اور اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ جو میں لے کر آیا ہوں تو دنیا اور آخرت میں تمہارے لیے خوش نصیبی ہوگی۔[1]

عتبہ بن ربیعہ نے بھی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ اپنی ملاقات کے بعد سردارانِ قریش کی توجہ جس امر کی طرف دلائی تھی، اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ قرآن مجید کے الفاظ کی دلربائی، اس کے معانی کے حسن اور اس کی لازوال پاکیزگی سے کتنا متاثر تھا۔ اس نے کہا:

"میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہ سنا تھا۔ خدا کی قسم نہ یہ شعر ہے، نہ سحر ہے اور نہ کہانت۔ اے اہلِ قریش! میری بات مانو اور اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ میں سمجھتا ہوں جو کلام غالب ہو کر رہے گا۔ اگر عرب ان پر غالب آ گئے تو اپنے بھائی کے خلاف ہاتھ اٹھانے سے تم بچ جاؤ گے اور دوسرے اس سے نمٹ لیں گے۔ لیکن اگر وہ عرب پر غالب آ گیا تو اس کی بادشاہی تمہاری بادشاہی ہوگی اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی۔"[2]

بایں ہمہ مشرکینِ مکہ یہ کہتے تھے کہ [illegible] ہمارے دل غلاف میں ہیں اور ہمارے کان اس کے سننے سے بہرے ہیں۔[3]

ان کے سردار اپنے حواریوں سے کہتے:

"تم اپنے معبودوں کی پرستش پر ڈٹے رہو، اس بات (قرآن) سے تو کچھ اور ہی مراد ہے۔ [illegible]"

وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس کتاب کی پیروی سے ہم اپنی زمین سے اٹھا لیے جائیں گے۔[4]

لیکن جب قرآن مجید کا اثر بڑھ رہا تھا اور کم کرنے کے لیے ہر طرف سے آپ کی جانب بڑھتے تھے، کبھی قرآن سنتے وقت تالیاں بجاتے اور شور مچا کر اس میں خلل انداز ہوتے۔ وہ یہ باتیں آپس میں کرتے کہ اس بات کو نا قابلِ التفات ٹھہرانا چاہیے۔ قرآن مجید نے ان کی

ہونے کا اسی طرح یقین تھا جس طرح سورج کے ہر روز مشرق سے طلوع ہونے کا۔

قرآنِ مجید نے ان کے رویّوں کا تذکرہ جس انداز سے فرمایا ہے، وہ درج ذیل آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۙ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ۝ ؎

(پس اے نبیؐ! یہ منکرینِ اسلام دائیں اور بائیں سے آپؐ کی طرف کیوں دوڑے چلے آتے ہیں؟) (اسی لیے ناکہ یہ آیاتِ خداوندی کا مذاق اُڑائیں اور ہمارے پیغام کو جھٹلانے کی کوشش کریں)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ ؎

(کفار یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو ہرگز نہ سنو۔ اور شور مچا کر اس میں خلل ڈالو۔ شاید کہ اس طرح تم غالب آجاؤ) *

آئیے! اب ذرا اس جمالِ جہاں آراء کی سیرتِ طیبہ پر نگاہ ڈالیں جو وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ ؎ کا مصداق تھا۔ اور دیکھیں کہ کیا ایسا انسان کبھی جھوٹ سے متہم ہو سکتا ہے؟ اور کیا یہ ممکن ہے کہ جس نے اپنی متحرک زندگی کے چالیس برس میں بھولے سے بھی کبھی جھوٹ نہ بولا ہو۔ وہ ایسی باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کردے جو اسے وحی نہیں کی گئیں؟

اس بات سے کسے انکار ہے کہ تاریخی واقعات کی صحت یا عدمِ صحت کا تمام تر انحصار راوی (Reporter) کے پایۂ علمی، اس کی صداقت، اس کی غیر جانبداری اور واقعات کی پرکھ کے لیے اس کی اہلیت اور بصیرت پر موقوف ہے۔ قرنہا قرن کی تہذیبی سرگرمیوں اور تمدنی کاوشوں کے وہ زریں باب جو ہماری تاریخ کا قیمتی سرمایہ ہیں، بے معنی ہو کر رہ جائیں، اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ فلاں مورخ یا راوی واقعات کے بیان کرنے میں ضعیف تھا، جھوٹا اور مکار تھا، جانبدار تھا اور واقعات کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت سے عاری تھا۔ اسی طرح

Marfat.com

دعوتِ حق (جو ایک علمی تحریک اور مربوط سائنسی نظامِ فکر ہے) کی حقیقت اور اصابت کا تمام تر دار و مدار جہاں دعوت کی نوعیت و ماہیت، اس کے مقاصد کے ذرائع پر ہے، وہاں اس کا انحصار بانیٔ دعوت کی صداقت، اس کے خلوصِ نیت، اس کی علمی بصیرت، اس کے دلائل کی حجت اور قطعیت اور اس کے ضبطِ نفس اور حلم و وقار پر بھی ہے۔ وہ اپنی باتوں میں جتنا سچا ہوگا، اس کے علم کے ذرائع جتنے معتبر اور مستند ہوں گے وہ اپنی کوششوں میں جتنا مخلص اور اپنے عمل میں جتنا بے ریا ہوگا اور انسانی بہبود کے کاموں میں جتنا مستعد ہوگا، اس کے مشن کی کامیابی اتنی ہی یقینی ہوگی، اس کے پیغام کی اثر آفرینی اتنی ہی گہری ہوگی اور اس کے پیروؤں کی استقامت اتنی ہی قابلِ رشک ہوگی۔ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذاتِ گرامی ان فضائلِ کثیرہ اور محامدِ جمیلہ کا مجموعہ تھی جن میں بعض فضائل بعض اصحابِ رُشد و ہدایت کو "بقدرِ ظرف" عطا ہوتے تھے: ؎

سب کو ملا "بقدرِ ظرف" "شعورِ ذات"

اُمّی لقب پہ ختم ہوئی "آگہی" تمام

ٹامس کارلائل کے مطابق آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں یہ سوچنا کہ آپؐ صدق و صفا اور خلوص و وفا کے سوا کچھ اور تھے، نہ صرف غلطی ہے بلکہ ظلمِ عظیم بھی ہے۔ ابوالحکم (ابوجہل) نے محبوبِ داورِ حشر سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ "ہم تجھے نہیں جھٹلاتے۔ ہم تو صرف اس پیغام کو جھٹلاتے ہیں جو تم لے کر آتے ہو۔"[۲۵] (الشفاء۔ ص ۵۹) قرآنِ مجید نے آپؐ کی راست گفتاری اور صدق بیانی پر شہادت دیتے ہوئے اسی واقعہ کو اپنے انداز میں دہرایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

"قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ"[۲۶]	بے شک ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں۔ وہ آپؐ کو رنج پہنچاتا ہے۔ تو یہ لوگ آپؐ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ (یہ ظالم تو) اللہ کی نشانیوں ہی سے انکار کر دیتے ہیں۔)

Marfat.com

نضر بن حارث (جو فسقِ جدید کا امام تھا) جب قریش کی بک بک سُن کر تھک گیا تو کہنے لگا:

" محمد (فداہ اَبی و اُمّی) جب تم میں نوعمر لڑکا تھا، تو وہ اپنی عادات کی پاکیزگی اور اطوار کی عمدگی کے لیے تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ تھا۔ وہ راست گفتار اور امانت دار تھا، مگر جب اس کی داڑھی کے بال سفید ہونے کو آتے ہیں، تم نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ وہ، جادوگر ہے، کاہن ہے، دیوانہ اور شاعر ہے۔ حالانکہ وہ جادوگر ہے نہ کاہن؛ دیوانہ ہے نہ شاعر۔ اے معشرِ قریش! اس معاملے پر غور کرو۔ واللہ! تم پر ایک عظیم امر واقع ہوا ہے۔"

کیا یہ واقعات، جن کا تعلق نبی اکرمؐ کے بدترین دشمنوں سے تھا (ابوجہل ہو یا نضر بن حارث) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت پسندی اور وفاشعاری پر کوئی کم دلیل ہیں؟ کیا آپؐ نے "صادق" اور "امین" کے القاب خود ہی اپنے اسمِ مبارک کے ساتھ چسپاں کر لیے تھے؟ یا یہ "صدق" و "امانت" جیسے اصولوں کو اپنانے کا نتیجہ تھا جن سے آپؐ کی حیاتِ مستعار مزین تھی؟

جب آپؐ سے پوچھا گیا اَیُّ الْاِیْمَانِ اَفْضَلُ؟ تو آپؐ نے فرمایا: خُلُقٌ یعنی "حُسنِ خلق"۔

کیا قریش کے مختلف قبائل، جنھیں آپؐ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر پکارا تھا، بلا وجہ آنِ واحد میں جمع ہو گئے تھے تاکہ وہ نہ صرف آپؐ کی دعوتِ دین کو، جس کی طرف آپؐ انھیں بلا رہے تھے، سُن لیں بلکہ یہ شہادت بھی (بقائمیِ ہوش و حواس) دے سکیں کہ "آپؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا"؟

حالی مرحوم نے کیا خوب کہا تھا:

وہ فخرِ عرب زیبِ محراب و منبر تمام اہلِ مکہ کو ہمراہ لے کر
گیا ایک دن حسبِ فرمانِ داور سوئے دشت اور چڑھ کے کوہِ صفا پر

یہ فرمایا سب سے کہ "اے آلِ غالب
سمجھتے ہو تم مجھ کو صادق کہ کاذب"

کہا سب نے "قول آج تک کوئی تیرا کبھی ہم نے جھوٹا سُنا اور دیکھا
کہا "تیری ہر بات کا یاں یقیں ہے کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امیں ہے

کیا عبداللہؓ بن سلام نے، جو اپنے قبیلے کا مسلّمہ سردار اور ایک عظیم عالمِ دین تھا۔ آپؐ

Marfat.com

کے وجہِ تاباں پر نگاہ ڈالتے ہی، سچ نہیں کہہ دیا تھا کہ "یہ رُوئے مُبارک کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا؟ ۲؎ کیا ایک بدو کی بیوی نے جو مدینہ منورہ میں اونٹ فروخت کرنے آیا تھا، اس بات کی ضمانت نہیں دی تھی کہ وہ خود اپنی جیب سے اس اونٹ کی قیمت ادا کر دے گی جسے ایک "روشن چہرے والے" (فداہ ابی واُمی) نے بغیر قیمت ادا کیے خرید لیا تھا اور فوراً قیمت ادا کرنے میں قدرے تاخیر ہو گئی تھی؟ اس نے کہا تھا کہ اونٹ کا خریدار تابندہ پیشانی اور متبسم چہرے کا مالک ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اونٹ خرید کر قیمت ادا نہ کرے۔ قیافہ شناسوں نے جن کا تجربہ سالوں پر پھیلا ہوا تھا اور جنھیں بصیرت کی گہرائی اور گیرائی (دونوں) حاصل تھیں، جب کبھی بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چہرۂ انور کو دیکھا تو پکار اُٹھے:

"عَرَفْتُ اَنَّ وَجْهَهٗ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ".

اور اگر پاؤں پر نظر پڑی تو کہہ اُٹھے:

"حضرت ابراہیمؑ سے ملتا جلتا پاؤں اس سے زیادہ اور کسی کا ہو نہیں سکتا۔"

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے کیا خوب کہا تھا: ؎

لَوْ لَمْ تَكُنْ فِيْهِ آيَاتٌ مُبَيِّنَةٌ
لَكَانَ مَنْظَرُهٗ يُنْبِيْكَ بِالْخَبَرِ ۲۹؎

میری یہ جسارت قابلِ معافی ہے کہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صدق اور سچائی پر استشہاد کروں۔ اس لیے کہ یہ آپؐ کی وہ صفت ہے جس میں آپؐ کو بعثت سے برسوں پہلے شہرتِ عام حاصل ہو چکی تھی۔ اور جسے اس دور کے بدترین اعدا کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ صدق، بہر حال، باقی تمام محاسن کا سنگِ بنیاد ہے اور جب تک کسی طبیعت میں سچائی کا جوہر پوری آب و تاب سے موجود نہ ہو، تب تک کسی اور اعلیٰ خوبی کی اس میں تلاش تحصیلِ حاصل ہے۔ صدق کے معنیٰ، امام راغب اصفہانی کے نزدیک "دل و زبان کی ہم آہنگی اور بات کا نفسِ واقعہ کے مطابق ہونا" ہیں۔ اگر دونوں میں کوئی ایک شرط مفقود ہو، تو کامل صدق باقی نہیں رہتا۔ ۳۰؎

Marfat.com

ہر اصلاح، ہر دعوت، ہر تبلیغ کسی نہ کسی ملک، کسی نہ کسی قوم، کسی نہ کسی زمانے کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے گلوں کی رہنمائی کے لیے تشریف لاتے تھے، حضرت ہودؑ، حضرت شعیبؑ اور حضرت صالح کا روئے سخن طرف اپنی اپنی قوم کی جانب تھا۔ دنیا کے اس عالمگیر کلیہ سے اگر کوئی استثناء ہو سکتا ہے تو وہ محمد عربی (روحی فداہ) کی دعوت و پیام کا تھا۔ جب ایک پیام اس قدر جامع و مکمل آچکا، تو مشیت ایزدی تقاضا کرتی تھی کہ اس "پیام آخریں" کے لانے والے کی ذات بھی ہر حیثیت سے کامل و مکمل ہو۔ "پیام" اور "پیامبر" دونوں کو ایک دوسرے کے لیے بطور لازم و ملزوم قرار دیا جائے اور دونوں کو ایک دوسرے کی تصدیق کا ضامن ٹھہرایا جاتے۔ لیکن ترتیباً "پیامبر" کا وجود "پیام" پر مقدم ہوتا ہے۔ دنیا کا یہ اعظم و آخر پیغمبر پورے چالیس برس اپنے ہم عصروں کے درمیان رہ لیا، جب جاکر اسؐ پر پیغام حق نازل ہونا شروع ہوا۔ "اسؐ کی پاک و پاکیزہ زندگی اس وقت بھی دشمنوں کے لیے ایک کھلے ہوتے چیلنج کی طرح موجود رہی کہ کوئی اٹھے اور اس میں عیب نکالے؛ کوئی بڑھے اور اس پر حرف گیری کرے۔ لیکن کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حرف گیری کرتا۔ ہر کہہ و مہہ آپؐ کی شرافت اور صداقت کا معترف تھا۔

اس عظیم رہبر و رہنما (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہی فرمایا تھا کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (اپنے اندر اللہ تعالیٰ کے اخلاق (صفاتِ حسنہ) پیدا کرو۔ اور اس عظیم معلم و مصلح نے یہ بصیرت افروز بات کہی تھی کہ:

اَلْخَیْرُ عَادَۃٌ وَ الشَّرُّ حَاجَۃٌ۔ (خیر انسان کا فطرتی تقاضا ہے اور شر محض) نفسیاتی خواہش ہے۔)

اس بلیغ قول سے مراد یہ تھی کہ انسان میں صفاتِ الٰہی بالقوّہ موجود ہیں اور انھیں فعل میں لانا انسان کا اپنا کام ہے۔ وہ وجود مسعود (فداہ ابی) جو دنیا میں حسنِ اخلاق کی تعلیم[۲۱] اور محاسنِ افعال[۲۲] کی تکمیل کے لیے تشریف لاتے تھے، کیوں کر ممکن تھا کہ وہ خود ان محاسنِ اخلاق کا مجموعہ نہ ہوتے جن کے اہتمام کی وہ عمر بھر کوشش فرماتے رہے۔ اِنَّکَ لَعَلٰی

Marfat.com

خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم ۶۸ : ۴) اور عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا[۱۷]
اس بات پر گواہ ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) عظمتِ انسانی کے بلند ترین "مقامِ محمود" پر متمکن تھے۔ اگر صدق آپؐ کا حامی و ناصر نہ ہوتا، خود اعتمادی آپؐ کا خزینہ نہ ہوتی، ذکرِ الٰہی آپؐ کا انیس نہ ہوتا، عجز و انکسار آپؐ کا فخر نہ ہوتا اور علم آپؐ کا ہتھیار نہ ہوتا اور عقل آپؐ کے دین کی اصل نہ ہوتی تو یقیناً آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) انسانیت کے لیے "مکمل نمونہ" نہ بن سکتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ نمونہ بننے کی توفیق صرف اسی وجودِ ذی جُود کو میسر آسکتی ہے جسے جامعیت بھی حاصل ہو اور اکملیت بھی؛ جس کی زندگی خیر و شر، حق و باطل اور حُسن و قبح کا جامع، عالمگیر اور سچا معیار ہو۔

تاریخ اِس بات پر گواہ ہے کہ مشرکینِ مکّہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس وقت بھی "امین" سمجھتے تھے جب آپؐ نے ابھی "دینِ متین" کی دعوت نہیں دی تھی۔ اور وہ اس وقت بھی اپنی قیمتی اشیاء بطورِ امانت، آپؐ کے پاس چھوڑ جاتے تھے جب وہ "دینِ حنیف" کی مخالفت میں اندھے ہو چکے تھے۔ انھیں دن کو آرام تھا نہ رات کو چین۔ حد تو یہ ہے کہ ان کی امانتیں ــ جواہرات و زیورات اور نقدی، اس رات بھی آپؐ کے گھر میں امانت کے طور پر رکھی پڑی تھیں، جب انھوں نے اس "شمعِ فروزاں" کو اپنی پھونکوں سے بجھا دینے کی ناکام کوشش کی تھی۔

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب بھی کسی سے بات کی سچی کی؛ کسی سے وعدہ فرمایا، اُسے پورا کیا؛ کسی سے لین دین کیا، سودے کی شرائط کے مطابق کیا۔ کیا ایسا شخص جس نے "دُور" کے لوگوں کو کبھی دھوکہ نہ دیا ہو، اس ذاتِ اَحد کی طرف جو (وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ[۱۸] رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے، ایسی باتیں منسوب کر سکتا تھا جو غلط ہوں، من گھڑت ہوں اور اپنی خواہشات کے تابع ہوں؟ ہرگز نہیں۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت، راست گفتاری اور عزم و استقلال کا اندازہ اِس دُعا سے کیا جا سکتا ہے جو آپؐ نے طائف سے واپسی پر، یہاں کے بازاری لونڈوں، اوباشوں اور گھٹیا غلاموں سے نجات پا لینے کے بعد، ایک بوسیدہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگاتے

Marfat.com

ہوتے، خدائے عزّ وجل کے حضور مانگی تھی۔ ان تمام نفرتوں کے باوجود جن کا اظہار ثقیف کے رؤساء نے کیا تھا اور ان تمام تکالیف کے علی الرغم جو آپؐ کو وہاں کے لونڈوں کے ہاتھوں اُٹھانی پڑیں، آپؐ کا عزم چٹان کی طرح مضبوط اور ستاروں کی طرح درخشاں نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ حمد پر آپؐ کا بھروسہ اور اپنے داعیٔ حق ہونے پر اعتماد کتنا غیر متزلزل دکھائی دیتا ہے۔ سر ولیم میور کو اِس بات کا اعتراف ہے کہ آنحضور (صلّی اللہ علیہ وسلم) طائف کے میدان میں "تاریخ کی بے رحم کسوٹی" پر پورے اُترے اور ایسے عزم راسخ کا ثبوت دیا جو پہاڑوں کو جواں، مضبوط اور مستحکم رکھتا ہے۔ یہ واقعہ آنحضور (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے اس تیقن کو ظاہر کرتا ہے جو آپؐ کو اپنے 'نبی اللہ' ہونے پر تھا۔ میور کا فقرہ یوں درج ہوا ہے:

His own belief in the divine origin of his calling. Muir, Vo: II, Page 207.

دُعا کے الفاظ یہ ہیں:

"اے اللہ! اپنی قوت کی کمی، اپنی بے سروسامانی اور اپنی بے بسی کی فریاد تجھی سے کرتا ہوں۔ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ درماندہ رہرو کا سہارا تو ہے۔ آخر تُو مجھے کس کے حوالے کرنے والا ہے؟ اگر تُو مجھ سے خفا نہیں تو پھر مجھے کسی کی کچھ پروا نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ میں تیرے ہی نور و جمال کی پناہ مانگتا ہوں۔ جس سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور جس کے ذریعے دین و دُنیا کے تمام کام سنور جاتے ہیں۔" [۳۵]

کفّارِ مکہ کے اعتراضات ہوں جن کی وضاحت قرآنِ مجید کے حوالے سے اوپر کر دی گئی ہے یا مستشرقین Orientalists کے احتمالات جن کا اظہار ان کی تحریروں سے ہوتا ہے، تمام کے تمام صداقت سے عاری اور واقعیت سے دُور ہیں۔ کیا کبھی کوئی کاہن، کوئی شاعر یا کوئی جھوٹا انسان دُنیا کے سامنے ایسا نظامِ فکر پیش کر سکا جیسا آپ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے کیا؟ کیا اُس نے اپنی قوم کی حالت کو بدلنے، اس میں توازن پیدا کرنے اور اُسکے افراد کو آزادی کے ممکنات سے ہمکنار کرنے کے

Marfat.com

لیے وہ انقلابی اقدام کیے جو آپؐ کے ہاتھوں انجام پاتے؟ کیا اس نے انسانیت کی فوز و فلاح اور تعمیر و ترقی کے لیے ایسا عالمگیر دستورِ حیات پیش کیا جیسا آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قرآنِ حکیم کی صورت میں دُنیا کے سامنے رکھا؟ کیا اس نے دُنیا کو چھوڑنے سے پہلے ہزاروں لاکھوں انسانوں کو خدائے بزرگ و برتر کی وحدانیت پر شاہد، اپنی رسالت پر گواہ، فطرت کے اشاروں کا رمز آشنا اور تعلیماتِ قرآنی کا بے باک اور نڈر مبلغ چھوڑا جیسے آپؐ نے اپنے پیچھے چھوڑے؟

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اگر قرآنِ مجید ایسا خوبصورت اور ارفع کلام (نعوذ باللہ) "گھڑا ہوتا" تو ظاہر ہے کہ اس کے لیے تیاری کی ضرورت تھی، مختلف قسم کا مواد درکار تھا، تاریخی واقعات کی چھان پھٹک کے لیے اور معیشت و معاشرت کے مسائل کے تجزیے کے لیے حوالہ کی کتابوں کی ضرورت تھی۔ لکھنے کے لیے قلم دوات چاہیے تھی اور سب سے اہم بات یہ کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا لکھا پڑھا ہونا ضروری تھا۔ لیکن آپؐ تو اُمّیِ محض تھے۔ پڑھنا جانتے تھے نہ لکھنا۔ یہ فنون تو آپؐ کو اِس لیے نہیں سکھائے گئے تھے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔ قرآنِ مجید کا ارشاد ہے:

مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ	(اے نبیؐ! آپؐ اس سے پہلے کوئی
كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ	کتاب نہیں پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے
اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝	ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو باطل
(العنکبوت ۲۹: ۴۸)	پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے۔)

افذ و اکتساب کے مواقع کا نہ ہونا اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ "کتبِ آسمانی کی تعلیمات، انبیائے سابقین کے حالات، مذاہب و ادیان کے عقائد، قدیم اقوام کی تاریخ و تمدن اور اخلاق و معیشت کے اہم مسائل پر جس وسیع اور گہرے علم کا اظہار اس اُمّی (فداہ ابی) کی زبان سے ہو رہا ہے، یہ آپؐ کو وحی کے سوا کسی دوسرے ذریعے سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔" مارگولیس نے جہاں اور بہت سی بے سروپا باتیں کہی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) توراۃ اور انجیل کے علوم کے لیے جبر اور یسار کی طرف رجوع فرماتے یہ دونوں حضرات

لوہا کوٹنے کے کام کے بعد جب کتابِ مقدس کا مطالعہ کر رہے ہوتے تو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) وہاں سے گزرتے اور واقعات کو سن کر یاد فرما لیتے۔ کبھی کبھی آپ صہیب رومیؓ اور عثمان بن الحویرث سے بھی استفادہ کرتے۔

بڑے میاں تو بڑے میاں، چھوٹے میاں سبحان اللہ۔ مارگولیس نے جو کچھ کہنا تھا کہا لیکن جو سر ولیم میور نے کہا ہے، تعجب خیز ہے۔ کہتا ہے :

"The recitations of some credulous and ill-informed jews re-appeared as inspirations of the Al-mighty.

اس کا یہ سمجھنا کہ بعض ضعیف الاعتقاد اور کم علم یہودی حضرات کی انشاد اور خوش خوانی ہی بعد میں قرآنِ مجید کا متن قرار پائی، ایک ایسی بھونڈی کوشش اور پوچ اور لغویات ہے، جو مجھ جیسا کم علم آدمی بھی توراۃ اور انجیل مقدس کے بارے میں نہیں کہہ سکتا باوجود اس بات کے کہ ان دونوں کتابوں کا ایک بہت بڑا حصہ الحاقی اور تحریفی ہے۔ کہاں وحیِ الٰہی کا چشمہ صافی اور کہاں جبر و یسار کی ٹرٹر۔ ثریٰ کو ثریا سے کیا نسبت؟ آنکھوں سے اندھا مارگولیس اور عقل کا پورا میور سمجھتے ہیں کہ یہ گوہرِ نایاب ان آہن گردں سے چمک حاصل کر رہا ہے جو ہادیٔ اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سورۂ یوسفؑ سن کر توراۃ بھول گئے اور حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے۔

اگر نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ادیانِ گزشتہ سے متعلق معلومات جبر و یسار یا پھر عثمان بن الحویرث سے ہی حاصل کرنی تھیں تو چاہیئے تھا کہ آپ خداوند علیم و قدیر کو اسی طرح مانتے جس طرح "پولوس رسول" اور اس کے متبعین مانتے ہیں۔ آپ حضرت عیسیٰؑ کو اسی طرح تسلیم کرتے جس طرح عیسائی کرتے ہیں اور داستانہائے توراۃ کو اسی طرح قبول کر لیتے جس طرح وہ توراۃ کے صفحات پر لکھی ہوئی نظر آتی ہیں۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیوں نہ حضرت عیسیٰؑ کو "ابن اللہ" مان لیا؟ کیوں نہ

Marfat.com

اس بات کا اقرار کر لیا کہ "آسمانی باپ نے اپنے بیٹے کے ساتھ صلیب پر موت کی اذیت برداشت کی"؟ کیوں نہ حضرت لوطؑ کی دونوں بیٹیوں کے قصّے کو درست مان لیا؟ کیوں نہ حضرت یعقوبؑ کی (نعوذ باللہ) دھوکہ دہی کی داستان پر یقین کر لیا؟ کیوں نہ آپؐ نے حضرت موسیٰؑ پر خدا کے غضب کی کہانی کو سچ مان لیا اس لیے کہ انھوں نے رسالت کے بارِ گراں کو قبول کرنے سے معذرت چاہی تھی؟ کیوں نہ آپؐ نے حضرت ہارونؑ کے شرکِ جلی کے قصّے کی تصدیق فرما دی کیونکہ (توراۃ کے مطابق) ان ہی نے سونے کا بچھڑا بنا کر بنی اسرائیل کو ترغیب دلائی کہ اس کی پرستش کریں کہ وہ ان کا معبود ہے؟ آپؐ نے حضرت سلیمانؑ ایسے عاقل اور خدایاد انسان کی (نعوذ باللہ) مشرکانہ عبادات، فاسقانہ اعمال اور سفلانہ حرکات پر کیوں نہ صاد کہہ دی؟ واللہ تعالیٰ ان تمام انبیاء علیہم پر سلامتی نازل فرمائے اور مجھے ان عبارات کے نقل کرنے پر معاف فرمائے)۔ وہ "فارقلیط" اور "منحنّا" جس کے منابعِ علم پر علیسائیوں کو اعتراض ہے، اگر محض قصّہ خواں ہوتا اور خوش خوانی کے تابع، تو ممکن نہ تھا کہ وہ کُندن کو "دھول" سے علیحدہ کر سکتا؛ وہ "حقیقت" کو "افسانے" سے ممیّز کر لیتا؛ وہ حضرت عیسیٰؑ کا صحیح مقام متعین کرنے میں کامیاب ہو سکتا جسے علیسائی "رسولوں"، "راہبوں" اور "خود ساختہ عالموں" نے سمجھنے میں عمریں گزار دی ہیں۔ اور اب بھی معاملہ "معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد" والا ہے۔ یہی ایک دلیل آپؐ کی "سچائی" اور قرآنِ مجید کے "ربّانی الاصل" ہونے کی ہے کہ "پیامِ آخریں" نے انبیاء بنی اسرائیل (علیہم السلام) کو ان تمام اتہامات اور الزامات سے بری کر دیا ہے جو توراۃ اور انجیل کے مصنفین نے اپنی علمی بے بصری، کوتاہ نظری اور شقاوتِ قلبی کے سبب ان کے خلاف عائد کیے ہیں۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بجز وحی الٰہی کون سا ذریعہ تھا کہ آپؐ ان میں سے ہر ایک کا صحیح مقام متعین کرتے، ان کے گرد مفروضہ داستانوں کا جائزہ لیتے اور خالص کو "من گھڑت" سے علیحدہ کرتے۔ یہ آپؐ کا احسان نہیں تو اور کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو تاریخ میں ان کا صحیح مقام دلوایا اور ان کا "جلال ظاہر کیا"۔

قرآنِ مجید نے اس بات کی پُرزور تردید کی ہے کہ ختمی مرتبتؐ وحی الٰہی کے سوا کسی اور ذریعہ علم سے استفادہ کر رہے تھے۔ سورہ النحل کی آیت ۱۰۳ میں یوں ارشاد ہوا ہے:

Marfat.com

"ہمیں معلوم ہے ۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص کو ایک آدمی سکھاتا پڑھاتا ہے حالانکہ ان کا اشارہ جس آدمی کی طرف ہے ۔ اس کی زبان عجمی ہے اور یہ قرآن صاف عربی زبان میں ہے۔" ۴۸

اس پر دادِ تحقیق دیتے ہوئے ، مارگولیس کہتا ہے کہ قرآنِ مجید کا یہ جواب (نعوذ باللہ) غیر تسلی بخش ہے ۔ ۴۹

اپنی صداقت کے ثبوت میں آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی گزشتہ زندگی کو اپنوں اور بیگانوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے فرمایا :

"اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی ہوتی (کہ میں منصبِ نبوت پر فائز نہ کیا جاؤں) تو میں یہ قرآن تمھیں کبھی نہ سناتا ۔ اور نہ تمھیں اس کی خبر پہنچتی ۔ آخر اس سے پہلے میں عمر (کا ایک بڑا حصہ) تمھارے درمیان گزار چکا ہوں ۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ؟" ۵۰

کیا تم میرے تدین ، راست بازی اور صداقت شعاری پر گواہ نہیں ہو ؟ کیا کبھی کسی خفیف معاملہ میں بھی ، مجھے کذب و افترا سے کام لیتے تم نے دیکھا یا سنا ہے ؟ پھر جب یہ نہیں تو اتنے بڑے افترا کی کہ اپنے کلام کو خدائے واحد قہار کا "کلام" کہہ کر لپکا روں ، آخر مجھے جرأت ہو ہی کیونکر سکتی ہے ؟ اور تمھاری عقلیں اس احتمال کو کیسے تسلیم کر رہی ہیں ؟ کیا مکے کی بستی کا کوئی رہنے والا یتیم عبداللہ ، اور جگر گوشۂ آمنہ کے اخلاق و عادات اور سیرت و کردار پر حرف گیری کی جرأت کر سکتا تھا ؟ یتیمی کے دن ہوں یا خوش حالی کا زمانہ ؛ کسبِ معاش کے لیے چوپانی کی ہو یا حریر و دیبا کی تجارت ؛ اعلیٰ الغوا کی تلاش میں خلوت اختیار کی ہو یا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے یتیموں اور بیواؤں کا بوجھ اٹھایا ہو ؛ شعب ابی طالب میں عسرت و تنگی کے دن گزارے ہوں یا عرب کے تاجدار کی حیثیت سے قدموں میں اشرفیوں کے ڈھیر لگے دیکھے ہوں ، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا جو لوگوں سے پوشیدہ رہا ہو یا مرورِ ایام کے ہاتھوں دھندلا گیا ہو ۔ ۵۱

Marfat.com

آپ پر زیادتی اور جانبداری، تصنع اور ریاکاری؛ بددیانتی اور عیاری کے خفیف سے الزام کا خیال بھی ان کے دل میں نہ گزرا ہوگا۔ آپ نے اگر تمام عمر کبھی کسی معمولی سے معمولی معاملہ میں بھی ٹال مٹول اور جھوٹ موٹ سے کام نہیں لیا تو یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن مجید کی تصنیف کا کام ۲۳ برس تک خود انجام دیتے رہے ہوں اور اسے پورے زور اور تحدّی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے رہے ہوں؟ اور پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ان واقعات کا علم آپؐ کی وفادار بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو ہوا ہو نہ رازدارِ محبت حضرت ابوبکر صدیقؓ کو!

مدینۃ العلم حضرت علیؓ کو خبر ہوتی ہو نہ وفاکیش غلام حضرت زیدؓ بن حارثہ کو؟ داڈ کے مطابق ان قریبی عزیزوں، دوستوں اور خادموں کا ایمان لے آنا ہی آپؐ کی صداقت، پاکدامنی اور ضبطِ نفس کی بہت بڑی دلیل ہے۔

سر ولیم میور کی یہ شہادت اس کی کتاب "حیاتِ محمدؐ" کے صفحات کو آج تک مزین کیے ہوئے ہے کہ "ہماری تمام تصانیف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارہ میں ان کے چال چلن کی عصمت، ان کے اطوار کی پاکیزگی پر، جو اہلِ مکہ میں کمیاب تھی، متفق ہیں"۔ ۵۲

باسورتھ سمتھ نے اپنی فاضلانہ تصنیف Mohammad & Mohammedism میں اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے سر ولیم میور کے تعصبات پر سخت نقد کیا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

"آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حضرت زینبؓ سے شادی کے جواز میں آیات کو خود تصنیف کرنے اور خداوند (علیم و قدیر) کی طرف منسوب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ قرآن مجید میں آپؐ کی طرف سے کسی قسم کی تحریف یا الحاق آپؐ کی تمام توانائیوں کو چاٹ جاتا اور کیفیت وہی ہوتی جس کا اظہار ذیل کے شعر میں کیا گیا ہے:

The little rift within the lover's lute, or the little pitted speck in garner's fruit, that rotting inward slowly moulders all.

Marfat.com

کیا (سمتھ کا استدلال ہے) اس قسم کی "کوتاہیوں" کے بعد بھی آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوم کو "فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ" کا چیلنج دے سکتے تھے؟ اگر ایک لمحے کے لیے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت زینبؓ کے ساتھ شادی کے لیے آپؐ نے وہ آیت "گھڑ" لی تھی جو سورۃ احزاب میں زیر آیت ۳۷ نازل ہوتی ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا "عَبَسَ (سورت : ۸۰) کی آیاتِ مبارکہ بھی آپؐ نے خود اپنے خلاف "گھڑ" لی تھیں؟ سورت کی ابتدائی آیات ملاحظہ کیجئے:

عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ ۝ أَن جَاءَهُ الْأَعْمَىٰ ۝ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰ ۝	(ترش رو ہوتے آپؐ اور بے رُخی برتی اس بات پر کہ وہ اندھا (ابنِ اُمِ مکتومؓ) آپؐ کے پاس آیا اور اس گفتگو میں مخل ہوا جو آپ سردارانِ قریش کے ساتھ کر رہے تھے اور انھیں اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر رہے تھے) آپؐ کو کیا خبر شاید وہ سدھر جاتے)
وَأَمَّا مَن جَاءَكَ يَسْعَىٰ ۝ وَهُوَ يَخْشَىٰ ۝ فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ ۝	(اور جو خود آپؐ کے پاس دوڑا آتا ہے اور ڈر رہا ہوتا ہے آپ اس سے بے رُخی برتتے ہیں)
... كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ۝ (عَبَسَ ۸۰ : ۱-۱۲)	(آپؐ ہرگز ایسا نہ کیجئے یہ تو ایک نصیحت ہے (جس کا جی چاہے اسے قبول کرے۔)

حضرت ابنِ اُمِ مکتومؓ نابینا ضرور تھے لیکن کوئی مفلوک الحال اور گرے پڑے انسان نہ تھے کہ نبی اکرمؐ ان کی طرف حقارت کی نظر سے دیکھتے۔ مسئلہ آدابِ گفتگو کا تھا۔ جس کے

Marfat.com

لیے آپؐ نے ناراضی کا اظہار فرمایا۔ ان آیاتِ بینات کے نزول کے بعد (جن میں بعض لوگوں کے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کی خفگی پائی جاتی ہے)، آپؐ نے حضرت ابن اُمِّ مکتوم کو وہ احترام دیا جو بہت کم صحابہ کے حصے میں آیا ہوگا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی غیر حاضری میں انھیں دو مرتبہ مدینہ منورہ کا گورنر مقرر کیا۔ کیا یہ واقعہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اخلاقی عظمت اور کردار کی برتری کا ثبوت نہیں؟ کیا یہ اس بات کی غمازی نہیں کرتا کہ جو کچھ خداوندِ بزرگ و برتر کی طرف سے نازل ہوتا رہا، اُسے آپؐ نہایت خلوص اور دیانت سے لوگوں تک پہنچا دیتے رہے۔

درج ذیل آیاتِ مبارکہ کا مطالعہ، جن کے متعلق میور کا خیال ہے کہ ان کے پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور یوں نظر آتا ہے کہ جیسے وحی کی صداقت کا انکار کرنے والوں کے لیے بددعا کی گئی ہے۔[55]

کیا یہ آیات بھی جن کے پہلے مخاطب محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) خود ہیں، آپؐ ہی نے گھڑ لی تھیں:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ
الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ
بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ
الْوَتِينَ ۝ فَمَا مِنكُم مِّنْ
أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۝[56]

(اور اگر اس نبیؐ نے خود گھڑ کر کوئی
بات ہماری طرف منسوب کی ہوتی
تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے اور
اس کی رگِ گردن کاٹ دیتے۔ تو
پھر تم میں سے کوئی (ہمیں) اس کام
سے روکنے والا نہ ہوتا۔)

یہاں پر سورۃ الروم (۳۰) کی ابتدائی آیات کا حوالہ انتہائی دلچسپ ہوگا[57] جن میں قرآن مجید نے (Heraclius) کے ایرانی سلطنت پر دوبارہ غلبہ حاصل کر لینے کی پیشین گوئی کی تھی۔ کیا یہ آیاتِ بینات بھی، جو واقعہ کے رونما ہونے سے کئی سال پہلے نبیِ امی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوئی تھیں، اور جن کی صداقت پر گبن[58] ———— اور ڈریپر جیسے عیسائی مورخین اور ماہرِ علوم انسانی گواہ ہیں، محبوبِ داور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی خواہش سے

Marfat.com

"گھڑ" لی تھیں اور پھر اللہ تعالیٰ (عالِمُ الغیب وَالشَّہادہ) کی طرف منسوب کر دی تھیں؟ کیا کوئی ماہر نجومی یا صاحبِ بصیرت مؤرخ یہ کہہ سکتا تھا کہ رومی شکست کھانے کے بعد چند سالوں کے اندر پھر غالب آجائیں گے؟ اسباب و علل کا تمام سلسلہ (جس کے تیج و خم میں مغربی ذہن اُلجھا ہوا ہے) رومن ایمپائر کے مشرقی حصے کی مزید تباہی و بربادی کی گواہی تو دیتا تھا لیکن ۶۱۴ء یا ۶۱۵ء کی کربناک شکست کے بعد ان کے جی اُٹھنے کی شہادت دینے سے اِبا کرتا تھا۔ اس لڑائی میں ایران کی مجوسی افواج نے رومن ایمپائر (سلطنت) کے تمام کس بل نکال دیئے، ان کے گرجوں کو پیوندِ زمین کر دیا اور ان کی عظمت کو خاک میں ملا دیا۔ ڈریپر نے اس واقعہ کو جس خوبصورتی سے بیان کیا ہے اس کی زبان سے سُنیئے۔ کہتا ہے:

"غرض خسرو نے دریائے فرات کو عبور کیا۔ شام کے مسیحی فرقوں نے جو قسطنطنیہ کی طرف سے خار کھائے بیٹھے تھے، اس کی فوج کے رستے میں اپنی آنکھیں بچھا دیں۔ حملہ آور کا خیر مقدم ہر جگہ نہایت تپاک سے کیا گیا... انطاکیہ، قیصریہ اور دمشق یکے بعد دیگرے نہایت آسانی سے مسخر ہوتے چلے گئے۔ بیت المقدس کسی قدر مزاحمت کے بعد ایک ہلّہ میں سر ہو گیا۔"

"ایرانیوں نے مرقدِ مسیحؑ اور قسطنطین و ہلینا کے گرجاؤں میں آگ لگا دی۔ صلیبِ عیسوی کو بطور یادگارِ فتح ایران بھیج دیا... مقدس تبرکات کو جنہیں دستِ اوہام نے بڑے چاؤ سے جمع کیا تھا، نیست و نابود کر دیا... جب مصر فتح ہوا تو اسکندریہ کے بطریق نے بھاگ کر قبرص میں جا پناہ لی"...

"ایک وہ زمانہ تھا کہ شام، مصر اور ایشیائے کوچک میں معجزوں کی بھرمار تھی۔ کوئی گرجا ایسا نہ تھا جو ایک طول و طویل فہرست آسمانی نشانات کی پیش نہ کر سکتا ہو۔ بات بات پر معجزے اور کرامتیں ظاہر ہوتی تھیں لیکن اس نازک موقع پر جب آسمانی نشانات کی ایسی سخت ضرورت تھی ایک بھی نشان ظاہر نہ ہوا۔" ۵۹

رومی شہنشاہ نے ایک ہزار گھوڑے، ایک ہزار دینار اور ایک ہزار دوشیزائیں ادا کر کے خسروِ ایران سے صلح چاہی۔ عیسائیوں نے خداوند یسوع مسیحؑ کے حضور بڑی دُعائیں مانگیں مگر

Marfat.com

کوئی معجزہ رونما نہ ہوا۔ اگر مسلمانوں نے علیسائیوں کی زبوں حالی پر اظہارِ افسوس نہ کیا ہوتا اور حضرت ابوبکرؓ نے اُبی بن خلف کے ساتھ شرط نہ بدی ہوتی تو ربّ واحد و قہار، انھیں کبھی فتح یاب نہ کرتا۔ یہ سورت اُسی مُنعِم کی طرف سے پیغمبرِ برحق پر نازل ہوئی جو ہمہ بیں اور ہمہ داں ہے، جو اسباب و علل کی کڑیوں کو جوڑنے اور توڑنے والا ہے اور جو ذلت و رسوائی کے بعد عزت اور کامیابی عطا کرنے پر قادر ہے۔ اس پیشین گوئی کا درست ثابت ہونا اور ایرانی سلطنت کی قوت کا ایک ایسے آدمی کے ہاتھوں ۶۲۴ء میں پاش پاش ہو جانا، جسے کل تک "اپنی خبر نہ تھی"، اگر محمدؐ (فداہ ابی و اُمی) کی صداقت اور قرآنِ مجید کی اصابت پر گواہ نہیں تو اور کیا ہے؟ گبن کو بھی اعتراف ہے کہ یہ تاریخی واقعہ محمدؐ مصطفیٰ کا ایک عظیم معجزہ ہے جسے قرآنِ حکیم نے ہمیشہ کے لیے اپنے صفحات پر رقم کر دیا ہے۔ ۷۰

باسورتھ سمتھ نے اس طویل اور اہم بحث کو جسے سر ولیم میور اور مارگولیس جیسے عیّار اہلِ قلم نے چھیڑا ہے، سمیٹتے ہوئے کہا :

"آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت کے منصب پر فائز ہوتے تھے۔ اس سے کم نہ زیادہ۔ جس طرح انبیائے بنی اسرائیل (علیہم السلام) اللہ تعالیٰ کے احکام کا آغاز کرتے ہوئے فرماتے تھے :

"Thus saith the lord".

اسی طرح قرآنِ مجید کی تلاوت سے پہلے آپؐ فرمایا کرتے تھے قُلْ ((Say)).
جس سے مراد یہ ہے کہ وحی کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغام کو پہنچانے کے ذمّہ دار تھے۔ آپؐ بے خطا اور بے چون و چرا پیغام بر (Un-erring Mouthpiece) تھے اس خدائے نامحدود اور غیر فانی کے، جس کی ابتدا ہے نہ انتہا۔" ۷۱

مسیلمۃ الکذاب نے محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (مغربی مادہ پرستوں کی طرح) چشمِ حرص و آز سے دیکھتے ہوئے، موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور ایک خط

Marfat.com

تحریر کیا اور کہا کہ مَیں بھی تمھارا بھائی ہوں۔ یہ اچھا موقع ہے کہ ہم (باہم مل کر کام کریں) اور اس زمین کو آپس میں بانٹ لیں۔ جب یہ خط اس "صادق" اور "امین" کی خدمتِ اقدس میں پہنچا جن کا ہر عمل ریا سے پاک اور خود نمائی سے مبرّا تھا۔ تو آپؐ نے لکھا:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، اللہ کے رسول کی طرف سے مسیلمہ کذّاب (جھوٹے) کے نام:

"مجھے تمھارا خط جو اللہ تعالیٰ پر کذب و افترا سے بھرا ہوا ہے، ملا۔ زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ اُسے اپنے بندوں میں سے جنھیں چاہتا ہے دیتا ہے۔ وہ لوگ جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، کامیاب ہوں گے۔ سلامتی ہے اس شخص کے لیے جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔"[۶۲]

کیا اِس خط میں آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شخصیت جھلکتی نظر نہیں آتی؟ کیا جواب کا اسلوب 'صدق و صفا' کے جوہر کو نکھارتا دکھائی نہیں دیتا؟ کیا سچے اور کھرے انسان جھوٹوں کا اسی طرح جواب نہیں دیتے؟ کیا اس میں مکر و ریا (Diplomacy) کا کوئی شائبہ دکھائی دیتا ہے؟ بالکل اسی طرح جب ایک عیسائی قبیلے نے اس شرط پر اطاعت قبول کرنے کی پیش کش کی کہ آپؐ انھیں اپنے اختیارات کا کچھ حصہ دے دیں۔ تو آپؐ نے فرمایا:

"مَیں تمھیں ایک تنکا بھی دینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"Not one un-ripe date".[۶۳]

یہ واقعات محض تاریخ کا "بوجھ" ہی نہیں بلکہ ایک ایسی ہمہ گیر، قدآور اور تاریخ ساز شخصیت کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں جسے "عیسائی راہبوں" اور "پوپ علماء" نے محض تعصب اور عناد کی بنا پر دوسروں کی نظروں میں "چھوٹا" کر کے دکھلانے کی مذموم کوشش کی ہے۔[۶۴] حالانکہ مارگولیس اور گاندھی جیسے آدمی اپنا نام اُنؐ کے "ثنا خوانوں" میں لکھانے میں شرف محسوس کرتے ہیں۔[۶۵]

گولڈسٹن نے اپنی حالیہ تصنیف (The Sword of the Prophet) میں وحی کی اصابت اور دینِ الٰہی کی وحدت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے:

Marfat.com

"آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی تعلیمات کا انحصار دینِ ابراہیمی پر کیا ہے۔ یعنی قدیم یہودیت پر۔ لیکن آپؐ نے یہ بات واضح کردی کہ جو پیغام حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے تھے، اسے زمانہ مابعد کے یہودیوں نے بدل دیا اور اس میں تحریف کے مرتکب ہوئے۔ حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو اصل دین کی طرف لانے کی پوری کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ اس کے بندوں کو گناہ کے نتائج سے خبردار کریں۔ لیکن جس طرح یہودیوں نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا اور اس میں تحریف کردی۔ اسی طرح عیسائیوں نے بھی انجیل کی پاکیزہ تعلیم کو بدل ڈالا اور اس میں تحریف کردی چنانچہ خداوند قدوس نے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بنی نوعِ انسان کی رہنمائی کیلئے چن لیا۔ آپؐ کا پیغام تمام اقوام و ملل (یہودیوں، عیسائیوں، بت پرستوں اور ستارہ پرستوں) کے لیے تھا۔ آپؐ نے کبھی اپنے آپ کو ایک نئے دین کا پرچار کرنے والے کی حیثیت سے پیش نہیں کیا۔ بلکہ اپنے آپ کو ایک ایسے دین کے داعی کی حیثیت سے متعارف کرایا جسے اللہ تعالیٰ نے "اسلام" یا 'دینِ حنیف' کے نام سے یاد فرمایا ہے۔"

"آپؐ کی تعلیمات میں جو "کہانیاں" یا "قصے" پرانے نوشتوں سے لیے گئے ہیں، وہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں مروجہ داستانوں سے مختلف ہیں۔ بخلاف توراۃ اور انجیل کے جن میں انبیاء علیہم السلام کی سوانح لوگوں کی لکھی ہوئی ہیں، قرآنِ مجید میں آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات خداوندِ قدوس کے "اپنے الفاظ" میں بیان ہوئی ہیں۔ کتابِ آخریں میں شامل پیغامات، بیانات اور احکامات "قل" کے لفظ سے شروع ہوتے ہیں۔ جس سے صاف نظر آتا ہے کہ یہ وہ احکام ہیں جن کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسروں تک پہنچانے کے لیے کیا گیا ہے . . . اس طرح قرآنِ مجید کے الفاظ جو فصیح عربی زبان میں نازل ہوئے ہیں، انتہائی احترام و تقدس کے لائق ہیں۔ یہی وہ الفاظ ہیں جن کی مدد سے وہ خدائے واحد کی مرضی

Marfat.com

پہچان سکتا ہے اور ابدی حقیقت کے سامنے سرنگوں ہو سکتا ہے۔ اسلام کے معنیٰ اپنے آپ کو قادرِ مطلق کی مرضی کے سامنے جھکا دینے کے ہیں۔"[۶۶]

میور کا یہ اعتراض کہ قرآن مجید میں اخلاقی اصولوں کو دنیاوی معاملات کے ساتھ گڈمڈ کر دیا گیا ہے یا عقلِ محض اور عقلِ مادی میں توافق پیدا کر دیا گیا ہے، درحقیقت دینِ اسلام کی تعلیمات اور تمدنِ اسلامی کی خصوصیات سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ وہ شخص جس نے راہبانہ نظامِ زندگی میں آنکھیں کھولی ہوں، جہاں فرد صرف اپنی نجات کے لیے تگ و دو کرتا ہے، جہاں دین اور دنیا کے راستے ایک دوسرے سے الگ ہیں اور جہاں سائنس اور مذہب کے ٹھکانے جُدا جُدا ہیں، وہ بیچارا اسلام کے معاشرتی نظام کو کیونکر سمجھ پاتے گا جس میں دین اور دُنیا ایک ہی چہرے کے دو رُخ ہیں۔

اسلام نے جہاں اُخروی زندگی کی فوز و فلاح کو اپنا مقصود ٹھہرایا ہے، وہاں اس نے مادی زندگی کی تعمیر و ترقی پر بھی پوری توجہ دی ہے۔ وہ افراد کی توانائیوں، ان کی صلاحیتوں، ان کے رویّوں اور ان کے طرزِ عمل کو اِس لیے بہتر بنانا چاہتا ہے کہ انھیں معاشرے اور قوم کی ترقی اور خوش حالی کے لیے کام میں لایا جا سکے۔ اخلاقی اقدار کی نشوونما اور کردار کی تعمیر صومعوں یا جنگلوں میں نہیں کی جا سکتی اِس لیے کہ یہاں پر جذبات کو (کچھ وقت کے لیے) دبایا تو جا سکتا ہے، ان کی تہذیب نہیں کی جا سکتی۔ انسانی سیرت و کردار کی تعمیر سوسائٹی کے اندر رہتے ہوئے، ان اداروں کی نگرانی میں کی جانی چاہیے جنھیں اس سوسائٹی نے اپنے نظریات، اپنی ثقافت، اپنی تاریخی روایات اور رسم و رواج کے تحفظ اور ترقی کے لیے قائم کیا ہے۔

اگر حضرت عثمان بن مظعونؓ زندگی کی ناہمواریوں اور زمانے کے بے رحمانہ سلوک سے بچنے کے لیے گوشہ گیری اختیار کرتے ہیں، تو شارعِ (علیہ السلام) انھیں بلا کر سمجھاتے ہیں:

"بھائی! یہ ہمارا طریقہ نہیں ہے۔ میری طرف دیکھو۔ مَیں نماز پڑھتا ہوں اور سوتا ہوں؛ روزہ رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں؛ بیاہ شادی کرتا ہوں اور مشاغلِ زندگی گزارتا ہوں۔ جس نے میری سنّت کی اتباع سے پہلوتہی کی وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔"[۶۷]

Marfat.com

اِس کے برعکس جب شہزادہ فلپ سے (ملکہ الزبتھ کے شوہرِ نامدار) اِس بات کی شکایت کی گئی کہ ان کے محافظ دستے کا ایک افسر اپنی منکوحہ بیوی کے ہوتے ہوتے، ایک اور شادی شدہ خاتون سے محبت کی پینگیں بڑھا رہا ہے اور اس کا یہ باغیانہ عمل "شہزادے کی شہرت کو خراب کر سکتا ہے، تو شہزادے نے کہا: بھئی! یہ اس کا ذاتی فعل ہے۔ اِس میں میری مداخلت غیر مناسب ہے۔" عالم پناہ "یہ کہنا چاہتے تھے کہ ہماری مداخلت کا جواز اسوقت تک پیدا نہیں ہوتا جب تک ہمارے آفیسر کی داستان" عنادل کی زبان" پر نہ ہو ادا معاملہ (Public Scandal) نہ بن جاتے۔ کسی مغرب پرست (Occidental ذہن کے لیے مذہب کا وہ تصور جو اسلام پیش کرتا ہے، سمجھنا بہت مشکل ہے۔ وہ تو مذہب کو ایسی افیون کے مشابہ سمجھتا ہے جسے استحصالی قوتوں نے عوام کو اپنے چنگل میں دبا رکھنے کے لیے تیار کی ہے۔

دُرخیم (Dur Kheium) نے مذہب کی ضرورت پر زور دیتے ہوتے، اس کے مقاصد کی تشریح کرنا چاہی ہے۔ وہ کہتا ہے:

> "مذہب کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ ہمیں (صحیح) عمل پر اُبھارے اور ہم میں جینے کا حوصلہ پیدا کرے۔ عبادات اپنی خارجی صورت میں ان تمام ذرائع کا مجموعہ ہوں جن سے دین تازہ ہوتا رہے اور وقت کے بدلتے ہوتے تقاضوں کو پورا کر سکے۔" ؎

واٹ (M. Watt) کے مطابق "عیسائیت میں تجارت، اقتصادیات، سیاسیات اور صنعتی روابط مذہب کے دائرے سے خارج کر دیئے گئے ہیں کیونکہ اصحابِ دانش زندگی کے ہر شعبے کو اقتصادی نظام سے مربوط کرنے کی فکر میں ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اخلاقی برتری اور روحانی پاکیزگی کا اجتماعیت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ محض انفرادی مسئلہ ہے۔"

واٹ کے اس ادّعا کے برعکس، اسلام ایک ایسا دین ہے جو معاش و معاد دونوں پر محیط ہے۔ جہاں قرآنِ مجید نے عبادات پر زور دیا ہے وہاں حقوق و فرائض کی ادائیگی اور حُسنِ عمل کی اہمیّت کو نظر انداز نہیں کیا؛ جہاں رُوح کی بالیدگی اور اس کے ترفّع کو پیشِ نظر رکھا ہے

Marfat.com

وہاں عقل و فہم کے استعمال اور فکر و رائے کی آزادی کو معاشرے کی ترقی کے لیے شرط اوّل قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاءً وَّ نِدَاءً ۚ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝	(یہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان کی حالت بالکل ایسی ہے۔ جیسے چرواہا جانوروں کو پکارتا ہے اور وہ ہانک پکار کے سوا کچھ نہیں سنتے۔ یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں۔ اس لیے کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔)

درج ذیل آیت مبارکہ پر غور فرمایئے۔ دین و دُنیا کا کس قدر حسین امتزاج پیش کیا ہے جہاں مادی اسبابِ معیشت سے مناسب حد تک لُطف اندوز ہونے کو جائز قرار دیا ہے، وہاں سوسائٹی کے بے کس اور بے سہارا طبقے کی مدد پر اُکسا کر زندگی کے تحفظ اور مفلوک الحال لوگوں کی اعانت کی طرف ایک اہم قدم اُٹھایا ہے۔ حکم ہوتا ہے :

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (۲۸ : ۷۷)	(جو مال اللہ تعالیٰ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر۔ اور دُنیا میں سے بھی اپنا حصّہ فراموش نہ کر۔ احسان کر جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے۔ اور زمین پر فساد برپا نہ کر۔ اللہ تعالیٰ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔)

اسلام نے اگر اخلاقی اصولوں کے ساتھ ساتھ مادی زندگی کو پُروقار گزارنے اور اسے ایک بھرپور اور خوشگوار تجربہ بنانے کے لیے اصول وضع کیے تھے تو صرف اس لیے کہ اس کے نزدیک موجودہ زندگی اُخروی زندگی کا دیباچہ ہے۔ انسان خیر و شر کی اسی کارگاہ میں آزمایا جائے گا اور اس کے اعمال کی بنیاد پر جو وقت اور زمانے کی حدود کے اندر وقوع پذیر ہوتے

Marfat.com

ہیں، نتائج مرتب کیے جائیں گے۔ نیک آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔ جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ہے اور بد آخرت میں ان لوگوں کی معیت میں اٹھائے جائیں گے جو عذاب کے حقدار ہیں۔ اسلام چونکہ ایک مکمل دین ہے اور ایک جامع نظامِ حیات، اس لیے وہ اعتقادات و عبادات کی اصلاح کے ساتھ ساتھ نوعِ انسانی کے دوسرے مسائل — فتح و شکست، قیدیوں کے ساتھ سلوک، سول اور فوجداری قوانین کے انضباط، اجراء اور نفاذ، شادی بیاہ سے متعلق احکامات، زن و شوہر کے تعلقات، ذمیوں کے حقوق، جزیہ اور فیٔ کی تعیین کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

اسلام کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے قانون سازی کے کام کو جامد (Static) نہیں چھوڑ دیا بلکہ وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے قرآن و سنت سے رہنمائی حاصل کرنے کے علاوہ اجتہاد (تدبر، تفکر اور تفقہ فی الدین) سے کام لینے پر زور دیا ہے اس طرح اسلام نے جہاں وحیِ الٰہی کو علم کا باوثوق ذریعہ قرار دیا ہے، وہاں "شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" کی رُوح کو بھی جاری و ساری رکھا ہے۔

رہا میور کا یہ اعتراض کہ قرآنِ مجید کا "اسلوبِ بیان اوّل سے آخر تک ایک جیسا نہیں رہا، کتاب (آخر) میں ایسی" داستانیں شامل کر لی گئی ہیں جن کی بھرمار آنکھوں میں کھٹکتی ہے، اور "ناسخ و منسوخ" آیات کے مسئلہ نے قرآنِ مجید کی اصابت اور پاکیزگی پر سخت ضرب لگائی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ مجید کا نزول بتدریج ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ آیاتِ بیّنات کا صوتی آہنگ موقعہ اور محل کے مطابق ہونا چاہیے۔ ایک منجھا ہوا مقرر جانتا ہے کہ اس نے اپنے انداز، اپنی حرکات و سکنات اور محاکات کو موضوعِ گفتگو کے مطابق کس طرح ڈھالنا ہے۔ تاکہ الفاظ سامعین کے دل میں اُتر جائیں۔ مضمون کا ربط، دلائل کی قطعیت اور سہولت جہاں اُن کی عقل کو مسخر کر رہی ہو وہاں ان کے دل کو بھی مسحور کرنے والی ہو۔ سامعین یہ محسوس کرنے لگیں

ع میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

یہی حال قرآنِ مجید کا ہے۔ شروع میں دعوت کی مناسبت سے فقرے چھوٹے تھے، زبان

Marfat.com

شُستہ اور پُراثر تھی قوم کے مذاق کے مطابق فصیح و بلیغ تھی۔ تمام مثالیں ان کے ماحول سے لی گئی تھیں تاکہ مضمون کو سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری نہ ہو۔ آیات میں غنائیت پائی جاتی تھی۔ اسلوبِ بیان اس قدر نِکھرا اور ستھرا تھا کہ شعراء نے شاعری چھوڑ دی۔ در کعبہ پر جہاں لمبے قصائد (Odes) لٹکائے جاتے تھے، اب قرآنِ مجید کی آیات آویزاں کی جانے لگیں۔ اندازِ بیان دعوت کی نوعیت سے براہِ راست تعلق رکھتا تھا۔

چند سالوں کی دعوت کے بعد ایک ایسا مرحلہ بھی آیا جس میں عظیم کشمکش برپا ہو گئی۔ "شرارِ بولہبی" "چراغِ مصطفوی" سے ٹکرانے لگا۔ مشرکینِ مکہ نے آیاتِ خداوندی کا مذاق اُڑاتے ہوئے انھیں "مفتریات" قرار دیا یا پھر "اساطیر الاوّلین"۔ اس دوران میں ایسی سورتوں کا نزول ہوا جن کا اسلوبِ بیان شوخ تھا، جن میں موجوں کی سی روانی اور شعلے کی سی لپک تھی۔ غلط کاروں کو ڈرانا مقصود تھا اور راست بازوں کو سکون و ثبات کا مژدہ سنانا تھا۔

واقعات کا انتخاب شارع علیہ السلام کے تخیل (Imagination) نے نہیں کیا بلکہ خود خداوندِ علیم و قدیر نے کیا جو اس کتاب کا نازل کرنے والا تھا۔ "غفلت کی نیند سوتے والوں کو ان قوموں کے انجام سے ڈرایا گیا جن کی تاریخ سے وہ بخوبی واقف تھے؛ ان تباہ شدہ بستیوں کے آثار سے عبرت دلائی گئی جن کے کھنڈروں پر سے شب و روز اپنے سفروں میں ان کا گزر ہوتا۔ توحید اور آخرت کی دلیلیں ان کھلی کھلی نشانیوں سے دی گئیں جو رات دن زمین اور آسمان میں ان کی آنکھوں کے سامنے نمایاں تھیں اور جن کو وہ خود اپنی زندگی میں بھی ہر وقت دیکھتے اور محسوس کرتے تھے۔"

"شرک، اور دعوائے خود مختاری، انکارِ آخرت اور تقلیدِ آبائی کی غلطیاں ایسے بیّن دلائل سے واضح کی گئیں جو دل کو لگنے اور دماغ میں اُتر جانے والے تھے۔ پھر ان کے ایک ایک شبہ کو رفع کیا گیا، ایک ایک اعتراض کا معقول جواب دیا گیا، ایک ایک الجھن جس میں وہ خود پڑے ہوتے تھے، صاف کی گئی۔ اس کے ساتھ ان کو خدا کے غضب اور قیامت کی ہولناکیوں اور جہنم کے عذاب کا خوف دلایا گیا۔ اور اخلاق و تمدن وہ بڑے بڑے بنیادی اصول ان کے سامنے پیش کیے گئے جن پر ہمیشہ خدا کی پسندیدہ صالح تہذیبوں کی تعمیر ہوتی چلی آ رہی ہے۔"

Marfat.com

جب مکّی زندگی ان مقاصد کی تکمیل میں سدّ راہ ہوتی جو اسلام نے اپنے پیش نظر رکھے تھے، تو آنحضرت (صلّی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے مولد و مسکن کو چھوڑ کر یثرب کی طرف ہجرت فرمائی، مدینہ کے مخصوص حالات، مہاجرین کی آبادی، منافقین کی سرگرمیاں، مشرکینِ مکّہ کی دھمکیاں، مواخاۃ کی ضرورت اور دفاعِ دین و ایمان کے لیے جدّ و جہد ـــ ایسے مسائل تھے جنھوں نے دعوت کی نوعیت، اس کے اسالیب، حصول کے طریقوں اور جائزے کے معیاروں کو کلیتہً بدل دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ مرحلہ خود کئی ایک مرحلوں پر مشتمل تھا اور دعوتِ حق کو وسعت دینے، قبائلِ عرب کے ساتھ افہام و تفہیم پیدا کرنے اور انسانی وسائل کو بروئے کار لانے کا تقاضا کرتا تھا۔

آپ دیکھیں گے کہ اگر مکّی سورتوں میں بنیادی تعلیمات ـــ توحید و رسالت، معاش و معاد، صبر و قناعت اور اخلاق و انفاق فی سبیل اللہ پر زور دیا گیا ہے، تو مدنی سورتوں میں خطاب ایک نیا اسلوب اور آہنگ اختیار کر گیا ہے۔ "یہاں ہم مسلمانوں کی ایک ایسی ریاست کو وجود میں آتے دیکھتے ہیں جس میں پھلنے پھولنے کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں۔ مدنی سورتوں میں وحیِ الٰہی کا تعلق انفرادی مسائل سے کہیں زیادہ اجتماعی تعمیر و ترقی سے ہے۔" "ان میں بتایا گیا ہے جماعت، ریاست اور مدنیتِ صالحہ کی تعمیر کس طرح کی جائے، زندگی کے مختلف شعبوں کو کن اصول و ضوابط پر استوار کیا جائے۔ منافقین کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے، جہاد کی غرض و غایت کیا ہو اور اس کی حدود کا کیسے تعین کیا جائے۔ اہلِ کتاب سے تعلقات کی نوعیت کیا ہو اور اہلِ ایمان کا یہ گروہ دُنیا میں خداوندِ قدوس کی خلافت کے فرائض انجام دینے کے لیے اپنے آپ کو کس طرح منظم کرے۔"

ان آیاتِ بیّنات میں "ایک طرف مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کی جاتی تھی، ان کی کمزوریوں پر تنبیہ کی جاتی تھی، ان کو راہِ خدا میں جان و مال سے جہاد کرنے پر آمادہ کیا جاتا تھا... دوسری طرف ان لوگوں کو جو دائرۂ ایمان سے باہر تھے نرمی سے دعوت دینے، سختی سے ملامت کرنے، خدا کے عذاب سے ڈرانے اور سبق آموز واقعات سے عبرت دلانے کی کوشش کی جاتی تھی تاکہ ان پر حجت تمام کر دی جائے۔"

Marfat.com

ظاہر ہے کہ مقاصد میں ترفع اور ترقی کے ساتھ قرآنِ مجید کے اسلوب اور دعوت کے انداز کو بدلنا ضروری تھا اس لیے جو فرق مکی اور مدنی سورتوں میں مستشرقین کو نظر آتا ہے یا مدنی سورتوں میں یکسانیت انھیں دکھائی دیتی ہے۔ وہ حقیقی اور نفسیاتی ہے نہ کہ مصنوعی اور اوپری۔ جس طرح پہاڑی ندی مرغزاروں میں داخل ہونے کے بعد پُرسکون ہو جاتی ہے، اس کی رفتار میں یکسانیت، روانی اور وقار آجاتا ہے، اسی طرح قرآنِ مجید کی بعد کی سورتیں بھی تمکنت اور وقار لیے ہوئے ہیں۔ اس اسلوب کو "اختلاط پذیر" کہنا نادانی نہیں تو اور کیا ہے؟ قرآنِ مجید میں آیات کی "ترتیبِ توقیفی" ان ستاروں کی مانند ہے جو نیلگوں آسمان پر اربوں سالوں سے چمک رہے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی ان کی ترتیب پر غور کیا؟ کیا ان کو دیکھ کر کبھی آپ کو اکتاہٹ ہوتی؟ علم سیارگان کا واقف جانتا ہے کہ ہر ستارہ اور ہر سیارہ اپنی جگہ پر ایک خاص حیثیت کا مالک ہے۔ سمندروں کی موجوں سے کھیلنے والا ملاح جانتا ہے کہ وہ ان کی رہنمائی کے بغیر راہ پا سکتا ہے نہ منزلِ مقصود کو پہنچ سکتا ہے۔ شمالی نصف کرّے میں قطبی ستارے کی روشنی کے بغیر کسی سمت کی تعیین نہ صرف مشکل ہی ہے بلکہ ناممکن بھی۔ اگر میور اور اس کے ساتھیوں کو قرآنِ مجید کی "ترتیبِ توقیفی" میں کچھ نظر نہیں آتا، انھیں اس کی عبارت گنجلک دکھائی دیتی ہے، جملے متفرق اور منتشر، ایک دوسرے سے غلط ملط، پیچ در پیچ اور الجھے ہوتے نظر آتے ہیں، اس کا خطاب مجمل اور مبہم غرض بالکل مہمل" دکھائی دیتا ہے، تو اس میں سورج کا کیا قصور ہے؟ آخر چمگادڑ کو بھی تو سورج کی روشنی پر اعتراض ہے کہ اسے دن میں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

سرورِ عالم (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) کو ذوقِ حُسن اور لطافتِ جذبات سے جو وافر حصّہ ملا تھا، قرآنِ مجید کی موجودہ ترتیب اسی کا نتیجہ ہے۔ حضرت جبرائیلؑ، ماہِ صیام میں، اسی "ترتیبِ توقیفی" کے مطابق ختمی مرتبتؐ کے ساتھ قرآنِ مجید کا دورہ فرماتے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ جو ترتیب قرآنِ مجید کی اب ہے، وہی رب العزت کے ہاں لوحِ محفوظ (Guarded) میں موجود ہے۔

رینان کا اعتراض قرآنِ مجید میں تغیر و تبدل سے متعلق، انتہائی پوچ اور لغو ہے۔ سر ولیم میور

نے قرآنِ مجید کے ایک قابلِ اعتماد وثیقہ ہونے پر تو اعتراض کیا ہے لیکن اس کی صیانت اور اکمال کا پوری طرح سے قائل ہے۔ اور اس بات کا معترف کہ:

"یہ وہ قرآن ہے جسے حضرت محمدؐ نے اپنے رب کی "وحیِ صادقہ" سمجھ کر دوسروں کو سُنایا۔"

مناسب ہوگا کہ اس کی تصنیف کی جلد اوّل کے طویل مقالے سے، جو قرآن اور حدیث کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیے ہے، کچھ ضروری اقتباسات پیش کر دیتے جائیں تاکہ بہت سے شکوک و شبہات کو دُور کرنے میں مدد مل سکے، خیال رہے کہ سر ولیم میور مستشرق ہونے کے علاوہ مسیحیت کا سرگرم ہیرو اور داعی ہے۔ اگر اس کا بس چلتا تو پورے عالم کے گلے میں صلیب لٹکا دیتا جیسا کہ اس کی تصانیف سے واضح ہے۔ جہاں تک ہو سکا میور نے اسلام اور بانیٔ اسلام پر حرف گیری کی گنجائش پیدا کرنے میں کاوش ترک نہیں کی۔ بایں ہمہ لکھتا ہے:

"ارکانِ اسلام کی بنیاد اس "مقدس وحی" پر مبنی ہے جس کا کوئی نہ کوئی حصہ روزانہ کی ہر ایک نماز میں پڑھنا واجب ہے۔ نماز کے بعض ارکان میں اس "مقدس وحی" کی تلاوت فرض اور بعض میں سُنّت ہے اور صدرِ اوّل ہی سے مسلمانوں کا اس پر اجماع تھا جس کے احکام وہ اس "مقدس وحی" سے مستنبط کرتے ہیں"۔ اسی ضرورت (نماز میں قرآن پڑھنے) کے لیے صدرِ اوّل کا ہر مسلمان قرآن کا کچھ نہ کچھ حصہ حفظ کر لیتا جسے وہ اپنی زندگی کا گراں بہا سرمایہ سمجھتا۔ عرب کے رہنے والوں کے لیے، جنھیں اشعار و انساب و روایات حفظ کر لینے کی (ایامِ) جاہلیت سے عادت پڑی ہوتی تھی، قرآن کی آیتیں حفظ کر لینا اور بھی سہل تھا.... مگر ہم اہلِ عرب کی اس مافوق العادت قوتِ حافظہ کے باوجود تسلیم نہیں کر سکتے کہ اسی ایک طاقت کے بَل بوتے پر پورا قرآن محفوظ رہ گیا، بلکہ ہمارے سامنے ایسے دلائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب میں اکثر افراد نے اپنے پیغمبرؐ کی زندگی ہی میں قرآن کی کلّی متفرق سورتیں املا بھی کر رکھی تھیں جس کے مجموعہ میں تقریباً سارا قرآن سمٹ آیا...."

Marfat.com

"یہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ قرآن کی جو آیتیں اور سورتیں مسلمانوں کے حافظہ میں منقوش تھیں وہ کتابت کی شکل میں بھی مسطور ہوتی گئیں۔" پھر یہ بھی ثابت ہے کہ بدوی قبائل میں سے جو لوگ اسلام لاتے، حضرت محمدؐ ان کی تعلیم و رہبری کے لیے اپنے اصحاب میں سے ایک یا زیادہ اشخاص ان قبائل میں بھجوا دیتے۔ اور یہ بھی ثابت ہے . . . کہ ان مبلغین کی تحریری دستاویزوں میں قرآن بھی تحریری صورت میں موجود ہوتا۔ قرآن خود بھی اپنی کتابت پر نص فرماتا ہے اور کتب سیرت میں بھی اس کا ثبوت موجود ہے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ ہے کہ ان کی ہمشیرہ کی تحویل میں قرآن کی سورۃ طٰہٰ املا شدہ شکل میں موجود تھی۔"

"حضرت محمدؐ کی زندگی میں قرآن حفاظ کی سینوں میں اور مختلف لکھے ہوئے اجزا میں موجود تھا۔ یہ کیونکر تسلیم کر لیا جائے کہ قرآن کی ان دونوں صورتوں (حفظ و تسطیر) میں تطابق نہ ہو۔ جب کہ قرآن حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا عزیز ترین سرمایہ تھا مسلمان اُسے نبیؐ کی زندگی میں خدا کا کلام سمجھتے کہ اگر کسی کو اس کے متن میں شبہ ہوتا تو فوراً رسولؐ سے مراجعہ کیا جاتا جیسا کہ عمر بن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ کا معاملہ ہے۔"

حضرت زیدؓ بن ثابت نے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے پیہم اصرار پر قرآن مجید کو یکجا کرنے کی ذمہ داری قبول کر لی۔

"زیدؓ نے ایک ایک تحریر کو سمیٹ لیا اور حفاظ قرآن کو اپنے گرد و پیش بٹھا کر دو یا تین سال میں یہی قرآن جو ہمارے ہاتھ میں ہے، مرتب کر دیا۔ یہی نسخہ اس ترتیب کے مطابق ہے جو زیدؓ لکھ کر آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بالمواجہ آپؐ کو سنایا کرتے۔"

"زیدؓ [illegible] کیا ہوا نسخہ حضرت عمرؓ نے حفاظت کی غرض سے اپنی صاحبزادی اور آنحضورؐ کی زوجہ محترمہ حضرت حفصہؓ کی سپردگی میں دے دیا، تا آنکہ حضرت عمرؓ نے زمام خلافت ہاتھ میں لی اور اسی نسخہ کو مدارِ صحت و الکمال قرار دیا۔"

"بنو امیہ اور دوستداران (حضرت علیؑ) کے مناقشات کے باوجود اب اسی قرآن پر متفق رہے جسے بعد میں لوگوں نے "صحیفہ عثمانیؓ" کا نام دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ آج تک

Marfat.com

تمام فرقے قرآن کی صیانت و عصمت پر متفق ہیں۔"

"اگر حضرت علیؓ کی عصمت پر قرآن کی آیتیں نازل ہوتی ہوتیں جن پر خود جناب علیؓ بربنائے مصلحت خاموش ہو گئے، تو لازم تھا کہ حضرت علیؓ کے انصار و اصحاب ہی حضرت عثمانؓ کی اس زیادتی پر فریاد کرتے۔"

"پس ہمارے ان معارضات سے ثابت ہے کہ موجودہ قرآن سے کوئی ایسی آیت نظر انداز نہیں کی گئی جو حضرت علیؓ کی عصمت پر دال ہو۔"

"بنابریں ہم پوری طمانیت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مصحفِ عثمانؓ اور زیدؓ بن ثابت کے اس نسخہ میں اصلاً تعارض نہ تھا جس میں زیدؓ نے قرأت کی مختلف صورتوں میں سے صرف قریش کے لہجہ کو ملحوظ رکھا۔ اس کے بعد ایک سوال اور قابلِ حل رہ جاتا ہے؛ کیا (حضرت) زیدؓ کا مرتبہ قرآن بعینہٖ وہی تھا جو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بصورتِ وحی نازل ہوا؟"

"قرآن کی ترتیب خود اس کی شاہد ہے کہ جامعین نے اس میں پوری دقتِ نظر سے کام لیا۔ اس کی مختلف سورتیں اس سادگی سے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کر دی گئی تھیں جن کی ترتیب دیکھ کر کسی تصنیفاتی تکلف کا شائبہ تک نہیں ملتا۔ یہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ جامعینِ قرآن میں تصنیف کی شوخی سے زیادہ ایمان و اخلاص کا جذبہ کارفرما تھا اور اسی ایمان کے ولولہ میں وہ نہ صرف سورتوں بلکہ آیتوں کی ترتیب میں بھی تصنع سے اپنا دامن بچاتے ہوئے نکل گئے۔ ہم پورے شرحِ صدر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ عہدِ عثمانؓ میں زیدؓ بن ثابت نے قرآن کی جس صورت میں نظرِ ثانی کی، وہ نہ صرف حرفاً حرفاً صحیح ہے بلکہ اس کے جمع کرنے کے موقعہ پر جو اتفاقات جمع ہوتے گئے ان کی رُو سے بھی یہ نسخہ اس قدر صحیح ہے کہ نہ تو اس میں سے کوئی آیتِ وحی اوجھل ہو سکی اور نہ جامعین نے ازخود کسی آیت کو قلم انداز کیا۔ بس یہی قرآن ہے جسے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوری دیانت اور امانت کے ساتھ دوسروں کو سنایا۔"

Marfat.com

استدراک

یہ تھی وہ مختصر سی کہانی جو ہم نے موافق اور مخالف اہلِ قلم کی تحریروں سے ترتیب دی۔ قارئین کرام دیکھ سکتے ہیں کہ "قرآن مجید کے معانی میں سچائی کا جوہر موجود ہے" (کارلائل)۔ "دُنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں رہی جس کا متن بارہ صدیوں تک غیر محرّف اور غیر متبدل رہا ہو جیسا کہ "کتاب ہُدیٰ" کا، جس کی ہر آیت تحریف اور الحاق و ترمیم سے پاک ہے (ولیم میور)۔ "خالقِ کائنات نے مختلف انبیاء (علیہم السلام) پر انسانوں کی ہدایت کے لیے جو صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں، ان میں قرآن مجید (اپنی اصابت کے لحاظ سے) سب پر فوقیت لے گیا ہے۔ اس طرح وہ سب سے بہترین کتاب ہے۔ یہ علماء کے لیے ایک قیمتی خزانہ ہے۔ شائقینِ علم لغت کے لیے ذخیرہ لغات ہے۔ شعراء کے لیے مجموعہ عروض ہے۔ اور مفتیان کے لیے شرائع و قوانین کا دائرۃ المعارف (Encyclopaedia) ہے۔ اس کی فصاحت اور بلاغت سارے جہان سے بے نیاز کر دینے والی ہے۔" (موریس فرانسیس)۔ "اس کتاب (قرآنِ مجید) کو اللہ تعالیٰ نے علماء کی تشنگی کی سیرابی، فقہاء کے دل کی بہار، صلحاء کے چلنے کا راستہ، متکلمین کے لیے قوی دلیل، روایت کرنے والوں کے لیے حدیث اور فیصلہ کرنے والوں کے لیے حکم بنایا ہے"۔ (حضرت علیؓ)

" بعض لوگ محض معمولی عربی سیکھ کر قرآن پڑھتے اور اس کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ اگر وہ سرورِ کائنات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے، جب وہ مسلمانوں کو اس فصیح و لطیف زبان میں قرآن سکھاتے تھے، ان کی تسکین بخش، طرب انگیز اور دل میں اُتر جانے والی آواز میں اس کو سُنتے اور جس وقت وہ اپنی قوتِ بیان سے احکام کو دلوں میں بٹھاتے تھے، ان کو دیکھتے، تو بے اختیار سجدہ میں گر جاتے اور پکار اُٹھتے کہ اے خدا کے سچے رسولؐ شرف و افتخار اور ہلاکت و خطرات کے موقع پر ہماری دستگیری کیجیے۔ ہم آپؐ کی خاطر موت اور کامیابی دونوں کو پسند کرتے ہیں"۔ (جان جاک رُوسو)

"قرآن کی یہ حالت ہے کہ اس کی دلفریبی بتدریج فریفتہ کرتی ہے اور آخر ش ایک

Marfat.com

رقّت آمیز تحیّر میں ڈال دیتی ہے۔ اسی طرح یہ کتاب تمام زبانوں میں اثر کرتی رہے گی" (گوئٹے)

"قرآن مجید صرف مذہبی اور اخلاقی فرائض کی تعلیم تک ہی محدود نہیں۔ وہ ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جس میں بنیادی قوانین کے ساتھ دیوانی اور عدالتی مسائل پر بھی بحث کی گئی ہے۔ اس میں خدائے واحد کے وہ غیر متبدّل قوانین (Immutable Sanction) بھی موجود ہیں جو انسانی افکار و اعمال کی نگرانی اور رہنمائی کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کے لیے عمومی ضابطہ ہے جو مذہبی اور معاشرتی، دیوانی اور فوجداری، تعزیری اور عدالتی ـــ ہر قسم کے احکام پر مشتمل ہے۔ مذہبی عبادات سے لے کر روزمرّہ کے معمولات تک، جسمانی صحت سے لے کر رُوح کی نجات تک اور انفرادی زندگی سے لے کر مجازاتِ دینوی تک ـــ کوئی ایسا پہلو نہیں جو نظرانداز کر دیا گیا ہو" (گبن)

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خدا کا جو تصوّر اور عقیدہ دیا ہے، اس میں کسی طرح کا ابہام نہیں۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر شاندار دلیل ہے۔ بتوں اور انسانوں کی پرستش، ستاروں اور سیاروں کی پوجا پاٹ کے تصوّرات کی تردید کرتے ہوئے، اسلام نے عقلیت پر مبنی اصول سامنے رکھا کہ جو چیز وجود میں آتی ہے، اُسے فنا بھی ہونا ہے، جو طلوع ہوتا ہے' اسے غروب بھی ہونا ہے اور جو مادّی فساد و بگاڑ ہے، اسے گلنا سڑنا اور ضائع بھی ہونا ہے۔ آپؐ کے جوشِ عقلی نے اپنی عبادت کے لیے ایک ایسی نامحدود اور ابدی ہستی کا انتخاب کیا جو زمان و مکاں کی حدود سے پاک ہے۔ اس کی کوئی مثال ہے نہ کوئی اس کا مثیل۔ وہ قائم بالذّات ہے اور ہمارے دلوں میں چھپے بھیدوں سے واقف ہے۔ دُنیا کا بڑے سے بڑا دانشور بھی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیش کردہ عقیدۂ وحدانیت کی اکملیت پر حرف نہیں رکھ سکتا۔" (گبن)

"وہ قرآن ہی ہے جس نے عربی زبان کو اپنی اصلی اور خالص صورت میں برقرار رکھا۔ وہ قرآن ہی ہے جس کی مدد سے عربوں نے اسکندرِ اعظم کی فتوحات سے بھی زیادہ وسیع فتوحات کیں اور رُوم کی سلطنت سے بھی بڑی سلطنت قائم کی اور وہ بھی اس مدت کے دسویں حصّے میں جو رُوم نے اپنی فتوحات مکمّل کرنے میں صرف کی۔ قرآن ہی کے فیض سے انھیں یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ تمام سامی اقوام میں پہلے لوگ تھے جو یورپ میں حکمران بن کر داخل ہوئے، جہاں فنیقی تاجر

Marfat.com

بن کر آتے تھے اور یہودی پناہ گیر یا قیدی بن کر۔ یہ قرآن ہی کی برکت تھی کہ انھوں نے ایسے وقت میں جب چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی، یونان کے علم و حکمت کو دوبارہ زندہ کیا، مغرب کو فلسفہ، طب، ہیئت اور موسیقی کا زریں فن سکھایا جیسے انھوں نے یہ چیزیں مشرق کو سکھائی تھیں۔ تہذیب کے گہوارے کی نگہبانی کی اور بعد میں آنے والوں سے اس دن کا ماتم کرایا جب غرناطہ ان کے قبضے سے نکل گیا۔" (ڈریپر)

"قرآن کی زبان کی بے تصنع عظمت، اس کے اندازِ بیان کی بے ساختہ دلکشی، اسکی تشبیہوں اور استعاروں کا تنوع، اس کی کیفیاتِ مزاج کی بجلی کے کوندوں سی تبدیلیاں، جن میں کہیں معلمِ اخلاق ہدایات دے رہا ہے، کہیں فلسفی نظریئے پیش کر رہا ہے، کہیں آزردہ محبِ وطن اپنے ہم قوموں کی اخلاق سوزی اور ذلت کی پُرجوش مذمت کر رہا ہے، اور کہیں خود خدائے غفور و رحیم اپنے نبیؐ کے ذریعے اپنے بھٹکے ہوئے بندوں کو راہِ راست کی طرف بلا رہا ہے۔ ان سب چیزوں نے مل کر قرآن کو صحائف دینی میں ایک امتیازی شان بخشی ہے۔ اس کلام کو سُن کر شعرا پر جو ہیبت طاری ہوتی اور ان کے دلوں میں جو جذبۂ تعظیم و تکریم پیدا ہوا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عام لوگوں کے دلوں پر اس نے کتنا اثر کیا۔۔۔ وہ چاہے کسی کیفیت میں نازل ہوا، شروع سے لے کر آخیر تک اس کے ہر لفظ میں یہی تاثیر ایسی سنجیدگی اور ایسی توانائی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے جو کسی اور مذہبی کتاب میں نہیں ملتی۔" (سید امیر علی)

"اگر قرآن کا کلام شاعری نہیں، اور یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ شاعری ہے یا نہیں، تو وہ شاعری سے کوئی بڑی چیز ہے۔ وہ تاریخ نہیں، سیرت نگاری نہیں۔ حضرت عیسٰیؑ کے پہاڑی وعظ کی طرح وہ مقولوں اور کہاوتوں کا ایک گلدستہ نہیں۔ بدھ مت کے سُوتروں کی طرح ایک فلسفیانہ بحث نہیں افلاطون نے دانا اور نادان استادوں سے جو مذاکرے کیے، ان کی طرح دانشمندانہ نصیحتوں کا ایک مجموعہ نہیں۔ وہ ایک پیغمبرؐ کی پکار ہے، ایک سامی پیغمبر کی۔ لیکن اس کی پکار کے معنی اتنے عالمگیر ہیں اور وہ اتنی برِوقت ہے کہ اس زمانے کی تمام آوازیں چاہے بخوشی چاہے مجبوراً، اسے دُہراتی ہیں تاآنکہ محل اور صحرا، شہر اور ملک اس سے گونج اُٹھتے

Marfat.com

ہیں۔ پہلے تو وہ اپنے مخاطبوں کے سینوں میں دُنیا کی تسخیر کا ولولہ پیدا کرتی ہے اور پھر وہ ایک تعمیری قوت بن جاتی ہے تاکہ اس کے ذریعے یونان اور ایشیا کی ساری تحقیقی روشنی عیسوی یورپ کی گہری تاریکی کا پردہ چاک کر کے اس کے اندر داخل ہو جائے کیونکہ عیسائیت اس وقت رات کی ملکہ تھی۔" (جانسن)

جس طرح خداوندِ علیم وقدیر کا نازل کردہ قرآن، ہر قسم کے شک وارتیاب اور ظن وتخمین سے پاک ہے، بالکل اسی طرح "حاملِ قرآن" کی زندگی حرص وآز، مکروفریب، کین ودروغ اور تصنع وریاکاری سے پاک تھی۔ اس زمانے میں جب قریش کی طاقت فتح مکّہ کے بعد پاش پاش ہو چکی تھی اور قبائل عرب "فوج در فوج" اسلام میں داخل ہو رہے تھے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کامیابی کا بھوت سوار تھا اور نہ ہی دشمنانِ عقل ودیں سے ان کی زیادتیوں کا بدلہ لینے کا خیال آیا۔ آپؐ نے جب شکست خوردہ اور ہزیمت یافتہ گروہ سے پوچھا کہ میری طرف سے تمھیں کس سلوک کی توقع ہے؟ تو انھوں نے کہا: آپؐ ہمارے مہربان بھائی اور ایک شفیق بھائی کے بیٹے ہیں آپؐ یہ سُن کر آبدیدہ ہو گئے۔ اور فرمایا: لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ جب بحرین کا خراج مسجدِ نبوی میں پہنچا، تو آپؐ نے دولت وثروت کے اس ڈھیر کو پرِکاہ اہمیت نہ دی اور آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا۔ آپؐ کا مقصد جاہ طلبی تھی نہ جلبِ منفعت۔ آپؐ زندگی کی آسائشوں سے صرف اسی قدر لینا چاہتے تھے جو صحت وزندگی کی بقا کے لیے ناگزیر تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا تھا:

"ایک چاند کے بعد دوسرا چاند اور دوسرے کے بعد تیسرا چاند نکل آتا تھا اور آپؐ کے گھر میں آگ جلتی تھی نہ ہنڈیا چڑھانے کی نوبت آتی تھی۔"

"اگر کسی انسان کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ رضائے الٰہی سے حکومت کر رہے تھے، تو صرف اور صرف محمدؐ (فداہ ابی واُمی) ہیں۔ کیونکہ ان کے پاس تمام اختیارات اور طاقت — دُنیاوی اور مادی وسائل کے بغیر موجود تھی۔ وہ درباری خطاب اور آداب اور ظاہری طمطراق سے ماوراء اور بلند تر تھے۔ ان کی عظمت ان کی سادگی میں تھی۔ ان کی زندگی ایک کھلی کتاب تھی۔ دونوں جہان کی دولتیں ان کے لیے حاضر وموجود تھیں۔ لیکن وہ اس دولت سے لطف اندوز ہونے کے لیے کبھی آمادہ نہ ہوتے۔ وہ لوگ جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دَور میں ان کے رفیق اور دشمن

Marfat.com

رہے اور انھیں سخت اذیتیں پہنچاتے رہتے، وہ بھی آپؐ کے عجز و سادگی، دیانت و انصاف، تحمل و شفقت اور عفو و درگزر کا کلمہ پڑھتے ملتے۔" (باسورتھ سمتھ)

"انسان ہونے کی حیثیت سے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ آپؐ کا اپنا کوئی ذاتی دعویٰ نہ تھا۔ تبلیغ کے آغاز ہی سے آپؐ کا دعویٰ تھا کہ یہ خدا کا مشن ہے جس کے لیے آپؐ کو منتخب کیا گیا ہے۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی اپنی کسی کامیابی کو اپنی ذاتی جدّوجہد اور کاوش سے منسوب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اپنی ہر کامیابی کو خدا کی عطا قرار دیتے تھے۔ اس لیے دُنیا کا کوئی انسان بھی کس طرح ان کے مشن کو جعلی اور دنیاوی قرار دے سکتا ہے؟ قرآن محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصنیف نہیں تھا —— لوئی سیبیلوں نے اپنی تحقیقی کاوش کا صحیح نتیجہ اخذ کیا تھا:

"قرآن" —— محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصنیف ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ یکدم ربّانی ہے۔"

محمدؐ —— (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا کرتے تھے کہ خدا کے بغیر وہ اکیلے، تنہا اور کمزور ہیں۔"

محمد —— (صلی اللہ علیہ وسلم) تو رُوحِ الٰہی سے سرشار ہیں اور خدا آپؐ کے لیے حقیقتِ اُولیٰ و اُخروی ہے۔" (ای۔ ڈرمنگھم)

مضامین کا یہ گلدستہ جو ہم نے "استدراک" کی صورت میں پیش کیا ہے، (سوائے حضرت علیؓ اور سید امیر علی کے مضامین کے) اپنوں کا نہیں بیگانوں کا، متعصب اور ہٹ دھرم مشنریوں کا نہیں بلکہ غیر جانبدار اور صاحبِ بصیرت ادیبوں اور مورّخوں کا، مضامین کی جدّت، خیالات کی ندرت اور الفاظ کی تازگی لیے ہوئے، رنگ و نور کا صحیح امتزاج —— اس بات پر گواہ ہے کہ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جسے اس نے قلبِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر "حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور حق ہی کے ساتھ یہ نازل ہوا ہے۔" (بنی اسرائیل: ۱۰۵) تاکہ لوگ اس پر غور کریں اور اصحابِ عقل و فکر اس سے سبق لیں (ص: ۲۹) اس کتاب ہدیٰ کو، صاف صاف عربی زبان میں، ایک امانت دار رُوح لے کر اُتری تاکہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) خلقِ خدا کو خبردار

Marfat.com

کرنے والے انبیاءؑ میں سے ہو جائیں۔ (الشعراء ۱۹۲-۱۹۴)

یہ گلدستۂ مضامین حاملِ قرآنِ عظیم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلوصِ نیت، آپؐ کی صداقت و حقانیت، اور حُسنِ عمل پر گواہ ہے "قرآن" اور "قرآن کا لانے والا" لازم و ملزوم قرار دیئے گئے ہیں۔ ایک اگر قرآن ہے تو دوسرا قرآنِ ناطق، ایک اگر قانون ہے تو دوسرا اس کا شارح، اور ایک اگر زندگی کی اعلیٰ قدروں (Values) کی تخلیق اور ان کی نشوونما پر زور دیتا ہے تو دوسرا ان کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اِس لیے رُشد و ہدایت کا پیغامبر "صادق" اور "امین" کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا۔ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب تک اپنے لوگوں سے یہ بات منوا نہیں لی کہ آپؐ کی پوری زندگی صداقت و حقانیت کا مظہر ہے۔ اخلاقی اقدار کا مخزن ہے، انقلابی داعیوں کی نقیب ہے اور آپ کی شخصیت ہر قسم کی آلائشوں اور آلودگیوں سے منزّہ اور پاک ہے (بلکہ معصوم ہے)، اس وقت تک پیغامِ حق آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قلبِ مطہرہ پر نازل ہونا شروع نہیں ہوا۔ قرآنِ حکیم اگر نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عصمت پر گواہ ہے اور آپؐ کی عفتِ قلب و نگاہ پر شاہد ہے، تو حیاتِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی قرآن مجید کی اصابت اور تحفظ و صیانت پر قوی دلیل ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے کی تصدیق کا ضامن بنایا گیا ہے۔

سورۃ یٰسین کی ان آیاتِ کریمہ کا حوالہ دینا ضروری ہے جن میں اس چیلنج کا ذکر ہوا ہے جو نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی گزشتہ زندگی کے حوالے سے مشرکینِ مکّہ کو دیا تھا کہ میری تمام زندگی تمھاری آنکھوں کے سامنے بسر ہوئی، تبلاؤ اس تمام عرصہ میں کوئی ایک بات بھی تم نے سچائی اور امانت کے خلاف مجھ میں دیکھی؟ پھر اگر چالیس سال کی طویل مدّت میں، جب میری زندگی مختلف حالات و کیفیات سے دوچار رہی، اس میں ساحل کی آسودگی بھی تھی اور موجوں کا زیر و بم بھی؛ شبابی بھی تھی اور کہلی بھی، تیشۂ فرہاد بھی تھا اور سکون بخش لمحات بھی، سفر بھی تھا اور حضر بھی؛ دوستوں کی ملاطفت بھی تھی اور دشمنانِ دیں کی مزاحمت و مخالفت بھی ——— "مجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ کسی انسانی معاملے میں جھوٹ بولوں تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اب خدا پر بہتان باندھنے پر تیار ہو جاؤں۔ اور جھوٹ موٹ کہنے لگوں، مجھ پر اس کا کلام نازل ہوتا ہے۔

Marfat.com

کیا اتنی سی موٹی بات بھی تم نہیں پا سکتے ؟"

"تمام علمائے اخلاق و نفسیات متفق ہیں کہ انسان کی عمر میں ابتدائی چالیس برس کا زمانہ اس کے اخلاق و خصائل کے ابھرنے اور بننے کا اصل زمانہ ہوتا ہے جو سانچہ اس عرصہ میں بن گیا، پھر بقیہ زندگی میں بدل نہیں سکتا۔ پس اگر ایک شخص چالیس برس کی عمر تک "صادق" اور "امین" رہا ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ اکتالیسویں برس میں قدم رکھتے ہی ایسا کذّاب و مفتری بن جائے کہ انسانوں پر ہی نہیں بلکہ فاطر السموات والارض (آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے خدا) پر افترا کرنے لگے ؟

"چنانچہ اس کے بعد فرمایا : دو باتوں سے تم انکار نہیں کر سکتے جو شخص اللہ پر افترا کرے اس سے بڑھ کر کوئی شریر نہیں اور جو صادق کو جھٹلاتے وہ بھی سب سے زیادہ شریر انسان ہے اور شریر و مفتری انسان کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اب صورتِ حال نے یہاں دونوں فریق پیدا کر دیتے۔ اگر میں مفتری علی اللہ ہوں تو مجھے ناکام و نامراد ہونا پڑے گا، اگر تم سچائی کے مکذب ہو تو تمھیں اس کا خمیازہ بھگتنا ہے، فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس کا قانون ہے کہ مجرموں کو فلاح نہیں دیتا۔"

"چنانچہ اللہ کا یہ فیصلہ صادر ہو گیا۔ جو مکذب تھے ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا، جو صادق تھا اس کا کلمۂ صدق آج تک قائم ہے اور قائم رہے گا۔" (ابوالکلام احمد)

رہا مسئلہ ناسخ و منسوخ کا۔ مناسب ہوگا کہ اسے بھی مختصراً بیان کر دیا جائے تاکہ اعتراض کی گنجائش نہ رہے۔ "نسخ" کے معنی ہیں کسی چیز کو مٹا کر، اس کی جگہ دوسری چیز کو لے آنا۔ مثلاً نَسَخَتِ الشَّمْسُ الظِّلَّ ۔ آفتاب سایہ کو ہٹا کر، اس کی جگہ روشنی لے آیا لکھی ہوتی عبارت کو نقل کرنا اور اس جیسی دوسری عبارت (Copied) تیار کر لینا بھی "نسخ" کے معنوں میں شامل ہے مثلاً نَسَخَ الْکِتَابَ۔ قرآن مجید میں اس کے معنی زائل کر دینے کے بھی آتے ہیں۔ ہم سان لفظوں میں اس کے معنی "ایک چیز کی جگہ دوسری چیز لے آنا" ہیں۔

ناسخ و منسوخ پر بحث کرتے ہوتے سر ولیم میور نے واقدی سے جن روایات کو نقل کیا ہے، وہ اس قدر "ضعیف" اور "بلا سند" ہیں کہ علمائے تحقیق انھیں پہلے ہی رد کر چکے ہیں۔ اس سلسلے میں

Marfat.com

قرآنِ مجید کی جس آیتِ مبارکہ پر انحصار کیا جا رہا ہے، درج ذیل ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرہ ۲:۱۰۶)

(ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں، تو اس سے بہتر یا اس جیسی اور آیت لے آتے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے؟)

اس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ خداوندِ علیم و قدیر نے قرآنِ مجید میں کسی بات کا حکم دیا، اس کے کچھ عرصہ بعد اس نے سوچا کہ اس حکم کو منسوخ کر دینا چاہیے (جیسا کہ ان کے خیال میں غرانیق العُلیٰ کے سلسلے میں ہوا اور جس کا تفصیلی بیان اگلے ضمیمے میں آ رہا ہے)۔ چنانچہ ربّ العزت نے ایک اور آیت نازل کر دی جس سے وہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ عام طور پر اس نئی آیت (ناسخ) میں یہ نہیں بتایا جاتا تھا کہ اس سے کونسی آیت منسوخ ہوتی ہے یہ تعین بعد میں روایات کی رُو سے یا مفسرین کے اپنے خیالات کی رُو سے کیا جاتا۔

دوسرا حصہ تھا "بھلا دینے" یا "فراموش" کرا دینے کا۔ اس سے معاندین کا مقصد یہ کہنا ہے کہ بعض "آیات" نازل ہوتی تھیں لیکن آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) انھیں بھول جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی جگہ نئی آیات نازل فرماتے چنانچہ اس خیال کو تقویت دینے کے لیے وہ قرآنِ مجید کی اس آیتِ مبارکہ کا سہارا لیتے ہیں:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ ۙ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ (الاعلیٰ ۸۷:۶-۷)

(ہم آپ کو پڑھوا دیں گے۔ پھر آپ نہیں بھولیں گے سوائے اس کے جو اللہ چاہے)

اس عقیدے کی رُو سے خدا، قرآن اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق جو تصوّر اُبھرتا ہے وہ دین کو اس کی جڑ سے اُکھیڑ دیتا ہے۔ خدا کا یہ تصوّر کہ وہ آج ایک حکم صادر کرتا ہے اور کل اسے منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم جاری کر دیتا ہے۔ قرآنِ مجید کے متعلق یہ کہ اس میں بے شمار آیات ایسی ہیں جن کا حکم تو منسوخ ہو چکا ہے لیکن ان کی تلاوت برابر جاری ہے۔ نیز یہ بات

Marfat.com

بھی صیغۂ راز میں ہے کہ کونسی آیت ناسخ ہے۔ اور کونسی منسوخ۔ اور رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق یہ تصور کہ وہ خداوندِ قدوس کی طرف سے نازل کردہ آیات کو بھی بھول جاتے تھے۔ (عیاذاً باللہ) اگر آپؐ کا حافظہ ایسا کمزور تھا تو قرآن مجید کا کیا بھروسہ؟ یا اگر شیطان نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبانِ مبارک سے دیویوں کی تعریف میں اور بُت پرستی کی حمایت میں چند کلمات کہلوا دیتے تھے تو پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ کسی مقام پر ایسے "شیطانی فقرات" نہ کہلاتے گئے ہوں گے؟ وحی کی اصابت پر اس سے زیادہ ضرب اور کیا ہوسکتی ہے؟

آیئے ہم مختصر الفاظ میں قرآنِ کریم کی متذکرہ بالا آیات کی شرح ان کے تاریخی تناظر میں پیش کرتے ہیں جس سے بخوبی واضح ہو جائے گا کہ مستشرقین نے کس طرح قرآن مجید کے "منجانب اللہ" ہونے پر تضحیک کی ہے اور رسولؐ کی "عصمت" کو مشکوک بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اہلِ کتاب (یہود خاص طور پر) قرآنِ مجید اور اس کے لانے والے پر مختلف اعتراض کرتے رہے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ان کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ جب خدا نے انبیاءِ سابقین (علیہم السلام) پر اپنے احکام نازل کردیتے تھے اور وہ احکام توراۃ میں موجود ہیں، تو پھر اس کتاب کی موجودگی میں اس نئے رسول اور نئی کتاب کی کیا ضرورت تھی؟ اس آیت میں اسی اعتراض کا جواب دیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ خدا کی طرف سے سلسلۂ رشد وہدایت حضرت آدم (علیہ السلام) کے زمانے سے مسلسل چلا آرہا ہے۔ لیکن اس کی صورت یہ رہی کہ مختلف انبیاء (علیہم السلام) کی وساطت سے جو وحی بھیجی جاتی تھی، ان میں ایک حصّہ ان احکامات پر مشتمل ہوتا، جو وقتی ہوتے تھے اور ان کا تعلق خاص اسی قوم سے ہوتا، جس کی طرف وہ احکام بھیجے جاتے۔ بعد میں جب وہ قوم نہ رہتی یا زمانے کے تقاضوں سے وہ حالات بدل جاتے یا ان احکام میں "مذہب کے ٹھیکیدار" اپنی مرضی سے تغیّر وتبدّل کر دیتے اور ان کی اصل صورت کو مسخ کر دیتے، تو اللہ تعالیٰ ایک نیا پیغامبر بھیج دیتے جو "ضائع شدہ" یا "مسخ شدہ" احکام کی جگہ دوسرے احکام لے آتا، اس طرح یہ جدید وحی اس سابقہ وحی کی قائم مقام (ناسخ) بن جاتی۔

دوسری بات جو خاص اہمیت کی حامل ہے۔ یہ ہے کہ انسانیت کے تقاضے اور اس کی ذہنی سطح بھی اپنے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی آگے بڑھتی اور اوپر کو اٹھتی چلی آرہی ہے۔ اس لیے

Marfat.com

ہر قوم کو اس کے حالات، مقتضیات اور ارتقائی (ذہنی) سطح کے مطابق ہی احکام دیتے جاتے تھے۔ وحی کے نزول میں بتدریجی ارتقائی منازل کا کھوج لگانا مشکل نہیں۔ نیز جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ ایک رسول کے اٹھا لیے جانے کے بعد، اس کی قوم وحی کے بعض حصوں کو ترک کر دیتی، بعض میں ردّ و بدل کر دیتی اور سہولت کی غرض سے بعض ایسے احکام شامل کر دیتی جو قوم کے لیے بار نہ ہوں۔ چنانچہ ان ترک کردہ یا فراموش کردہ حصوں کو جو اپنی افادیت کے لیے اہم ہوتے، جدید وحی کے ذریعے از سرِ نو تازہ کر دیا جاتا۔

یہ دوسرے کہا گیا ہے کہ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کے ساتھ وہ دَور آگیا ہے جس میں انسانی شعور پختگی حاصل کرلے گا۔ لہٰذا مشیت کا تقاضا یہ ہے کہ:

(۱) سابق انبیاء (علیہم السلام) کی وحی کے وہ تمام احکام جو اُن کی قوم کے ساتھ مخصوص تھے منسوخ کر کے ان کی جگہ دوسرے احکام و قوانین بھیج دیتے جائیں۔ اور چونکہ وحی کا یہ سلسلہ اب ختم ہو رہا ہے اِس لیے نئے احکام وقتی ہوں گے نہ ہنگامی۔ بلکہ ہمیشہ کے لیے ہوں گے۔ مزید برآں یہ قوانین اور احکام سابقہ احکام سے بہتر ہوں گے۔

(۲) وہ قوانین جنھیں پہلے اِس لیے نازل نہیں کیا گیا تھا کہ انسانیت اس سطح پر نہیں پہنچی تھی کہ انھیں سمجھ سکے یا اپنا سکے، اب انھیں بھی نازل کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ قرآنِ کریم انسانیت کی بلند ترین سطح تک اس کا ساتھ دے گا۔

(۳) سابق انبیاء (علیہم السلام) کے وہ احکام و قوانین جنھیں ان کی قوموں نے ترک کر دیا تھا یا فراموش کر دیا تھا یا جن میں انھوں نے تحریف کر دی تھی، ان کی تجدید کر دی گئی ہے۔

یہ ہے وہ ضرورت جس کے لیے ایک نئے رسول اور نئی کتاب کو بھیجا گیا ہے۔ اور یہ ہے وہ وجہ کہ اب تمام سابقہ کتابوں کی جگہ اسی قرآنِ مجید پر ایمان لانا اور اس پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ یہ خیال رہے کہ اس پیامِ آخریں کے نزول کے بعد، ہدایت کی کوئی اور راہ باقی نہیں رہی۔ ارشاد ہوتا ہے:

Marfat.com

فَاِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۝

(البقرہ ۲ : ۱۳۷)

(اگر یہ بھی اسی طریق پر ایمان لائیں جس طرح (اے جماعتِ مومنین) تم ایمان لائے ہو تو پھر یہ لوگ ہدایت پا سکیں گے اور اگر (اس راہ سے) اعراض برتیں تو پھر وہ بڑی مخالفت میں پڑے ہیں)

معانی اور مفہوم میں جو چیز الجھن پیدا کر رہی ہے وہ لفظ "آیت" ہے جس سے مراد معاندین نے قرآنِ مجید کی "آیات" لی ہے۔ حالانکہ اس سے مراد وہ "وحی" ہے جو سابقہ رسولوں پر کی گئی تھی اور جسے ظالموں نے اپنی مرضی یا خواہشِ نفس سے بدل ڈالا۔ اس سے مُراد قرآنِ مجید کی آیات نہیں۔ چنانچہ سورہ النحل ۱۶، آیت ۱۰۱ میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ (اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت لے آتے ہیں)

اسی طرح نُنْسِهَا کے تحت اس تاریخی حقیقت کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ جب سابقہ کتبِ آسمانی اپنی اصلی حالت میں باقی نہیں رہتی تھیں، تو خداوندِ قدوس نے ایک آخری کتاب جو ہر شک و شبہ سے بالا تھی اور جس کی حفاظت کی ذمہ داری اس نے خود قبول فرمائی تھی آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وساطت سے پوری انسانیت کی رہنمائی کے لیے بھیج دی۔ اب اس آخری کتاب میں تبدیلی کے کیا معنیٰ اور ناسخ و منسوخ سے کیا مطلب؟ چنانچہ قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"جو رسول بھی آیا اس کے ساتھ یہی ہوا کہ اس کی وحی میں سرکش اور مفسد لوگوں نے اپنی طرف سے کچھ ملا دیا۔ لیکن خدا کی طرف سے ایسا ہوتا رہا کہ ان کی اس آمیزش اور ملاوٹ کو الگ کر دیا جاتا اور اس طرح اللہ اپنی آیات کو از سرِ نو محکم کر دیتا۔"

(الحج ۲۲ : ۵۲)

اس سے واضح ہے کہ ایک آیت کی جگہ دوسری آیت سے مراد سابق وحی کی آیات ہیں نہ کہ قرآنِ مجید کی ایک آیت کی جگہ دوسری آیت۔

اس اعتبار سے قرآنِ مجید ایک طرف تمام انبیاء سابقہ (علیہم السلام) کی وحی کا مُھَیْمِنْ محافظ

ہے اور دوسری طرف خدا کو جس قدر احکام نوعِ انسانی کی ہدایت، ترقی اور خوشحالی کے لیے دینے تھے، ان سب کی تکمیل ہو گئی۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ

(الانعام ۶: ۱۱۵)

(تمھارے رب کی بات سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے، کوئی اس کے فرامین کو تبدیل کرنے والا نہیں ہے۔)

Marfat.com

تعلیقات (ضمیمہ دوم)

قرآنِ مجید

۱۔ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور۔ ج ۱، مقدمہ ص XVII ۔ XXIX؛ ج ۲۔ تعلیقات باب چہارم ص ۱۳۵ ۔ ۱۴۸، باب پنجم ص ۱۴۹ ۔ ۱۵۵؛ ج ۳۔ ص ۲۲۸ ۔ ۲۳۱؛ ج ۴۔ ص ۳۰۸ ۔ ۳۲۴ وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ محمدؐ۔ ڈی، ایس۔ مارگولیس، ۱۰۶ ۔ ۱۰۷

۳۔ حیاتِ محمدؐ۔ وان ہیمر بحوالہ سر ولیم میور، ج ۱، ص XXVIII (مقدمہ کتاب)

۴۔ ۵۔ ایضاً۔ سر ولیم میور۔ ج ۲، ص ۱۳۵ ۔ ۱۳۶

۶۔ ایضاً۔ ایضاً۔ ج ۲، ص ۱۳۷

۷۔ قرآن ایضاً۔ ص ۲۴

۸۔ تاریخِ اخلاقِ یورپ۔ لیکی۔ ج ۲ (ترجمہ مولٰنا عبدالماجد) ص ۹۲ ۔ ۹۵، ۱۴۰ ۔ ۱۴۶؛ اسلام کا عروج اور ترقی۔ ڈاکٹر ہنری سٹبب، ص ۵۰ ۔ ۵۱؛ معرکۂ مذہب و سائنس، ڈریپر (ترجمہ مولٰنا ظفر علی خاں) ص ۲۰۶۔

۹۔ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور۔ ج ۲، ص ۱۴۱؛ قرآن مجید۔ سورہ الدہر ۷۶ : ۱۱ ۔ ۲۲)

۱۰۔ محمد اور محمدیت۔ باسورتھ اسمتھ۔ ص ۱۴۵؛ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور۔ ج ۳، ص ۲۳۰؛ قرآنِ مجید۔ سورہ احزاب ۳۳ : ۳۷

۱۱۔ رنگیلا رسول۔ آریہ سماج کے ایک نامعلوم مہاشے کے قلم سے) ص ۳۱؛ دچتر جیون۔ پنڈت کالی چرن۔ ص ۱۷۶۔ بحوالہ مقدس رسولؐ۔ ابوالوفا مولٰنا ثناء اللہ امرتسری ص ۷۴ ۔ ۸۲

۱۲۔ قرآنِ مجید۔ سورہ الفرقان ۲۵ : ۴ ۔ ۶؛ نیز ملاحظہ ہو: سورہ یونسؑ ۱۰ : ۳۸ سورہ ہودؑ ۱۱ : ۱۳ ۔ ۱۴

Marfat.com

۱۳۔ محمدؐ۔ ڈی۔ ایس۔ مارگولیس، جواب الزامی۔ بحوالہ نمبر ۲۹ (فہرست ہذا)

۱۴۔ السیرۃ النبویہ۔ ابنِ ہشام۔ ج ۱، ص ۲۷۰ و ۲۹۴

۱۵۔ قرآن مجید سورہ القصص ۲۸: ۵۷

(وَقَالُوٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا) (اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپؐ کے ساتھ ہو کر ہدایت پر چلنے لگیں تو اپنی سرزمین سے مار کر نکال دیئے جائیں)

۱۶۔ السیرۃ النبویہ۔ ابنِ ہشام۔ ج ۱، ص ۲۹۵

۱۷۔۱۸۔ المنار۔ علامہ محمد رشید رضا۔ ج ۱۱، ۱۲؛ نیز السیرۃ النبویہ، زیر حوالہ ۱۴

۱۹۔ قرآن مجید سورہ اسراء ۱۷: ۶۴

۲۰۔ قرآن مجید۔ سورہ ص ۳۸: ۶

۲۱۔ ایضاً۔ زیر حوالہ ۱۵

۲۲۔ ایضاً سورہ المعارج ۷۰: ۳۶۔۳۷

۲۳۔ قرآن مجید۔ سورہ حٰمٓ السجدہ ۴۱: ۲۶

۲۴۔ ایضاً۔ سورہ النجم ۵۳: ۳۔۴

۲۵۔ الشفاء۔ قاضی ابی الفضل عیاض۔ ص ۵۹

۲۶۔ قرآن مجید۔ سورۃ الانعام ۶: ۳۳

۲۷۔ السیرۃ النبویہ۔ ابن ہشام ج ۱، ص ۲۲۰

۲۸۔۲۹۔ الشفاء۔ قاضی ابی الفضل عیاض۔ ص ۱۵۸ و ۱۵۹

۳۰۔ المفردات۔ امام راغب اصفہانی۔ ص ۱۴۷۸

۳۱۔ الطبقات الکبریٰ۔ ابن سعد، ج ۱، ص ۱۹۲

(اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ)

۳۲۔ المشکوٰۃ (باب فضائل سید المرسلین)

(بَعَثَنِیْ لِتَمَامِ مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَكَمَالِ مَحَاسِنِ الْاَفْعَالِ)

Marfat.com

۳۳۔ قرآنِ مجید۔ سورۃ الاسراء ۱۷ : ۷۹

۳۴۔ ایضاً ۔ سورہ قٓ ۵۰۔۱۶

۳۵۔ حیاتِ محمدؐ۔ سرولیم میور، باب ہفتم۔ص ۱۹۸۔۲۰۳؛ محمدؐ اور محمدیت، باسورتھ سمتھ، ص ۱۵۲۔ نیز السیرۃ النبویۃ : ابنِ ہشام۔ج ۲، ص ۴۲۰

۳۶۔ قرآنِ مجید۔ سورہ العنکبوت ۲۹۔۴۸

۳۷۔۳۸۔ محمدؐ ۔ ڈی۔ایس۔ مارگولیس۔ ۱۰۶

(جبر وہی شخص ہے جو حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان مبارک سے سورہ یوسفؑ سُن کر توراۃ بھول گیا اور مسلمان ہوگیا۔ وہ عامر بن الحضری کا رومی غلام تھا۔ اسی طرح یسار بھی مکّے کی ایک عورت کا یہودی غلام تھا۔ وہ بھی بعد میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوا۔ مارگولیس کا یہ خیال کہ آپؐ کی تمام معلومات جن کا تعلق توراۃ اور انجیل سے تھا، انہی تیلی تنبولی قسم کے لوگوں سے حاصل کی گئی تھیں، کسی قدر بیہودہ اور لغو ہے۔)

۳۹۔ حیاتِ محمدؐ۔ سرولیم میور۔باب ہفتم۔ص ۱۵۸

۴۰۔ خطباتِ بہاولپور۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ص۔ ۱۵-۱۶

۴۱۔ قرآنِ مجید۔ سورہ مریم ۱۹: ۳۴۔۳۷؛ سورہ النّساء ۴ :۱۷۱؛ سورہ المائدہ ۵ :۷۳، نیز سورہ التوبہ ۹ :۳۰

۴۲۔ توراۃ ۔ کتاب پیدائش ۱۹ : ۳۰۔۳۸

۴۳۔ توراۃ ۔ ایضاً ۔ ۲۷ : ۱۱۔۲۹؛ ۳۳۔۴۵

۴۴۔ توراۃ ۔ کتاب خروج ۴ : ۱۲۔۱۳

۴۵۔ توراۃ ۔ ایضاً ۔ ۳۲ : ۳۔۶ نیز استثناء ۹ : ۱۹۔۲۲

۴۶۔ توراۃ ۔ ۱۔سلاطین ۱۱ : ۱۔۱۱

۴۷۔ انجیل ۔ یوحنا۔ ۱۶ : ۱۴

۴۸۔ قرآنِ مجید۔ سورہ النحل ۱۶ :۱۰۳

Marfat.com

۴۹۔ محمدؐ۔ ڈی۔ایس۔ مارگولیس ص ۱۰۷۔ الفاظ ملاحظہ ہوں۔

(Perhaps that reply is unconvincing)

۵۰۔ قرآنِ مجید۔ سورہ یونسؑ ۱۰ : ۱۶

۵۱۔ محمدؐ اور محمدیت۔ باسورتھ سمتھ۔ ص

۵۲۔ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور۔ ج ۱، ص ۱۴

۵۳۔ محمدؐ اور محمدیت۔ باسورتھ سمتھ۔ ص ۱۴۵

۵۴۔ قرآنِ مجید۔ سورہ عَبَسَ ۸۰ : ۱-۱۲

۵۵۔ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور ج ۲، ص ۲۳۰

۵۶۔ قرآنِ مجید۔ سورہ الحاقۃ : ۴۴-۴۷

۵۷۔ قرآنِ مجید۔ سورہ الروم ۳۰ : ۱

۵۸۔ تاریخ زوالِ روما۔ ایڈورڈ گبن۔ ج ۲ ص ۔ ۸۸،

۵۹۔ معرکہ مذہب و سائنس۔ ڈریپر (ترجمہ مولانا ظفر علی خاں)۔ ص ۱۰۳

۶۰۔ محمدؐ اور محمدیت۔ باسورتھ سمتھ۔ ص ۱۵۰؛ تاریخِ زوالِ روما، ایڈورڈ گبن۔ ج ۲، ص ۸۸،

۶۱۔ ایضاً۔ ایضاً۔ ص ۱۴۹

۶۲۔ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور۔ ج، باب xxvii، ص ۸۷۴؛ الطبقات الکبریٰ۔ ج ۱ ص ۲۷۳

۶۳۔ ایضاً۔ ایضاً۔ ج ۴۔ ص ۵۹؛ محمدؐ اور محمدیت۔ باسورتھ سمتھ، ص ۱۵۰

۶۴۔ ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ، ٹامس کارلائل، ص ۲۷۹؛ عروج و ترقی اسلام، ڈاکٹر ہنری سٹلب ص ۲۷؛ جارج برنارڈ شا (بحوالہ اُردو ڈائجسٹ، سالنامہ ۱۹۸۸) ص ۵۲۔

(''ازمنہ وسطیٰ میں عیسائی راہبوں نے جہالت اور تعصب کی وجہ سے اسلام کی نہایت بھیانک تصویر پیش کی۔ انھوں نے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور دینِ اسلام کے خلاف منظم تحریک چلائی۔ یہ سب راہب اور مصنف غلط کار تھے۔ کیونکہ محمدؐ ایک عظیم ہستی اور صحیح معنوں میں انسانیت کے نجات دہندہ تھے۔)

Marfat.com

۶۵۔ محمدؐ۔ ڈی۔ایس۔مارگولیس، ص ا

(محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوانح نگاروں کی ایک طویل فہرست ہے جس کا ختم ہونا ناممکن ہے۔ لیکن اِس میں جگہ پانا قابلِ عزت ہے۔)

۶۶۔ ( ) "Sword of the Prophet" گولڈسٹن، ص ۲۸

۶۷۔ الطبقات الکبریٰ۔ ابنِ سعد، ج ا، ص ۲۷۲

۶۸۔ What is Islam منٹگمری واٹ، ص ۱۲

۶۹۔ قرآنِ مجید۔ سورہ البقرہ ۲: ۱۷۱

۷۰۔ ایضاً۔ " ۲۸: ۷۷

۷۱۔۷۲۔ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور۔ ج ا، مقدمہ، ص xxvii — xxviii، xvi-xvi

۷۲۔۷۳۔ حیاتِ محمدؐ۔ محمد حسین ہیکل۔ ص ۳۶-۴۲

Marfat.com

ضمیمہ سوم

قصہ غرانیق

(اصابتِ قرآن کے حوالے سے)

"ناسخ و منسوخ" کے[1] بعد سر ولیم میور نے جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ قصہ غرانیق ہے[2]۔ یہ اہم واقعہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کے پانچویں سال (رمضان المبارک) میں پیش آیا۔ واقعہ کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

ایک روز ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) حرمِ پاک میں موجود تھے۔ سردارانِ قریش جن میں ولید بن مغیرہ، اُمیہ بن خلف، اُحیحہ بن العاص ایسے مسن اور زبان آور لوگ قابلِ ذکر ہیں، وہاں بیٹھے اپنی باتوں میں مصروف تھے۔ اسی اثناء میں آنحضورؐ مجمع کو خطاب کرنے کے لیے کھڑے ہوتے آپ نے ابھی گفتگو کا آغاز کیا ہی تھا کہ حضرت جبریلؑ امین نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان پر سورہ النجم[3] جاری فرما دی۔ اس بار وحی کے نزول کے وقت آنحضورؐ پر نہ تو ہیجانی کیفیت طاری ہوئی، نہ آپؐ کے منہ سے جھاگ نکلے، نہ آپؐ کو تشنج کا دورہ پڑا اور نہ ہی آپؐ کا شعور منقطع ہوا۔[4] سورت کا نظم اور آہنگ اس قدر سحور کُن تھا کہ مشرکین مبہوت بیٹھے تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب ۶۲ آیت پر مشتمل سورت کی قرآت فرما چکے اور سجدہ کرنے کے لیے جھکے تو تمام سامعین آپؐ کے ساتھ سجدہ میں گر گئے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ قرآنِ مجید کی یہ پہلی سورت تھی جس کی قرآت شارع علیہ السلام نے مسلمانوں اور مشرکین کے اکٹھے اجتماع میں فرمائی۔ "نگاہِ مستِ ساقی کا اثر تھا" کہ وہ لوگ بھی جو آپؐ کی مخالفت میں پیش پیش تھے اور دعوتِ حق سے انکار پر مصر تھے، سجدہ کیے بغیر نہ رہ سکے۔ اُمیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ نے جو کبر سنی کی وجہ سے نہیں جھک پاتے تھے، زمین سے مٹی اٹھا کر پیشانی پر لگا لی۔ اَبُو اُحیحہ کے بارے میں بھی اسی قسم کی روایت موجود ہے۔

Marfat.com

سردارانِ قریش نے سورہ النجم نہ صرف خاموشی سے سُن لی بلکہ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امامت میں سجدہ بھی گزار دیا۔ اب وہ لگے اپنی عقل کا ماتم کرنے اور اپنے ہوش وحواس کے کھو جانے پر کفِ افسوس ملنے۔ جب دوسروں کو ان کی حماقت کا پتہ چلا ہوگا تو انھوں نے بھی عقل کے ان اندھوں کا خوب مذاق اُڑایا ہوگا۔ ان کے مذبذب کا یہ عالم تھا کہ انھیں جان چھڑانی مشکل ہوگئی۔ آخرکار انھوں نے یہ بات بنا کر اپنا پیچھا چھڑایا کہ ہم نے تو أَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى کے بعد محمد (فداہ ابی وامی) کی زبان سے یہ الفاظ سُنے تھے تِلْكَ الْغَرَانِيقَةُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى ۝ (یہ بلند پایہ دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت ضرور متوقع ہے)۔ اس لیے ہم نے سمجھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے طریقے پر آگئے ہیں۔ حالانکہ کوئی پاگل آدمی ہی یہ سوچ سکتا تھا کہ سورہ النجم کے اس سیاق و سباق میں اُن فقروں کی بھی کوئی گنجائش ہے جو اُن کا دعویٰ تھا کہ ان کے کانوں نے حضور اکرمؐ کی زبان سے سُنے ہیں۔

یہ واقعہ، جیسا کہ آئندہ صفحات میں آپ دیکھیں گے، من گھڑت اور بے بنیاد ہے۔ اس کی حیثیت جھوٹ موٹ کی کہانی سے زیادہ نہیں۔ اب قصے کو سر ولیم میور کی زبانی سُنیے کہتے ہیں:

"آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقصد اپنی قوم کی نشاۃِ ثانیہ تھی۔ لیکن آپؐ اس مقصد میں ناکام ہو رہے تھے۔ چالیس یا پچاس آدمیوں کا دعوتِ حق کو قبول کر لینا پوری قوم کی ناراضی کا مداوا نہیں کر سکتا تھا۔ آپؐ کا دل غمگین تھا اور رؤسائے قریش کی مسلسل مزاحمت کے سبب آپ کی رُوح مضمحل تھی۔ مستقبل بھی بظاہر تاریک نظر آتا تھا۔ ان رُوح فرسا حالات میں عرب کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مشرکین کے ساتھ مفاہمت کرنے اور اُسے ممکن الحصول بنانے کے لیے تدابیر کرنا شروع کیں۔"

"ایک صبح کو جب مکہ کے تمام چیدہ چیدہ آدمی کعبہ میں جمع تھے اور آپس میں مصروفِ گفتگو تھے، آنحضورؐ تشریف لے آئے۔ آپؐ نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے، انتہائی دوستانہ ماحول میں سورہ النجم کی تلاوت شروع کی۔ آپؐ جب أَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ پر پہنچے تو شیطان نے آپؐ کی زبان

Marfat.com

سے وہ الفاظ نکلوا دیئے جن کی آپؐ کئی دنوں سے تمنا لیے ہوتے تھے۔ ان کلمات کا مقصد قریش سے مفاہمت پیدا کرنا تھا۔ اس خواہش کے پیش نظر کہ آپؐ کے اور کفار کے درمیان بُعد کم کیا جائے، شیطان نے فائدہ اُٹھا کر، یہ کلمات آپؐ کی زبان پر جاری کرا دیئے۔" ۷

"اہلِ قریش آپؐ کی زبان سے اپنی دیویوں کی عزت و توقیر کا سُن کر بے حد مسرور ہوتے اور جب آپؐ سورت کے اخیر پر پہنچے جو "اللہ کے آگے جُھک جاؤ اور اس کی بندگی بجا لاؤ" پر ختم ہوتی ہے، تو تمام حاضرین مل کر سجدے میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی بجا لائے۔ ولید بن مغیرہ نے جو بڑھاپے کے سبب جُھک نہیں سکتا تھا، زمین سے مٹی اُٹھا کر اپنی پیشانی پر لگالی۔"

"لوگوں نے کہا:"

"اب ہمارا آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کیا اختلاف ہے۔ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موت و حیات کا مالک ہے۔ وہ تخلیق کرتا ہے اور روزی دیتا ہے۔ البتہ ہماری دیویاں اس کے ہاں ہماری شفاعت کرتی ہیں۔ چونکہ آپؐ نے ہماری بات مان لی ہے اس لیے ہم ان کی پیروی کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ۷ یہ باتیں آپؐ کو سخت ناگوار گزریں۔ چنانچہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔"

"شام کو حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے تو آنحضورؐ نے اُن کے سامنے سورت کی تلاوت فرمائی۔ انھوں نے کہا: یہ آپؐ نے کیا کیا؟ یہ دونوں فقرات جو آپؐ نے لوگوں کے سامنے ادا کیے ہیں، مَیں تو نہیں لایا تھا۔ اس پر آپؐ سخت غمگین ہوتے۔ آپؐ نے فرمایا: مبادا مَیں نے ہی یہ فقرے بڑھا دیئے ہوں۔ مَیں نے اللہ تعالیٰ کی طرف ایک ایسی بات منسوب کر دی ہے جو اس نے نازل نہیں فرمائی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو تسلی دیتے ہوتے اور آپؐ کا اعتماد بحال کرتے ہوتے، وہ آیات منسوخ کر دیں اور ان کی جگہ سورہ النجم کی آیات (۲۱-۲۳) نازل فرما دیں ۷ نیز سورہ بنی اسرائیل کی آیات (۷۳-۷۵) نازل فرما کر آپ کے لیے تسکینِ قلب کا سامان پیدا کر دیا۔" ان کا ترجمہ

Marfat.com

درج ذیل ہے۔

"اے نبیؐ! ان لوگوں نے اس کوشش میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی کہ مشرکین آپؐ کو فتنے میں ڈال کر اس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے آپؐ کی طرف بھیجی ہے تاکہ آپؐ ہمارے نام پر اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ لیں۔ اگر آپؐ ایسا کرتے تو وہ ضرور آپؐ کو اپنا دوست بنا لیتے اور بعید نہ تھا کہ اگر ہم آپؐ کو مضبوط نہ رکھتے تو آپؐ ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے۔ لیکن اگر آپ ایسا کرتے تو ہم آپؐ کو دُنیا میں بھی دوہرے عذاب کا مزہ چکھاتے اور آخرت میں بھی دوہرے عذاب کا، پھر ہمارے مقابلے میں آپؐ کوئی مددگار نہ پاتے۔" ۹

"جب قریش کو اس تبدیلی کا علم ہوا تو کہنے لگے کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہماری دیویوں کا جو "ذکرِ خیر" کیا تھا اس سے وہ پلٹ گئے ہیں اور اصل الفاظ بدل کر ان کی جگہ دوسرے الفاظ لے آئے ہیں۔ ان "دو شیطانی فقرات" کا ذکر ہر شخص کی زبان پر تھا۔ چنانچہ مشرکین کا غصہ اور عناد اور بڑھ گیا اور مسلمانوں کے خلاف ان کی گرفت زیادہ مضبوط ہو گئی۔"

"بعد کے زمانے کے پاکیزہ مسلمان" اپنے پیغمبر کی (نعوذ باللہ) اس لغزش پر جو اُن سے بُت پرستی کے حق میں ہوئی تھی، اس قدر پشیمان ہوتے کہ انھوں نے اس کہانی کے وجود کا ہی انکار کر دیا۔ سر ولیم میور کا کہنا ہے کہ اگر یہ واقعہ رونما نہ ہوا ہوتا اور قریش کے ساتھ آپؐ کی مصالحت کی خبر دُور تک نہ پہنچ چکی ہوتی، تو مہاجرین حبشہ سے سکونت ترک کر کے مکہ واپس نہ آتے۔ اس کی دوسری دلیل اس روایت کے حق میں یہ ہے کہ آنحضورؐ اور اہلِ قریش کے درمیان" اس کے سوا مصالحت کی اور کوئی صورت نظر ہی نہیں آتی۔ (مصالحت ہوئی ہی کب تھی کہ اس کی کوئی صورت نظر آتی ؟) لہٰذا یہ واقعہ کہ شیطان نے آپؐ کی مفاہمت کی خواہش سے فائدہ اُٹھا کر یہ کلمات دیویوں کے اعزاز میں) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان پر جاری کرا دیتے، درست ہے۔"

کوئی صاحب بصیرت انسان یہ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں کہ محبوب داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حالات سے مجبور ہو کر مشرکینِ مکہ سے مصالحت کی خواہش میں "مُداہنت" اختیار کرنے اور "کچھ دو اور کچھ لو" کی پالیسی پر گامزن ہونے کے بارے میں سوچنا شروع کیا ہو۔ یا آپؐ نے یہ خواہش

Marfat.com

کی ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی آیت یا آیات کا نزول ہو جاتے جن کی موجودگی میں مکذبین دعوت سے نباہ کرنے کا جواز مل سکے۔ یہ خیال بھی انتہائی گمراہ کن ہے کہ جبریلؑ کے ساتھ شیطان بھی آپؐ پر کوئی لفظ القاء کر سکتا ہے یا وحی میں دخیل ہو کر کسی بات کا اضافہ کر سکتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے :

لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ۔
(حٰمٓ السجدہ ۴۱ : ۴۲)

(باطل نہ سامنے سے اس پر آ سکتا ہے نہ پیچھے سے۔ یہ ایک حکیم و حمید کی نازل کردہ چیز ہے)

اور قرآنِ مجید کا یہ فرمان ان تمام مزعومات کی تردید کے لیے کافی ہے جن کا اظہار سر ولیم میور نے اپنی کتاب میں کیا ہے :

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر ۱۵-۹)

(ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں)

جہاں تک اصولوں پر سودے بازی کا تعلق ہے۔ قرآنِ مجید خود اس بات پر گواہ ہے کہ دین کے معاملے میں حاملِ قرآن (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی مداہنت اور کمزوری سے کام نہیں لیا۔ ارشاد ہوتا ہے :

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ۝ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ۔
(القلم ۶۸ : ۸-۹)

(لہٰذا آپؐ ان جھٹلانے والوں کے دباؤ میں نہ آئیں۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ آپ مداہنت کریں تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں)

سر ولیم میور نے یہ قصہ گھڑ کر (جس کے لیے بقول علامہ شبلی "سیاہی ہم نے ہی مہیا کی ہے") اسلام کے بنیادی عقائد پر ایک ایسی ضرب لگائی ہے جس کا مداوا کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اس قصے کو بیان کرنے والوں میں زمخشری جیسے عقلیت پسند (Rationalist) مفسر، ابنِ جریر الطبری جیسے عظیم مورخ، ابنِ حجر جیسے نامور محدث اور علامہ واقدی جیسے اربابِ سیر شامل ہیں۔ ابنِ سعد نے بھی الطبقات الکبریٰ کی جلد اوّل میں اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا

Marfat.com

ہے۔ مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اتنے قدآور مفسرین، عظیم محدثین اور معروف مورخین کی نیت پر شک کروں لیکن مستشرقین کی ایک بڑی جماعت نے ان کی تقلید میں اس واقعہ سے جن نتائج کو اخذ کیا ہے، ان کی نوعیت یہ ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ اور لات و عزیٰ کی "باہمی مفاہمت" کے بعد، خداوند بزرگ و برتر کی وحدانیت کا پاکیزہ، عالمگیر اور جامع تصور دھندلا جاتا ہے۔ اس لیے کہ دونوں کا وجود ایک ساتھ قائم نہیں رہ سکتا۔

ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ (یوسف ۱۲: ۳۹-۴۰)	(اے زندان کے ساتھیو! تم ہی بتلاؤ کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا ایک خدا جو سب پر غالب ہے؟ اس کو چھوڑ کر تم جن کی پوجا کرتے ہو وہ چند ناموں کے سوا کچھ نہیں ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی دلیل اس پر نہیں اتاری۔)

۲۔ قرآن مجید کی صیانت اور اعتبار مشکوک ٹھہرتا ہے۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر "القائے ربانی" اور "القائے شیطانی" میں امتیاز نہیں کر پاتے تو پھر اُمت مسلمہ میں اور کون ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ وہ دونوں میں امتیاز کر سکنے کے قابل ہے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۔ (قٓ ۵۰: ۵)	(ان لوگوں نے تو حق کو اسی وقت جھٹلا دیا تھا جب وہ ان کے پاس پہنچا۔ اسی وجہ سے وہ اُلجھن میں پڑے ہوتے ہیں)

یوں نظر آتا ہے کہ مشرکین مکہ کے علاوہ (معذرت کے ساتھ) ہم بھی وحیِ الٰہی کے بارہ میں اُلجھن میں پڑ گئے ہیں۔

۳۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ فرمانا کہ میں نے (نعوذ باللہ) ایک ایسی بات اللہ تعالیٰ

Marfat.com

کی طرف منسوب کردی ہے جو وحی میں شامل نہ تھی" پورے قرآنِ مجید کو مشکوک بنا دیتی ہے۔ کیا متذبذبین یہ نہیں کہہ سکتے کہ کئی اور بھی ایسے مقامات ہوں گے جہاں شیطان نے اپنا ہاتھ دکھایا ہوگا؟

۴۔ عصمتِ انبیاء (علیہم السلام) کا وہ عقیدہ جو اسلامی تعلیمات کی بنیاد ہے، خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ حضرت جبریلؑ کی ملاقات تک، جو اس روز شام کو ہوتی ہے، آنحضورؐ کو یاد نہیں رہا کہ انھوں نے لات و عزیٰ کی توقیر میں کوئی ایسے جملے شاملِ گفتگو کر لیے تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوتے تھے۔ یا جن کے لیے کوئی سند نہ تھی۔

۵۔ اس سے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حافظے پر بھی اعتماد کم ہو جاتا ہے حالاں کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں" وحی کا یاد کروا دینا اور اُسے پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے"۔

معاندینِ اسلام نے دینِ حق کے خلاف، چاہے جہالت کی بنا پر یا مذہبی اور سیاسی تعصب کی بنا پر اور چاہے احساس برتری کے تحت ہی، جو زہر چکانی کی ہے، انھیں اس کا حق پہنچتا ہے۔ وہ اپنے مذہب کی برتری ظاہر کرنے اور اپنے نظامِ تمدن و اخلاق کی عمدگی ثابت کرنے کے لیے اپنے ترکش کے تمام تیر آزمانے کا حق رکھتے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو" زلفِ سیاہ" کے اسیر ہونے کے باوجود ایسی روایات گھڑنے یا ان پر صاد کہنے کے لیے، جو اسلام کی رُوح کے منافی ہیں، ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ آیئے اس واقعہ کو تاریخی شواہد کی روشنی میں دیکھیں کہ حقیقت کیا ہے:

۱۔ یہ واقعہ اس زمانے سے تعلق رکھتا ہے جب مسلمان دعوتِ دین کی اشاعت اور کفارِ مکّہ کی ایذا رسانیوں سے بچنے کے لیے حبشہ کی طرف، ہجرت کر گئے تھے۔ حضرت عثمانؓ اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ (بتولِ رسولِ مقبولؐ) اس گروہ کے سرِ عسکر تھے؛

۲۔ یہ ہجرت تاریخی روایات کے مطابق ۵ھ بعد بعثت رجب میں واقع ہوئی مہاجرین کا وہ گروہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی کے لیے حبشہ پہنچا تھا، تین ماہ بعد شوال میں یہ خبر پا کر کہ حضرت عمرؓ جیسا بطلِ جلیل حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا ہے اور قریش اور مسلمانوں میں مصالحت ہو گئی ہے، واپس لوٹ آیا؛

Marfat.com

۳۔ اس (من گھڑت اور جھوٹی) روایت کے پیشِ نظر کہ "شیطان نے مشرکین مکّہ کی دیویوں کے حق میں ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبانِ مبارک سے تعریفی کلمات نکلوا دیئے ہیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ لامحالہ یہ الفاظ اسی سہ ماہی کے دوران، (رمضان المبارک ۵ نبوی میں) کہے گئے ہوں گے)

۴۔ سورہ بنی اسرائیل کی وہ آیت جو بعض احباب کے خیال میں بطورِ عتاب نازل ہوتی کہ:
"اے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام! قریب تھا کہ مشرکین آپؐ کو فتنے میں ڈال کر اس وحی سے پھیر دیتے جو ہم آپؐ پر کر چکے ہیں۔ اور اپنی اس کامیابی میں آپؐ کی دوستی کا دم بھرتے۔ مگر ہم نے بکمال مہربانی آپؐ کو ان کی طرف ذرّہ برابر مائل نہ ہونے دیا۔ اگر آپؐ سے یہ لغزش ہو جاتی تو ہم آپؐ کو دونوں جہانوں میں گوناگوں عذاب سے دوچار کرتے اور ہمارے مقابلے میں کوئی بھی آپؐ کی مدد کو نہ پہنچتا۔"
معراج کے بعد کے زمانے کی ہے۔ اور معراج کا زمانہ ۱۱ یا ۱۲ بعد بعثت ہے گویا کہ وہ "غلط کام" جس سے خداوندِ علیم و قدیر اور قوی و عزیز نے بیزاری کا اظہار فرمایا، اس پر عتاب پانچ چھ سال گزر جانے کے بعد نازل ہوا۔ (حالانکہ اس آیتِ مبارکہ کا غرانیق کے واقعہ سے کوئی تعلق ہی نہیں اور نہ ہی یہ آیتِ مبارکہ اس بات کا ثبوت مہیا کرتی ہے کہ آپؐ سے (نعوذ باللہ) اس قسم کی کوئی حرکت سرزد ہوتی ہے۔ بلکہ "خداوندِ علیم و قدیر فرماتے ہیں کہ اگر شیطان رسولِ رحمت کی تلاوت میں دخل انداز ہو جاتا اور خود رسولِ رحمتؐ کی اس میں نیم دلانہ شرکت کا شائبہ بھی پایا جاتا، تو ممکن ہے کہ ہم آپؐ کو اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ایسے عذاب سے دوچار کرتے کہ کوئی آپؐ کو ہمارے عذاب سے چھڑا نہ سکتا۔

۵۔ سورہ حج کی آیت (۵۲) ۲ھ خود ولیم میور کے مطابق بعد کے زمانے میں نازل ہوتی جبکہ "عتاب" کی آیت کو نازل ہوتے بھی دو اڑھائی سال گزر چکے تھے۔ ربِّ ذوالجلال نے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تسلّی دیتے ہوتے فرمایا:
"قرآنِ مجید میں جو آمیزش القائے شیطانی سے ہو گئی ہے" ہم اُسے مٹاتے دیتے

Marfat.com

ہیں اور اپنی آیات کو پختہ کر دیتے ہیں۔" ہم تو صرف ان لوگوں کو آزمانا چاہتے تھے جن کے دلوں میں نفاق کا روگ ہے اور جن کے دل کھوٹے ہیں۔[۳۱]

اس آیۂ مبارکہ کا صحیح ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے جو قرآنِ مجید کی رُوح سے ہم آہنگ اور اس آیۂ مبارکہ کے مضمون کے عین مطابق ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ سے پہلے جس رسول اور نبی کو بھیجا، تو اس کے ساتھ یہی ہوا کہ (اس کے چلے جانے کے بعد) شیطان (جنسِ شیطان جس میں انسان بھی شامل ہیں) اس کی کتاب میں (وحی میں جس کی وہ تلاوت فرماتے تھے) اپنی طرف سے کچھ ملا دیتے۔ (اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک اور رسول بھیجتا جو الحاق و تحریف کی تمام صورتوں کو) مٹا دیتا اور اپنی آیات کو (اور زیادہ) مضبوط کر دیتا۔ (وحی الٰہی کو پھر اس کی منزہ شکل میں پیش کرتا۔ (۲۲ : ۵۰)

اب آپ ہی فرمائیے کہ "تحریف والحاق" کا وہ فعل جو ۵ھ بعد بعثت رمضان المبارک میں وقوع پذیر ہوا اور اس پر :

عتاب	پانچ چھ سال بعد ہوا :
الحاقی آیات	کی تنسیخ آٹھ سال بعد ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کو مضبوط کر دیا۔
	کتنی بے معنیٰ اور بے تکی بات ہے۔

ذرا سورہ النجم کے متعلقہ حصّے کا مطالعہ کیجئے جس میں کہا جاتا ہے کہ "الحاقی فقرات" شامل ہو گئے تھے۔ کیا کوئی صاحبِ عقل یہ ماننے کے لیے تیار ہو گا کہ "الحاقی آیات" کسی طرح بھی یہاں ٹھیک بیٹھتی ہیں ؟ یا ان کا سننے والا (جو زبان دان ہے) ان سے وہی معنی مراد لے سکتا ہے جو یہاں لیے گئے ہیں۔

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝	پیغمبرؐ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں
اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝	دیکھیں۔ تم نے بھی لات و عزّیٰ اور
وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ (تِلْكَ	تیسری دیوی منات کی حقیقت پر کچھ
الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى ۝ وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ	غور بھی کیا ہے؟ (یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں
لَتُرْتَجٰى ۝) اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ	اور ان کی شفاعت ضرور متوقع ہے۔)

Marfat.com

اَلْاُنْثٰی ○ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰی ○
اِنْ هِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَآ
اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ○ اِنْ
یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَی
الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ
مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰی ○[۲۳]

تم نے اپنے لیے تو بیٹے پسند کیے اور خدا کے لیے بیٹیاں![۲۱] یہ تو پھر بڑی دھاندلی کی تقسیم ہوئی![۲۲] دراصل یہ کچھ نہیں ہیں مگر چند نام جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں کی حقیقت یہ ہے کہ لوگ محض ظن و گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور خواہشات نفس کے تابع ہیں۔ حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔

اس عبارت میں خط کشیدہ فقروں پر غور کیجئے۔ کیا واقعی یہ فقرات اس سیاق و سباق میں ٹھیک بیٹھتے ہیں؟ ان دو فقروں کے سبب پوری عبارت باہم متناقض ہو گئی ہے کیونکہ پہلے تو دیویوں کی تعریف کی گئی ہے اس کے بعد ان کی مذمت، کیا قرآن مجید اس تناقض اور آشفتہ بیانی کا متحمل ہو سکتا ہے؟ ایک سانس میں یہ کہنا کہ تمھاری دیویاں عزت و توقیر کے قابل ہیں، اور دوسرے ہی سانس میں ان کے وجود سے انکار کر دینا، عجیب منطق ہے؟

اگر چند لمحوں کے لیے یہ بات مان بھی لی جائے کہ شیطان نے غلبہ پا کر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ کہلوا ہی دیئے تھے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ قریش کا وہ سارا مجمع جو اسے سُن رہا تھا اس قدر وفورِ جذبات میں بہہ گیا تھا کہ اسے ان تعریفی کلمات کے بعد، تردیدی بیانات کی طرف توجہ دینے کی فُرصت ہی نہیں ملی۔ سورہ النجم کے آخر تک کا پورا مضمون ان تعریفی فقرات کے بالکل خلاف ہے۔ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ قریش کے دانشور اسے آخر تک سننے کے بعد یہ پکار اٹھے ہوں" کہ اچھا ہوا ہمارا اور آنحضورؐ کا اختلاف ختم ہو گیا"۔

پھر اگر آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس "لغزش" پر عتاب نازل ہونا ضروری تھا اس

Marfat.com

لیے کہ نبی اکرمؐ نے (نعوذ باللہ) القائے شیطانی کے تحت ایک ایسی چیز خدائے برحق کی طرف منسوب کردی تھی جس کا آپؐ کو کوئی حق نہیں پہنچتا تھا) تو چاہیئے تھا کہ عتاب والی آیات بھی سورۃ النجم ہی میں شامل کی جاتیں۔ لیکن "عتاب والی آیات کو پانچ چھ سال تک اُٹھائے رکھنا اور تالیفِ قلبِ مصطفٰے کے لیے سورہ الحج کی آیات کو مزید دو اڑھائی سال کے بعد نازل فرمانا ثابت کرتا ہے کہ سر ولیم میور نے ازخود (یا واقدی اور طبری کی تقلید میں) قرآنِ مجید کو سمجھنے میں سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ ورنہ عربی ادب و انشاء میں "غرانیق" کا لفظ کبھی معبود دیویوں کے لیے استعمال نہیں ہوا۔ اس کے معنی سیاہ و سفید رنگت والے وہ آبی پرندے (Delicate Swan - like birds) ہیں جو پانی میں رہتے ہیں۔[۱۴]

شرک پر خدائے واحد و قیوم کا صبر، سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مشرکینِ مکہ کی ایذا رسانیوں سے گھبرا کر مصالحانہ رویّہ اختیار کرنا اور دیویوں کی تکریم کے لیے دل میں نرم گوشہ پیدا کرنا ــــ ایسی باتیں ہیں جو قرآنی تصریحات کے بالکل خلاف ہیں۔ ذیل کی آیتِ مبارکہ اس بات پر شاہدِ عادل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کی عصمت اور وحی کی صیانت کو شیاطین کی دخل اندازی سے محفوظ رکھا ہے:

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝	(اس کتابِ ہدیٰ کو شیاطین لے کر نہیں اُترے ہیں۔ نہ یہ کام ان کو سجتا ہے، اور نہ وہ ایسا کر ہی سکتے ہیں وہ تو اس کی سماعت تک سے دُور رکھے گئے ہیں۔)[۱۵]
(الشعراء ۲۶: ۲۱۰-۲۱۲)	

جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ سورہ بنی اسرائیل کی وہ آیات جو معاندین واقعہ کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں[۱۶] اور پورے زور سے کہتے ہیں کہ وہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بطور "عتاب" نازل ہوئی تھیں، کیا ان کا مطالعہ اس حقیقت کی نقاب کشائی نہیں کرتا کہ یہ واقعہ ہرگز ہرگز رونما نہیں ہوا۔ اور اگر شارع علیہ السلام سے یہ لغزش سرزد ہوتی تو خالقِ کائنات آپؐ کا مواخذہ اس زور سے کرتے کہ زمین و آسمان کانپ جاتے اور دنیا دیکھ

Marfat.com

یعنی کہ خدا کا شریک ٹھہرانے والوں یا شرک کرنے والوں کے لیے دل میں نرم گوشہ رکھنے والوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔ کم از کم تھڑدلوں کو اس دلیل کو ماننے سے تو نہیں ہچکچانا چاہیئے جسے وہ خود پیش کر رہے ہیں۔

اِس روایت کی تردید کرنے والوں میں علامہ بیہقیؒ، حافظ عماد الدین ابنِ کثیر، قاضی عیاض اندلسی، قاضی ابوبکر ابن العربی، امام ذہبیؒ، عبدالمومن دمیاطی، السہیلی، علامہ عینی اور امام فخرالدین رازی شامل ہیں۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے، جن کا مقام حدیث میں مسلّمہ ہے، اِس لغو قصّے کا ذکر تک نہیں کیا۔ علامہ بیہقیؒ نے اس قصّے پر جرح کرتے ہوئے کہا ہے:

"از روئے نقل یہ قصہ ثابت نہیں ہے۔ اس قصہ کے راوی مطعون ہیں" ؎۷

حافظ عماد الدین ابنِ کثیر نے اپنی تفسیر میں اس قصّے کا حوالہ تک نہیں دیا۔

قاضی ابی الفضل عیاض اندلسی نے "الشفاء" میں اس قصّے کے لغو ہونے پر بحث کرتے ہوئے کہا ہے:-

"یہ قصہ صحیح متّصل، بے عیب سند کے ساتھ کسی ثقہ راوی سے منقول نہیں ہوا اور نہ ہی صحاح کے فاضل مصنفین میں سے کسی نے اسے نقل کیا ہے۔" ؎۸

قاضی بکر بن علاء مالکی کا کہنا ہے:

"صاحبِ غرض لوگوں نے اس قصّے کو گھڑ کر خواہ مخواہ لوگوں کو ابتلاء میں ڈال دیا ہے"۔

ابنِ خزیمہ سے جب اس قصّے کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا:

"یہ زنادقہ کا گھڑا ہوا ہے"۔

ابو منصور ماتریدی نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

"یہ جملہ قصہ اس شیطانی وحی کا حصہ ہے جو شیطان نے اپنے دوست زندیقوں کو بھیجی تھی"۔

علامہ رازی اپنی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

"یہ قصہ جھوٹ ہے اور گھڑا ہوا ہے۔ اس کا بیان کرنا جائز نہیں۔ خداوندِ قدوس کا ارشاد ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی خواہشِ نفسانی سے نہیں کہتے۔ وہ

Marfat.com

صرف وہی فرماتے ہیں جو اُن کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ نیز ارشاد ہوتا ہے کہ
ہم آپؐ کو پڑھا دیں گے سو آپؐ نہ بھولیں گے۔" ۱۹

ابن اسحٰق نے اِس قصّے کو :
"زندیقوں کی گھڑنت قرار دیا ہے۔"

صاحبِ مواہب اللّدنیہ نے جن کا حوالہ سر ولیم میور دے رہے ہیں، واقعہ کی توجیہہ اِس طرح کی ہے :

"جنابِ رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلم) جب اِس آیت پر پہنچے وَمَنَاتَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی، تو مشرکوں کو ڈر ہوا کہ آپؐ کوئی ایسی بات نہ کہہ دیں جس سے ان کے معبودوں کی بُرائی ہوتی ہو چنانچہ انھوں نے جھٹ سے رسول اللہؐ کی تلاوت میں یہ فقرے ملا دیئے۔ اپنی اِس عادت کے مطابق جیسا کہ وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ "اس قرآن کو سُنو مت اور اس میں گڑبڑ کر دو۔" اور یہ بات منسوب ہو گئی شیطان کی طرف۔ کیونکہ اس نے ان لوگوں کو اس پر آمادہ کیا تھا۔ یہاں شیطان سے شیطان آدمی مراد ہے۔ (یعنی شریر آدمی)" ۲۰

اُوپر کے حوالوں سے ظاہر ہے کہ یہ واقعہ بے سروپا ہے اور اس کی کچھ حقیقت نہیں۔

"وہ لوگ بھی جو اس روایت کے حامی ہیں اِس بات کا صاف صاف اقرار کرتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس کی تائید میں کافی ثبوت اور کوئی قابلِ اعتماد سند موجود نہیں ہے۔ اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ سر ولیم میور اس قدر اعتماد کے ساتھ کس بنا پر یہ فرماتے ہیں کہ" بظاہر ایک خوب مستند قصہ موجود ہے جس سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صاحب کا مشرکینِ مکّہ کے ساتھ ایک عارضی موافقت اور مصالحت کرانا ثابت ہوتا ہے"

صاحبِ مواہب اللّدنیہ کی اُوپر کی روایت میں یہ فقرہ بہت اہم ہے کہ "جب مشرکوں کو پتہ چلا کہ پیغمبرِ خدا (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے یہ لفظ نہیں فرمائے تھے تو انھوں نے پہلے سے بھی زیادہ دشمنی اختیار کی تھی۔ اصل عبارت یوں ہے :

"وَلَمَّا تَبَیَّنَ الْمُشْرِکِیْنَ عَدَمَ ذَالِكَ رَجَعُوْا اِلٰی اَشَدِّ مَا کَانُوْا عَلَیْہِ"

Marfat.com

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سر ولیم میور اور مسٹر اسپرنگر کے اس شبہ کو بھی دُور کر دیا جائے جو راویانِ حدیث کی اتنی بڑی تعداد کو اس قصّے کی روایت میں مبتلا ہوتے دیکھ کر دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ ایک شخص سوال کر سکتا ہے کہ اگر قصّے کی کوئی اصلیت ہی نہیں تو خمِ مرتبت (صلّی اللہ علیہ وسلّم) اور قرآن پر اتنا بڑا بہتان حدیث کے اتنے راویوں کے ذریعے سے، جن میں بعض بڑے نامور ثقہ بزرگ ہیں، اشاعت کیسے پا گیا؟

صحاح کی کتابوں میں اصل واقعہ اتنا ہی نقل ہوا ہے کہ نبی اکرم (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے سورہ النجم کی تلاوت فرمائی اور خاتمے پر جب آپؐ نے سجدہ کیا تو تمام حاضرین مسلم اور مشرک، سجدے میں گر گئے۔ واقعہ بس اتنا ہی تھا۔ قرآنِ مجید کا مؤثر اندازِ بیان اور پھر نبی اکرم (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی زبانِ مبارک سے اس کا ایک ملہمانہ شان کے ساتھ ادا ہونا، اس کو سُن کر اگر پورے مجمع پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی ہو، اور آپؐ کے ساتھ سارا مجمع سجدے میں گر گیا ہو تو کچھ بعید نہیں۔ یہی تو وہ چیز تھی جس پر قریش کے لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ شخص جادوگر ہے (نعوذ باللہ)۔

"البتہ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں قریش کے لوگ اپنے اس وقتی تاثر پر کچھ پشیمان ہوتے ہوں گے۔ اور ان میں سے کسی نے یا بعض لوگوں نے اپنے اس فعل کی یہ توجیہ کی ہو گی کہ صاحب ہمارے کانوں نے تو آنحضورؐ کی زبان سے اپنے معبودوں کی تعریف میں کچھ کلمات سُنے تھے۔ اس لیے ہم بھی ان کی ساتھ سجدے میں گر گئے۔"[۲۲] یہ کہانی جو معاندین کو معتبر اور مستند نظر آتی ہے، انتہائی لغو اور پوچ ہے۔ وہ دامنِ مصطفےٰ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) پر اس بات کے چھینٹے ڈالنا چاہتے ہیں کہ "آخر آپؐ نے بھی تو مشرکینِ مکّہ سے بُت پرستی میں مصالحت کر لی تھی، چاہے وقتی ہی سہی۔ اور اگر مسیحیت نے کر لی ہے غیر یہودیوں کو اپنی صفوں میں جگہ دینے کے لیے، تو کون سا گناہ ہو گیا ہے!

کیا یہ بات قابلِ قبول ہے کہ شارع علیہ السلام نے کبھی اپنی خواہشِ نفس سے قرآن مجید میں ایک لفظ کا اضافہ یا ایک لفظ کی کمی کی ہو؟ یا حضور اکرم (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے دل میں لمحہ کے لیے بھی یہ خیال آیا ہو کہ توحید کے ساتھ شرک کی کچھ آمیزش کر کے کفّار کو راضی کیا

Marfat.com

جاتے یا آپؐ اللہ تعالیٰ کے فرامین اور احکام کے بارے میں کبھی یہ آرزو کر سکتے تھے کہ کاش کوئی آیت ایسی نازل ہوتی۔ جس سے "اسلام اور کُفر" میں بُعد دُور ہو جاتا اور ان کے پیروؤں کے درمیان مصالحت اور مفاہمت کی فضا پیدا کی جا سکتی۔ ہرگز نہیں۔ گبن جیسا مورخ، کارلائل جیسا ادیب، ڈریپر جیسا سائنس دان، اور بریفالٹ جیسا علوم انسانیات کا ماہر اس بات کو پوری تحدّی کے ساتھ کہہ چکے ہیں کہ اسلام نے کسی قیمت پر بُت پرستی سے مصالحت نہیں کی بلکہ اس نے اس وقت تک دم نہیں لیا جب تک "شرک" کو بیخ و بن سے اُکھاڑ نہیں پھینکا۔

Marfat.com

تعلیقات (ضمیمہ سوم)

۱۔ حیاتِ محمدؐ ۔ سر ولیم میور ۔ ج ۲، ص ۱۳۷ ؛
۲۔ ایضاً ایضاً ۔ ج ۲، ص ۱۵۰ ۔
۳۔ قرآنِ مجید ۔ سورہ النجم ۵۳ : پارہ ۲۷ :
۴۔ محمد ۔ ڈی ۔ ایس ۔ مارگولیس ، ص ۸۵ ۔ ۸۶

(مارگولیس کا خیال ہے کہ وحی کے موقع پر صرع (مرگی) کی علامات عود کر آتیں، جن کے سبب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر غنودگی طاری ہو جاتی اور پھر آپ کا شعور منقطع ہو جاتا۔ لیکن اِس موقع پر تو کچھ بھی نہ ہُوا ؟)

۵۔ الطبقات الکبریٰ ۔ ابن سعد ۔ ج ۱، ص ۲۰۵ ؛ الطبری ۔ ص ۱۲۰۴ بحوالہ حیاتِ محمدؐ از سر ولیم میور
۶۔ حیاتِ محمدؐ ۔ سر ولیم میور ۔ ج ۲، ص ۱۴۹ ۔ ۱۵۰ ؛ ابن سعد، ۲۰۵
۷۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ج ۲، ص ۱۵۱ ۔
۸۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ج ۲، ص ۱۵۲ ۔
۹۔ قرآنِ مجید ۔ سورہ بنی اسرائیل ۱۷ : ۷۳ ۔ ۷۵
۔ (Oriensalism) ایڈورڈ ۔ ڈبلیو ۔ سعید ۔ لندن، ۱۹۷۸
۱۱۔ الطبقات الکبریٰ ۔ ابنِ سعد ۔ ج ۱، ص ۲۰۶ ۔
۱۲۔ حیاتِ محمدؐ ۔ سر ولیم میور ۔ ج ۲، ص ۱۵۲ ۔ ملاحظہ ہو فٹ نوٹ ۔
۱۳۔ قرآنِ مجید ۔ سورہ الحج ۲۲ : ۵۲ ۔ ۵۳ ۔
۱۴۔ حیاتِ محمدؐ ۔ سر ولیم میور ۔ ج ۲، ص ۱۵۱ ۔ ملاحظہ ہو فٹ نوٹ ۔

Marfat.com

۱۵۔ قرآنِ مجید۔ سورہ الشعرآء ۲۶ : ۲۱۰-۲۱۲
۱۶۔ ایضاً ۔ سورہ بنی اسرائیل ۱۷ : ۷۳-۷۵
۱۷۔ سیرتِ محمدیؐ ۔ (خطباتِ احمدیہ) ۔سرسید احمد خاں ۔ص ۴۸۸
۱۸۔ الشفاء ۔ قاضی ابی الفضل عیاضؒ۔ ج ۲، ص ۱۰۶-۱۱۷
۱۹۔ سیرتِ محمدیؐ ۔ (خطباتِ احمدیہ) سرسید احمد خاں ۔ص ۴۸۸
۲۰۔ مواہب اللدنیہ ۔ بحوالہ سیرتِ محمدیؐ ۔ص، ۴۹۵
۲۱۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ص ۴۹۳
۲۲۔ تفہیم القرآن ۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ، ج ۳ (سورہ الحج)؛ ج ۵ (سورہ النجم)

Marfat.com

باب ششم

عنفوانِ شباب

(عفّت قلب و نگاہ)

نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بچپن جس قدر پاکیزہ، جاہلی رسم و رواج سے محفوظ اور پست عادات سے پاک تھا، آپ کی جوانی اسی قدر بے داغ، قلب و نظر کی سعادتوں کی امین اور انسانی صداقتوں، رفعتوں اور عظمتوں کی نقیب تھی۔ مکّہ کی عیش و نشاط کی محفلیں ہوں یا لہو و لعب کی مجلسیں؛ مکّہ کے قمار خانے ہوں یا داستان گوئی کے چوپال؛ بدکاری کے اڈے ہوں یا حُسنِ بے حجاب کی نمائش گاہیں، امیر گھرانوں کے لاابالی نوجوانوں کی راہ تکتی تھیں مگر وہ وجودِ قُدسی جس نے بنی نوعِ انسان کی ہدایت و رہنمائی اور تعمیر و ترقی کا فریضہ انجام دینا تھا، اس کی پرچھائیں بھی ان پست مقامات پر دکھائی نہ دیں۔

"جوانی زندگی کی شگفتہ بہار ہے۔ نقرئی چاندنی کی سرمستی و سرشاری میں حُسن دعوتِ لُطف اندوزی دیتا ہے۔ اس زہد شکن موسم میں توبہ بھی پیغمبری ہے۔ لیکن اس کی سہانی راتوں کی لطیف رعنائیوں سے اثر پذیر نہ ہونا صرف ان انسانوں کا کام ہے جن کی شان سرحدِ ادراک سے پار ہے۔ عُمر کے اس حصّہ میں جب کہ رنگین خواب دل پذیر نغموں سے معمور ہوتے ہیں، اور انسان کیف و سُرور میں کھویا ہُوا ہوتا ہے، گناہوں سے اجتناب بڑی کامیابی ہے۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسی فطرتِ سعید کے مالک تھے کہ جذبات کا بے قابو ہو جانا تو کُجا، خیال کا دامن بھی آلودگیوں سے نہ چھوا تھا۔" ؎

بچپن میں ایک دو مرتبہ آپ نے دل بہلانے کے لیے جب شہر کا رُخ کیا، تو مشیتِ ایزدی حائل ہو گئی۔ اور آپؐ شادی بیاہ کی اس محفل سے لُطف اندوز نہ ہو سکے۔ علامہ ابنِ جریر طبری نے حضرت علیؓ کے حوالے سے جو روایت بیان کی ہے، اسے ہم ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے الفاظ میں بیان

Marfat.com

کرتے ہیں ۔ فرماتے ہیں :۔

"مکہ ایک تجارتی شہر تھا۔ شہر میں مالدار بھی تھے اور وقتاً فوقتاً ان کی خانگی تقریبیں شہر میں چہل پہل پیدا کر دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ کسی ایسی ہی تقریب میں گانے بجانے کا انتظام ہوا تھا جو کسی قدر نادر موقعہ کہا جا سکتا ہے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے ہمکار چرواہے لڑکے سے انتظام کیا کہ وہ ایک دن کے لیے دونوں گلوں کی رکھوالی کرے اور یہ کہ آپ شہر جا کر گانا سنیں معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کے دن تھے اور جب آپ شہر پہنچے تو ابھی تقریب کو شروع ہونے میں دیر تھی۔ آپ تقریب گاہ کے باہر سائے میں انتظار میں بیٹھے تو غنودگی سے آنکھ لگ گئی۔ جب بیدار ہوتے تو بعد از وقت تھا۔ اس واقعہ کا آپ کے حساس اور غیور دل پر بڑا اثر ہوا اور پھر کبھی اس طرح فرض کی نظر اندازی اور بے سود دل بہلاتی سے جی نہ بہلانے کا عہد کر لیا۔" ؎

احادیث میں ایسی روایات بکثرت ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان باتوں سے محفوظ رکھا جو اہلِ جاہلیت کا شیوۂ عمل تھیں۔ آپ نے کبھی فضول بات کی نہ کبھی کسی کا دل دکھایا۔ رفق و ملاطفت اور حُسنِ معاملت آپ کی شخصیت کا وہ جوہر تھے جن سے متاثر ہو کر بڑے بڑے متکبر اور سرکش انسان اپنے رویے اور طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ؎

حضرت عائشہؓ نے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاقِ کریمانہ کو اس طرح بیان کیا ہے:

"آپ سب سے زیادہ نرم خو، متبسّم اور خندہ جبیں تھے۔"

صحابہ کبار (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی یہ شہادت الصحیح البخاری کی کتاب الادب میں آج تک مرقوم ہے کہ :۔

"آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرمیلے تھے۔" ؎

دعوتِ حق کے سلسلے میں جو اہمیت "نرم دم گفتگو" کی ہے، اسے سورہ آل عمران (آیت ۵۹) میں خداوندِ علیم و قدیر نے اس طرح بیان فرمایا ہے :

"یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی کے سبب سے ہے کہ آپ ان لوگوں کے لیے نرم ہیں۔

Marfat.com

ورنہ اگر آپؐ دُرشت خو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب لوگ آپؐ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔" ؎

قرآنِ مجید تو ثناء خوانِ محمدؐ ہے ہی۔ بعض غیروں کے دو ایک قول بھی سُننے کے قابل ہیں :

لین پول نے اپنی کتاب ((Studies in Mosque)) میں آپؐ کی صداقت شعاری کا تذکرہ کرتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ :

"آپؐ کی ساری زندگی ایک حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ آپ سچ کے وفادار رہے۔ آپؐ نے کبھی اپنے فائدے کے لیے اسکیمیں نہیں بنائیں۔ منافقت آپؐ کی فطرت میں سرے سے موجود ہی نہیں تھی۔ حرص و آز کی پرچھائیں بھی آپؐ پر نہ پڑی تھیں۔۔۔ آپؐ کی تعلیمات نے بنجر زمینوں کو گلزار بنا دیا۔ آپؐ کی جدّوجہد باثمر تھی۔۔۔ آپؐ خدائے واحد کے پیغمبر تھے۔ آپؐ نے سنِ شعور سے لے کر اپنی وفات تک ایک سے انداز میں پاکیزہ زندگی بسر کی۔ آپؐ کی زندگی کا مقصد اس پیغام کی تبلیغ و ترویج تھا جو آپؐ اللہ تعالیٰ سے لے کر آتے تھے۔ اپنی شخصیت کے وقار اور پھر اپنی قوم کے اقتدار کے باوجود آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاں جو عاجزی اور انکسار ملتا ہے، وہ دُنیا کے کسی پیغمبر اور حکمران کو اس حد تک نصیب نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ کارلائل نے آپؐ کو پیغمبر ہیرو منتخب کیا۔"

باسورتھ سمتھ اپنے لیکچرز ((Mohammad & Mohammadanism)) میں ایک جگہ یوں لکھتا ہے :-

"انھوں نے عمر بھر کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔۔۔ کوئی مصافحہ کرتا تو وہ اپنا ہاتھ الگ کرنے میں سبقت کرتے نہ از خود اس سے الگ ہوتے۔ گفتگو بہت نرم و شیریں کرتے۔" ؎

سر ولیم میور کی شہادت ہے :

"ہماری تمام تصنیفات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں ان کی عصمتِ اخلاق اور پاکیزگیٔ اطوار پر، جو اہلِ مکہ میں کمیاب تھی، متفق ہیں۔" ؎

Marfat.com

ٹامس کارلائل ایسے ادیب اور مورّخ کے موئے قلم نے جو تصویر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بناتی ہے، وہ درج ذیل عبارت میں منعکس نظر آتی ہے:

"حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے خیال میں یقیناً پیغمبرِ صادق ہیں۔ اور میں آپؐ کے وہ اوصاف بیان کر دینا چاہتا ہوں، جو انصاف کے ساتھ بیان کر دینا ضروری ہیں۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارہ میں ہم عیسائیوں کا یہ قیاس بالکل بے بنیاد ہے کہ آپؐ جھوٹے اور دغاباز تھے اور آپؐ کا مذہب محض فریب اور نادانی کا ایک مجموعہ تھا۔ کذب وافترا کا وہ انبارِ عظیم جو ہم نے اپنے مذہب کی حمایت میں اس ہستی کے خلاف کھڑا کیا ہے، خود ہمارے لیے شرمناک ہے... خدائے تعالیٰ نے اس دنیا میں بہت سے الہام بھیجے ہیں۔ لیکن کیا یہ شخص اس کا آخری اور تازہ ترین مظہر نہیں ہے؟ اس کی عقل وحی کی پروردہ ہوتی ہے۔ آپؐ میں تنگ ظرفی اور نمائش کا شائبہ تک نہ تھا۔ آپؐ زندگی کے ایک جادۂ تاباں تھے۔ جو خاص سینۂ فطرت سے ہویدا ہوتے اور جنھیں خالقِ کائنات نے دنیا کو منوّر کرنے کے لیے بھیجا تھا۔" ؎

نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جوانی کی دہلیز پر اس طرح قدم رکھا کہ خداوندِ قدوس آپؐ کا محافظ و نگران تھا۔ آپؐ ہر وصف میں باقی قریش سے افضل تھے۔ مروّت و حُسنِ خلق میں؛ امانت و دیانت میں؛ شجاعت و شہامت میں؛ محنت و جفاکشی میں؛ فراخ دستی اور فراخ حوصلگی میں۔ آپ حسب ونسب میں سب سے زیادہ شریف اور پاکدامنی اور عزتِ نفس کے لحاظ سے سب سے بڑھے ہوتے تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان باتوں سے جو کسی انسان کو دوسروں کی نظر میں حقیر بناتی ہیں اور وقار کے منافی ہوتی ہیں، کوسوں دور تھے۔ خالقِ کائنات نے آپؐ میں "تمام امورِ صالح" اس طرح جمع کر دیتے تھے کہ آپؐ کا لقب "امین" اور صادق مشہور ہوا۔ ؎

جس طرح آپؐ نے فاسقانہ کلچر کی ہر رسم سے اجتناب کیا، اسی طرح آپؐ نے شرک اور اصنام پرستی کے ہر طریقے سے احتراز برتا۔ جاہلیت کی عید کے موقع پر جب کبھی حضرت ابوطالب

Marfat.com

اور آپؐ کی پھوپھیوں نے تقریبات میں حصہ لینے کے لیے اصرار کیا تو آپؐ نے بلا جھجک شرکت سے انکار کر دیا۔ باوجود ان واقعات کے جو آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مراسم شرک سے محترز رہنے پر شاہد عادل ہیں، مارگولیس نے ایک اور دعویٰ کیا ہے اور کہا ہے کہ آنحضورؐ اور سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضؓ (ایامِ جاہلیت میں) سونے سے پہلے عزّیٰ کی پرستش کیا کرتے تھے۔ مارگولیس نے حضرت امام احمد بن حنبل رضؓ کی جس روایت پر انحصار کیا ہے، اس میں ایسی کوئی بات نہیں جس سے پتہ چلتا ہو کہ آنحضورؐ نے کبھی بھی وحی کے نزول سے پہلے اس قسم کے نجس کام کی طرف رغبت کا اظہار کیا ہو۔ حضرت عُروہؓ بن زبیرؓ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کے ایک پڑوسی نے بیان کیا کہ:

"ایک روز میں نے نبی اکرم کو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے یہ فرماتے سُنا کہ اے خدیجہ رضؓ! خدا کی قسم میں ہرگز لات و عزّیٰ کی عبادت نہ کروں گا اور بخدا میں کبھی ان کو اپنا حاجت روا نہ مانوں گا۔ جواب میں حضرت سیدہؓ کہہ رہی تھیں کہ چھوڑیئے لات کو اور جانے دیجئے عزّیٰ کو۔ اس نے کہا کہ لات و عزّیٰ وہ بُت تھے جن کی پرستش اہلِ عرب سونے سے پیشتر کیا کرتے تھے۔"

اِس روایت میں مارگولیس نے جس ہوشیاری بلکہ مکاری سے اصل معنیٰ کو بدلا ہے، اس کا احساس ہر وہ شخص آسانی سے کر سکتا ہے جو عربی گرامر کی مبتدیات سے واقف ہے۔ مذکرہ بالا روایت میں راوی لات و عزّیٰ کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ "عربوں" کا یہ دستور تھا کہ وہ سونے سے پہلے ان کی پوجا کر لیا کرتے تھے۔ اس کو توڑ مروڑ کر یہ معنیٰ پہنا دینا کہ "آنحضورؐ اور آپ کی زوجہ محترمہ رضؓ (دونوں) سونے سے پہلے اِن بُتوں کی پوجا کیا کرتے تھے" جھوٹ ہی نہیں، فریب کاری کی انتہا ہے۔ اگر راوی کا مطلب یہ ہوتا کہ آپؐ دونوں لات و عزّیٰ کی پرستش کر لیتے تھے تو "صیغہ جمع غائب" کی بجائے صیغہ "تثنیہ غائب" کا ہوتا۔

علامہ بیہقیؒ نے دعویٰ کیا ہے کہ آپؐ کو بچپن ہی سے شرک و بُت پرستی اور اس کے تمام مظاہر و لوازم سے سخت نفرت تھی۔ اور نبوت سے پہلے کی زندگی میں آپؐ کا دامن کبھی اس کے غبار سے آلودہ نہ ہوا تھا۔ مستدرک میں حاکم نے بیان کیا ہے کہ آنحضورؐ نے نبوت سے پہلے

Marfat.com

بت پرستی کی مذمت کرنا شروع کر دی تھی اور جن لوگوں پر آپؐ کو اعتماد تھا ان کو بھی بتوں کی پوجا، مظاہرِ قدرت کی پرستش اور دیوی دیوتاؤں کے آگے چڑھاوے چڑھانے سے منع فرماتے تھے۔

حربُ الفجار ۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کاروانِ عمر زندگی کی بیسویں منزل میں داخل ہو رہا تھا کہ آپؐ نے حرب الفجار میں شرکت فرمائی جو قیس (جس میں بنی ثقیف اور بنی ہوازن شامل تھے) اور بنی کنانہ (جس میں قریش شامل تھے) کے درمیان لڑی گئی۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اس سلسلے کی چوتھی لڑائی تھی۔ باوجود اس بات کے کہ قریش اس جنگ میں برسرِ حق تھے، آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صرف اس قدر حصہ لیا کہ جو تیر دشمن کی طرف سے آتے تھے، انھیں اُٹھا کر اپنے چچاؤں کو دے دیتے تھے۔ ابنِ سعد کی روایت کے مطابق نبی اکرمؐ فرمایا کرتے تھے:

"جنگ میں شرکت اور دشمنوں پر تیر اندازی کبھی بھی میرے لیے موجبِ پریشانی نہیں ہوتی۔" ؁

محدث السہیلی نے رَوض الاُنُف میں اِس بات کی صراحت کی ہے کہ آپؐ اپنے چچاؤں کے ساتھ گئے تو تھے لیکن آپؐ نے اس لڑائی میں کوئی عملی حصہ نہیں لیا۔

حِلفُ الفضُول ۔ یوں تو تاریخ کے ہر دَور میں ایسے انصاف پسند اور عدل پژدہ انسان موجود رہے ہیں جن کا مقصد ناانصافی اور ظلم کو ختم کرنا اور عدل و انصاف کو قائم کرنا تھا، لیکن بنی جُرہم کے زمانے میں چند نیک دل لوگوں نے مل کر بے کسوں اور بے سہاروں کے حقوق کے تحفظ کے لیے جو "طرحِ نَو" ڈالی تھی، تاریخ میں "حلف الفضُول" کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اس معاہدے پر دستخط کرنے والوں کے نام میں "فضل" آتا تھا۔ لیکن جس معاہدے کا ذکر ہم کرنے والے ہیں، اس کا تعلق قریش کے ان صُلح جُو انسانوں سے تھا جنھوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ:

"جو حق کسی ظالم نے زبردستی صاحبِ حق سے چھینا ہے۔ اُسے واپس دلوایا جائے (تَحَالَفُوْا اَنْ یَّرُدُّوا الفُضُوْلَ عَلٰی اَهْلِهَا) اور ظالم مظلوم پر زیادتی

Marfat.com

نہ کرنے پاتے (وَالاَ یَعۡدُّ الظَّالِمُ مَظۡلُوۡمًا)

اِس معاہدے کی رُوح کو سمجھنے کے لیے ہم اصل واقعہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ زُبید، جوبین کے ایک قبیلے کا فرد تھا، کچھ تجارتی مال لے کر مکہ آیا۔ عاص بن وائل نے، جو مشرکینِ مکہ کا ایک خودسر سردار تھا، اس سے مال خرید کر لیا مگر اسے قیمت اَدا کرنے میں لیت و لعل کرتا رہا۔ زُبید نے قریش کے تمام مشہور قبائل کے سرکردہ آدمیوں سے درخواست کی۔ وہ مداخلت کرکے اسے اس کے مال کی قیمت دلوا دیں۔ لیکن کسی قبیلے کا کوئی بڑا آدمی اس مبیّنہ زیادتی کے خلاف آواز بلند کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔ اور نہ ہی زُبید کو اس کے مال کی قیمت دلوانے میں موثر ثابت ہو سکا۔ زُبید نے جب دیکھا کہ تمام "بڑے" عاص کے مقابلے میں اس کی مدد کرنے سے ہچکچا رہے ہیں، تو وہ ایک صبح کوہِ ابوقبیس پر چڑھ گیا اور آلِ فِہر کو پکارا۔ زبیر بن عبدالمطلب (آنحضورؐ کے چچا) نے اس کی دلدوز آواز کو سُنا اور اس کے حقوق کو پامال ہوتے دیکھ کر بے تاب ہو گئے۔ انھوں نے بنی ہاشم، بنی مطلب، بنی اسد، بنی زُہرہ اور بنی تیم کے تمام بااثر آدمیوں کو عبداللہ بن جُدعان (جو حضرت عائشہؓ کا چچازاد بھائی تھا) کے گھر میں جمع کیا اور مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ "مظلوم کی ہر حال میں مدد کی جائے اور جو حق ظالم نے زبردستی چھینا ہے، وہ زُبید کو واپس دلوایا جائے۔

ابنِ سعد نے کہا ہے کہ تمام شرکت کرنے والے اصحاب نے اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر ان الفاظ میں عہد کیا کہ:

"جب تک دریا میں صوف کے بھگونے کی طاقت باقی ہے، ہم مظلوم کا ساتھ دیتے رہیں گے۔" [۱۲]

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور انھوں نے عاص بن وائل سے کہہ کر زُبید کا مال اسے واپس کروا دیا۔

رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے، جو اس معاہدہ میں شریک تھے، ایک موقعہ پر فرمایا تھا:

"کہ مَیں عبداللہ بن جُدعان کے ہاں، ایک ایسے معاہدے میں شریک ہوا کہ اگر مجھے سُرخ رنگ کے اونٹ بھی اس معاہدے کے بدلے میں دیتے جاتے، تو مَیں اسے چھوڑ کر انھیں قبول نہ کرتا۔ اور اگر آج بھی ایسے معاہدے کے لیے کوئی بُلاتے،

Marfat.com

تو مَیں حاضر ہوں۔" [۱۳]

جشنِ عروسی: آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عمر شریف کا ۲۵ واں سال تھا کہ حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضؓ نے، جو ایک عالی نسب اور خوش حال خاتون تھیں اور اپنی عفت اور پاکدامنی کے لیے "طاہرہ" کے لقب سے مشہور تھیں۔ آپؐ کو پیغام بھیجا اور کہا:

"اے ابنِ عم! اس قرابت کے علاوہ جو مجھے آپؐ سے حاصل ہے، مَیں آپؐ کے حُسنِ خُلق اور امانت؛ آپ کی صداقت اور شرافت کے لیے آپؐ کی طرف مائل ہوں اور آپؐ کو اپنی تنہائی میں شریک بنانا چاہتی ہوں۔" [۱۴]

ابنِ ہشام نے کہا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ اس وقت قریش کی عورتوں میں نسب کے لحاظ سے پاکیزہ اور شرافت کے لحاظ سے اعلیٰ تھیں۔ عُتیق کی وفات کے بعد قریش کے اکثر بااثر اور متمول لوگ ان سے شادی کے خواہش مند تھے لیکن آپ اس کے لیے آمادہ نہ ہوئیں۔
ابنِ سعد نے نُفَیسہ بنتِ مُنیہ کے واسطے سے جو روایت بیان کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ نے نکاح کی خواہش ظاہر کرنے سے پہلے انھیں آنحضورؐ کے پاس بھیجا تھا کہ آپؐ کی مرضی معلوم کرے۔ چنانچہ نُفَیسہ نے آپؐ سے عرض کیا: آپؐ کو نکاح کرنے میں کون سی چیز مانع ہے؟ آپؐ نے فرمایا: میرے پاس اتنا سرمایہ کہاں کہ شادی کر سکوں۔ اس پر نُفَیسہ نے کہا: آپؐ اس کا فکر نہ کیجئے۔ یہ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ آپؐ کے لیے شادی کا پیغام ایک ایسی خاتون کی طرف سے ہے جس کے پاس حُسن و جمال بھی ہے اور شرف و مال بھی۔ کیا آپؐ اسے قبول کریں گے؟ فرمایا: وہ خاتون کون ہے؟ عرض کیا: (حضرت) خدیجہ رضؓ۔ آپؐ نے فرمایا: اگر یہ بات ہے تو مَیں تیار ہوں۔ نُفَیسہ لوٹ کر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کے پاس آئیں اور انھیں تمام واقعہ کی اطلاع دی۔ نکاح کا وقت اس کے بعد متعین کیا گیا۔ [۱۵]

اس زمانے میں سیدہ رضؓ تاجر پیشہ خاتون تھیں۔ دولت و ثروت، فہم و فراست اور عزم و جسارت کی مالک تھیں۔ ان کا کاروبار اتنا پھیلا ہوا تھا کہ وہ اکثر قابلِ اعتماد اور تجربہ کار لوگوں کے ہاتھ اپنا مال و سامان کو بھیجا کرتیں۔ اور ان کا حق اپنی مرضی کے مطابق مقرر کرتیں۔ جب انھیں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صدق بیانی اور راست بازی کی خبر ہوئی اور انھوں نے

Marfat.com

آپؐ سے درخواست کی کہ وہ ان کا مال لے کر شام جائیں، جو منافع ہوگا، اس میں سے وہ انھیں دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ معاوضہ دیں گی۔

نبی اکرمؐ کا یہ تجارتی سفر خوشگوار تجربات کا حامل تھا۔ ان کثیر روایات سے قطع نظر جو اس سفر کے گرد بُنی گئی ہیں، مَیسرہ (حضرت سیدہؓ کے غلام) نے آپؐ کو قریب سے دیکھا۔ اُس نے آپؐ کی عاداتِ کریمانہ اور صفاتِ حمیدہ کا مشاہدہ کیا۔ لین دین میں آپؐ کی صاف گوئی گفتگو میں آپؐ کی ملائمت اور نرمی، تجارت میں آپؐ کی سُوجھ بوجھ ـــــ ایسی صفات تھیں کہ مَیسرہ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ واپسی پر اس نے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عالی حوصلگی، صداقت شعاری، صاف گوئی، ضبطِ نفس اور دانشمندی کا جو نقشہ حضرت سیدہؓ کے سامنے کھینچا ہوگا، اس سے اس عفت مآب خاتون کے دل میں ختمی مرتبتؐ کے لیے وہ احترام پیدا ہونا ضروری تھا جو ازدواجی زندگی میں کشش پیدا کرنے اور اسے وقار بخشنے کے لیے شرطِ اوّل (Pre-requisite) ہے۔

شادی کی تقریبِ سعید میں حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کی طرف سے ان کے چچا عمرو بن اسد شریک ہوئے جبکہ نبی اکرمؐ کی جانب سے آپ کے دونوں چچا حضرت ابوطالب اور حضرت حمزہؓ موجود تھے۔ عمرو بن اسد درحقیقت خویلد کی نمائندگی کر رہے تھے جو حربِ فجار سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ ابنِ سعد نے طبقات الکبریٰ میں اور محدّث السہیلی نے روض الانف میں بلیغ دلائل سے ان تمام روایات کو غلط اور بے بنیاد ثابت کیا ہے جن میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضرت سیدہؓ کا نکاح ان کے والد خویلد نے پڑھایا تھا۔ حالانکہ وہ کبھی کے اس دارِ فانی سے کوچ کر چکے تھے[۱۶]۔ اس مبارک تقریب میں حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ رؤسائے قریش اور قبیلہ مضر کے با اثر افراد نے بھی شرکت کی۔ مہر میں ختمی مرتبتؐ نے ۲۰ اونٹ دیئے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ نکاح کا خطبہ حضرت ابوطالب نے پڑھا اور ۵۰۰ درہم (طلائی) مہر قرار پایا۔

حضرت ابوطالب کے خطبۂ نکاح کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

"حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ جس نے ہمیں حضرت ابراہیمؑ کی ذریت اور حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے بنایا۔ اور معد اور مضر کی اصل سے پیدا کیا۔ ہمیں

Marfat.com

اپنے گھر کا پاسبان اور اپنے حرم کا پیشوا بنایا۔ اور ہمارے لیے ایسا گھر بنایا کہ لوگ دُور و نزدیک سے اس کی زیارت کے لیے کھنچے چلے آتے ہیں۔ اور ہمیں لوگوں کا حاکم بنایا۔

اما بعد۔ یہ میرے بھائی کا لڑکا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ ہے۔ جس کی ہمسری قریش کا کوئی شخص نہیں کر سکتا، مگر یہ کہ وہ افضل رہے گا۔ البتہ مال و دولت اس کے پاس کم ہے۔ جبکہ مال و دولت ڈھلتی چھاؤں ہے۔ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ شخص ہیں جن کی میرے ساتھ قرابت سے آپ لوگ اچھی طرح واقف ہیں۔ وہ (حضرت) خدیجہؓ بنتِ خویلد سے شادی کرنا چاہتے ہیں اور میرے مال میں سے بیس اونٹ مہر مقرر کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ کی قسم ان کی شان عظیم ہے اور مرتبہ بلند ہے۔" (ملاحظہ ہو "عروج و ترقی اسلام" ڈاکٹر ہنری سٹب، ص ۷) ڈاکٹر سٹب نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاں دُنیاوی مال و متاع کی کمی پر جس خوبصورتی سے تبصرہ کیا ہے، وہ عیسائی لٹریچر میں منفرد ہے۔ ان کا یہ کہنا:

"That nobility is not extinguished by poverty"

ان تمام الزامات کو دھو ڈالتا ہے جو معاندین نے محض تعصب اور تنگ دلی کی بنا پر آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کیے ہیں۔ وہ کہتا ہے کیا حضرت یوسفؑ کی خاندانی عظمت مجروح ہوئی تھی جب آپؑ مصر کے بازار میں بطورِ غلام بک گئے تھے؟ کیا حضرت موسیٰؑ کی شوکت پست نظر آنے لگی تھی جب آپؑ مدین میں حضرت شعیبؑ کی بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے؟ کیا حضرت عیسیٰؑ کے والدِ محترم نجاری بطورِ پیشہ اختیار نہ کیے ہوئے تھے؟ معترضین نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شرافت اور نجابت پر اس لیے حملہ کیا ہے کہ "چوپانی" کا وہ کام جو آپؐ کرتے، ان کے نزدیک معیار سے گرا نظر آتا ہے۔ ان معترضین کا ان انبیاء (علیہم السلام) کے بارے میں کیا خیال ہے جو اسی پیشہ سے اپنی روزی کماتے اور لوگوں کو "دعوتِ توحید" دیتے؟

Marfat.com

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی تھی۔ جس سے ان کے ہاں "ہند" اور "ہالہ" پیدا ہوئے۔ ابو ہالہ کی وفات کے بعد ان کی شادی عُتیق مخزومی سے ہوئی جس سے ان کی صاحبزادی "ہند" پیدا ہوئیں۔ عُتیق کی فوتیدگی کے بعد بعض سرداران قریش کی طرف سے شادی کی پیش کش کے باوجود آپ شادی سے محترز رہیں۔ انھیں جب آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حُسنِ اخلاق، کمالِ ادراک، گفتگو میں متانت اور لین دین میں امانت کا پتہ چلا تو انھوں نے آپ سے شادی کا ارادہ کر لیا۔ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے شادی کے بعد، ان کے ہاں دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہوئیں۔ ان میں سے بڑے، کا نام "القاسم" تھا جن کی نسبت سے آپ "ابوالقاسم" کہلاتے۔ دوسرے حضرت عبداللہ تھے "طاہر وطیب" کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ غالباً انہی کی وفات پر عُقبہ بن ابی مُعیط جیسے دسیسہ کار اور ابولہب ایسے سیاہ کار انسانوں نے لوگوں کے پاس جا جا کر انھیں یہ خوشخبری دی کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) آج رات لاولد ہو گئے۔ ان کا نام باقی رہے گا نہ نشان (نعوذ باللہ)۔ یہی وہ موقعہ ہے جب سورۂ کوثر نازل ہوئی۔ معاندین یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی جوابی حملہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآنِ مجید کی اہم پیش گوئیوں میں سے ایک تھی جس نے ثابت کر دیا کہ رفعتِ ذکر، شہرتِ عام اور بقائے دوام اگر حاصل ہے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو، آپ کے اہلِ بیت کو، آپ کے صحابہ اور نام لیواؤں کو۔ لیکن ذلت وخواری اور ہلاکت و بربادی، ابوجہلیوں اور ابولہبیوں کے لیے مقدر ہو چکی ہے۔ تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ ؕ اس پر گواہ ہے۔

"اس سے پتہ چلتا ہے کہ قریش کا یہ خیال جو انھوں نے بیت اللہ کے پڑوسی ہونے کی صورت میں اور اس کی حفاظت اور خدمت کی ذمہ داری سنبھالنے کے سبب اپنے شرف و برتری کا پیدا کر لیا تھا، غلط تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اِس سورت کو نازل فرما کر ان کی خام خیالیوں کا پردہ چاک کر دیا اور صاف صاف بتا دیا کہ وہ تمام نعمتیں جو اُن کو خانہ کعبہ کی تولیت کے صلہ میں ملی تھیں، ان کی بدعہدیوں کی پاداش میں ان سے چھین لی جائیں گی۔ چنانچہ سورۂ براۃ کے نزول کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا کر دیا اور خانہ کعبہ سے مشرکین کا رشتہ یک قلم منقطع ہو گیا۔"

Marfat.com

صاحبزادیوں میں حضرت زینبؓ ،حضرت رقیہؓ ۔ حضرت اُمِ کلثومؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ شامل ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے سوا جو حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے تھے ،حضورؐ کی باقی ازواج میں سے کسی کی کوئی اولاد آپؐ کے صُلب سے نہ تھی۔ تمام سیرت نگار اور راویانِ حدیث اِس بات پر متفق ہیں کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک نہیں بلکہ چار بیٹیاں تھیں اور وہ تمام کی تمام حضرت سیدہؓ کے بطن سے تھیں۔ سورۃ احزاب کی آیت ۵۹ ؎ اِس بات پر شاہد ہے کہ آپؐ کے ہاں ایک سے زیادہ بیٹیاں تھیں ۔ اور سب کی سب آپؐ ہی کے صُلب سے تھیں۔ ہاں۔ اس بارہ میں قدرے اختلاف ہے کہ ان میں سے بڑی کون تھیں اور چھوٹی کون۔ ؎

ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سے شادی درحقیقت ایک مطمئن اور خوش حال زندگی کا دیباچہ تھی اور وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ کی عملی تفسیر۔ شادی کے بعد آپ کو نہ صرف فکرِ معاش ہی سے نجات ملی بلکہ آپؐ کو وہ سکونِ خاطر میسر آیا جو خالقِ کائنات کی طرف یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہونے کا باعث ہوا۔ تجارت کی غرض سے آپؐ نے دُور دراز کے مقامات کی سیر کی؛ وہاں کے لوگوں کے رسم و رواج اور ان کے خصائل و عادات کا مطالعہ کیا اور کاروباری دیانت کا وہ نمونہ چھوڑا کہ تاجر قومیں اس کی تقلید کر کے نہ صرف ملکی اور بین المالک تعلقات کو فروغ دے سکتی ہیں بلکہ ایک نئے اقتصادی نظام اور خوش حالی کے ایک نئے دَور کا آغاز کر سکتی ہیں۔

حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ سے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جو محبت تھی ، وہ ان کی وفات کے بعد بھی آپؐ کے دل میں تازہ رہی۔ اس زمانے میں جب آپؐ سلطنتِ خداداد حجاز کے مالک و مختار تھے ، لشکر ہائے اسلام کے امیر تھے ، عدالتِ عالیہ کے چیف جسٹس تھے اور ملتِ حنیفہ کے عظیم معلم ، مبلغ اور مصلح تھے اور حضرت عائشہؓ ،حضرت زینبؓ بنتِ جحش ، سیدہ ام حبیبہؓ اور سیدہ صفیہؓ ایسی سلیم الفطرت اور نیک سرشت خواتین آپؐ کے نکاح میں تھیں ، آپؐ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کا ذکر انتہائی محبت اور پیار ؛ عزت اور احترام سے فرماتے۔

الصحیح البخاری میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیدہؓ کی بہن حضرت ہالہؓ بنتِ خویلد تشریف لائیں۔ اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی آواز سُن کر بے چین ہو

Marfat.com

گئے اور فرمایا :

" اَللّٰھُمَّ ھَالَۃ " (خدایا ! کیا یہ ہالہؓ ہیں)

حضرت ہالہؓ کی آواز حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کی آواز سے ملتی جلتی تھی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اس پر مجھے بڑا رشک ہوا۔ اور میں نے عرض کیا: "آپؐ قریش کی ایک بوڑھی عورت کو، جسے اس دنیا سے کوچ کیے ایک مدت ہو چکی ہے، ابھی تک یاد کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک اچھی بیوی دے دی ہے"۔ یہ سن کر آنحضورؐ کے چہرۂ اقدس پر برہمی کے آثار نظر آتے۔ حضرت عائشہؓ معاملے کو فوراً بھانپ گئیں اور عرض کیا :

"قسم ہے اس خدا کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں آئندہ کبھی ان کا ذکر بھلائی کے سوا کسی طرح نہ کروں گی"۔ ؁۲۰

امام احمدؒ کی روایت میں (جو مسندِ احمدؒ میں نقل ہوئی ہے) اس پر یہ اضافہ ہوا ہے :

"آپؐ نے مزید فرمایا : حضرت سیدہؓ نے میری تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا، انھوں نے اپنے مال سے میری مدد کی جب لوگوں نے مجھے مایوس کر دیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے بطن سے اولادِ صالحہ عطا فرمائی"۔ ؁۲۱

یہ احترام حقیقت میں جنسِ اناث (نسوانیت) کا تھا جس کا بہترین نمونہ حضرت سیدہؓ خدیجۃ الکبریٰ تھیں۔ اگرچہ دونوں کی عمروں میں بیّن تفاوت تھی لیکن حضرت سیدہؓ کا خلوص اور ایثار، آپ کی سلیم الفطرتی، اخلاقی پاکیزگی اور مزاج کی پختگی نے اس تفاوت کو مٹا دیا تھا۔ اس زمانے میں ہمیں حضرت حلیمہؓ کی آمد کا پتہ چلتا ہے۔ وہ تشریف لائیں تو آپؐ "میری ماں" "میری ماں" کہہ کر ان سے لپٹ گئے۔ جب حضرت حلیمہؓ نے رحمتِ دو عالم سے قحط سالی اور پریشاں حالی کا ذکر کیا تو آپؐ نے انھیں چالیس بکریاں اور دو اونٹنیوں کے بوجھ کے برابر گھریلو استعمال کا سامان سلّھ دیا تاکہ تفکراتِ زمانہ سے کچھ فرصت مل جاتے۔ ؁۲۲

ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تجارتی قافلوں کے ساتھ جن علاقوں کو دیکھنے کا اتفاق

Marfat.com

ہوا، ان میں شام، یمن، بحرین اور حبشہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ آپؐ تبلیغِ دین اور دعوتِ حق کے لیے ان اسواق میں بھی پہنچے جن میں ایک طرف سودا سلف کی گرم بازاری ہوتی اور دوسری طرف شعر وسخن کا ہنگامہ بپا ہوتا۔ ایک مجمع میں اپنے اپنے قبیلہ کی سخاوت اور جود وعطا کی داستاں سرائی ہوتی اور دوسرے حلقہ میں اپنے اپنے اسلاف کی جرأت وہمت اور شجاعت وشہامت کے فسانے بیان ہو رہے ہوتے۔ کیا بزمِ شاعری اور کیا حکایتِ وفا ودغا، ہر ایک اپنے حریف سے بازی لے جانے میں فصاحت وبلاغت کے دریا بہا رہا ہوتا۔ یہ صفیں اُلٹنے کو ہوتیں، تو ان کا آخری عمل اوثانِ کعبہ کا طواف ہوتا جس کے بعد وہ اپنی اپنی قیام گاہ کی طرف لوٹ جاتے۔ انھیں مقامات پر امراؤ القیس، زُہیر بن ابی سُلمی اور لبیدؓ بن ربیعہ ایسے شعراء نے اپنے قصائد پڑھے؛ قس بن ساعدہ نے اپنا بلیغ خطبہ پیش کیا اور ضماد ازدی نے اپنی حذاقت اور جھاڑ پھونک سے ہزاروں مریضوں کو مختلف بیماریوں اور وسوسوں سے نجات دلائی۔ انھیں بازاروں میں قیافہ شناسوں اور کاہنوں کے خیمے لگے ہوتے۔ جہاں پر ضعیف الاعتقاد لوگ اپنی صحت وبیماری، خوش حالی وناداری اور فراخی وزبوں حالی کا حال دریافت کرنے آتے۔

یہ بازار ان مہینوں میں منعقد ہوتے جب لڑائی جھگڑا اور دنگا فساد کرنا ممنوع ہوتا اور لوگ آزادانہ پھر گھوم سکتے۔ یہ میلے ٹھیلے جہاں آزادی اور حُریت کا پیغام لاتے وہاں لوگوں کو جسمانی اور ذہنی مسابقت کے لیے مواقع مہیا کرتے۔ سوقِ عکاظ کو بجا طور پر "عرب کا اولیمپیا" کہا جا سکتا ہے۔ یہاں لوگ محض لین دین کی خاطر نہیں آتے تھے بلکہ ان کا مقصد اپنی قوت وشہامت اور اپنی شان وشوکت کے جھنڈے گاڑنا ہوتا تھا؛ اپنے شاعرانہ کمالات اور ادیبانہ انداز کے جوہر دکھانا ہوتا تھا۔ وہ قصیدے (ODES) جو عظیم مجمعوں سے خراجِ تحسین وصول کرتے، در کعبہ پر آویزاں کر دیتے جاتے۔ ۳۲

جاشہ کا سفر آپ نے تبلیغِ دین کے سلسلے میں کیا تھا؛ جرش کا سفر آپؐ نے تجارت کی غرض سے کیا جس کی تصدیق علامہ ذہبیؒ نے بھی کی ہے۔ جنابِ رسالتمآبؐ اس سیر وگشت میں ان تمام عجائبات کے قریب سے ہو کر نکلتے۔ اور ان محفلوں کی معقول باتوں کو ذہن نشین کر لیتے لیکن

Marfat.com

حشو وزوائد، آپ سے آپ، ایسے قلبِ صافی میں جلہ پانے سے کتراجاتے۔

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً (۱۳ : ۱۷) (سو جھاگ تو نکما ہو کر جاتا رہتا ہے اور جو چیز لوگوں کے لیے کارآمد ہے، وہ دُنیا میں رہ جاتی ہے)۔

نبوت کے بعد جب بحرین سے عبدالقیس کا وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا، تو آنحضورؐ نے ان سے مختلف مقامات کے بارے میں پوچھا۔ وفد کے اراکین سخت متعجب ہوتے۔ اور عرض کیا:

"آپ تو ہمارے ملک کا حال، ہم سے بھی زیادہ جانتے ہیں"

آپؐ نے فرمایا:

"مَیں نے تمہارے مُلک کی خُوب سیر کی ہے" [۲۴]

بعض متعصب مورخین نے آپؐ کے اسفار سے غلط نتائج اخذ کرنے کی جو قبیح جسارت کی ہے، اس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ (نعوذ باللہ) "آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تمام معارف و معلومات سیر و سفر ہی کا نتیجہ ہیں"۔ اور قرآن مجید میں "جہازوں کی رفتار اور طوفانوں کی کیفیت کی ایسی صحیح تصویر ہے جس سے (نعوذ باللہ) ذاتی تجربہ کی بُو آتی ہے۔ [۲۵] ان کے خیال میں انسانوں کو تخیل کی رفعت اور نُطق کی دولت سے مالا مال کرنے والا، ہمہ داں اور ہمہ بیں (خدا) اپنی آخری کتاب کے مواد کے لیے (نعوذ باللہ) آنحضور کے مشاہدات و تجربات کا محتاج تھا، ایجاز و بلاغت کے لیے آپؐ کے اسلوبِ بیان کی نقل کرنے پر مجبور تھا اور تاثیر و اثر آفرینی کے لیے قدیم شاعری کا طرز اپنانے کا خواہاں تھا۔ کیا یہ لوگ قرآنِ مجید کے بلیغ اسلوب اور آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اندازِ بیاں میں جس کی عکاسی آپؐ کے خطبات اور اقوال میں ہوتی ہے، کوئی فرق نہیں پاتے؟ کیا یہ اصحاب قرآن مجید کی "الہامی تحریریں اور قُس بن ساعدہ کی مقفٰع عبارت میں [۲۶] (جو اس کے مصنوعی خطبات میں جھلکتی نظر آتی ہے) کوئی امتیاز نہیں کر سکتے"۔ یورپ کو فنِّ ادب اور روایت میں مہارت کے لیے ابھی ایک زمانہ درکار ہے اور جب وہ زمانہ آئے گا تو یورپ کو اپنی بد مذاقی پر خود شرم آئے گی۔ [۲۷]

Marfat.com

مستشرقین میں سے چند اصحاب کا یہ دعویٰ کہ قرآن مجید میں قس بن ساعدہ کے خطبہ کے اسلوب کی تقلید کی گئی ہے، نہ صرف غلط ہے بلکہ گمراہ کن بھی ہے۔ تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ خطبہ اس کا ہے ہی نہیں۔ اسے زمانہ مابعد میں لکھا گیا اور قس بن ساعدہ کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ مستشرقین کا تو یہ عام طریقہ ہے کہ جہاں کہیں بے بنیاد روایت اپنے مطلب کے مطابق دیکھتے ہیں، فوراً اس سے استشہاد کر کے ایک دعویٰ (پوچ اور بے معنیٰ) قائم کر دیتے ہیں۔

علامہ سیوطیؒ نے موضوعات میں اس روایت کے تمام طریقوں کو نقل کر کے ان کے رواۃ سے بحث کی ہے۔ علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابنِ حجرؒ نے تمام اقوال نقل کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس کے راویوں میں بیشتر لوگ دروغ بافی اور غلط بیانی کے عادی ہیں۔ ابنِ معین کا قول ہے کہ محمد بن حجاج (ایک راوی) کذّاب اور 'خبیث' ہے اسی طرح علامہ بیہقیؒ نے اس سلسلے میں جو روایت بیان کی ہے، وہ بھی پوری کی پوری گھڑی ہوئی ہے۔ ؁

اب ذرا خطبہ کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ اس مقفّیٰ عبارت کو قرآن مجید کے "ذوقی اور وجدانی" اسلوبِ بیان سے کیا نسبت ہے:

"اے لوگو! سنو اور یاد رکھو۔ جو زندہ ہے وہ مرے گا۔ جو مرے گا دنیا سے چلا جائے گا۔ جو کچھ ہونے والا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ یہ تاریک رات، یہ روشن دن، یہ بُرجوں والا آسمان، یہ چمکنے والے تارے، یہ موجیں مارنے والا سمندر، یہ جمے ہوئے پہاڑ، یہ پھیلی ہوئی زمین، یہ بہتی دریائیں ـــــ شاہد ہیں کہ یقیناً آسمان میں کوئی خاص قوت ہے اور زمین میں عبرتیں ہیں۔ آخر یہ لوگ کہاں چلے جاتے ہیں کہ پھر وہاں سے واپس نہیں آتے۔ کیا وہ وہاں رہنے پر رضامند ہو گئے؟ یا پھر دنیا چھوڑ گئے؟

اے خاندانِ ایاد! تمھارے آباء واجداد کدھر گئے؟ ان ظالم فراعنہ کا کیا حشر ہوا؟ کیا مال و دولت میں وہ تم سے بڑھ کر نہ تھے؟ کیا ان کی عمریں تمھاری عمروں سے زیادہ لمبی نہیں ہوتی تھیں؟ زمانہ نے سب کو حوادث کی چکی میں پیس ڈالا۔ اور

Marfat.com

ان کی جمیعتوں کو پارہ پارہ کر دیا"۔ ۲۱

عربی زبان کا ذوق رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ "کلامِ الٰہی" میں مضمون کا لطیف ربط اور حیرت انگیز تسلسل۔ اس کا قوتِ اظہار اور حُسنِ ابلاغ، ایسی خوبیاں ہیں کہ اس خطبے میں کہاں؟ قرآنِ مجید کے مضامین کی بوقلمونی، نظمِ آیات، آیاتِ تکوینی پر غور و تدبر اور سائنسی استدلال کو اپنانے کی دعوت سے خطبے کی زبان و بیان اور مقاصد کا دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ انشائیہ کا ایک چھوٹا سا "عمدہ ٹکڑا" ہے۔

ایک مہتم بالشان واقعہ جس کا ذکر اکثر مورخین کے ہاں ناپید ہے، وہ ہے جس کے مطابق نبیٔ مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے ملک کو بازنطینیوں کے توسیع پسندانہ عزائم کا شکار ہونے سے بچا لیا۔ اور ان کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔ عثمان بن حویرث کو، جو دینِ حنیف کی تلاش میں نصرانیت قبول کر چکا تھا، ہر قسم کے مال و منال اور جاہ و حشم کا لالچ دیا گیا تاکہ وہ سرزمینِ حجاز کو چند کھوٹے سکوں کے عوض بیچ دے اور بازنطینی حکومت کو اس پر قابض ہو جانے میں مدد دے۔ علامہ ابنِ خلدون نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو عثمان کے ان مذموم ارادوں کا پتہ چلا تو آپؐ نے رؤسائے قریش کو اس حاملے سے آگاہ کیا اور وطن کی خاک کو غیروں کے پاؤں تلے پامال ہونے سے بچا لیا۔ ۲۲

متاہل زندگی کے اس دَور میں جو حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کے ساتھ شادی سے لے کر نزولِ وحی تک پھیلا ہُوا ہے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیاتِ جاوید کا ہر سانس، حُسنِ تکلم کی خوشبو میں رچا ہوا، اس کا ہر لمحہ، مکارمِ اخلاق، کی نکہتوں میں بسا ہوا اور اس کا ہر لحظہ 'حُسنِ عمل' کی شراب میں ڈوبا ہُوا نظر آتا ہے۔ آپؐ نے حضرت ابوطالب کے معاشی بوجھ کو کم کرنے کے لیے حضرت علیؓ کو اپنی کفالت میں لے لیا اور حضرت جعفرؓ کو حضرت عباسؓ کی نگرانی میں دے دیا۔ اپنے عمِ مہربان کے احسانات کی یہ ایسی پہچان ہے، کہ تاریخ کبھی اسے فراموش نہیں کر سکتی۔

ایک مرتبہ مکہ میں شدید قحط پڑنے اور اس کے نتیجے میں سخت گرانی پیدا ہونے پر، آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خیال آیا کہ چچا کا ہاتھ تنگ ہے اور متوسلین کی تعداد زیادہ ہے۔ کیوں نہ ان کا بوجھ ہلکا کیا جائے۔ چنانچہ آپؐ حضرت عباسؓ کے پاس گئے جو ایک کھاتے پیتے انسان تھے

Marfat.com

آپؐ نے ان کی توجہ حالات کی ناہمواری اور زمانے کی نامہربانی کی طرف دلاتے ہوئے انھیں حضرت ابوطالب کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے کہا۔ دونوں حضرات تشریف لاتے تو حضرت ابوطالب نے کہا:

"طالب کو (بعض روایات کے مطابق عقیل کو) میرے لیے چھوڑ دو اور باقی جس کو تم میں سے جو لینا چاہے لے لے۔" ۳۱

آنحضورؐ نے حضرت علیؓ کو اپنی تحویل میں لے لیا اور حضرت جعفرؓ کو حضرت عباسؓ کے سپرد کیا۔ حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ نے جو قد و قامت پایا ہے، وہ ان کے محسنوں کے کمالِ ادراک اور قوتِ عمل کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ایک نے اگر خیبر شکن بازو اور شیر افگن قوت پائی تھی، تو دوسرا جرأت و ہمت اور طاقتِ لسانی میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا؛ ایک اگر صاحبِ ذوالفقار اور اعلیٰ درجے کا شہسوار بنا تو دوسرا بھی شجاعت و شہامت اور علم و فضل میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔" معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کی عمر اس وقت چار پانچ سال سے زیادہ نہ ہو گی۔

اسی زمانے میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کی تربیت اور غور و پرداخت اس انداز سے کی کہ وہ "آزادی" پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی "غلامی" کو ترجیح دینے لگے اور "ماں باپ اور بہن بھائیوں" کو چھوڑ "غیروں" کے پاس زندگی گزارنے کے لیے آمادہ ہوتے۔ حضرت زیدؓ بنی کلب کے سردار حارثہ بن شرجیل کے جگر گوشہ تھے۔ ان کی ماں سُعدیٰ قبیلہ طے کی ایک اہم شاخ بنی معن سے تعلق رکھتی تھیں۔ بدقسمتی سے بنی قین نے انھیں قیدی بنا لیا اور عکاظ کے میلے میں لے جا کر ان کو بیچ دیا۔ حضرت حکیم بن حزام نے (جو حضرت سیدہؓ کے بھتیجے تھے) انھیں خرید لیا اور اپنی پھوپھی کی خدمت میں پیش کر دیا۔ شادی کے بعد محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے زیدؓ کو حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کے ہاں دیکھا اور اُسے پسند کیا۔ یہ نوجوان "غلام" جو اخلاقِ حمیدہ اور عاداتِ ستُودہ کا مالک تھا جلد ہی ایک ایسی ہستی کی تربیت میں آنے والا تھا جسے شیخ اکبرؒ نے "قرآنِ ناطق"، "عقلِ اوّل"، "انسانِ کامل" اور "رُوحِ اعظم" کے نام سے یاد کیا ہے۔ قرآنِ مجید نے اسے "اَلعَبد" کہہ کر پکارا ہے۔ عارف

Marfat.com

بوصیریؒ نے ان کی مدحت میں کیا خوب کہا ہے ؎

مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِيكٍ فِي مَحَاسِنِهِ
فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيهِ غَيْرُ مُنْقَسِمِ

آنحضورؐ نے انھیں حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ سے مانگ لیا۔ کچھ مدت بعد حارثہ بن شرجیل کو پتہ چلا کہ ان کا بچہ مکہ میں زندگی کے دن کاٹ رہا ہے۔ وہ اسے تلاش کرتے بارگاہِ اقدس میں پہنچے اور لڑکے کی واپسی کی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا: مَیں لڑکے کو بلاتا ہوں اور اُس کی مرضی پر چھوڑ دیتا ہوں کہ وہ تمھارے ساتھ جانا چاہتا ہے یا میرے پاس رہنا پسند کرتا ہے۔ اگر وہ تمھارے ساتھ جانا پسند کرے، تو مَیں کوئی فِدیہ نہ لوں گا۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے زیدؓ کو بلایا اور فرمایا:

کیا تم انھیں پہچانتے ہو؟

زیدؓ: جی ہاں۔ یہ میرے والد ہیں اور وہ چچا ہیں۔

حضورؐ: تم ان کو بھی جانتے ہو اور مجھے بھی۔ تمھیں پوری آزادی ہے کہ چاہو تو ان کے ساتھ چلے جاؤ اور چاہو تو میرے ساتھ ٹھہرے رہو۔

زیدؓ: آپؐ کو چھوڑ کر کہاں جاؤں گا؟ یہی رہا میرا ٹھکانہ۔

باپ: زیدؓ! کیا تو آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتا ہے اور اپنوں کو چھوڑ کر غیروں کے پاس رہنا پسند کرتا ہے؟

زیدؓ: مَیں نے حضورؐ کے جو اوصاف دیکھے ہیں، ان کا تجربہ کر لینے کے بعد کسی کو آپؐ پر ترجیح نہیں دے سکتا۔

والد نے یہ جواب سُنا تو اپنے بھائی کی طرف دیکھا۔ گویا کہ وہ زیدؓ کے اس جواب سے مطمئن تھے۔ حضرت زیدؓ کے اِن الفاظ سے محبوب داور (صلی اللہ علیہ وسلم) اس قدر مسرور ہوتے کہ آپؐ نے اسی وقت انھیں آزاد کر دیا اور حرمِ پاک میں جا کر قریش کے ایک عظیم مجمع میں اعلان فرمایا:

"گواہ رہنا۔ آج سے زیدؓ میرا بیٹا ہے۔ یہ مجھ سے وراثت پائے گا اور مَیں

Marfat.com

اُس سے۔" ۲۲

اس دَور میں آپؐ کی امانت و صداقت، مروّت و سخاوت، وفورِ ذکاوت و کمالِ فراست کا شہرہ دُور دُور تک پھیل چکا تھا۔ عربی معاشرے میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مرتبہ محض اخلاقی حیثیت ہی سے نہیں بلکہ دُنیاوی حیثیت سے بھی اتنا بلند تھا کہ آپؐ کا شمار قریش کے صاحبِ رائے اور صاحبِ مشورہ لوگوں میں ہونے لگا۔ لوگ اپنی امانتیں آپؐ کے پاس رکھتے اور یہ سلسلہ اس وقت بھی جاری رہا جب لوگ آپؐ کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ ہجرت کے وقت آپؐ نے حضرت علیؓ کو اس لیے پیچھے چھوڑا تھا کہ وہ ہر ایک کی امانت اُسے لوٹا کر آئیں۔ یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ نبوت سے پہلے اور بعد بھی مشرکینِ مکہ آپؐ کو شریف اور امانت دار سمجھتے تھے؛ قابلِ احترام اور قابلِ اعتماد گردانتے تھے۔

اِس ثروت اور تموّل کے باوجود جو آپؐ کو حاصل تھا، آپؐ نفسانی خواہشات کی تکمیل اور مادی لذّات کے حصُول سے ہمیشہ گریزاں رہے۔ آپؐ کو غریبوں، خاک نشینوں اور زندگی کے ستائے ہوئے لوگوں کی صحبت میں لُطف آتا جن کا درد آپؐ اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ سوچ بچار اور غور و فکر کا خوگر ہونے کی حیثیت سے، آپؐ وسائلِ دولت سے صرف اسی قدر متمتع ہونا چاہتے تھے جس قدر جسم و جاں کا رشتہ قائم رکھنے کے لیے ضروری تھا۔

خانہ کعبہ کی عمارت ایک مدّت سے شکستہ اور بوسیدہ چلی آ رہی تھی۔ اس کی دیواریں چھت تھیں اور اوپر کی چھت مفقود تھی۔ وہ تمام قیمتی تبرکات، جو عقیدت اور نیازمندی، اس گھر کی نذر کرتی رہی تھی، ایک کنوئیں میں (جو عمارت کے اندر بنا ہوا تھا) محفوظ رکھے گئے تھے۔ بعض لوگ (جن میں ابولہب ایسے سردارانِ قریش بھی شامل تھے) دیواریں پھاند کر اندر داخل ہو جاتے اور نوادرات چوری کر لیتے۔ چنانچہ قریش نے اس "بیتِ ایل" کو از سرِ نو تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۲۳ اتفاق کی بات ہے کہ ایک رومی جہاز طوفانی موجوں کی زد میں آ کر تباہ ہو گیا۔ اگرچہ اس کے پرخچے اُڑ گئے، لیکن اس کا ملبہ ضائع ہونے کی بجائے جدّہ کے ساحل پہ آ رہا۔ جو کعبہ کی تعمیر میں استعمال میں لایا جا سکتا تھا۔ باقوم نامی رومی معمار اور ایک قبطی بخار

Marfat.com

کی مدد سے کام کا آغاز کیا گیا۔ ابو وہب بن عمرو بن عائذ نے قریش سے عطیات قبول کرنے سے پہلے یہ اعلان کیا کہ وہ :

"کوئی ایسی رقم قبول نہیں کرے گا جو غصب کر کے کمائی گئی ہو یا قطع رحمی کر کے یا کسی ذمہ کو جو اُن کے اور کسی دوسرے انسان کے درمیان ہو، توڑ کر حاصل کی گئی ہو۔"

اس نے کہا۔

"اے قریش کے لوگو! اس کی تعمیر میں اپنی حلال کی کمائی لگاؤ۔ اس میں زناکاری کی کمائی، سود کی کمائی یا کسی شخص پر ظلم کر کے حاصل کی ہوئی کمائی داخل نہ ہونے پائے۔" ؎۲

تعمیر شروع ہوئی تو قبائل کے چیدہ چیدہ لوگ پتھر اٹھا کر لاتے، گارا ڈھوتے اور ربِ ذوالجلال کی عظمت بیان کرتے۔ اس خیال سے کہ وہ اس گھر کی تعمیرِ نو میں مصروف ہیں جس کی بنیاد شیخِ قبیلہ حضرت ابراہیمؑ اور ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیلؑ نے رکھی تھی، وہ کس قدر مسرور و شادماں تھے۔ ان کا جذبۂ اخوت و مودّت دیدنی تھا۔ لیکن جب دیواریں اس مقام تک بلند ہوئیں جہاں حجرِ اسود نصب کیا جانا تھا، تو ہر قبیلے نے اُسے نصب کرنے پر پہل کرنی چاہی۔ اصرار و انکار کی اس صورت کے پیشِ نظر، مختلف قبائل نے خون میں اُنگلیاں ڈبو دیں اور اپنے ادّعا کو منوانے کی قسم کھائی، کئی دن اسی حیل وحجت میں گزر گئے کہ مسئلے کو کس طرح خوش اسلوبی سے حل کیا جائے تاکہ وہ کام جسے نیک ارادوں اور پاکیزہ خواہشوں سے شروع کیا گیا تھا، پایۂ تکمیل تک پہنچایا جا سکے۔ ابو امیہ بن المغیرہ نے جو اس وقت سب سے زیادہ حسین اور ہوش مند انسان تھا، تمام قبائل کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ:

"وہ اس آدمی کو اپنا حکم مان لیں جو کل صبح سب سے پہلے (بابِ بنی شیبہ سے) مسجد میں داخل ہو۔"

تمام لوگوں نے اس تجویز کو قبول کر لیا۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اگلی صبح بابِ بنی شیبہ میں سے داخل ہونے والوں میں "امین" و "صادق"

Marfat.com

لی اللہ علیہ وسلم) پہلے انسان تھے۔ لوگوں نے جمالِ جہاں آرا۔ کو دیکھا تو پکار اُٹھے :

ھٰذا الامین رضینا، ھٰذا (یہ امین ہیں۔ یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ ہم ان کے فیصلے پر راضی ہیں) ۳۵

ب آپؐ کو قضیے کی نوعیت سے آگاہ کیا گیا، تو آپؐ نے فرمایا :

"میرے پاس ایک کپڑا لاؤ۔"

جب کپڑا لایا گیا تو آپؐ نے حجرِ اسود کو اس میں رکھا اور قریش کے مختلف قبائل کے نمائندوں سے کہا کہ "وہ چادر کو مضبوطی سے تھام لیں اور اسے مِل کر اوپر اٹھائیں"۔ جب پتھر اس مقام تک پہنچ گیا جہاں اسے نصب کرنا مقصود تھا تو آپؐ نے اسے اُٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

یہ محض اتفاق کی بات نہیں کہ متوقع موقع پر آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لے آئے اور جھگڑے کو خوش اسلوبی سے نپٹا دیا۔ بلکہ یہ مقدر ہو چکا تھا کہ جس مرکزِ اجتماع کی نیو حضرت ابراہیمؑ نے رکھی تھی، اس کا تکمیلی پتھر ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھوں ہی سے رکھا جائے۔ عظیم مورخ مسعودی کا کہنا ہے کہ لوگ آپؐ کو آپؐ کے حلم و وقار، پاکیزہ اطوار اور غلط روشِ زندگی سے اجتناب کے سبب اپنا حَکَم تسلیم کرنے پر آمادہ ہوتے تھے۔ ورنہ قریش کی ناک بڑی اونچی تھی، ان کے مزاج بڑے گرم تھے اور ان کی باہمی رنجشیں بڑی گہری تھیں مگر آنحضورؐ کے اس شرف پر (جو آپ کو مکّہ کی سوسائٹی میں حاصل تھا) کسی کی زبان سے کوئی جملہ ادا نہ ہوا۔

جن روسائے قریش نے چادر کے چاروں کونے تھامے تھے ان کے نام یہ ہیں :-

عُتبہ بن ربیعہ، ابوزمعہ، ابوحذیفہ بن المغیرہ اور قیس بن عدی

کسے خبر تھی کہ وہ یتیم عبداللہ، اور "جگر گوشہ آمنہ" جسے انھوں نے اپنا "حَکَم" مقرر کیا تھا، اور جس کی دانش مندی، فراخ حوصلگی اور قوتِ فیصلہ کے سبب آج اہلِ حرم خانہ جنگی سے بچ گئے تھے، کل تمام بنی نوعِ انسان کو بتوں کی سرفرازی، پروہتوں کی حاکمیت اور شخصی حکمرانوں کی مستبدانہ گرفت سے نکال کر "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" کی اقلیم میں آباد کرنے والا تھا۔ اس کا مشن اللہ تعالیٰ کی حاکمیت، اسی کے قانون کی بالادستی اور عدل و مساوات کی فرماں روائی قائم کرنا تھا تاکہ انسان شرفِ انسانیت سے سربلند، علم و حکمت سے مالا مال اور استحکامِ خودی سے

Marfat.com

پائندہ تر ہو سکے۔

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں کعبۃ اللہ اٹھارہ ہاتھ لمبا تھا۔ اس پر سفید سو کپڑا ڈالا جاتا تھا۔ پھر دھاری دار لمبی چادر سے اسے ڈھانپا گیا۔ پہلا شخص جس نے خانہ کو دیبا (ریشم) کا غلاف پہنایا، حجاج بن یوسف تھا۔ [۳۶]

Marfat.com

تعلیقات (بابِ ششم)

۔ محبوبِ خدا۔ چوہدری افضل حق۔ ص ۲۹

۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ ص ۵۱، پیرا: ۱۲۶؛ عیون الاثر، ابن سید الناس۔ ص: ۵۷؛ حیاتِ محمد۔ سر ولیم میور ج ۱، ص ۱۹۔

۔ السیرۃ النبویہؐ، ابنِ ہشام، ج ۱، ص ۱۸۳۔

۔ الصحیح البخاری، کتاب الادب؛ حیاتِ محمدؐ، ج ۴، ص ۲۰۵؛ محمدؐ اور محمدیت۔ باسورتھ سمتھ ص ۱۳۰۔

۔ قرآنِ مجید، سورہ آلِ عمران: ۱۵۹

(فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ)

۔ محمدؐ اور محمدیت۔ باسورتھ سمتھ۔ ص ۱۲۹-۱۳۰

۔ حیاتِ محمدؐ، سر ولیم میور۔ ج ۲، ص ۱۴-۱۵

۔ ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ۔ ٹامس کارلائل ص ۲۸۱، ۲۹۲۔

۱۰۔ السیرۃ النبویہؐ۔ ابنِ ہشام، ج ۱، ص ۱۸۳؛ دی سورڈ آف دی پرافٹؐ (The Sword of the Proph آر۔ گولڈسٹن، ص ۲۳۔

۱۱۔ مُسند، امام احمد بن حنبلؒ۔ ج ۴، ص ۲۲۲؛ محمدؐ۔ ڈیوڈ سیموئل مارگولیس، ص ۷۰۔

۱۱۔ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج ۱، ص ۱۲۸، محمدؐ اور آپؐ کے خلفاء، واشنگٹن ارونگ، ص ۵۵۔

Marfat.com

بجے۔ڈ (Non-Christian Religious Systems) ۔۱۲،۱۳

اتیج۔سٹوبارٹ، ص۔۵؛ السیرۃ النبویہؒ۔ابنِ ہشام ج ا، ص ۱۲۴؛ الطبقات الک
ابن سعد، ج ا، ص ۱۲۸-۱۲۹؛ عیون الاثر، ابن سید الناس، ج ا، ص ۵۹۔

۱۴۔ السیرۃ النبویہ۔ابنِ ہشام، ج ا، ص ۱۸۹؛ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد۔ج ا ص۔

۱۵۔ ایضاً ۔ ایضاً ، ج ا، ص ۱۸۹؛ ایضاً ، ایضاً ، ج ا، ص
محمدؐ اور آپؐ کے خلفاء۔واشنگٹن اورنگ، ص ۵۸۔

۱۶۔ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج ا، ص ۱۳۲؛ السیرۃ النبویہ۔علامہ ذہبیؒ۔ص ا
حیاتِ محمدؐ۔سرولیم میور، ج ۲، ص ۲۴۔
میور کا خیال ہے کہ سپرنگر اور ویل نے محض حسد کی بنا پر اس غلط
جھوٹی روایت کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ اس کی کوئی حی
نہیں۔

۱۷۔ قرآنِ مجید۔ سورہ احزاب : ۵۹

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ط

اوپر کی عبارت میں لفظ "بَنٰتِكَ" قابلِ توجہ ہے جو جمع استعمال ہوا ہے۔

۱۸۔ السیرۃ النبویہؒ۔ ابنِ ہشام، ج ا، ص ۱۹۰-۱۹۱۔

۱۹۔ اس بارہ میں حضرت عبداللہ بن ابی الحمساء کی شہادت بابت ایفائے عہد جو سننِ ابی
کی ج ۲ میں، کتاب الادب کے باب "فی الوعد" میں رقم ہوئی ہے، قابلِ توجہ
نبوت سے قبل حضرت عبداللہؓ نے آنحضورؐ سے کوئی کاروباری معاملہ کیا تھا جو ابھی ادھ
تھا۔انھوں نے تفصیلات طے کرنے کے لیے آپؐ سے کوئی تاریخ بھی طے کرلی تھی لیکن
کسی دوسری مصروفیت کے سبب وقتِ مقررہ پر نہ پہنچ سکے۔ وہ وعدہ کے تیسرے دن وا
لوٹے۔ دیکھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں انتظار میں کھڑے ہیں۔ اس وع
خلافی سے آپؐ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا۔ آپؐ نے صرف اتنا فرمایا:

Marfat.com

"تم نے مجھے بہت زحمت دی ہے۔ میں حسبِ وعدہ گزشتہ تین روز سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

اسی طرح حضرت قیسؓ بن سائب جب اسلام سے مشرف ہوئے تو صحابہ کرامؓ نے ان کی دیانت اور امانت کی بہت تعریف کی۔ آنحضورؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: "میں قیسؓ کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ انھوں نے عرض کیا:

"میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ آپؐ میرے شریک تجارت رہے۔ آپؐ نے ہمیشہ معاملہ کو صاف رکھا۔ وعدہ کی پاسداری کی۔ کبھی کسی سے جھگڑا کیا نہ ہی مناقشہ پیش آیا۔" (وَكَانَ خَيْرُ شَرِيكٍ۔ لَا يُمَارِي وَلَا يُشَارِي)

تجارتی یا کاروباری دیانتداری کی جو اہمیت آپؐ کے ہاں تھی، اس کا اندازہ الصحیح البخاری کے باب "المُسَاهَلَة فِي المعَامَلَه" کے مطالعہ سے لگ سکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا تھا:

"سچا اور دیانت دار تاجر قیامت کے روز نبیوں، شہیدوں اور صدیقوں کی صف سے اٹھایا جائے گا۔"

۲۰۔ الصحیح البخاریؒ، علامہ بخاریؒ۔ کتاب مناقب الانصار، ج ۲۔

۲۱۔ محمدؐ اور محمدیت، باسورتھ سمتھ ص ۱۵۱؛ ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ۔ ٹامس کارلائل ص ۱۹۲

۲۲۔ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور۔ ج ۱، ص ۷؛

۲۳۔ سپرٹ آف اسلام، سید امیر علی، ص ۱۱۔

۲۴۔ سیرۃ النبیؐ، علامہ شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۱۹۰۔

۲۵۔ ایضاً ، ایضاً ۔ نیز محمدؐ، ڈیوڈ سموئیل مارگولیس، ص ۵۰-۵۸۔

۲۶-۲۷۔ سیرۃ النبیؐ، علامہ شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۹۴ - ۱۹۵؛ محمدؐ، مارگولیس، ص ۴۳۔

۲۸۔ ایضاً ۔ ایضاً ، ج ۱، ص ۱۹۷ (ملاحظہ ہو فٹ نوٹ)

۲۹۔ تاریخ ادبیات عربی، الاستاذ احمد حسن زیات (ترجمہ اردو از عبدالرحمٰن طاہر سورتی) ص ۵۳-۵۴۔

۳۰۔ کوسن ڈی پرسی وال، ج ۱، ص ۳۳۵؛ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور، ج ۱، ص ۳۴ بحوالہ

Marfat.com

A Critical Examination of the Life & Teachings of Mohammad (PBUH)

۳۱۔ السیرۃ النبویۃ ۔ ابنِ ہشام، ج ۱، ص ۲۶۳؛ حیاتِ محمدؐ، سر ولیم میور، ج ۱، ص ۳۲-۳۳۔
۳۲۔ ایضاً ، ایضاً ، ج ۱، ص ۲۶۵؛ ایضاً ، ایضاً ، ایضاً۔
۳۳۔ ایضاً ، ایضاً ، ج ۱، ص ۲۰۵
۳۴۔ ایضاً ، ایضاً ، ج ۱، ص ۲۰۶
۳۵۔ حیاتِ محمدؐ، سر ولیم میور، ج ۱، ص ۲۷-۲۸؛ السیرۃ النبویۃ، ابنِ ہشام، ج ۱، ص ۲۰۹؛ محمدؐ اور آپؐ کے خلفاء۔ واشنگٹن اورنگ ص ۶۰-۶۱۔
۳۶۔ السیرۃ النبویۃ ۔ ابنِ ہشام، ج ۱، ص ۲۱۱۔

Marfat.com

باب ھفتم (۱)

تدبر و تفکر کی منزلیں

(دینِ مصطفٰے مصطفٰے سے پہلے)

تعمیرِ کعبہ سے لے کر امرِ نبوت تک کا عرصہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خداوندِ قدوس کی تحمید و تقدیس اور عبرت پذیری میں گزارا۔ تنہائی آپؐ کو پسند تھی۔ آپ کئی کئی راتیں متواتر غارِ حرا میں گزار دیتے اور جب تک پانی اور ستو ختم نہ ہو جاتے۔ شہر کو واپس نہ لوٹتے۔ فطرت کے مظاہر، کائنات کے اندر بوقلموں چیزوں کا وجود، ان کا باہمی ربط و ضبط اور ان کے اثرات پر غور و فکر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مرغوب مشغلہ تھا۔ آپؐ ان ڈوب جانے والے ستاروں کو بھی دیکھتے جو آسمان پر نکلے ہیروں کی طرح جگ مگ جگ مگ کرتے دکھائی دیتے۔ آپؐ چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کا بھی مطالعہ کرتے اور اس کی ٹھنڈی اور نقرئی چاندنی سے بھی لطف اندوز ہوتے جو بادیہ نشینوں کو سکون بخشتی۔ آپؐ آفتابِ جہاں تاب کے طلوع و غروب کا بھی نظارہ کرتے۔ جس کی روشنی کے سامنے تابندہ ستارے آہستہ آہستہ غائب ہونے لگتے اور پھر فضا کی پہنائیوں میں گم ہو جاتے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایسا معلوم ہوتا کہ ایک وحدتِ وجود ہے جس کے گوناگوں مظاہر نوبت بہ نوبت گردش کر رہے ہیں اور آپؐ ان مظاہر میں ایک ایک کی جبیں پر حقیقت کا رنگ و غازہ دیکھ رہے ہیں۔"

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا کہ قدرت کے کارخانے کی کوئی چیز بے مقصد پیدا نہیں کی گئی۔ ہر شے اپنے فرائض بحسن و خوبی انجام دے رہی ہے۔ ستارے وقت پر نکلتے ہیں۔ سورج موسم کے مطابق اپنے وقت پر طلوع ہوتا ہے۔ اور وقت پر غروب ہو جاتا ہے۔ بہار وقت پر آتی ہے اور وجودِ کائنات کے سینے میں زندگی کی نئی روح پھونک دیتی ہے۔ تمام سیارگان کے مدار مقرر ہیں۔ جن پر وہ بے دھڑک چلتے رہتے ہیں۔ ان میں کبھی ٹکراؤ نہیں

Marfat.com

ہوا۔ کبھی کسی نے دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی۔

وَالشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ	(نہ آفتاب کی مجال کہ چاند کی گردش
تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ	میں حائل ہو اور نہ رات کو یارا کہ
سَابِقُ النَّهَارِ ط وَكُلٌّ فِي	دن سے پہلے آسکے۔ اور سب ایک
فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ٥ (یٰسین ۴۰)	ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں۔)

نظامِ کائنات میں افراط ہے نہ تفریط۔ بلکہ اعتدال اور ضبطِ نفسی ہی وہ خصوصیات ہیں جن پر یہ نظام قائم ہے۔ یہ سلسلۂ روز و شب اور یہ کارخانۂ قدرت آپ سے آپ وجود میں نہیں آگیا۔ اور نہ ہی سیارگان کے درمیان باہمی جذب ایک حادثہ ہے۔ کیا یہ تمام مظاہر ایک حقیقی صانع کا پتہ نہیں بتاتے؟

آخر ایسا کیوں ہے کہ انسان، جس کی شخصیت کی تکمیل کے لیے تمام کائناتی قوتیں (Cosmic Forces) سرگرم عمل ہیں، ان لاعقل جمادات کی پرستش کرتا نظر آتا ہے جو اپنی حفاظت خود نہیں کرسکتیں؟ کیا لات و منات کی پرستش اور اجرام سماوی کی پوجا انسانیت کی تذلیل نہیں؟ کیا مٹی اور پتھر کی مورتیوں کا احترام، ہبل اور عزیٰ کے آستانوں کی جبہ سائی ایک زوال پذیر معاشرے کا پتہ نہیں دیتی؟ کیا فحاشی، شراب نوشی، قتل و غارت، جوا اور ازلام فکری اور اخلاقی پستی کی غمازی نہیں کرتے؟ دنیا کی ہر چیز 'خوب' سے 'خوب تر' کی تلاش میں سرگرداں ہے لیکن یہ انسان! اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید میں ایسے راستوں پر چل نکلا ہے جو اسے ذلت و پستی کی عمیق غاروں میں دھکیلنے کے ذمہ دار ہیں۔ اس میں کیوں تبدیلی نہیں آتی؟

یوں تو ورقہ بن نوفل، عبیداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث اور زید بن عمرو بن نفیل نے حقیقت اولیٰ کی کھوج لگانے کی پوری کوشش کی تھی اور زید بن عمرو تو یہ کہتے کہتے اللہ میاں کو پیارے ہو گئے کہ:

"اے خدا! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تیری عبادت کا کونسا طریقہ تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے تو میں اسی طرح تیری عبادت کرتا۔"

انھوں نے دینِ ابراہیمیؑ کی تلاش میں شام کے وسیع علاقوں کی سیر کی لیکن وہ یہود میں

Marfat.com

نظر آیا نہ نصاریٰ میں۔ محبوب بِن داودؒ نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا کہ "زید قیامت کے دن تنہا ایک امت کی حیثیت سے اٹھیں گے۔" [۱] لیکن آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سینۂ اطہر میں "کنزِ مخفی" کے تجسس کی جو تڑپ فطرت کی طرف سے رکھ دی گئی تھی، اس کا تقاضا تھا کہ آپؐ اپنے مقصد کے حصول کے لیے عالمِ انفس و آفاق کے چپے چپے کو چھان ڈالتے تاآنکہ وحی کی تجلیاتِ ربانی "حقیقت" کو بے نقاب کردیتیں۔ ایک ایسی ہستی میں، جس کا انتخاب ایک "شریعتِ کبریٰ کی تاسیس، ایک مذہبِ کامل کی تشیید اور کونین کی رہنمائی کے منصبِ عظیم" [۲] کے لیے کیا جا رہا تھا، "اعلیٰ الغور" کا کھوج لگانے کی خواہش ہر آن قیامت خیز طوفان برپا کیے رکھتی، آپؐ صرف اور صرف ذاتِ حق کے جمالِ جہاں آرا ہی سے مطمئن ہو سکتے تھے۔

عمر مصطفےٰ راضی نہ شد الا بذات

تلاشِ حقیقت کے لیے یہ کوششیں انفرادی اور محدود تھیں۔ ان سے یہ اندازہ تو ہوتا ہے کہ ہر دور میں ایسی صالح فطرتیں موجود رہی ہیں جنھوں نے بت پرستی سے نفرت، شراب نوشی سے اجتناب، فحاشی سے احتراز اور "مَیْتَۃَ وَالدَّمَ" کے استعمال سے ابا کیا۔ لیکن اس سے یہ سمجھ کہ آنحضورؐ سے پہلے "محمدیت" (Mohammadanism) جنم لے چکی تھی اور عرب قوم میں اپنی حالت کو بدلنے کا جذبہ انگڑائیاں لے رہا تھا، حالات سے بے خبری کا نتیجہ ہے یا پھر واقعات کی تلبیس کی شعوری کوشش کا ثمرہ۔ سپرنگر کا یہ کہنا:

"کہ اسلام نہ تو آپؐ کی سعی و کوشش کا مرہونِ منت ہے اور نہ ہی آپؐ ایسے .... پیغمبر کی تعلیمات کا نچوڑ، بلکہ یہ تو (تمام تر) روحِ عصر کا نتیجہ ہے اور عرب قوم کے دل کی آواز ہے۔" [۳] ایک ایسا دعویٰ ہے جو بلا دلیل ہے۔

متذکرہ بالا عبارت کسی سنجیدہ ذہن کی تخلیق نہیں بلکہ ایک متعصب اور عیار اہلِ قلم کی ہرزہ سرائی کا نتیجہ ہے جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے دعویٰ نبوت میں سچا سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔ اس دھندلی سی روشنی سے جو چند افراد کو نظر آگئی تھی، یہ اندازہ لگانا کہ گویا عرب میں خود ہی اصلاح کی تشنگی اور انقلاب کی خواہش پیدا ہو چکی تھی، نہ صرف غلط ہے بلکہ ان تمام کوششوں کی نفی کرنے کی ایک منظم کوشش ہے جو محبوب بن داودؒ نے اعلائے کلمۃ الحق اور ایک عظیم ریاست کی تاسیس کیلئے کی تھیں۔

Marfat.com

مسٹر فنلے، جو ایک عظیم دانشور اور مورخ تھے اور موجودہ مورخین کے بزرگ پیش رو، اسی قسم کا خراجِ عقیدت آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیش کرتے ہوتے فرماتے ہیں:

"محمدؐ کی کامیابی، بحیثیت شارعؑ کے، ایشیا کی قدیم ترین اقوام میں، اور ان کے قائم کیے ہوتے اداروں کی پائیداری نسلاً نسل تک اور ہر طبقہ معاشرت میں، ثابت کرتی ہے کہ یہ غیر معمولی انسان لائی کرگس اور اسکندرؒ دونوں کا نادر مجموعہ تھا۔"

مسٹر فنلے یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شخصیت گوناگوں خوبیوں اور توانائیوں کا مجموعہ تھی۔ آپؐ میں ایک عظیم فاتح اور ایک مشہور مقنّن کے اوصافِ نادرہ جمع ہو گئے تھے۔ لیکن وہ یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ خدائے بزرگ و برتر اس "سچے انسانؐ" کے ساتھ تھا، اس کی تائید و نصرت اسؐ کے ہمرکاب تھی اور اس کا قول و فعل اسی مالکِ حقیقی کے حکم کی ترجمانی کرتا تھا جس نے آپؐ سے پہلے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو نبوت سے سرفراز کیا تھا اور انسانوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا تھا۔ ان لوگوں نے حقیقت کا اعتراف کرنے کی بجائے کبھی تو آپؐ میں اسکندر (مقدونی) کی جرأت و ہمت تلاش کی اور کبھی لائی کرگس کے تدبر اور قانون دانی کا کھوج لگانے کی کوشش کی۔ لیکن اس بات کو تسلیم کرنے میں انھیں تامّل ہی رہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے پیغمبر برحق تھے، پیامِ آخریں کے حامل تھے اور ایسا ابرِ کرم تھے جس سے دوست اور دشمن برابر سیراب ہوتے رہے۔

اگر واقعی سپرنگر اور مارگولیس کے مطابق، دُنیائے متمدن میں "بہتر کی جستجو" پیدا ہو چکی تھی، عصری تقاضوں کے تحت لوگوں میں "مذموم رسم و رواج" کے خلاف بے اطمینانی پھیل چکی تھی اور عرب میں (خصوصاً) شرک و بُت پرستی سے "کسی اچھے مذہب" کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی تو اس سعی و طلب کا ثبوت؟ قرآن مجید نے یہ بات واضح کی ہے کہ عرب بھی دوسرے ادیان کے پیروکاروں کی طرح ایک ایسی موثر قیادت کے خواہش مند تھے جس کے ہوتے ہوتے وہ زندگی کی بلندیوں کو پا سکیں، شرافتِ نفسی اور سلامت روی کا اعلیٰ معیار قائم کر سکیں۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ جب وہ قیادت انھیں میسر آ گئی تو وہ لگے حیلے بہانے کرنے۔ قرآن مجید نے ان کے تذبذب کی اِس کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہے:-

Marfat.com

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝ (فاطر : ۴۲)

(یہ لوگ کڑی کڑی قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی خبردار کرنے والا ان کے ہاں آگیا تو یہ دُنیا کی ہر دوسری قوم سے بڑھ کر راست رو ہوں گے، مگر جب خبردار کرنے والا آگیا تو حق سے فرار کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ ہوا۔)

دعوت کی صداقت اور داعیٔ حق (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاص کے باوجود مشرکینِ مکہ نے ایک طوفانِ بدتمیزی کھڑا کر دیا۔ ساری فضا شقاوت اور بدبختی سے بھر گئی۔ "دعوت الی اللہ" کا جواب طنز و تضحیک اور استہزا و کٹ حجتی سے دیا گیا۔ ایذا رسانیوں کی حد نہ رہی جب بعض بدبختوں نے سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پُشت پر، جب آپؐ سجدے کی حالت میں تھے، اوجھڑی لا کر رکھ دی، چادر سے آپؐ کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی، گلی کوچے کے اوباش اور بدقماش لڑکوں کو ہشکار کر آپؐ کے پیچھے لگا دیا تاکہ تالیاں پیٹیں، شور مچائیں اور ہرزہ سرائی کریں۔ ابولہب کے لڑکوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ ختمی مرتبتؐ کی دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دے دیں۔ جسمانی ایذا کو تو برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن "ذہنی کرب" کو گوارا کرنا بڑا مشکل ہے۔ کون باپ اپنی جوان بیٹیوں کی یوں علیحدگی کی برداشت کا حوصلہ رکھتا ہے؟ یہ صرف ان اولوالعزم انسانوں کا کام ہے جو منصبِ نبوت پر فائز ہوتے ہیں۔ ؓ

داعیٔ حق سے قبل "محمدیت" کا وجود تسلیم کرنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی صاحب یہ کہیں کہ حضرت عیسیٰؑ سے پہلے "مسیحیت" جنم لے چکی تھی اور لوتھر سے پہلے "لوتھرزم" یا "تحریکِ اصلاحِ کلیسا" کی نیو رکھ دی گئی تھی۔ رینان (Renan) اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ "مذہب کی عظمت اور بقا کا سہرا ہمیشہ بانیٔ دعوت کے سر ہوتا ہے نہ کہ پیروکاروں کے سر۔" اگر چند لمحوں کے لیے یہ مان بھی لیا جائے کہ دُنیائے شرق و غرب اپنی نیند سے بیدار ہو چکی تھی اور رُوحِ عصر نیکی اور تقویٰ کی کلیوں کو چٹکنے پر آمادہ کر رہی تھی تو سوال پیدا ہوتا ہے

Marfat.com

کہ اس "رُوحِ عصر" کی شوخی کا ادراک کس نے کیا؟ شرار بولہبی سے ٹکرانے کی ہمت کسے ہوتی؟ کسے "متاعِ عزوز" کو خداوندِ بزرگ و برتر کی رضاجوئی کے لیے تج دینے اور ایک نئے سماج کا شعور پیدا کرنے کے جذبہ پیش قدمی کی ابتدا کس نے کی؟ عرب و مضافاتِ عرب اگر ایسے ہی ایک نئے دین کے لیے بے قرار تھے، تو کیوں نہ اس پیغمبر (آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور سب کے سب نہ سہی، تو آخر کیوں نہ ایک بڑی جماعت معاً اس دعوت پر لبیک کہنے کو اُٹھ کھڑی ہوتی۔ جو شرک کے مضبوط قلعہ کی دیواروں میں دراڑیں پیدا کر دیتی۔

یہی سوال جب نفلے کے ذہن میں چٹکیاں لینے لگا تو اس کے ضمیر نے خود خلش محسوس کی۔ لیکن جو جواب اس نے دیا اس میں "تعصب کی بُو" موجود ہے۔ وہ کہتا ہے:

"عرب کے ذہنِ عامہ کے جس جوش نے حضرت محمدؐ کو پیدا کیا، اسی نے بہت سے اور پیغمبر بھی انہی کے زمانے میں اُٹھا کھڑے کیے، لیکن آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اعلیٰ قابلیت، انصاف کے صحیح تر انداز سے اور سچائی نے لوگوں کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔" [۸]

سر ولیم میور نے مارگولیس کے اس بے بنیاد دعویٰ اور رینان کے اس بے ہودہ ادعا کی تردید کرتے ہوئے، جس کا تذکرہ اوپر ہوا ہے، اپنی کتاب "حیاتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)" میں کہا ہے:

"عرب کی قبل از اسلام تاریخ اس بات کو جھٹلاتی ہے کہ وہاں پر اصلاحِ معاشرہ کی کوئی بڑی تحریک پہلے سے موجود تھی۔ یہ کہنا تو بجا ہے کہ آنحضورؐ نے اسلام کی بنیاد رکھی لیکن یہ کہنا کسی طرح بھی درست نہیں کہ کسی عصری تحریک نے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جنم دیا۔" [۹]

دوسرے مقام پر وہ اس طرح رقمطراز ہے:-

"ایک نامعلوم زمانے سے نہ صرف مکہ، بلکہ پورا جزیرۃ نمائے عرب بے حسی اور خود فراموشی کا شکار چلا آرہا تھا۔ عربوں کی زندگی (معاشرت اور مذہب) پر یہودیت اور عیسائیت کے اثرات یوں تو نہ ہونے کے برابر تھے لیکن اگر کچھ تھے

Marfat.com

تو ان کی مثال ان معمولی لہروں سے زیادہ نہ تھی جو کبھی کبھی کسی خاموش (ٹھہری) جھیل کی سطح پر (ہوا کے زیر اثر) پھیلتی دکھائی دیتی ہیں۔ عرب کے لوگ توہمات میں ڈوبے ہوتے، گناہوں میں آلودہ اور جفا پیشہ تھے۔ یہ رواج بھی عام تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد بڑا بیٹا جس طرح باقی جائیداد کا وارث بنتا، وہ باپ کی منکوحہ بیویوں کو بھی اپنے تصرف میں لے آتا۔

عزت اور وقار کے جھوٹے تصور کے سبب، ہندوؤں کی طرح، عرب بھی بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے۔ ان کا مذہب بت پرستی تھا۔ اور سارا رواجِ خبیثہ کے خوف سے جنم لیتا تھا، جن کی رضاجوئی کے لیے وہ صدقہ و خیرات کرتے یا قربانیاں پیش کرتے۔ آخرت کا تصور اور کسی بلند تر ہستی کے سامنے جواب دہی کا احساس کلیتہً مفقود تھا۔"

"ان حالات میں جو جمود اور قدامت پسندی سے عبارت تھے، ہر دعوتِ انقلاب کی قسمت میں (وہ کہیں سے بھی اٹھتی) ناکام ہونا لکھا تھا۔"

کیا یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم نہیں کہ اس نے دُنیا کی امامت کے لیے ایک ایسی قوم کو چن لیا جو تمدن و حضارت سے دُور بدویانہ زندگی پر قناعت کر چکی تھی، اتحاد اور یک جہتی کی بجائے انتشار و افتراق کا شکار ہو چکی تھی اور اپنی استعدادوں اور صلاحیتوں کو کسی اعلیٰ مقصد کی خاطر خرچ کرنے کی بجائے عیش و نشاط، لہو و لعب اور سلب و نہب میں اکارت و ضائع کر رہی تھی۔

کارلائل نے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس کیفیت کو جو تشنگی ذوق کی شدت کو تیز سے تیز کر دیتی، ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

"سفر و حضر میں ہر جگہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل میں ہزاروں سوال پیدا ہوتے:"

مَیں کیا ہوں ؟

کائنات کے اس لامتناہی سلسلے کی حقیقت کیا ہے ؟

زندگی کسے کہتے ہیں ؟ اس کا آغاز کیونکر ہوا ؟

Marfat.com

موت کیا ہے ؟

مجھے کن چیزوں پر ایمان رکھنا چاہیئے ؟

عمل کی کونسی راہیں پسندیدہ ہیں ؟

حرا کی چٹانیں اور سینا کی پہاڑیاں، ریت کا وسیع سمندر۔ ان میں سے کوئی بھی ان سوالوں کا جواب نہ دے سکا۔

گنبدِ گرداں، گردشِ لیل و نہار، چرخِ نیلگوں پر دمکنے والے ستارے اور برسنے والے بادل سبھی خاموش تھے۔

ان سوالات کا جواب انسان کی اپنی رُوح اور خداوندِ (عزیز و قدیر) کی اس "وحی" سے حل ہو سکتا تھا جو اس رُوح کو اپنا مسکن بناتے ہوتے تھی"۔ [۱]

قرآن مجید نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس سعی و جستجو کو جو "اعلیٰ الیقین" کی تلاش کے لیے جاری رہی، ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿۹۳:۷﴾ (ہم نے آپؐ کو تلاشِ حقیقت میں متجسس پایا تو راستہ دکھا دیا۔)

اور :-

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ (۴ : ۱۱۳) (اور ہم نے آپؐ کو وہ باتیں سکھلا دیں جو آپؐ کو پہلے معلوم نہ تھیں۔)

آپؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) غارِ حرا کی ریاضت اور عبادت کے دوران میں اس قسم کے مسائل پر غور فرماتے۔ ان کا مقصد "حقیقتِ اولیٰ" تک رسائی اور زندگی کے ان مسائل کا حل تلاش کرنا تھا جنھوں نے بنی نوعِ انسان کو پریشان کر رکھا تھا۔ کوہِ حرا عزلت گزینی کے لیے ایک گوشہ ضرور تھا۔ لیکن اس کا گرد و نواح کسی رُوح پرور نظارے کی دعوت نہیں دیتا تھا۔ اس کا ماحول خوشگوار تھا نہ وہاں مخملیں گھاس اُگی تھی! یہاں پر چشمے اُبلتے تھے نہ کبھی ابرِ بہاری کے باروں نے اس کی جھلستی ہوئی زمین کو سیراب کیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا بنجر ٹیلہ تھا جس میں بہت سی گھاٹیوں نے شگاف ڈال رکھے تھے۔ دن کی چلچلاتی دھوپ میں وہ تنہا کھڑا تھا۔ لیکن محبوبِ داورِ حشر[۴]،

Marfat.com

کو یہ جگہ تحنث و تعبد کے لیے بڑی مرغوب تھی۔ آپؐ اکثر ساری ساری رات عمیق ترین فکر میں ڈوبے رہتے اور کائنات کے اَن دیکھے، لیکن محیطِ کُل سے لَو لگائے رکھتے۔ آہستہ آہستہ زمین و آسمان جلال و جمالِ الٰہی کے اِس الہامی مکاشفے سے لبریز ہو گئے جو روزِ ازل سے مقدر تھا۔ آپؐ کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ آپ کے اِردگرد کی بے جان چیزوں ــــــ درختوں، پتھروں اور چٹانوں سے ایک آواز آ رہی ہے جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس کام کی انجام دہی کا تقاضا کر رہی ہے جو قدرتِ مطلقہ آپؐ کو تفویض کرنا چاہتی ہے۔ ۱۲؎

Marfat.com

تعلیقات (بابِ ہفتم I)

۱۔ السیرۃُ النبویّہ۔ ابنِ ہشام، ج ۱، ص ۲۲۳

۲۔ سیرۃُ النبیؐ ۔ علامہ شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۲۰۰

۳۔ محمدؐ اور محمدیت۔ باسورتھ سمتھ، ص۔ ۱۱؛ محمدؐ ۔ ڈیوڈ سیموئل مارگولیس، ص ۲۴۔

۴۔ لائی کرگس (Lycurgus) ایتھنز کا معروف خطیب اور سیاست دان۔ اس کی وفات ۳۲۴ قبل مسیح میں ہوئی۔ وہ ایک مدت تک قومی خزانے کا محافظ رہا اور اس کا انتظام جس حزم و احتیاط سے کیا، وہ تاریخ میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔

۵۔ اسکندر یا اسکندرِ اعظم آف مقدونیہ۔ ارسطو کا شاگرد تھا۔ تاریخ میں ایک عظیم فاتح کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے۔ اس نے ایران کو ۳۲۳ (ق۔م) میں شکست دی، مصر کو ۳۳۲ (ق۔م) میں اپنا باجگزار بنایا اور اس سے قبل ۳۳۱ (ق۔م) میں اسکندریہ کی بنیاد رکھی جسے علوم و فنون کے پھیلانے میں سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ اسکندر نے پنجاب کی فتح (۳۲۷۔ ۳۲۵ ق۔م) کے درمیان مکمل کی۔ وہ ۳۲۳ (ق۔م) میں چل بسا۔ لیکن جس یونانی تہذیب (Hellenistic Culture) کی بنیاد اس نے ڈالی تھی، وہ مدتوں انسانی اذہان و قلوب پر غالب رہی۔

۶۔ ملاحظہ ہو ایک فکر انگیز مقالہ "سیرتِ نبویؐ اور علمائے فرنگ" از مولانا عبدالماجد دریاآبادی۔

۷۔ محمدؐ اور محمدیت۔ باسورتھ سمتھ۔ ص۔ ۱۱ (ملاحظہ ہو حاشیہ)

۸۔ " Greece under the Romans " جارج فنلے، ص ۲۵۲۔

Marfat.com

۹۔ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور۔ ج ۱، ص (xcvii - xcviii)

۱۰۔ ایضاً - سر ولیم میور۔ ج ۴، ص ۲۶۹-۲۷۱

۱۱۔ ہیروز اور ہیرو ورشپ، ٹامس کارلائل۔ مقالہ متعلقہ، ص ۲۹۸

۱۲۔ رُوحِ اسلام، سیّد امیر علی، ص ۹۱۔

Marfat.com

باب ہفتم (۲)

حرا کی خلوتیں اور عروسِ حقیقت کی نقاب کشائی

رسالت موہبتِ الٰہی ہے۔ رسالت کی عظیم ذمہ داریوں کے لیے قدرتِ کاملہ جب کسی پاکیزہ انسان کا انتخاب کرتی ہے تو اس کی تربیت کے لیے بھی خاص انتظام فرماتی ہے۔ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جب وحی کی متاعِ گراں بہا کا امین بنانا مقصود تھا تو آپؐ کے قوائے ذہنی کی تربیت اور جذبات کی تہذیب کے لیے خاص اہتمام کیا گیا۔ غارِ حرا کے تمام تجربات ـــــ "تدبر و تفکر کی منزلیں، تلاشِ حقیقت کے لیے کاوش و کاہش، اعلیٰ الغیو کی تلاش میں تپش و خلش اور جمالِ حقیقی کی جستجو میں تڑپ اور سوز و گداز" ـــــ اس مقصد کے لیے صرف ہوئے کہ آپؐ نہ صرف اس حیات بخش اور زندگی آموز پیغام کے حامل بننے کے اہل ہو جائیں بلکہ آپؐ کا سینۂ صافی بھی مہبطِ وحیِ الٰہی بن سکے۔ آپ کی یہ طلبِ صادق جب اپنی انتہا کو پہنچ گئی، اور مشیتِ ایزدی کے اندازوں کے مطابق نگہِ شوق میں تابِ نظارہ پیدا ہو گئی تو عروسِ حقیقت بصد شانِ رعنائی و زیبائی حرا کی تاریکیوں میں جلوہ گر ہوئی۔ غارِ حرا میں نور و نکہت کا یہ جلوہ اگرچہ مذہب کی تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے لیکن اس سے دنیا کے انتہائی مشرقی اور غربی گوشوں کا جگمگا اٹھنا ایک ایسا واقعہ ہے جس کی مثال تاریخِ عالم میں ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔

یہ ماہِ صیام کی ایک مبارک رات تھی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے مالکِ حقیقی سے لَو لگائے بیٹھے تھے کہ حضرت جبریلؑ امین تشریف لائے۔ اور سورۃ علق کی ابتدائی پانچ آیات پڑھنے کے لیے پیش کیں۔ لیکن آپؐ تو اُمّی محض تھے۔ آپؐ نے فرمایا: مَیں پڑھنا نہیں جانتا۔ جبریلؑ نے آپؐ کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے زور سے بھینچ لیا۔ آپؐ نے ایسے محسوس کیا کہ جیسے آپؐ کی قوتِ مقاومت

Marfat.com

جواب دے گئی ہے۔ انھوں نے پھر کہا پڑھیے۔ آپؐ نے فرمایا، مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ حضرت جبرئیلؑ نے آپؐ کو دوبارہ زور سے بھینچا اور پھر چھوڑ دیا۔ آپؐ کے لیے یہ صورت حال ناقابلِ برداشت ہوتی جاتی تھی۔ تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا۔ چوتھی مرتبہ جب آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے الفاظ دُہرائے تو جبرائیلؑ امین نے آپؐ کو سینے سے لگاتے ہوئے اس زور سے بھینچا کہ آپؐ کو محسوس ہوا کہ وحی کے الفاظ قلبِ صافی پر نقش ہو گئے ہیں۔ آپؐ نے کیا دیکھا، ناموسِ اعظم نے کیا کہا، مشاہدات کی نوعیت کیا تھی؟ —— یہ وہ نازک باتیں ہیں جن کا اظہار الفاظ کی زبان میں اَدا ہونا مشکل ہے۔

نزولِ وحی سے پہلے خواب میں آپؐ پر اسرار منکشف ہونا شروع ہو گئے تھے۔ جو کچھ آپؐ خواب میں دیکھتے بعینہٖ دن میں وہی پیش آتا تھا۔ "حقیقت" جب بے نقاب ہو کر سامنے آئی تو فرطِ حیرت سے آپؐ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ جس کے اظہار کے لیے محدثین اور اصحابِ سِیر نے شرح و بیان کے مختلف انداز اختیار کیے ہیں۔ حضرت جبرئیلؑ کی شخصیت سے مرعوبیت، ملاقات کے وقت کپکپی کا طاری ہونا، جبینِ اطہر پر پسینہ آنا، خوف و ہراس کے آثار کا نمایاں ہونا، قوتِ برداشت کا جواب دے جانا، وحی کی حقیقت کو سمجھنے میں پریشانی اور ورقہ بن نوفل کے کہنے اور سمجھانے پر سکونِ قلب حاصل ہونا —— ایسی روایات ہیں جنھیں بعض سیرت نگاروں نے (اور ان کے تتبع میں مستشرقین نے) بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے اور ان پر طویل حاشیے چڑھاتے ہیں۔ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو روایات کے اس طومار میں ایک روایت بھی آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہنچتی نظر نہیں آتی۔ بہرحال فطرتِ بشری پر جو گزری، اُسے مقامِ رسالت کے منافی سمجھنا انتہائی افسوسناک ہے۔

آپؐ گھر تشریف لائے تو مہربان بیوی سے فرمایا، مجھے جلدی کپڑا اوڑھا دو۔ بدن پر کپکپی تھی جیسے بخار آ گیا ہو۔ آپؐ نے تمام واقعہ حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کو کہہ سنایا اور فرمایا: مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ شفیق بیوی نے کسی قسم کے اضطراب کا اظہار کیے بغیر اپنے شوہر کی طرف احترام سے دیکھتے ہوئے کہا:

"بخدا! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ناکام نہ ہونے دیں گے۔ اس لیے کہ آپؐ صلہ رحمی

Marfat.com

کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں۔ لوگوں کی امانتیں انھیں ادا کرتے ہیں۔ مہمان کی خبرگیری کرتے ہیں۔ بے سہاروں کا بوجھ برداشت کرتے ہیں اور ضرورت کے وقت حق کی اعانت پر کمربستہ ہوتے ہیں۔"

وہ بلیغ آیات جو حرا میں نازل ہوئیں اور جنھیں لانے والا ایک عظیم اور امین فرشتہ تھا، درج ذیل ہیں:۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝	آپ پڑھیے اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا (خون کے) ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ آپ پڑھیں۔ آپ کا پروردگار بڑا اکرم کرنے والا ہے جس نے قلم سے علم سکھایا۔ انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جنھیں وہ نہیں جانتا تھا۔
(العلق ۱:۵)	

حضرت سیدہؓ آپ کو ساتھ لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو اُن کے قریبی عزیز تھے اور بُت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہو گئے تھے۔ انھیں اپنی کتابوں پر پورا عبور تھا اور ان دنوں انجیل کو عبرانی میں منتقل کرنے میں مصروف تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے ان سے کہا: اے ابن عم اپنے بھتیجے کا قصہ سُنیے۔ جب آپ نے حضرت جبریلؑ امین کے حرا میں وحی لانے کا قصہ بیان کیا تو ورقہ نے کہا:

"یہ وہی ناموس ہے (عالم بالا سے وحی لانے والا فرشتہ یا قانون (Nomos) جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر نازل کیا۔ کاش میں آپ کے زمانۂ نبوت تک جوان ہوتا! کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔"

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"کیا واقعی یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟"

Marfat.com

ورقہ نے کہا :-

"جو شخص بھی ایسا کلام لے کر آیا ہے، جیسا کہ آپؐ کو ملا ہے، اس کی شدید مخالفت کی گئی ہے۔" ۹

ورقہ زیادہ دیر تک زندہ نہ رہا اور راہی ملکِ عدم ہُوا۔

اِس کے بعد وحی کا سلسلہ کچھ مدت کے لیے رُک گیا۔ آپؐ کی بے قراری بڑھتی چلی گئی۔ آپؐ کے انتظار کا ایک ایک لمحہ ماہ و سال کی طرح طویل ہوتا گیا۔ گنتی میں تو چند مہینے ہی گزرے تھے لیکن عالمِ شوق میں آپ کے دل پر صدیاں گزر گئیں۔ اصحابِ سیَر نے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چند خدشات اور "دسوسوں" کا ذکر کیا ہے کہ "کہیں مَیں کاہن تو نہیں بنا دیا گیا" "مجھ میں جنون کے آثار تو نہیں پیدا ہو رہے" اور مزید براں "کہیں مجھے اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر چھوڑ تو نہیں دیا۔" آپؐ نے کئی مرتبہ چاہا کہ "اپنے آپ کو کسی بلندی سے گرا کر خودکشی کر لیں لیکن ہر مرتبہ حضرت جبریلؑ ظاہر ہوتے اور یقین دلاتے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔" ۷ لیکن گھبراہٹ ہے کہ دُور ہی نہیں ہوتی۔ یقین کا ایسا فقدان، سکینت کی ایسی محرومی، یاس اور خوف کا ایسا دور ـــــ کیا ان چیزوں کا قلبِ مطمئنہ سے کوئی دُور کا بھی واسطہ تھا؟ وحی کی حقیقت کو سمجھنے اور پیغام برکی آواز کو پہچاننے میں اتنی پریشانی کیوں؟ اِس قسم کے اندیشہ ہائے دُور دراز کا آپؐ کی طرف انتساب کیوں؟ کیا یہ خدشات آپؐ کے مسرور و شادماں دل کی کیفیت کا اظہار کرتے ہیں یا راویانِ حدیث کے قلبِ مضطر کی آواز ہیں؟

کیا ہمارے لیے امام زہریؒ کے بلاغات کی پیروی اور حافظ ابنِ حجرؒ کی تصریحات کی اتباع ضروری ہے؟ جبکہ یہ روایت جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے سندِ مقطوع سے بیان کی گئی ہے (سند کا سلسلہ زہری تک ختم ہو جاتا ہے اور آگے نہیں بڑھتا)۔ یہ بات حیران کُن نظر آتی ہے کہ جبریلؑ امین کہیں کہ "آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں" تو آپؐ کو یقین نہ آتے لیکن اگر ورقہ بن نوفل اس بات کی تصدیق کرے تو آپؐ کو "پورا یقین ہو جاتے"۔ حافظ ابنِ حجرؒ کے الفاظ یہ ہیں :

Marfat.com

"جب آپؐ نے ورقہ کا کلام سُنا تو آپؐ کو حق کا یقین آگیا اور آپ نے اس کا اعتراف کیا۔" ۹

اگر حدیثِ حضرت عائشہؓ پر غور کیا جائے ۹ تو پتہ چلے گا کہ حرا سے واپس لوٹنے کے بعد جب نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے تجربات سے حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کو آگاہ کیا تو اس نیک دل خاتون کو، جو آپؐ کے قلب و نگاہ کی عفت اور روح کی پاکیزگی کا مشاہدہ کر چکی تھی، واقعات کے سمجھنے میں ذرا بھی دشواری نہیں ہوئی اور وہ پکار اٹھیں!

"اے میرے عم زاد! شاد باد و شاد زی! میں اس ذات کی قسم کھاتی ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ آپؐ کو اس امت کی نبوت تفویض ہونے والی ہے۔" ۱۰

لیکن بعض تنگ نظر علماء کے خیال کے مطابق وہ حُسنِ معصوم "کیوں اور کیونکر" کے دور از کار سوالوں میں ایسا اُلجھا کہ (عیاذاً باللہ) ایک مدت تک حقیقت کی لٹ کو سنوار نہ سکا۔ ۱۱

ہاں۔ انقطاعِ وحی کا صدمہ آپ کو ضرور تھا۔ شاید یہ آپؐ کے صبر و شکیب کا امتحان تھا۔ مالکِ حقیقی کے ساتھ گفتگو کے سلسلہ کا منقطع ہو جانا رُوح فرسا بھی تھا اور شکیب رُبا بھی۔ لیکن ایسے ظنون و شکوک کے لیے، جن کا اظہار بعض وقائع نگاروں نے کیا ہے، کوئی گنجائش تھی نہ ہے۔ فترتِ وحی کا سلسلہ اتنا لمبا بھی نہ تھا جتنا کہ بعض "غم کے ماروں" نے بنا دیا ہے۔

وہ آیاتِ بیّنات جن کا ذکر حرا کے تلطّے سے کیا جاتا ہے، رمضان المبارک میں نازل ہوئیں۔ جن اصحابِ سِیَر نے ۸ ربیع الاول ۴۱ سنہ (عام الفیل) کو آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کی تاریخ قرار دیا ہے، انھوں نے بعثت کی ابتدا اس وقت سے شمار کی ہے جب آپؐ کو (بروایتِ بیہقیؒ) سچے خواب نظر آنے شروع ہوتے تھے۔ جہاں تک سورہ علق کی ابتدائی آیات کا تعلق ہے، یہ لاریب رمضان کے مہینے میں نازل ہوئیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ ——— رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل

Marfat.com

اُنۡزِلَ فِیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ ۝ کیا گیا۔

البقرہ : ۱۸۵)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ رمضان المبارک کی وہ کونسی رات تھی جب اس کا نزول آسمانِ دُنیا پر ہوا اور پھر وہ خالقِ علیم وقدیر کی مصلحتوں، وقت کے تقاضوں، مخلصین کی ضرورتوں اور حریفوں کے سوالوں کے جوابات کے لیے آئندہ ۲۳ سال تک قلب پیغمبر پر اتر تا رہا۔ اس باب میں مختلف اقوال ہیں اور ہر قول دوسرے سے جُدا۔ قرآنِ مجید کی تصریح یہ ہے کہ :

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ (۹۷ : ۱) ہم نے اس (پیامِ آخریں) کو شبِ قدر میں اُتارا۔

احادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ رمضان المبارک کی آخری دس راتوں میں سے کوئی ایک طاق رات شبِ قدر ہے۔ سُننِ ابوداؤد میں جو حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رمضان کی ۲۷ ویں ہے یا ۲۹ ویں۔ حضرت اُبَیؓ بن کعب نے حزم سے ۲۷ ویں کی رات شبِ قدر بیان کی ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ سے اس بارہ میں استفسار کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ اکابر صحابہؓ (جن میں حضرت عمرؓ اور حضرت حذیفہؓ ایسے لوگ شامل تھے) میں سے اکثر اس میں کوئی شک نہ رکھتے تھے کہ وہ رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔

حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبادہؓ بن صامت سے جو روایتیں صحاح میں منقول ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ شبِ قدر رمضان کی آخری دس راتوں میں سے کوئی طاق رات ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت جسے شیخینؒ نے نقل کیا ہے اسی آخری حدیث کے مضمون کی تائید کرتی ہے۔ محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیشہ رمضان المبارک کی آخری دس راتوں میں اعتکاف فرماتے اور حضرت جبریلؑ کے ساتھ مل کر قرآنِ مجید کا ایک مرتبہ دورہ کرتے لیکن آخری رمضان المبارک میں (جس سال آپؐ کا وصال ہوا) آپؐ نے حضرت جبریلؑ امین کے ساتھ دو مرتبہ دورہ کیا۔[۱۲] اس سے بڑھ کر ثبوت قرآنِ مجید کے حفظ و جمع کا اور کیا ہو سکتا ہے؟

حضرت حارثؓ بن ہشام نے ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپؐ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا : کبھی تو مجھ پر وحی اس طرح نازل ہوتی ہے،

Marfat.com

جس طرح کسی گھنٹی کی آواز ہو۔ وحی کی یہ صورت مجھ پر سخت ہوتی ہے۔ یہ کیفیت مجھ سے اس وقت دُور ہوتی ہے جب مَیں سب کچھ یاد کر لیتا ہوں۔ وحی کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ فرشتہ کسی انسانی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور مجھ سے بات کرتا ہے۔ تو مَیں اس کی باتوں کو یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مَیں نے رسولِ اکرمؐ کو دیکھا ہے کہ سخت سردی کے موسم میں بھی جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ کی پیشانی پسینہ سے تر ہو جاتی۔ ۳۷

وحی کی نوعیت کیا تھی، اس سے پیدا ہونے والی کیفیات کیسی تھیں اور پیغام رساں فرشتے (حضرت جبریلؑ) اور ختمی مرتبتؐ کے درمیان تعلقات کیسے تھے، ایسے سوالات ہیں، جن کا جواب مشکل سے ہی دیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے ان کا جواب ذیل کی عبارت میں دینے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

"وحی کو ایک ٹیلیفون سمجھنا چاہیئے۔ جو خدا اپنے پیغمبر کو کرتا ہے۔ محدثین اور مورخین کہتے ہیں کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک گھنٹی کی سی آواز سنتے۔ آپؐ کے بہت قریب رہنے والوں (مثلاً حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ) کو ایسے موقعوں پر یہ کھ مکھیوں کی بھنبھناہٹ سی سنائی دیتی گو کچھ نظر نہ آتا۔ پیام رسانی کی یہ وصولی جو شدت و جلالت رکھتی تھی، اس کا مشاہدہ بعض صحابہؓ کی زبانی یوں مروی ہے کہ اگر شدت کے جاڑوں میں یہ موقع پیش آیا تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیشانی پسینہ سے تربتر ہو جاتی۔ اونٹنی پر سوار ہوتے تو بوجھ کے مارے وہ اکثر بیٹھ جاتی۔ اور اگر کبھی نہ بیٹھتی تو اس کے پاؤں کچھ ایسے جھنے لگتے کہ گمان ہوتا کہ اب ہڈی چٹخ کر ٹوٹ ہی جاتے گی۔ ایک مرتبہ ایسی حالت میں ایک صحابیؓ کی ٹانگ پر آپؐ زانو رکھے ہوتے بیٹھے تھے ۳۸ وہ بوجھ کی شدت سے حواس باختہ ہو گئے اور خیال کیا کہ ران کی ہڈی بیچ سے ٹوٹ جانے والی ہے۔"

"وحی کے نزول کے وقت آپؐ کو کوئی تشنج نہ ہوتا بلکہ جس حالت میں رہتے اسی میں ساکن ہو جاتے۔ ایک مرتبہ ممبر پر خطبہ دے رہے تھے، کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ ایک مرتبہ غذا تناول فرما رہے تھے۔ ہڈی ہاتھ میں رہی کی رہ گئی، ہاتھ سے گری

Marfat.com

نہیں۔ ایک مرتبہ لیٹے ہوتے تھے، چہرے کا رنگ بدلتا (سُرخ تر ہوتا) دیکھ کر اہلِ خانہ نے چادر چہرۂ مبارک پر ڈال دی":

"فرشتہ یا ملائکہ کے معنی "بھیجے ہوئے" یا "پیام رساں" کے ہیں اور اس سے وہ مخلوق مراد لی جاتی ہے جو انسان اور خدا کے درمیان رابطہ بنتی اور پیام رسانی کرتی ہے۔ رسولِ اکرمؐ کا بیان ہے کہ پیام رساں فرشتہ (جبریلؑ) کبھی انسان کی شکل میں نظر آتا، کبھی بھوکھٹی سے اڑنے والی ایک نئی نوع خلقت کی شکل میں اور کبھی کسی اور شکل میں"۔ [۱۵]

اِقْرَأْ کے رُوح پرور اور سرور انگیز پیغام کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت جبریلؑ سے آدابِ بندگی، سیکھے۔ کمالِ عبدیت کا اہتمام جو آپؐ کو حاصل تھا، اس کا اظہار آپؐ کے ہر مُو کی زبان اور تنفّس کی ہر حرکت سے ہوتا تھا۔ آخری عمر میں آپؐ کے پاؤں خداوندِ بزرگ و برتر کی بارگاہ میں رات بھر کھڑے رہنے سے سُوج جاتے تو حضرت عائشہؓ عرض کرتیں: یا رسولَ اللہ! آپؐ کے پاؤں متورم ہو گئے ہیں آپ ذرا آرام کر لیجئے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے:

أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا [۱۶] کیا تو پسند نہیں کرتی کہ میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ بنوں

حضرت جبریلؑ نے آپؐ کو وضو کرنے اور نماز گزارنے کا طریقہ سکھایا۔ ابتدا میں نماز دو رکعتوں پر مشتمل تھی اور صرف دو وقت کے لیے تھی۔ دعوت کے اس خفیہ دَور میں مسلمان مکہ کی گھاٹیوں میں چھُپ کر نماز ادا کرتے۔ پانچ وقت کی نماز معراج کے بعد فرض ہوئی۔ امام احمدؒ (ابن حنبل) اور ابن ماجہؒ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے جو روایت بیان کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وحی کے نزول کے بعد پہلا کام یہ ہُوا کہ حضرت جبریلؑ نے آپؐ کو وضو کا طریقہ بتایا اور پھر آپؐ کو نماز پڑھائی۔ نماز سے فراغت پاکر آپؐ گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو وضو کرنے اور خدائے واحد کے حضور سجدہ ریز ہونے کا طریقہ سکھایا۔ یہ غالباً اس صبح جانفزا کا واقعہ ہوگا جو نزولِ وحی کی رات کے بعد طلوع ہوئی تھی۔

Marfat.com

نماز میں آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) کو جو سب سے قیمتی، خیال انگیز اور زندگی آموز چیز ملی وہ "سورۃ فاتحہ" تھی جس میں بندے کو اپنے مالکِ حقیقی کے سامنے بعد عجز و نیاز کھڑے ہونے اور اس سے دُعا مانگنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ نولدکی کے مطابق اس سورت کا اعجاز اس کا ایجاز ہے۔ یہ سورت حد درجہ مختصر ہونے کے باوجود معنویت اور جامعیت سے لبریز ہے۔ آپ Lord's Prayer کا فاتحۃ الکتاب سے مقابلہ کریں۔ آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اوّل الذکر اگر "روز کی روٹی" طلب کرنے کی دُعا ہے تو موخر الذکر میں اللہ تعالےٰ کے لیے جذبات تشکر و امتنان کو اس طرح سمو دیا گیا ہے کہ بدن کا رُواں رُواں سپاس گزار دکھائی دیتا ہے۔ یہ دُعا بدن اور رُوح دونوں کے لیے ہے۔

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ "نے ہر قسم کے شرک کی جڑ کاٹ دی ہے" تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں" کا اقرار کرنے کے بعد بندہ اپنے مولا سے طالب تمکین و رسوخ ہوتا ہے۔

وہ پاکیزہ نفوس جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی رسالت کا سُن کر ایمان لے آئے۔ ان میں حضرت خدیجۃؓ الکبریٰ، حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ حضرت امام احمدؒ اور ابنِ عبدالبرؒ نے عفیف کندیؓ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ اسلام لانے سے پہلے ایامِ حج میں ان کی ملاقات حضرت عباسؓ سے ہوئی۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک خوبصورت وجیہہ انسان آیا۔ اس نے وضو کیا اور نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد ایک باحیا خاتون تشریف لائیں۔ انھوں نے وضو کیا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے کھڑی ہو گئیں۔ پھر ایک لڑکا جو ابھی بلوغ کی عمر سے کم تھا نمودار ہُوا۔ اس نے بھی ایسا ہی کیا اور "امام" کے پیچھے نماز ادا کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ کندی نے پوچھا: اے عباسؓ! یہ دین کونسا ہے اور یہ لوگ کون ہیں جو ہمارے طریقے سے ہٹ کر اس طرح عبادت میں مصروف ہو گئے ہیں؟ حضرت عباسؓ نے کہا: یہ امام میرے بھائی عبداللہ کے بیٹے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں نبوت کے لیے چُن لیا ہے۔ یہ دوسرا نوجوان میرا بھتیجا حضرت ابوطالب کا بیٹا ہے اور یہ خاتونِ محترم خدیجۃؓ الکبریٰ ہیں جو ان کی بیوی ہیں اور ان کے دین میں داخل ہو چکی ہیں۔ کچھ عرصہ بعد جب عفیف کندیؓ اسلام لے آئے تو وہ ان

Marfat.com

دنوں کو یاد کر کے کہا کرتے تھے "کہ کاش اس وقت میں ان میں کا چوتھا ہوتا۔" ۵۶

حضرت ابوبکرؓ تجارت پیشہ تھے۔ اسلام لانے سے پیشتر ان کے پاس چالیس ہزار درہم جمع تھے۔ وہ اپنی ذہانت اور اصابتِ رائے، مسائل میں بصیرت اور علم الانساب میں مہارت تامہ کے سبب قریش میں احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ عظیم مفسر علامہ زمخشری کا خیال ہے کہ آپ نیک خصلتوں میں پیش پیش ہونے کی وجہ سے ابوبکرؓ کہلاتے تھے۔ آپ کا اصل نام عبداللہ بن عثمان تھا۔ حضرت علیؓ کی تربیت چونکہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس ہوئی تھی اور آپ کا سینہ علوم و معارف کا گنجینہ تھا۔ اس لیے آپ کو اسلام قبول کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوئی۔ ایک مرتبہ حضرت ابوطالب نے آپ کو آنحضورؐ کے ساتھ نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ لیا تو پوچھا:

"یہ کیا دین ہے جس پر تم چل نکلے ہو؟"

حضرت علیؓ نے اپنی کم عمری کے باوجود عرض کیا:

"یہ اللہ کا دین ہے جو آنحضورؐ لے کر آئے ہیں۔ میں ان کے ساتھ نماز ادا کر رہا تھا۔"

حضرت ابوطالب نے کہا:

"تم ان کے ساتھ تعاون کرو۔ وہ تمھیں بھلائی کے سوا کبھی کسی چیز کی طرف دعوت نہیں دیں گے۔" ۵۷

حضرت زیدؓ بن حارثہ بھی بلاتردد اور بلاتامل اسلام لے آئے۔ ان کی تربیت بھی آنحضورؐ کی نگرانی میں ایسے پاکیزہ ماحول میں ہوئی تھی کہ انھیں اپنے والد، اپنی والدہ، اپنے شہر اور اپنی قوم سے کہیں زیادہ محبت محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تھی۔ جب ان کا والد حارثہ بن شراحیل ان کو لینے کے لیے آستانۂ قدس پر پہنچا تو آنحضورؐ نے فرمایا: زید! یہ تمھارے والد اور چچا ہیں۔ تمھیں لینے آئے ہیں۔ چاہو تو میرے پاس ٹھہرے رہو۔ چاہو تو ان کے ساتھ جا سکتے ہو۔ حضرت زیدؓ نے عرض کیا: میں تو آپ کے پاس ہی ٹھہروں گا۔ ۵۸

حضرت ابوبکرؓ اسلام سے کیسے مشرف ہوئے؟ وہ حکیمؓ بن حزام (رئیسِ قریش اور حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کے بھتیجے) کے پاس بیٹھے تھے کہ ان کی لونڈی کمرے میں داخل

Marfat.com

ہوئی۔ اور عرض کیا: کچھ سنا آپ نے؟ حکیمؓ نے پوچھا: آج کیا ماجرا ہوا؟ اس نے کہا آپ کی پھوپھی (حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ) فرما رہی تھیں کہ ان کے میاں (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت موسیٰؑ کی طرح رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی طرف نیکی اور ہدایت کیلئے مبعوث فرمایا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکرؓ سیدھے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس پہنچے۔ اور یہ تصدیق کر لینے کے بعد کہ اس کا بیان درست تھا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لے آئے۔ ختمی مرتبتؐ فرمایا کرتے تھے:

"میں نے جس کے سامنے بھی اسلام پیش کیا، اس نے کچھ نہ کچھ تردد کیا اور سوچا۔ لیکن جب میں نے ابوبکرؓ سے اسلام کا ذکر کیا تو وہ بلا ادنیٰ تامل اسلام لے آئے۔"[۲۱]

یہ حضرت ابوبکرؓ کی سرگرم کوششوں کا اثر تھا کہ حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص ایسے اعیان قریش اور حریت نواز انسان اسلام کو میسر آئے۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت ابوعبیدۃؓ بن الجراح، حضرت عبیدہؓ بن الحارث، حضرت سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نفیل اور ان کی بیوی حضرت فاطمہ بنت الخطابؓ، حضرت ارقمؓ بن ابی الارقم، مظعونؓ بن حبیب کے تینوں صاحبزادے، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت قدامہؓ بن مظعون اور حضرت عبداللہؓ بن مظعون، حضرت اسماءؓ بنت ابوبکر، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت عمیر بن ابی وقاص اور حضرت خبابؓ بن الارت ایسے سلیم الفطرت لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

اس میں شک نہیں کہ ابتدائی دور میں اسلام لانے والوں کی زیادہ تعداد ضعفا یا آزاد کردہ غلاموں کی تھی جنہیں قریش کے رئیس نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے لیکن خیال رہے کہ اس کے دامن میں قریش کے وہ نامور سپوت بھی تھے جو اپنے نئے طرزِ عمل کا جواز جرأت و بیباکی سے پیش کر سکتے تھے۔ والٹیر (Voltaire) نے کہا تھا:

"No man is a hero to his valet". [۲۲]

ہر انسان اپنی شرافت اور دلیری، اپنی شہرت اور شجاعت کے نقوش سب سے پہلے ان لوگوں کے اذہان پر ثبت کرتا ہے جو اس کے قریبی نہیں ہوتے؛ جنھوں نے اس

Marfat.com

کمزوریوں اور توانائیوں، اس کے معائب اور محاسن کا بچشمِ خود جائزہ نہیں لیا ہوتا لیکن ختمی مرتبتؐ کے سلسلے میں تاریخ کا فیصلہ مختلف تھا۔ یہاں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانے والے گھر کے آدمی تھے۔ عزیز اور دوست تھے، خدمت گزار تھے۔ بیوی سے زیادہ انسان کے رویّوں اور طرزِ عمل سے کون واقف ہوتا ہے؟ دوست سے زیادہ اس کے دل و دماغ کی صلاحیتوں اور اخلاقی گراوٹوں پر کس کی نظر ہوتی ہے؟ خدمت گار سے زیادہ اس کی عاداتِ ستودہ اور اطوارِ ذمیمہ سے کون خبردار ہوتا ہے؟ یہی وہ لوگ تھے جو آپؐ کی رسالت کا اقرار کرتے ہوئے آپؐ کی دعوتِ انقلاب پر لبیک کہنے والے تھے۔ انھوں نے مشرکانہ کلچر کی ہر رسم و رواج سے منہ موڑتے ہوئے، اس نظامِ تمدن و اخلاق کو اپنا لیا تھا جس کا ماخذ وحیِ الٰہی تھا اور جس کا بہترین نمونہ رحمۃ للعالمینؐ کی ذاتِ گرامی تھی۔ [۲۳]

کیا ان "السابقون الاوّلون" نے اسلام کسی مجبوری کے تحت قبول کیا تھا؟ کیا ان پر کسی کا احسان تھا جس کا وہ یوں بدلہ چکانا چاہتے تھے؟ [۲۴] نہیں۔ انھوں نے اس طبعی جبریت (Physical Determination) کا پوری طرح مطالعہ کر لیا تھا جس کے شکنجے میں ان کا پورا معاشرہ جکڑا ہوا تھا۔ انھوں نے اس نظامِ تمدن کا بھی جائزہ لے لیا تھا جس کی بنیاد "بُت پرستی" پر رکھی گئی تھی اور جس کے سبب ان کی زندگی "ثنویت" کا شکار ہو چکی تھی۔ وہ اس سماج کو بھی دیکھ بھال چکے تھے جس نے نسب پرستی اور استخوان فروشی ایسی لعنت کو جنم دیا تھا اور انسانوں کو طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا۔ وہ اس نظامِ پاپائیت کی خرابیوں سے بھی بخوبی آگاہ تھے جس نے مذہب کی آڑ میں سادہ لوح اور غریب لوگوں کا خون چوس لیا تھا۔ اب انھیں ایک مسیحا نظر آیا تھا جو "پانی کے مٹکوں کو شراب میں تو نہیں بدل دیتا" نہ کوڑھیوں کو ابرص کے روگ سے نجات دلاتا تھا" اور نہ ہی "مُردوں کو دوبارہ زندہ کرتا تھا۔" لیکن اُس نے حُرمتِ شراب کا حکم دے کر پوری انسانیت کو غرقِ مئے ناب ہونے سے بچا لیا اور دل کے روگیوں اور عقل کے اندھوں کو قلب و نظر کی وہ وسعتیں عطا کیں کہ وہ فطرت کے اشاروں کو سمجھنے اور سمجھانے والے بن گئے اور "مُردہ ــــ زندوں" میں وہ رُوح پھونکی کہ وہ نہ صرف خود ایک عظیم سلطنت کے بانی ہوتے بلکہ دوسروں کو بھی جہاں نگری اور جہاں بانی

Marfat.com

کے گر سکھانے والے بن گئے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

"دلوں کی تسخیر کے سلسلے میں، یہ محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ابتدائی فتوحات تھیں۔ بیوی کا خاوند کے دعوائے نبوت کی تصدیق کر دینا (اس لیے کہ حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کو آپؐ کے الفاظ کی صحت پر یقین تھا اور وہ اپنے شوہر کی عظمت میں برابر کی شریک تھیں)، خادم (حضرت زیدؓ بن حارثہ) کا (جو مخلص اور وفادار تھا) سرِ تسلیم خم کر دینا، شاگرد (حضرت علیؓ) کا (جو ایک عظیم اور عالی ہمت مجاہد تھا) بلاچون و چرا سپر ڈال دینا اور ایک مشفق دوست (حضرت ابوبکرؓ) کا (جو متمول ہونے کے علاوہ اعتدال پسند اور صداقت شعار تھا) بلا تامل آپ کو نبی مان لینا ـــــ ایسے واقعات ہیں جو نبوت کی پوری تاریخ میں خال خال نظر آتے ہیں۔" [۲۵]

اگرچہ مارگولیس حضرت ابوبکرؓ کے خلوص، ان کے اثر و رسوخ اور ان کے کردار کی عظمت کو سراہنے میں ناکام رہا ہے[۷] لیکن سر ولیم میور نے انھیں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"وہ انتہائی پاکیزہ سیرت اور سلیم الفطرت انسان تھے۔ قریش کے لوگ اُنھیں ان کی شرافت، اصابتِ رائے اور غیر جانبداری کے لیے بہت پسند کرتے۔ حضرت ابوبکرؓ کا ایمان لے آنا، آنحضورؐ کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ ان کا خلوص ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے۔" [۲۶]

اڈورڈ گبن کو، جس کی عبارت اُوپر نقل ہوتی ہے، اس بات کا اعتراف ہے کہ:

"بنو تیم کا یہ متموّل تاجر (حضرت ابوبکرؓ) اپنی راست گفتاری، فیاضی اور خیر اندیشی کے لیے (مکہ کی سوسائٹی میں) قابلِ تعظیم تھا۔" [۲۷]

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک دن حضرت جبریلؑ امین کو (جن سے پہلی ملاقات غارِ حرا میں ہوئی تھی) زمین و آسمان کے درمیان اس طرح بیٹھے ہوئے دیکھا کہ سورج کے طلوع کی جگہ مشرق سے لے کر غروب کی جگہ مغرب تک کوئی اور چیز دکھائی نہیں دیتی تھی۔ آپؐ انھیں دیکھ کر خوفزدہ ہوئے اور گھر آ کر کمبل اوڑھانے کے لیے کہا۔ کمبل اوڑھ کر بیٹھ جانے کا یہ انداز مالکِ بزرگ و برتر کو اتنا پسند آیا کہ اس نے آپؐ کو "اے نبی" یا "اے رسول" کہہ کر پکارنے

Marfat.com

کی تجلتے یَا اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ [۲۹]
(اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے) کہہ کر پکارا اور آپؐ کی توجہ ان عظیم ذمّہ داریوں کی طرف دلائی جن کی انجام دہی کا فریضہ آپ کے سپرد کیا گیا تھا۔
آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اُٹھ کھڑے ہونے کا حکم دیا تاکہ آپؐ اپنی قوم کو خاص طور پر اور باقی دنیا تے تمدّن کو عام طور پر بُت پرستی، ستارہ پرستی اور نفس پرستی کے بُرے نتائج سے آگاہ کریں اور انھیں ان آستانوں سے ہٹا کر جن پر وہ جمے بیٹھے تھے، اس مالکِ حقیقی کے آستانۂ جلال وجبروت پر جُھکنے کے لیے کہیں جو تمام کائنات کا پیدا کرنے والا ہے، روزی رساں ہے اور فاعلِ حقیقی ہے، وہ ایک ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے۔
کیا انسان نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا فجور اور اس کا تقویٰ دونوں اس پر واضح کر دیتے ہیں۔ [۳۰] پھر کیا وجہ ہے کہ وہ سیدھی راہ کو چھوڑ کر غلط راہ پر چل نکلا ہے؟ کیا اسے اس بات کا علم نہیں کہ اخلاق اور قانونِ مکافات کے درمیان براہِ راست تعلق ہے؟ اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں کی خیانت اور اس کے دل کے بھیدوں سے پوری طرح واقف ہے۔ اس کے فرشتے انسان کے پاس بیٹھے سب کچھ لکھ رہے ہیں ـــــ اس کے بُخل کو، اس کے ڈنڈی مارنے کو، زبان طعن دراز کرنے کو، معاشی اور معاشرتی ترقی کے کاموں میں عدم دلچسپی کو، جفاکاری پر اصرار کو اور نیم شبی کی سرگوشیوں کو۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ قیامت کے دن اسے اپنے اچھے عملوں کی جزا اور اپنے بُرے عملوں کی سزا مل کر رہے گی؟ فطرت افراد کی کوتاہیوں کو تو نظر انداز کر سکتی ہے لیکن وہ اجتماعی بُرائیوں اور (Scam das) سے اغماض نہیں برتتی۔ ہر انسان اپنے اعمال کا ذمّہ دار ہے۔ محاسبہ کے روز اگر کوئی لدا ہوا نفس اپنا بوجھ اُٹھانے کے لیے کسی دوسرے انسان کو پکارے گا تو اس کے بار کا ادنیٰ حصّہ بھی ہٹانے کے لیے کوئی نہیں آئے گا۔ چاہے وہ قریب ترین، رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔
اے کملی پوشؐ! آپؐ اُٹھیں اور ان لوگوں کو جو مٹی اور پتھر کی مورتیوں کے قدموں میں سوتے پڑے ہیں، بیدار کریں۔ اگر آپؐ کی قیادت اس قوم کے لیے مقدر نہ ہو چکی ہوتی

Marfat.com

تو ہم ان کے گرد دُور دُور تک ریت کی وہ عظیم اور ناقابلِ عبور دیواریں نہ کھینچ دیتے جن کے سبب ایرانی اور رومی اپنی عظمت وسطوت کے دنوں میں بھی اِس سرزمین کو پامال نہ کر سکے اب وقت آگیا ہے کہ انھیں کسی بڑے طوفان سے آشنا کیا جائے تاکہ وہ اپنے "بحر کی موجوں" اور جسم وجاں کی توانائیوں کو اکٹھا کر کے "تسخیرِ کائنات" کے اعلیٰ اور ارفع مقصد کے حصول میں لگ جائیں۔

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے کام کا آغاز ان اصولوں کی روشنی میں کیا جو خداوندِ قدوس نے اس سلسلے میں نازل فرمائے تھے۔ آپؐ نے آغازِ سفر ہی میں اس کام کے لیے ان مخلص، سلیم الطبع، خود آگاہ اور خدا شناس لوگوں کا انتخاب کیا جو راستے کی مشکلات سے گھبرانے والے نہ تھے۔ اس سلسلے میں حضرت ابوبکرؓ کا وجود غنیمت ہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی معاملہ فہمی، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی جرأت اور حضرت ابوذر غفاریؓ کی جاں سپاسی اور سیاسی بصیرت اسلام کے پیغام کو پھیلانے میں ممد ثابت ہوئیں۔

اِن ابتدائی کوششوں کے ثمرات کو متعصب عیسائی مورخین قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھ پاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو بھی، امیر و غریب، اسود و احمر، عربی و عجمی ایک مرتبہ خمخانۂ حجاز میں داخل ہوا، پھر وہ یہیں کا ہو کر رہ گیا۔ ایک "عبداللہ بن ابی سرح"[۳۱] کے مرتد ہو جانے سے (جو کاتبِ وحی تھا) یہ نتیجہ اخذ کر لینا کہ یہاں کی شراب کا نشہ ہی ایسا تھا کہ اسے "ترشی" اتار دیتی تھی، نہ صرف غلط ہے بلکہ انتہائی تنگ نظری کی دلیل ہے۔ کیا پطرس کا "مرغ کی اذاں سے پہلے" تین مرتبہ حضرت عیسیٰؑ کا انکار کرنا[۳۲] اور یہوداہ کی فریب دہی[۳۳] اور ارتداد سے حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم کی سچائی پر کوئی حرف آتا ہے؟ نہیں۔ تو پھر عبداللہ بن ابی سرح کے انحراف سے وحی کی اصابت اور اسلام کی صداقت کیونکر متاثر ہوتی ہے؟

اس زمانے میں مسلمان چھپ کر مکّہ کی گھاٹیوں میں نماز ادا کرتے تاکہ مشرکین کو ان کے اسلام لانے کی خبر نہ ہو۔ ایک روز جب مسلمان ایک خفیہ مقام پر نماز ادا کر رہے تھے، تو مشرکینِ مکّہ کے ایک گروہ نے انھیں دیکھ لیا، سخت کلامی ہوئی اور نوبت ہاتھا پائی تک پہنچی۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ہڈی اُٹھا کر ایک شخص کے سر پر دے ماری[۳۴] جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ یہ شخص بنی تیم

Marfat.com

سے تعلق رکھتا تھا۔ اس خیال کے پیشِ نظر کہ کہیں مسلمانوں اور مشرکوں میں قبل از وقت تصادم نہ ہو جائے، ختمی مرتبتؐ نے ابنِ ابی ارقمؓ کے مکان کو جو صفا کے قریب تھا، دعوتِ حق کا مرکز بنا دیا، اب تمام مسلمان وہیں جمع ہوتے، اکٹھے نماز ادا کرتے اور آئندہ کے پروگرام کے بارے میں سوچتے۔ شعب ابی طالب میں آنحضورؐ کی اور آپؐ کے خاندان کی محصوری تک اسی مکان کو مرکزی حیثیت حاصل رہی۔

اب ہم خفیہ دعوت کے سہ سالہ دور کا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ قریش کے مختلف قبائل کے کن حضرات اور خواتین نے اسلام قبول کیا اور دیگر قبائل کے کن کن حضرات نے اللہ تعالےٰ کی وحدانیت اور آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کا اقرار کرتے ہوئے دعوتِ حق پر لبیک کہا جو جمود و تعطل کی بجائے آزادی و حرکت کی، مفاسدِ اخلاق کی بجائے مکارمِ اخلاق کی اور غلامی و محکومی کی بجائے عرب و عجم کی قیادت اور سرفرازی کی ضامن تھی۔

(یہاں پر اللہ تعالیٰ کے ان پاکیزہ بندوں کی فہرست دی جاتی ہے جو اپنے جذبۂ پیشقدمی کے سبب، السابقون الاولون میں شامل ہوئے وہ خدا سے راضی تھے اس لیے خدا ان سے راضی ہوا۔)

بنی ہاشم میں سے: (۱) جعفرؓ بن ابی طالب

(۲) اُن کی بیوی اسماءؓ بنت عُمیس خثعمیہ

(۳) صفیہؓ بنتِ عبدالمُطلب

(۴) آروَیٰؓ بنتِ عبدالمطلب

بنی المُطلب میں سے: (۵) عُبَیدہؓ بن الحارث بن مُطلب

بنی عبدِشمس بن عبدِمناف میں سے (۶) ابوحُذَیفہؓ بن عُتبہ بن ربیعہ

(۷) اُن کی بیوی سَہلہؓ بنت سُہَیل بن عَمرو

بنی اُمیہ میں سے: (۸) عثمانؓ بن عفان

(۹) اُن کی والدہ اَرْوَیٰ بنت کُرَیز

(۱۰) خالدؓ بن سعید بن العاص بن اُمیہ

Marfat.com

(۱۱) اُن کی بیوی اُمیمہؓ بنت خلف الخزاعیہؓ

(۱۲) اُمّ حبیبہؓ بنتِ ابی سفیان (پہلے عُبیداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں بعد میں ان کو اُمّ المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا)۔

خُلفائے بنی اُمیہ میں سے: (۱۳) عبداللہؓ بن جحش بن رِئاب

(۱۴) ابواحمدؓ بن جحش

(۱۵) عبیداللہؓ بن جحش

بنی تیم میں سے: (۱۶) اسماءؓ بنتِ ابی بکرؓ

(۱۷) اُمّ رُومانؓ

(۱۸) طلحہؓ بن عبیداللہ

(۱۹) اُن کی والدہ صَعبہؓ بنت الحضرمی

(۲۰) حارثؓ بن خالد

خُلفائے بنی تیم میں سے: (۲۱) صُہیبؓ بن سنان الرّومی

بنی اَسد بن عبدالعزیٰ میں سے: (۲۲) زبیرؓ بن العوام

(۲۳) خالدؓ بن حزام

(۲۴) اسودؓ بن نوفل

(۲۵) عمروؓ بن اُمیہ

بنی عبدالعزیٰ بن قُصَیّ میں سے: (۲۶) یزید بن زمعہ بن الاسود

بنی زُہرہ میں سے: (۲۷) عبدالرحمٰنؓ بن عوف

(۲۸) اُن کی والدہ شِفاءؓ بنتِ عوف

(۲۹) سعدؓ بن ابی وقاص

(۳۰) اُن کے بھائی عُمیرؓ بن ابی وقاص

(۳۱) اُن کے بھائی عامر بن ابی وقاص

(۳۲) مُطّلبؓ بن ازہر

Marfat.com

(۳۳) ان کی بیوی زَملہؓ بنت ابی عوف سہمیہ

(۳۴) طُلیبؓ بن ازہر

(۳۵) عبداللہؓ بن شہاب

حُلفائے بنی زہرہ میں سے: (۳۶) عبداللہؓ بن مسعود

(۳۷) عُتبہؓ بن مسعود

(۳۸) مقدادؓ بن عمرو الکندی

(۳۹) خبّاب بن الارت

(۴۰) شرحبیلؓ بن حسنۃ الکندی

(۴۱) جابرؓ بن حسنہ

(۴۲) جُنادہؓ بن حسنہ

بنی عدی میں سے: (۴۳) سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نُفیل

(۴۴) ان کی بیوی فاطمہؓ بنت الخطاب

(۴۵) زیدؓ بن الخطاب

(۴۶) عامرؓ بن ربیعہ العنزی

(۴۷) ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی حثمہ

(۴۸) معمرؓ بن عبداللہ بن نضلہ

(۴۹) نُعیمؓ بن عبداللہ النحّام

(۵۰) عدیؓ بن نضلہ

(۵۱) عُروہؓ بن ابی اُثاثہ

(۵۲) مسعودؓ بن سُوید بن حارثہ بن نضلہ

حُلفائے بنی عدی میں سے: (۵۳) واقد بن عبداللہ

(۵۴) خالدؓ بن بُکیر بن عبد یالیل اللیثی

(۵۵) ایاسؓ ″

Marfat.com

(۵۶) عامرؓ بن بُکیر عبد یا لیل اللیثی

(۵۷) عاقلؓ " "

بنی عبد الدّار میں سے: (۵۸) مُصعبؓ بن عُمیر

(۵۹) ابوالرومؓ بن عُمیر

(۶۰) فراسؓ بن النضر

(۶۱) جہمؓ بن قیس

بنی جُمح میں سے: (۶۲) عثمانؓ بن مظعون

(۶۳) ان کے بھائی قدامہؓ بن مظعون

(۶۴) ان کے بھائی عبداللہ بن مظعون

(۶۵) سائبؓ بن عثمانؓ بن مظعون

(۶۶) مَعمرؓ بن الحارث بن مَعمر

(۶۷) ان کے بھائی حاطبؓ بن الحارث

(۶۸) ان کی بیوی فاطمہ بنت مُجلل العامریہ

(۶۹) مَعمرؓ کے بھائی حطابؓ بن الحارث

(۷۰) ان کی بیوی فکیہہؓ بنت یسار

(۷۱) سُفیانؓ بن مَعمر

(۷۲) نُبیہؓ بن عثمان

بنی سہم میں سے: (۷۳) عبداللہ بن حُذافہ

(۷۴) خُنیسؓ بن حُذافہ

(۷۵) ہشامؓ بن العاص بن وائل

(۷۶) حارثؓ بن قیس

(۷۷) ان کے بیٹے بشرؓ بن حارث

(۷۸) ان کے دوسرے بیٹے مَعمرؓ بن حارث

Marfat.com

(۷۹) قیسؓ بن حذافہ

(۸۰) ابو قیسؓ بن الحارث

(۸۱) عبداللہؓ بن الحارث

(۸۲) سائبؓ بن الحارث

(۸۳) حجاجؓ بن الحارث

(۸۴) بشرؓ بن الحارث

(۸۵) سعیدؓ بن الحارث

حلفائے بنی سہم میں سے: (۸۶) عمیرؓ بن رئاب

(۸۷) محمیہؓ بن الجزء

بنی مخزوم میں سے: (۸۸) ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد

(۸۹) ان کی بیوی ام سلمہؓ

(۹۰) ارقمؓ بن ابی الارقم

(۹۱) عیاشؓ بن ابی ربیعہ

(۹۲) ان کی بیوی اسماءؓ بنت سلامہ تمیمیہ

(۹۳) ولیدؓ بن ولید بن مغیرہ

(۹۴) ہشامؓ بن ابی حذیفہ

(۹۵) سلمہؓ بن ہشام

(۹۶) ہاشم بن ابی حذیفہ

(۹۷) ہبارؓ بن سفیان

(۹۸) ان کے بھائی عبداللہ بن سفیان

حلفائے بنی مخزوم میں سے: (۹۹) یاسرؓ

(۱۰۰) عمارؓ بن یاسر

(۱۰۱) ان کے بھائی عبداللہ بن یاسر

Marfat.com

بنی عامر بن لوی میں سے (۱۰۲) ابو سبرہ رضؓ بن ابی رُہم

(۱۰۳) ان کی بیوی اُمِ کلثوم رضؓ بنت سُہیل بن عمرو

(۱۰۴) عبداللہ رضؓ بن سُہیل بن عمرو

(۱۰۵) حاطب رضؓ بن عمرو

(۱۰۶) سَلیط رضؓ بن عمرو

(۱۰۷) سَکران رضؓ بن عمرو

(۱۰۸) ان کی بیوی سَودہ رضؓ بنت زمعہ

(۱۰۹) سَلیط رضؓ بن عمرو کی بیوی یَقیظہ رضؓ بنت عَلقمہ

(۱۱۰) مالک رضؓ بن زمعہ

(۱۱۱) ابن اُمِ مکتوم رضؓ

بنی فہر بن مالک میں سے: (۱۱۲) ابو عُبیدہ رضؓ بن الجراح

(۱۱۳) سُہیل رضؓ بن بَیضاء

(۱۱۴) سعید رضؓ بن قیس

(۱۱۵) عمرو بن الحارث بن زُہیر

(۱۱۶) عثمان بن عبد غَنم بن زُہیر

(۱۱۷) حارث رضؓ بن سعید

بنی عبد قُصَیّ میں سے: (۱۱۸) طُلَیب رضؓ بن عُمیر

یہ وہ لوگ تھے جو قریش کے بڑے بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ ایک اچھی خاصی تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی بھی تھی جنھوں نے خُفیہ دعوت کے ان تین سالوں میں اسلام قبول کیا۔ ان کے نام یہ ہیں:-

(۱۱۹) اُمِ ایمن برکہ بنت ثعلبہ جنھوں نے بچپن سے حضورؐ کو گود میں پالا تھا۔

(۱۲۰) زِنّیرہ رضؓ رومیہ۔ عمرو بن المؤمل کی آزاد کردہ لونڈی

(۱۲۱) بلال رضؓ بن رباح۔ یہ اُمیہ بن خلف کے غلام تھے۔

Marfat.com

(۱۲۲) ان کی والدہ حمامہؓ

(۱۲۳) ابو فکیہہؓ یسار الجہنی۔ صفوان بن اُمیہ کے آزاد کردہ غلام۔

(۱۲۴) لبینہؓ، مؤمل بن حبیب کی لونڈی

(۱۲۵) اُمِّ عُبیسؓ، بنی تیم بن مُرہ یا بنی زُہرہ کی لونڈی

(۱۲۶) عامرؓ بن فُہیرہ، طُفیل بن عبداللہ کے غلام

(۱۲۷) سُمیّہؓ۔

اِن کے علاوہ غیر قریش میں سے جن لوگوں نے مکّہ کے اِس ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا وہ یہ تھے:

(۱۲۸) مِحجنؓ بن الاَدرع الاسلمی

(۱۲۹) مسعودؓ بن ربیعہ بن عمرو۔ یہ بنی الھُون بن خُزیمہ کے قبیلہ قارہ سے تھے۔

Marfat.com

تعلیقات (باب ہفتم ۲)

۱۔ قرآنِ مجید۔

۲۔ قرآنِ مجید۔ سورہ البقرہ : ۱۸۵

(شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ)

ماہِ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ہے۔

قرآنِ مجید، سورہ الدّخان : ۳۔

(اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ○)

ہم نے اس کو ایک برکت والی رات میں اتارا ہے کیونکہ ہم (بندوں) کو خبردار کرنے والے تھے۔

قرآنِ مجید۔ سورہ القدر : ۱

(اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ)

بے شک ہم نے اسے شبِ قدر میں اُتارا ہے

۳۔ الصحیح البخاری، علامہ بخاریؒ۔ کیف کان بدء الوحی :

(فغطني حتى بلغ مني الجهد)

اس نے مجھے زور سے دبایا یہاں تک کہ میں نے محسوس کیا کہ میری قوتِ مقاومت جواب دے گئی ہے۔

نیز عیون الاثر، ابن سید الناس، ج ۱، ص ۱۰۶۔

Marfat.com

۴۔ السیرۃُ النبویۃ، ابنِ ہشام، ج ۱، ص ۲۳۴؛ طبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج ۱، ص ۱۹۲

۵۔ الصحیح البخاری، علامہ بخاریؒ، کیف کان بدء الوحی؛ عیون الاثر۔ ابن سیدالناس، ج ۱ ص ۱۰۵؛ طبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج ۱، ص ۱۹۵

۶۔ سیرۃ النبویہؐ، ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۳۸؛ طبقات الکبریٰ۔ ابن سعد، ج ۱، ص ۱۹۵

۷۔ الصحیح البخاری، علامہ بخاریؒ، باب التعبیر؛ الطبقات الکبریٰ۔ ابن سعد، ج ۱، ص ۱۹۶؛ السیرۃ النبویہؐ۔ ابنِ ہشام، ج ۱، ص ۲۴۱۔

۸۔ فتح الباری، شرح الصحیح البخاری۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی ج ۱۲، ص ۳۱۷

۹۔ الصحیح البخاری، علامہ بخاریؒ، باب کیف کان بدء الوحی۔

۱۰۔ السیرۃ النبویہؐ۔ ابنِ ہشام، ج ۱، ص ۲۳۸؛ محمدؐ اور محمدیت، باسورتھ سمتھ، ص ۱۱۶

۱۱۔ سیرۃ النبیؐ۔ علامہ شبلی نعمانی۔ ج ۱، ص ۲۰۴۔ ۲۰۵

۱۲۔ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور۔ ج ۱، ص (xvii)؛ الصحیح البخاری، علامہ بخاری۔ ج ۱، باب

۱۳۔ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد۔ ج ۱، ص ۱۹۸

۱۴۔ الصحیح البخاری، علامہ بخاریؒ، ج ۱، کتاب الصلوٰۃ (عن زیدؓ بن ثابت)

۱۵۔ رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ ص ۷۷

۱۶۔ الصحیح البخاری، علامہ بخاریؒ۔ ج ۱۔ کتاب التہجد؛ نیز بروایت حضرت مغیرہؓ

۱۷۔ اصابہ۔ ابنِ حجرؒ۔ ج ۲، ص ۴۸۷

۱۸۔ (عفیف کندی کا اصلی نام شراحیل تھا۔ وہ اپنی نیک چلنی، پاکدامنی اور برے کاموں سے اجتناب کے سبب "عفیف" کے لقب سے مشہور تھے)

۱۸۔ السیرۃُ النبویہ۔ ابنِ ہشام، ج ۱، ص ۲۴۹۔ ۲۵۰؛ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم۔ ج ۱، ص ۵۷

۱۹۔ ایضاً ۔ ایضاً ، ج ۱، ص ۲۴۶؛ ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ۔ ٹامس کارلائل، ص ۲۹۲۔

ٹامس کارلائل نے اپنے متذکرہ بالا مضمون میں حضرت علیؓ کو ان

Marfat.com

کی جرأت و بیباکی اور شجاعت و شہامت کے لیے شاندار خراجِ عقیدت
پیش کیا ہے۔

۲۰۔ السیرۃ النبویہ۔ ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۴۷۔۲۴۹

۲۱۔ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور، ج ۱، ص ۳۹؛ محمدؐ۔ ڈیوڈ سیموئل مارگولیس، ص ۱۰۱؛ عیون الاثر
ابن سید الناس۔ ج ۱، ص ۹۵۔

۲۲۔ والٹیر (Voltaire)۔ فرانس کا ایک عظیم دانشور، مؤرخ اور فلاسفر، وہ اٹھارھویں
صدی کے خیالات (انقلابی) کا زبردست داعی تھا، جن میں آزادانہ تحقیق و تفحص، ضمیر کی
آزادی، عظمتِ انسانی اور مساوات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اس نے ۱۷۷۸ء میں
داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

۲۳۔ قرآن مجید۔ سورہ نٓ والقلم: ۴ (وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ بے شک آپؐ اخلاق
کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں)؛ سُنن ابوداؤد۔ باب الصّلوٰۃ فی اللیل عن عائشہؓ۔

۲۴۔ قرآنِ مجید۔ سورہ اللیل: ۱۸۔۱۹
(اَلَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ
نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝)
جو اپنا مال اس لیے دیتا ہے کہ پاک صاف ہو جائے۔ اور اس کے
اوپر کسی کا احسان نہیں کہ وہ اس کا بدلہ اتارے۔

۲۵۔ تاریخ زوالِ روما، ایڈورڈ گبن۔ ج ۳، ص ۹۲۔۹۴

۲۶۔ محمدؐ۔ ڈیوڈ سیموئل مارگولیس۔ ص ۸۳۔۸۴

۲۷۔ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور۔ ج ۲۔ ص ۱۰۳

۲۸۔ تاریخ زوالِ روما، ایڈورڈ گبن، ج ۳، ص ۹۴

۲۹۔ قرآن مجید۔ سورہ المدثر: ۱

۳۰۔ قرآن مجید۔ سورہ الشمس: ۷۔۸
(وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝)

Marfat.com

۴۱۔ محمد۔ ڈیوڈ سیموئل مارگولیس، ص ۸۹۔ عبارت ملاحظہ ہو :

That nevertheless the process of revelation was so suspicious that one of the scribes became convinced that it was imposture and discarded Islam in consequence".

کیا واقعات سے یونہی نتائج اخذ کیے جاتے ہیں ؟ اور کیا اس کو تاریخی بصیرت کہتے ہیں ؟ تعصب ہی نہیں جہالت کی انتہا ہے۔

۴۲،۴۳۔ انجیل مقدس) متی ۲۶ : ۳۴۔۳۵؛ نیز عبارت ۲۱۔۲۵۔

۴۴۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابن ہشام۔ ج ۱، ص ۲۶۳

۴۵۔ الواقدی، ص ۲۲۶

(وهي الدار التي كان النبيُّ (صلى الله عليه وسلم) فيها، في أول الإسلام، دعا الناس إلى الإسلام۔ وأسلم فيها قومٌ كثيرٌ)

Marfat.com

باب ہشتم

قُم فَانذِر

(آویزشِ حق و باطل)

تبلیغِ دین اور دعوتِ حق کا جو پروگرام ابتدائی سالوں میں مکّہ کی بنجر اور بے آب وگیاہ وا[دی] میں نسیم سحری کا خرام لیے ہوئے شروع ہوا تھا۔ اسے "قُم فَاَنذِرْ" کے حکم کے تحت نئی شان سے آ[گے] بڑھنا تھا، نئے حوصلوں کے ساتھ راستے کی مشکلات کا مقابلہ کرنا تھا اور ابلاغ کے نئے ذرائع [سے] تمدن کی جدید بنیادیں استوار کرنا تھیں۔ مکہ معظمہ کو، جو ایک تیرتھ کی حیثیت رکھتا تھا، ایک بار پھر اللہ کی وحدانیت اور نوعِ انسان کی وحدت کا مرکز بننا تھا۔ شعوب وقبائل میں بٹے ہوئے انسانوں کو جن کی سوچ پراگندہ تھی، جن کی فکر ونظر کے زاویے بدلے ہوئے تھے اور جن کی عملی قوتیں زنگ آ[لود] ہو چکی تھیں، ایک عالمگیر اخوت کے رشتے میں پرونا تھا اور ایک عالمگیر امتِ مسلمہ کی تاسیس [کرنا] تھی۔ یہ مرحلہ جس قدر صبر آزما تھا، اسی قدر رفیع الشان بھی تھا۔ ضعف وکمزوری اور ناداری و بے[کسی] کے ان لمحات میں جب دو دل مل کر آگے بڑھتے ہیں، ایک ہی قسم کے تلخ تجربات سے گزرتے ہیں، ایک ہی قسم کے طوفانوں سے نبرد آزما ہوتے ہیں اور ایک ہی قسم کے سنگدل اور بے رحم انسانوں سے ان کا پالا پڑتا ہے، تو پھر کسی قسم کی بیرونی نفرت کا الاؤ اور مخالفت کا جھکڑ ان کی راہیں جدا [نہیں] کر سکتا۔ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حضرت حمزہؓ کی لاش کے مثلہ کرنے پر حزن وملال، حضرت زید[بن حارثہؓ] کی شہادت پر رنج وغم اور حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کی مشکلات پر دفورِ الم صرف اس لیے نہیں تھا کہ وہ تقویٰ و پرہیزگاری، جان سپاری وجاں نثاری میں اپنا ہمسر نہیں رکھتے تھے بلکہ اس لیے بھی تھا کہ وہ ا[ٓپ] (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خارجی تجربات میں ان کے شریک وسہیم رہے تھے۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (۱۵: ۹۴)

اے نبی اپنی دعوت کو واضح کر دیجئے اور مشرکوں سے منہ موڑ لیجئے۔

Marfat.com

۲۔ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (اے پیغمبرؐ! اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرائیے۔)
(۲۶ : ۲۱۴)

تین سال کی خفیہ دعوت کے بعد، آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے علی الاعلان اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ آپؐ بغیر کسی خوف اور جھجک کے حرم پاک میں نماز ادا کرتے۔ ابوجہل کی نئی دعوتِ انقلاب کے خلاف نفرت سلگ جوالا بن کر اٹھی۔ اُس نے کہا۔

"اب اگر میں نے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے دیکھ لیا تو (نعوذ باللہ) ان کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا اور ان کا منہ زمین پر رگڑ دوں گا۔"[۲] جب آپؐ اگلی مرتبہ نماز ادا کرنے کے لیے تشریف لائے تو اس نے آپؐ کو دھمکیاں دینا شروع کیں۔ آنحضورؐ نے اس کو سختی سے جھڑک دیا۔ ابوجہل نے کہا:

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے ڈراتے ہو؟ خدا کی قسم اِس جگہ پر میرے حمایتی زیادہ ہیں۔"

اور پھر ایسا ہوا کہ وہ آپؐ پر، جب آپؐ مصروفِ عبادت تھے، اپنے حمایتیوں کے ساتھ مرگِ ناگہاں کی طرح ٹوٹ پڑا۔ قرآنِ مجید نے غالباً اِسی کش مکش کو اپنے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝ (الجن: ۱۹)

اور جب اللہ کا بندہ (نبی اکرمؐ) اللہ کو پکارنے کے لیے کھڑا ہوا تو لوگ اس پر ٹوٹ پڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔

نیکی کی ابتدا ہمیشہ گھر سے ہوتی ہے۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بنی ہاشم، بنی عبدالمطلب اور بنی عبدِ مناف کے تمام چیدہ چیدہ آدمیوں کو گھر پر مدعو کیا۔ دعوت کے اختتام پر آنحضورؐ توحید کا اعلان کرنے کے لیے کھڑے ہی ہوتے تھے کہ ابولہب بول اُٹھا۔

"یہ تمھارے چچا اور چچیرے بھائی موجود ہیں جو چاہو کہو۔ مگر باپ دادا کے دین سے انحراف کی بات نہ کرنا۔"[۳]

چنانچہ یہ محفل یونہی برخواست ہو گئی جسے مزید نے اس موضوع کو کسی دوسرے وقت کے لیے اُٹھا رکھا۔ اس روایت میں یہ اضافہ بھی ہوا ہے کہ آپؐ نے قریش کے متذکرہ بالا قبائل کے سرکردہ

Marfat.com

افراد کے نام گنوا کر فرمایا :

"اے اولادِ مطلب، اے عباسؓ (حضورؐ کے چچا)، اے صفیہؓ (حضورؐ کی پھوپھی)، اے فاطمہؓ (بتولِ رسولِ مقبولؐ)! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ مجھے خداوندِ قدوس نے اپنے قرابت داروں کو عذابِ آخرت سے متنبہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر تم نے خداوندِ واحد وقہار کی پرستش نہ کی تو جان لو کہ میری قرابت داری دنیا میں نہ عقبیٰ میں تمھارے کسی کام آسکے گی۔ البتہ میرے مال میں سے تم جو چاہو مجھ سے مانگ سکتے ہو۔"

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ بات سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ قرابت داروں کا اجتماعی طرزِ عمل غیر ہمدردانہ تھا۔ بعض لوگ جنھوں نے خاموشی اختیار کی تھی وہ ان کی "نیم رضا" نہ تھی بلکہ "نفرت" کا اظہار تھا۔ مقصد (Ideal) کی بلندی نے مہمیز کا کام دیا اور آپؐ نے اگلے روز ہی کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر اپنی قوم کو پکارا۔ ان کے لیے یہ آواز کتنی مانوس تھی۔ یاصباحاہ کے الفاظ ایک ایسے شخص کی زبان سے ادا ہو رہے تھے جو اُن کے درمیان امین اور صادق تھا وہ کبھی جھوٹ سے متہم نہیں ہوا تھا۔ انھوں نے آواز سُنی تو اُمڈ کر آگئے۔ پکارنے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا :

"اگر مَیں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک بھاری لشکر چھپا بیٹھا ہے جو تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، تو تم میری بات سچ مانو گے ؟"

انھوں نے کہا :

"کیوں نہیں۔ ہم آپ کی بات کو صحیح تسلیم کریں گے۔ آپؐ نے کبھی جھوٹ بولا ہی نہیں۔"

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا :

"مَیں تمھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خبردار کرنا چاہتا ہوں۔ اپنی جانوں کو اس کے عذاب سے بچانے کی فکر کرو۔ مَیں خدا کے مقابلے میں تمھارے کسی کام نہیں آسکتا۔ (اس وقت کا خیال کرو) جب دوسرے لوگ نیک اعمال لے کر آئیں گے

Marfat.com

اور تم لوگ دُنیا کا وبال سر پر اُٹھائے پیش ہو گے۔ تم مجھے مدد کے لیے پکارو گے، مگر مَیں مجبور ہوں گا کہ تمھاری طرف سے مُنہ پھیر لوں۔ رہا اِس دُنیا کا تعلق میرا اور تمھارا خون کا رشتہ ہے۔ مَیں تمھارے ساتھ ہر طرح کی صِلہ رحمی کروں گا۔"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو روایت منقول ہے، وہ زیادہ واضح اور مختلف جزئیات کا احاطہ کیے ہوتے ہے۔ اِس روایت کا پہلا حصّہ تو وہی ہے جس کا ذکر اُوپر کیا گیا ہے، دوسرا حصّہ یُوں بیان ہوا ہے :

"... لوگوں نے کہا۔ ہاں۔ ہم نے آپؐ کو کبھی جھُوٹ کہتے نہیں سُنا۔"

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا :

"مَیں تمھیں خبردار کرتا ہوں کہ ایک سخت عذاب آنے والا ہے۔ تمھاری نجات اِسی میں ہے کہ تم "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ" کے قائل ہو جاؤ۔ مَیں تمھارے رب کے ہاں تمھارے حق میں اِس کی شہادت دوں گا۔ اور اِس کلمہ کی بدولت عرب تمھارے تابع اور عجم تمھارے باجگزار ہو جائیں گے۔"

قبل اِس کے کہ کوئی اور بولتا حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا ابولہب نے کہا (نعوذ باللہ)

"ناس جلتے تمھارا۔ کیا اِس لیے تُو نے ہمیں جمع کیا تھا۔"

اِس طرح اوّل روز سے ہی ابولہب نے بُت پرستی کی حمایت میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔ اِس مخالفت کی ایک وجہ وہ خفّت اور شرمندگی نظر آتی ہے جو ابولہب کو حضرت ابوطالب کے ہاتھوں اُٹھانا پڑی۔ علامہ بلاذری نے "انساب الاشراف" میں اِس واقعہ کو اِس طرح بیان کیا ہے :

"ایک دن حضرت ابوطالب کسی بات پر ابولہب سے جھگڑ پڑے۔ ابولہب نے حضرت ابوطالب کو پچھاڑ دیا اور دو چار گھونسے جڑ دیتے۔ آنحضرتؐ وہاں موجود تھے۔ محسن کو اِس حالت میں دیکھ کر، آپ سے رہا نہ گیا۔ چنانچہ آپؐ نے ابولہب کو دھکیل دیا۔ حضرت ابوطالب کھڑے ہوتے ہی، ابولہب پر پل پڑے اور اسے تھپڑیں ماریں۔ اِس پر ابولہب نے کہا: اے محمدؐ، وہ بھی تیرا چچا ہے اور میں بھی۔

Marfat.com

تونے یہ جانبداری کیوں برتی؟ خدا کی قسم۔ میرا دل اب کبھی تجھ سے محبت نہ کرے گا۔"

قرآنِ مجید نے تمام دشمنانِ اسلام میں سے صرف ابولہب لیے متمرد اور سرکش، متہور اور مردود انسان کا نام لے کر اس کی مذمت کی ہے۔ مارگولیس "بیچارا" تو سمجھتا ہے کہ اسلام کی بنیادیں آپؐ کی بعثت سے پہلے ہی رکھ دی گئی تھیں کیونکہ اور رُوحِ عصر اس بات کا تقاضا کرتی تھی کہ لوگ بتوں کی پرستش چھوڑ کر، عیسائیت کی پیروی میں "تثلیث" (Hly Tvinity) کے قائل ہو جائیں یا پھر فارسیوں کی اقتدا۔ میں "مجوسیت" کے پیروکار بن جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو عیسائیت عرب میں اپنی جڑیں مضبوط کر سکی اور نہ ہی آتش پرستی، رواج پا سکی، عرب کے لوگ اپنے قومی (باپ دادا کے) مذہب پر اس قدر سختی سے جمے بیٹھے تھے کہ انھوں نے مذہب عیسوی کو پرِکاہ اہمیت دی، نہ مجوسیت کو قابلِ اعتنا سمجھا۔ عیسائیت، جیسا کہ مارگولیس اور میور کو خود اعتراف ہے، ان منافقات کے سبب رُسوا ہو چکی تھی جو اس کے متکلمین کے درمیان پائے جاتے تھے۔

ڈاکٹر ولیم ڈریپر نے مسیحی عقائد کا تذکرہ کرتے ہوتے، ایریس کے فلسفے پر بحث کی ہے جو حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا تو مانتا تھا لیکن وہ انھیں باپ (خدا) پر فوقیت دینے کا قائل نہ تھا وہ اس جماعت کا سختی سے رد کرنا چاہتا تھا جو باپ اور بیٹے کو مساوی الحیثیت سمجھتی تھی۔ وہ یہ کہتا تھا:

"کہ اگر بیٹے کا درجہ باپ سے کم ہے تو وہ خدائے مطلق نہیں۔ یعنی باپ کے برابر نہیں۔ اور چونکہ برابر نہیں اِس لیے اس کا جوہر یا اصل خدا کے جوہر یا اصل سے مختلف ہے۔ اور اگر برابر ہے تو اس کا جوہر کامل اور نقص سے مبرا ہے۔ اِس لیے یہ لازم آتا ہے کہ وہ بھی کامل اور بے عیب ہو۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ دو خدا موجود ہو گئے۔ جو ہر ایک لحاظ سے مساوی الحیثیت ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ خدا کے علاوہ جو مخلوق ہے حادث ہے جیسے خدائے قدیم نے عدم سے پیدا کیا۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ بیٹا قدیم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ایک ایسا وقت بھی تھا جب کہ بیٹا نہ تھا۔ یہ مسیحا نہ

Marfat.com

عقائد دو صدی تک تثلیث کے طلسم کو توڑنے کی کوشش میں سرگرم رہے۔ لیکن بت پرستی عیسائی مذہب کی رگ رگ میں سرایت کر چکی تھی۔ ساتویں صدی کے خاتمہ سے پہلے ایریس کے مذہب کا خاتمہ ہو چکا تھا"۔۔۔ ۵

نائیسا کی کونسل منعقدہ ۳۲۵ء نے یہ حکم دے دیا "کہ جس شخص کو اس کا فرالکفر کی کوئی کتاب ملے، وہ اسے جلا ڈالے اور اس کی گردن ماری جائے"

یہ عقائدہ مسئلہ جس پر گفتگو کلیسا کی چار دیواری کے اندر ہونے کی بجائے گلی کوچوں میں ہوتی تھی مناظرے اور مباحثے روز مرہ کا معمول بن چکے تھے۔ میور کا خیال ہے کہ "عیسائیت یہ مراسم پیش نہ کرتی اور اس کے مختلف گروہ آپس میں اس طرح دست و گریباں نہ ہوتے تو یہ بطلِ جلیل اور فردِ فرید جو" بالغہ روزگار" تھا اور جو محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نامِ نامی سے موسوم تھا، عیسائیت کا سب سے بڑا پیرو کار اور مبلغ ہوتا۔ مذہبی تعصب اور سیاسی مصلحتوں نے ان تنگ نظر اور کور ذوق مورخین کو یہ توفیق ہی نہیں بخشی کہ وہ عظمتِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ادراک کر سکتے اور مقامِ ختم المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تحسین کرتے۔

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دولت کدہ وقت کے دو بدترین ہمسایوں کے درمیان واقع تھا۔ ایک طرف ابولہب تھا اور دوسری طرف عقبہ بن ابی مُعیط۔ آپؐ کے گھر ہنڈیا پک رہی ہوتی تو یہ اوپر سے خاک ڈال دیتے، آپؐ نماز پڑھ رہے ہوتے، تو وہ کسی مردہ بکری کی اوجھ لا کر آپؐ کی پیٹھ پر پھینک دیتے، آپؐ صبح کی نماز کے لیے بیدار ہوتے تو دیکھتے کہ دروازے پر یا تو خاردار جھاڑیاں پڑی ہیں یا پھر غلاظت کے ڈھیر۔ مگر صبر و استقامت کا یہ کوہِ گراں (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے کہ :

"اے عبدِ مناف! یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟" ۶

مشکلات بڑھتی گئیں۔ دشمنی کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ مصائب صرف جسمانی ہی نہ تھے، ذہنی اور روحانی بھی تھے۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دو صاحبزادیوں (حضرت رقیہؓ اور حضرت اُمّ کلثومؓ) کی شادی ابولہب کے دونوں بیٹوں (عُتبہ اور عتیبہ) سے ہو چکی تھی اگرچہ ابھی رخصتی کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ابولہب نے اسلام دشمنی میں اپنے لڑکوں سے کہا کہ وہ انھیں

Marfat.com

علیحدہ کردیں اور ان سے تمام تعلقات منقطع کرلیں۔ وہ وجودِ قدسی جنھوں نے صبر و رضا کو اپنا پیشہ بنا لیا تھا، اِس صدمے کو بھی بخوشی قبول کیا۔ پھر وہ دن بھی آیا جب حضرت قاسمؓ کی وفات پر ان لوگوں نے خوشیوں کے شادیانے بجاتے، گھروں میں گھی کے چراغ جلاتے اور یہ کہتے پھرے کہ آپؐ بے اولاد ہو گئے۔

عرب میں جب کبھی بازار لگتے تو معاشرتی زندگی میں چہل پہل آجاتی، تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر قبیلے کے پڑاؤ پر جاتے اور انھیں نرمی اور متانت کے لہجے میں سمجھاتے :

"اے بنی فلاں! مجھے اللہ تعالیٰ نے تمھاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میں تمھیں یہ کہنے آیا ہوں کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ تم میری تصدیق کرو اور میرے ساتھ تعاون کرو تاکہ میں وہ کام پورا کروں جس کے لیے خداوندِ قدوس نے مجھے مبعوث فرمایا ہے۔" ؎

آپؐ کے پیچھے پیچھے ایک شخص چلا آرہا ہوتا اور وہ کہتا جاتا :

"اے بنی فلاں! اس شخص کی بات پر کان نہ دھرنا اور نہ اس کی پیروی کرنا۔ وہ تمھیں لات اور عزیٰ سے پھیر دینا چاہتا ہے۔ اور اس گمراہی کی طرف لے جانا چاہتا ہے جسے وہ لے کر آیا ہے۔" ؎

ربیعہؓ بن عباد، جو اس واقعہ کے عینی گواہ ہیں، کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا :
"یہ آدمی کون ہے جو اس (خوب رو اور درخشندہ چہرے والے) انسان کو جھٹلا رہا ہے؟"

انھوں نے کہا :

"یہ اُن کا چچا ابولہب ہے۔"

ابولہب اپنی دھن کا پکا تو تھا ہی، اس کی بیوی ام جمیل (ابوسفیان کی بہن) اس سے بھی دو قدم آگے تھی۔ آپؐ کے دروازے پر غلاظت پھینکنا، آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھانا، آپؐ کی ہجو کہنا اور دشنام طرازی کرنا، اس کا روز کا معمول تھا۔ جب "تبًّا لکَ" کے جواب میں "سورہ لہب" نازل ہوئی (جس میں ابولہب اور اس کی بیوی دونوں پر عتاب نازل ہوا

Marfat.com

تھا) تو امِ جمیل ایک بپھری ہوئی بھڑ کی طرح، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تلاش میں نکلی اس کی زبان پر، ہجویہ اشعار تھے۔ اور اس کی مٹھی میں کنکر تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُسے دُور سے آتے دیکھ کر عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُمِ جمیل غصّے سے بھری چلی آ رہی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آپؐ کو دیکھ کر وہ کوئی بیہودگی کرے گی۔ آنحضورؐ نے فرمایا:

"فکر نہ کرو۔ وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی۔ آپؐ نے مزید فرمایا:
کہ دیکھا میرا مولا کس طرح مجھے ان لوگوں کی گالیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ وہ
وہ تو 'مذمّم' پر زبانِ طعن دراز کرتی ہے اور مَیں محمّدؐ (فداہ ابی وامّی) ہوں"۔

آپ کا اشارہ ان اشعار کی طرف تھا جو اس خبیث عورت کی زبان پر تھے:

مُذَمَّماً عَصَيْنَا وَأَمْرَهُ أَبَيْنَا
وَدِيْنَهُ قَلَيْنَا [۱۲]

(ہم نے مذمّم کی نافرمانی کی۔ اسکی بات سے انکار کیا اور اس کے دین سے بَیر رکھا)

چنانچہ بدگو لوگوں کی بدزبانی، ہمسایوں کی ایذارسانی اور مشرکینِ مکّہ کی مخالفت و مزاحمت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تبلیغِ دین کے کام سے نہ روک سکیں۔ اور نہ ہی سعید روحوں کو اسلام قبول کرنے سے باز رکھ سکیں۔ کوئی دن ایسا نہ تھا جب ان میں سے تھوڑے بہت لوگ اسلام کے دائرے میں داخل نہ ہوتے۔ اور جب وہ اِس حصارِ امن وسلامتی میں داخل ہو جاتے تو وہ دنیا پرستوں سے اِس طرح مُنہ موڑ لیتے کہ کسی قسم کا مادی فائدہ یا لین دین انھیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر سکتا۔ [۱۳]

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں سے آزادانہ ملاقاتیں کرتے جو عکاظ، مجنّہ اور ذی المجاز کے میلوں میں شرکت کے لیے آتے یا پھر حج کے موقعہ پر مِنٰی میں قیام کرتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپؐ قریش کے معاشی اور معاشرتی مقاطعے اور شعب ابی طالب کی محصوری کے کربناک دَور میں بھی دعوت و تبلیغ سے باز نہ رہے۔ جب کبھی معاندین کی کوششیں حد سے تجاوز کر جاتیں تو آپؐ ربِ کریم کے حضور یہ عرض کرتے:

Marfat.com

"اَللّٰھُمَّ لَوْ شِئْتَ لَمْ یَکُوْنُوْا ھٰکَذَا" خدایا! اگر تُو چاہتا تو وُہ ایسا نہ کرتے

آخر کیا وجہ ہے کہ قریش کے لوگ اپنی کثرتِ تعداد، قوت و ہمت اور مال و دولت کے باوجود آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپؐ کے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو دینِ مبین کی اشاعت سے نہ روک سکے۔ انھوں نے آپؐ کے مشن کی مخالفت ضرور کی تھی لیکن وہ آپؐ کے اخلاقِ حسنہ، عمدہ طرزِ عمل اور آپؐ کی انسان دوستی سے اِس قدر متاثر تھے کہ آپؐ کو جھوٹ سے متہم کرنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے (اور قرآن اس پر گواہ ہے) کہ آپؐ کو وحیِ الٰہی کی صداقت اور اصابت پر اتنا ہی یقین تھا جتنا آپؐ کو اپنی ذات پر۔ ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ آپؐ کی زبان سے نکلی ہُوئی بات پوری ہو کر رہی۔ ابو لہب کو علم تھا کہ اس کے بیٹے پر، جس کے بارے میں آپؐ نے بددُعا کی تھی، کیا گزری، ابو سفیان کو علم تھا کہ جب مکّہ کے باسی طویل قحط کے سبب زندگی سے مایوس ہو چکے تھے، تو آپؐ کی دُعا سے آسمان نے اُن کی آن میں بارش سے زمین کی گود کو ہرا کر دیا۔ عُتبہ بن ربیعہ کو پتہ تھا کہ جب آپؐ "سورہ حٰمٓ السجدہ" کی آیاتِ مبارکہ "فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُکُمْ صٰعِقَۃً ...... الی آخرہٖ" پر پہنچے تو اس کے جسم کا رواں رواں کانپ اُٹھا اور اس نے آپؐ کے مُنہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے عرض کیا: "ایسی بات نہ کہیں ورنہ یہ ٹوٹ پڑنے والا عذاب آکر رہے گا"۔ ابنِ اسحاق اور دیگر کبار اہلِ سِیَر نے ایسے کئی واقعات نقل کیے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) جب کبھی کسی ضعیف اور محتاج کی شکایت پر کسی رئیسِ قریش کے پاس پہنچے تو اس نے بلا تامل وہ کام کر دیا۔

اِس میں شک نہیں کہ مشرکینِ مکّہ کی مخالفت بعض ناگزیر اسباب کا نتیجہ تھی۔ لیکن ہر کہ و مہ کو اس بات کا اعتراف تھا کہ آپؐ امین ہیں، صادق القول ہیں اور مستجاب الدعوات ہیں۔ آپؐ ساحر ہیں نہ کذّاب، شاعر ہیں نہ کاہن۔ امام زہریؒ نے ابوجہل، ابوسفیان اور اخنس بن شریق کا قرآنِ مجید کو چھُپ کر سُننے کے واقعہ کو بیان کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام کے بدترین دشمن بھی اِس "پیامِ آخریں" کو، جس کی مخالفت پر وہ تُلے بیٹھے تھے اور جس کے نزول کی صداقت پر اپنی بدگمانیوں کا اظہار کرتے رہتے تھے، کس انہماک اور جذب و شوق سے سُننے کی خواہش رکھتے تھے[۱۵]۔ ابوسفیان نے جب اخنس سے پوچھا کہ جو کچھ تم نے محمدؐ

Marfat.com

(فداہ ابی و امی) سے سنا ہے، اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے، تو اس نے کہا کہ میں تو اسے حق سمجھتا ہوں۔ لیکن جب ابو الحکم (ابوجہل) سے پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ:

"ہم میں اور بنی عبد مناف میں اس بات پر ہمیشہ جھگڑا رہا کہ شرف و فضیلت میں کون بڑا ہے۔ انھوں نے بھی کھانے کھلاتے اور ہم نے بھی؛ انھوں نے بھی ذمہ داریوں کے بار اٹھاتے اور ہم نے بھی؛ انھوں نے بھی مال صرف کیا اور ہم نے بھی۔ یہاں تک کہ جب ہمارے گھٹنے ان کے گھٹنوں سے ٹکرانے لگے، تو انھوں نے کہا کہ ہم میں ایک نبی ہے جس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے (اور یہ ان کے لیے وجہ فضیلت ہے)۔ یہ چیز ہمارے پاس نہیں۔ خدا کی قسم ہم یہ تسلیم نہیں کریں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے۔" [۱۶]

ظاہر ہے کہ مخالفت کا سبب کسی "صحیح راستے" یا کسی "بہتر نظامِ زندگی" کی تلاش نہ تھی بلکہ وہ "جھوٹا وقار" تھا جو جاہلانہ عصبیت اور خاندانی تفوق کا لازمہ تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنا مشن جاری رکھا۔ جہاں کہیں بھی لوگ نظر آتے، حرم کے اندر یا باہر، انفرادی حیثیت میں یا اجتماعی حیثیت میں، آپؐ انھیں اسلام کی دعوت دیتے۔ شرک سے بچنے، خدا کی وحدانیت کو قبول کرنے، مسرفانہ عادات کو ترک کرنے اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی تلقین فرماتے۔ اسلام کی ہر دلعزیزی، نو واردانِ بساطِ انقلاب کا جذبہ فداکاری اور داعیِ انقلاب کے لیے مسلمانوں کی شیفتگی ــــ ایسے عوامل تھے جو مشرکین مکہ کے اعصاب پر بوجھ بنتے جا رہے تھے۔ ان کا ایک وفد حضرت ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھیں بتایا کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوتِ دین سے ان کی صفوں میں کس طرح انتشار پیدا ہو گیا ہے؛ ان کے معبود جو قد و قامت میں بہت بلند تھے، کتنے پست دکھائی دینے لگے ہیں؛ ان کا مذہب جو صدیوں سے ہدایت اور روشنی کا منبع تھا کس قدر لغو، پوچ اور لغو نظر آنے لگا ہے؛ ان کے وہ زعما اور عمائدین جنھوں نے قوم کی مشکل وقت میں رہنمائی کی تھی کتنے بے وقوف اور بے شعور سمجھے جانے لگے ہیں۔ حضرت ابو طالب نے ٹھنڈے دل سے ان کی بات سنی اور انھیں سمجھا بجھا کر ٹال دیا۔

Marfat.com

لیکن وہ پھوٹ، جس کا ان کی معاشرتی زندگی شکار ہو چکی تھی، ان کی تلخیوں میں اضافہ کیے بغیر نہ رہ سکی۔

چند دنوں کے بعد جب قریش نے دیکھا کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سرگرمیوں میں کوئی کمی نہیں آئی، تو وہ پھر حاضر ہوئے۔ اس مرتبہ تمام قبائل کے سرکردہ لوگ وفد میں شامل تھے عُتبہ بھی تھا اور شَیبہ بھی؛ ولید بن مغیرہ بھی تھا اور عاص بن صیفی بھی؛ اُمیہ بن خلف بھی تھا اور نضر بن الحارث بھی؛ ابوالبختری بھی تھا اور عُقبہ بن ابی مُعیط بھی۔ انھوں نے آپؐ کے خلاف شکایات بیان کرنے کے بعد کہا:

"اے ابوطالب! آپ ہم میں عمر، نسب اور مرتبے کے لحاظ سے ایک خاص درجہ رکھتے ہیں۔ ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ اپنے بھتیجے کی حمایت سے باز آجائیں مگر آپ ایسا نہ کرسکے۔ ہم میں اپنے باپ دادا کی توہین، اپنے دانشمندوں کی تذلیل اور اپنے خداؤں کی عیب جوئی سُننے کا کوئی حوصلہ نہیں رہا۔ اب یا تو آپ انھیں سختی سے روکیں یا پھر ہمارا اور آپ کا مقابلہ ہوگا یہاں تک کہ فریقین میں سے کوئی ایک ہلاک ہو جائے۔"[۱۸]

حضرت ابوطالب نے آپؐ کو بُلا بھیجا۔ آپؐ تشریف لائے تو چچا نے کہا:

"یہ آپؐ کی قوم کے لوگ میرے پاس آئے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس تصفیہ طلب معاملے پر گفتگو ہو جائے جو آپؐ کے اور ان کے درمیان باعثِ نزاع بنا ہُوا ہے۔ اور کوئی ایسا حل تلاش کیا جائے جو دونوں گروہوں کے لیے باعثِ عزت اور قابلِ قبول ہو۔"

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"مَیں اُن کے سامنے ایک ایسا کلمہ پیش کرتا ہوں جسے اگر یہ مان جائیں تو عرب ان کا تابع فرمان اور عجم ان کا غلام بن جائے۔"[۱۹]

"وہ کلمہ کیا ہے"، انھوں نے پوچھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نہایت متانت سے فرمایا:

"بس یہی کہ آپ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہہ دیں۔"

Marfat.com

مشرکین کے لیے اس کڑوی گولی کو حلق سے نیچے اتارنا مشکل ہو چلا تھا۔ وہ یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے :

"یہ ساحر ہے۔ سخت جھوٹا ہے (نعوذ باللہ)۔ کیا اس نے سارے خداؤں کی جگہ بس ایک ہی خدا بنا ڈالا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ اور (وہ کہنے لگے کہ) تم اپنے معبودوں کی عبادت پر ڈٹے رہو۔ یہ بات تو کسی اور ہی غرض سے کہی جا رہی ہے۔" (ص ۳۸: ۴-۶) ۲۰

ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اللہ تعالیٰ کے اقتدارِ اعلیٰ کو قبول کرنے کے لیے اصرار اور ان کا اپنے قومی مذہب کو چھوڑنے سے انکار نے ایک عجیب صورت پیدا کر دی تھی۔ رؤسائے قریش ایک بار پھر واپس لوٹے اور گرجدار آواز میں حضرت ابوطالب کو آنحضورؐ کی پشت پناہی سے دست بردار ہونے کو کہا: وہ بھی اس رسہ کشی سے اکتائے ہوئے تھے۔ آنحضورؐ کو بلا کر کہنے لگے:

"بھتیجے! تمھاری قوم نے مجھے بہت کچھ کہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں انھیں زندہ رہنے کا حق دینا چاہیے۔ مجھ پر، بیٹا، اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ میں اسے اٹھا نہ سکوں۔ اپنی قوم سے وہ باتیں کہنا چھوڑ دو جو انھیں ناگوار گزرتی ہیں۔" ۲۱

چچا کی یہ باتیں سن کر آپؐ سخت پریشان ہوئے۔ پہلے تو آپؐ خاموش ہو گئے" لیکن ذرا دیر بعد تخیل میں پہلی سی روانی پیدا ہو گئی جہاں مستقبل کے نقشے میں دو مختلف راہیں نظر کے سامنے تھیں۔ کامرانی اور ناکامی کی راہیں۔

۱۔ انسان دُنیا میں سربلند ہو کر زندگی بسر کرے گا یا

۲۔ راہِ حق سے بھٹک کر ہلاک ہو جائے گا۔

"دونوں ہونٹوں میں حرکت ہوئی اور مدہم آواز سے جسے کوئی نہ سن سکے جو الفاظ پیدا ہوئے ان سے دُنیا کی آئندہ سرگزشت متعین ہو گئی۔ نہیں ہو سکتا کہ انسان تاریکی میں مارا مارا پھرے۔ پژمردہ اور پریشاں حال دینِ مسیحؑ بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ دُنیا میں آتش پرستوں کا قبضہ رہے۔ بت پرستی کے اوہام باطلہ بھی اپنی کھوکھلی بنیادوں کے سہارے سربلند

Marfat.com

نہیں رہ سکتے۔ اب حقیقت کا جلوہ توحید کے درخشاں چہرے کو بے نقاب کر کے رہے گا۔ عقل و شعور کو بتوں کی غلامی سے آزاد کرنے کا زمانہ آگیا۔ دل اوہام کی قید سے رستگار ہوگا۔ اور یہ قوت انسان کی پرواز کو ملاءِ اعلیٰ کے ہم دوش کر دے گی۔"

"بے شک میرے عمِ مہربان کمزوری کی وجہ سے میری نصرت نہیں کر سکتے۔ میرے مسلمان ساتھی بھی اپنی بے بسی کی وجہ سے میری حمایت کرنے سے قاصر ہیں وہ لوگ قریش جیسے جتھہ بند، کثیر التعداد اور مال دار گروہ کے مقابلے میں لڑائی کی جرأت کیسے کر سکتے ہیں؟ نہ سہی۔ وہ طاقت حق تو میری نصرت پر کمر بستہ ہے جس کے ناموں میں سے ایک نام "نصیر" ہے ۔ ۔ ۔ اور یہ جو اگلے روز مجھ پر وحی کے ذریعے "وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُولٰى" (۹۳: ۴) نازل ہوا، تو آخرت کی خیر و برکت سے اسی وقت بہرہ ممکن ہے جب میں تبلیغ رسالت کا حق پوری طرح ادا کر دوں ۔ ۔ ۔ اور وحی الٰہی کی تعمیل "قُمْ فَاَنْذِرْ" میں بغیر تردّد جان تک نثار کر دوں۔" ؎

"آنحضورؐ نے تصوّر میں یہ نقوش قائم کر لینے کے بعد اپنے عمِ مہربان سے فرمایا:

"چچا جان! اگر یہ لوگ سورج لا کر میرے دائیں ہاتھ پر رکھ دیں اور چاند میرے بائیں ہاتھ پر، تو میں اِس کام کو نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ یا تو اللہ اسے کامیاب فرما دے یا میں اس راہ میں ہلاک ہو جاؤں۔" ؎

چچا کا دل پسیج گیا اور کہنے لگے:

"بھتیجے! جاؤ۔ اور اپنا کام جاری رکھو۔ خدا کی قسم میں کسی قیمت پر بھی تمھیں دشمنوں کے حوالے نہیں کروں گا۔" ؎

ہجومِ مخالفت میں نقوشِ ثبات و استقامت

حضرت ابو طالب کا یہ احساس روز بروز شدت اختیار کرتا جا رہا تھا کہ مشرکینِ مکہ میں،

Marfat.com

اپنے معبودوں کی تضحیک، اپنے بزرگوں کی تحقیر اور نئے دینِ حق کی حمایت میں حجت و دلیل سننے کا حوصلہ نہیں رہا۔ وہ اب نہ صرف آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اذیت پہنچانے کی نت نئی راہیں تلاش کریں گے بلکہ آپ پر اوچھا وار کرنے سے بھی باز نہیں آئیں گے۔ ان خیالات کو اس وقت زیادہ تقویت ملی جب قریشِ مکہ ایک دن عمارہ بن ولید کو لے کر حضرت ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کہا: آپ اس خوبصورت اور رنگیلے چھبیلے نوجوان کو ہم سے لے لیں اور اس کے بدلے میں اپنے بھتیجے کو (جو روحِ جاں اور صدرنشینِ بزمِ جہاں ہے) ہمارے حوالے کر دیں۔ آپ نے کہا: یہ بھی خوب رہی۔ میں تو آپ کے لڑکے کو اس لیے قبول کر لوں کہ اسے پالوں پوسوں، اس کی نگہداشت کروں اور اس کے قوائے جسمانی اور ذہنی کو جِلا بخشوں اور تم میرے بھتیجے کو اس لیے مجھ سے لینا چاہتے ہو کہ تم اس کے خون سے ہاتھوں کو رنگین کر لو۔ ؎

حضرت ابوطالب نے قریش کے 'بڑوں' کو اس تجویز پر سخت نادم کیا۔ انھوں نے اپنی خفت مٹانے کے لیے حضرت ابوطالب سے درخواست کی کہ وہ اپنے بھتیجے کو بلائیں ان کے ساتھ انصاف کیا جاتے گا۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لاتے تو انھوں نے کہا:

"اگر آپؐ ہمارے معبودوں کو اپنی تنقید کا نشانہ نہ بنائیں اور ہمارے اسلاف کو بے وقوف نہ بتائیں تو ہم آپؐ سے اور آپؐ کے خدا سے تعرض نہ کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔"

حضرت ابوطالب نے آنحضورؐ کو مخاطب کرتے ہوتے کہا:

"آپؐ کی قوم نے آپؐ سے انصاف کیا ہے۔ ان کی اس تجویز کو مان لینے میں کیا مضائقہ ہے؟"

ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"چچا کی جان! یہ کیسا انصاف ہے؟ یہ تو خود آگاہ اور حق پرست لوگوں کے ساتھ مذاق ہے۔ میں خداوندِ قدوس کی وحدانیت کے اعلان اور دینِ حنیف کی لٹ سلجھانے کے کام سے باز آ جاؤں — یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟"

Marfat.com

قریش کے لوگ جو یہاں جمع تھے اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

اسے اتفاق کہیے کہ اس واقعہ کے چند روز بعد آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک رات دیر تک گھر واپس نہ لوٹے۔ حضرت ابوطالب کو سخت تشویش ہوئی۔ انھوں نے کئی قابلِ اعتماد لوگوں کو آپؐ کی تلاش میں روانہ کیا لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ حضرت ابوطالب نے بنی عبدالمطلب اور بنی ہاشم کے بہت سے نوجوانوں کو اکٹھا کیا اور انھیں آمادہ کرکے ہتھیاروں سے لیس کرکے خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑا کر دیا تاکہ مشرکینِ مکہ کو یہ بات ذہن نشین کرائی جا سکے کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نقصان پہنچنے کی صورت میں "نگہدارانِ شمعِ رسالت" مجرموں سے بدلہ لینے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اس کے نتائج چاہے کچھ ہی ہوں۔ ۲۶

یہ حربہ بڑا کامیاب ثابت ہوا مطلبی اور ہاشمی نوجوانوں کو دیکھ کر قریش کے مزاج ٹھکانے آگئے۔ ابوجہل پر جو تشنج کا دورہ پڑا، اس کی شدت کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں۔ حضرت ابوطالب کے قصیدہ لامیہ کے کچھ اشعار — وجد آفریں، خلوص میں ڈوبے، محبت سے بھرے فصیح عربی زبان میں، پڑھنے کے قابل ہیں۔

اِس قصیدے کا یہ شعر "حاصلِ غزل" ہے: ؎

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ　　ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

(وہ چٹے گورے مکھڑے والا، جس کے روئے زیبا کے واسطے سے بارش کی دعائیں مانگی جاتی ہیں، یتیموں کا ملجا اور بیواؤں کا سہارا ہے۔) ۲۷

كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللّٰهِ نُبْزٰى مُحَمَّدًا　　وَلَمَّا نُطَاعِنْ دُوْنَهٗ وَنُنَاضِلِ

(بیت اللہ کی قسم! تم نے غلط خیال کیا کہ ہم آنحضورؐ کے متعلق مغلوب ہو جائیں گے حالانکہ ہم نے اب تک نیزوں کو حرکت دی ہے نہ تیر پھینکنے شروع کیے ہیں)

وَاِنَّا لَعَمْرُ اللّٰهِ اِنْ جَدَّ مَا اَرٰی　　لَتَلْتَبِسَنْ اَسْيَافُنَا بِالْاَمَاثِلِ

(اللہ تعالیٰ کی بقا کی قسم! جن واقعات کا میں تصور کرتا ہوں، اگر وہ وقوع پذیر ہوتے تو ہماری تلواریں بڑے بڑے لوگوں کے پیٹوں میں بھونک دی جائیں گی۔)

Marfat.com

شُهُوراً وَاَیَّاماً وَحَولاً مُجَرَّمَا   عَلَیْنَا وَتَاتِی حِجَّۃٌ بَعْدَ قَابِل

(اس حالت میں ہم پر کئی دن، کئی مہینے اور کئی سال گزر جائیں گے اور آنے والے حج کے بعد کئی حج آئیں گے (اور ہمارے انتقام کی آگ ٹھنڈی نہ ہوگی)

شَبَابٌ مِنَ الْمُطَیَّبِیْنَ وَھَاشِم   کَبِیْضِ السُّیُوْفِ بَیْنَ اَیْدِی الصَّیَاقِل

(ہم میں سے وہ نوجوان جنھوں نے عطر میں انگلیاں ڈبو کر معاہدہ کیا تھا اور بنی ہاشم کے سپوت ایسے ہیں جیسے صیقل گروں کے ہاتھ میں چمکتی تلواریں۔)

اور یہ شعر ملاحظہ ہو۔ فداکاری اور جاں سپاسی جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے، اس کا عملی ثبوت حضرت عبیدہؓ نے جنگ بدر میں اس وقت پیش کیا جب وہ شیبہ بن ربیعہ کی تلوار سے گھائل ہو گئے تھے۔ شاحضرت علیؓ انھیں زخمی حالت میں کندھے پر اُٹھا کر آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں لاتے۔ حضرت عبیدہؓ نے یہ شعر دُہراتے ہوتے عرض کیا: آج اگر حضرت ابوطالب زندہ ہوتے تو وہ اس شعر کی تعبیر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے۔ اور تسلیم کرتے کہ اُن کے اس شعر کا مستحق مَیں ہوں"۔

وَنُسْلِمُہٗ حَتّٰی نُصَرَّعَ حَولَہٗ   وَنَذْھَلُ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِل

(تم نے غلط خیال کیا۔ کہ ہم انھیں (آسانی سے) تمھارے حوالے کر دیں گے۔ ہرگز نہیں یہاں تک کہ ہم ان کے گرد لڑ کر مر جائیں گے اور بیوی بچوں سے بھلا دیتے جائیں گے۔

شوال کا چاند اپنا طویل سفر طے کرنے کے بعد جوں جوں لاغر اور کمزور ہوتا دکھائی دیتا، قریش کے سرداروں توں آزردہ خاطر اور متفکر نظر آتے۔ ذی قعدہ اور ذی الحج کے مہینے جہاں ان کے لیے امن و سلامتی کے ضامن تھے اور حجاج کی آمد کی نوید لیے ہوتے تھے، وہاں انھیں یہ خیال کسی پہلو آرام نہ کرنے دیتا کہ قریش کا وہ سپوت (فداہ ابی وامی) جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا علمبردار ہے، نئی سماجی قدروں کا نقیب ہے اور نئے نظامِ تمدن و اخلاق کا بانی ہے، زائرین کو اپنے قدیم مذہب سے بیزار کرنے، پرانی سماجی روایات کو ترک کرنے اور نئے تصورات زندگی کو اپنانے پر آمادہ کرے گا۔ وہ جانتے تھے کہ جب سے "دینِ حنیف" کی اعلانیہ تبلیغ کا سلسلہ شروع ہوا ہے، لات و منات کی توقیر، جن کی عقیدت سے ہمارے آباؤ اجداد نے اپنی پیشانیوں کو سجایا تھا،

Marfat.com

گھٹتی جارہی ہے؛ قومی برتری اور نسلی تفوق کا وہ جذبہ جسے ہم نے اپنے سینوں میں پالا تھا سرد پڑتا جارہا ہے اور سیاسی برتری اور مذہبی استیلاء کا وہ غرور جس کے سامنے بڑے بڑے قبائل کی گردنیں جھکتی تھیں، باطل ہوتا جارہا ہے۔

باہر سے آنے والے زائرین جب حالات کو دگرگوں پائیں گے تو کیا کہیں گے۔ ہماری ... ان لوگوں کو تو مرعوب کرسکتی ہے جو مکہ یا اس کے گرد و نواح میں بستے ہیں لیکن دور سے آنے والے حجاج کی رائے کو کون دبا سکتا ہے؟ ضروری ہے کہ ہم حج کے مہینوں میں ایک ایسی ... پیدا کریں جس میں لوگ نہ صرف قرآنِ مجید کو سننے سے باز رہیں بلکہ وہ اس داعیٔ حق سے بات کرنے، اس کی سننے اور اس پر عمل کرنے سے بھی انکار کردیں۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اجتماعی عدل، عمرانی انصاف اور سماجی مساوات کا جو منشور پیش کیا ہے اور "متکبرین اور مسرفین" کے لیے اہانت آمیز عذاب اور "مستضعفین" اور "بچھڑے ہوئے لوگوں کے لیے شادکامیوں کا دعویٰ کیا ہے، اس کے نتائج تو ہم تمام عمر بھگتتے رہیں گے۔ تاہم یہ وقت ہے کہ اس کی دعوتِ انقلاب کا توڑ کیا جائے اور لوگوں کو اس سے بدظن کیا جائے۔

علامہ سر محمد اقبالؒ نے "جاوید نامہ" میں ابوجہل کی "صدائے احتجاج" کو جس حسین پیرائے میں پیش کیا ہے وہ مشرقی شاعری میں اپنی مثال آپ ہے۔ لفظاً ہجو اور معناً نعت ہی نعت ہے نئے زاویہ ہائے نگاہ کو، جو مادی زندگی کی کامرانیوں کے نقیب اور اخروی کامیابیوں کے ضامن ہیں، ابوجہل نے جس طرح اپنی تنقید کا ہدف بنایا ہے، ان کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسلام کی دعوتِ انقلاب مذہب کے ٹھیکیداروں کے لیے کتنی روح فرسا اور حوصلہ شکن تھی۔ اقبالؒ فرماتے ہیں :

سینۂ ما از محمدؐ داغ داغ ‏ ‏ ‏ ‏ ازدم او کعبہ را گل شد چراغ!
از ہلاکِ قیصر و کسریٰ سرود ‏ ‏ ‏ ‏ نوجواناں را ز دستِ ما ربود
ساحر و اندر کلامش ساحری ست ‏ ‏ ‏ ‏ ایں دو حرفِ لا الٰہ خود کافری ست
تا بساطِ دینِ آبا در نورد، ‏ ‏ ‏ ‏ با خداوندانِ ما کرد آنچہ کرد
پاش پاش از ضربتش لات و منات ‏ ‏ ‏ ‏ انتقام از وے بگیر اے کائنات

Marfat.com

خم شدن پیشِ خدائے بے جہات — بندہ را ذوقے نہ بخشد ایں صلات

الغرض جن معبودوں کو ہمیشہ ہم نے پوجا، ہماری State نے پوجا، انھیں چھوڑچھاڑ، ایک اَن دیکھے خدا کے آگے سر جھکانے کے آخر معنی کیا؟ معصومؐ کی فردِ جرم کے عنوانات (نعوذ باللہ) اس موذی کی زبان سے ابھی ختم کہاں ہوتے آگے سنیئے :

مذہبِ اُو قاطعِ ملک و نسب — از قریش و منکر از فضلِ عرب

در نگاہِ اُو یکے بالا و پست — با غلامِ خویش بر یک خواں نشست

قدرِ احرارِ عرب نشناختہ — با کلفتانِ حبش در ساختہ

ایں مساواتِ ایں مواخاتِ اعجمی است — خوب میدانم کہ سلماں مزدکی است

اے ہبل اے بندہ را پوزش پذیر — خانۂ خود را ز بے کیشاں بگیر

اے منات اے لات ازیں منزل مرو — گر ز منزل می روی از دل مرو

اس کا مذہب، غضب ہے غضب، کہ نہ ملک و زمین کی پروا کرتا ہے۔ نہ خاندان و نسب کی۔ کہاں کی قومی عصبیت اور قومیت۔ یہ تو عرب اور غیر عرب، قریش و غیر قریش سب کو سطح پر کیے ڈالتا ہے۔ اندھیر ہے اندھیر، کہ مساوات کا نام لے کر غلام اور آقا ایک دسترخواں پر بٹھائے رہتا ہے! ہاتے دل کو کیسے صبر آتے۔ عرب کی بے عزتی اور حبش کے کالے کلوٹوں کی عزت و قدر۔ یہ "مساوات" یہ "مواخات" ہمارے ہاں تھی کب؟

اے بڑے دیوتا ہبل! تمھیں کیا ہو گیا؟ اپنے پجاریوں کی تم بھی خبر نہیں لیتے "بے دینوں" کو آخر کب تک مہلت دو گے؟

اے پیاری دیویو، لات اور منات، کہیں یہ غضب نہ کرنا کہ ہم سے روٹھ کر چلی جاؤ۔ اور اگر جانا ہے تو تمھیں تمھارا ہی واسطہ کہیں ہمارے دل کی آبادیوں کو اپنی یاد سے ویران نہ کر دینا۔" ترجمہ

دیکھا آپ نے اس "زندانی" اور "زندیق" نے اپنے "دل کی جلن" اور "کلیجہ کی پھنکن" کیا کہہ کہہ کر ٹھنڈی کی ہے؟ چنانچہ ایک ایسا ہی مجمع خانہ کعبہ میں بیٹھا دُور کی ہانک رہا تھا کہ ولید بن مغیرہ ادھر آنکلا۔ جن کو دیکھ کر لوگوں کو قدرے تسکین ہوتی۔ انھوں نے سوچا کہ آج ایک اہم مسئلے کا نمٹانا ممکن

Marfat.com

ہو سکے گا۔ دعوتِ دین کی نئی تحریک جو چل نکلی ہے اسے شروع ہی میں دبا دینا چاہیئے۔ ورنہ اس کا مقابلہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔

ولید کو معاملے کا علم ہوا تو کہنے لگا۔

"اے گروہِ قریش! حج کا زمانہ قریب آچکا ہے۔ دُور و نزدیک سے حجاج تمھارے پاس آنے والے ہیں۔ انھوں نے تمھارے دوست (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کا حال تو سُن رکھا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اس داعیٔ نبوتؐ کے متعلق مزید دریافت کرنا چاہیں۔ مناسب ہوگا کہ تم انؐ کے متعلق ایک متحدہ رائے قائم کرلو۔ ایسا نہ ہو کہ تم باہمی اختلاف کے سبب ایک دوسرے کو جھٹلاتے پھرو۔" (۳)

لوگوں نے ولید کے سن و سال، فہم و ادراک اور طویل تجربے کے پیشِ نظر کہا کہ اے عبدِ شمس! تم ہی کچھ کہو اور ایسی رائے متعین کرو کہ ہم اس کے مطابق لوگوں سے بات کرسکیں۔ لیکن ولید اس پر رضامند نہ ہوا اور کہنے لگا:

"تم کہو۔ مَیں سنتا ہوں۔

ایک سن رسیدہ: (معاذ اللہ) ہم کہیں گے کہ وہ کاہن ہے۔

ولید: وہ کاہن نہیں۔ ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ آپؐ کے ہاں کاہنوں کا سا دمزیہ کلام ہے، نہ ان جیسی قافیہ پیمائی۔

ایک نابکار: (معاذ اللہ) ہم اسے دیوانہ بتائیں گے۔

ولید: آپؐ دیوانے بھی نہیں۔ ہم نے دیوانوں کو دیکھا ہے اور انھیں پہچانتے ہیں۔ آپؐ "اختناق" کے مریض ہیں نہ "اختلاج" کے۔ آپؐ شیطانی وسوسوں میں گھرے ہیں، نہ پریشان خیالی کا شکار ہیں۔

ایک بڈھا کھوسٹ: تو کیا ہم انھیں شاعر کہیں؟ (نعوذ باللہ)

ولید: خدا کی قسم آپؐ شاعر بھی نہیں۔ ہم شعر کی تمام اقسام۔ رجز و ہزج، مقبوض و مبسوط کو جانتے ہیں۔ آپؐ کا کلام شعر نہیں۔

ایک اور سرپھرا: ہم آپؐ کو جادوگر بتائیں گے۔ (نعوذ باللہ)

Marfat.com

ولید : وہ ساحر بھی نہیں ۔ ہم نے بہت سے جادوگروں کو دیکھا ہے۔ نہ آپؐ ان کی طرح پھونکیں مارتے ہیں اور نہ ان کی طرح کی گرہیں لگاتے ہیں۔

لوگ بے بس ہو چکے تھے ۔ وہ جس رائے کا اظہار کرتے، ولید اس کی تردید کر دیتا۔ آخر انھوں نے پوچھا :

اے ابو عبد شمس ! کچھ تم ہی کہو کہ وہ کیا ہیں ؟ ولید نے کہا :

" واللہ ! آپؐ کے کلام میں ایک عجیب حلاوت اور شیرینی ہے ۔ آپؐ کے قول کی جڑیں پاتال تک پہنچی ہوتی ہیں ۔ اور زمین میں اس طرح پیوست ہیں (کہ بڑے سے بڑا طوفان بھی انھیں زک نہیں پہنچا سکتا۔) تم ان باتوں میں سے جو کہو گے، اس کا جھوٹ ہونا ظاہر ہو جائے گا۔ ہاں صحت سے قریب تر بات یہ ہے کہ آپؐ کو جادوگر بتایا جائے ۔ اس لیے آپؐ کے کلام (بلاغت نظام) نے باپ کو بیٹے سے، میاں کو بیوی سے اور بھائی کو بھائی سے جُدا کر دیا ہے ۔ یہ بھی آپؐ کی سحر بیانی کا کرشمہ ہے کہ قبیلوں اور خاندانوں میں ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی اُبھر آتی ہے !" [۳۲]

تمام لوگ یہ باتیں سُننے کے بعد، اپنے کپڑے جھاڑ، گھروں کو چل دیتے ۔ جب حج کا زمانہ آیا تو یہ لوگ مختلف راستوں پر بیٹھ جاتے اور وہاں سے گزرنے والوں کو ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ڈراتے تاکہ وہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں یا روئی کا پنبہ رکھ لیں۔ العلامہ محمد رشید رضا نے اپنی تفسیر "المنار" میں مستدرکؒ کی روایت کے مطابق ولید کی گفتگو میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے :

" کہ یہ کلام غالب ہو کر رہے گا ۔ کبھی مغلوب نہ ہو گا "

مشرکینِ مکہ کی ان حیلہ جوئیوں کا کیا نتیجہ نکلا ؟ ولید کے مشوروں سے پیدا ہونے والے اثرات کی نوعیت کیا تھی ؟ ابوجہل کے حسد و کینہ اور عقبہ بن ابی مُعیط کے غیظ و غضب نے زائرین کے دل میں ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے کس قسم کے جذبات کو اُبھارا ، اس کا جواب تو آئندہ صفحات میں مذکور ہے ، مگر ایک بات جو سمجھ میں آتی ہے یہ ہے کہ حج کے ایام میں آنے والا ہر شخص ، بالغ مرد تھا یا ذی ہوش عورت ، خدا کے رسولِ مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے

Marfat.com

اوران کے پیغام سے واقف ہوگیا اور واپس جاتے ہوتے اپنے ذہن میں ایک بڑا سوال لیتا گیا جو اسے سوچ بچار پر آمادہ اور تلاش و جستجو میں متجسس رکھے گا۔

قرآن مجید نے ولید بن مغیرہ کی اس حرکت پر جس طرح اپنے بلیغ خیالات کا اظہار فرمایا انھیں سورہ مدثر کی روشنی میں دیکھتے ہیں:

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ۙ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ۙ وَبَنِينَ شُهُودًا ۙ وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ۙ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ۙ كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ۙ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ۙ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۙ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ ثُمَّ نَظَرَ ۙ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۙ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۙ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ۙ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۙ (المدثر: ۱۱-۲۵)	(چھوڑ دو مجھے اور اس شخص (ولید بن مغیرہ) کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا۔ اس کو کثرت سے مال دیا اور اس کے ساتھ حاضر رہنے والے بیٹے دیتے۔ ہر طرح کا سامان (مال و منال، جوان اور با اثر اولاد اور عزت و شوکت)۔ اس کے لیے تیار کر دیا۔ پھر بھی وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اور زیادہ دوں۔ ہرگز نہیں میں عنقریب اسے کٹھن چڑھائی چڑھاؤں گا۔ اس نے سوچا اور کچھ بات بنانے کی کوشش کی خدا کی مار ہو اس پر، کیسی بات بنانے کی کوشش کی۔ ہاں۔ خدا کی مار ہو اس پر کیسی بات بنانے کی کوشش کی۔ پھر اس نے لوگوں کی طرف دیکھا۔ پھر پیشانی سکیڑی اور منہ بنایا۔ پھر وہ پلٹا اور غرور کا اظہار کیا۔ پھر کہنے لگا۔ (یہ قرآن کیا ہے؟) ایک جادو جو پہلے سے چلا آرہا ہے۔ یہ تو ایک انسانی کلام ہے۔)

Marfat.com

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) حج کے ایام میں بے دھڑک اور بلا جھجک خیمہ بستی میں داخل ہوتے۔ ہر قبیلے کے پاس تشریف لے جاتے۔ اور انھیں فرماتے:

"اے بنی فلاں! میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ تمھیں خبردار کرنے آیا ہوں کہ اللہ ہی عبادت کے لائق ہے۔ اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔ ان بتوں کو چھوڑ دو۔ ان دیویوں سے بیزاری کا اظہار کرو۔ مجھ پر ایمان لاؤ۔ میری رسالت کی تصدیق کرو۔ اور میری اعانت کرو یہاں تک کہ میں اس دین کو جو میں لے کر آیا ہوں، تمام ادیان پر غالب کر دوں"۔ ۳۳

ایک شخص جو عدنی حلّے میں ملبوس ہوتا۔ آپؐ کے ساتھ چپکا ہوتا۔ جب ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی بات ختم کر لیتے تو یہ شخص اپنی ہانکنا شروع کرتا:

"اے بنی فلاں! اس شخص کی بات پر ہرگز کان نہ دھرنا۔ یہ تمھیں لات و عزیٰ سے ہٹا کر بے دینی اور گمراہی کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ خیریت اسی میں ہے کہ نہ اس کی بات سنو، نہ اس پر عمل کرو"۔ یہ تھا ابولہب۔

کبھی کبھی یہ کام ابوجہل سرانجام دیتا۔ وہ آپؐ کے خیالات کو سن کر غصّے سے کانپنے لگتا۔ اس کی زبان اس کے خیالات کے اظہار سے قاصر رہتی۔ وہ زمین سے مٹی اٹھا کر آپؐ پر پھینکتا اور لوگوں سے کہتا جاتا:

"کہ اس مدعیِ نبوت کے فریب میں نہ آنا۔ وہ تو چاہتا ہے کہ تم لات و عزیٰ کی پرستش چھوڑ دو"۔ ۳۴

ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ تھکتے نہ اکتاتے۔ لیکن جھوٹ کا مدعی تھکتا بھی اور اکتا بھی جاتا۔ اسے اپنی ناکامیوں کا پورا احساس تھا۔ وہ کبھی تو لوگوں کو قرآنِ مجید کی تلاوت کے وقت شور مچانے اور تالیاں پیٹنے کے لیے کہتا؛ کبھی منکرین کو مذاق اڑانے اور آوازے کسنے کی دعوت دیتا۔ کبھی مسلمانوں کو فضول بحثوں میں الجھانے کی کوشش کرتا۔ اور کبھی قرآنِ مجید کی آیاتِ بیّنات کو اُلٹے معنی پہنا کر لوگوں کو بہکانے کی کوشش کرتا۔ قرآنِ مجید کو اعتراف ہے کہ "قومی مذہب" کے یہ ٹھیکیدار نت نئی اصطلاحوں کے استعمال سے ناواقف لوگوں کو غلط فہمیوں میں مبتلا کرنے کی

Marfat.com

کوشش کرتے۔ ؂۵

طفیلؓ بن عمرو دوسی (جو ایک شریف انسان ہونے کے علاوہ اپنے قبیلے کے سربرآوردہ شخص تھے) ایک مرتبہ مکہ تشریف لائے۔ قریش کے چیدہ آدمیوں کو پتہ چلا تو وہ ان کے پاس پہنچے۔ کہنے لگے: طفیلؓ! تم ہمارے شہر میں مہمان آئے ہو۔ ہم تمھیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ اور تمھیں اس بات سے آگاہ کیے دیتے ہیں کہ یہاں ایک مدعیٔ نبوت نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ اس کے ہاتھوں ہماری وحدت کا شیرازہ بکھر گیا ہے اور ہمارے مفادات ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ نہ معلوم اس کی زبان میں کیا جادو ہے کہ جو اسے سن لیتا ہے اپنے مذہب سے بیگانہ اور اپنے بھائیوں سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ ہم تمھیں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس سے بچنا ورنہ تم اور تمھاری قوم اپنے "قومی ورثے" سے کٹ جائیں گے۔ طفیلؓ دوسی کا کہنا ہے کہ لوگوں نے میرا اس وقت تک پیچھا نہ چھوڑا جب تک انھوں نے مجھ سے یہ وعدہ نہ لے لیا کہ میں آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملوں گا نہ آپؐ سے بات کروں گا۔ میں چند روز تک مکہ مکرمہ میں ٹھہرا رہا۔ جب کبھی خانہ کعبہ کی طرف طواف کے لیے جاتا، کانوں میں روئی ٹھونس لیتا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) حرم پاک کے اندر نماز ادا کر رہے تھے۔ میں بھی آپؐ کے پاس کھڑا ہو گیا۔ قرآنِ مجید کی آواز جو میرے کان میں پڑی تو میں نے اپنے آپ سے کہا: میری ماں مجھے روئے روئی کا یہ پنبہ میں نے کیوں اپنے کانوں میں ٹھونس رکھا ہے؟ کیا میں دنیا کی سوجھ بوجھ نہیں رکھتا؟ کیا میں اچھے اور برے کلام میں امتیاز نہیں کر سکتا؟ اگر میں اچھے کلام کا امتحان کر سکتا ہوں جیسا کہ میں کر سکتا ہوں تو پھر وہ کونسی چیز ہے جو مجھے اس "روح پرور" کلام کے سننے سے روکتی ہے؟ کلام اچھا ہو گا تو قبول کر لوں گا، نہ ہوا تو چھوڑ دوں گا۔

میں جب بھی اپنے کانوں سے روئی کا پنبہ نکالنے کی کوشش کرتا، دوستوں کی آوازیں میرے کانوں میں گونجنے لگتیں۔ اور مجھے ایسا کرنے سے باز رکھتیں۔ تمام وقت اسی کش مکش میں گزر گیا۔ دیکھا تو آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نماز سے فارغ ہو کر گھر تشریف لے جا رہے تھے۔ میں ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ آپؐ نے مجھے تعاقب کرتے دیکھا تو فرمایا: آپ؟ جی مجھے طفیل کہتے ہیں۔ کئی دنوں سے آپؐ سے ملاقات کا ارادہ رکھتا تھا لیکن آپؐ کی قوم نے مجھے آپؐ سے اس

Marfat.com

قدر بدگماں کر دیا تھا کہ میں حاضر نہ ہو سکا۔ غیبی مرتبت مجھے اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ میں نے عرض کیا : میں اسلام کی حقیقت جاننا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے قرآنِ مجید کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ طفیلؓ کی حالت اس بھیڑ تیتر کی مانند تھی جو اپنے بچوں کی یاد میں پھڑپھڑا رہا ہو اور پنجرے سے باہر نکلنے کی کوشش میں اپنا ایک پر کابک کی سلاخوں یا تیلیوں میں پھنسا چکا ہو۔

طفیلؓ نے عرض کیا :

"خدا کی قسم! میں نے اس سے بڑھ کر اچھا کلام کبھی نہیں سُنا۔ اور میرے کان اس سے زیادہ سچے پیغام سے آج تک کبھی مانوس نہیں ہوتے۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپؐ اس کے رسولِ برحق ہیں۔" ؎

طفیلؓ دوسی اس نئی دعوتِ انقلاب سے اس قدر متاثر ہوئے کہ گھر پہنچتے ہی ہر ایک سے بیزاری کا اظہار کیا اور اس وقت تک دم نہ لیا جب تک گھر کے تمام افراد اسلام نہیں لے آئے آپؐ نے اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت پہلے تشدد آمیز لہجے اور پھر آنحضورؐ کے فرمان کے مطابق نرمی اور شفقت کے لہجے میں دی۔ جس سے سارا قبیلہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوا۔ ؎

وہ تمام سعید روحیں، جنھوں نے اسلام کی تلاش میں کوشش کی، ان کیلئے قبولِ حق کی راہیں کھول دی گئیں۔ لیکن وہ بدبخت جنھوں نے ردّ و کد سے کام لیا، کفر پر اصرار کیا اور اپنے آپ کو بدلنے کے لیے تیار نہ ہوئے، ان کے لیے اصلاح و فلاح کی راہیں کٹھن بنا دی گئیں۔ اور حقیقت کبھی ان پر منکشف نہ ہو سکی۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو جس اختصار مگر جامعیت کے ساتھ سورۃ العنکبوت (آیت ۶۹) میں بیان فرمایا ہے، ملاحظہ کیجئے :

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا	(جو لوگ ہماری خاطر جدّ و جہد کرتے ہیں،
لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ	انھیں ہم اپنے راستے دکھا دیتے ہیں۔
اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝	اور یقیناً اللہ نیکو کاروں کے ساتھ ہے)

اعشٰی بن قیس کا واقعہ (جس کی جوانی کا سورج اب ڈھل چکا تھا لیکن اس کے اشعار ہر کہ و مہ کی زبان پر تھے) قریش کے تجسس اور ان کا ایسے ذی اثر لوگوں کی ناک میں جیٹھا رہنے کی خُو کا وافر ثبوت مہیا کرتا ہے جو مکہ میں نبی صادقؐ اور ہادیِ برحقؐ سے ملنے، آپؐ کی دعوتِ دین پر لبیک کہنے

Marfat.com

اور آپ پر ایمان لانے کی غرض سے آنے تھے۔ اعشیٰ جوانی کے ایام میں شراب کا رسیا، نوجوان عورتوں کا شکاری اور عمدہ گھوڑے کی سواری کا شوقین تھا۔ جب اسے نئی دعوتِ دین کا پتہ چلا تو وہ مکہ کے لیے روانہ ہوا۔ روانگی سے پہلے اس نے محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدح میں ایک خوبصورت قصیدہ کہا جس کے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں: ؎

فَإِنْ تَسْأَلِي عَنِّي فَيَا رُبَّ سَائِلٍ ... حَفِيٍّ عَنِ الْأَعْشَى بِهِ حَيْثُ أَصْعَدَا

(اگر تم میرے بارے میں پوچھتے ہو (تو یہ کوئی عجیب بات نہیں) کیونکہ اعشیٰ جہاں کہیں جاتا ہے لوگ اور اس کے دوست اس کے متعلق جاننا چاہتے ہیں۔)

وَآلَيْتُ لَا آوِي لَهَا مِنْ كَلَالَةٍ ... وَلَا مِنْ حَفًى حَتَّى تُلَاقِيَ مُحَمَّدَا

(میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ میں اونٹنی کے ضعف و اضمحلال اور اس کے پاؤں کے زخمی ہو جانے کا رنج نہ کروں گا۔ یہاں تک کہ وہ آنحضور کی چوکھٹ پر پہنچ جائے۔)

مَتَى مَا تُنَاخِي عِنْدَ بَابِ ابْنِ هَاشِمٍ ... تُرَاحِي وَتَلْقَيْ مِنْ فَوَاضِلِهِ نَدَى

(جب تو ابن ہاشم کے دروازے پر بٹھائی جائے گی، تو تجھے راحت نصیب ہوگی۔ اور تو آپ کے مکارمِ اخلاق سے فیض یاب ہوگی۔)

نَبِيًّا يَرَى مَا لَا تَرَوْنَ وَذِكْرُهُ ... أَغَارَ لَعَمْرِي فِي الْبِلَادِ وَأَنْجَدَا

(وہ ایسے نبی ہیں جن کی نگاہ میں وہ چیزیں روشن ہیں جنھیں تم نہیں دیکھ پاتے۔ آپ کی شہرت تمام بلند و پست تک پہنچ چکی ہے۔)

لَهُ صَدَقَاتٌ مَا تُغِبُّ وَنَائِلٌ ... وَلَيْسَ عَطَاءُ الْيَوْمِ مَانِعَهُ غَدَا

(آپ کی بخشش متواتر اور مسلسل ہے۔ آج کی عطا، کل کی سخاوت کے لیے مانع نہیں ہوتی)

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمتِ اقدس میں گلہائے عقیدت پیش کرنے کے بعد اعشیٰ نے اخلاق کی اسلامی قدروں پر بھی لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، بتوں کی پرستش سے اجتناب، صلہ رحمی اور نفس کے لالچ سے بچاؤ۔ ایسے عنوانات ہیں جن پر اس نے نہایت خوبصورتی سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ لیکن ایک قاری کے لیے یہ بات بڑی تکلیف دہ ہے کہ ایک ایسا انسان جو ان جذباتِ تشکر و امتنان کے ساتھ گھر سے نکلا تھا اور اس کی منزل ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم)

Marfat.com

کی چوکھٹ تک، معاندین کے جذبہ حسد کا شکار ہو گیا۔ قریش کو جب پتہ چلا کہ وہ "لَا اِلٰہَ" کی اقلیم میں آباد ہونا چاہتا ہے تو انھوں نے اسے گھیر لیا اور کہنے لگے:

اے ابوالبصیر: آنحضورؐ نے تو زنا کو حرام ٹھہرایا ہے۔

اعشیٰ: واللہ۔ یہ ایسی چیز ہے جس کی مجھے کوئی حاجت نہیں۔

مشرک: آپؐ نے تو شراب کو بھی حرام قرار دیا ہے۔

اعشیٰ: خدا کی قسم! اس سے نفس کے اندر بہت سی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

مشرک: مجھے یہ کہنا ہے کہ جو بھی تم فیصلہ کرو، اسے سوچ سمجھ کر کرو۔

اعشیٰ: اس سال تو مَیں لوٹ جاتا ہوں۔ آئندہ سال فیصلہ کروں گا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔[۲۹]

اعشیٰ (جس کا نام میمون بن قیس تھا) میں قبولیتِ حق کا داعیہ بہت کمزور تھا۔ اس لیے وہ اس سعادت سے محروم رہا۔ وہ اپنے گاؤں کو واپس لوٹ گیا اور اسی سال مر گیا۔ اگر اعشیٰ بن قیس کو عرب معاشرے کا صحیح نمائندہ تسلیم کر لیا جائے تو یہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو گی کہ شراب زنا، سُود اور جُوا ایسی عادات عربوں کی گھٹی میں پڑی تھیں۔ توحید اور حشر و نشر کی تعلیم ان کے لیے انوکھی تو تھی ہی، اخوت و یگانگت اور عدل و مساوات کے تصورات بھی ان کے لیے ناقابلِ فہم تھے۔ انھوں نے اپنی تمام عمریں حسب و نسب کے امتیازی تخیلات اور باہمی فخر و مباہات میں گزار دی تھیں۔ نسب پرستی کو چھوڑ کر عمل کی صورت گری کرنا، ان کے نزدیک ایک مضحکہ خیز تحریک تھی اور اسلام، اس کا داعی ہونے کے سبب، ان کے ہاں قابلِ ملامت تھا۔

اس کے بعد وہ واقعہ پیش آیا جس کے نتیجے میں حضرت حمزہؓ اسلام سے مشرف ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ مشرکینِ مکہ عام طور پر اور سردارانِ قریش خاص طور پر اس دعوتِ حق سے تنگ آچکے تھے جس نے ان کے خداؤں کے شہر پناہ کی فصیل میں شگاف پیدا کر دیتے تھے۔ لوگ تھے کہ قرآن مجید کے آہنگ سے مسحور ہو کر ان طوق ہائے غلامی کو اُتار پھینکنا چاہتے تھے جن سے ان کی گردنیں جھک گئی تھیں؛ وہ ان مُسرفانہ رسومات کی زنجیریں کاٹنے کے درپے تھے جو اُن کے پاؤں میں ڈال دی گئی تھیں اور وہ فاسقانہ کلچر کی ان روایات کو ختم کرنے پر تُلے بیٹھے تھے جنھوں نے

Marfat.com

معاشرے کو معاشی استحصال، عدم مساوات، غربت و افلاس اور شر و فساد کے عمیق گڑھے میں پھینک دیا تھا۔

ایک دن سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک سنسان راستے سے گزر رہے تھے کہ ابوجہل کی نگاہ آپؐ تک اُٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں نے تو کئی مرتبہ گستاخی کی ہو گی لیکن اس مرتبہ اس کی زبان سے بھی ایسے الفاظ ادا ہوتے کہ اگر کوئی مسلمان سُن لیتا تو وہ اس بدبخت سے اس کی گستاخی کا بدلہ چکانے کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیتا۔ ابوجہل نے، درحقیقت، تنہائی کا فائدہ اُٹھاتے ہوتے، اسلام کی تحقیر کی، رسولؐ کا تمسخر اُڑایا اور اپنے جتھے کی قوت و شوکت کا احساس دلانا چاہا۔ عبداللہ بن جُدعان کی ایک باندی نے جو کسی کام سے ادھر سے گزر رہی تھی۔ ابوجہل کا ہاتھ ختمی مرتبتؐ کے گریباں میں پڑا دیکھ لیا۔ ممکن ہے اس نے وہ نازیبا الفاظ بھی سُن لیے ہوں جو اُس شقی نے آپؐ کی شان میں استعمال کیے تھے۔

عبداللہ بن جُدعان کی باندی، جو محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) سے گہری (مگر چھپی) عقیدت رکھتی تھی، اس راز کو چُھپا نہ سکی۔ اسی شام حضرت حمزہؓ، جب شکار کھیلنے کے بعد، ترکش اپنے کندھوں پر لٹکاتے اور کمان اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھامے واپس آ رہے تھے، تو یہ باندی آپ کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی اور تمام قصہ کہہ سُنایا۔ حضرت حمزہؓ کو یوں محسوس ہُوا جیسے ان کے مرحوم بھائی حضرت عبداللہ ان کے سامنے آ کھڑے ہوتے ہوں اور ان سے پوچھ رہے ہوں کہ تمھاری وہ غیرت کیا ہوتی؟ کیا مطلبی خون تمھاری رگوں میں سرد پڑ گیا یا تم نے ان ناہنجاروں سے نباہ کرنے کی قسم کھائی ہے؟ یہ بدمزہ کہانی سنتے ہی حضرت حمزہؓ کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ آپ دیوانہ وار ابوجہل کی تلاش میں دوڑ پڑے۔ ابوجہل اس وقت خانہ کعبہ میں چند "بڑوں" کی محفل میں بیٹھا خوش گپیاں کر رہا تھا۔ حضرت حمزہؓ بھی وہاں پہنچ گئے اور کمان اس کے سر پر اس زور سے ماری کہ خون کا فوارہ چھوٹ پڑا۔ حضرت حمزہؓ نے پوچھا: "کیا تم ہی وہ بدبخت ہو جس نے میرے بھتیجے کو گالیاں دی ہیں؟" کیا تمھارے ہی منحوس ہونٹوں نے آپؐ کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہے ہیں؟ لو میں کہتا ہوں کہ "میں ان کے دین پر ہوں"۔ وہ سچے ہیں اور ان کا دین بھی سچا ہے اگر ہمت ہے

Marfat.com

تو آؤ ہم اسی وقت قوت اور طاقت کا فیصلہ کر لیتے ہیں "

بنی مخزوم کے بعض لوگوں نے حضرت حمزہؓ کو ابوجہل کے سر پہ کھڑا دیکھ کر اس کی مدد کرنا چاہی لیکن ابوجہل نے انھیں سختی سے روک دیا اور اس بات کا اعتراف کر لیا کہ ابتداء اس نے کی تھی۔ حضرت حمزہؓ نے دینِ حقہ کو قبول کرنے کا اعلان تو کر دیا لیکن جب گھر پہنچے تو شیطان نے وسوسہ ڈالا۔ حضرت حمزہؓ نے اگلی رات سخت کرب اور بے چینی میں گزار دی۔ کیا آپ "صابی" (بے دین) ہو گئے تھے؟ کیا آپ نے اسلام کی حقانیت اور صداقت کا اقرار کر کے گناہ کا ارتکاب کیا تھا؟ کیا قریش کا سردار ہوتے ہوتے آپ نے کمزوری دکھائی تھی؟ اس تردّد اور اشتباہ کا علاج کیا تھا؟ مستدرک کی روایت کے مطابق حضرت حمزہؓ نے خداوندِ قدوس سے یہ دُعا مانگی :

" اے اللہ! اگر یہ ہدایت (رُشد) ہے تو اس کی تصدیق کی توفیق عطا فرما ورنہ اس سے بچاؤ کی کوئی صورت پیدا کر دے " ؎

آپ صبح کے وقت جب بیدار ہوئے تو دیکھا کہ دل مطمئن تھا۔ آپ کا سینہ قبولیتِ حق کے لیے کھول دیا گیا تھا۔ آپ فوراً آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا :

" مَیں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے نبی ہیں۔ یہ گواہی ایک ایسے شخص کی ہے جو مصدق بھی ہے اور عارف بھی " (یعنی یہ شہادت کسی ذاتی صواب و ناصواب کی بنا پر نہیں بلکہ حقیقت شناسی پر مبنی ہے۔) ؎

حضرت حمزہؓ کے اس جرأت مندانہ اقدام نے قریش کے "قصرِ مرمریں" میں لرزہ پیدا کر دیا۔ انھیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ اب آنے والا ہر دن اسلام کی شان کو دوبالا کرتا رہے گا۔ اس کو روکنا ان کے بس کا روگ نہیں۔ ان کے اسلام لے آنے سے بہت سے کمزور اور بے آسرا لوگوں کو، اور ان لوگوں کو بھی جو قریشِ مکہ کی پھبتیوں اور ایذا رسانیوں کے ڈر سے، اسلام کا اعلان کرنے سے گھبراتے تھے، حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کا حوصلہ ہوا۔ قریش نے ایک سفارت تیار کی تاکہ داعیٔ حق ؐ سے از سرِ نو بات چیت کی جائے۔ اور

Marfat.com

انھیں ترغیب و تحریص سے اپنے ارادوں سے باز رکھا جائے۔ وہ ترغیب و ترہیب کے تمام طریقے آزما چکے تھے۔ وہ اب تحریص کے حربے آزمانا چاہتے تھے۔

اس سے کسے انکار ہے کہ ایک دُنیا دار کی خوشی کا تمام سامان دولت، طاقت اور طلبِ حُسن میں رکھا ہے۔ اور یہی دُنیا طلبی اس کے اعمال کی محرّک ہے"۔ نبوّت کی عظمت سے نا آشنا لوگوں نے یہی سمجھا کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سعی و عمل کا محور سوائے ان خواہشات کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ غلاظت کا کیڑا پاکیزہ ہوا کی خوبی کیا جانے؟ مشرکوں کی "چشمِ تنگ دُنیا دار" نے روحانی رفعتوں کا نظارہ کب کیا تھا؟ چنانچہ اب وہ لجاجت کے پیرایہ میں اپنا مدعا پیش کرنا چاہتے تھے"۔ اس سفارت کے لیے عُتبہ بن ربیعہ کا نام پیش کیا گیا جو نسبی وجاہت کے ساتھ ساتھ سحر و کہانت اور شعر و خطابت میں یدِطولیٰ رکھتا تھا۔ وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آیا اور یوں گویا ہوا:

"اے میرے بھائی کے بیٹے! آپ کو اپنے خاندان میں جو عزت حاصل ہے اور اپنی قوم میں حسب و نسب کے لحاظ سے جو برتری میسّر ہے، وہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ مگر افسوس کہ آپؐ ایک ایسی دعوت (انقلاب) کے نقیب بن کر اُبھرے ہیں جس سے قوم کا شیرازہ بکھر گیا ہے، ان کی جمعیت پریشاں ہو گئی ہے، ان کے عقل مند کھترا در ان کے معبود افسانوی (غیر حقیقی) دکھائی دینے لگے ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد جو داعیٔ اَجل کو لبیک کہہ چکے ہیں، آپؐ کے نزدیک کافر ٹھہرے ہیں۔

مَیں آپؐ سے کچھ باتیں کرنے آیا ہوں۔ انھیں سُن لیجئے۔ شاید آپؐ کو بعض کے ساتھ اتفاق ہو۔"

ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: اے ابوالولید! تم کہو مَیں سُنتا ہوں۔

ابوالولید (عُتبہ) نے کہا:

"اگر آپؐ چاہتے ہیں کہ اس دعوت کے ذریعے دولت سمیٹی جائے، تو ہم آپؐ کے لیے اتنی دولت اکٹھی کیے دیتے ہیں کہ آپؐ ہم سب سے زیادہ مالدار

Marfat.com

ہو جائیں گے۔ اگر آپؐ کا مقصد سرداری کا حصول ہے تو ہم برضا و رغبت آپؐ کو اپنا بادشاہ مان لیتے ہیں۔ کوئی فیصلہ (دارالندوہ میں) آپؐ کے حکم کے بغیر صادر نہیں ہو گا۔ اور اگر آپؐ کو (نعوذ باللہ) کوئی بیماری لگ گئی ہے تو ہم اپنے خرچ پر آپؐ کا علاج کرانے کے لیے تیار ہیں۔ کبھی کبھار جن آدمی پر ایسا قابو پا لیتا ہے کہ جھاڑ پھونک کے بغیر جاتا نہیں۔ ؓ

عتبہ کہہ چکا تو دانائے سُبل نے فرمایا:

"اے ابوالولید! کچھ اور بھی کہنا ہے؟"

عرض کیا: "نہیں"

نبیِ محترم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سورۃ حٰمٓ السجدہ کی آیاتِ مبارکہ (۱-۱۳) تلاوت فرمائیں۔ آپؐ پڑھتے جاتے تھے اور عُتبہ دونوں ہاتھ پیچھے کی جانب زمین پر ٹیکے مبہوت سُنتا رہا۔ آپؐ جب اس آیت پر پہنچے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝

(اگر (اس کے باوجود) یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو اُن سے کہہ دیجئے کہ مَیں نے تم کو اسی طرح کے اچانک ٹوٹ پڑنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے جیسا عاد و ثمود پر نازل ہُوا تھا)

تو عُتبہ نے اپنا ہاتھ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دہنِ مبارک پر رکھ دیا اور آپؐ کو قسم دے کر کہا: للہ آپؐ ہم پر رحم فرمائیں۔ عُتبہ کو ڈر ہُوا کہ کہیں قومِ عاد و ثمود کی طرح ان پر بھی کوئی سخت عذاب نازل نہ ہو جائے۔ وہ غور سے سُنتا رہا اور حیرت سے اس پیکرِ روحانیت کو دیکھا کیا جسے دولت کا لالچ تھا نہ کسی منصب و جاہ کی ہوس۔ فرماں روائی جیسی نعمت بھی ان کے سامنے ہیچ تھی۔ آپؐ نے فرمایا:

"اے ابوالولید! مجھے تمہارے مال کی ضرورت ہے نہ حکومت کی طلب۔ مجھے جنوں سے حصہ ملا ہے نہ مجھ پر کسی "رئی" کا سایہ ہے۔ مَیں اللہ کا رسول ہوں اور

Marfat.com

تمھاری طرف بھیجا گیا ہوں تاکہ تمھیں نیک کاموں کے لیے ثواب کی خوشخبری دوں اور بُرے کاموں کے لیے بدانجام سے ڈراؤں۔ مَیں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اگر تم اسے قبول کر لو تو اس میں تمھارے لیے فلاحِ دارین اور سعادتِ کونین ہے۔ اور اگر تمھیں اس کے قبول کرنے میں تامل ہو تو مَیں صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمھارے درمیان فیصلہ کر دے۔"

"اے ابوالولید! جو کچھ تم نے سُننا تھا، سُن چکے۔ اب تمھیں اختیار ہے کہ اسے قبول کرو یا رد کر دو۔"

عُتبہ تو 'ہاں' کا منتظر کھڑا تھا لیکن سرورِ کونین (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی نظر فانی دولت پر تھی نہ زوال پذیر حُسن پر؛ عارضی حکومت پر تھی نہ فنا پذیر سطحی جاہ و حشم پر۔ آپؐ کی نگاہ اس کارسازِ حقیقی پر تھی جس سے مانگنے والا مانگ کر کبھی مایوس نہیں لوٹتا۔

عُتبہ جب اپنے ساتھیوں کے پاس واپس گیا، تو اس کا چہرہ متغیر تھا۔ وہ روشن ہونے کی بجائے توری کے پھول کی طرح زرد تھا۔ اُس کے ساتھیوں نے اسے اس حالت میں دیکھا تو کہنے لگے:

نَحْلِفُ بِاللّٰہِ لَقَدْ جَاءَ کُمْ	(خدا کی قسم۔ جس چہرے سے لوٹا ہے۔
ابوالولید بِغَیْرِ الْوَجْہِ	یہ وہ نہیں جس کو وہ لے کر گیا تھا)۔"
الَّذِی ذَہَبَ بِہٖ"	

انھوں نے کہا:

ابوالولید! تم پر کیا گزری؟

عُتبہ کہنے لگا:

"اے گروہِ قریش! مَیں نے آج ایسا کلام سُنا ہے جو بخدا مَیں نے پہلے کبھی نہیں سُنا۔ نہ وہ شعر ہے نہ سحر ہے اور نہ کہانت۔ اگر تم میرا کہا مانو تو آپؐ کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ خدا کی قسم جو کلام مَیں سُن کر آیا ہوں، وہ غالب ہو کر رہے گا۔ اگر عرب نے انھیں ہلاک کر دیا تو پھر تمھیں کسی فکر کی ضرورت نہیں

Marfat.com

اور اگر محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) عرب پر غالب آگئے تو اُن کی عزت تمھاری عزت ہوگی اور ان کی حکومت تمھاری حکومت ہوگی۔"

یہ واقعہ تنہا یہ باور کرانے کے لیے کافی ہے کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک مضبوط فریق کی حیثیت سے اُبھر رہے تھے۔ قریش انھیں نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ آپ کی شرائط پر آپ سے گفتگو کرنے کے لیے آمادہ تھے۔ عُتبہ نہ صرف ذہنی لحاظ سے ہی بلکہ اخلاقی لحاظ سے بھی متزلزل ہو چکا تھا۔ وہ قرآنِ مجید کے ایک پاکیزہ اور ارفع کلام ہونے کا اعتراف کھلے بندوں کیے بغیر نہ رہ سکا۔ آنے والے واقعات نے ثابت کر دیا کہ عُتبہ نے جو کچھ کہا تھا، درست تھا اور مبنی بر حقیقت تھا۔ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دینِ مبین کی اعلانیہ دعوت سے باز رکھنے کے لیے تاریخ و حدیث میں قریش کی چند اور مصالحانہ کوششوں کا بھی تذکرہ ہے، ان میں وہ روایت خاصی وزنی ہے جسے علامہ ابنِ جریر اور طبرانی نے فقیہہ اُمت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مشرکینِ مکہ اسلام کی مقبولیت سے کس قدر بوکھلا اُٹھے تھے اور حق و باطل کے درمیان موجودہ کش مکش کو ختم کرنے کے لیے بے تاب تھے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں :

"قریش کے لوگوں نے رسولِ مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا کہ ہم آپ کو اتنا مال دے دیتے ہیں کہ آپ مکّہ کے سب سے زیادہ دولت مند آدمی بن جائیں، آپ جس عورت کو پسند کریں اس سے آپ کی شادی کیے دیتے ہیں، ہم آپ کی قیادت کو بھی قبول کرنے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ آپ ہمارے معبودوں کی بُرائی کرنے سے باز رہیں۔ اگر یہ منظور نہ ہو تو ہم ایک اور تجویز آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں جس میں آپ کی بھی بھلائی ہے اور ہماری بھی۔ دانائے سُبلؐ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کریں اور ایک سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں۔ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: میں اپنے رب کی طرف سے اس کے حکم کا انتظار کرتا ہوں۔"

یہ وہ موقع ہے جب سورہ "الکافرون" نازل ہوئی۔ ترجمہ یہ ہے :

Marfat.com

"کہہ دو کہ اے ہماری آیاتِ (بینات) کا انکار کرنے والو! مَیں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو۔ اور نہ تم اس (ذاتِ واحد) کی عبادت کرنے والے ہو جس کی مَیں عبادت کرتا ہوں۔ اور نہ مَیں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت مَیں کرتا ہوں۔ تمھارے لیے تمھارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔"

مزید برآں ان سے فرما دیجیے:

کہ: قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ۔	(کیا تم مجھ سے یہ کہتے ہو کہ اللہ کے سوا مَیں کسی اور کی عبادت کروں)

(الزمر: ۶۴)

سردارانِ قریش، جن میں ابوجہل، ابوسفیان، عاص بن وائل، شیبہ بن ربیعہ، اُمیہ بن خلف، زمعہ بن الاسود، ابوالبختری، نضر بن حارث اور ولید بن مغیرہ ایسے سرگرم چیدہ شامل تھے، اس صورتِ حال کو دیکھ کر جامے سے باہر ہو گئے۔ انھوں نے ایک مرتبہ پھر ایک بڑی کانفرنس بلائی تاکہ مستقبل کے لیے کوئی واضح لائحہ عمل تیار کیا جائے اور مسلمانوں کو خوب خوب سزائیں دی جائیں۔ لیکن اسلام کی روز افزوں ترقی اس بات کی متقاضی تھی کہ ہوش سے کام لیتے ہوئے داعیِ انقلاب کے ساتھ ایک بار پھر مکالمہ (Dialogue) کیا جائے اور حتی الامکان (Confrontation) کی پالیسی سے اجتناب کیا جائے۔ چنانچہ عُتبہ کو پھر یہ خدمت سپرد کر دی گئی کہ آپؐ کے آستانے پہ حاضر ہو کر آپؐ کو دولت، عزّت اور عورت کا لالچ دے، تاکہ تبلیغِ دین کی سرگرمیوں کی رفتار مدھم کی جا سکے۔ اس مرتبہ بھی عُتبہ نے جس نرمی اور دھیمے پن سے اپنی معروضات پیش کی تھیں، وہ اس کے مزاج اور طبیعت کی افتاد کے خلاف تھا۔ وہ اپنی پیش کش میں اس قدر آگے بڑھ گیا کہ انھوں نے کہا:

"آپؐ ہماری عورتوں میں جس کا چاہیں انتخاب کر لیں۔ ہم ان میں سے دس عورتیں

Marfat.com

آپؐ کو بیاہے دیتے ہیں۔"

لیکن خداوندِ بزرگ و برتر کے اِس رسولِ بَرحق نے تمام ترغیبات و تحریصات کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ اور فرمایا :

"مُجھے ان چیزوں کی قطعاً ضرورت نہیں میں تم سے تمھارے اموال طلب کرنے آیا ہوں نہ مجد و شرف کی بھیک مانگنے آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمھاری طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اسی نے مجھ پر اپنی کتاب اُتاری ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمھارے لیے "بشیر" اور "نذیر" بنوں۔ چنانچہ میں نے اپنے رب کے تمام پیغامات تمھیں پہنچا دیتے ہیں۔ اور تمھیں نصیحت کر دی ہے۔ اگر تم اس چیز (نسخۂ شفاء) کو قبول کر لو جو میں تمھارے پاس لے کر آیا ہوں تو وہ تمھارے لیے دُنیا و آخرت میں فوز و فلاح کا سبب ہو گی اور اگر تم اسے رَد کرتے ہو تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمھارے درمیان فیصلہ کر دے۔" [۴۹]

سردارانِ قریش کو جب یہ یقین ہو گیا کہ آپ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کو اپنے مقصد سے ہٹانا ناممکن ہے، تو انھوں نے اپنا پینترا بدلا اور لگے ایسے مطالبات دُہرانے جو پہلی اُمتوں نے ازراہِ تمسخر اپنے رسولوں سے کیے تھے۔ انھوں نے اپنے پہاڑوں کی عدمِ سرسبزی، اپنی زمین کے بانجھ پن اور پانی کی قلت کا ذکر کرتے ہوتے کہا :

"آپ جانتے ہیں کہ کسی قوم کا شہر پہاڑوں سے گھرا ہُوا اتنا تنگ نہیں ہے جتنا ہمارا ہے۔ کسی شہر میں پانی کی اتنی کمی ہے نہ وسائلِ معاش کی اتنی تنگی جتنی ہمارے شہر میں ہے۔ آپؐ کیوں نہیں اپنے خُدا سے، جس نے آپؐ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، درخواست کرتے کہ وہ ان پہاڑوں کو دُور ہٹا دے تاکہ یہ وادی کشادہ نظر آنے لگے؛ اس میں شام و عراق کی طرح کی نہریں جاری کر دے تاکہ ہر طرف سبزہ اور ہریالی دکھائی دینے لگے۔ نیز ہمارے آباؤ اجداد (خصوصاً قُصَیّ بن کلاب) کو دوبارہ زندہ کر دے تاکہ ہم اُن سے آپؐ کے بارے میں دریافت کر سکیں کہ جو

کچھ آپ کہتے ہیں وہ سچ ہے یا جھوٹ۔ اگر انھوں نے دوبارہ جاگ اُٹھنے کے بعد آپؐ کی تصدیق کر دی تو ہم بھی آپؐ کی تصدیق کر دیں گے اور آپؐ کے مقام و مرتبہ کے معترف ہو جائیں گے۔ اور یہ جان لیں گے کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔" [۵۱]

یہ مطالبات محض کٹ حجتی پر مبنی تھے۔ انبیاء (علیہم السلام) سے یہ توقع کرنا کہ وہ اپنے کام کو چھوڑ، ان کی سفلی خواہشوں کی تکمیل کریں گے اور ان کے ناجائز مطالبات پر کان دھریں گے، بہت بڑی نادانی ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ مَیں اس کام کے لیے مبعوث نہیں کیا گیا اور نہ ہی یہ بات میرے منشور میں درج ہے کہ میں معجزات دکھا کر آپ کے دماغوں کو ماؤف و مرعوب کروں اور اپنی تصدیق کرواؤں۔ انھوں نے پھر کہا:

"اچھا اسے جانے دیجئے۔ کم از کم خدا سے یہ تو کہیئے کہ وہ آپؐ کے لیے باغات اُگا دے، خوبصورت محلات تعمیر کر دے۔ اور اپنے خزانے (سونے اور چاندی کے) آپؐ کے لیے کھول دے تاکہ آپؐ کو تفکرات زمانہ سے نجات مل جائے۔ آپؐ بھی تو آخر ہماری طرح تلاشِ معاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اگر اللہ میاں نے آپؐ کے لیے یہ سہولتیں مہیا کر دیں تو ہم آپؐ کو رسولِ برحق مان لیں گے۔" [۵۲]

یہ سُن کر محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا

"وَمَا اَنَا بِفَاعِلٍ وَمَا اَنَا بِالَّذِیْ یَسْأَلُ رَبَّهٗ هٰذَا۔ وَمَا بُعِثْتُ اِلَيْكُمْ بِهٰذَا، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِیْ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا" [۵۳]

(میں یہ نہیں کروں گا۔ نہ ہی اپنے رب سے یہ مطالبات دُہراؤں گا۔ اِس لیے کہ اس نے مجھے ان باتوں کے لیے مبعوث نہیں فرمایا۔ بلکہ اس نے مجھے صرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے)

مسلمانوں سے، جو نشانیوں کے اِس لیے طلبگار نظر آتے ہیں کہ ان سے کفّار کا تردّد اور تشکّک دُور ہو جائے گا، یہ فرمایا گیا ہے:

Marfat.com

"کیا تم واقعی سمجھتے ہو کہ اگر ایسی اور ایسی نشانیاں ان کو دکھا دی جاتیں تو یہ لوگ ایمان لے آتے۔ ان کے بارے میں یہ نیک گمان کہ وہ قبولِ حق کے لیے تیار بیٹھے ہیں، درست ہے نہ حقیقت پسندانہ۔ جن لوگوں کو قرآنِ حکیم کی حیات بخش تعلیم میں، مظاہر فطرت میں، سردرِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیاتِ طیبہ میں اور صحابہ کبار (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی جاں فروشانہ زندگی میں "بصائر" نظر نہیں آتے، وہ پہاڑوں کے چلنے، زمین کے پھٹنے، مُردوں کے قبر کے اندر سے نکل آنے میں کوئی روشنی پالیں گے؟" ؎۳۷

سورۃ انعام کی آیہ (۷) میں کفارِ مکہ کے ان بیہودہ اور لوچ مطالبات کو رد کرتے ہوئے جو موقف اختیار کیا گیا ہے وہ نہایت سادہ اور قابلِ فہم ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا	(اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی ہوئی
فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ	کتاب نازل کر دیتے اور یہ لوگ اسے
بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ	اپنے ہاتھوں سے چھو کر بھی دیکھ لیتے
كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا	تو جن لوگوں نے نہیں مانا وہ کہتے کہ یہ
إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝	تو کھلا جادو ہے۔)

سورہ النساء کی آیہ (۱۵۳) میں اسی قسم کے مطالبے کو دہراتے ہوئے جو کعب بن اشرف (یہودی) اور اس کے جتھے کی طرف سے کیا گیا تھا، خداوندِ بزرگ و برتر فرماتے ہیں کہ:

"اگر ان کے مطالبے کی تعمیل ہو جاتی تو پھر بھی ان کے وسوسے دور ہو جانے کا امکان بہت کم تھا۔ انھوں نے تصدیقِ رسالت کے لیے معجزے کو ضروری کیوں سمجھ لیا؟"

فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ	حضرت موسیٰ کی قوم نے تو اس سے بھی
مِنْ ذَٰلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ	بڑھ کر مطالبہ کیا کہ اے موسیٰؑ! آپ ہم
جَهْرَةً ۔	کو خدا بعینہٖ دکھا دیجئے۔"

Marfat.com

خداوند قدوس کو ان نشانیوں کے دکھانے میں (جو مشرکین مکہ طلب کرتے ہیں) کوئی امر مانع نہیں۔ مگر یہ کہ پہلے لوگوں نے بھی اس قسم کے معجزات دیئے جانے کے بعد ایمان لانے سے انکار کر دیا تھا۔ المدثر کی آیات (۵۲ - ۵۵) میں ارشاد ہوتا ہے کہ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ نہیں کہ ان کے ایسے مطالبے پورے نہیں کیے جاتے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ وہ آخرت سے بے خوف ہیں۔ "ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اس کے نام کھلے خط بھیجے جائیں۔ ہرگز نہیں اصل بات یہ ہے کہ وہ آخرت کا خوف نہیں رکھتے۔ ہرگز نہیں۔ یہ تو ایک نصیحت ہے۔ اب جس کا جی چاہے اس سے سبق حاصل کرے۔" ۵۵

کفار مکہ نے جب یہ محسوس کیا کہ ان کے تمام مطالبات کو یکسر کاہ اہمیت نہیں دی گئی، تو وہ کہنے لگے کہ اگر آپؐ کچھ بھی نہیں کر پاتے تو کم از کم ہم پر کوئی آسمان کا ٹکڑا ہی گرا دیں (الشولہ ۱۸۷) آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

ذَالِكَ اِلَى اللّٰهِ اِنْ شَآءَ اَنْ يَّفْعَلَ بِكُمْ فَعَلَ۔ (یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے۔ اگر اس نے ایسا کرنے کا فیصلہ کر لیا، تو وہ ضرور کر دے گا۔)

ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جواب جتنے مختصر مگر جامع ہوتے، وہ انھیں سن کر اتنا ہی زیادہ سٹپٹاتے۔ وہ کئی دنوں سے معجزوں کا مطالبہ کر رہے تھے، خوارق عادت کا تقاضا کر رہے تھے لیکن آپؐ یہی فرماتے جاتے۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں؟)

آخر وہ جھنجلا اٹھے اور کہنے لگے:

"کیا آپؐ کے خدا کو ہمارے ان سوالوں کا علم نہ تھا جو ہم نے آپؐ سے کیے ہیں اگر اسے علم ہوتا تو وہ یقیناً آپؐ کی اعانت کے لیے اتر آتا، آپؐ کو ان کے جوابات سمجھا دیتا۔ اور جو سلوک وہ ہم سے کرنا چاہتا ہے اس سے بھی آپؐ کو آگاہ کر دیتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو ان باتوں کی تعلیم یمامہ کا ایک شخص دیتا ہے

Marfat.com

جس کا نام "رحمٰن" ہے اور ہم تو بخدا "رحمٰن" پر ایمان لانے والے نہیں ہیں"۔ ۵۶

"ہم آپ کو خبردار کیے دیتے ہیں کہ ہم آپ کو چھوڑیں گے نہیں۔ ہم آپ کو مٹا ڈالیں گے یا ہم خود اس راہ میں نیست و نابود ہو جائیں گے"۔

بات دُور تک جا پہنچی تھی۔ استہزا اور یاوہ گوئی کی کوئی حد نہ رہی جب عبداللہ بن اُمیہ نے (جو آپؐ کی پھوپھی عاتکہ کے بیٹے تھے اور سردارانِ قریش میں خاص امتیاز رکھتے تھے) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے انتہائی ڈھٹائی اور بے باکی سے یہ کہہ ڈالا۔

"کہ قوم نے آپؐ کے سامنے مصالحت کی بہت سی تجاویز پیش کیں لیکن آپؐ نے انھیں ٹھکرا دیا۔ انھوں نے آپؐ سے معجزات طلب کیے تاکہ ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے ہاں آپؐ کی قدر و منزلت کو پہچانیں، مگر آپ نے ان کی ایک نہ سُنی۔ پھر انھوں نے آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ اپنے فائدے ہی کے لیے ایسی چیزیں حاصل کر لیں جن سے آپؐ کی برتری اور مقبولیت کا پتہ چل سکے لیکن آپؐ سے یہ بھی نہ ہو سکا۔

واللہ! مَیں ہرگز آپؐ پر ایمان نہ لاؤں گا۔ آپؐ اگر میرے سامنے ایک سیڑھی لے کر آسمان پر پہنچ جائیں، پھر وہاں سے اپنی حمایت میں فرشتے لے کر اُتر آئیں جو آپؐ کے حق میں اس امر کی گواہی دیں کہ آپؐ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ یہ کہنے کے بعد عبداللہ چیخا اور کہنے لگا۔

"بخدا! اگر آپؐ یہ کر بھی لیں تو میرا خیال ہے کہ مَیں پھر بھی آپؐ کی تصدیق نہ کروں گا"۔ ۵۷

عبداللہ بن اُمیہ کے یہ الفاظ انتہائی تکلیف دہ تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ اس کی قرابت داری اس سے مختلف سلوک کی متقاضی تھی۔ درحقیقت یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ نہ تھا۔ آپؐ کی زندگی میں ایسے لمحات کئی بار آئے جو حوصلہ شکن تھے لیکن آپؐ نے تعلیمات کی تبلیغ میں کبھی تاخیر کی نہ تعویق؛ ایسے لاتعداد مواقع پیدا ہوئے جو رُوح فرسا تھے لیکن آپؐ نے کبھی کمزوری دکھائی نہ مُداہنت کا اظہار فرمایا؛ ایسے بے شمار مشکل مقام آئے جب قوم کے

Marfat.com

اجتماعی ضمیر نے آپ کو مایوس کر دیا لیکن آپ نے کبھی اصولوں پر مصالحت کی کوشش کی نہ حالات کے سامنے سپر ڈالی۔ ڈریپر (Draper) کا خیال ہے کہ یہ عیسائیت ہی تھی جس نے دورِ مظلمہ (Medieval Age) کے دیوتاؤں سے مصالحت کر لی۔ اور مشرکانہ عبادات اور مسرفانہ عادات کو اپنے مذہب میں شامل کر لیا۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، اس نے اس وقت تک دم نہیں لیا جب تک کہ شرک کو بیخ و بن سے اکھاڑ نہیں پھینکا، لات و عزیٰ کو پاش پاش نہیں کر دیا اور ان کے احترام کی جڑیں جو مشرکین کے دلوں میں پیوست تھیں، نکال باہر نہیں کیں۔

حقائق کی سنگلاخ زمین میں اسلام کے حملے کی تاب نہ لا کر، کفر استہزا، کٹ حجتی، دشنام طرازی اور بیہودہ گوئی کے قلعہ میں پناہ گزیں ہو گیا۔ داستاں گوئی کے چوپال کے نیچے نضر بن حارث نے "تفریحی ادب" کی دکان قائم کی۔ وہ لوگوں کو رستم و اسفندیار کے قصے چٹخارے لے لے کر سناتا اور کہتا: کیا یہ داستانیں ان "اساطیر الاولین" سے زیادہ دلچسپ نہیں جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو سناتے ہیں؟ کیا یہ قصے زیادہ خوش کن ہیں یا اجر و ثواب کے وہ واقعات جو تھیں مر کر زندہ ہونے کے بعد پیش آنے والے ہیں؟ اس نے ایک مغنیہ کی خدمات بھی حاصل کر رکھی تھیں جو نوجوانوں کو اپنی حیاسوز اداؤں سے بہلاتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ناٹک جس میں ساز اور آواز کا آہنگ بھی تھا اور نسائیت کی جلوہ آرائیاں بھی؛ حُسن کی بے حجابیاں بھی تھیں اور عشق کی آشفتہ حالیاں بھی۔ اس دعوتِ دیں کا مقابلہ نہ کر سکا جو آزادی و حریت کا داعی تھا، زندگی کی اعلیٰ قدروں کا نقیب تھا، عدل و مساوات کا ضامن تھا اور دُنیاوی ترقی اور اُخروی سعادت و فلاح کا پیغامبر تھا۔

یہی شخص (نضر بن حارث) جب آرٹ کی بساط لٹا چکا، تو قریش کی تحریک پر مدینہ چلا گیا تاکہ وہاں کے علمائے یہود سے اسلام کو زک پہنچانے کا کوئی نیا نسخہ حاصل کرے۔ یہود جانتے تھے کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) "وہی نبی" ہیں جن کی بشارات توراۃ اور انجیل میں مرقوم ہیں۔ لیکن ان کا عناد، ان کا مذہبی تعصب اور اُن کی سنگ دلی ان کو حقیقت کے چھپانے پر مجبور کرتی۔ انھوں نے کہا:

Marfat.com

" اگر وہ اِن تین سوالوں کا جواب دینے میں کامیاب ہو جائیں جو ہم تھیں بتاتے ہیں، تو وہ سچے نبی ہیں ورنہ جان لیں کہ وہ باتیں بنانے والا شخص ہے۔ آپؐ سے ان نوجوانوں کے متعلق دریافت کریں جو زمانۂ گزشتہ میں غائب ہو گئے تھے اور ان کا ایک عجیب واقعہ تھا؛ آپؐ سے اس شخص کا حال بھی دریافت کیجئے جو بڑا سیاح اور فاتح تھا اور زمین کے شرقی اور غربی گوشوں تک پہنچ گیا تھا۔ نیز ان سے رُوح کے بارے میں بھی سوال کیجئے کہ اس کی اصل ماہیت کیا ہے۔" ۵۸

ان تینوں سوالوں کے جوابات قرآنِ مجید کے اندر حسبِ ذیل ترتیب سے موجود ہیں۔

۱۔ اصحاب الکھف والرقیم کے حالات سورۃ کہف میں از آیت ۹ تا ۲۶ ملیں گے؛

۲۔ فاتح مشرق و مغرب کے متعلق تفصیلات مندرجہ بالا سورت میں از آیت ۸۲ تا ۹۹ ملیں گی؛

۳۔ رہا رُوح کا معاملہ، اس کی ماہیت سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۸۵ میں بیان کی گئی ہے۔

ان تصریحات کے باوجود جو آپؐ نے وحی کی روشنی میں فرما دی تھیں، قریشِ مکّہ ایمان لانے والے کب تھے؟ چنانچہ بات آئی گئی ہو گئی۔ "شَطَطَ" ۵۹ کے معانی کی سند میں ابنِ اسحٰق کیا خوبصورت شعر لایا ہے جو منکرینِ حق پر صادق آتا ہے:

لَا یَنتَھُوْنَ وَلَا یَنْھٰی ذَوِی شَطَطٍ   کَالطَّعْنِ یَذْھَبُ فِیْہِ الزَّیْتُ وَالْفُتُلُ

(حق سے تجاوز کرنے والے لوگ (اپنی شرارتوں سے کبھی) باز نہیں آتے اور انھیں برچھیوں کا ایسا زخم بھی باز نہیں رکھ سکتا جس میں تیل اور فتیلہ دونوں غائب ہو جاتے ہیں)

مخالفتوں کے طوفان، دشنام طرازیوں کی گھن گرج اور رمز و کنایہ کی سرد جنگ کے درمیان ختمی مرتبت (صلّی اللہ علیہ وسلّم) دعوتِ حق اور تبلیغِ دین کا کام جاری رکھے ہوتے تھے۔ قریش کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ وہ کس طرح "اس سیلاب بلا" کے سامنے بند باندھیں جو ان کے مذہب، ان کی روایات، ان کے رسم و رواج اور ان کے ادب کو خس و خاشاک کی مانند بہائے لیے جا رہا تھا۔ وہ ادب جو ان کی زندگی کا آئینہ دار تھا، ان کے قومی محاسن اور معائب کا مرقع تھا۔ وہ ادب جس میں "سوزِ عشق" بھی تھا اور سازِ حسن بھی۔ وہ ادب جو جراتِ

Marfat.com

ہمت، وفاکیشی وفیاضی کی داستانوں سے مملو بھی تھا اور سلمیٰ اور سلیمیٰ کے ذکر سے مزین بھی۔ وہ ادب جس نے شاہد و شراب کی عمدہ روایات قائم کی تھیں اور ساقی اور قدح خوار کی آبرو کو قائم رکھا تھا۔ کیا یہ ادب جو مزوا (حسن کی دیوی) کی طرح حسین اور ستاروں کی مانند جوان تھا، نئے دور کے ادب سے مرعوب ہو جائے گا؟ کیا نئی اقدارِ حیات ایک جامد معاشرے کی بوسیدہ قدروں کو ڈھا کر اس کی جگہ تہذیب و ثقافت کا نیا چراغ روشن کر دیں گی؟ اور کیا "ایک خدا کا تصور" ان کے "کثرت پرستی" کے تصور پر غالب آجائے گا؟ ایسے ہی ان گنت سوالات تھے جو اُن کے ذہن میں گردش کرتے رہتے۔

جہدِ مسلسل کی ذاتی مثال

(جذبہ پیش قدمی) (۳)

ایک روز محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) حسبِ معمول بیت اللہ کا طواف کرنے میں مصروف تھے۔ آپؐ جب ابوجہل، عُقبہ بن ابی مُعیط اور اُمیہ بن خلف کے سامنے سے گزرے، جو حطیم میں بیٹھے ان مہروں کے بارے میں سوچ رہے تھے جنھیں رسالتمآبؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے شہ مات دے دی تھی۔ تو انھوں نے آپؐ کو کن انکھیوں سے دیکھا اور رمز و اشارہ میں آپس میں بات کی۔ ابوجہل نے کچھ نازیبا الفاظ بھی کہے۔ آنحضورؐ نے سن کر ان کی زیادتی کو نظر انداز کر دیا۔ آپؐ جب دوسری مرتبہ گزرے تو انھوں نے پھر وہی حرکت کی۔ آپؐ نے پھر معاملے کو ٹال دیا۔ لیکن جب انھوں نے تیسری مرتبہ زبانِ طعن درازی کی تو آپؐ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا:

"اے گروہِ قریش:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا اُرْسِلْتُ اِلَیْکُمْ اِلَّا بِالذَّبْحِ	(اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں تمھارے لیے ہلاکت و کا پیغام لے کر آیا ہوں

Marfat.com

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی عبادات ختم کیں اور گھر تشریف لے گئے۔ اگلے روز آپ پھر حرم میں تشریف لائے۔ آپؐ نے طوافِ کعبہ شروع کیا ہی تھا کہ مشرکینِ مکہ آپؐ پر ٹوٹ پڑے[۱۶] اور کہنے لگے:

"کیا آپؐ ہی نے یہ یہ الفاظ کل ادا کیے تھے؟ کیا آپؐ ہی نے ہمارے بہت سے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا ہے؟"[۱۲]

ان ناہنجاروں نے آپؐ کو اس قدر زدوکوب کیا کہ جسمِ اطہر لہولہان ہو گیا۔ اسی اثنا میں حضرت ابوبکر تشریف لے آئے۔ انھوں نے دیکھا کہ آنحضورؐ دشمنوں میں گھرے ہوتے ہیں۔ آپؓ ان کے غول میں گھس پڑے۔ ایک مکّہ اس کے اور ایک گھونسہ اس کے رسید کیا اور کہا:

أَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ

(کیا تم ایک آدمی کو اس بات پر قتل کر ڈالو گے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے۔ درآنحالیکہ وہ تمھارے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیلیں لے کر آیا ہے)

مشرکین نے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تو چھوڑ دیا مگر حضرت ابوبکرؓ کو پکڑ لیا۔ انھوں نے مکّوں اور لاتوں کا آزادانہ استعمال کیا۔ اور انھیں وہ مار دی کہ رہے نام اللہ کا۔ آپؓ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اگر حضرت ابوبکرؓ کے قبیلے کے لوگوں کو خبر نہ ہوئی ہوتی اور وہ وقت پر پہنچ کر ان کو موذیوں سے چھڑا نہ لیتے، تو معاملہ اور زیادہ بگڑ جاتا۔ دن ڈھلے آپ کو قدرے افاقہ ہوا تو پوچھا: کیا کسی کو خبر ہے کہ ختمی مرتبتؐ سے کیا ماجرا ہوا؟ آپؐ کے مزاج کیسے ہیں؟[۱۳] حضرت ابوبکرؓ کو اس وقت تک تسلی نہ ہوئی جب تک انھیں یہ معلوم نہ ہو گیا کہ آنحضورؐ پہلے سے کافی بہتر ہیں۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حرم پاک کے اندر خداوندِ لایزال کا نام لینا کتنا بڑا جرم تھا۔ اس سے بھی زیادہ رقت آمیز واقعہ وہ ہے جس میں رسالتمآبؐ کے ربیب حضرت حارثؓ بن ابی ہالہ جب آنحضورؐ کو مشرکین سے بچانے کے لیے حرم میں داخل ہوئے تو ان پر

Marfat.com

اِس قدر تلواریں برسیں کہ وہ زخموں کی تاب نہ لا کر ابدی نیند سو گئے۔ اسلام کی راہ میں یہ پہلا خون تھا جس سے حرم پاک کی زمین رنگین ہوئی۔ اللہ تعالیٰ حضرت حارثؓ کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔

ایک اور موقعہ پر جب رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) خداوند قدوس کے حضور سجدہ ریز تھے، ابوجہل خانہ کعبہ میں داخل ہوا۔ وہاں کچھ اور اشرار بھی خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ابوجہل نے کہا: کیا کوئی ایسا آدمی ہے جو باہر جا کر کسی اونٹ کی تازہ اوجھ اٹھا لائے اور اس کو آپ کی پشت پر رکھ دے۔ ان لوگوں میں سے سب سے زیادہ شقی (عقبہ بن ابی معیط) اٹھا اور باہر سے اوجھ لا کر سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیٹھ مبارک پر رکھ دی۔

ابوجہل کا خیال تھا کہ وہ شروع ہی میں آپؐ کو منظر سے ہٹا دے گا خاص طور پر اس دن سے اس کے عناد اور تعصب کی کوئی انتہا نہ رہی جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوری قوت اور جرأت سے یہ کہہ دیا تھا کہ جس طرح یہ آفتابِ جہاں تاب آپ لوگوں سے اپنے شعلے روک دینے پر قادر نہیں اسی طرح میں بھی نیکیوں کی اشاعت اور برائیوں کی حوصلہ شکنی سے باز رہنے کا مجاز نہیں۔ اگر میں زندہ ہوں، تو دعوتِ حق کا پروگرام اسی طرح آگے بڑھتا رہے گا جس طرح ماضی میں خاموشی سے مگر وثوق کے ساتھ آگے بڑھتا رہا ہے۔

ایک روز ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"اے گروہِ قریش! تم نے دیکھ لیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کس طرح صاف صاف کہہ دیا ہے کہ وہ ہمارے دین کی برائی کرنے، ہمارے اسلاف کو گمراہ بتلانے اور ہمارے معبودوں کو گالیاں دینے سے باز نہ آئیں گے۔ اب میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ کل میں ایک پتھر لے کر بیٹھوں گا اور جب وہ نماز میں سجدہ کریں گے تو ان کا سر کچل دوں گا۔ پھر بنی عبد مناف جو چاہیں کر لیں۔"

دوسرے روز صبح کو وہ پتھر لے کر آپؐ کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ حضورؐ اکرم حسبِ معمول تشریف لاتے اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ قریش کے لوگ بھی اپنی اپنی مجلسوں میں جمع ہو گئے کہ اب دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ حضورؐ اکرم جب سجدے میں گئے تو ابوجہل پتھر لے کر آگے بڑھا مگر وہ

Marfat.com

آپؐ کے قریب پہنچ کر رُک گیا۔ اس کا رنگ فق تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں اور پتھر اس کے ہاتھ سے گر چکا تھا۔ تماشائی دوڑے دوڑے اس کے پاس گئے اور پوچھا کہ تھیں کیا ہوا۔ ابوالحکم (ابوجہل) نے کہا:

"میں اسی کام کے لیے آگے بڑھا تھا جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ مگر جب میں قریب پہنچا تو میرے آگے ایک زبردست اونٹ آگیا کہ میں نے کبھی اتنے بڑے سر، ایسی گردن اور ایسی کچلیوں والا اونٹ نہ دیکھا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ اگر میں نے آگے بڑھنے کی جرأت کی تو وہ مجھے چبا ڈالے گا۔" ۲۶

نبی مکرم، رسولِ محترم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایذا رسانیوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ برخلاف ان قائدین اور مصلحین کے جو خود تو کچھ کرنے کے نہیں، صرف رقصِ بسمل دیکھنے کے عادی ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی دوسروں کو کرنے کے لیے ایسا کام نہیں دیا جس پر خود عمل نہ کیا ہو۔ آپؐ کے پیروکار اگر استہزاء اور دشنام طرازیوں کا شکار ہوتے، آپؐ کے جاں نثار اگر کٹھالی میں طلاء کی طرح آب ہوتے اور تحریکِ اسلام کے علمبردار اگر جبر و ستبداد کا نشانہ بنتے تو کہیے کہ وہ کونسی مصیبت ہے جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل نہیں ہوئی؟ وہ کونسی بجلی ہے جس نے آپؐ کے بلند آشیاں کو نہیں تاکا اور وہ کونسی آگ ہے جو ہوائے اُبر نے گلشنِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نہیں پھونکی۔ عُقبہ بن ابی مُعیط کا آپؐ کے گلے میں چادر ڈال کر آپ کو اس زور سے کھینچنا کہ آپؐ گھٹنوں کے بل گر پڑے، اگر جسمانی اذیت تھی تو قوم کا تمسخر اور استہزاء، ان کا سوقیانہ مذاق اور طعن آمیز اسلوب آپؐ کے لیے ایک ذہنی کوفت تھی۔ کسی باپ کے لیے اس سے زیادہ روحانی کوفت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کی دو بیٹیوں کو طلاق دے دی جائے کہ وہ خدا کا نام لیتا ہے۔ سردارانِ قریش نے تو آپ کی بڑی صاحبزادی (حضرت زینبؓ) کے میاں کو بھی مجبور کیا کہ وہ بھی انھیں چھوڑ دے لیکن ابوالعاص اس کام کے لیے تیار نہ ہوئے۔ انھوں نے کہا:

"میں اپنی بیوی کو کبھی علیحدہ نہیں کروں گا۔ وہ بہترین بیوی ہے۔" ۲۷

Marfat.com

اِن تمام مصائب کا جواب آپؐ نے "ایک تبسم" سے دیا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اعلائے کلمۃ الحق کے لیے ان اعصاب شکن اور جگر پاش واقعات کو چنداں اہمیت نہ دیجئے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ۝ (الاعراف: ۱۹۹)

(اے نبیؐ! نرمی اور درگزر کا طریقہ اختیار کیجئے۔ معروف کی تلقین کیجئے اور جاہلوں سے نہ اُلجھیے۔)

آپؐ کی شفقت کا یہ حال تھا کہ ان تمام مخدوش حالات کے باوجود نہ آپؐ نے اپنے معیار سے گر کر بات کی، نہ اپنی دعوت میں کمزوری آنے دی اور نہ ہی کبھی کوئی ایسا کام کیا جس سے آپؐ کے کردار کی عظمت میں فرق آتے۔ بلکہ آپؐ اس لیے اپنی جان گھلاتے رہے کہ مشرکین عقل وخرد سے کام لیتے ہوتے، ان معبودانِ باطل کی پرستش چھوڑ دیں جنھیں وہ خود تخلیق کرتے ہیں اور اس مالکِ حقیقی کے آستانۂ قدس پر جھک جائیں جس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا، جس نے انھیں خوف سے تحفظ دیا اور بھوک اور قحط سے بچا کر وافر رزق عطا فرمایا۔

Marfat.com

تعلیقات (باب ششم)

۱۔ السیرۃ النبویۃ ۔ ابن ہشام ۔ ج ۱، ص ۲۶۲

۲۔ لین، ایڈورڈ ۔ ڈبلیو ۔ Aralic End Lexilon (زیر لفظ عفر یعفر)

(هَلْ يُعَفِّرُ مُحَمَّدٌ (صلی اللہ علیہ وسلم) وَجْهَهُ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ ۔ لَأَمْلَأَنَّ عَلَى رَقَبَتِهِ أَوْ لَأُعَفِّرَنَّ وَجْهَهُ فِي التُّرَابِ ۔)

۳،۴۔ الطبقات الکبریٰ ۔ ابن سعد ۔ ج ۱، ص ۴۷؛ عیون الاثر ۔ ابن سید الناس ۔ ج ۱، ص ۱۲۵،

۵۔ الطبقات الکبریٰ ۔ ابن سعد ۔ ج ۱، ص ۱۹۹۔ ۲۰۰؛ حیات محمدؐ، محمد حسین ہیکل ۔ ص ۱۲۱۔ ۱۲۲ ۔ (قال ابو لهب : تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ : أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا ۔)

۶۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص ۵۶ (پیرا ۱۲۱)

۷۔ محمد ۔ ڈیوڈ سیموئیل مارگولیس ۔ ص ۲۴، بسر نکر، ص ۱۷۱، بحوالہ محمد و محمدیت، باسورتھ سمتھ، ص ۱۰۰ (ملاحظہ ہو فٹ نوٹ)؛ نیز حیات محمدؐ، سر ولیم میور ۔ ص XCVI - XCV

۸۔ معرکۂ مذہب و سائنس ۔ ڈاکٹر جان ولیم ڈریپر، ص ۷۱ ۔ ۷۲ (ترجمہ مولانا ظفر علی خاں)

۹۔ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج ۱، ص ۲۰۱ ۔

(قَالَ رَسُولُ اللهِ ! يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ: أَيُّ جَوَارٍ هٰذَا؟)

۱۰۔۱۱۔ السیرۃ النبویۃ ۔ ابن ہشام ۔ ج ۲، ص ۲۲۴۔۲۲۳؛ عیون الاثر، ابن سید الناس، ج ۱، ص ۱۰۱ ۔

۱۲۔ السیرۃ النبویۃ ۔ ابن ہشام ۔ ج ۲، ص ۲۵۶؛ عیون الاثر، ایضاً ۔ ج ۱، ص ۱۲۷،

۱۳۔ قرآن مجید ۔ سورہ النور ۲۴ : ۳۷ ۔

Marfat.com

(رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ)

۱۴۔ قرآن مجید۔ سورہ حٰمٓ السجدہ ۴۱ : ۱۳

(فَإِنْ أَعْرَضُوْا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ)

(اگر یہ لوگ اب بھی اعراض کریں تو آپؐ کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی آفت عاد وثمود پر آئی تھی)

۱۵-۱۶۔ السیرۃ النبویہ ۔ ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۱۶

۱۷۔ ایضاً ۔ ایضاً ، ج ۱، ص ۲۶۴

۱۸۔ ایضاً ۔ ایضاً ، ج ۱، ص ۲۶۵؛ تاریخ زوال روم، ج ۳، ص --

۱۹۔ ایضاً ۔ ایضاً ، ج ۲، ص ۱۷۱

(نَعَمْ كَلِمَةٌ وَّاحِدَةٌ تُعْطُوْنِيْهَا تَمْلِكُوْنَ بِهَا الْعَرَبَ وَتَدِيْنُ لَكُمْ بِهَا الْعَجَمُ)

۲۰۔ قرآن مجید۔ سورۂ صٓ ۳۸ : ۴-۶

(وَعَجِبُوْٓا أَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ أَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ إِلٰهًا وَّاحِدًا إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝ وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ۝)

(انھیں اس بات پر حیرت ہے کہ ان کے پاس انھیں میں سے ایک ڈرانے والا آیا اور یہ کافر کہتے ہیں کہ یہ شخص ساحر ہے، کذاب ہے۔ ارے اس نے خداؤں کو بس ایک خدا بنا دیا۔ بے شک یہ بڑی انوکھی بات ہے۔ ان لوگوں کے سردار یہ کہتے ہوئے چل دیئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پہ قائم رہو۔ اس میں بے شک اس شخص کا کوئی مطلب ہے (یہ شخص ہمیں

Marfat.com

بہکا کر اپنا کوئی نہ کوئی کام نکالنا چاہتا ہے)

۲۱۔ السیرۃ النبویہؐ ۔ ابن ہشام ، ج ۱، ص ۲۶۵ - ۲۶۶

۲۲۔ حیاتِ محمدؐ ، محمد حسین ہیکل ، ص ۱۵۵ - ۱۵۶

۲۳، ۲۴۔ السیرۃ النبویہؐ ۔ ابن ہشام ، ص ۔ ۲۶۵ ؛ محمدؐ اور محمدیت ، باسورتھ سمتھ ، ص ۱۱۹ ؛ نیز تاریخ زوالِ روم ، ایڈورڈ گبن ، ج ۳ ، ص ۹۴ - ۹۶

۲۵۔ الطبقات الکبریٰ ۔ ابن سعد ، ج ۱ ، ص ۲۰۲ ؛ السیرۃ النبویہؐ ۔ ابنِ ہشام ، ج ۱ص ۲۶۷

۲۶۔ حیاتِ محمدؐ ۔ سر ولیم میور ، ج ۲ ، ص ۱۶۵

۲۷۔ السیرۃ النبویہؐ ۔ ابنِ ہشام ، ج ۱ ، ص ۲۹۵

۲۸۔ ابنِ اسحٰق کا خیال ہے کہ جنگِ بدر میں قریشِ مکہ کی مبارزت طلبی پر حضرت علی ولید بن عُتبہ کے ، حضرت حمزہؓ شیبہ کے اور حضرت عبیدہؓ بن الحارث عتبہ کے مقابل کھڑے ہوئے ۔ لیکن علامہ شبلی نعمانی کا خیال ہے کہ حضرت عبیدہؓ بن الحارث شیبہ کی تلوار سے گھائل ہوئے ۔ (ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہؐ ، ابن ہشام ، ج ۲ ، ص ۲۲۵ و سیرۃ النبی علامہ شبلی نعمانی ، ج ۱ ، ص ۳۲۳)

۲۹۔ سیرۃ النبیؐ ، علامہ شبلی نعمانی ، ص ۳۲۳ ۔

۳۰۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا ایک فکر انگیز مضمون "جاوید نامہ"

۳۱۔ السیرۃ النبویہؐ ۔ ابن ہشام ۔ ج ۱ ، ص ۲۷۰

۳۲۔ ایضاً ۔ ابن ہشام ۔ ج ۱ ، ص ۲۷۰

۳۳۔ ایضاً ۔ ابن ہشام ۔ ج ۲ ، ص ۳۲۴ ؛ تاریخ زوالِ روم ، ایڈورڈ گبن ، ج ۳ ، ص ۹۵

۳۴۔ السیرۃ النبویہؐ ۔ ابن ہشام ، ج ۲ ، ص ۳۲۴ ؛ عیون الاثر ، ابن سید الناس ، ج ۱ ، ص ۱۰۱ ۔

(طارق بن عبداللہؓ المحاربی کی روایت میں آیا ہے کہ بعض اوقات ابوجہل زمین سے کنکریاں اٹھا کر آپؐ پر پھینکتا چلا جاتا یہاں تک کہ جسدِ اقدس لہولہان ہو

Marfat.com

جاتا۔ وہ ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا جاتا: کہ اے بنی فلاں : لَا تُطِیْعُوْهُ فَاِنَّهٗ کَذَّابٌ (نعوذ باللہ)

۳۵۔ قرآن مجید۔ حٰمٓ السجدہ : ۲۶؛ المعارج : ۳۶۔۳۷؛ الشوریٰ : ۱۶؛ نیز حٰمٓ السجدہ : ۴۰ و النحل : ۲۴۔

۱۔ وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝

۲۔ فَمَالِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا قِبَلَکَ مُهْطِعِیْنَ ۝ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِیْنَ ۝

۳۔ وَالَّذِیْنَ یُحَآجُّوْنَ فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِیْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۝

۴۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا

۵۔ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّکُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝

قرآن مجید نے مشرکینِ مکہ کے جن ردّیوں کا ذکر کیا ہے، وہ اپنی جگہ واضح ہیں، لیکن یورپ کے بعض "روشن خیال"، مدّعیانِ علم و دانش بہک بہک کر جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کا ماحصل بھی یہی ہے کہ "قرآن میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے کچھ قصّے لے کر انھیں مسخ و تحریف کے بعد جمع کر دیا گیا ہے اور بس۔"

۳۶۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابن ہشام۔ ج ۲، ص ۳۸۳

۳۷۔ ایضاً ۔ ج ۲، ص ۳۸۴

(قَالَ : اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا۔ اِرْجِعْ اِلٰی قَوْمِکَ وَارْفُقْ بِهِمْ)

۳۸۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابن ہشام۔ ج ۲، ص ۳۸۶۔۳۸۷

Marfat.com

۳۹۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابن ہشام ۔ ج ۲، ص ۳۸۸

۴۰۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ج ۱، ص ۲۹۱-۲۹۲؛ حیاتِ محمد، سر ولیم میور۔ ج ۲، ص ۱۶۶-۱۶۷

۴۱-۴۲۔ روض الأنف ۔ علامہ السہیلی ۔ ج ۱، ص ۱۸۶؛ المستدرک، ج ۳، ص ۱۹۳

۴۳۔ محبوبِ خدا ۔ چوہدری افضل حق ۔ ص ۶۲

۴۴-۴۸۔ السیرۃ النبویۃ ۔ ابن ہشام ۔ ج ۱، ص ۲۹۳ - ۲۹۵؛ رُوحِ اسلام، امیر علی سیّد، ص ۱۰۷، ۱۱۰۔

۴۹۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابن ہشام ۔ ج ۱، ص ۲۹۵۔

(وَمَا بِیْ مَاتَقُوْلُوْنَ ۔ مَا جِئْتُ بِمَا جِئْتُکُمْ بِهٖ ۔ أَطْلُبُ أَمْوَالَکُمْ وَلَا الشَّرَفَ فِیْکُمْ وَلَا الْمُلْكَ عَلَیْکُمْ ۔ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِیْ ۔ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا وَأَنْزَلَ عَلَیَّ کِتَابًا وَأَمَرَنِیْ اَنْ أَکُوْنَ لَکُمْ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا . . . فَاِنْ تَقْبَلُوْا مِنِّیْ مَاجِئْتُکُمْ بِهٖ نَصِیْبَکُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۔)

۵۰-۵۱۔ قرآنِ مجید۔ سورہ الفرقان ۲۵ : ۷ - ۱۰؛ سورہ بنی اسرائیل ۱۷ : ۹۰ - ۹۴

۵۲-۵۳۔ السیرۃ النبویۃ ۔ ابن ہشام ۔ ج ۱، ص ۲۹۷

۵۴۔ قرآنِ مجید۔ سورہ الانعام ۶ : ۳۵ - ۳۶؛ سورہ العنکبوت ۲۹ : ۵۰ - ۵۱

۵۵۔ قرآنِ مجید۔ سورہ المدثر ۷۴ : ۵۲ - ۵۵

۵۶۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابن ہشام ۔ ج ۱۔ ص ۲۹۷

۵۷۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ج ۱۔ ص ۲۹۸؛ عیون الاثر۔ ابن سیدالناس۔ ج ۱، ص ۱۰۸؛ نیز الاصابہ، ابنِ حجر، ج ۲، ص ۳۷

۵۸۔ السیرۃ النبویۃ ۔ ابن ہشام ۔ ج ۱۔ ص ۳۰۰ - ۳۰۱

۵۹۔ قرآنِ مجید۔ الکہف ۱۸ : ۱۴؛ نیز ابنِ ہشام ج ۱، ص ۳۲۵

Marfat.com

۶۰۔ السیرۃ النبویہ ۔ ابنِ ہشام ۔ ج ۱، ص ۲۸۹۔ ۲۹۰

۶۱-۶۲۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ج ۱، ص ۲۹۰

۶۳۔ فتح الباری، باب مالقی النبیؐ واصحابہٗ من المشرکین بمکۃ: ج ۷، ص ۱۲۹

۶۴۔ السیرۃ النبویہ ۔ ابنِ ہشام ۔ ج ۱، ص ۲۹۸ ۔ ۲۹۹

۶۵-۶۶۔ (فَلَمَّا سَجَدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم) اِحْتَمَلَ الْحَجَرَ۔ ثُمَّ اَقْبَلَ نَحْوَہٗ حَتّٰی اِذَا دَنَا مِنْہُ رَجَعَ مُنْهَزِمًا، مُنْتَقِعًا لَوْنُہٗ مَرْعُوْبًا قَدْ یَبِسَتْ یَدَاہُ عَلٰی حَجَرِہٖ)

۶۷۔ الاصابہ۔ ابنِ حجرؒ ۔ ج ۲، ص ۴۵۵۔

Marfat.com

باب نہم

باراتِ عاشقاں بر شاخِ آہو

مخالفت اور مزاحمت کی ان بے شمار تدبیروں کے ساتھ جو قریش نے اسلام کی ترقی کو روکنے کے لیے اختیار کی تھیں، ان کی ایک سنگدلانہ تدبیر یہ بھی تھی کہ ان لوگوں کو کربناک سزائیں دی جائیں جو اپنی روایات، اپنے رسم و رواج اور اپنے "قومی مذہب" سے منہ موڑ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ لوگوں پر خوف طاری کر کے اسلام کے پھیلاؤ کو روکا جا سکتا ہے۔ انھیں جب بھی پتہ چلتا کہ فلاں شخص مسلمان ہو گیا ہے تو وہ اس کے عزیز و اقربا سے مل کر اُسے سمجھاتے کہ تمھارا اپنے آبائی دین کو چھوڑ دینا اچھا کام نہیں۔ اپنے ان بزرگوں کی طرف دیکھو جو تم سے زیادہ سمجھ دار ہیں، زیادہ جہاندیدہ ہیں اور عقل و تجربہ میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود اگر وہ باز نہ آتا تو وہ ترہیب و تخویف کا طریقہ اپناتے اور اسے ڈانٹ کر کہتے کہ اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم تمھیں رسوا اور بدنام کریں گے، تمھیں احمق ٹھہرائیں گے اور تمھارے شرف کو پست کریں گے۔ اگر وہ تاجر پیشہ ہوتا تو اسے کہتے کہ ہم تمھارے بیوپار کو مندا کریں گے اور تمھاری تجارت کو تباہ کر دیں گے۔ یہاں تک کہ تم کوڑی کوڑی کے محتاج ہو جاؤ گے۔ جہاں تک کمزور اور ضعیف لوگوں کا تعلق تھا، ان کو وہ عبرت ناک سزائیں دی جاتیں کہ دیکھنے والے کانپ اُٹھتے تھے۔ آہستہ آہستہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ عزت دار اور خاندانی لوگ بھی ان کی دست بُرد سے محفوظ نہ رہے۔

اسلام قبول کر لینے کے بعد، حضرت ابوبکرؓ کو جس رنج و محن سے گزرنا پڑا اس کا تذکرہ تمام اصحابِ سِیَر کے ہاں ملتا ہے۔ نوفل (اسدِ قریش) کی زیادتیاں کون بھلا سکتا ہے جو آپ کو پکڑ کر حضرت طلحہؓ کے ساتھ باندھ دیتا اور کئی کئی دنوں تک بھوکا رکھتا۔ لیکن وہ "ضربت

Marfat.com

تازیانہ" جو انھیں قریش مکہ کے ہاتھوں اس وقت ملی جب وہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حرم پاک میں بچانے کی کوشش میں معروف تھے ایک اور تازیانہ ثابت ہوتی۔ نشۂ استکبار میں سرشار قریشیوں نے انھیں نہ صرف پاؤں سے روندا بلکہ عُتبہ (بن ربیعہ) نے ان کے منہ پر اتنے جوتے مارے کہ سارا منہ سوج گیا اور ناک اس میں چھپ گئی۔ اگر ان کے قبیلے والے (بنو تیم) انھیں بروقت چھڑا نہ لیتے تو شاید وہ جانبر نہ ہو سکتے۔ دن بھر تو وہ بے سُدھ پڑے رہے لیکن شام کے بعد جب انھیں کچھ افاقہ ہوا تو لوگ انھیں اور ان کی والدہ ام الخیرؓ کو سہارا دے کر دارِ ارقم لے گئے جہاں سرورِ کونینؐ تشریف رکھتے تھے۔ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ان کا حال دیکھ کر رقت طاری ہو گئی۔ آپؐ ان پر جھکے اور ان کو چوم لیا، حضرت ابوبکرؓ نے اپنا "قصہ غم" سنانے کے بعد عرض کیا: "مجھے اسلام کی راہ میں جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے، ان کے لیے میں رنجیدہ ہوں نہ متاسف۔ یہ میری ماں اپنے بیٹے کے ساتھ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ ان کو اللہ کی طرف دعوت دیجئے اور دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو آگ سے بچالے۔ آپؐ نے بارگاہِ رب العزت میں ہاتھ اُٹھائے ہی تھے کہ دُعا قبول ہوئی اور حضرت ام الخیر اسلام لے آئیں۔

حضرت عثمانؓ بن عفان کے ساتھ سلوک کچھ اس سے مختلف نہ تھا۔ آپ کے چچا حکم انھیں رسیوں سے جکڑ کر باندھ دیتا اور کہتا: تمھاری یہ جرأت کہ تم نے باپ دادا کا دین چھوڑ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین اختیار کر لیا ہے۔ میں تجھے اس وقت تک رہا نہ کروں گا جب تک تم دینِ اسلام سے انکار نہ کرو۔ حضرت زبیرؓ بن العوام کو ان کا چچا ایک چٹائی میں لپیٹ کر لٹا دیتا اور نیچے سے دھونی دیتا اور چیخ چیخ کر کہتا کہ اسلام سے انکار کرو مگر وہ برابر یہی جواب دیتے کہ میں کبھی کفر نہیں کروں گا۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر کو ان کے چچا زاد بھائی عثمان بن طلحہ (جو کلید بردارِ کعبہ تھے) اس قدر پیٹتے کہ وہ اکثر بے ہوش ہو کر گر پڑتے۔ آپ کو کئی مرتبہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ آخر کار وہ بھاگ کر پہلی ہجرتِ حبشہ کے مسافروں میں شامل ہو گئے۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو ان کی ماں نے وہ تکالیف دیں کہ الامان، الحفیظ۔ مگر وہ اپنے دین سے نہیں ہٹے۔ ان کی والدہ حمنہ بنت سفیان

Marfat.com

بڑی متشدد عورت تھی۔ ان سے کہتی، سُن میری بات۔ جب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار نہ کرے گا، میں کھاؤں گی نہ پیوں گی۔ اور نہ ہی سائے میں آرام کروں گی۔ ماں کا حق ادا کرنے سے بھلا تو کیسے پہلو تہی کر سکتا ہے؟ آپ ماں کی سختیوں کو برابر جھیلتے رہے لیکن جب ماں کے حقوق کا خیال آتا، تو وہ گھبرا جاتے۔ ایک دن محبوبِ داورِ محشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور تمام قصہ کہہ سنایا۔ حضرت سعدؓ کے سوال کے جواب میں یہ آیاتِ مبارکہ نازل ہوئیں:

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ
حُسْنًا ۖ وَإِن جَاهَدَاكَ
لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ
عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ

(۲۹۔ العنکبوت: ۸)

(اور ہم نے حکم دیا ہے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ اچھے سلوک کا۔ لیکن اگر وہ تم پر زور ڈالیں کہ تو کسی چیز کو میرا شریک بنائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں، تو تو ان کا کہنا نہ مان)

حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص کی داستانِ محبت کی وہ لازوال کہانی ہے جسے تاریخ ہمیشہ دہراتی رہے گی۔ آپ کے والد کو جب ان کے اسلام قبول کر لینے کا پتہ چلا تو اس نے ایک دن پکڑ کر ان کو اتنا پیٹا کہ وہ ڈنڈا جس سے وہ انھیں مار رہا تھا اس کے ہاتھ میں ٹوٹ گیا اُس نے کہا:

"کہ تُو نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی اختیار کر لی ہے۔ حالانکہ تو دیکھتا ہے کہ انھوں نے اپنے آبائی مذہب کے خلاف آواز بلند کر رکھی ہے۔ وہ اس میں عیب نکالتے ہیں، ہمارے اسلاف کو گمراہ بتاتے ہیں اور ہمارے قائدین کو احمق گردانتے ہیں۔ تمھاری یہ جرأت کہ تم ان کی محبت میں پاگل ہوتے جاتے ہو۔ کیا تو اس بدعت کو چھوڑے گا یا نہیں؟"

حضرت خالدؓ نے کہا:

"ابا جان! میں اب واپس لوٹنے کا نہیں۔ یہ دین جس پر میں چل نکلا ہوں سچا ہے اور ان ابدی حقیقتوں کا حامل ہے جن سے انکار ممکن نہیں۔"

Marfat.com

ابواُحیحہ نے انھیں غصّے میں آکر پھر پیٹنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ لوگوں کا مجمع لگ گیا۔ حضرت خالدؓ کو گھر سے نکال دیا گیا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ آنحضور (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے پاس رہنے لگے۔ ابنِ سعد نے الطبقات الکبریٰ میں بیان کیا ہے کہ ابواُحیحہ (سعید بن العاص) کا غصّہ بیٹے کو گھر سے نکال کر بھی ٹھنڈا نہ ہوا۔ چنانچہ اس نے ایک روز پھر انھیں بُلا بھیجا اور اس قدر زدوکوب کیا کہ کافر بھی الاماں کہہ اُٹھے۔ سخت گرمی کے دنوں میں انھیں کمرے میں بند کر دیا جاتا اور کئی دنوں تک انھیں بھوکا اور پیاسا رکھا جاتا۔ مکّہ کی گرمی میں حضرت خالدؓ یہ عذاب بُھگتتے رہے۔ آخر موقع پا کر اس کاروانِ شوق میں شامل ہو گئے جو حبشہ کے لیے روانہ ہو رہا تھا۔

سزا اور عقوبت کی داستان نامکمل رہ جاتی اگر یہاں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا ذکر نہ کیا جائے۔ جنھوں نے ایک روز حرمِ پاک میں باآوازِ بلند قرآن مجید پڑھ کر مشرکینِ مکّہ کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ ہُوا یوں کہ ایک روز صحابہؓ کبارؓ نے کہا کہ ہم میں کون ہے جو حرمِ پاک میں کھڑا ہو کر سردارانِ قریش کو باآوازِ بلند قرآن مجید پڑھ کر سُنائے۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود وہاں موجود تھے۔ کہنے لگے یہ کام تو مَیں کر سکتا ہوں۔ صحابہؓ نے کہا آپ رہنے دیجیے۔ یہ کام کسی ایسے شخص کے سپرد کرنا چاہیے جس کا خاندان بااثر ہو تاکہ اگر قریش اس پر زیادتی کریں تو اس کا قبیلہ ان سے بدلہ لینے کی طاقت رکھتا ہو۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا یہ کام آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ خدا خود حامی و ناصر ہے۔

اگلے روز جب سردارانِ قریش طوافِ کعبہ سے فارغ ہو کر اپنی خوش گپیوں میں مصروف تھے تو انھوں نے دیکھا کہ ایک سُرخ بالوں اور پتلی ٹانگوں والا انسان سورۂ رحمٰن کی باآوازِ بلند تلاوت کر رہا تھا۔ پہلے تو انھوں نے سمجھا کہ کوئی "دیوانہ" اپنے مخصوص لہجے میں دُعا مانگ رہا ہے لیکن جب انھیں پتہ چلا کہ وہ قرآنِ مجید کی تلاوت میں مصروف ہے، تو وہ دوڑے ہوئے آئے اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے لپٹ گئے۔ انھوں نے آپ کے منہ پر اس قدر تھپڑ مارے کہ ورم ہو گیا۔ جب تک آپ کو ہوش رہا آپ قرآن مجید سناتے رہے۔ لیکن جب آپ اپنی دگرگوں حالت کے ساتھ واپس لوٹے تو صحابہ کبار کو بڑا صدمہ ہوا۔ انھوں نے کہا ہمیں تو پہلے ہی اس بات

Marfat.com

کا ڈر تھا۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا:

"خدا کی قسم۔ یہ دشمنِ دیں میرے لیے کبھی اتنے ہلکے نہ تھے۔ کہو! تو کل پھر انھیں قرآن سنا آؤں"

یہ ذکر تھا ان پروانوں کا جو کھاتے پیتے گھرانوں کے چشم و چراغ تھے۔ خاندانی عزت اور نسبی شرافت کے مالک تھے۔ اب ہم ان پیروانِ حق کا ذکر کریں گے جن میں سے بعض کے پاؤں میں رسیاں باندھ کر انھیں گھسیٹا گیا، بعض کے پیٹ اور پیٹھ پر تپتی ہوئی سلیں رکھی گئیں بعض کو آگ کے دہکتے ہوئے انگاروں پر لوٹنے کی عزت بخشی گئی اور بعض کو تختہ دار پر لٹکایا گیا۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن ان صعوبتوں کے باوجود ان کے قدم ڈگمگاتے نہ وہ اسلام سے منحرف ہوتے۔ ان بلاکشانِ محبت میں حضرت بلالؓ بن رباح، عمار بن یاسرؓ، خباب بن الارتؓ، صہیبؓ رومی۔ ابوفکیہہؓ (مردوں میں) اور حضرت لبینہؓ، حضرت زنیرہ، حضرت نہدیہؓ اور ام عبیسؓ (عورتوں میں) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

سیدنا بلالؓ حبشی النسل تھے اور امیہ بن خلف کی ملکیت تھے۔ "آپ بڑے پاک دل اور اسلام کی صداقت کے پیکر تھے" ان کے اسلام لانے کا حال جب کھلا، تو امیہ بن خلف جُمَحی ان کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرتا۔ جب دھوپ خوب تیز ہو جاتی اور مکہ کی پتھریلی زمین تانبے کی طرح تپ جاتی تو وہ آپ کو گرم ریت پر لٹا دیتا اور ان کے سینے پر بھاری پتھر رکھ کر یوں تعلی کرتا:

"تمھارے ساتھ یہی سلوک ہوگا یہاں تک کہ تم مرجاؤ یا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کا انکار کرو۔ اور ستے (ان دیکھے) خدا کی عبادت سے روگردانی کرو"

سیدنا بلالؓ اس مصیبت کو جھیل لیتے اور جواب میں احد احد کہتے چلے جاتے۔" امیہ بن خلف اور اس کے گھرانے کے لوگوں نے حضرت بلالؓ کو ایک تماشہ اور کھیل بنا لیا تھا۔ کبھی کبھی ان کے گلے میں رسی باندھ کر انھیں لونڈوں کے سپرد کر دیتے۔ یہ اوباش لونڈے انھیں مکہ کی گھاٹیوں میں دوڑاتے پھرتے۔ علامہ بلاذری نے حضرت عمروؓ بن العاص کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے حضرت بلالؓ کو ایسی تپتی ہوئی ریت پر لیٹے دیکھا تھا جس پر

Marfat.com

اگر گوشت رکھ دیا جاتا تو وہ اس کی گرمی سے پک جاتا۔ اسی قسم کی ایک روایت حضرت حسانؓ بن ثابت سے بھی مروی ہے کہ ایک مرتبہ جب وہ عمرے کے لیے مکّہ گئے تو انھوں نے دیکھا کہ حضرت بلالؓ ایک رسّی سے بندھے ہیں اور گلی کے لڑکے انھیں گھسیٹے پھر رہے ہیں۔

حضرت بلالؓ ان شدائد کے باوجود کہے جا رہے ہیں :

"خدا ایک ہے۔ وہ لاشریک ہے۔ مَیں لات اور عزّیٰ کی کبھی پرستش نہ کروں گا۔ مَیں اساف، نائلہ اور بوانہ کا صاف انکار کرتا ہوں"

حضرت ابوبکرؓ کی رُوح کو اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ طمانیت عطا فرماتے جنھوں نے ایک تنومند حبشی غلام بدلے میں دے کر، حضرت بلالؓ کو خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ درحقیقت حضرت ابوبکرؓ بنی جمح کے محلے میں اقامت پذیر تھے۔ وہ اِس تکلیف دِہ منظر کو دیکھ دیکھ کر تنگ آچکے تھے۔ آپ نے اُمیہ بن خلف سے ان زیادتیوں کی شکایت کرتے ہوئے جو حضرت بلالؓ پر کی جاتیں تھیں، فرمایا :

أَلَا تَتَّقِي اللهَ فِي هٰذَا الْمِسْكِيْنِ

("اس بیچارے مسکین کے بارے میں تم اللہ سے نہیں ڈرتے ؟")

اُمیہ نے طنزاً کہا : تم ہی نے تو اسے خراب کیا، اب اس کی سفارش کرتے ہو۔ تم ہی اسے اس عذاب سے چھٹکارا دلا سکتے ہو۔

حضرت ابوبکرؓ نے بے تحاشا دولت خرچ کر کے کوئی سات کے قریب ایسے بے یار و مددگار غلاموں اور لونڈیوں کو خرید کر آزاد کیا جن کے لیے زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ آچکی تھی۔ ان میں سیدنا بلال ایک تھے۔ باقی کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں :

۲۔ حضرت حمامہؓ (حضرت بلالؓ کی والدہ)

۳۔ حضرت عامرؓ بن فہیرہ : یہ طفیل بن الحارث کے غلام تھے۔ اسلام لانے کے بعد جنگِ بدر و اُحد میں شریک ہوئے۔ بئر معونہ کے حادثے میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

۴۔ حضرت ابوفکیہہؓ : یہ بنی عبدالدار کی غلامی میں تھے۔ کبھی صفوان بن اُمیہ ان پر

Marfat.com

ظلم ڈھاتا اور کبھی اُمیہ بن خلف انھیں اپنی ستم رانیوں کا شکار بناتا۔ آپ کو بھی پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر، جلتی ہوئی زمین پر اوندھا لٹا دیا جاتا اور ان کی پیٹھ پر بھاری پتھر رکھ دیتے جاتے۔ آپ جب ہوش کھو بیٹھتے تو تماشائی انھیں چھوڑ کر چلے جاتے۔

۵۔ حضرت لبینہؓ : آپ ان لونڈیوں میں سے ایک تھیں جنھیں حضرت عمرؓ اپنے زمانۂ کفر میں خوب پیٹتے۔ اور جب مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے میں نے تمھیں صرف تھک جانے کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔ ورنہ ابھی میرا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔

۶۔ حضرت زِنیرہؓ : ایک اور لونڈی تھیں جو مدتوں حضرت عمرؓ کے زیرِ عتاب رہیں۔ ابوجہل بھی ان پر مشقِ ستم کرتا۔ متواتر عذاب اور مسلسل کوفت کے سبب بینائی جاتی رہی تھی۔ ابوجہل نے کہا :

"لات و عزیٰ نے تجھے اندھا کر دیا ہے۔"

حضرت زِنیرہؓ نے پوچھا :

"کیا واقعی انھیں علم ہے کہ کون ان کی پرستش کر کے گمراہی میں پڑا ہے اور کون انھیں نہ پوج کر سیدھی راہ پر چل رہا ہے؟ صحت اور بیماری کے فیصلے تو آسمان سے صادر ہوتے ہیں میرا رب اس بات پر قادر ہے کہ میری کھوئی ہوئی بینائی مجھے واپس لوٹا دے۔"

اور پھر ایسا ہوا کہ حضرت زِنیرہؓ کی بینائی واپس لوٹ آئی۔ ؎

۷۔ حضرت اُمِّ عُبَیسؓ : یہ بنی زُہرہ کی لونڈی تھیں۔ اسود بن عبد یغوث انھیں دردناک عذاب میں مبتلا رکھتا۔

ابنِ اسحٰق نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب ان کمزور اور مفلوک الحال لوگوں کو خرید کر آزاد کرنا شروع کیا تو ان کے والد ابوقحافہ نے ان کو مشورہ دیا کہ تم ان کمزور باندیوں اور غلاموں کی بجائے مضبوط اور تنومند غلام خرید کر آزاد کرو جو تمھارے کام آئیں اور تمھارے لیے قوتِ بازو بنیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ ابا جان میں تو وہ اجر چاہتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ میں یہ کام کسی دُنیاوی منفعت کے لیے نہیں کر رہا بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی

Marfat.com

کے لیے کر رہا ہوں۔ سورۃ لیل کی یہ آیاتِ مبارکہ حضرت ابوبکرؓ کی اس رضا طلبی کو کس عمدگی سے بیان کرتی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے :

"وہ پرہیزگار آدمی جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال خرچ کرتا ہے ۔ جہنم کی اس آگ سے دور رکھا جائے گا۔ اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اُسے دینا ہو۔ وہ تو صرف اپنے خدائے بزرگ و برتر کی رضا جوئی کے لیے یہ کام کرتا ہے۔" (لیل : ۱۸-۲۰)

علامہ بلاذری نے "انساب الاشراف" میں یہ روایت نقل کی ہے کہ اسلام کے یہ "مساکین" جب بارگاہِ نبوت میں اپنی اصلاح و فلاح کے لیے حاضر ہوتے تو قریش کے سردار انھیں دیکھ کر مذاق کرتے اور کہتے :

أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا (الانعام ۶: ۵۳)

(یہ ہیں اس شخص کے ساتھی) کیا ہمارے درمیان صرف یہی لوگ اللہ کے فضل کے مستحق تھے)

قرآنِ مجید نے "المطففین" میں مشرکینِ مکہ کے اسی رویے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ۝ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ۝ وَإِذَا انقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انقَلَبُوا فَكِهِينَ ۝ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ۝ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ۝ (آیات : ۲۹-۳۳)

(مجرم لوگ ایمان لانے والوں کا مذاق اُڑاتے تھے اور جب اِن کے پاس سے گزرتے تو آنکھیں مار مار کر ان کی طرف اشارے کرتے تھے۔ اور جب اپنے گھر والوں کی طرف پلٹتے تو مزے لیتے ہوئے لوٹتے۔ اور جب انھیں دیکھتے تو کہتے تھے کہ یہ بہکے ہوئے لوگ ہیں۔ حالاں کہ وہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے)

Marfat.com

یوں تو ہر اس کلی اور ہر اس پھول کو جسے نگاہِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چن لیا تھا، ابتلاء و آزمائش کے جاں گسل مراحل سے گزرنا پڑا، لیکن جو بجلیاں آلِ یاسرؓ کے خرمن پر گری ہیں، ان کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ حضرت یاسرؓ یمن کے رہنے والے تھے۔ مکہ میں رہ کر انھوں نے ابوحذیفہ بن مغیرہ (مخزومی) سے حلیفانہ تعلق قائم کر لیا تھا ان کی شادی سمیہؓ سے ہوئی تھی جو ابوحذیفہؓ کی لونڈی تھیں۔ جب آفتابِ رسالت طلوع ہوا تو حضرت یاسرؓ، ان کی بیوی، حضرت عمارؓ اور ان کے بھائی عبداللہ — سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ اسلام قبول کرنا تھا کہ مشرکینِ مکہ کا غضب اُن پر ٹوٹ پڑا۔

ایک مرتبہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اس جگہ سے گزر رہے تھے جہاں آلِ یاسرؓ کو عذاب دیا جا رہا تھا۔ آپؐ کو یہ دیکھ کر سخت رنج ہوا۔ آپؐ نے فرمایا:

"اے آلِ یاسرؓ! صبر کرو۔ تمھارے لیے جنت کا وعدہ ہے۔" ✧

ابنِ سعد نے جو روایت حضرت عثمانؓ سے بیان کی ہے۔ اس میں آیا ہے کہ آنحضورؐ نے آلِ یاسر کو انتہائی تکلیف میں دیکھ کر اپنے ہاتھ ان کی مغفرت کے لیے اٹھائے۔ حضرت یاسرؓ تکلیفیں جھیلتے جھیلتے چل بسے؛ حضرت سمیہؓ ابوجہل کی برچھی سے شہید ہو گئیں؛ اور حضرت عمارؓ کے دوسرے بھائی (حضرت عبداللہؓ) کی رُوح بھی ایک تیر کے لگنے سے قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

؎ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اب صرف حضرت عمارؓ رہ گئے تھے۔ انھیں کبھی انگاروں سے داغا جاتا، کبھی انھیں گہرے پانی میں غوطے دیے جاتے اور کبھی اس قدر سزا دی جاتی کہ دھرتی کانپ اُٹھتی۔ حضرت عمارؓ چونکہ بے یار و مددگار تھے اور ابوحذیفہ کے مرنے کے بعد وہاں پر ان کا کوئی حلیف تھا نہ قبیلے کا کوئی اور سرکردہ آدمی جو اُن کا حامی و ناصر ہوتا، اس لیے قریش کو ان پر خوب غصہ آتا۔ جامع ترمذی کی ایک روایت میں جو حضرت علیؓ نے بیان کی ہے آتا ہے کہ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تھا کہ عمارؓ سر سے پاؤں تک ایمان سے بھرا ہے۔" ایک دفعہ جب انھوں نے قمیض اتاری تو پشت پر لوگوں کو گہرے سیاہ

Marfat.com

داغ نظر آئے۔ کسی نے سبب دریافت کیا تو کہا: کہ قریش مجھ کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا کرتے تھے، یہ داغ اُس کے ہیں۔

حضرت عمارؓ کے ایک اور ساتھی جو قریش کے ظلم وستم کا نشانہ بنے رہے، حضرت صہیبؓ رومی تھے۔ وہ اطرافِ موصل کے رہنے والے تھے۔ جہاں پر ان کے والد کسریٰ کی طرف سے حاکم تھے۔ وہ رومیوں کے ایک حملے میں گرفتار ہوئے اور مکہ میں آکر غلام کی حیثیت سے بک گئے۔ انھیں عبداللہ بن جدعان نے خرید کر آزاد کر دیا۔ جب وہ تحریکِ انقلاب میں شامل ہوئے تو مشرکین نے انھیں خوب آزمایا۔ انھوں نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو قریشِ مکہ نے یہ کہا کہ اگر تم اپنا مال و اسباب یہاں چھوڑ جاؤ تو ہجرت کر سکتے ہو ورنہ نہیں۔ حضرت صہیبؓ نے اس سودے کو قبول کر لیا اور سب کچھ چھوڑ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پتہ چلا کہ صہیبؓ رومی نے اپنا اثاثہ دشمنوں کے حوالے کر دیا اور آزادی خرید لی تو آپؐ نے فرمایا:

"رَبِحَ الْبَیْعَ : (حضرت صہیبؓ نے اس سودے میں خوب نفع کمایا) ۔"

سورہ البقرہ کی آیت (۲۰۷) انہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو حطامِ دُنیا پر لات مار کر خداوندِ قدوس کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ

(اور انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اپنی جان تک) اللہ کی رضا جوئی میں بیچ ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کے حق میں بڑا شفیق ہے۔

حضرت خبابؓ بن الارت بھی شمعِ رسالت کے ان پروانوں میں سے تھے جنھوں نے اوہیت بزرگ و برتر کی وحدانیت اور رسالتمآبؐ کے ناموس کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا یہ اصحابِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بے قرار جذبہ تھا، سکون ناپذیر خلش تھی اور نہ مٹنے والی تڑپ تھی جس نے ایوانِ شرک میں ہلچل مچا دی۔ اگر وہ ہر "دو جہاں" سے "غنی" نہ ہوتے اور ان کا دل دُنیا کی آلائشوں سے "بے نیاز" نہ ہوتا تو وہ غالب و کار آفریں، کارکشا و کارساز"

Marfat.com

یونکر بنتے ہے

ثباتِ زندگی ایمانِ محکم سے ہے دُنیا میں

یہ مردِ غازی ان محبت آشناؤں میں سے تھا جنھیں نہ صرف پیٹ کی مار دی گئی بلکہ اسے دھکتے ہوتے انگاروں پر چیت لٹایا گیا اور ایک بھاری بھرکم شخص کو آپ کے سینے پر کھڑا کر دیا جاتا یہاں تک پُشت کی چربی پگھلنے سے آگ ٹھنڈی ہو جاتی۔ ایک مرتبہ حضرت خبابؓ نے رحمتِ دوجہاں سے عرض کیا:

"یارسولؐ اللہ! اب تو ظلم کی حد ہو گئی۔ آپؐ ہمارے لیے دُعا فرمائیں کہ یہ نحوست کے بادل چھٹ جائیں۔ اور حقیقت اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ نمودار ہو جائے۔"

حضرت خبابؓ کے یہ الفاظ سُن کر محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا چہرہ مبارک تمتما اٹھا اور فرمایا:

"تم سے پہلے جو اہلِ ایمان گزرے ہیں، ان پر اس سے زیادہ سختیاں کی گئیں۔ ان میں سے کسی کو گڑھا کھود کر بٹھایا گیا اور اس کے سر پر آرا چلا کر اس کے دو ٹکڑے کر دیتے گئے، کسی کے جوڑوں پر لوہے کے کنگھے گھسے جاتے تھے تاکہ وہ ایمان سے باز آجاتے۔ (لیکن ان تمام مصائب کے باوجود) وہ لوگ اپنے دین سے نہ پھرتے۔ یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو پورا کر کے رہے گا اور تم جلد دیکھو گے کہ ایک شخص صنعاء سے حضر موت تک بے کھٹکے سفر کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہ ہو گا۔"[۱]

اِس پُر آشوب دَور میں جبکہ اللہ کا نام لینا ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کا اقرار کرنا اور بُتوں سے بیزاری کا اظہار کرنا ایک ایسا گناہ سمجھا جاتا تھا جس کی سزا محض ناراضی یا برادری سے اخراج نہ تھی بلکہ ایسا کرنے والوں کو آتشی بُرج میں جھونک دیا جاتا تھا، ہزاروں تماشائیوں کی موجودگی میں مقتل میں لاکھڑا کیا جاتا تھا اور ایسے زہرہ گداز آلام و مصائب میں مبتلا کیا جاتا تھا کہ سزا دینے والے خود اپنے ظلم پر شرمسار ہونے لگتے، نیک رُوحیں اور سعید فطرتیں اسلام قبول کرنے میں باک محسوس نہ کرتیں۔ ہم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت امیر حمزہؓ کے اسلام قبول کرنے سے متعلق واقعات بیان کر آتے ہیں۔ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند اور بزرگوں کی جرأت و ہمت کی داستان

Marfat.com

دُہراتی جاتے جنھوں نے طاغوتی طاقتوں کی قہرمانی قوت کے باوجود اس خدائے لایزال و لم یزل کی چوکھٹ پر سر جھکا دیا جو تمام کائنات کا خالق ہے اور انس وجاں کا مالک ہے۔

حضرت عثمانؓ بن عفان کا اسلام قبول کرنا

حضرت عثمانؓ کی خالہ (سعدیٰ) کہانت میں ید طولیٰ رکھتی تھیں۔ ایک بار جب وہ گھر تشریف لائے تو ان کی خالہ نے وہ اشعار گنگنائے جن کا ایک مصرعہ بہت مشہور ہے ع

لَقِيْتَ خَيْرًا وَوُقِيْتَ شَرًّا (تجھے بھلائی ملی اور تو شر سے محفوظ رہا)

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ میں یہ اشعار سُن کر بے حد متعجب ہوا اور پوچھا کہ خالہ کیا کہتی ہو؟ کیا آج کسی نئے جن سے ملاقات ہوئی ہے یا آسمان سے خبروں کا نزول ہو رہا ہے؟ سعدیٰ کہنے لگی:

هٰذَا نَبِيٌّ مَعَهُ الْبُرْهَانُ — أَرْسَلَهُ بِحَقِّهِ الدَّيَّانُ
وَجَاءَهُ التَّنْزِيْلُ وَالْفُرْقَانُ — فَاتَّبِعْهُ لَا تَغْتَالُكَ الْأَوْثَانُ

(یہ نبی محترم ہیں جو دلائل و براہین لے کر آئے ہیں۔ رب العزت نے انھیں حق دے کر بھیجا ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا کلام (جو حق و باطل میں تفریق کرتا ہے) نازل ہوتا ہے۔ تو انہی کا اتباع کر ایسا نہ ہو کہ بُت تجھے گمراہ کر دیں۔)

حضرت عثمانؓ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ سعدیٰ تو یہ کہہ کر چل دیں لیکن حضرت عثمانؓ سخت پریشان تھے کہ کیا کیا جائے۔ وہ سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور تمام ماجرا کہہ سُنایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بُتوں کے گونگے اور بہرے ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ان کی توجہ اس سمیع و بصیر کی طرف دلائی جو مالک و مختار ہے، روزی رساں ہے اور کارساز ہے۔

مارگولیس نے حضرت عثمانؓ کے اسلام لانے کے واقعہ کو جس بھونڈے طریقے سے بیان کیا ہے وہ اس کی علمی خیانت اور مذہبی تعصب کا وافر ثبوت مہیا کرتا ہے۔ [۲۸] مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کی خالہ کی گفتگو اور حضرت ابوبکرؓ کے دلائل نے انھیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ وہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر قرآنِ مجید کو سُنیں اور اس کے مطالب پر غور کریں۔ اگر پسند آئے تو قبول کر لیں ورنہ جانے دیں۔

Marfat.com

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ محبوبِ داورِ محشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ادھر سے گزر ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ آپ کو دیکھ کر بے تابانہ باہر نکلے اور آہستہ سے گوشِ مبارک میں کچھ عرض کیا۔ آنحضورؐ اندر تشریف لائے اور حضرت عثمانؓ کو اسلام کی دعوت دی۔ آپؐ کے الفاظ حضرت عثمانؓ کے دل میں اُتر گئے۔ ان کا کہنا ہے:

"خدا کی قسم! آپؐ کا کلام سنتے ہی میں ایسا بے خود ہوا کہ فوراً اسلام لے آیا۔ یہ کلمات میری زبان پر جاری تھے: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۔

ابھی زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ حضرت رقیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)، نورِ چشم رحمۃ للعالمین، حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آئیں۔ تمام صحابہ کبارؓ نے اس ازدواج و اقتران کو بے حد پسند کیا۔ سعدیٰ کو پتہ چلا تو اس نے اس موقعہ کی مناسبت سے بہت سے خوبصورت اشعار کہے ہیں۔ ایک دو یہ ہیں:

؎ وَاَنْكَحَهُ الْمَبْعُوْثُ اِحْدٰى بَنَاتِهٖ ۔۔۔ فَكَانَ كَبَدْرٍ مَازَجَ الشَّمْسَ فِي الْاُفُقِ

(اس پیغمبر برحق نے اپنی ایک صاحبزادی اس کے نکاح میں دی۔ شمس و بدر کا یہ اجتماع قِران السعدین تھا)

فِدًى لَكَ يَا ابْنَ الْهَاشِمِيِّيْنَ مُهْجَتِيْ ۔۔۔ فَاَنْتَ اَمِيْنُ اللّٰهِ اُرْسِلْتَ لِلْخَلْقِ

(اے ہاشم کے بیٹے (صلی اللہ علیہ وسلم) میری جان آپؐ پر فدا ہو۔ آپؐ اللہ کے امین ہیں اور بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے ہیں)

حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت ابوسلمہؓ بن الاسد ایسے حضرات اس کے بعد حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے۔ ابنِ سعد کا خیال ہے کہ یہ سلیم الفطرت اصحاب دارِ ارقم میں پناہ گزیں ہونے سے پہلے اسلام لاتے تھے۔

حضرت ابوذرؓ کا قبولِ اسلام

اس سلسلہ میں حضرت ابوذر غفاری کا ذکر خاص اہمیت کا حامل ہے۔ حضرت ابوذرؓ کو جب ختمی مرتبت کی بعثت کا پتہ چلا تو انھوں نے اپنے بھائی اُنیس سے کہا کہ تم مکّہ جا کر حقیقتِ حال

Marfat.com

کا پتہ لگاؤ۔ اس آدمی کے بارے میں پتہ کرو جو نبوت کا دعویٰ کیے ہوتے ہے؟ وہ کس گھرانے سے تعلق رکھتا ہے؟ اس کے پاس اپنے نبی ہونے کے کیا دلائل ہیں؟ اگر ممکن ہو تو اس کی گفتگو سُننا تاکہ اس کے کلام کے محاسن اور معائب کا؛ اس کے اسلوبِ بیان اور اندازِ فکر کا؛ اس کی سوجھ اور پختگی کا علم ہو سکے۔ اُنیس مکہ آئے، لوگوں کی باتیں سُنیں۔ وہ آپؐ کو شاعر سے لے کر ساحر تک اور کاہن سے لے کر مجنوں تک (نعوذباللہ) سبھی کچھ بتاتے تھے۔ لیکن جب اُنیس آنحضورؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملے، ان کے پاس کچھ وقت کے لیے بیٹھے اور ان کا کلام سُنا تو پتہ چلا کہ وہ شاعر تھے نہ ساحر؛ مجنوں تھے نہ کاہن۔ وہ صادق تھے اور صداقت کا پیکر؛ حقیقت پسند تھے اور حقیقتِ اولیٰ کے شناسا۔ اُن کے ہاں جدتِ گفتار بھی تھی اور ندرتِ عمل بھی۔ وہ اپنے خیالات کے زندان میں محبوس نہ تھے بلکہ وہ "نبی برحق" تھے جن کی نگاہ نے دُنیاتے افکار میں، جو جمود اور تعطل سے عبارت تھی، ایک زلزلہ پیدا کر دیا۔ اُنیس نے واپس جاکر اطلاع دی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"مکارمِ اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں؛ خیر اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں؛ شر اور بُرائی سے منع کرتے ہیں اور ایسا کلام پیش کرتے ہیں جس کو شعر سے کوئی تعلق نہیں"۔ [۱۶]

حضرت ابوذرؓ غفاری ان "مخبرات" سے چنداں مطمئن نہ ہوتے۔ ایک دن وہ خود مکہ کے لیے روانہ ہوتے اور وہاں پہنچ کر لگے آپؐ کو تلاش کرنے، مگر چونکہ آپؐ کو پہچانتے نہ تھے اور نہ ہی کسی سے آپؐ کے بارے میں پوچھنا چاہتے تھے، اس لیے کئی دنوں تک آپؐ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ ایک دن حضرت علیؓ نے ان کو دیکھا کہ ایک اجنبی مسافر کھویا کھویا سا رہتا ہے۔ وہ اپنا حال کہتا ہے نہ اپنا مقصد بیان کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے ہمت کرکے ان سے پوچھ ہی لیا کہ کیسے آنا ہوا؟ انھوں نے کہا کہ اگر تم وعدہ کرو کہ مجھے میری منزل تک پہنچا دو گے تو عرضِ مدعا کے لیے تیار ہوں۔ حضرت علیؓ نے انھیں یقین دلایا کہ وہ ان پر بھروسہ کر سکتا ہے۔ بہرحال ابوذرؓ غفاری حضرت علیؓ کے توسط سے بارگاہِ رسالت میں پہنچے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام سُنا اور اسی وقت متاعِ ایمان و آگہی سے بہرہ یاب ہوتے۔ آپؐ نے فرمایا:

"اب تم اپنی قوم میں واپس چلے جاؤ اور لوگوں کو دینِ حنیف سے آگاہ کرتے رہو

Marfat.com

یہاں تک کہ تمھیں میرے حال کی اطلاع ملے۔"

حضرت ابوذرؓ غفاری جب تک اسلام نہیں لاتے تھے، مکہ میں چھپتے پھرتے تھے لیکن جب یہ دولتِ ایماں ان کے ہاتھ آگئی تو وہ اس کا اظہار کیے بغیر مدینہ واپس جانا پسند نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا:

"قسم ہے اس خدا کی جس نے آپؐ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، مَیں اس وقت تک مکہ سے نہیں نکلوں گا۔ جب تک اہلِ مکہ کے درمیان حق کا اظہار نہ کر لوں۔" ؎

چنانچہ وہ سیدھے خانہ کعبہ پہنچے اور زائرین کے ہجوم میں پکار کر کہا:

"اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ"

یہ سنتے ہی لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور انھیں اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اسی اثنا میں حضرت عباسؓ حرمِ پاک میں تشریف لے آئے۔ دیکھا تو خاندانِ غفّار کا ایک فردِ وحید گرا پڑا ہے۔ فرمانے لگے: پتھر پڑیں تمھاری عقل پہ۔ انھیں کچھ علم ہے کہ یہ شخص جس کا تم نے پٹڑا کر دیا ہے، بنی غفار میں سے ہے۔ جو تمھارے شام کے تجارتی راستے پر آباد ہیں۔ لوگوں نے یہ سن کر انھیں چھوڑ دیا۔ لیکن اگلے روز وہ پھر حرم پاک میں داخل ہوئے اور بلند آواز میں کلمۂ شہادت کہہ سنایا۔ مشرکین مکہ نے پھر انھیں دھر لیا۔ اور خوب زدوکوب کیا۔

مدینہ منورہ روانہ ہونے سے پہلے وہ "مشکلاتِ لاالٰہ" کا مزا چکھ چکے تھے اور "راہروِ راہِ محبت" کو جن "سخت مقامات" سے گزرنا پڑتا ہے، ان سے بھی آگاہ ہو چکے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک مدت سے بتوں سے بیزار تھے، بُرے کاموں سے متنفر تھے اور احسن الخالقین کی جستجو میں سرگرداں تھے۔ حضرت ابوذرؓ غفاری اس قبیلے کے فرد تھے جو ڈاکہ ڈالنے میں جری اور نڈر تھا۔ آپ خود بھی لوٹ کھسوٹ اور سلب و نہب میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ لیکن چند سالوں سے طبیعت میں گداز پیدا ہو گیا تھا۔ اور دل اس خالقِ انس و جاں کی طرف مائل تھا جو سیدھی راہ دکھانے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔

مسندِ احمد بن حنبل میں کچھ اور تفصیلات ملتی ہیں جو قابلِ اعتنا بھی ہیں اور مفید بھی۔ حضرت ابوذرؓ کی جب محبوبِ داورِ حشرؐ سے ملاقات ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: یہاں کب سے ہو؟

Marfat.com

عرض کیا: تیس شب و روز سے۔ آپؐ نے پوچھا: کھانے کا کیا بندوبست تھا؟ عرض کیا: زمزم کے سوا میری کوئی غذا نہ تھی۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ پہلے سے کچھ موٹا ہو گیا ہوں۔ آنحضورؐ نے فرمایا: وہ برکت والا پانی ہے اور پانی ہی نہیں غذا بھی ہے۔ اسی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وہ سرزمین دکھادی گئی تھی جہاں وہ ہجرت کر کے جا رہے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

"تم میرا پیغام اپنی قوم کو پہنچا دو۔ شاید کہ ان کو اس سے فائدہ پہنچے اور تمھیں اس کا اجر ملے گا۔"

اس گفتگو کے بعد حضرت ابوذرؓ غفاری اپنی والدہ اور بھائی کے پاس واپس آئے جنھیں وہ مکہ کے باہر ٹھہرا آئے تھے۔ آپ کے کہنے پر والدہ اور بھائی دونوں اسلام لے آئے اور یہ کُنبہ شاداں و فرحاں مدینہ واپس پہنچا۔ چنانچہ آنحضورؐ کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے قبیلۂ غِفار کے بہت سے مرد و زن حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو)

عَمرو بن عَبَسہؓ سُلَمی کا اسلام لانا

یہ مردِ باصفا بھی ان لوگوں میں سے تھا جو زمانہ جاہلیت میں بُتوں سے بیزار اور رسومِ جاہلی سے اُکتائے ہوئے تھے۔ انھیں جب آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کا پتہ چلا تو وہ مکہ آئے۔ انھوں نے دیکھا کہ قوم آپ کے معاملے میں دو حصّوں میں تقسیم ہے۔ لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جو آپؐ کو برحق تسلیم کرتے ہیں اور وہ بھی ہیں جو شش و پنج میں پڑے ہیں۔ عمرو بن عَبَسہؓ نے ختمی مرتبتؐ سے پوچھا: آپؐ کس چیز کی تعلیم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا:

"خداوندِ قدوس کو ایک مانا جائے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور صلہ رحمی کی جائے۔"

حضرت عمرو فوراً اسلام لے آئے۔ اور عرض کیا میں آپؐ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں آپؐ نے فرمایا: اس زمانے میں ایسا کرنا تمھارے لیے ممکن نہیں۔ جب تمھیں پتہ چلے کہ

Marfat.com

میں ظاہر ہو گیا ہوں تو مجھ سے آملنا۔ حضرت عمرو بن عبسہؓ اپنے قبیلے والوں کے پاس چلے گئے اور انھیں اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔

حضرت ضماد بن ثعلبہ الازدیؓ کا قبولِ اسلام

عرب کے میلوں میں جس دُکان پر سب سے زیادہ بھیڑ ہوتی وہ ضماد الازدی کی تھی جو ازدِ شنوآہ میں سے تھے اور حکمت اور جھاڑ پھونک کا کام کرتے تھے۔ ہزاروں لوگ ان کے پاس اختناق اور اختلاج کا علاج کرانے آتے۔ نوجوان لڑکیاں دفعیہ سحر کے لیے آتیں۔ ایک مرتبہ جب وہ مکہ آئے تو یہاں کے چوہدریوں نے انھیں بتایا کہ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم)، جو اُن کے دوست بھی تھے، (نعوذ باللہ) مجنون ہو گئے ہیں۔ ضماد الازدی فوراً آپ کے پاس پہنچے اور لگے بیماری کے اسباب و علامات کا کھوج لگانے۔ نبی رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: کونسی بیماری اور کیسی علامات؟ حضرت ضمادؓ نے عرض کیا: مُشرکین تو یہ کہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

"وہ کیا کچھ نہیں کہتے؟ خُدائے واحد کے ساتھ دیویوں کو شریک بنانا کہاں کا انصاف ہے؟ کفر و معصیت اور فسق و فجور پر اَڑے رہنا کہاں کی عقل مندی ہے؟ رسالت کا انکار، جس کے وہ خود خواہش مند تھے، کہاں کی دانائی ہے؟ میری زندگی کا ایک ایک لمحہ ان کے سامنے روزِ روشن کی طرح واضح ہے لیکن اِس کے باوجود وہ مجھے شاعر کہتے ہیں اور ساحر؛ مجنوں بتاتے ہیں اور کاہن۔ آخر ایسی کونسی علامات انھوں نے مجھ میں ڈھونڈھ نکالی ہیں جو ان کمزوریوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں؟

کیا انھوں نے اس پیغام کو جھٹلا نہیں دیا جو میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس لے کر آیا ہوں؟ کیا میرا ماضی اس قسم کے کذب و افترا کا متحمل ہو سکتا ہے؟ کیا دعوائے نبوت سے ایک دن پہلے بھی کبھی تم نے میری زبان سے اس طرز کا کلام، اور ان مضامین و مقاصد پر مشتمل کلام سُنا تھا؟ یقیناً نہیں۔ کیا اس سے

Marfat.com

بڑا لغو اور بے سروپا الزام کوئی اور ہو سکتا ہے کہ وہ کہیں کہ میں نے قرآن مجید
کو خود تصنیف کر کے جھوٹ موٹ احسن الخالقین کی طرف منسوب کر دیا ہے ؟ ۲۳

حضرت ضمادؓ الازدی ، بہوت بیٹھے ، سرورِ دنیا و دین کے خیالات سنتے رہے ۔ یہ الفاظ حقیقت کے ترجمان تھے اور ترجمانِ حقیقت کی زبانِ مبارک سے ادا ہو رہے تھے ۔ حضرت ضمادؓ نے عرض کیا ۔ وہ کلام مجھے بھی تو سنائیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چند آیاتِ مبارکہ تلاوت فرمائیں ۔ قرآنِ مجید کا سننا تھا کہ ضمادؓ سناٹے میں آ گئے اور عرض کیا : مجھے اسلام کی حقیقت سے آگاہ کیجئے ۔ اس طرح حضرت ضمادؓ الازدی اسلام کی برکات سے بہرہ مند ہوتے ۔

Marfat.com

تعلیقات (باب نہم)

۱۔ السیرۃ النبویہؐ ۔ ابن ہشام ۔ ج ۱۔ص ۳۲۰ تا ۳۲۱؛ رُوحِ اسلام ۔ سیّدامیر علی ۔ص ۱۰۵

۲۔ الاصابہ ۔ ابنِ حجر۔ تذکرہ حضرت اُمّ الخیر رضی اللہ عنہا ؛ حیاتِ محمدؐ ۔ سر ولیم میور، ج ۲، ص ۱۳۰

۳۔ السیرۃ النبویہؐ ۔ ابنِ ہشام ۔ ج ۱، ص ۳۳۶

۴۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ج ۱، ص ۳۱۹ ؛ رُوحِ اسلام، سیّدامیر علی، ص ۱۰۶

۵۔ شرحِ مواہب ، علامہ زرقانی ، ج ۱، ص ۲۶۹ ؛ السیرۃ النبویہؐ ۔ ابنِ ہشام ۔ ج ۱، ص ۳۲۰ ۔

۶۔ السیرۃ النبویہؐ ۔ ابن ہشام ، ص ۳۲۰

۷۔ قرآنِ مجید ۔ سورہ اللیل ۹۲ : ۱۸-۲۰

(الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰىۚ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤىۙ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰىۚ)

۸۔ الطبقات الکبریٰ ۔ ابنِ سعد، ج ۳، ص ۱۷۶ ؛ رُوحِ اسلام ۔ سیّدامیر علی، ص ۱۰۶

۹۔ حضرت سمیہؓ وہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے اپنے مقصد کی لگن میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔

فتح الباری، ج ۷، ص ۷۱ میں آتا ہے کہ جب ابوجہل جنگِ بدر میں مارا گیا تو رسُولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت عمارؓ کو فرمایا : "اللہ تعالیٰ نے تیری ماں کے قاتل کو ہلاک کر دیا۔"

Marfat.com

۱۰۔ الاصابہ ، ابن حجرؒ۔ ج ۲، ص ۵۱۲

۱۱۔ السیرۃ النبویۂ۔ ابن ہشام ، ج ۲، ص ۷۷،۴

۱۲۔ السیرۃ النبویۂ ۔ ابن ہشام ، ج ۱، ص ۳۵۷

۱۳۔ الصحیح البخاری ۔علامہ بخاری ، کتاب المناقب عن خبابؓ بن الارتؓ

۱۴۔ محمدؐ - ڈیوڈ سیموئل مارگولیس ، ص ۹۷

۱۵۔ الاصابہ ، ابن حجرؒ ۔ ج ۱، ص ۳۲۷

۱۶۔ ایضاً ، ایضاً ۔ ج ۱، ص ۷۶، ج ۲، ص ۶۲ تذکرہ اُنیسؓ (حضرت ابو ذرؓ سے عمر میں بڑے تھے) و ابو ذرؓ

۱۷۔ الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد ۔ ج ، ص

۱۸۔ الاصابہ ، ابن حجرؒ ۔ ج ۴، ص ۲۱۰ ۔

Marfat.com

باب دہم

سفینۂ برگِ گُل جانب حبشہ روانہ ہوتا ہے

بعثت کے پہلے پانچ سالوں پر اگر نگاہ ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ دور انتہائی کشمکش کا تھا۔ کفارِ مکہ نے حسبِ مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے مشن سے باز رکھنے کیلئے ترغیب و تحریص سے بھی کام لیا اور تخویف و ترہیب سے بھی؛ حجت بازی کو بھی آزمایا اور دھونس اور دھاندلی کو بھی۔ لیکن جب یہ تمام حربے ناکام ہو گئے، تو وہ مرنے مارنے پر اُتر آئے۔ حق و صداقت کی آواز کو دبانے کے لیے لات و منات کے پجاریوں نے اپنی قوت اور زور زر کا بھرپور استعمال کیا۔ اربابِ اختیار اپنی مسندِ اقتدار کو بچانے کے لیے گردہ در گردہ صف آرا ہوئے۔ ملتِ کفر کی تمام بہیمانہ طاقتیں ایک نقطہ پر اس لیے مرتکز ہوتی نظر آتی ہیں کہ دینِ حق کے اُولُوالعزم داعیؐ کو، جو خدائے واحد کی حاکمیت اور اسی کے بنائے ہوئے قانون کی اطاعت پر زور دیتا ہے، حوالۂ دار و رسن کیا جائے یا پھر اسے شہر بدر کر دیا جائے۔ قرآن مجید نے سورۃ الانفال میں (آیت ۳۰) اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ	(اور اس واقعہ کا ذکر کیجئے) جب کہ
كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ	کافر آپ کی نسبت تدبیر سوچ رہے
اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ	تھے کہ آپ کو قید کریں یا آپ کو قتل
(۸ : ۳۰)	کریں یا آپ کو (وطن سے) نکال دیں

سورۃ الشعراء میں حضرت لوطؑ کے تذکرہ میں بھی اسی قسم کی سازش کا پتہ چلتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ	(وہ لوگ بولے کہ اے لوط اگر تم باز نہ
لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ○	آئے تو تم ضرور (یہاں سے) نکال دیئے
(۲۶ : ۱۶۷)	جاؤ گے،

Marfat.com

ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) انھیں علم و بصیرت، اور عقل و دانش کی دعوت دے رہے تھے لیکن مشرکین مکہ اسلاف پرستی پر جمے ہوتے تھے۔ آپؐ انھیں اپنے مزخرفات اور مخترعات کو چھوڑ کر احکامِ خداوندی کی پیروی کرنے، رسول کی اتباع کرنے اور اپنے بھائی بندوں کے ساتھ احسان کرنے کی دعوت دے رہے تھے لیکن وہ تھے کہ اپنے باپ دادا کی راہ پر بے دھڑک چلے جا رہے تھے۔ وہی راہ جو نہ صرف انھیں کھلی گمراہی کی طرف لے جا رہی تھی بلکہ شرک اور کثرت پرستی کی طرف دھکیل چکی تھی۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَـيْـــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝

(اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ نازل کیا ہے، اس کی طرف اور رسولؐ کی طرف آؤ تو کہتے ہیں کہ ہمارے لیے کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بزرگوں کو پایا ہے۔ حالانکہ ان کے بزرگ نہ تو کسی چیز کا علم رکھتے تھے اور نہ ہی ہدایت یاب ہوتے۔)

رؤسائے قریش تو محض اپنی انا کی خاطر مسلمانوں کے خلاف عوام کے جذبات کو مشتعل کیے ہوتے تھے۔ اس دورِ ابتلاء میں کیا ایک متنفس بھی ایسا تھا جس کے قدم ڈگمگاتے ہوں، جس کے جذبہ ایقان میں کمزوری واقع ہوتی ہو یا جس کے ارادوں میں تزلزل پیدا ہوا ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام مظالم، یہ جلادانہ بے رحمیاں، یہ عبرت خیز سفاکیاں ایک مسلمان کو بھی جادۂ حق سے نہ ہٹا سکیں۔ گاڈفری ہیگنز نے عیسائیوں کو مخاطب کرتے ہوتے کیا خوب کہا تھا:

"عیسائی اسی کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وہ درجۂ نشۂ دینی کا اپنے پیروکاروں میں پیدا کیا جس کو حضرت عیسیٰؑ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے . . . جب حضرت عیسیٰؑ کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے۔ ان کا نشۂ دینی جاتا رہا۔ اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجے میں گرفتار چھوڑ کر چل دیتے . . . برعکس اس کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیرو اپنے

Marfat.com

مظلوم پیغمبر کے گرد آتے اور آپؐ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپؐ کو غالب کیا۔" ؎

جب اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا کہ اسلام کا بیج مکہ کی سنگلاخ زمین میں جلدی جڑ نہیں پکڑ سکتا، تو آپؐ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ معاندین یہ سمجھتے ہیں کہ اِس ہجرت کا مقصد صرف کمزور اور نہتے مسلمانوں کو قریش مکہ کی زیادتیوں سے محفوظ کرنا تھا حالانکہ ہجرت کرنے والوں کی صف میں کوئی غلام نظر آتا ہے نہ کوئی خاک نشیں؛ کوئی بلالؓ حبشی ہے نہ کوئی صہیبؓ رومی۔ ان بے آسرا لوگوں کو تو ابھی تک مشرکینِ مکہ کی غلامی سے رستگاری بھی حاصل نہ ہوئی تھی۔ ہجرت کرنے والوں میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جو صاحبِ ثروت تھے، اثر و رسوخ کے مالک تھے اور اعیانِ قریش میں سے تھے۔ ہجرتِ حبشہ کا مقصد جہاں ان اصحابِ عزم و ہمت کے لیے محفوظ جگہ کی تلاش تھی وہاں اس کا مقصد اسلام کے حیات بخش پیغام کو ایک ایسی جگہ پہنچانا تھا جو اس کے قبول کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی تھی۔

یہ اصحابِ رسولؐ جب تک اسلام نہیں لائے تھے، مکے میں ہر قسم کی سہولتوں سے مستفید ہو رہے تھے۔ لیکن جب سے انھوں نے "معبودانِ باطل" سے روگردانی کر کے ایک خدائے بزرگ و برتر کے آستانۂ قدس پر سر جھکانا شروع کیا تھا، وہ ان تمام شہری حقوق سے محروم کر دیے گئے تھے جو انھیں اس سے پیشتر حاصل تھے۔ "اسلام" ہی درحقیقت وہ امتیازی نشان تھا جس نے ختمی مرتبتؐ پر ایمان لانے والوں کو "انکار کرنے والوں" سے جدا کر دیا۔ مسلمان اسی "دولتِ ایمان" کی حفاظت کے لیے اپنے وطن کو خیرباد کہتے ہوئے، دوسرے ملک کی طرف ہجرت کر کے جا رہے تھے جہاں ان کا کوئی مددگار تھا نہ غم گسار؛ ہمنوا تھا نہ کوئی بہی خواہ۔

حبشہ ایک ایسا ملک تھا جس کا بادشاہ عیسائی تھا۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ وہ عدل کو قائم کیے ہوئے تھا۔ وہاں کسی پر ظلم ہوتا تھا نہ کسی کے حقوق بلا وجہ غصب کیے جاتے تھے۔ محبوبِ داور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا تھا:

"اچھا ہو کہ تم لوگ حبشہ چلے جاؤ۔ وہ بھلائی کی سرزمین ہے (ھِیَ اَرْضُ صِدْقٍ) وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کی نگرانی میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ تم وہیں ٹھہرے

Marfat.com

رہنا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمھاری اِس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا کر دے۔" ~~~

"دعوتِ حق" کی راہیں بھی کتنی کٹھن اور پُر پیچ ہیں؟ ان میں ایسے مقامات کا آجانا، جب مسلمان اسبابِ ظاہری سے قطعِ تعلق کر کے خداوندِ تعالیٰ کی "رضا طلبی" کے لیے اور "نقدِ دین" کو رہزنوں کی نظروں سے بچانے کے لیے جان جوکھوں میں ڈالتا ہے، بعید از قیاس نہیں۔ سورۃ الزمر کی آیت (۱۰) مسلمانوں کو اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ جب کوئی جگہ (خواہ اپنا وطن ہی کیوں نہ ہو) کسی اعلیٰ نصب العین کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے تنگ ہو جائے، تو وہ کسی دوسری جگہ کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی زمین فراخ ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو زندگی کی طرف نیک رویہ اختیار کیے ہوتے ہیں، ہجرت میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔ سورۃ العنکبوت کی آیات (۵۶ - ۶۰) میں مسلمانوں کو ہجرت کے لیے آمادہ کرتے ہوئے، ارشاد ہوا ہے:

"اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو، میری زمین وسیع ہے۔ پس تم میری ہی پرستش کرو۔ ہر جاندار کو موت کا مزا چکھنا ہے۔ پھر تم سب ہماری طرف واپس لائے جاؤ گے۔ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ہم انھیں جنّت کی بلند و بالا عمارتوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی عمدہ اجر ہے عمل کرنے والوں کے لیے ـــ ان لوگوں کے لیے جنھوں نے صبر کیا ہے اور جو اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔ اللہ ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی اور وہ سب کچھ سُنتا اور جانتا ہے۔"

پہلی آیتِ مبارکہ میں یہ بات مسلمانوں کے ذہن نشین کرائی جا رہی ہے کہ ان کا مقصود "ایمان کا تحفظ" اور "خداوندِ علیم و قدیر کی بندگی" ہے نہ کہ "قوم و وطن کی محبت"۔ اگر کبھی ملک و وطن کے تقاضے "اقامتِ دین" کے تقاضوں سے ٹکرا جائیں، تو ایک سچے مسلمان کو چاہیے کہ وہ وطن کی محبت کو تج کر، ان علاقوں کی طرف ہجرت کر جائے جہاں خدا پرستی کے مواقع موجود ہوں۔ نئی جگہ سے متعلق خدشات ذہن میں خلجان کیوں پیدا کریں؟ اور ترکِ وطن میں رکاوٹ کیوں بنیں؟ یہ

Marfat.com

سہولتیں تو اسے ہر جگہ میسر آسکتی ہیں۔ سورۃ النساء میں یہ یقین دہانی کرا دی گئی ہے کہ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا کَثِیْرًا وَّ سَعَۃً جہاں تک مرغوباتِ زندگی کا تعلق ہے، یہ تو آنی جانی ہیں۔ جن چیزوں کی مفارقت آج شاق گزر رہی ہے، ان سے دُوری اور مہجوری ایک دن تو بہرحال ہونی ہی ہے اِس لیے اگر انسان اپنے قصد و اختیار سے انھیں چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہر طرح کی نعمتوں کا مستحق ہوگا۔

لہٰذا تمھارے لیے غور طلب مسئلہ یہ نہیں کہ اس دُنیا میں جان کیسے بچائی جائے اور مال و منال کی حفاظت کیونکر کی جائے بلکہ توجہ طلب مسئلہ یہ ہے کہ ایمان کیسے بچایا جائے اور خدا پرستی کے تقاضے کیسے پورے کیے جائیں۔ آخر کار تمھیں پلٹ کر ہماری طرف ہی آنا ہے" اگر دُنیا میں جان بچانے کے لیے ایمان کھو کر آئے تو اس کا نتیجہ خطرناک ہوگا اور ایمان بچانے کے لیے جان کھو کر آئے تو اس کا انجام کچھ دوسرا ہوگا۔ کیا جان پر قربان کیا ہوا ایمان پسند کرتے ہو یا ایمان پر قربان کی ہوئی جان؟"

'راہِ حق' میں ہجرت کرنے والوں کے لیے مادی آسائشوں اور نعمتوں کی قربانی کوئی نئی بات نہیں۔ قرآن حکیم کا استدلال یہ ہے کہ اگر تم دنیاوی نعمتوں سے محروم بھی رہ گئے اور (بقول بعض کے) سراسر ناکام بھی ہو گئے تو یقین رکھو کہ اس کی تلافی کر دی جائے گی۔ اور تمھیں ایک ایسی پاکیزہ اور بھرپور زندگی عطا کی جائے گی جس کا تصوّر دنیا داروں کے لیے مشکل ہے" ایسے لوگ جو اسبابِ دُنیوی سے قطع نظر کر کے محض اپنے رب کے بھروسے پر ایمان کی خاطر ہر خطرہ مول لینے اور ہر باطل طاقت سے ٹکرا جانے کے لیے تیار ہو گئے ہوں اور وقت آنے پر گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوتے ہوں، ایسے مومن اور صالح بندوں کا اجر اُن کے رب کے ہاں کبھی ضائع نہ ہوگا۔ وہ اس دُنیا میں بھی ان کی دستگیری فرمائے گا اور آخرت میں بھی ان کے عمل کا انھیں بہترین اجر دے گا۔"

پہلی ہجرتِ حبشہ کے مہاجرین

• ابنِ اسحٰق کے مطابق، اس ہجرت میں ۱۱ مردوں اور ۴ عورتوں نے حصّہ لیا۔ مشرکینِ مکّہ نے

Marfat.com

"ان" راہروانِ راہِ محبت" کا راستہ روکنا چاہا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوئے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ جب ان حضرات کی خبر مشہور ہوئی تو قریش کے سواروں نے ان کا تعاقب کیا مگر خوش قسمتی سے شُعَیبہ کی بندرگاہ پر ان کو بروقت حبشہ کے لیے کشتی مل گئی اور وہ گرفتار ہونے سے بچ گئے۔

مہاجرین کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ حضرت عثمانؓ بن عفان (بنی اُمیہ کے کھاتے پیتے تاجر اور احیا انسان)

۲۔ ان کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ (نورِ چشم رحمۃ للعالمین، آں امام اولین و آخرین)

۳۔ حضرت ابو حذیفہؓ بن عُتبہ بن ربیعہ (بنی عبدالشمس میں سے تھے اور سردارِ مکہ کے فرزند تھے)

۴۔ ان کی بیوی حضرت سہلہؓ بنت سُہیل بن عمرو۔ (بنی عامر بن لوئی میں سے تھیں)

۵۔ حضرت زبیرؓ بن العوام (آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پھوپھی زاد بھائی اور حضرت سیدہ خدیجہؓ کے بھتیجے تھے)

۶۔ حضرت مصعبؓ بن عُمیر (بنی عبدالدار کے خوبرو اور خوش جمال انسان)

۷۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف (بنی زہرہ کے فردِ فرید)

۸۔ حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالاسد (بنی مخزوم کے قدآور انسان)

۹۔ ان کی بیوی حضرت اُمِ سلمہؓ۔

۱۰۔ حضرت عثمان بن مظعون (اُم المومنین حضرت حفصہؓ کے ماموں)

۱۱۔ حضرت عامرؓ بن ربیعہ العنزی (بنی عدی کے بارسوخ انسان اور آلِ خطاب کے حلیف)

۱۲۔ ان کی بیوی حضرت لیلیٰؓ بنت ابی حثمہ

۱۳۔ حضرت ابو سبرہؓ (بنی عامر بن لوئی سے تھے۔ علامہ زرقانی کا خیال ہے کہ ان کی بیوی اُمِ کلثوم بھی ان کے شریکِ سفر تھیں)

۱۴۔ حضرت سُہیلؓ بن بیضا۔ (بنی الحارث بن فہر کے متمول اور باعزت شخص)

علامہ بیہقیؒ نے حضرت انسؓ کی روایت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان میں سب سے پہلے

Marfat.com

نکلنے والے حضرت عثمانؓ تھے۔ ختمی مرتبتؐ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ حضرت لوطؑ کے بعد حضرت عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنے گھر والوں (حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے ساتھ ہجرت کی ہے۔ اِن مہاجرین کو حبشہ میں جو سہولتیں میسر آئیں، وہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے مسلمانوں کو نہ تو مذہبی فرائض کی ادائیگی میں کوئی دشواری پیش آئی اور نہ ہی دنیاوی معاملات میں کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

قریش کو جب پتہ چلا کہ مسلمان حبشہ میں "بے شور و شغب" زندگی گزارنے لگ گئے ہیں تو انھوں نے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو قیمتی تحائف کے ساتھ شاہ نجاشی کے دربار میں روانہ کیا کہ مسلمانوں کو واپس لائیں تاکہ (وہ) اعدائے دین کے ہاتھوں اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا پائیں۔ یہ سفارت بڑے طمطراق سے حبشہ کی طرف روانہ ہوئی۔ وہاں پہنچ کر، قریش کے سفراء پہلے نجاشی کے امراءِ دربار سے ملے۔ انھیں بیش قیمت تحائف پیش کیے پھر انھیں مسلمانوں کے خلاف اُکسایا کہ یہ لوگ ایک نئے دین پر چل نکلے ہیں جو نہ ہمارے قومی مذہب سے مطابقت رکھتا ہے اور نہ ہی تمھارے مذہب سے ہم آہنگ ہے۔ دوسرے روز یہ سفارت نجاشی سے ملی اور اسے اپنی درخواست پیش کی۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بُلا کر پُوچھا کہ تم نے وہ کونسا نیا دین ایجاد کیا ہے جو ایک طرف عربوں کی روایات اور رسم و رواج سے مختلف ہے اور دوسری طرف (موجودہ) عیسائیت کے اصولوں سے متصادم ہے۔ نجاشی نے مسلمانوں کی بات سُن کر خاموشی اختیار کی اور سفارت کو ناکام واپس کر دیا۔

یہ ہجرت رجب، عام الفیل (۵ بعد بعثت) میں واقع ہوئی لیکن اسی سال شوال میں ایک ایسی خبر کی بنیاد پر جس میں کفارِ مکہ کا اسلام لے آنا غلط طور پر مشہور ہو گیا تھا، مہاجرین کو واپس آنا پڑا۔ ؎

ایک دن یوں ہوا کہ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) حرم پاک میں، جہاں قریش کی اہم شخصیتیں جمع تھیں، تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو خداوند قدوس نے آپؐ کی زبان مبارک پر سورہ النجم جاری کر دی۔ سورت کا آہنگ اس قدر مسحور کُن تھا کہ رؤسائے قریش اور ان کے حاشیہ بردار ایسے خاموش بیٹھے سُنتے رہے اور جب آپؐ نے سورت کے اختتام پر

Marfat.com

سجدہ کیا تو سب کے سب (مسلمان اور مشرکین) سجدہ میں گر گئے۔ تمام مفسرین اور اصحاب سیر اِس بات پر متفق ہیں کہ "یہ قرآنِ مجید کی پہلی سورت تھی جسے رسولِ برحق (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قریش کے ایک عظیم مجمع میں پڑھ کر سُنایا۔" آخر میں جب آپؐ نے سجدہ فرمایا تو تمام حاضرین آپؐ کے ساتھ سجدے میں جُھک گئے۔ مشرکین کے وہ بڑے بڑے عمائدین، جو قرآن مجید کا سُننا بھی گوارا نہ کرتے تھے، سجدہ کیے بغیر نہ رہ سکے۔ ابنِ سعد نے الطبقات الکبریٰ میں ولید بن مغیرہ اور اُحیحہ سعید بن العاص کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ دونوں حضرات اپنی کبر سنی کے سبب سجدہ تو بجا نہ لا سکے لیکن انھوں نے زمین سے مٹی اٹھا کر اپنی پیشانی پر لگالی اور کہا "ہمارے لیے بس یہی کافی ہے۔"

"حبشہ ہجرت کر جانے والوں کو اہلِ مکّہ کے اسلام لے آنے کی خبر ملی تو وہ مکّہ لوٹ آئے۔ جب مکّہ کے قریب پہنچے تو پتہ چلا کہ خبر غلط تھی۔ وہ مکّہ میں داخل نہیں ہوتے باہر ہی رُک گئے اور پھر چھپ چھپا کر مکّہ آئے یا کسی کی پناہ لے کر یہاں پہنچے۔" اس طرح مکّہ میں داخل ہونے والے مسلمانوں کی تعداد، ابنِ اسحٰق کے مطابق ۳۳ بنتی ہے۔ ۶

یہ خبر بدلتی ہوئی حبشہ میں اس طرح پہنچی کہ مشرکینِ قریش مسلمان ہو گئے ہیں۔ مگر اصل صورتِ حال مختلف تھی۔ لہٰذا مہاجرین کی ایک معقول تعداد خوشی کے شادیانے بجاتی مکّہ واپس لوٹ آئی۔ لیکن جب انھوں نے محسوس کیا کہ حالات پہلے کی نسبت زیادہ مخدوش ہیں اور قریشِ مکّہ کے مسلمانوں کی طرف رویّے میں نرمی کی توقع بے سود ہے، تو اُن میں سے بعض واپس لوٹ گئے اور بعض ہجرتِ مدینہ تک یہیں ٹھہرے رہے۔

مشرکینِ مکّہ قرآنِ مجید کے حُسن سے متاثر ہو کر سجدہ تو کر بیٹھے لیکن ان کے پاس اس کا کیا جواز تھا؟ وہ اپنے پیروؤں کو کیسے سمجھائیں کہ ان سے ایک ناقابلِ معافی لغزش ہوئی ہے لوگوں نے انھیں طعن و تشنیع کا ہدف بنایا تو انھوں نے بہانہ تراشا کہ ہم نے تو أَفَرَءَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ـــ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ کے بعد آنحضورؐ کی زبان سے یہ الفاظ سُنے تھے کہ تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلَىٰ وَإِنَّ ـــ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجَىٰ (یہ بلند پایہ دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت ضرور متوقع ہے) اس لیے ہم نے سمجھا کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم)

Marfat.com

ہمارے طریقے پر آگئے ہیں۔ اس لیے ہم نے ان کے ساتھ سورت کے اختتام پر سجدہ کر لیا۔ ؂ حالانکہ کوئی پاگل آدمی ہی یہ سوچ سکتا تھا کہ سورہ نجم کے اس سیاق و سباق (Context) میں ان فقرات کی بھی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے جو اُن کا دعویٰ تھا کہ ان کے کانوں نے حضور کی زبانِ مبارک سے سُنے ہیں۔

قصہ غرانیق کی پوری حقیقت صفحہ ۱۴۸ تا ۱۶۲ ضمیمے کی صورت میں پیش کر دی گئی ہے تاکہ پڑھنے والے حضرات کو واقعہ کے سمجھنے میں مدد مل سکے۔

علامہ بلاذری نے تفصیل سے ان مہاجرین کے نام گنوائے ہیں جنھوں نے قریش کے سرداروں میں سے بعض کی پناہ حاصل کی تھی، مثلاً

حضرت عثمانؓ بن عفان نے ابواُحیحہ سعید بن العاص کی پناہ طلب کی ؛

حضرت ابوحذیفہؓ بن عُتبہ بن ربیعہ نے اُمیہ بن خلف " " " ؛

حضرت زبیرؓ بن العوّام نے زَمعہ بن الاسود " " " ؛

حضرت مُصعب بن عُمیرؓ نے ابوعزیز بن عُمیر " " " ؛

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اسود بن عبدیغوث " " " ؛

اور حضرت ابوسبرہؓ (بن ابی رُھم) نے اخنس بن شریق کی پناہ طلب کی۔

ابن اسحٰق کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ بن مظعون نے ولید بن مغیرہ کی پناہ لی تھی لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ دوسرے مسلمانوں کو بلاوجہ رگیدا جارہا ہے اور وہ ولید کی پناہ میں پُرسکون دن گزار رہے ہیں، تو انھیں اس پر سخت ندامت ہوئی۔ ایک دن وہ ولید کے پاس پہنچے اور کہا :

مَیں تمھاری پناہ تمھیں واپس لوٹانے آیا ہوں۔

ولید : کیا تمھیں میری پناہ میں کوئی خطرہ محسوس ہوا ہے؟ کیا کسی نے تمھارے ساتھ بُرا سلوک کیا ہے؟ آخر پناہ لوٹانے کی وجہ؟

اگر میری پناہ لوٹاتی ہے تو حرم پاک میں چل کر اسی طرح میری پناہ سے برأت کا اظہار کر جس طرح مَیں نے تمھیں پناہ دیتے ہوئے اعلان کیا تھا۔

Marfat.com

حضرت عثمانؓ بطیبِ خاطر تیار ہوئے اور حرم میں پہنچ کر حاضرین کے سامنے یہ اعلان کیا:

میں نے ولید کی پناہ کو ایک شریف اور وفادار آدمی کی پناہ پایا ہے۔ مگر میں اب اللہ کے سوا کسی کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتا۔ اس لیے اس کی پناہ میں اسے واپس کر دینا چاہتا ہوں۔ [9]

بعض اصحابِ سِیَر نے حضرت عثمانؓ بن عفان اور ان کی زوجۂ محترمہ حضرت رقیہؓ اور حضرت ابو حذیفہؓ اور ان کی بیوی حضرت سہلہؓ بنت سُہیل بن عمرو کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ مدینہ کی طرف ہجرت تک مکہ ہی میں ٹھہرے رہے، لیکن یہ بیان درست نہیں۔ ابنِ اسحٰق نے ان دونوں حضرات (رضی اللہ عنہما) اور ان کی بیگمات (رضی اللہ عنہما) کا دوسری ہجرت میں شریک ہونا جزم کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ اصحاب عزمِ ہجرت الی المدینہ سے پہلے مکہ تشریف لائے اور پھر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

(۲)

دوسری ہجرتِ حبشہ

مشرکینِ مکہ ابھی پہلی ہجرت کے اثرات سے سنبھلنے نہ پاتے تھے کہ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ کفارِ مکہ نے لوگوں کو اس "ہجرتِ مکانی" سے روکنے کی پوری کوشش کی لیکن مسلمانوں کی اس "شعوری کوشش" کے سامنے بند باندھنے میں وہ بُری طرح ناکام رہے۔ اس موقع پر ۸۳ مردوں اور ۱۸ یا ۱۹ عورتوں نے حبش کی راہ لی۔ عورتوں میں ۱۱ قریشی اور ۷ غیر قریشی خواتین شامل تھیں۔ ان مہاجرین میں حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کا نام بھی لیا گیا ہے۔ قرینِ قیاس بات یہ ہے کہ مکہ سے نہیں بلکہ یمن سے روانہ ہوئے تھے۔ ان کی کشتی ہواؤں کے زیرِ اثر حبش کے ساحل پر جا لگی جہاں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور حضرت عثمانؓ بن عفان ایسے یگانۂ روزگار پہلے سے موجود تھے۔ ابنِ سعد نے حضرت ابو موسیٰ اشعری

Marfat.com

کا قول نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ پچاس سے زائد آدمیوں کے ساتھ گھر سے روانہ ہوئے تھے کہ کشتی نے انھیں حبش کے ساحل پر ڈال دیا۔ جب انھیں حضرت جعفرؓ کی آمد کا پتہ چلا تو وہ ان مسلمانوں کے ساتھ مل گئے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اپنا گھر بار چھوڑ یہاں چلے آئے تھے۔ یہ ۶ سنہ بعد بعثت کے آغاز کا واقعہ ہے۔

اِس ہجرت کی اہمیت کا پورا اندازہ مہاجرین کی اس فہرست سے ہوتا ہے جسے ابنِ اسحٰق نے تیار کیا ہے۔ یہ بات پیشِ نظر رہے کہ پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی معاملہ ان لوگوں کا نہ تھا جو بے یار و مددگار تھے، بے کس و بے نوا تھے بلکہ معاملہ قریش کے ان جگر گوشوں کا تھا جنھوں نے اپنا قومی مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین اپنا لیا تھا جو زندگی کے تمام شعبوں کی رہنمائی اور ان کی تعمیر و ترقی کا ذمہ دار تھا۔ فہرست پر نظر ڈالنے سے پتہ چلے گا کہ یہ لوگ کن گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے اور معاشرے میں کس حیثیت کے مالک تھے۔

حضرت اُمِّ حبیبہؓ، جو اموی خاندان کے رئیس اور قریش کے وزیرِ دفاع ابوسفیان کی بیٹی اور عبیداللہ بن جحش کی بیوی تھیں، کی ہجرت پر کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اشکبار نہ ہو؛

حضرت ابوحذیفہؓ، جو قریش کے مسلّم سردار عُتبہ بن ربیعہ کے بیٹے تھے، کی ہجرت پر کوئی دل ایسا نہ تھا جو فگار نہ ہو؛

حضرت فراسؓ بن نضر بن حارث، جو جاہلی تمدن و ثقافت کے سب سے بڑے علمبردار نضر بن حارث کے دل بند تھے، کے بچھڑ جانے پر کوئی چہرہ ایسا نہ تھا جس پر مہتاب چھپا نہ ہو؛

حضرت سلمہؓ بن ہشام بن مُغیرہ، جو وادی کے سردار ابوجہل کے بھائی تھے، کی حبش کے لیے روانگی پر کوئی جگر ایسا نہ تھا جو پاش پاش نہ ہُوا ہو؛

حضرت عثمانؓ بن مظعون، جو حضرت عمرؓ کے برادرِ نسبتی تھے، ان کے بیٹے حضرت سائب بن عثمانؓ اور ان کے بھائی حضرت قدامہؓ بن مظعون اور ان کے دوسرے بھائی حضرت عبداللہ بن مظعون، کی مفارقت پر بنی مخزوم کا کوئی فرد ایسا نہ تھا جو محزون و ملول نہ ہوا ہو؛

حضرت خُنیسؓ بن حُذافہ، جو حضرت عمرؓ کے داماد اور حضرت حفصہؓ اُمّ المومنین کے پہلے شوہر تھے۔

(اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

Marfat.com

حضرت ابوسبرہؓ بن ابی رُہم، جو ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پھوپھی کے بیٹے تھے، اور ان کی بیوی حضرت اُمّ کلثوم، جو سُہیل بن عمرو، قریش کے امیر، سفیر اور خطیب کی صاحبزادی تھیں، کی ہجرت پر کوئی دل ایسا نہ تھا جو اضطراب سے بے قابو نہ ہوا ہو اور کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو ڈبڈبائی نہ ہو۔ دیکھا آپ نے یہ وفا شعار لوگ کن گھرانوں کے چشم و چراغ تھے؟ ہجرت کے موقع پر ان گھرانوں پر کیا گزری ہو گی؛ کتنے دل ہیں جو ویران ہوتے ہوں گے اور کتنی آنکھیں ہیں جو بے نور ہوتی ہوں گی۔ کتنے ارادے متزلزل ہوتے ہوں گے۔ اور دل نے کہا ہو گا کہ انھیں تھام لو جانے نہ دو۔

اس قافلے میں کسی کا بیٹا تھا تو کسی کی بیٹی؛ کسی کا بھائی تھا تو کسی کی بہن؛ کسی کا خاوند تھا تو کسی کا داماد۔ رؤسائے قریش اور دشمنانِ دین کے اپنے جگر گوشے ان سے کٹ کٹ کر اللہ کی طرف ہجرت کر کے جا رہے تھے۔ قریش نے شاہِ حبشہ کے پاس بے پناہ دولت خرچ کر کے اپنے بہترین اور منجھے ہوئے سُفراء کو قیمتی تحائف کے ساتھ روانہ کیا تھا انھیں یقین تھا کہ دونوں حضرات اپنے تدبر اور فراست سے بادشاہ کے دل میں راہ پا لیں گے۔ نجاشی کے ساتھ ملاقات کے دوران میں سُفرائے قریش نے عرض کیا:

"اے شہنشاہِ ذی وقار!"

"ہمارے شہر کے چند نادان لونڈے بھاگ کر آپ کے ہاں آگئے ہیں۔ قوم کے اشراف نے ہمیں آپ کے پاس ان کی واپسی کی درخواست کرنے کے لیے بھیجا ہے یہ لوگ ہمارے دین سے بھی نکل گئے ہیں اور آپ کے دین (عیسائیت) میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ بلکہ انھوں نے ایک نرالا دین ایجاد کر لیا ہے۔"

یہ سُنتے ہی اہلِ دربار نے، جو پہلے ہی ادھار کھائے بیٹھے تھے، یہ کہنا شروع کر دیا کہ "ایسے لوگوں کو واپس کر دینا چاہیے۔ ان کی قوم ان کے عیب و ثواب سے بہتر واقف ہے۔"

نجاشی نے بگڑ کر کہا:

"مَیں اس طرح ان لوگوں کو لوٹانے کا نہیں ہوں۔ جن لوگوں نے دوسرے ملک کو چھوڑ کر میرے ہاں پناہ لی ہے اور مجھ پر اعتماد کیا ہے ان سے بے وفائی

Marfat.com

کرنا، مجھے زیب نہیں دیتا۔ میں انھیں بُلا کر تحقیق کرتا ہوں۔ جو صورتِ حال ہوتی اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔"

اُمرائے دربار جنھوں نے قیمتی نذرانے قبول کر رکھے تھے، نجاشی کے اس جواب پر سخت نادم ہوئے۔ لیکن کیا کرتے؟ انھیں نجاشی سے اس قسم کے جواب کی توقع ہی نہ تھی۔ اگلے روز نجاشی نے اصحابِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دربار میں طلب کیا تاکہ وہ اس فردِ جرم کا جواب دیں جو سُفرائے قریش نے ان پر عائد کی تھی۔

یہ مرحلہ انتہائی نازک تھا۔ اگر مسلمان "مصلحت اندیشی" سے کام لیتے ہیں تو "عقیدے" پر زد پڑتی ہے لیکن اگر "فاش می گویم" کا اسلوب اپناتے ہیں تو اس میں بھی ہزاروں خطرات ہیں۔ ایسے حالات میں کیا کیا جاتے؟ تمام اصحابؓ اس بات پر متفق تھے کہ اندیشہ ہائے دُور دراز کو چھوڑ، کھری بات بادشاہ سے کہہ دی جائے اور سورۂ مریمؑ میں خداوندِ بزرگ و برتر نے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ان کے "عبد اور رسول" ہونے کے جس عقیدے کی تعلیم دی ہے اسے غیرمبہم الفاظ میں بیان کیا جاتے۔ اور نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے۔ "عقل" نے سو بھیس بدلنے چاہے لیکن "عشق" نے ہر خطرہ مول لیتے ہوئے وہی بات کہنے کا عزم دُہرایا جو حضرت ابراہیمؑ نے آتشِ نمرود میں گرائے جانے سے پہلے ڈنکے کی چوٹ پر کہی تھی اور حضرتِ یوسفؑ نے زندان کی کال کوٹھڑی میں دُہرائی تھی:

"ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ؀

(یوسف ۳۹)

اصحابِ رسولؐ دربار میں پہنچے تو نجاشی نے کہا:

"یہ تم نے کیا کیا کہ اپنا قومی مذہب بھی چھوڑا، میرے دین کی بھی پرواہ نہ کی اور ایک نیا دین ایجاد کر ڈالا؟ کیوں نہ آپ کو سُفرائے قریش کے کہنے کے مطابق واپس کر دیا جائے؟"

حضرت جعفرؓ مدعی علیہم کی طرف سے کھڑے ہوئے۔ آپ کی تقریر اس قدر مدلل اور برجستہ تھی کہ نجاشی بھی ان کا "طرف دار" ہو گیا۔ تقریر میں دَورِ ظلمت کی ایک جھلک تھی، اس

Marfat.com

دور کی اخلاقی پستیوں کی طرف اشارہ تھا، مسرفانہ رسومات کی نشاندہی کی گئی تھی اور پھر آفتاب رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طلوع کے بعد ان چراغوں کا ذکر تھا جو زندگی کے تاریک راستوں کو روشن کیے ہوتے تھے اور پھر اس امید کا اظہار کہ ؎

تجھی پہ اُنگلیاں اٹھیں گی کل کہ آج کی شب
غمِ حیات کا مارا تیری پناہ میں ہے

تقریر کے الفاظ، ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق، درجِ ذیل تھے :

"اے بادشاہ! ہم ایک ایسی قوم میں سے تھے جو خدائے واحد کے ساتھ اَن گنت خداؤں کو شریک ٹھہراتی تھی۔ ہم بتوں کو پوجتے اور مُردار کھاتے تھے۔ ہمسایوں کے حقوق فراموش کرتے تھے اور محارم کو حلال سمجھتے تھے۔ خون بہانے میں بے باک تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سماج میں حلال و حرام کی تمیز اُٹھ گئی تھی۔"

"یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں اپنا ایک رسول بھیجا۔ جو ہماری قوم کا ایک فرد تھا۔ ہم اس کی وفاشعاری، سچائی اور امانت و دیانت کے معترف تھے۔ آپؐ نے ہمیں دعوت دی کہ ہم ایک خدا کی پرستش کریں، رشتہ داروں کا احترام کریں اور پڑوس میں رہنے والوں کے حقوق کی رعایت کریں۔ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں اور ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کی پوجا ہم کرتے آتے ہیں۔ اس رسولؐ برحق نے ہمیں سچ بولنے، جھوٹ سے بچنے، یتیم کا مال کھانے، پاک دامن عورتوں پر بے جا تہمت لگانے سے روکا۔"

"ہم نے آپؐ کی تصدیق کی۔ آپؐ پر ایمان لاتے اور آپؐ کی پیروی کی۔ ہم ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے۔ اس نے جس چیز کو حرام کیا ہے، ہم اسے حرام سمجھتے ہیں اور جس چیز کو حلال قرار دیا ہے، ہم اسے حلال سمجھتے ہیں۔ اس پر ہماری قوم ہم پر ٹوٹ پڑی، ہمیں عذاب دیتے تاکہ ہم جاہلی رسُوم کی طرف لوٹ آئیں اور ان تمام خبائث کو حلال کرلیں جنھیں پہلے حلال کیے ہوتے تھے۔"

Marfat.com

جب انھوں نے زندگی ہمارے لیے دُوبھر کردی، مظالم کی انتہا ہوگئی اور وہ ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہوگئے تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے اور دوسروں کی بجائے آپ کے ہاں آنا پسند کیا۔ اور آپ کی ہمسائیگی کو ترجیح دی۔ ہمیں توقع ہے کہ یہ سرزمین امن وامان کا گہوارہ ثابت ہوگی اور ہم پر زیادتی نہ کی جائے گی۔" ۱۱؎

یہ تقریر سُن کر نجاشی نے خطیب سے کہا: مجھے وہ کلام تو سناؤ، جو تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارے نبی پر اُترا ہے۔ حضرتِ جعفرؓ نے سورۃ مریم کا وہ ابتدائی حصّہ تلاوت کیا جو حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسٰیؑ سے متعلق ہے۔" ذِکراس پَری وش کا اور پھر بیاں اپنا" نجاشی اسے خاموشی سے سُنتا رہا۔ وہ ان الہامی آیات سے اِس قدر مسحور ہُوا کہ اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور اس کی ڈارھی آنسوؤں سے بھیگ گئی۔ بادشاہ رو رہا ہو تو مصاحب کیوں نہ روئیں گے۔ لیکن یہ تو قرآن مجید کا اعجاز تھا کہ تمام درباریوں پر رقت طاری تھی۔ ان کے مصاحف آنسوؤں سے تر ہو چکے تھے۔ جب حضرتِ جعفرؓ نے تلاوت ختم کی تو نجاشی نے کہا:

"یہ کلام اسی طاقِ نُور سے پھُوٹا ہے جس سے حضرت عیسٰیؑ کو روشنی عطا ہُوئی تھی۔ خدا کی قسم! مَیں تمھیں کبھی اِن لوگوں کے حوالے نہ کروں گا۔"

نجاشی نے قریش کے تحائف بڑی ذِلّت کے ساتھ ٹھکرا دیئے اور ان کے سفیروں کو اپنے دربار سے نکل جانے کا حکم دیا۔ ۱۲؎

حضرت سیّدہ اُمِ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ یہ دن تو خیر وخوبی سے گزرا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور کڑی آزمائش ابھی باقی تھی۔ اگلے روز عمرو بن العاص نے ایک چال اور چلی۔ اس نے پھر نجاشی کے دربار میں رسائی حاصل کی اور عرض کیا:

"جہاں پناہ! اِن لوگوں کو بُلا کر ان سے یہ تو پُوچھئے کہ حضرت عیسٰیؑ کے بارے میں ان کا عقیدہ کیا ہے؟ یہ لوگ ان کے متعلق ایک بڑی بات کہتے ہیں۔" ۱۳؎

نجاشی نے مسلمانوں کو پھر بُلا بھیجا۔ نجاشی کا سوال بڑا سیدھا اور واضح تھا۔ اس میں پس وپیش کی قطعاً کوئی گنجائش نہ تھی۔ حضرت جعفرؓ نے فرمایا:

Marfat.com

هُوَ عَبْدُ اللهِ وَرَسُوْلُهٗ (وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول
وَرُوْحُهٗ وَكَلِمَتُهٗ ہیں۔ وہ اس کی طرف سے ایک رُوح
اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ اور کلمہ ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے کنواری
الْعَذْرَاءِ الْبَتُوْلِ" مریمؑ پر القا کیا تھا۔)

نجاشی سلیم الفطرت انسان تھا۔ اس نے جھک کر ایک تنکا زمین سے اٹھایا اور کہا:

"خدا کی قسم! جو کچھ تم نے بیان کیا ہے، حضرت عیسیٰؑ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں۔"

معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی فرقہ طبیعت واحد (Monophysite) کا رکن تھا جو حضرت عیسیٰؑ کو "ابن اللہ" نہیں مانتا تھا بلکہ صرف "مسیح اللہ" ۳۱

وہ بطاریق اور پادری جو دربار میں زینت محفل بنے بیٹھے تھے، نجاشی کی بات سن کر جھنجھلانے لگے۔ نجاشی نے کہا:

"اب تو حقیقت ظاہر ہو گئی ہے۔ مسلمانو! جاؤ اور میری زمین میں امن سے رہو (فَانْتُمْ شُيُوْمٌ) تمہیں جو بُرا کہے گا سزا پائے گا۔ اگر مجھے سونے کا پہاڑ بھی دیا جائے تو اس کے عوض میں تمہیں ستانا گوارا نہ کروں گا۔" ۳۲

"سیاست کے خارجی محاذ پر قریش کی یہ پہلی ذلت آمیز شکست تھی اور اسلام کی پہلی فتح۔ اس سے اسے بیرونی دنیا میں ایک آزاد ماحول میسر آیا، مسلمانوں کو قومی تشخص حاصل ہوا اور ان کی قریش و عرب سے علیحدہ و منفرد قومیت تسلیم کر لی گئی۔"

حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی روایت بھی مسند احمدؒ میں درج ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:

"جب نجاشی نے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات کو سنا تو وہ پکار اٹھا کہ مرحبا تم کو اور اس ہستی کو جس کے ہاں سے تم آتے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہ "وہی نبی" ہیں جن کا ذکر ہم انجیل میں پاتے ہیں اور جن کی بشارت حضرت عیسیٰؑ نے دی تھی۔"

اس روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ نجاشی نے ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصدیق کرتے ہوئے کہا:

Marfat.com

"خدا کی قسم! اگر میں سلطنت کی ذمہ داریوں میں پھنسا ہوا نہ ہوتا تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ ان کی جوتیاں اٹھانے میں فخر محسوس کرتا اور ان کو وضو کراتا۔"

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت میں جو اضافہ ہوا ہے وہ ایک لحاظ سے بہت اہم ہے۔ قریش کے وفد نے نجاشی کو نہ صرف یہ کہہ کر بھڑکانے کی کوشش کی کہ مسلمانوں کا حضرت عیسیٰ کے بارے میں عقیدہ "تکلیف دہ" ہے بلکہ یہ بھی کہا کہ مسلمان بڑے "گستاخ" ہیں۔ آپ دیکھ لیجئے گا کہ یہ لوگ جب دربار میں حاضر ہوں گے تو آپ کو سجدہ نہ کریں گے۔ چنانچہ جب اصحاب رسولؐ دربار میں پہنچے تو پادریوں نے کہا "بادشاہ کو سجدہ کرو۔" حضرت جعفرؓ نے فرمایا "ہم خدائے عزّوجل کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔" آگے بڑھ کر جب ہم نجاشی کے سامنے حاضر ہوئے تو اس نے پوچھا:

"تمہیں کس چیز نے مجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا؟"

حضرت جعفرؓ نے فرمایا:

"اسی مالک واحد و قہار نے جس نے سجدہ صرف اپنے لیے خاص کر رکھا ہے۔"

باقی روایت اسی طرح ہے جس طرح حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے بیان کی ہے۔

مسلمانوں نے نجاشی کے دربار میں جس صبر و استقامت، جس جرأت ایمانی اور جس حق پسندی کا ثبوت پیش کیا وہ ان حقیقتوں کا اظہار ہے جن کا ذکر قرآن مجید میں سورہ الزمر کی آیات (۱۰-۱۴) میں اور سورہ العنکبوت کی آیات (۴۶، ۵۶ تا ۶۵) کے تحت کیا گیا ہے۔ مسلمانوں نے "وادی غربت" میں قدم رکھنے سے پہلے راستے کی مشکلات کا اچھی طرح اندازہ کر لیا تھا۔ انہوں نے اپنے گھر بار، اعزہ و اقربا اور ملک و وطن کو اس لیے چھوڑا تھا کہ وہ متاع دین کو ایسے ظالموں کے ہاتھوں سے محفوظ کر لینا چاہتے تھے جن کی عداوت کھلی تھی، جن کی شقاوت واضح تھی اور جن کی ہٹ دھرمی ضرب المثل تھی۔ اس بات کا خدشہ قدم قدم پر موجود تھا کہ نجاشی مسیحی عقائد پر مسلمانوں کا بے لاگ تبصرہ سن کر بگڑ جاتا۔ اور مہاجرین کو پھر بھیڑیوں کے سپرد کر دیتا جن کی خوں آشامی مسلّم تھی۔ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں (جن میں ولیم میور بھی شامل ہے) کہ اسلام نے

Marfat.com

مقدس جھوٹ (Pious Fraud) کی اجازت دی ہے، اگر اس واقعہ پر غور کریں تو انھیں معلوم ہو جائے گا کہ اصولوں پر مصالحت یا مداہنت کے لیے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام صرف ان لوگوں کی قدر افزائی کرتا ہے جو "روباہی سے گریزاں" اور "آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی" کا مصداق ہیں۔

مارگولیس بھی ہجرت حبشہ کا ذکر کرتے ہوئے بڑی بہت دور کی کوڑی لایا ہے۔ لکھتا ہے کہ جب ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا کہ قریش سے ٹھن گئی ہے اور مقابلہ مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے تو انھوں نے نجاشی سے مل کر اس کو مکہ معظمہ پر حملہ کرنے کی دعوت دینا چاہی تاکہ قریش مکہ کا زور توڑ دیا جائے۔ اور ان کی قوت پاش پاش کر دی جائے۔ اس غرض سے آپ نے اصحاب کو حبشہ روانہ کیا۔ مگر مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد آپؐ اس نتیجے پر پہنچے کہ نجاشی کو مکہ مکرمہ پر حملے کی دعوت دینا اپنے لیے بے پناہ مشکلات پیدا کرنا ہے۔ اگر وہ مکے پر قابض ہو گیا تو میرا کیا بنے گا؟ ان اندیشوں کے پیش نظر آپؐ اس ارادے سے باز رہے۔ یہ سوچ کتنی معکوس اور بھدی ہے اور یہ پیرایۂ بیان کتنا بھونڈا ہے!

اس واقعہ کا ایک اثر تو یہ ہوا کہ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا (اللہ تعالیٰ اس پر کروڑوں رحمتیں کرے) دوسرا اہم واقعہ عیسائیوں کا وہ با اختیار وفد ہے جو دین کی تفہیم کے لیے مکہ مکرمہ آیا اور آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں باریابی حاصل کرنے کے بعد، بعض دینی مسائل سمجھنے میں مصروف گفتگو رہا۔ قریش کے بہت سے "سیانے" ان کے گرد جمع ہو گئے اور اس انتظار میں رہے کہ دیکھیں کیا بنتا ہے۔ ختمی مرتبت نے ان کو قرآن مجید سے متعارف کرایا، اس کے مبادیات اور احکام سے آگاہ کیا اور انھیں نئے دین کو قبول کرنے کی دعوت دی۔ جس پر انھوں نے فوراً لبیک کہا۔ جب محفل برخاست ہوئی تو ابوجہل نے وفد کے اراکین کو راستے میں روک لیا اور انھیں سخت سُست کہا۔ اس نے مزید کہا:

"بڑے نامراد ہو تم لوگ۔ تمھارے ہم مشرب لوگوں نے تم کو اس لیے بھیجا تھا کہ تم اس شخص کے حالات کی تحقیق کر کے آؤ اور انھیں آگاہ کرو۔ مگر تمھاری بے بسی یہ کہ تم ابھی اس کے پاس بیٹھے ہی تھے کہ اپنے مذہب سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ تم سے زیادہ

Marfat.com

احمق گروہ تو کبھی نظر سے نہیں گزرا۔"

انھوں نے کہا:

"سلام ہے بجا تو تم کو۔ ہمیں اپنے طریقے پر چلنے دو اور تم اپنے طریقے پر چلتے رہو۔ تم ہمیں جان بوجھ کر بھلائی سے کیوں محروم کرنا چاہتے ہو۔"

سورۂ قصص کی آیات ۵۲، ۵۳ غالباً اسی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ۝

(جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس "پیامِ آخریں" پر ایمان لاتے ہیں اور جب وہ انھیں سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لاتے۔ یہ واقعی حق ہے ہمارے رب کی طرف سے۔ ہم اس سے پہلے بھی اسی دین اسلام پر تھے۔)

اسی سورۂ مبارکہ کی آیت ۵۵ ملاحظہ ہو:

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ ۝

(اور جب انھوں نے بیہودہ بات سُنی تو یہ کہہ کر اس سے کنارہ کش ہوگئے کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمھارے اعمال تمھارے لیے۔ تم کو سلام ہے۔ ہم بے سمجھ لوگوں سے (تعلقات) نہیں چاہتے)

آیتِ مندرجہ بالا میں وفد کے اراکین کی سلامت روی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسلام لے آنے کے بعد وہ ابوجہل اور اس کی "معنوی اولاد" کو سلام "متعارف" نہیں کہہ رہے بلکہ یہ سلام "متارکت" ہے جس کے بعد راہیں جدا ہو جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ "شمعِ مصطفوی" کے پروانوں اور "جہالت و شقاوت" کے پیروؤں" کی راہیں کبھی ایک نہیں ہو سکتیں۔ عازمینِ حبشہ کی فہرست: ملاحظہ ہو

Marfat.com

ضمیمہ چہارم برائے عانہ من ہجرت حبشہ (صفحہ ۲۵تا۰۰)

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ حبشہ کی طرف پہلی ہجرت رجب ۵ھ بعد بعثت میں واقع ہوئی۔ جس میں ۱۱ مردوں اور ۴ عورتوں نے حصہ لیا۔ ابن اسحٰق کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود پہلی ہجرت کے مسافرین میں سے نہیں بلکہ دوسری ہجرت کے "راہروانِ کوئے تمنا" میں سے ہیں۔ علامہ زرقانی کا بیان ہے کہ حضرت ابوسبرۃؓ (نمبر ۱۲) کے ساتھ ان کی بیگم اُمِ کلثومؓ بھی گئی تھیں۔ وہ سُہیل بن عمرو کی دختر نیک اختر تھیں، جو صلح حدیبیہ کے موقع پر کفارِ مکہ کی طرف سے کمشنر مقرر ہوا تھا۔

جہاں تک دوسری ہجرت کا تعلق ہے یہ ۶ھ بعد بعثت کے آغاز میں واقع ہوئی۔ ابن سعد کے مطابق تارکینِ وطن میں ۸۳ مرد اور ۱۸۔۱۹ خواتین شامل تھیں۔ حضرت عمار بن یاسرؓ کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اس میں شریک ہوئے یا نہیں۔ مگر ابنِ اسحٰق نے ان کی شرکت میں تردد کیا ہے۔ خیال رہے کہ مہاجرین کا ایک گروہ تو حبشہ ہی میں مقیم رہا اور جنگِ خیبر کے موقع پر حضرت جعفرؓ کی معیت میں مدینہ پہنچا۔ ۳ دوسرا گروہ، جن کے سربراہ حضرت عثمانؓ تھے، ہجرتِ مدینہ سے پہلے مکہ پہنچ گیا اور پھر سوئے مدینہ روانہ ہوا۔

حضرت ابوبکرؓ کے "عزمِ سفر" کا ذکر کیے بغیر یہ کہانی تشنہ رہ جائے گی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو "نرم دمِ گفتگو اور گرم دمِ جستجو" کا مصداق ہوتے ہیں۔ وہ محتاط تھے مگر اظہارِ حقیقت میں بے لاگ؛ لوگوں میں گھل مل کر رہنے والے تھے مگر اپنی انفرادیت کے نگہبان! پیشے کے لحاظ سے تاجر تھے مگر عشقِ رسول میں دل باختہ۔ ان کا مکہ کو چھوڑ کر حبشہ کے لیے روانہ ہونا، مشرکینِ مکہ کی ستم رانیوں اور ایذا رسانیوں کی طویل فہرست پر مہرِ تصدیق ثبت کرتا ہے۔ الصحیح البخاری میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت موجود ہے کہ جب وہ برک الغماد تک پہنچے تو قبیلہ قارہ کا سردار ابنُ الدَّغِنَّہ ان کو ملا۔ اس نے پوچھا کہ کدھر کا ارادہ ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

> "میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے، اہانت آمیز سلوک کیا ہے۔ اب مکے میں مزید قیام مشکل ہو گیا ہے۔"

Marfat.com

ابن الدغنہ نے کہا :

"یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ جیسا شریف انسان اپنا وطن چھوڑ کر کسی اور جگہ جا بسے۔ آپ تو معاشرے کی جان ہیں۔ ناداروں کو کما کر دیتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں۔ مساکین اور یتامیٰ کا بار اٹھاتے ہیں۔ مہمان نواز ہیں اور لوگوں کی نیک کاموں میں اعانت کرتے ہیں۔" [۹]

اُس نے آپ کو واپس لوٹ جانے کا مشورہ دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب مکہ چھوڑ جانے پر اصرار کیا، تو ابن الدغنہ آپ کو ساتھ لے کر مکہ آیا اور اشرافِ قریش کے پاس جا کر کہا: حیف ہے۔ تم ایسے آدمی کو اپنے شہر سے نکال رہے ہو جس میں یہ یہ خوبیاں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ اس نے حرمِ پاک میں کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ میں حضرت ابوبکرؓ کو پناہ دیتا ہوں۔ قریش نے اس کی پناہ قبول کرتے ہوئے یہ شرط عائد کی کہ :

"حضرت ابوبکرؓ اپنے گھر میں جس طرح چاہیں عبادت کریں، خاموشی سے قرآنِ مجید کا مطالعہ کریں لیکن انھیں بلند آواز سے تلاوت کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس لیے کہ ہماری عورتیں اور بچے فتنے میں پڑ جائیں گے۔"

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کے احاطے میں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کر لی تھی۔ جس میں آپ نماز ادا کرتے اور قرآنِ مجید کی تلاوت فرماتے۔ حضرت ابوبکرؓ رقیق القلب تھے۔ جب قرآنِ مجید پڑھنا شروع کرتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے، ڈاڑھی بھیگ جاتی۔ اور آپ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی۔ آپ کی آواز سن کر محلے کی عورتیں اور بچے آپ کو دیکھنے کے لیے جمع ہو جاتے اور قرآنِ حکیم کو سننے کے لیے ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے۔ مشرکین نے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے معمولات تو ان کی عورتوں اور بچوں کو نئی آزمائش میں ڈال دیں گے انھوں نے ابن الدغنہ کو بلایا اور کہا :

"ہم نے تمھارے کہنے پر حضرت ابوبکرؓ کو پناہ دی تھی تاکہ وہ گھر کے اندر رہ کر اپنے مذہبی فرائض ادا کر سکیں۔ اب انھوں نے گھر کے احاطہ میں ایک مسجد تعمیر کر لی ہے جس میں کتاب اللہ کی تلاوت بلند آواز سے کرتے ہیں۔ ہمیں اندیشہ

Marfat.com

ہے کہ ہماری عورتیں کہیں اپنے آبائی مذہب سے بیزاری کا اظہار کر دیں۔ ان کو اِس سے باز رکھیں یا پھر تم اپنی ذمہ داری سے دست بردار ہو جاؤ۔"

ابن الدُّغُنَّہ نے یہی بات حضرت ابوبکرؓ سے جاکر کہی اور مطالبہ کیا کہ وہ اپنی عبادات انتہائی خاموشی سے ادا کیا کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قریش مجبور ہو کر اس کی پناہ کو توڑ دیں حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو قرآن مجید کی تلاوت کے وقت اپنی طبیعت پر قابو ہی نہ رہتا تھا۔ عذاب کی آیات پر جب رونا شروع کرتے تو آنسوؤں کا تار بندھ جاتا۔ حضرت صدیقؓ نے ابن الدُّغُنَّہ کا شکریہ اَدا کرتے ہوئے اس کا ذمہ اسے واپس کر دیا۔ اس نے قریش کو صورتِ حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا: "تم جانو اور تمہارا آدمی!" ۲۰

خداوندِ قدوس کی راہ میں غیرت و حمیت اسلامی کا ذکر ہو یا ترکِ وطن کا؛ تدبیرِ منزل کی کہانی کہی جائے یا سیاستِ مُدن کی؛ توسیعِ مملکت کی داستان دُہرائی جائے یا استحکامِ ریاست اور نفاذِ عدل و احسان کی، ضروری ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے واقعہ کو مسرت و بہجت سے بیان کیا جائے گا۔ ہمارے مورخین نے پہلی ہجرت حبشہ کے موقع پر مہاجرین کی واپسی کا سبب یہ ٹھہرایا ہے کہ انھیں جب قریشِ مکہ کے اسلام لانے کی خبر پہنچی تو وہ خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ اور یہ سمجھتے تھے کہ قریشِ مکہ کا اسلام لے آنا ایک نئے دَور کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے اسلام لانے پر جو خوشی مہاجرین کو حاصل ہوئی تھی اور اس سے جو تقویت اسلام کو پہنچنے کی توقع تھی، اس کا ذکر کرنا وہ بھول گئے ہیں۔ محمد حسین ہیکل نے "حیاتِ محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس بات پر شرح و بسط سے گفتگو کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا ہے ۲۱ کہ مسلمانوں کی واپسی کا سبب "غرانیق" کا قصہ نہ تھا، جسے زنادقہ نے گھڑا ہے اور جسے بعض فاضل مفسرین اور اصحابِ سِیَر نے نقل کر دیا ہے، بلکہ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کو حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے یہ یقین پیدا ہو گیا تھا کہ اب مشرکینِ مکہ ان کے مقابلے کی تاب نہ لا سکیں گے اور اسلام ایک نئی قوت بن کر اُبھرے گا۔ ۲۲ حضرت عبداللہ بن مسعود کے قول سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو مذہبی فرائض کے اَدا کرنے اور سماجی معاملات کو انجام دینے میں جو آزادی آپ کے اسلام لے آنے سے ملی وہ انھیں پہلے حاصل نہ تھی۔ ۲۳

Marfat.com

قریش کے سفیر حبشہ سے ناکام و نامراد واپس آ گئے تھے۔ قوم کو ان کی اس ناکامی پر افسوس تو تھا ہی کہ ایک بھونچال اور آیا جس نے ان کے اتحاد کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں اور ان کے "قومی مذہب" کی دیواروں میں وہ دراڑیں پیدا کیں کہ پھر کبھی بھری نہ جا سکیں۔

ایک سہانی صبح کو جب تاریکی شب آہستہ آہستہ تحلیل ہو رہی تھی اور روشنی غلبہ پا رہی تھی، ایک شخص نے ابوجہل کے دروازے پر دستک دی۔ وہ ابھی تک خوابِ غفلت میں پڑا خراٹے مار رہا تھا۔ دستک کی آواز جب ذرا بلند ہوتی تو وہ گھبرا کر اٹھا۔ اور دروازے کی طرف لپکا تاکہ کنڈی کھولے اور آنے والے مہمان کو خوش آمدید کہے۔ دروازہ کھلا تو اس نے حضرت عمرؓ ایسے خوش قامت، متبسم اور زیرک انسان کو کھڑا پایا۔ ابوجہل نے کہا:

"خوش آمدی۔ کہو۔ بھانجے کیسے آنا ہوا؟ تمہارے چہرے کا تبسم کسی بڑے کام کی تکمیل کی غمازی کرتا ہے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"میں آپ کو یہ مسرت آمیز خبر دینے آیا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آیا ہوں، ختمی مرتبتؐ کی رسالت کا اقرار کر چکا ہوں اور اس "پیامِ آخریں" کی تصدیق کر چکا ہوں جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لیے لے کر آتے ہیں۔"

یہ باتیں سنتے ہی، ابوجہل نے زور سے دروازہ بند کیا اور کہا:

قَبَّحَكَ اللّٰهُ وَقَبَّحَ مَا جِئْتَ بِهٖ ۝	(اللہ تعالیٰ تمہارا برا کرے اور اس خبر کا بھی جو تو لے کر آیا ہے)

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ کئی طریقوں سے بیان ہوا ہے۔ مختصراً یہ کہ وہ ایک دن اپنے گھر سے اس نیت سے نکلے کہ شمعِ رسالت کو بجھا کر وہ قیمتی انعام حاصل کریں جس کا ابوجہل نے اعلان کیا تھا۔ انہوں نے اپنی تلوار کمر سے باندھی اور اس منزل کی طرف چل دیئے جہاں ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ان اصحابؓ کے ساتھ (جو مکہ میں رہ گئے تھے) بیٹھے ایمان و احسان، عفو و درگزر، حسنِ معاشرت اور مداومتِ عمل پر گفتگو فرما رہے تھے۔ راستے

Marfat.com

میں حضرت عمرؓ کی ملاقات حضرت نعیمؓ بن عبداللہ النحام سے ہوئی۔ حضرت نعیمؓ نے حضرت عمرؓ کے بدلے ہوئے تیور دیکھے تو پوچھا: خیریت تو ہے۔ آج کدھر کا ارادہ ہے؟ کہنے لگے میں آج (نعوذ باللہ) اس "صابی" کا قصہ چکانے جا رہا ہوں جس نے ہماری وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور قریش کی عزت کو خاک میں ملا دیا ہے۔ حضرت نعیمؓ کو ان سے ایک خاص نسبت تھی۔ کہنے لگے:

"کیا تم سمجھتے ہو کہ شمع نبوت گل کر دینے کے بعد بنی ہاشم اور بنی عبد مناف تمہیں زندہ چھوڑ دیں گے؟ یہ کام جس کے لیے تم گھر سے نکلے ہو ہوش کا تقاضا کرتا ہے جوش کا نہیں۔"

کیا تم نے اپنے گھر والوں کی خبر لی ہے؟ کیا وہاں پر کوئی ایسا آدمی تو نہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ختمی مرتبت" کا قائل ہو چکا ہو؟"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"کھل کر بات کرو۔ معاملے کو الجھانے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے فیصلہ کرنا ہے اور ابھی کرنا ہے۔"

نعیمؓ سے رہا نہ گیا۔ کہنے لگے:

"تمہارے بہنوئی اور چچا زاد بھائی حضرت سعیدؓ بن زید اور تمہاری بہن فاطمہؓ کبھی کے اپنے "قومی مذہب کو چھوڑ" "لا الہ" کی اقلیم میں آباد ہو چکے ہیں۔ ثبوت چاہتے ہو تو خود جا کر دیکھ لو۔"

حضرت عمرؓ نے اپنی راہ بدل لی۔ اور سیدھے بہن کے ہاں پہنچے۔ وہاں حضرت خبابؓ بن الارت موجود تھے اور ان کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں سورۃ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی دروازے کے ساتھ کان لگانے سے پتہ چلا کہ وہ کسی استاد کی نگرانی میں کچھ پڑھ رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا تو آپ اندر داخل ہوتے پوچھا: یہ کیسی گنگناہٹ تھی جو میں نے ابھی سنی ہے؟ وہ صحیفہ کیا ہوا جس کا مطالعہ تم کر رہے تھے؟

Marfat.com

آپ غصے میں حضرت سعیدؓ پر جھپٹے اور انھیں زدوکوب کیا۔ حضرت فاطمہؓ اپنے شوہر نامدار کو بچانے کے لیے اٹھی ہی تھیں کہ حضرت عمرؓ نے انھیں بھی دبوچ لیا اور انھیں اس قدر مارا کہ جسم لہولہان ہو گیا۔ ۵؎ حضرت سعیدؓ نے دیکھا کہ راز تو افشا ہو ہی گیا ہے اب جو ہو سو ہو۔ کہنے لگے: عمرؓ! اپنا زور آزما لو، ہم نے جو راہ اپنے لیے منتخب کر لی ہے، اسے چھوڑنے کے نہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی بہن کو لہولہان دیکھا تو سخت نادم ہوئے۔ اپنی بہن کو پکڑ کر اٹھایا اور ان سے معذرت چاہی۔ کہنے لگے: مجھے وہ صحیفہ دکھاؤ جس کا تم مطالعہ کر رہے تھے۔ دیکھوں تو وہ چیز کیا ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لاتے ہیں۔ بہن کو اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ اسے غائب نہ کر دیں حضرت عمرؓ نے قسم کھا کر کہا کہ ایسا نہیں ہو گا۔ بہن کی چھٹی حس اسے یقین دلا رہی تھی کہ وہ ساعت سعید قریب آ پہنچی ہے۔ جب ان کا بھائی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئے گا اور اسلام کی حقیقتوں کا معترف ہو گا۔ انھوں نے کہا: اس مقدس صحیفے کو تم اس حالت میں نہیں چھو سکتے۔ نہا لو تو پھر پڑھنا۔ حضرت عمرؓ نے غسل کیا اور لگے اس صحیفے کو دیکھنے۔ سورۂ طٰہٰ کی ابتدائی آیات اپنے اسلوب اور آہنگ کی پاکیزگی اور رفعت کے لیے حضرت عمرؓ کی نظروں میں کھب گئیں۔ کہنے لگے:

"کتنا عمدہ اور بلند پایہ کلام ہے۔"

حضرت خبابؓ نے جونہی یہ استحسانی الفاظ سنے، گوشے سے باہر نکل آئے۔ کہنے لگے:

"عمرؓ! مجھے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور ختمی مرتبت کی دعا کو، جو آپؐ نے تمھارے لیے فرمائی تھی، شرفِ قبولیت بخشے گا۔ اور تمھیں دولتِ ایمان سے مالا مال کر دے گا۔" ۶؎

حضرت عمرؓ نے کہا:

"مجھے میری منزل تک پہنچا دو۔ میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔"

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) دارِ ارقم میں تشریف فرما تھے۔ حضرت عمرؓ وہاں پہنچے تو دروازے پر دستک دی۔ ایک صحابیؓ نے اٹھ کر درز سے باہر جھانکا تو حضرت عمرؓ کو تلوار باندھے کھڑے پایا۔ آنحضورؐ کو اطلاع ہوئی تو فرمانے لگے۔ عمرؓ کو اندر آنے دو۔ ابن اسحٰق

Marfat.com

نے بیان کیا ہے کہ حضرت حمزہؓ بھی وہاں موجود تھے کہنے لگے :

"اگر عمرؓ خیر کے ارادے سے آیا ہے تو ہم بھی اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے اور اگر وہ شر کے ارادے سے نکلا ہے تو ہم اسی کی تلوار سے اُسے قتل کر دیں گے"۔ ۲۴

حضرت عمرؓ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ تو عرض کیا کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ پر اور اس تعلیم پر جو وہ لے کر آتے ہیں، ایمان لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں پھر کیا تھا۔ ایک نعرۂ تکبیر بلند ہوا جس سے مکہ کے تمام اطراف گونج اُٹھے۔

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کی خبر روح سا تے قریش پر بجلی بن کر گری۔ کفار نے آج ایک ایسے فردِ فرید اور بطلِ جلیل کو کھو دیا تھا جو مضبوط اور توانا تھا، اپنی قوم میں محترم تھا، زبان آور تھا اور خطابت کی نزاکتوں سے واقف تھا۔ جب قبائل کے درمیان منافرت اور مُفاخرت کی نوبت آتی تو ان کو حکم بنایا جاتا اور ان کا فیصلہ قبول کیا جاتا۔ قریش تو کبھی یہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ عمرؓ جیسا آدمی ایک روز اُن کے مقابلے میں اسلام کی حمایت میں اُٹھ کھڑا ہوگا۔

قریشِ مکہ پہلے ہی حبشہ کی ناکامی سے تنگ آ چکے تھے۔ انھیں جب حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی اطلاع ملی تو وہ آپے سے باہر ہو گئے۔ اور لگے حضرت عمرؓ سے نمٹنے کی تدبیریں سوچنے۔ کئی ایک جھگڑے بھی ہوئے۔ چنانچہ ایک روز انھوں نے حضرت عمرؓ کو اس وقت جا لیا جب وہ حرمِ پاک میں کھڑے تنہا نماز ادا کر رہے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ عمرؓ صابی ہو گئے۔ عاص بن وائل السہمی کو پتہ چلا تو اس نے کہا :

"تو پھر کیا ہوا۔ ایک آدمی نے اپنے لیے جو کچھ چاہا اختیار کر لیا۔ یہاں سے ہٹ جاؤ۔ میں اس کو پناہ دیتا ہوں (فَاَنَا لَہٗ جَارٌ)"

تمام مجمع چھٹ گیا اور فضا صاف ہو گئی۔ ۲۵

حضرت عمرؓ، حضرت حمزہؓ کے چند روز بعد ہی اسلام لے آئے۔ آپ چالیسویں شخص تھے۔ اس وقت حضورؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس دارِ ارقم میں موجود تھے۔

Marfat.com

کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اس وقت تک کل مسلمانوں کی تعداد بشمولیت حضرت عمرؓ چالیس تھی۔ اسلام نے جو مقام حضرت عمرؓ کو دیا ہے اور حضرت عمرؓ نے جو خدمت اسلام کی سرانجام دی ہے وہ خداوندِ علیم و قدیر کا خاص انعام ہے۔ اس کا ثبوت حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے اِس قول سے ملتا ہے جسے الصحیح البخاری کے فاضل مولف نے متعلقہ باب میں نقل کیا ہے:

"حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے کے بعد ہم برابر زور آور ہوتے چلے گئے"[۲۹]

(۲)

دوسرا اہم بالشان واقعہ سورۃ الرّوم کی ابتدائی آیات کا نزول ہے۔ یہ قرآنِ مجید کے ربّانی الاصل ہونے کی ایک ایسی قوی دلیل ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ سورہ الرّوم کی ان آیات میں اس بات کی پیشین گوئی کی گئی تھی کہ:

"رومی جو قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں، اپنی مغلوبیت کے بعد چند سالوں کے اندر دوبارہ غالب آجائیں گے۔ اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور اس روز اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فتح پر خوشیاں منائیں گے۔" (الرّوم ۲:۲-۴)

یہ ۶۱۰ء کی بات ہے کہ فوکس (Phocas) کی معزولی کے بعد ہرقل (Heraclius) ایک فاتح حکمران کی حیثیت سے رومن ایمپائر کے مشرقی حصے کا بادشاہ بنا۔ یہ وہی علاقہ ہے جو قدیم رومی سلطنت سے کٹ کر ۳۹۵ء میں ایک علیحدہ ریاست بن گیا تھا۔ قسطنطنیہ اس کا دارالسلطنت قرار پایا اور شام، فلسطین اور ایشائے کوچک کے علاقے اس میں شامل ہوتے۔ رومن سلطنت کی شکست کے اسباب نہ صرف خارجی ہی تھے بلکہ داخلی بھی تھے۔ رعایا بادشاہوں کے مظالم اور ناروا سلوک سے تنگ آچکی تھی۔ ٹیکسوں کے بوجھ نے رعایا کو عیش پسند افراد اور شاطر عمائدینِ سلطنت سے بدظن کر دیا تھا۔ عیسائیوں کے وہ تمام فرقے، جنھیں سرکاری کلیسا نے ملحد قرار دیا تھا، سلطنت کے خلاف بغاوت میں ان

Marfat.com

عناصر کا ساتھ دینے پر مجبور تھے جو ملک کا امن تلپٹ کرنے پر تلے ہوتے تھے۔ یہودیوں کی ایک بڑی تعداد عیسائیوں کے خلاف "جہاد" میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی۔ یہ تھے وہ حالات جن میں ایران کے آتش پرست (مجوسی) حکمران، خسرو پرویز، نے اپنے نشہ اقتدار میں رومن سلطنت کے اِس حصے پر قبضہ کرنے کی ٹھانی۔ اس نے سب سے پہلے انطاکیہ فتح کیا۔ اس کی پُرجوش سپاہ اور آلاتِ حرب و ضرب سے لیس لشکر آگے بڑھے اور دمشق کو فتح کرتے ہوتے ۶۱۴ء میں بیت المقدس پر قابض ہو گئے۔ بیت المقدس کی نہ صرف اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی اور ۹۰ ہزار عیسائیوں کو تہ تیغ کر دیا گیا بلکہ وہاں کے عظیم کنیسۃ القیامہ (Holy Sepulchre) کو بھی پیوندِ زمین کر دیا گیا۔ وہ مقدس صلیب، جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ اس پر حضرت عیسیٰؑ نے جان دی تھی، اہلِ ایران اُٹھا کر لے گئے۔ اس کامیابی کا جو نشہ خسرو پرویز پر چڑھا، اس کا اندازہ اس خط سے کیا جا سکتا ہے جو اس نے ہرقل کو لکھا تھا۔ وہ کہتا ہے:

"سب خداؤں سے بڑے، تمام روئے زمین کے مالک، خسرو کی طرف سے اس کے کمینے اور بے شعور بندے ہرقل کے نام"۔

"تم کہتے ہو کہ تمھیں اپنے رب پر بھروسہ ہے۔ کیوں نہ تیرے رب نے یروشلم کو میرے ہاتھ سے بچا لیا"۔

اس فتح کے بعد ایک سال کے اندر اندر ایران کی جواں ہمت افواج نے اردن، فلسطین اور جزیرہ نمائے سینا کے تمام علاقے کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا اور مصر کے سامنے محاصرہ کے لیے پہنچ گئیں۔ یہ وہی زمانہ تھا جب توحید کے پرستار متاعِ دین و ایمان کو بچانے کے لیے حبش کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ یہ فتح اتنی عظیم تھی کہ مشرکینِ مکہ نے اپنے گھروں میں گھی کے چراغ جلائے۔ وہ سمجھتے تھے کہ جس طرح ایران کے آتش پرست (مشرکین) نے وحی و رسالت کے قائل عیسائیوں کو پے در پے شکست دی ہے بالکل اسی طرح عرب کے بُت پرست بھی بہت جلد مسلمانوں کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیں گے۔

اِن حالات میں قرآنِ مجید کی یہ سورت نازل ہوئی اور اس بات کی پیشین گوئی کی

Marfat.com

گئی کہ رومی اس اذیت ناک شکست کے بعد چند سالوں کے اندر ہی غالب آجائیں گے ایسی حالت میں جب رومی فوج کے نہ صرف پرخچے ہی اُڑ گئے تھے بلکہ اس کا مورال بھی پست ہو چکا تھا، یہ کیونکر باور کیا جا سکتا تھا کہ وہ دوبارہ کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دے سکے گی؟ اسباب وعلل کی تمام کڑیاں رومی سلطنت کے مزید انحطاط اور ہبوط و زوال کا پتہ تو دیتی تھیں لیکن اس کے دوبارہ احیاء کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا۔" گویا قرآن مجید نے دعویٰ کے ساتھ پیشین گوئی یہ کر دی کہ نو سال کی قلیل مدت کے اندر ہی اندر پانسہ پلٹنے کو ہے۔ اور جو آج فاتح نظر آرہے ہیں وہ مفتوح ہو کر رہیں گے"۔ یہ پیشین گوئی جنگی صورتِ حال کے بالکل منافی تھی۔ خسرو پرویز، شاہ ایران کی اقبال مندی اوج پر تھی۔ جبکہ ہرقل کا عہدِ حکومت اس وقت بے تدبیری، بداقبالی کا ایک مجسمہ تھا۔ افسرانِ فوج نا اہل، خزانہ خالی، دلیر و دلاور سپاہ کا قحط۔ غرض ظاہری اسباب تمام تر رومیوں کے خلاف تھے۔ لیکن حالات نے عجیب کروٹ لی۔ ۶۲۲ء میں ہرقل سنبھلا اور بجائے مدافعانہ کے اب جارحانہ جنگ ایران کے مقابلے میں شروع کر دی۔ ایران کی قسمت دیکھتے ہی دیکھتے پلٹی اور ۶۲۴ء میں اس کی قوت بالکل ٹوٹ کر رہ گئی۔ یہاں تک کہ ایرانیوں کے مقدس ترین آتشکدے برباد ہونے لگے اور خود شہنشاہ کو بھاگنا پڑا"۔[۳۰]

گبن ایسا عظیم مؤرخ بھی اِس گتھی کو سلجھا نہ سکا۔ اسباب وعلل کی تمام کڑیاں ایک طرف تھیں اور مشیتِ ایزدی دوسری طرف۔ وہ لکھتا ہے:

"قرآنِ مجید کی اِس پیشین گوئی کے بعد بھی سات آٹھ برس تک حالات ایسے تھے کہ کوئی شخص یہ تصور نہ کر سکتا تھا کہ رُومی سلطنت ایران پر غالب آجائے گی۔ بلکہ غلبہ تو درکنار اس وقت تو کسی کو یہ اُمید بھی نہ تھی کہ اب یہ سلطنت زندہ رہ جائے گی"۔[۳۱]

قرآنِ مجید کی اس سورت کے نزول پر کفارِ مکہ نے جس استہزا اور ہلڑ بازی کا ثبوت دیا، اس کی ہلکی سی جھلک ان لوگوں کے بھونڈے استدلال میں بھی نظر آتی ہے جو یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ "قوانینِ فطرت" "قطعی" ہیں اور تمام عالم ایک ایسے نظام میں بندھ گیا ہے کہ اب خالق

Marfat.com

ازل کو بھی (نعوذ باللہ) اس میں دخل اندازی کی مطلق قدرت نہیں رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ "سائنسی استدلال" اس قیاس اور فرضی استدلال کو کبھی کا رَد کر چکا ہے۔

اسی دوران میں اُبَیّ ابن خلف نے حضرت ابوبکرؓ سے شرط بدی کہ اگر تین سال کے اندر رومی غالب آگئے تو دس اونٹ میں دوں گا ورنہ دس اونٹ آپ کو مجھے دینے ہوں گے۔

محبوبِ داورِ حشرؐ کو اس بات کا پتہ چلا تو آپؐ نے فرمایا: اونٹوں کی تعداد بڑھا دو اور مدت میں بھی اضافہ کر دو۔ اس لیے کہ قرآنِ مجید نے "بِضْعِ سِنِیْن" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے اُبَیّ سے دوبارہ بات کی جس کے نتیجے میں یہ شرط طے ہوتی کہ دس سال کے اندر فریقین میں سے جس کی بات غلط ثابت ہوگی وہ سو اونٹ دے گا۔

قرآنِ مجید کی صداقت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی قریشِ مکہ کے خلاف مہم اور رومیوں کی ایران کے خلاف جنگ ایک ہی سال میں اس طرح کامیابی سے ہم کنار ہوتیں کہ مشرکینِ مکہ کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ ہرقل نے جس جارحانہ لڑائی کا آغاز ۶۲۲ء میں کیا تھا، وہ ۶۲۳ء میں آرمینیا کی فتح اور ۶۲۴ء میں آذربیجان کی مکمل تباہی پر منتج ہوتی۔ یہی وہ سال ہے جس میں مسلمانوں کو بدر کے مقام پر پہلی مرتبہ مشرکین کے مقابلہ میں فیصلہ کُن فتح نصیب ہوتی۔ اس طرح وہ دونوں پیشین گوئیاں جو سورۃ روم میں کی گئی تھیں، دس سال کے اندر اندر پوری ہو گئیں۔

۶۲۷ء میں نینوی فتح ہوا۔ اس کے فوراً بعد مدائن نے جو ایرانی سلطنت کا دارالخلافہ تھا، غنیم کیلئے اپنے دروازے کھول دیئے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ شیرویہ نے ۶۲۸ء میں اپنے باپ کو قتل کر کے اپنی ماں سے شادی کی رسم پورے طمطراق سے ادا کی۔ یہ واقعہ "صُلح حدیبیہ" سے ایک خاص مطابقت رکھتا ہے جسے قرآنِ عظیم نے اپنی الہامی زبان میں مسلمانوں کیلئے "فتح عظیم" قرار دیا ہے۔

۶۲۹ء میں وہ مقدس صلیب جو ایرانیوں نے یروشلم سے اُٹھائی تھی واپس بیت المقدس بھیج دی گئی یہ تاریخ محبوبِ داورِ حشرؐ کے عُمرۃ القضا کے ادا کرنے کی تاریخوں سے ہم آہنگ ہے۔

اُبَیّ بن خلف کے عزیزوں نے ہار مانتے ہوتے، شرط کے اونٹ حضرت ابوبکرؓ کے حوالے کر دیئے اور وہ انھیں لے کر ختمی مرتبتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ آپؐ نے حکم فرمایا کہ انھیں صدقہ کر دیا جائے۔

Marfat.com

تعلیقات (باب دہم)

۱۔ ایالوجی۔ گاڈفری ہیگنس۔ (ترجمہ اردو) ص ۶۶-۶۷

۲۔ السیرۃ النبویہؐ۔ ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۲۱؛ حیاتِ محمدؐ۔ محمد حسین ہیکل۔ ص ۱۷۵

۳۔ قرآنِ مجید۔ سورۃ النساء : ۱۰۰

(وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ)

(جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا (اظہارِ کلمۂ حق اور اقامتِ دین کے لیے) وہ زمین پر جانے کی بہت جگہ اور گنجائش پاتے گا)

۴۔ عیون الاثر، ابن سیدالناس۔ ج ۱، ص ۱۱۵-۱۱۶

۵۔ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور۔ ج ۲، ص ۱۷۲؛ حیاتِ محمدؐ۔ محمد حسین ہیکل۔ ص ۱۷۶

۶۔ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور۔ ج ۲، ص ۱۴۹ (قصۂ غرانیق کے لیے ملاحظہ ہوں صفحات ۱۴۹-۱۵۹)

۷۔ تاریخ ابنِ خلدون۔ ج ۲، ص ۱۷۹؛ السیرۃ النبویہؐ۔ ابنِ ہشام۔ ج ۱، ص ۳۶۴

۸۔ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور۔ ج ۲، ص ۱۵۰-۱۵۱

۹۔ السیرۃ النبویہؐ۔ ابنِ ہشام۔ ج ۲، ص ۳۷۰

۱۰۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ج ۱، ص ۳۴۳

۱۱۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ج ۱، ص ۳۳۶؛ حیاتِ محمدؐ۔ محمد حسین ہیکل۔ ص ۱۷۷

۱۲۔ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور۔ ج ۲، ص ۱۷۴

۱۳۔ السیرۃ النبویہؐ۔ ابن ہشام۔ ج ۱، ۳۳۷

۱۴۔ رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ ص ۱۲۷

Marfat.com

۱۵- حیاتِ محمدؐ- سر ولیم میور- ج ۲، ص ۱۷۲؛

"Depart in peace, for I will never give you up", Najashey said.

محمدؐ- ڈیوڈ سیموئل مارگولیس- ص ۱۶۰؛

نیز Arabic - Engl. Lexicon لین، ایڈورڈ ولیم، زیر لفظ دَبْراً
ودُبُر اً رما اُحِبُّ اَنَّ لِیْ دَبْراً ذَھَباً وَاَنِّیْ ___ اٰذَیْتُ رَجُلاً
مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ-)

۱۶- الطبرانی (الہجرۃ الی الحبشہ) بروایت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ

۱۷- محمدؐ- ڈیوڈ سیموئل مارگولیس- باب ۵، ص ۱۵۲-۱۶۱

۱۸- السیرۃ النبویۃ- ابن ہشام ج ۴، ص ۳

۱۹- ایضاً - ایضاً ، ج ۲، ص ۲۷۳

۲۰- ″ - ″ ، ج ۲، ص ۲۷۴

۲۱-۲۲- حیاتِ محمدؐ- محمد حسین ہیکل- ص ۱۸۸

۲۳- حیاتِ محمدؐ- سر ولیم میور- ج ۲، ص ۱۷۲

۲۴- السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام- ج ۱، ص ۳۵۰

۲۵- یہ وہ روایات ہیں جنہیں مُسند میں امام احمد بن حنبلؒ نے اور الطبقات الکبریٰ میں ابن سعد نے اور سیرۃ النبیؐ میں علامہ شبلی نعمانی نے بیان کی ہیں۔ علامہ سعید انصاری کے مطابق (ملاحظہ ہو: (سیر الصحابہ، ج اوّل، جزء المہاجرین، ص ۲۲۸-۲۳۶) ان روایات کا مقصد حضرت عمرؓ کی درشت خوئی، سخت گیری اور کفر پرستی کو ظاہر کرنا ہے حالانکہ وہ معتدل مزاج، طبّاع اور ذہین تھے، فطری سلامت روی اور حق پرستی ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ اگر الصحیح البخاری کی اِس روایت کا مطالعہ کیا جائے (جس کے وہ خود راوی ہیں) تو پتہ چلے گا کہ اصل واقعہ اس طرح نہیں جس طرح اسے بیان کیا جاتا ہے بلکہ آپ ابتداء ہی سے "ہاتفِ غیب کی آواز" پر لبیک کہہ چکے تھے، باقی روایات ایک

Marfat.com

خاص مقصد کے لیے بنی گئی ہیں۔ (الصحیح البخاری۔ باب بنیان الکعبۃ، باب اسلام (حضرت) عمرؓ بن الخطاب)

۲۶۔ عیون الاثر۔ ابن سید الناس، ج ۱، ص ۱۳۷؛ تاریخ ابن خلدون، ج ۴، ص ۲۴۷۔

(اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ)

۲۷۔ الطبقات الکبریٰ۔ ابن سعد۔ ج ۳۔ ص ۱۹۳

۲۸۔ ایضاً۔ ابن سعد۔ ج ۳، ص ۱۹۴؛ الصحیح البخاری، علامہ بخاریؒ۔ باب اسلام عمرؓ۔ نیز۔ السیرۃ النبویہ۔ ابن ہشام۔ ج ۱، ص ۳۴۹۔

۲۹۔ السیرۃ النبویہ۔ ابن ہشام۔ ج، ص ۳۴۹؛ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور۔ ج ۲، ص ۱۶۸۔ ۱۷۲؛ دائرۃ المعارف اسلامیہ، ج ۳، ص ۳۱۶

۳۰۔۳۱۔ تفسیرِ ماجدی، مولٰنا عبدالماجد دریاآبادی، ج ۲ (حواشی سورہ روم، ص ۸۱۴)؛ نیز تاریخِ زوالِ روما، ایڈورڈ گبن۔ ج ۲، ص ۷۸۸

Marfat.com

باب گیارھواں (۱)

"چاندی کے لیے گھریا ہے اور سونے کے لیے بھٹی پر خداوند دلوں کو تپاتا ہے۔"

اسلام کی ترویج و اشاعت اور اس کی تعمیر و ترقی قریشِ مکہ کو ایک آنکھ نہ بھاتی۔ ان کی تمام مساعی، جن کا مقصد لوگوں کو حلقہ بگوشِ اسلام ہونے سے دُور رکھنا تھا، انھیں آخرت کے تصوّر سے بدظن کرنا تھا اور نئی دعوتِ انقلاب کو قبول کرنے والوں کی شکست، غُربت اور انکسار کو واضح کرنا تھا، بُری طرح ناکام ہو چکی تھیں۔ انھیں یہ احساس کھاتے جا رہا تھا کہ ان کے اپنے بھائی بند اور اعزہ و اقربا، نہ صرف خدا کا نام لیتے ہیں بلکہ وہ اس کی سربلندی اور فتح و کامرانی کے لیے "ہر متاعِ عزیز" کو قربان کرنے کو تیار ہیں۔ ابھی کل کی بات تھی کہ مسلمانوں نے اپنے قائد کے خفیف سے اشارے پر "خاکِ وطن" کو چھوڑ، ایک ایسی سرزمین کی طرف، ہجرت کی تھی جو 'ارضِ صدق' ہونے کے باوجود تکلیف دہ ہو سکتی تھی۔ اور ان گنت مشکلات و مصائب کی آماجگاہ بن سکتی تھی۔ مزید برآں حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا اسلام لے آنا کفارِ مکہ کے لیے 'پیامِ مرگ' سے کم نہ تھا۔ ↓

انھوں نے تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد، سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) اور بنی ہاشم، اور بنی عبدالمطلب کے خلاف انتہائی قدم اُٹھانے کا فیصلہ کیا۔ تمام قبائل نے قسم کھا کر یہ عہد کیا کہ "جب تک بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب رسولِ مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے حوالے نہ کر دیں، اس وقت تک اُن سے میل جول، بول چال، خرید و فروخت اور شادی بیاہ کا کوئی تعلق نہ رکھا جائے گا۔" یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا↓ اور اُسے درِ کعبہ پر آویزاں کر دیا گیا۔ ابن عبدالبر اور ابنِ سعد کے مطابق یہ یکم محرم ۷ بعد بعثت کا واقعہ ہے۔

حضرت ابوطالب مجبور ہو کر دونوں خاندانوں کے افراد کے ساتھ شِعب ابی طالب میں پناہ گزیں ہو گئے۔ محصوری کا زمانہ کم و بیش تین سالوں پر پھیلا ہُوا ہے۔ محصورین کی ناکہ بندی اس شدت سے کی گئی کہ ان کو کھانے پینے کی اشیاء پہنچانے کے تمام راستے مسدود ہو کر رہ گئے۔ باہر سے آنے

Marfat.com

والے تاجر جب مکہ میں داخل ہوتے تو ابوجہل انہیں سختی سے ڈانٹ کر کہتا کہ وہ اپنا مال محصورین کے ہاتھ فروخت نہ کریں۔ اور اگر کرنا بھی ہو تو اُن سے اتنی زیادہ قیمت کا مطالبہ کریں کہ محصورین ادا نہ کر سکیں۔ اِس ناروا سختی سے ان کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ ان کے بھوکے بچوں کے رونے بلکنے کی آوازیں شعب ابی طالب کے باہر سنائی دیتی تھیں۔ یہ لوگ صرف حج کے زمانے میں نکلتے تھے اور دوسرا حج آنے تک اپنے محلّے میں بند رہتے تھے۔ ان پاکیزہ انسانوں نے کبھی تو طلح کے پتے کھا کر گزارہ کیا اور کبھی سوکھا چمڑا پانی سے دھو کر، آگ پر بھون کر اور پانی میں ملا کر کھایا۔ حضرت سعدؓ بن وقاص سے اسی مضمون کی روایت نقل ہوتی ہے جس سے محصورین کی بے برگی، بے نوائی کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت حکیم بن حزام (حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بھتیجے) کبھی کبھی چوری چھپے صلہ رحمی کا حق اُدا کرتے اور محصورین کے لیے غلہ بھجوا دیتے۔ ایک مرتبہ ابوجہل نے حضرت حکیم بن حزام کو غلہ بھجواتے ہوتے پکڑ لیا اور طعن و تشنیع کے وہ تمام تیر اُن پر برسانے جو اُسے میسر آ سکتے تھے۔ یہ جھگڑا جاری تھا کہ ابوالبختری ادھر آنکلا۔ اور پوچھا کہ جھگڑا کس بات پر ہو رہا ہے۔ ابوجہل نے کہا: کہ اس کی یہ جرأت کہ وہ بنی ہاشم کے فاقہ زدوں کے لیے غلہ لے جا رہا ہے؟ ابوالبختری نے کہا: اِس میں کیا حرج ہے کہ وہ اپنی پھوپھی کی تھوڑی سی مدد کر دے۔ ابوجہل نے، جو تاریکی کا دیوتا اور شقاوت و بدبختی کی علامت تھا، سر ہلاتے ہوتے انکار کر دیا۔ چنانچہ دونوں میں پہلے تو تکرار ہوئی اور پھر ہاتھا پائی۔ ابوالبختری نے اُسے خوب رگیدا۔ اِس جھگڑے کو حضرت حمزہؓ دیکھ رہے تھے۔ دونوں "مشرکوں" کی جب ان پر نظر پڑی تو انھوں نے شرمساری کے سبب اپنا جھگڑا ختم کر دیا۔ ابوالبختری کے علاوہ جن لوگوں نے جرأت و ہمت سے محصورین کی مدد کی اور ان کے درد و غم میں شرکت کی، ان میں ہشام بن عمرو (العامری) بھی تھا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ اونٹ پر غلّہ لاد کر رات کے وقت شعب کے سرے پر لاتا اور اس کو گھاٹی کے اندر دھکیل دیتا۔ جسے محصورین پکڑ لیتے اور غلّہ اُتار کر اونٹ کو واپس کر دیتے۔ اگرچہ اسے بھی کئی مرتبہ الٹی میٹم دیا گیا لیکن ابوسفیان کی سفارش پر اس کا معاملہ ٹل جاتا۔

قریش کا یہ قدم کس قدر وحشیانہ تھا اور انسانی ہمدردی کے جذبات کے خلاف۔ لیکن

Marfat.com

محصورین تھے کہ ان مصائب و آلام کے باوجود اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے تھے۔ انھوں نے کسی سے رحم کی اپیل کی نہ کسی سے معذرت چاہی۔ جوں جوں یہ مقاطعہ طویل ہوتا گیا بعض "صاحبِ دل" لوگوں کا جذبۂ نفرت قریش کے خلاف تیز سے تیز تر ہوتا چلا گیا۔ بنی ہاشم اور بنی المطلب پر فاقہ کشی کی وہ نوبت آئی کہ ان کے بچوں کے رونے اور بلکنے کی آوازیں دُور دُور تک سنائی دیتیں۔ وہ لوگ جو پڑوس ہی میں رہتے تھے، اِن آوازوں کو سُن کر بے تاب ہوتے جاتے تھے۔ تیسرے سال کے اختتام پر بنی عبدمناف، بنی قصیٰ اور دوسرے ان لوگوں نے جن کے شادی بیاہ کے تعلقات بنی ہاشم سے تھے، ایک دوسرے کو ملامت کرنا شروع کی اور اس فعل کو قطعِ رحمی قرار دیتے ہوئے اِس بات کا اعتراف کیا کہ وہ خاندانی حقوق کے استخفاف کے مرتکب ہوتے ہیں۔

ہشام (العامری) نے (جو بنی ہاشم کا قریبی رشتہ دار ہونے کے علاوہ ایک ہوش مند اور ہمدرد انسان تھا) زہیر سے کہا: "کیوں زہیر! تم کو یہ پسند ہے کہ تم کھاؤ پیو، زندگی کی آسائشوں کا لُطف اُٹھاؤ اور تمھارے ماموں کو ایک دانہ تک نصیب نہ ہو؟" زہیر نے اپنی کمزوری اور ضعفِ ذات کا ذکر کرتے ہوئے کہا: "اگر میری مدد پر کوئی صاحب آمادہ ہوں تو مَیں اس غیر انسانی معاہدے کو پھاڑ کر پھینک سکتا ہوں۔" ہشام نے کہا: ایک آدمی ساتھ دینے والا تو مَیں ہوں اب اور آدمی تلاش کر لو تاکہ معاملے کو آگے بڑھایا جا سکے۔ اب دونوں مل کر مُطعم بن عَدی کے پاس گئے جو ایک بارسوخ اور جرأت مند انسان تھا۔[۱] ابوالبختری، ابن ہشام اور زمعہ بن الاسود نے بھی ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔

اگلے روز یہ تمام حضرات مل کر خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ زہیر (بن اُمیّہ) نے بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

> اے گروہِ قریش! "یہ کیسا انصاف ہے کہ ہم لوگ تو خوب کھائیں پئیں، چلیں پھریں اور قومی تقریبات میں شرکت کریں لیکن بنو ہاشم کو جبری قید میں ڈال دیا جائے۔ ان کو کھانے کے لیے کچھ میسّر ہو نہ پینے کے لیے۔ زندگی اپنی تمام وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ کر دی جائے۔ خدا کی قسم! مَیں ہرگز نہ بیٹھوں گا جب تک اِس ظالمانہ مقاطعہ کی دستاویز پھاڑ نہ دی جائے گی۔"[۲]

Marfat.com

ابوجہل سے رہا نہ گیا۔ کہنے لگا: اس معاہدے کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ زمعہ نے کہا: تُو جھوٹا ہے۔ جب یہ معاہدہ لکھا جارہا تھا اس وقت بھی ہم اس کی شرائط سے متفق نہ تھے۔ مُطعم بن عَدی نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس دستاویز کو، جس کی تمام تحریر کو دیمک چاٹ گئی تھی سوائے "بِاسْمِكَ اَللّٰهُمَّ" کے، پکڑ کر چاک کر دیا یہی لوگ ہتھیار بند ہو کر شعب ابی طالب میں داخل ہوئے اور زندان کے باسیوں سے کہا:

"آج کا دن تمھیں مبارک ہو۔ تم آزاد ہو"۔

حضرت ابوطالب کا یہ شعر اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے:

فَیُخْبِرَهُمْ اَنَّ الصَّحِیْفَةَ مُزِّقَتْ ۔۔۔ وَاَنْ کُلُّ مَا لَمْ یَرْضَهُ اللّٰهُ مُفْسَدٌ

(کیا کوئی شخص ایسا نہیں) جو انھیں اس بات کی خبر دے کہ معاہدہ کی تحریر چاک چاک کر دی گئی ہے اور یہ کہ جس چیز میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی نہ ہو، تباہ ہو جاتی ہے)

قریش کے بااثر آدمیوں نے جب اپنا فیصلہ، جس کی رُو سے خاندانِ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو شعب ابوطالب میں بند کر دیا گیا تھا، واپس لے لیا تو ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپؐ کے عزیزوں نے آرام کا سانس لیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ قدرتِ کاملہ کو ابھی اور امتحان لینا مقصود تھا۔ ۱۰ بعد بعثت میں (محصوری سے رہائی کے فوراً بعد) آپؐ کے عمِ مہربان، حضرت ابوطالب جو آپؐ کے کاموں میں آپؐ کے قوتِ بازو، نگرانِ کار اور قوم کے مقابلے میں محافظ و مددگار تھے انتقال فرما گئے۔ اس کے چند ہی روز بعد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفادار اور غمگسار بیوی حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بھی اللہ میاں کو پیاری ہوئیں۔ اگر اوّل الذکر کی شفقت اور ان کا ایثار جس کا وافر ثبوت انھوں نے قدم قدم پہ دیا، اور ان کی جرأت و حمیت جو شمعِ رسالت کی حفاظت کے لیے ہمیشہ جواں نظر آتی تھی، نظرانداز نہیں کی جاسکتی تو یقیناً حضرت خدیجہؓ کی رِفق و ملاطفت، ان کی طبیعت کا ٹھہراؤ اور ٹھہراؤ اور اسلام کے لیے ان کی عظیم قربانیاں بھی بھلائی نہیں جاسکتیں۔

یہ (حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ) وہی خاتونِ محترم ہیں جنھیں خدائے بزرگ و برتر کا سلام پہنچتا رہا۔ اور جنھیں ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جنت میں موتیوں سے بنے ہوئے ایک

Marfat.com

ایسے گھر کی خوش خبری دی تھی جس میں تھکن ہوگی نہ شور و شغب تھا۔ ابن سعد کا خیال ہے کہ ۱۵ شوال سنہ ۱۰ بعد بعثت کو حضرت ابوطالب نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی اور اس کے ایک ماہ پانچ دن بعد حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ کے جوارِ رحمت میں پہنچیں۔ آپ کو حجون کے مقام پر سپردِ خاک کیا گیا۔ آنحضور نے حضرت سیدہؓ کو خود قبر میں اُتارا۔ آپ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی اس لیے کہ اس وقت تک نمازِ جنازہ کی اجازت نہیں ملی تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

سنہ ۱۰ بعد بعثت کا سال "عَامُ الحزن" کہلاتا ہے۔ ان دونوں کی وفات سے نہ صرف ختمی مرتبت پر اندوہ و غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا بلکہ قریشِ مکہ یہ دیکھتے ہوتے کہ آپؐ کا پشتیبان اب کوئی نہیں رہا آپؐ کو نت نئے مصائب و آلام سے دوچار کرنے کی تدبیریں کرنے لگے۔ انھوں نے آپؐ کی تذلیل کے لیے ان تمام حربوں کو ایک بار پھر آزمانا چاہا جنھیں وہ پہلے بھی آزما چکے تھے انھوں نے آپؐ کے سرِ مبارک پر خاک ڈالنے کی جسارت کی۔ انھوں نے آپؐ کے ساتھ استہزا اور کٹ حجتی کے وہ شرمناک طریقے اپنائے جن کو دیکھ کر ایک شریف آدمی کی جبیں عرقِ ندامت سے تر ہو جاتی ہے۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ جو ابھی کمسن تھیں اپنے باپؐ کی مدد کو دوڑتیں، سرِ مبارک سے گرد جھاڑتیں اور زلفِ واللیل کو دھوتیں۔

ایک مرتبہ جب عُقبہ بن ابی مُعیط نے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیٹھ مبارک پر ایک مُردہ اونٹ کی اوجھ اُٹھا کر رکھ دی تو حضرت فاطمہؓ کو پتہ چلا۔ آپ دوڑتی ہوئی آئیں اور گندگی کے اس انبار کو آپؐ کے اوپر سے کھینچ کھینچ کر پھینکا۔ ابنِ اسحٰق کی روایت کے مطابق جب کبھی حضرت فاطمہ الزہراؓ کو اس قسم کا تکلیف دہ کام انجام دینا پڑتا تو آپ (کم سنی کے سبب، اس لیے کہ تاریخی روایات کے مطابق آپ کی عمر اس وقت ۹ برس سے زیادہ نہ تھی) رو پڑتیں۔ حضور ختمی مرتبت انھیں تسلی دینے کے لیے یہ فرماتے جاتے تھے کہ:

"رو نہیں میری بیٹی۔ اللہ تیرے باپ کا حامی ہے۔" ۳؎

ابنِ سعد نے "طبقات الکبریٰ" میں، علامہ قسطلانی نے "مواہب" میں اور علامہ زرقانی نے "شرحِ مواہب" میں مختلف حوالوں سے حضرت ابوطالب کی وصیتیں نقل کی ہیں جو آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں قریش کے اشراف کو یا محبوب داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یا اپنے

Marfat.com

اولاد کو کی تھیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ قریش کا یہ عظیم سردار اور صاحب بصیرت انسان وقت کی نبض پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا اور وہ آنے والے دور کی واضح تصویر دیکھ رہا تھا۔ آپ نے قریش کو جہاں خانہ کعبہ کی تعظیم، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور ان کے حقوق کی رعایت، امانات کی حفاظت اور ان کی ادائیگی کی تاکید کی وہاں انھیں سید خیرالانامؐ کی عزت و توقیر کی بھی وصیت کی۔ یہ محسوس کرتے ہوتے کہ "محسن" اور "نگہبان" اب دنیا سے جا رہا ہے، ختمی مرتبتؐ نے فرمایا:

"چچا جان! آپ ان لوگوں کو تو نصیحت کرتے ہیں مگر خود اپنے آپ کو کیوں نظر انداز کر رہے ہیں؟"

حضرت ابوطالب نے جواب دیا:

"میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میں موت کے وقت گھبرا کر اکھڑ جانے والا قرار دیا جاؤں۔ اور قریش یہ رائے قائم کر لیں کہ میں نے صحت کی حالت میں جس چیز کو رد کیا اب گھبراہٹ کی حالت میں اسے اختیار کر رہا ہوں۔" (۱)

ابنِ سعد نے کہا ہے کہ جب حضرت ابوطالب کا انتقال ہونے لگا تو انھوں نے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے پاس بلایا اور کہا:

"اگر مناسب سمجھیں تو میری وفات کے بعد اپنے اخوال (بنی نجار) کے پاس مدینے چلے جائیں۔ اس لیے کہ وہ اپنے لوگوں کی حفاظت میں سب لوگوں سے بڑھ کر سخت ہیں۔" (۲)

اللہ اللہ۔ کیا بات کہی ہے آپ نے! اور پھر ایسے وقت میں جب کسی کو اس بات کا سان گمان بھی نہ تھا کہ مدینہ ہی اسلام کا گہوارہ بنے گا۔ اور وہ "شجرِ طیبہ" جس کی لچکیلی شاخوں کو مکہ مکرمہ کی بادِ سموم کا خطرہ تھا، مدینہ کی سرزمین میں بار آور ہو گا۔ اس کی گھنی چھاؤں میں نہ صرف مدینہ منورہ کے باسی ہی آرام کریں گے بلکہ ایک دنیا اس کے ساتھ ٹیک لگانے کی خواہش مند رہے گی تاکہ آفات سے مامون اور درجات میں بلند رہے۔

مدینہ منورہ اسلام کا قلعہ ثابت ہوا۔ حضرت ابوطالب کی پیشین گوئی چند ہی سال کے بعد حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ اپنے پرائے ہوتے اور انصار دوسروں پر بازی لے گئے۔ ابنِ عبدالبر

Marfat.com

نے حضرت عمرؓ کے عہدِ ہمایوں کا ایک واقعہ نقل کرتے ہوتے کہا ہے کہ:

"ایک روز قریش کے شیوخ جن میں سُہیل بن عمروؓ اور حضرت ابوسفیان جیسے لوگ شامل تھے، امیرالمومنین سے ملنے کے لیے آئے۔ وہ ابھی اجازت کے انتظار میں باہر بیٹھے تھے کہ حضرت بلالؓ حبشی اور صہیبؓ رومی کو اندر بلایا گیا۔ حضرت ابوسفیانؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کیا وقت آیا ہے کہ ہم جیسے لوگ انتظار میں بیٹھے ہیں اور ان غلاموں سے اندر مشورے کیے جا رہے ہیں۔ اس پر سہیل نے کہا: آپ حضرات اس کا شکوہ تو اپنے آپ سے کریں۔ جب اسلام کی دعوت دی گئی تھی تو ان لوگوں نے سبقت کی اور آپ پیچھے بیٹھے رہ گئے۔"

شوال سنہ ۱۰ بعد بعثت کا اخیر ہو چکا تھا کہ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے طائف کا سفر اختیار کیا۔ مشرکینِ مکہ کی مخالفت اور مزاحمت اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اس کا سبب اپنی سیادت و ثروت کی بقا، رسوماتِ باطلہ کے تسلسل اور مرئی اور محسوس خداؤں کی بندگی کے تحفظ کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ حضرت ابوطالب کی رحلت اور حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کی جدائی محض دو انسانوں کا فراق ہی نہ تھی بلکہ ان کی موت آپؐ کو خانوادے کی حمایت سے محروم کر گئی۔ جب سے ابولہب بنی ہاشم کا رئیس بنا تھا، آپؐ شہری، قبائلی بلکہ انسانی حقوق سے بھی محروم کر دیئے گئے تھے۔ عرب کے قبائلی نظام کا مطالعہ بھی بتاتا ہے کہ "قبیلے کی حمایت" سے محروم ہو جانے کے بعد "فرد" پر کیا گزرتی۔ وہ اس پرندے کی طرح ہوتا تھا جس کے پَر کاٹ دیئے گئے ہوں، اسے مجبور اور لاچار کر دیا جاتا تھا۔ اس کی جان محفوظ ہوتی نہ مال، عزت محفوظ ہوتی نہ آزادی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے طائف کو اپنی دعوتِ دین کا مستقر بنانے کی راہ کیوں اختیار کی، تاریخ کے ان حقائق کی روشنی میں متعین کرنا مشکل نہیں۔

ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) چاہتے تھے کہ طائف کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اور وہاں کے بااثر متمول اور بااختیار قبیلے، بنی ثقیف، کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ آپؐ کو اپنے ہاں پناہ دیں، آپؐ کی تصدیق کریں اور آپؐ کی مدد کریں۔" حضرت زیدؓ بن حارثہ آپؐ کے شریکِ سفر تھے۔ یہ طویل سفر پیدل طے ہوا۔ راہِ وفا کے ان مسافروں کے پاس سواری کے لیے

Marfat.com

کوئی اونٹ تھا نہ گھوڑا۔ ابنِ قتیبہ نے آپؐ کے قیام کی مدت ۳۰ یوم بتائی ہے جب کہ حافظ مخائی نے ۲۰ یوم اور ابنِ سعد نے ۱۰ روز۔

طائف پر عمرو بن عُمیر کے تینوں بیٹوں، عبدیالیل، مسعود اور حبیب کا پھریرا تھا۔ آپؐ ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ انھیں اسلام کی دعوت دی اور اپنے مشن کی تکمیل کے لیے ان کی اعانت چاہی۔ آپؐ کے استعجاب کی کوئی حد نہ رہی جب آپؐ نے ان کی جبین نخوت پر بل پڑتے دیکھے۔ ان کی صاحبزادگی یہ کیونکر برداشت کر سکتی تھی کہ وہ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فرماں برداری قبول کریں۔ ولید بن مغیرہ نے جب ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خلعت نبوت سے سرفراز ہوتے دیکھا تو اس کا کلیجہ حسد سے چھلنی ہو گیا اور لگا کہنے:

"عطا کا یہ محل کہ نبوت محمدؐ (فداہ ابی وامی) کو مل جائے اور مجھ ایسے قریش کے سردار کو اس سے محروم رکھا جائے۔ اور میری ہی طرح ابو مسعود (عمرو بن عُمیر ثقفی) کو جو طائف کا شہریار ہے، نظر انداز کر دیا جائے۔ جب کہ ہم دونوں ان عظیم بستیوں کے اشراف میں سے ہیں۔" ۱۳

قرآنِ حکیم نے اپنی بلیغ زبان میں اس طرف یوں اشارہ فرمایا ہے:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ	(اور کہنے لگے کہ یہ قرآن دو (مشہور)
عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ	بستیوں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں
عَظِيْمٍ ○ (الزخرف ۴۳: ۳۱)	نازل کیا گیا)

بھائیوں میں سے ایک نے دعوتِ حق کو رد کرتے ہوئے استہزاءً کہا:

"میں کعبے کے پردے نوچ ڈالوں گا اگر اللہ نے آپؐ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔"

دوسرا بولا۔

"کیا خدا کو تمھارے سوا کوئی رسول بنانے کے لیے نہیں ملا۔"

تیسرے نے کہا:

"میں آپؐ سے ہرگز بات نہیں کروں گا۔ کیونکہ اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو آپؐ اس سے بزرگ تر ہیں کہ میں آپؐ کی بات کا جواب دوں۔ اور اگر آپؐ اللہ

Marfat.com

کا نام لے کر جھوٹ بول رہے ہیں تو اس قابل نہیں کہ آپؐ سے بات کی جائے۔"

یہ گفتگو حد درجہ رُوح فرسا تھی۔ مایوس ہو کر آپؐ ان کے پاس سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا :

"خیر۔ جو برتاؤ تم نے مجھ سے کیا سو کیا۔ مگر کم از کم اتنا کرو کہ میری بات کو مخفی رکھو۔"

سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلّم) ثقیف کے تمام رؤسا اور اشراف میں سے ایک ایک کے پاس تشریف لے گئے اور اسے خدائے بزرگ و برتر کا پیغام سُنایا لیکن استکبار پسند لوگوں نے سُنی اَن سُنی کر دی۔ ابن سعد کے مطابق انھوں نے آنحضورؐ کو شہر سے نکل جانے کے لیے کہا اور اپنے ہاں کے گھٹیا لونڈے، بازاری غنڈوں اور بے ہودہ غلاموں کو ہشکا کر آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔ پھر کیا تھا۔ گالیوں کی بوچھاڑ ہوتی، بے ہودہ پن کے مظاہرے ہوتے اور پتھروں کی بارش ہوتی یہاں تک کہ آپؐ کے نعلین مُبارک خون سے بھر گئے۔ زخموں سے نڈھال ہو کر جب آپؐ بیٹھ جاتے تو وہ آپؐ کو پکڑ کر کھڑا کر دیتے تاکہ آپؐ پر پھر پتھر برسائیں۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ آپؐ کو پتھروں سے بچانے کے لیے خود پتھروں کی بارش اپنے اوپر لیتے رہے۔

ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلّم) زخموں سے چُور، شہر سے باہر ایک باغ کی دیوار سے لگ کر انگور کی بیل کے سائے میں بیٹھ گئے۔ اِس موقع پر آپؐ کا دل بھر آیا اور آپؐ نے اپنے رب کی طرف رجوع کر کے دُعا کی جس کے الفاظ کچھ اس طرح تھے :

"الٰہا! مَیں اپنی قوت کی کمی، اپنی بے چارگی اور لوگوں کی نظروں میں اپنی بے قدری کا شکوہ تجھی سے کرتا ہوں۔"

اے رحم کرنے والے! تو سارے ہی کمزوروں کا رب ہے اور میرا رب بھی تو ہی ہے۔ تُو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے حوالے جو مجھ سے درشتی کے ساتھ پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے حوالے جس کو تُو نے میری قسمت کا مالک بنا دیا ہے؟

اگر تو مُجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی کی کچھ پروا نہیں۔ اگر تیری طرف سے عافیت مل جائے تو اس میں میرے لیے کشادگی ہے۔ مَیں تیرے ہی نورِ جمال کی پناہ طلب کرتا ہوں جس سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور دین و دُنیا کے تمام امور سنور جاتے

Marfat.com

ہیں۔ مجھے اس سے بچالے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا میں تیری ناراضی کا مستحق ہو جاؤں۔ مَیں تیری رضا سے راضی ہوں۔ کوئی زور اور طاقت تیرے بغیر نہیں"۔[۱۹]

یہ باغ جس میں آپؐ "جراحاتِ لسان و سنان" پر مرہم لگانے بیٹھے تھے، مکّہ کے رؤسا عُتبہ اور شیبہ (مقتولانِ بدر) کی ملکیت تھا۔ انھوں نے بھی "رقصِ بسمل" قریب سے دیکھا تھا۔ اسلام سے انکار اور کُفر پر اصرار کے باوجود اُن کا دل بھر آیا۔ انھوں نے اپنے غلام عداس (نینوائی) کے ہاتھ انگوروں کا ایک خوشہ طباق میں رکھ کر آپؐ کی خدمت میں بھیجا جسے آپؐ نے قبول فرمالیا۔ جونہی آپؐ نے "بسم اللہ" پڑھ کر خوشے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو عداس بولا :

"ارے صاحب! یہ کیسا کلمہ ہے؟ مَیں نے اِس بستی کے رہنے والوں کی زبان سے یہ کلمہ کبھی ادا ہوتے نہیں سُنا"

ختمی مرتبتؐ نے عداس سے اس کا وطن اور مذہب دریافت فرمایا۔ اس نے عرض کیا: مَیں نینوا کا رہنے والا ہوں اور مذہباً حضرت عیسٰیؑ کا پیرو ہوں۔ آپ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے فرمایا: تو تم مردِ نکوکار حضرت یونسؑ بن متی کی بستی کے ہو! اُس نے پوچھا: آپؐ ان کو کیسے جانتے ہیں؟ فرمایا: وہ میرے بھائی ہیں۔ وہ بھی نبیؑ تھے اور مَیں بھی نبیؐ ہوں۔ عداس کی وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ وہ آپؐ کے ہاتھ کو چومتا، جبینِ مبارک کو بوسہ دیتا اور ہزار بلائیں لیتا۔ ربیعہ کے بیٹوں سے یہ منظر دیکھا نہ گیا۔ ایک نے دوسرے سے کہا :

"لو بھئی۔ اُسؐ نے تمھارے غلام کو بھی بگاڑ دیا ہے"

جب عداس واپس آیا تو انھوں نے اسے شرم دلائی۔ لیکن عداس کا جواب ایسا مسکت تھا کہ دونوں بھائی چکّر کھا کر رہ گئے۔ اُس نے کہا :

"میرے آقا! زمین پر ان سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ انھوں نے مجھے ایک ایسی چیز کی خبر دی ہے جس کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا"[۲۰]

انھوں نے کہا: عداس اپنے دین پر قائم رہو۔ یہ ان کے دین سے بہتر ہے۔

طائف کے باسیوں کی قسمت میں ابھی توحید کا اقرار لکھا نہ تھا۔ آپؐ طائف سے واپس لوٹ آئے۔ آپ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے کسی سے برہمی کا اظہار فرمایا نہ کسی کے لیے بددعا کی۔ جب

Marfat.com

حضرت زیدؓ بن حارثہ نے آپؐ کو بددُعا کرنے کے لیے کہا تو آپؐ نے فرمایا :

"مَیں ان لوگوں کی تباہی کی دُعا کیوں مانگوں ؟ اگر یہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے تو نہ لائیں، ان کی اولاد تو ایمان لائے گی"۔

یہ دن ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کتنا بھاری تھا؛ اس کا اندازہ اس روایت سے لگایا گیا ہے جسے امام بخاریؒ نے کتاب بدء الخلق میں اور امام مسلمؒ نے کتاب المغازی میں حضرت عائشہؓ کی زبان سے نقل کیا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے آنحضورؐ سے عرض کیا :

"کیا آپؐ پر اُحد کے معرکے سے بھی زیادہ سخت وقت کوئی آیا ہے ؟"

آپؐ نے فرمایا :

" طائف کا سفر سب سے زیادہ صبر آزما تھا۔ رنج و غم اس قدر فراواں تھا کہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کدھر کو جاؤں اور درد و الم کا یہ عالم تھا کہ راستہ سجھائی نہ دیتا تھا۔ جدھر منہ اٹھا ادھر چل پڑا۔" ۱۸

مارگولیس سمجھتا ہے کہ طائف کا سفر آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی (نعوذ باللہ) بے تدبیری کا نتیجہ تھا۔ جب مکہ کے لوگوں نے آپؐ کو اذیت پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی، تو وہ طائف کے امراء سے، جو مکہ کے زیر اثر تھے، کیا توقع رکھ سکتے تھے۔ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے سر ولیم میور نے مختلف زاویہ نگاہ اختیار کیا ہے وہ سمجھتا ہے کہ :

"ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جان جوکھوں میں ڈال کر تنہا دیار غیر میں" اعلائے کلمۃ الحق" کے لیے جانا اور وہاں کے اشراف کو اپنے منشور سے آگاہ کرنا آپؐ کی بلند حوصلگی، غیر معمولی خود اعتمادی، اور اپنے کام کے من جانب اللہ ہونے پر بہت بڑی دلیل ہے۔ آپؐ خدا کے نام پر اسی طرح دلیرانہ آگے بڑھے تھے جس طرح حضرت یونسؑ نینوا کی بت پرست قوم کو توبہ کرنے اور اپنی رسالت کا اقرار کرنے کی دعوت دینے تشریف لے گئے تھے۔" ۱۹

اِس میں شک نہیں کہ یہ مہم فوری نتائج کے لحاظ سے زیادہ کامیاب نہ ہوئی لیکن تحریک اسلام کی غایت کے اعتبار سے اِس سفر کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے اپنے آپ کو اور خدائے لم یزل کے پیغام کو ان لوگوں کے سامنے پیش کیا جو اپنے مال و منال اور اثر و رسوخ کے لیے منفرد مقام کے حامل تھے۔ اور یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت (نبوت) کے حقدار ہم ہی ہیں۔ اِس مہم نے طائف کی سرزمین میں اسلام کا بیج اس طرح بویا کہ وہ کفر و سرکشی کے دبیز پردوں کے نیچے کچھ دیر نشو و نما پاتا رہا اور آخرکار ایک دن تاریک پردوں کو پھاڑ کر ایک گرانڈیل درخت کی صورت میں نمودار ہُوا۔

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) طائف سے واپس لوٹے تو نخلہ میں چند روز کے لیے قیام فرمایا۔ ایک رات جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے مالکِ حقیقی سے لَو لگائے بیٹھے تھے اور قرآنِ مجید کی تلاوت 'ترتیل' سے فرما رہے تھے تو جنوں کی ایک جماعت حاضر ہوئی۔ انھوں نے سرورِ کائنات کو سورہ رحمٰن' پڑھتے سُنا اور اس پر ایمان لے آئے۔ یہ رہا یہ سوال کہ کیا جن آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے آئے تھے اور کیا آپؐ نے واقعی ان کی آمد کو محسوس کیا، تو اس کا ایک جواب اس روایت سے ملتا ہے جسے امام ترمذیؒ، حاکم اور بزّار نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے اور ابن جریر الطبریؒ اور الخطیب نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے۔ یہ روایت معمولی لفظی تغیر کے ساتھ اس طرح بیان ہوئی ہے:

"ایک مرتبہ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سورۃ رحمٰن خود تلاوت فرمائی یا آپؐ کے سامنے یہ سورہ پڑھی گئی۔ آپؐ نے لوگوں سے فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں تم سے ویسا اچھا جواب نہیں سُن رہا ہوں جیسا جنوں نے اپنے رب کو دیا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کیا جواب تھا؟ آپؐ نے فرمایا: جب میں فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ پڑھتا تو جن اس کے جواب میں کہتے: لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِعْمَةِ رَبِّنَا نُكَذِّبُ (ہم اپنے رب کی کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے)

سورۃ احقاف کی آیات ۲۹ تا ۳۲ سے پتہ چلتا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس بات کی خبر دی تھی کہ جنوں نے آپؐ سے قرآن سُنا اور اس سے اچھا اثر قبول کیا۔ ممکن ہے کہ جس جواب کی طرف اوپر کی روایت میں اشارہ کیا گیا ہے، اس کی اطلاع بھی علم الغیب

Marfat.com

نے محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خود ہی دی ہو۔

نخلہ سے واپسی پر آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) غارِ حرا میں تشریف فرما ہوتے۔ آپؐ نے مُطعم بن عَدی کو پیغام بھجوایا کہ وہ آپؐ کو اپنی پناہ میں لینے کے لیے تیار رہے؟ مُطعم نے آپ کو پناہ دینا قبول کر لیا۔ یہ عربوں کی روایت میں سے تھا کہ حمایت طلب کرنے والے کو، دوست ہو یا دشمن، پناہ دی جاتی۔ مُطعم نے اپنے بیٹوں کو ہتھیار بند ہو کر حرمِ پاک میں پہنچنے کے لیے کہا اور وہ خود آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے ساتھ لایا۔ اُس نے کفارِ مکہ کی موجودگی میں اعلان کیا کہ مَیں نے محمدؐ (فداہُ ابی و امی) کو پناہ دی ہے۔ [۲۱]

رحمۃ للعالمینؐ کو مُطعم بن عَدی کا یہ احسان ہمیشہ یاد رہا۔ چنانچہ بدر کی لڑائی کے بعد، جب قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا سوال پیدا ہوا تو آپؐ کو مُطعم کی یاد آ گئی۔ آپؐ نے فرمایا:

لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بنُ عدیّ	(اگر مُطعم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے
حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِيْ فِيْ هٰؤُلَاءِ	ان سفاک لوگوں کے متعلق بات کرتا تو
النَّتْنٰى لَتَرَكْتُهُمْ لَهٗ [۲۲]	مَیں اس کی خاطر انھیں چھوڑ دیتا۔)

حضرت حسّان بن ثابت (مادحِ رسولؐ) نے حضورِ اکرمؐ کی خوشنودی کے لیے مُطعم کی موت پر جو قصیدہ کہا ہے وہ آنحضورؐ کی احسان شناسی کا مُنہ بولتا ثبوت ہے۔ شِعب ابی طالب کی محصوری کے زمانے میں بھی اس کی خدمات بُھلائی نہیں جا سکتیں۔ اس نے ہشام بن عَمرو، زُہیر بن ابی اُمیہ، ابوالبختری اور زمعہ بن الاسود کے ساتھ مل کر قریش کے معاہدے کو توڑنے اور نوشتے کو چاک کرنے میں جس جرأت و بے باکی کا ثبوت دیا ہے، اس کی مثال آج کے زمانے میں، جب کہ زندگی کی اعلیٰ قدریں پامال ہو چکی ہیں، تلاش کرنا محال ہے۔ [۲۳]

حضرت حسانؓ کے قصیدے کا مطلع ہے ؎

أَيَا عَيْنُ فَابْكِيْ سَيِّدَ الْقَوْمِ وَاسْفَحِيْ ۔۔۔ بِدَمْعٍ وَإِنْ أَنْزَفْتِهِ فَاسْكُبِي الدَّمَا

(اے آنکھ۔ قوم کے سردار (مُطعم بن عَدی) کی موت پر رو اور آنسو بہا۔ اور اگر آنسوؤں کو تُو نے ختم کر دیا ہے، تو خون بہا)

أَجَرْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْهُمْ فَأَصْبَحُوْا ۔۔۔ عَبِيْدَكَ مَا لَبّٰى مُهِلٌّ وَأَحْرَمَا

Marfat.com

(تو نے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان لوگوں سے پناہ دلائی (جو شقی اور بدبخت تھے) اس لیے جب تک لبیک کہنے والا لبیک کہتا رہے گا اور احرام باندھنے والا احرام باندھتا رہے گا، وہ تیرے زیر بارِ احسان رہیں گے۔)

فَمَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ الْمُنِيرَةُ فَوْقَهُمْ عَلٰى مِثْلِهِ فِيهِمْ أَعَزَّ وَأَعْظَمَا

(سورج آج تک کسی ایسے آدمی پر طلوع نہیں ہوا جو ممدوح سے زیادہ عزت اور عظمت والا ہو۔) [24]

غمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) طائف سے واپس لوٹے تو مکہ کی فضا میں وہ گھٹن تھی کہ دم لینا مشکل ہوا جاتا تھا۔ مشرکینِ مکہ کی آنکھوں میں سرخ ڈورے تھے۔ وہ آپؐ کے مشن کی ناکامی پر نہ صرف مسرور و شادماں تھے بلکہ وہ یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ آپؐ ہر قسم کی حمایت و ہمدردی سے محروم ہو جانے کے بعد اس انقلابی تحریک سے بھی دست بردار ہو جائیں گے جسے آپؐ نے شروع کر رکھا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ طائف کے سفر کے دوران میں آپؐ نے حزن و غم اور رنج و الم کے آخری نقطہ کو چھو لیا تھا جس کے بعد رحمتِ خداوندی نے آپؐ کو اپنی حفظ و امان میں لے لیا قانونِ فطرت یہی رہا ہے کہ "رہروانِ کوئے تمنا" جب تک کوہکن کی طرح پہاڑ کاٹ کر جوئے شیر نہیں لاتے اور مصائب و آلام کی کٹھالی میں طلاء کی طرح آب نہیں ہوتے، طلوعِ سحر کا مژدہ انہیں سنایا نہیں جاتا۔ زبور میں ہے کہ:

"صادق پر مصیبتیں بہت ہیں۔" [25]

اور توراۃ میں ہے کہ:

"چاندی کے لیے گھریا ہے اور سونے کے لیے بھٹی۔ پر خداوند دلوں کو تپاتا ہے۔" [26]

قرآنِ مجید نے اسی حقیقت کو ایک انوکھے پیرائے میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"کیا تم یہ گمان رکھتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے دراں حالیکہ تم پر ان لوگوں کے حالات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ انھیں تنگی اور سختی پیش آئی اور انھیں ہلا ڈالا گیا۔ یہاں تک کہ پیمبر اور ان پر ایمان لانے والے لوگ پکار

Marfat.com

اُٹھے کہ اللہ کی نصرت کب آئے گی ۔ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی امداد قریب ہی ہے "۔ (البقرہ : ۲۱۴)

باب گیارھواں (۲)

قبائل کو دعوتِ حق

قریشِ مکہ کی اُمیدیں بَر نہ آئیں ۔ ان کا خیال تھا کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے فندفریب کے پیشِ نظر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کسی دوسرے خطۂ زمین کو چلے جائیں گے ۔ مگر ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا جب انھوں نے دیکھا کہ آپؐ نئے عزم اور نئے حوصلوں کے ساتھ قبائل کے اجتماعات میں بادیہ نشینوں کو دعوتِ فکر وعمل دے رہے ہیں ۔ انھیں لات ومنات کی پرستش سے منع فرماتے ہیں، خدائے بزرگ و برتر کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں اور اپنی رسالت کا اقرار کرانے کے ساتھ ساتھ مسئولیت کا احساس بھی دلاتے ہیں ۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) قومی اجتماعات میں ہر قبیلے کے ٹھکانے پر تشریف لے جاتے اور انھیں اپنی رسالت کی خبر دیتے ہوئے فرماتے :

"مَیں تمھیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیتا ہوں ۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ ۔ اور ان ہستیوں سے جن کی تم پرستش کرتے ہو، کنارہ کش ہو جاؤ ۔ مجھ پر ایمان لاؤ، میری تصدیق کرو اور میری اعانت کرو تاکہ مَیں اس پیغام کو کھول کر بیان کر سکوں جو مَیں لے کر آیا ہوں "۔

ابولہب، جو بڑھاپے کا بھوت تھا، آپؐ کے ساتھ لگا رہتا ۔ جہاں کہیں آپؐ جاتے، وہ آپؐ کے پیچھے پہنچتا ۔ جب آپؐ اپنی بات کا آغاز کرنے لگتے تو وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر لوگوں کو سُننے سے منع

Marfat.com

کرتا اور کہتا:

"لوگو! اس کے قریب نہ جاؤ۔ یہ شخص چاہتا ہے کہ تم لات و عزّیٰ کا جوا اپنی گردنوں سے اُتار پھینکو۔ بنی مالک بن اُقیش کے جنّوں سے، جو تمھارے حلیف ہیں، علیحدگی اختیار کر لو اور اس بدعت و گمراہی کو قبول کر لو جو وہ (نعوذ باللہ) اپنے ساتھ لایا ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ اس کی شنوسنا اس کی اطاعت کرو"۔ ۷۹

اس یاس انگیز اور رُوح فرسا ماحول میں جب بڑے بڑے لوگوں کا زہرہ آب ہوتا، آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) بے دھڑک ہر قبیلے کے پڑاؤ پر تشریف لے جاتے۔ ان کے بااثر افراد سے ملتے اور انھیں اس اُردہلی صبح سے استفادہ کرنے کے لیے فرماتے جو مطلعِ رسالت پر پھوٹ رہی تھی اور ایک نئے سماجی اور اخلاقی شعور کا پیغام دے رہی تھی۔

جن قبائل سے ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ملاقات ہوئی ان میں بنی کندہ، بنی کلب بنی بکر بن وائل، بنی حنیفہ، بنی عامر بن صعصعہ اور بنی عبس خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اصحابِ سِیَر نے پندرہ کے قریب ایسے قبائل کے نام گنوائے ہیں جنھیں آپؐ کے حیات بخش پیغام کو اکثر سننے کا موقع ملتا رہا اور وہ متاثر بھی ہوتے لیکن ان کی قبائلی وفاداریاں، معاشی اور معاشرتی مصلحتیں اس دعوتِ حق کے قبول کرنے میں رکاوٹ بنتیں۔ یہ قبائل اپنی قوت و شوکت اور اپنے اثر و رسوخ کے لیے خاص اہمیت رکھتے تھے۔

کِندہ کا قبیلہ جنوبی عرب میں حضر موت سے یمن تک پھیلا ہوا تھا۔ قوت و شوکت اور وقار و تمکنت میں بہت کم قبائل اس کا لگا کھاتے تھے۔ آپؐ مُلیح سے ملے، جو شیخِ قبیلہ تھا۔ آپؐ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن اس نے سُنی اَن سُنی کر دی۔ کلب ایک اور قبیلہ تھا جو شمالی عرب میں دُومۃ الجندل سے تبوک تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ بنی عبداللہ کہلاتے تھے آپؐ ان کے خیمہ میں تشریف لائے تو فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے تمھارے باپ کو خوبصورت نام دیا ہے۔ کیوں نہیں تم اس کی عبادت کرتے اور اسی کو اپنا کارسازِ حقیقی مانتے؟ یہ بات انھیں قبول نہ تھی۔

(فَلَمْ یَقْبَلُوا مِنْهُ مَا عَرَضَ عَلَیْهِمْ)"

Marfat.com

بنی بکر بن وائل، عرب کے جنگجو قبائل میں سے ایک تھا۔ یہ قبیلہ اپنی جغرافیائی حیثیت کے لحاظ سے ایک منفرد حیثیت کا حامل تھا۔ ایرانی سرحدوں پر آباد ہونے کے سبب کئی بار ایرانی سلطنت سے ٹکر لے چکا تھا۔ اسلام کے دورِ ہمایوں میں یہی قبیلہ ایران کے ساتھ جنگوں میں پیش پیش تھا۔ ذی قار کی جنگ میں اللہ تعالیٰ نے بنی بکر کو اپنی اعانت سے نوازا اور وہ کامیاب ہوتے۔ بنی بکر بن وائل کی وہ شاخ جو یمامہ میں بس گئی تھی، بنی حنیفہ کہلاتی رہی ہے۔ مسیلمہ کذاب اسی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں جو فتنہ ارتداد برپا ہوا اس میں اسلامی افواج کو سب سے زیادہ تکالیف کا سامنا اسی قبیلے کی مزاحمت کے سبب کرنا پڑا۔

بنی عامر بن صعصعہ، درحقیقت بنی ہوازن کی ایک شاخ تھی جو نجد میں آباد ہو گئی تھی۔ یہ لوگ مستعد تھے اور سخت جان۔ لڑائی ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ بنی عبس، بنی غطفان کا ایک بڑا قبیلہ تھا۔ یہ بھی نجد کی خوشگوار فضاؤں میں پھل پھول رہا تھا۔ داحس اور غبرا کی طویل لڑائیاں انہی لوگوں کی وحشت زا فطرت اور جنگجویانہ طبیعت کی پیدا کردہ تھیں۔

بنی غسّان جنوبی عرب کے رہنے والے تھے جو اپنی خوش حالی کے ایام میں شمالی عرب میں آباد ہو گئے تھے۔ غسانیوں کی ایک بڑی سلطنت رومیوں کے سایۂ عاطفت میں پل رہی تھی۔ اسلام کے ابتدائی سالوں میں یہاں کے عیسائیوں کی مسلمانوں سے کافی مڈھ بھیڑ رہی۔ ان کے علاوہ بنی سُلَیم، فزارہ، بنی عبداللہ، بنی حارث، بنی شیبان اور بنی بکاء بھی قابلِ ذکر ہیں۔

تبلیغِ دین اور دعوتِ حق کے ابتدائی ایام میں ان قبائل کا طرزِ عمل معاندانہ رہا۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ:

"جب آپؐ کی اپنی قوم آپؐ کے پیغام کو سننے اور اس پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں، تو ہم کس برتے پر آپؐ کی تصدیق کر سکتے ہیں اور آپؐ کو اپنے تعاون کا یقین دلا سکتے ہیں۔ ہاں۔ اگر آپؐ کی قوم نے آپ کو قبول کر لیا تو ہم بھی اس دعوتِ انقلاب پر لبیک کہہ دیں گے ورنہ اسے مسترد کر دیں گے۔"[۳]

بنی کِندہ نے بھی آپؐ کی دعوت کا جواب نفی میں دیا۔ بنی عبداللہ نے آپؐ کے پیغام کو قابلِ التفات ہی نہ سمجھا۔ بنی حنیفہ کے پڑاؤ پر جب آپؐ پہنچے تو انھوں نے اس نرم گفتار آقا (صلی اللہ علیہ وسلم)

Marfat.com

کی دعوت کو انتہائی تمرد سے ٹھکرا دیا۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ختمی مرتبتؐ یہ فرماتے ہوئے گزرے کہ :

"کیا کوئی ایسا شخص ہے جو مجھے اپنے ساتھ اپنی قوم میں لے چلے ؟" [۳۱]

قبیلہ ہمدان کا ایک شخص حاضر ہُوا اور عرض کیا : مَیں آپؐ کو اپنی قوم کے پاس لے چلتا ہوں لیکن دوسرے ہی لمحے اسے خیال آیا کہ اگر میری قوم نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا تو ! وہ تھوڑی دُور جا کر واپس لوٹ آیا اور عرض کیا کہ اگر آپؐ بُرا نہ مانیں تو پہلے مَیں جا کر اپنی قوم سے مشورہ کر لوں۔ اس کے بعد آیندہ سال حج کے موقع پر حاضر ہوں گا۔

اِسی طرح آپؐ عامر بن صعصعہ کے پڑاؤ پر تشریف لے گئے اور انھیں خدا کی عبادت کرنے، رسالتِ محمدیہ کا اقرار کرنے اور جاہلی عادات سے بچنے کی دعوت دی۔ بَیحرہ بن فراس نے، جو ایک منجھا ہوا، جہاندیدہ انسان تھا، آپؐ کو دیکھ کر کہا :

"اگر مَیں اس قرشی نوجوان کو اپنے ساتھ لے لوں تو اس کے ذریعہ سے تمام عرب کو کھا جاؤں۔"

پھر وہ آپ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) سے مخاطب ہُوا اور کہا :

"اگر ہم آپؐ کے کام میں آپؐ کا ساتھ دیں اور اللہ تعالیٰ آپؐ کو مخالفین پر غالب کر دے تو کیا آپؐ کے بعد حکومت ہماری ہوگی ؟"

آپؐ نے فرمایا :

اَلْاَمْرُ اِلَی اللّٰہِ یَضَعُہٗ حَیْثُ یَشَاءُ

"معاملہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہے گا حکومت سے نوازے گا۔"

بَحیرہ نے کہا :

کیا خوب۔ مشکل کے وقت میں گلے تو ہم کٹوائیں اور جب اللہ آپؐ کو غلبہ عطا کرے تو اقتدار ہماری جگہ دوسروں کو ملے ؟

یہ کہہ کر بنو عامر آپؐ سے برگشتہ ہو گئے۔ انھوں نے کہا :

"یہ سودا مہنگا ہے۔" [۳۲]

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ منیٰ میں مختلف قبائل کو اسلام سے متعارف کراتے ہوئے بنی شیبان بن ثعلبہ کے خیموں میں داخل ہوتے خیمے بڑے خوبصورت تھے اور ان کے مکین پُرکشش شخصیتوں کے مالک تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے، جو انساب قریش پر بہت بڑی سند تھے، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا:

"میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، ان سے زیادہ معزز لوگ اور کہیں نہیں ملیں گے۔ کیوں نہ ان سے کھل کر بات کی جاتے؟"

یہاں پر مفروق بن عمرو، مثنیٰ بن حارثہ، نعمان اور ہانی بن قبیصہ جیسے سربرآوردہ اشخاص موجود تھے۔ مفروق آنحضورؐ کی طرف متوجہ ہوا اور عرض کیا کہ آپؐ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا:

"میں تمھیں دعوت دیتا ہوں کہ تم یہ شہادت دو کہ خدائے بزرگ و برتر کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ مجھے اپنے ہاں پناہ دو اور میری مدد کرو تاکہ میں وہ فریضہ انجام دوں جو اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کیا ہے۔ (آپ تو جانتے ہی ہیں) کہ قریش نے میرے مشن کو ناکام بنانے کی قسم کھا رکھی ہے انھوں نے اللہ کے رسول کو جھٹلایا ہے اور حق کی بجائے باطل کے پرستار بنے ہیں۔ حالانکہ خدائے واحد کی ذات لوگوں سے بے نیاز اور قابل حمد و ستائش ہے"

مفروق اس سے بڑا محظوظ ہوا اور عرض کیا:

"اے قریشی بھائی۔ آپؐ اور کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟"

حضورِ انور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سورۃ انعام کی آیات ۱۵۱ تا ۱۵۳ کی تلاوت فرمائی جن کا ترجمہ ذیل میں دیا گیا ہے:

"آپؐ کہہ دیجئے۔ کہ آؤ میں تمھیں پڑھ کر سناؤں وہ چیزیں جو تم پر تمھارے رب نے حرام کی ہیں۔ (یعنی یہ کہ) اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ۔ اور ماں باپ کے ساتھ عمدگی سے پیش آؤ۔ اور اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل مت کر دیا کرو۔ ہم ہی تم کو رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی۔ اور بے حیائی

قریب مت جاؤ۔ (خواہ) وہ اعلانیہ ہوں اور (خواہ) پوشیدہ اور جس جان کو اللہ نے محفوظ کر رکھا ہے، اسے قتل مت کرو بجز حقِ شرعی کے ساتھ۔ اس کا اللہ نے تمھیں حکم دے رکھا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔

اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر مستحسن طریق سے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی کی عمر کو پہنچ جائے۔ اور ناپ اور تول ہمیشہ پوری کرو۔ ہم کسی شخص پر اس کے تحمل سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔ اور جب بولو تو عدل (کا خیال) رکھو اگرچہ وہ شخص قرابت دار ہی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا ہے، اسے پورا کرو۔ ان چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے تمھیں حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ (اور انھیں یہ بھی کہہ دیجئے) کہ یہ میری سیدھی راہ ہے۔ سو اسی پر چلو۔ اور اُن راہوں پر نہ چلو جو تمھیں اللہ کی راہ سے ہٹا دیں۔ ان سب باتوں کا اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔" [۳۴]

مفروق نے کہا:

"خدا کی قسم۔ یہ اہلِ زمین کا کلام نہیں۔ اگر ان کے کلام میں سے ہوتا تو ہم پہچان لیتے۔" [۳۵]

اس کے بعد مفروق نے عرض کیا:

"آپؐ نے اعلیٰ اخلاقی اوصاف اور عمدہ عملی تحریکات کی طرف دعوت دی ہے۔ کسی قوم کی سفاہت بھلا اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ آپؐ ایسے صادق اور امین انسانوں کو جھٹلا دے۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے ہانی بن قبیصہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہمارے شیخ قبیلہ اور مذہبی رہنما ہیں۔ ہانی نے لگی لپٹی کے بغیر اس بات کا اظہار کیا کہ وہ اپنی قوم کے مشورے کے بغیر اپنے دین سے دستبردار ہو سکتے ہیں نہ نئے دین کو قبول کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد ختمی مرتبت اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاہِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا پڑھتے ہوئے اٹھے اور صدیق اکبر کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آئے۔

بنی عبس کا معاملہ بھی ان قبائل سے مختلف نہیں جن کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ میسرہ بن مسروق

Marfat.com

(العنسی) نے جو آپؐ کے لیے دل میں نرم گوشہ لیے ہوتے تھا، آپؐ پر ایمان لے آنے کی ٹھان لی تھی لیکن قبیلے کے زعماء نے اس سے اس بارہ میں تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔ میسرہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضور مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے اسے پہچان لیا، پوچھا کیسے آنا ہوا؟ عرض کیا:

"یا رسول اللہ! جب پہلی مرتبہ آپؐ ہمارے پڑاؤ پر تشریف لاتے تھے اس وقت سے میں آپؐ کی پیروی کا حریص رہا ہوں۔ جو وقت ضائع ہونا تھا ہو گیا۔ اب میں اس پیغام کو دل و جان سے قبول کرتا ہوں جو آپؐ لے کر آتے ہیں۔"

ابن اسحٰق نے مختلف قبائل کے نام گنوانے کے بعد جن سے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) حج کے ایام میں ملتے رہے، اس بات کی تصریح کی ہے کہ:

"فکان رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) علٰی ذالک من امرہ، کلما اجتمع لہ الناس بالموسم اتاھم یدعو القبائل الی اللہ والی الاسلام، ویعرض علیھم نفسہ وما جاء بہ من اللہ من الھدی والرحمۃ" ۳۶	(رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس طریق کار کو اختیار کیے رہے جب بھی لوگ حج کے موسم میں جمع ہوتے، آنحضورؐ ان کے پاس جاتے اور انھیں اللہ اور اسلام کی طرف دعوت دیتے۔ ان پر اپنا آپ پیش کرتے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہدایت اور رحمت آپؐ پر نازل ہوتی، اس کا کھلے بندوں اظہار فرماتے۔

یہ بھی مختصر روداد ان ملاقاتوں کی جو محبوب داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بعض چیدہ قبائل کے زعیم لوگوں کے ساتھ اہم موقعوں پر کیں۔ مشرکانہ کلچر کی گود میں پلے ہوتے یہ لوگ اس عظیم نصب العین کا ادراک کر سکے نہ استحسان جو سرورِ کونینؐ ان کے سامنے رکھنا چاہتے تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جنھوں نے دعوتِ حق کے انکار پر اکتفا کیا، وہ بھی تھے جنھوں نے گومگو کی صورت اختیار کی اور وہ بھی تھے جو آپؐ سے بُری طرح پیش آئے۔ اصحابِ سیر کا خیال ہے کہ اگر ا

Marfat.com

میں سے چند قبائل ابتداء میں اسلام کی حمایت پر کمربستہ ہو جاتے تو اُمید کی جا سکتی تھی کہ اس سے دین کو بڑی تقویت پہنچتی"۔

تقدیر کا لکھا کون ٹال سکتا ہے۔ عرب کے قبائل کی قسمت میں اوّلیت کی وہ سعادت کہاں جو ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی جھولی میں ڈالنا چاہتے تھے۔ یہ تو مدینہ کے ان باسیوں کے لیے مختص کی جا چکی تھی جو چل کر اس چشمۂ حیواں پر پہنچے جس سے چند گھونٹ پی لینے کے بعد، وہ آج تک مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں۔ وہ کونسی زبان (Tongue) ہے جو شہ والا (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود و سلام کے گجرے تو بھیجے مگر "السّابقُون الاوّلُون مِنَ الانصار" کے لیے طلب رحمت نہ کرے! وہ کونسا قلم ہے جو سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نعت تو لکھے مگر ان فداکاروں کی مدحت سے گریز کرے جنہوں نے ناموسِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کی قسم کھائی تھی۔

تعلیقات (باب گیارہواں)

۱۔ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور۔ ج ۲، ص ۱۷۱؛ رُوحِ اسلام، سیّد امیر علی۔ ص ۱۲۰-۱۲۱

۲۔ الطبقات الکبریٰ۔ ابن سعد۔ ج ۱، ص ۲۰۸-۲۰۹؛ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور۔ ج ۲، ص ۱۷۴!

۳۔ رُوحِ اسلام۔ سیّد امیر علی۔ ص ۱۲۱۔ ؛ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ج ۲، ص ۱۷۴

۵-۴۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابنِ ہشام، ج ۲، ص ۳۷۵-۳۷۶

۶۔ ایضاً ۔ ایضاً ، ج ۲، ص ۳۷۷؛ الطبقات الکبریٰ۔ ابن سعد، ج ۱، ص ۲۰۹

۷۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابنِ ہشام۔ ج ۲، ص ۳۷۸

۸۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ج ۱، ص ۲۵۷

۹۔ الصحیح البخاری۔ علامہ بخاریؒ۔ ج ۱، کتاب الصلوٰۃ عن (حضرت) عبداللہؓ بن مسعود

۱۰۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابنِ ہشام۔ ج ۲، ص ۴۱۶؛ نیز الصحیح البخاری عن حارثؓ بن حارثؓ غادی

۱۱۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ج ۲، ص ۴۱۸۔

۱۲۔ الطبقات الکبریٰ۔ ابن سعد، بروایت امام محمدؒ بن سیرینؒ؛ نیز علامہ زرقانی علی المواہب اللدنیہ بحوالہ سیرتِ سرورِ عالم، ج ۲، ص ۶۲۵

۱۳۔ حیاتِ محمدؐ۔ محمد حسین ہیکل۔ ص ۲۰۶

۱۴۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابنِ ہشام، ج ۲، ص ۴۱۹

۱۶-۱۵۔ ایضاً ۔ ایضاً ، ج ۲، ص ۴۲۰؛ رُوحِ اسلام، سیّد امیر علی، ص ۱۲۵؛ تاریخ ابنِ خلدون، ج ۴، ص ۲۶۷

۱۷۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابنِ ہشام۔ ج ۲، ص ۴۲۱

Marfat.com

۱۸۔ الصحیح البخاری، علامہ بخاریؒ۔ باب کیف بدء الخلق نیز ذکر الملائکہ۔
۱۹۔ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور۔ ج ۲، ص ۲۰۷
۲۰۔ السیرۃ النبویہؐ۔ ابن ہشام۔ ج ۲، ص ۴۲۲
۲۱۔ الطبقات الکبریٰ۔ ابن سعد۔ ج ۱، ص ۲۱۱-۲۱۲
۲۲۔ عیون الاثر، ابنِ سیدالناس، ج ۱، ص ۱۳۶؛ ابن کثیر، ج ۲، ص ۱۳۷-۱۳۸
۲۳۔ الطبقات الکبریٰ۔ ابنِ سعد، ج ۱، ص ۱۲۲
۲۴۔ السیرۃ النبویہؐ۔ ابن ہشام۔ ج ۲، ص ۳۸۰-۳۸۱
۲۵۔ زبور۔ ۳۴-۱۹
۲۶۔ امثال۔ ۱۷-۳
۲۷۔ قرآنِ مجید۔ سورہ البقرہ ۲ : ۲۱۴
(اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ
الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ
وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ
قَرِيْبٌ ۝)
۲۸۔ السیرۃ النبویہؐ۔ ابن ہشام۔ ج ۲۔ ص ۴۲۲-۴۲۳
۲۹۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ج ۲۔ ص ۴۲۳
۳۰۔ المستدرک از حاکم و البیہقی عن (حضرت) عبداللہ بن عباسؓ
۳۱۔ مسند امام احمد بن حنبلؒ عن جابر بن عبداللہؓ
۳۲۔ السیرۃ النبویہؐ۔ ابن ہشام۔ ج ۲۔ ص ۴۲۵
۳۳۔ جیساکہ (۳۰) پر درج ہوا۔
۳۴۔ قرآنِ مجید۔ سورۃ انعام : ۱۵۱-۱۵۳
(قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا

Marfat.com

بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ
مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا
الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ
الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ
حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ
بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا
وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ
بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ
مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ
بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

۳۵۔ بحوالہ (۳۰) متذکرہ بالا

۳۶۔ السیرۃ النبویۃ ۔ ابن ہشام ۔ ج ۲، ص ۴۲۵

Marfat.com

باب بارہواں

دِلوں کی تبدیلی اور جماعت کی تشکیل

انہی گھنگھور مایوسیوں میں اُمید کی پہلی کرن پھوٹی۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ایامِ حج میں جب تبلیغِ دین کے لیے پھرتے پھراتے مکہ کے قریب مقامِ عقبہ کے پاس پہنچے تو آپ کو چند سعید روحیں نظر پڑیں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم اس چیز سے بہتر چیز قبول کرنا پسند کرو گے جس کے لیے تم آتے ہو؟ (اَوس کی ایک شاخ بنی عبدالاشہل کا ایک وفد مکہ میں اِس غرض سے آیا تھا کہ وہ خزرج کے مقابلے میں قریش کو اپنا حلیف بنانے کی کوشش کرے۔)

وفد کے اراکین نے جن کی قیادت انس بن رافع کر رہے تھے پوچھا: وہ کیا ہے؟

ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"مَیں اللہ کی طرف سے بھیجا ہُوا رسول ہوں۔ نوعِ انسان کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوا ہوں۔ اور یہ دعوت دینے آیا ہوں کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ مَیں ایک ایسی کتاب بھی لے کر آیا ہوں جو ہدایت اور نور ہے۔" ؎

آنحضورؐ نے ان کے سامنے قرآنِ کریم کی بعض آیات تلاوت فرمائیں۔ ایاس بن مُعاذ نے (جو ذہنی لحاظ سے قبولیتِ حق کے لیے زیادہ مستعد تھے) کہا: لوگو! یہ چیز اس سے یقیناً بہتر ہے جس کے لیے تم آتے ہو۔ مگر انس بن رافع نے اس کی سخت سرزنش کی اور کہا: کیا تم اپنا مقصد بھول گئے ہو؟ ہم تو یہاں خزرج کے خلاف قریش کو اپنا حلیف بنانے کے لیے آئے تھے اب تم چاہتے ہو کہ ہم قریش کی بھی دشمنی مول لے لیں؟ یہ وفد یونہی واپس لوٹ گیا۔ وہ دولتِ اسلام سے مالامال ہوتے نہ انھیں قریش کی مساعدت نصیب ہوتی۔ بہرحال یہ بات واضح ہے کہ ایاس بن مُعاذ دل سے اسلام کو قبول کر چکے تھے اور جب ان کا آخری وقت قریب آیا

Marfat.com

تو اللہ تعالیٰ کی تہلیل و تکبیر اور حمد و تسبیح ان کی زبان پر جاری تھی۔ ؎

تاریخ نے ایاس بن معاذ سے بھی پہلے ایک اور یگانہ روزگار کا حال تحریر کیا ہے جو اپنی قوم میں "کامل" کے لقب سے سرفراز تھا اور اپنے شرف و نجابت، شعر و حکمت اور شجاعت و شہامت کے لیے اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ نام اس کا سوید بن صامت تھا۔ ؎ ایک مرتبہ جب وہ زیارتِ کعبہ کے لیے مکہ آیا تو ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ سوید نے عرض کیا: شاید آپ کے پاس بھی وہی چیز ہے جو میرے پاس ہے؟

محبوبِ داورِ حشر نے فرمایا:

تمھارے پاس کیا ہے؟

اس نے کہا:

میرے پاس صحیفہ لقمانؑ ہے۔

آنحضورؐ نے اس میں سے کچھ کلام سن کر فرمایا: یہ اچھی باتیں ہیں۔ لیکن میرے پاس ان سے بہتر کلام ہے جسے خدائے بزرگ و برتر نے بنی نوعِ انسان کی ہدایت اور فوز و فلاح کے لیے مجھ پر نازل فرمایا ہے۔ پھر آنحضورؐ نے قرآن مجید سے چند آیات تلاوت فرمائیں۔ اور سوید کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ اس نے اس کلام بلاغت نظام کو توجہ سے سنا اور عرض کیا: فی الواقع یہ ایک اچھا کلام ہے۔ جب سوید مدینہ واپس گئے تو قرآنِ مجید کی ان آیاتِ مبارکہ کو جو انھوں نے سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان فیض رساں سے سنی تھیں، دل کی گہرائیوں میں چھپائے ساتھ لے گئے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ واپسی کے فوراً بعد سوید خزرج کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ علامہ بلاذری کا خیال ہے کہ سوید کا قتل ہی اوس اور خزرج کے درمیان جنگ بعاث کا سبب بنا تھا۔ جس نے دونوں گروہوں کی کمر ہمت توڑ دی، ان کے بہترین لوگوں کو نگل لیا اور ان کی معیشت کو تباہ کر دیا۔

اس کے بہترین اشعار میں سے ایک یہ ہے: ؎

فَرِشْنِی بِخَیْرٍ طَالَمَا قَدْ بَرَیْتَنِی ۔۔۔ فَخَیْرُ الْمَوَالِی مَنْ یَرِیْشُ وَلَا یَبْرِی

(تو نے ایک طویل مدت کے لیے میری مخالفت کی ہے) کیا تو بھلائی سے میری اعانت نہیں کر سکتا! دوستوں میں بہترین شخص وہ ہے جو اصلاح پر آمادہ ہوتا ہے اور دوسروں کے نقائص گنوانے پر

Marfat.com

مصر نہیں ہوتا)۔

قبل اس کے کہ ہم خزرج کے ان چند اصحاب کا ذکر کریں جو سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوتے۔ ہم ان حالات کا مختصراً ذکر کرنا چاہتے ہیں جن میں ایک طرف یہود کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہوتی اور دوسری طرف اوس اور خزرج کے قبائل ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیادت اور قیادت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئے۔ مستشرقین نے اول الذکر واقعہ کو تو یقیناً خوشی سے بیان کیا ہے اس لیے کہ یہود کو اپنی کھوتی ہوتی طاقت کو بحال کرنے میں مدد ملی۔ انھیں کمزوروں اور نہتے لوگوں کی لاشوں پر اپنا اقتدار قائم کرنے کا موقعہ ملا اور اپنی دسیسہ کاریوں کے سبب کُھل کھیلنے کا موقعہ ملا لیکن آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدینہ میں تشریف آوری، آپؐ کے قیامِ امن کے لیے مختلف قوموں سے معاہدات، ایک نئی سلطنت کی تاسیس اور تدبیرِ مُدن کے لیے آئین وضوابط کی تدوین انھیں کسی طرح نہیں بھاتی۔

میور لکھتا ہے کہ:

"اوس اور خزرج جو باہمی لڑائیوں کے نتیجے میں معاشرتی طور پر پست اور معاشی لحاظ سے تباہ ہوچکے تھے، سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی میزبانی بطور ایک مہاجر ( ) کرنے کے لیے تو تیار تھے مگر وہ آپؐ کو اپنی مجلسِ شاورت میں بطورِ سرپنچ یا حکم جگہ دینے کے لیے آمادہ نہ تھے۔" ؎

میور کا یہ بیان تاریخ کی حقیقتوں کا مُنہ چڑاتا نظر آتا ہے۔ حالانکہ بیعتِ عقبہ ثانی کے وقت جو الفاظ حضرت براءؓ بن معرور نے کہے تھے، وہ آج بھی تاریخ کے اوراق پر اُبھرے نظر آتے ہیں۔ ان کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انصار نے نہ صرف آپؐ کو بطور معزز مہمان ہی قبول کیا تھا بلکہ آپؐ کو اپنا ہادی ورہنما، مالک ومختار اور جانِ جاں اور جانِ جہاں کی حیثیت سے بھی قبول کیا تھا حضرت براءؓ بن معرور نے سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دستِ مُبارک اپنے ہاتھ میں لیتے ہوتے عرض کیا:

"اس خدا کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ آپؐ جو کچھ چاہتے ہیں ہم اسی پر آپؐ کی بیعت کرتے ہیں۔ ہم تلواروں کے سائے میں پلے ہیں۔ ہتھیار ہمارے کھیل کا سامان ہیں، جنھیں ہم نے اپنے اسلاف سے وراثت میں پایا ہے۔" ؎

Marfat.com

حضرت براءؓ کی بات ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ ابوالہیثم بن التیہان نے عرض کیا:

"یارسولؐ اللہ! یثرب کے یہود سے ہمارا جو معاہدہ ہے، ہم اس کی تجدید نہ کریں گے۔ مگر یہ تو نہ ہوگا کہ ادھر ہم یہودیوں سے تعلقات منقطع کریں ادھر آپؐ کو قوت حاصل ہو تو آپؐ ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ کر اپنی قوم میں واپس تشریف لے جائیں؟"

محبوب داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

بَلِ الدَّمُ الدَّمُ۔ وَالْهَدْمُ الْهَدْمُ۔ اَنْتُمْ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکُمْ... وَاُسَالِمُ۔ ۹

(جہاں تمہارا خون گرے گا وہاں میرا لہو بہے گا۔ میں تم میں سے ہوں اور تم میرے ہو۔ تم جس سے جنگ کرو گے، میں تمہارے ساتھ لڑوں گا۔ اور تم جس سے صلح کرو گے میں بھی اس کا حلیف ہوں گا۔"

جان سیاسی کے اس معاہدہ میں کیا کوئی ایسا لفظ ہے جو میور کے دعوے کی، جس کی بنیاد تمام تر ظن و تخمین پر ہے، کی تائید کرتا ہے۔ بلکہ عقبۂ ثانیہ کی اس بیعت میں بیعت کرنے والوں نے اس بات کا اضافہ کیا:

"ہم نے آپؐ کی بیعت ہر قسم کے رنج و راحت اور تنگی و توانگری کے جذبات سے بالاتر ہو کر کی ہے۔ اور یہ کہ ہم صداقت کا دامن نہ چھوڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے متاثر نہ ہوں گے۔" ۱۰

تاریخی پس منظر

حضرت عیسیٰؑ کی ولادتِ باسعادت سے ساڑھے چار سو سال پہلے سدِ مارب کی تباہی کے نتیجے میں، یمن کی بیشتر آبادی یہاں سے نکل کھڑی ہوئی اور مختلف علاقوں میں جا کر آباد ہو گئی۔ جُفنہ جو عمرو بن عامر کا بیٹا اور غسان کے نام سے مشہور تھا، شام کے علاقے میں آباد ہوا۔ اس کی اولاد اسی علاقے میں سکونت پذیر ہوئی اور اس کی ترقی و خوشحالی میں مصروف ہو گئی۔ عمرو کا دوسرا بیٹا

Marfat.com

حارثہ تہامہ کے علاقے میں جا آباد ہوا جو حجاز کے پہاڑوں اور بحرِ احمر کے درمیان ایک وسیع پٹی ہے۔ حارثہ کی اولاد خُزاعہ کے نام سے مشہور ہے۔ تیسرا بیٹا ثعلبہ تھا۔ اس کی اولاد میں سے اوس اور خزرج جو قَیلَہ کے بطن سے تھے، یثرب (مدینۃ النبیؐ) میں جا کر آباد ہوتے۔

یہاں پر یہودی پہلے ہی سے اپنا قبضہ جماتے بیٹھے تھے۔ انھوں نے جب دیکھا کہ ایک نئی قوم یہاں پر سکونت اختیار کرنا چاہتی ہے، تو انھوں نے ان کی سخت مزاحمت کی۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ اوس اور خزرج کی اولاد اطرافِ یثرب میں بنجر اور بے آباد زمینوں پر رہائش اختیار کرنے پر مجبور ہو گئی۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اگر غسانی عرب (جو اُن کے ہم نسب تھے) ان کی مدد نہ کرتے اور انھیں آباد زمینوں پر آباد کرنے میں دستگیری نہ کرتے، تو شاید یہ قوم آفاتِ سماوی اور آلامِ ارضی کا مقابلہ نہ کر سکتی۔ یہودیوں کے دو قبائل بنی قُرَیظہ اور بنی نضیر اگر قبیلہ اوس کے حلیف ہوتے تو قبیلہ بنی قَینُقاع نے خزرج کا ساتھ دیا۔ یہ دونوں قبیلے (اوس اور خزرج) ایک طویل مُدت تک (جو پونے دوسو یا دوسو سال کے لگ بھگ ہے) ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہے۔ یہودیوں نے ان میں نفرت کا بیج بونے اور نا اتفاقی کی خلیج کو وسیع کرنے میں تاریخی کردار ادا کیا ہے وہ سمجھتے تھے کہ ان کا اتحاد یہود کے لیے موت کا پیغام ہے۔ یوں تو دونوں قبیلوں کے درمیان کئی لڑائیاں ہوتیں لیکن وہ عظیم معرکے بھی ایک درجن سے کم نہیں جن میں ان کے بہترین آدمی جنگ کی دیوی کی بھینٹ چڑھ گئے، ان کی جمعیت پارہ پارہ ہو گئی اور اقبال مندی کی جگہ نکبت و اِدبار نے لے لی۔

سب سے آخری معرکہ یومِ بُعاث کے نام سے مشہور ہے جو ۵ بعد بعثت مطابق ۶۱۵ء پیش آیا۔ اِس جنگ میں اس کی قیادت حُضَیر کر رہے تھے (جو حضرت اُسَید کے باپ تھے) جبکہ خزرج کی کمان عَمرو بن نُعمان بیاضی سنبھالے ہوتے تھے۔ اس طویل جنگ میں اوس کامیاب ہوتے اور خزرج کو شکست ہوتی۔ لیکن جیتنے والا ہارنے والے سے بہتر نہ تھا۔ اس کی مثال برطانوی حکومت کی سی ہے جس نے جنگِ عظیم دوم جیت تو لی مگر اس کی سلطنت جس پر سورج کبھی غروب نہ ہوتا تھا ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور تمام مقبوضات اس کی تحویل سے نکل گئے۔

دونوں نے بھانپ لیا کہ اگر ہم اسی طرح ایک دوسرے کے خلاف لڑتے رہے تو ضرور ایک نہ ایک دن لڑتے لڑتے ختم ہو جائیں گے۔ یہودیوں کے ان قبائل پر اثر کا اندازہ اس بات سے

Marfat.com

لگایا جاسکتا ہے کہ اہلِ یثرب میں سے اگر کسی عورت کا بچہ پیدا ہو کر مرجاتا تو وہ یہ منت مانتی تھی کہ اب جو بچہ پیدا ہوگا اُسے وہ یہودی بنائے گی۔

سالہا سال کی جنگوں نے اوس اور خزرج کے بچے کھچے سرداروں کو یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ انھیں کسی ایسے شخص کی قیادت قبول کرلینی چاہیے جو اُن کے درمیان نفرتوں اور رنجشوں کو مٹا کر، وحدت و یگانگت کے رشتوں کو استوار کرسکے۔ اور ان کی توانائیوں کو جو لہو و لعب اور جدال و قتال میں صرف ہو رہی ہیں محفوظ کرکے، تعمیری کاموں میں لگا سکے۔ محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یثرب میں آمد اُن ہزاروں سوالوں کا جواب تھی جو شکست خوردہ اور مریض ذہنوں میں جنم لیتے ہیں۔ یہ وہی پشتیبان تھا جسے اہلِ کتاب (یہود) اس کی آمد سے پہلے کفار کے خلاف وسیلۂ ظفر سمجھتے تھے (البقرہ : ۸۹) [۱۱]؛ یہ وہی نجات دہندہ تھا جس نے انھیں "آگ سے بھرے ہوئے گڑھے میں جس کے کنارے وہ کھڑے تھے، گرنے سے بچالیا (آلِ عمران : ۱۰۳) [۱۲] یہ وہی مصلحِ اعظم تھا جس نے نفرتوں کے آلاؤ کو ٹھنڈا کرکے مودّت و مواخات کے وہ پھول کھلائے کہ صحنِ چمن ان کی خوشبو سے مدتوں مہکتا رہا۔ یہ وہی رحمۃ للعلمین تھا جس کی تربیت اور شفقت نے رنگ و نسل اور قوم و وطن کے محدود تصورات کے علی الرغم، جن میں انسانیت گھری ہوئی تھی، ملت کا ایک ایسا آفاقی تصور رکھا جس نے اُمتِ مسلمہ کو دوسری تمام ملتوں سے ممتاز کردیا اور اُسے ایک ایسی سیدھی راہ پر لگایا جو دو نقطوں کے درمیان کوئی دوسری نہیں ہوسکتی تھی۔ [۱۳]

مستشرقین کا یہ خیال کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک "پناہ گزیں اور مہاجر" کی حیثیت سے یثرب میں داخلے کی اجازت ملی تھی نہ کہ ایک مخدوم و مطاع کی حیثیت سے، نہ صرف غلط ہے بلکہ واقعات کی تلبیس کی ایک شعوری کوشش ہے۔ ابنِ اسحاق کا خیال ہے کہ وہ خزرج کے رئیس عبداللہ بن اُبَی کو اپنا بادشاہ بنانے کی فکر میں تھے کہ انھیں وہ نعمت ہاتھ آگئی جس کے درحقیقت وہ طلبگار تھے۔ [۱۴]

Marfat.com

باب بارھواں (۲)

انصار کا قبولِ اسلام
ایک نئے دَور کا آغاز

سلسلہ بعد بعثت کا واقعہ ہے کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) خیمہ بستی کا چکر لگاتے، قبائل عرب کو خداوندِ قدس کی وحدانیت اور الوہیت کا درس دیتے، عَقَبہ کے قریب خزرج کے ایک مختصر گروہ کے پاس پہنچے۔ آپؐ نے ان سے پوچھا: کون لوگ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: خزرج کے چند افراد۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم یہودیوں کے حلیفوں میں سے ہو؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا۔ آپؐ نے فرمایا: اگر وقت ہو تو مل بیٹھیں۔ مَیں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں انھوں نے کہا: کیوں نہیں۔ ہم حاضر ہیں۔ گفتگو شروع ہوئی ــــ اللہ کے پاک نام سے۔ آپؐ نے انھیں قرآنِ مجید سے چند آیاتِ مبارکہ پڑھ کر سُنائیں۔ حُسن وحق کی تاثیر سے ان کے دل جاگ اُٹھے وجدان وعقل نے کہا:

"یہ کلام انسانی نہیں، آسمانی ہے۔ اس کا پیش کرنے والا لاریب اللہ کا رسول ہے۔"

انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا:

"بھائیو! یہ وہی وجودِ مقدس ہے جس کے ذکر سے توراۃ وانجیل کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ اور جس کی آمد سے یہود ہمیں ڈراتے رہتے ہیں۔ آؤ۔ اس پر ایمان لے آئیں ایسا نہ ہو کہ یہود تم سے سبقت لے جائیں۔" [۱]

یہ کہہ کر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا اور آپؐ کی تصدیق کی۔ انھوں نے رخصت حاصل کرنے سے پہلے عرض کیا:

"یا رسولؐ اللہ: ہم نے اپنی قوم کو انتشار وافتراق کی ایسی حالت میں چھوڑا ہے کہ اس سے زیادہ پست حالت کا تصوّر کرنا ممکن نہیں۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کی وجہ

Marfat.com

سے انھیں متفق و متحد کر دے۔ ہم ان کے پاس واپس جاتے ہیں اور اس نئی دعوتِ حق سے انھیں آگاہ کرتے ہیں۔ اگر وہ اس دعوت کو قبول کرلیں تو پھر آپؐ سے زیادہ طاقتور کوئی نہ ہوگا۔"[۱۶]

ابنِ اسحٰق نے ان چھ آدمیوں کے نام گنوائے ہیں جنھوں نے دعوتِ حق پہ لبیک کہنے میں سبقت کی۔ وہ ہیں :

۱۔ حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہؓ
۲۔ حضرت عوف بن الحارث (ان کی والدہ کا نام عفراء تھا)
۳۔ حضرت رافعؓ بن مالک بن العجلان
۴۔ حضرت عقبہؓ بن عامر بن نابی
۵۔ حضرت قطبہؓ بن عامر
۶۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ بن رئاب

یہ کامیابی دیکھنے میں تو معمولی نظر آتی ہے لیکن حقیقت میں دور رس نتائج کی حامل ہے۔ اِس بیعت نے اسلام کو مدینہ کی نرم زمین میں سرایت کر جانے کا موقع فراہم کیا جس سے محبوبِ داور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔ ان سلیم الطبع انسانوں نے مدینہ واپس پہنچ کر اسلام کا چرچا شروع کیا یہاں تک کہ اوس اور خزرج کا کوئی گھر نہ تھا جس میں محبوبِ داورِ حشرؐ کا ذکر نہ ہونے لگا ہو۔

دوسرے سال (۱۲ بعد بعثت میں) حج کے موقعہ پر مدینے کے بارہ آدمی آنحضورؐ سے عقبہ کے مقام پر ملے۔ ان میں پانچ آدمی تو وہی تھے جو پچھلے سال مسلمان ہوئے تھے (حضرت جابرؓ بن عبداللہ بن رئاب اس سال حاضر نہیں ہوئے) باقی اصحاب میں سے پانچ خزرج سے تعلق رکھتے تھے اور دو اوس سے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

۱۔ حضرت معاذ الحارث بن رفاعہ (حضرت عفراءؓ کے صاحبزادے)
۲۔ حضرت ذکوانؓ بن عبد قیس
۳۔ حضرت عبادہؓ بن صامت

Marfat.com

۴۔ حضرت یزیدؓ بن ثعلبہ۔

۵۔ حضرت عباس بن عُبادہ بن نضلہ۔

۶۔ حضرت ابوالہیثمؓ بن التیہان۔

۷۔ حضرت عُدیمؓ بن مساعدہ۔

بروایت حضرت عبادہؓ بن صامت، ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وفد کے ارکین سے اِس بات پر بیعت کی:

"ہم ایک اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے، چوری نہ کریں گے، زنا نہ کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے، کسی پر جھوٹا الزام نہ لگائیں گے اور کسی امرِ معروف میں رسول اللہ کی نافرمانی نہ کریں گے۔ آپ کا حکم سنیں گے اور مانیں گے خواہ ہم خوش حال ہوں یا تنگدست۔ اور خواہ وہ حکم گوارا ہو یا ناگوار اور خواہ ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے۔ مزید برآں ہم سچی بات کہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔" [۱۷]

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"ان شرائط کی پابندی تمھیں جنّت کا مستحق بنا دے گی ورنہ معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ چاہے عذاب دے، چاہے معاف کر دے۔"

یہ بیعت تاریخ میں "بیعتِ نسواں" کے نام سے مشہور ہے [۱۸]۔ اِس میں جہاد کی کوئی شق شامل نہیں اِس لیے کہ جہاد ابھی فرض نہیں ہوا تھا۔ بیعتِ عقبہ ثانیہ کو "بیعت الحرب" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس بیعت میں اہلِ مدینہ نے، کفّار کی طرف سے حملے کی صورت میں، محبوبِ داورِ حشرؐ کا دفاع کرنے اور آپؐ کی حفاظت کرنے کی بیعت کی تھی۔ [۱۹]

جب یہ لوگ مناسکِ حج کی ادائیگی کے بعد واپس جانے لگے تو معلمِ اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کی تعلیم و تربیت کے لیے حضرت مصعبؓ بن عُمیر کو ان کے ساتھ روانہ کیا۔ حضرت مصعبؓ بن عُمیر "السابقون الاوّلون" میں سے تھے۔ ایک کھاتے پیتے گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ اسلام میں داخل ہونے سے پہلے ٹھاٹ باٹ سے زندگی گزارتے۔ ان کی سواری نکلتی تو خدم و حشم ان کے ساتھ

Marfat.com

ہوتے لیکن اسلام لانے کے بعد وہ فقر و غنا کا پیکر اور صبر و قناعت کا مجسمہ بن چکے تھے۔ ان کی گفتگو اس قدر شیریں اور دل آویز ہوتی کہ جو سن لیتا، مایوس واپس نہ لوٹتا۔ آپ کا قیام حضرت اسعدؓ بن زُرارہ کے پاس تھا۔

صدق و اخلاص کے اس پیکر نے خدائے بزرگ و برتر کے فضل و کرم سے اسلام کو اس تیزی سے پھیلایا کہ عبادؓ بن بشر، سعدؓ بن مُعاذ اور اُسیدؓ بن حُضیر کے اسلام قبول کر لینے کے بعد بنی عبدالاشہل کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان تینوں بزرگوں کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد بنی عبدالاشہل کے محلے میں ایک بھی ایسا شخص دکھائی نہ دیتا تھا جو ذاتِ باری تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل نہ ہوا ہو، تو غلط نہ ہوگا۔ بقول

حقیقت ہے، نہیں میرے تخیّل کی یہ خلاقی

سعد بن مُعاذ اور اُسید بن حُضیر کے (جن کی خاندانی سیادت اور نجابت مسلّمہ تھی) اسلام قبول کر لینے کا واقعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ سعد بن مُعاذ نے اُسید سے کہا: کہ مصعبؓ جب سے یہاں آئے ہیں، انھوں نے ہمارے کمزور اور سادہ لوح لوگوں کو اپنے دین سے پھیر دیا ہے، انھیں بے وقوف بنا لیا ہے اور انھیں ایک نئی ڈگر پر چلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اگر اسعدؓ بن زُرارہ کا معاملہ نہ ہوتا تو میں خود جا کر ان لوگوں کو نکال باہر کرتا۔ مگر تم جانتے ہو کہ اسعدؓ میرا خالہ زاد بھائی ہے اور میں اس سے جھگڑا مول لینا پسند نہیں کرتا۔ یہ سن کر اُسید بن حُضیر نے اپنا حربہ ہاتھ میں لیا اور اس باغ کی طرف چل کھڑے ہوئے جہاں حضرت مُصعبؓ بن عُمیر اور حضرت اسعدؓ بن زرارہ ہر روز کچھ وقت کے لیے لوگوں کو اسلام سے متعارف کراتے، انھیں مکارمِ اخلاق کی تعلیم دیتے اور نئی دعوتِ انقلاب کو قبول کرنے کے لیے آمادہ کرتے۔ حضرت اسعدؓ نے جب اُسید کو آتے دیکھا تو مُصعبؓ سے کہا:

"ذرا دیکھو تو۔ یہ شخص جو ہماری طرف بڑھا چلا آ رہا ہے، اپنی قوم کا سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا نقش اگر اس کے دل پر جما دو تو کام بن جائے گا۔"

حضرت مصعبؓ نے کہا کہ اگر وہ بیٹھ گئے تو میں ان سے بات کروں گا۔ اس کا نتیجہ اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اُسید جوں جوں قریب آتے گئے، ان کا غصہ ان کے چہرے سے نمایاں ہوتا

Marfat.com

چلا گیا۔ وہ ان کے سامنے انتہائی دُرشت لہجے میں یوں گویا ہوتے :

"کیا چیز تم کو یہاں لائی ہے ؟ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہماری خاموشی کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوتے، ہمارے کمزور لوگوں کو بے وقوف بناتے ہو۔ اگر اپنی جان کی خیر چاہتے ہو تو آئندہ ادھر کا رُخ نہ کرنا۔" ۲۲

حضرت مصعبؓ نے بغیر کسی جھجک کے کہا : کیا آپ بیٹھ کر ہماری بات نہ سُنیں گے ، اگر آپ کو پسند آتے فبہا، ورنہ جو جی میں آتے کیجئے گا۔ اُسید ، اس بات کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہوتے ، بیٹھ گئے۔ حضرت مصعبؓ بن عُمیر نے انھیں اسلام کے مبادیات سے آگاہ کیا اور قرآنِ مجید کی چند آیات تلاوت فرمائیں جن کا تعلق اسلام کی نوعیت اور اس کے مقاصد سے تھا۔ اُسیدؓ بن حُضیر کے چہرے کی بشاشت اور ان کے لہجے کی نرمی اِس بات کی غمازی کرتی تھی کہ اسلام ان کے دل میں گھر کر گیا ہے۔ وہ کہنے لگے :

"یہ کتنا عُمدہ اور منظم کلام ہے۔ تم لوگ جب اس دین میں داخل ہوتے ہو تو کیا کرتے ہو؟" ۲۳

دونوں حضرات نے کہا :

"جسم اور کپڑوں کی پاکیزگی اِس کے لیے پہلی شرط ہے۔ اس کے بعد حق کی شہادت اور نماز کی ادائیگی ضروری ہیں۔"

اُسیدؓ بن حُضیر فوراً گھر کی طرف لوٹے، غسل کیا، کپڑے بدلے اور "کلمہ شہادت" ادا کرنے کے لیے جلدی جلدی چل کر باغ میں واپس آتے۔ اس کے بعد انھوں نے دو رکعت نماز ادا کی جس کا سرور وہ عمر بھر محسوس کرتے رہے۔ حضرت اُسیدؓ بن حُضیر نے سوچا کیا اچھا ہو کہ سعد بھی اِس دعوتِ دین پر لبیک کہہ دیں۔ تاکہ ہم دونوں کا ساتھ نبھ جائے۔ حضرت اُسیدؓ اپنا حربہ اُٹھا سعد بن معاذ کے پاس پہنچے۔ انھوں نے دیکھا تو کہنے لگے :

"خدا کی قسم! یہ وہ چہرہ نہیں جسے لیے ہوتے اُسیدؓ گئے تھے۔" ۲۴

حضرت اُسیدؓ بن حُضیر نے بات کو ٹالنے کی کوشش کی۔ اور سعد کو کسی طرح سے اُبھار کر حضرت مصعبؓ بن عمیر کے پاس بھیج دیا۔ وہاں پہنچے تو دونوں اصحاب (حضرت مصعبؓ اور حضرت اسعدؓ)

Marfat.com

کو اطمینان سے بیٹھے ہوتے پایا۔ سعد نے حضرت اسعدؓ کو مخاطب کرتے ہوتے کہا :

"اسعدؓ! اگر میرے اور تمھارے درمیان قرابت نہ ہوتی تو یہ شخص (حضرت مصعبؓ بن عمیر) مجھ سے بچ کر نہ جاتا۔" ۲۵

حضرت مصعبؓ نے پوری طمانیت سے، جو تسخیرِ نفس سے پیدا ہوتی ہے، کہا :

"آپ بیٹھتے تو۔ ایک دو باتیں آپ سے کہنا ہیں۔ اگر پسند آجائیں فبہا ورنہ جیسے آپ کہیں گے۔"

سعد نے کہا :

"تم نے انصاف کی بات کہی ہے۔"

انھوں نے اپنا حربہ زمین میں گاڑ دیا اور پالتی مار کر بیٹھ گئے۔ حضرت مصعبؓ بن عُمیر نے قرآنِ مجید کی چند آیات اتنی خوبصورتی سے تلاوت کیں کہ ان کا ایک ایک لفظ سعد کے دل میں اُتر گیا۔ پیغامِ آخریں کو سُن کر انھیں کچھ سرور سا آگیا اور کہنے لگے: اس دین میں داخل ہونے کے لیے تم کیا کرتے ہو؟ پھر وہی کچھ ہُوا جو حضرت اُسیدؓ بن حُضیر نے کیا تھا۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد وہ بنی عبدالاشہل میں پہنچے۔ لوگوں کو جمع کیا اور پوچھا :

"تم میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

سب نے یک زبان ہو کر کہا :

"آپ ہمارے سردار ہیں۔ سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ ہم میں سب سے بڑھ کر صائب الرائے ہیں، ہوش مند ہیں اور تجربہ کار ہیں۔" ۲۶

حضرتِ سعدؓ نے کہا :

"اگر یہی بات ہے تو مَیں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ خدا کو سچا جانو اور اسے ایک مانو۔ محمد مصطفےٰ (فداہ ابی وامی) کی رسالت پر ایمان لاؤ۔ یہی دینِ قیّم ہے۔ اسی پر تمھارا جینا اور اسی پر تمھارا مرنا ہوگا۔"

اسے معجزہ کہیتے کہ شام سے پہلے بنی عبدالاشہل کے تمام گھرانے (سوائے اُصیرم عمروؓ بن ... کے) اسلام لے آئے۔ جس طرح نسیمِ صبحگاہی کے جھونکے غیر محسوس طور پر فضائے عالم کو معطر کرتے

Marfat.com

جاتے ہیں یا پھر چاندنی کی رداتے نور فرش صحرا پر بچھتی جاتی ہے، بالکل اسی طرح رُشد وہدایت کا یہ سلسلہ بتدریج آگے بڑھتا گیا۔ یہ لوگ سب کے سب مخلص اور توحید خالصہ کے علمبردار تھے۔

ابنِ سعد کی روایت کے مطابق حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد حضرت سعدؓ بن مُعاذ اور حضرت اُسیدؓ بن حُضیر بنی عبدالاشہل کے بُتوں کو توڑتے پھرتے تھے۔ کوئی ہاتھ ایسا نہ تھا جو انھیں روکے یا مزاحم ہو۔ ابنِ اسحٰق نے بیان کیا ہے کہ حضرت مُصعبؓ مدینہ منورہ میں پیہم تبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے تاآنکہ انصار کے محلّوں میں سے کوئی محلّہ ایسا نہ رہا جس میں مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں موجود نہ ہوں۔ [۲۷] صرف معدودے چند گھرانے ایسے تھے جنھوں نے غزوۂ احزاب تک اسلام قبول نہ کیا۔

بیعتِ عقبۂ ثانیہ

۱۳ سنہ بعد بعثت مطابق جون، جولائی ۶۲۲ء) کا اخیر ہو چلا تھا۔ لوگ اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کے لیے دُور و نزدیک سے آ رہے تھے۔ ان کا شوق دیدنی تھا۔ مدینہ منورہ کے مسلمان بھی اپنی قوم کے دوسرے افراد (مشرکین) کے ساتھ حج کے لیے تیاریوں میں مصروف تھے۔ اوّل الذکر گروہ ۷۳ مردوں اور ۲ عورتوں پر مشتمل تھا۔ وہ اس سال حج کے موسم میں رسالتمآب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنے کے علاوہ، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مدینہ منورہ آنے کی دعوت دینے کی غرض سے گھر سے نکلے تھے۔ وہ "رسوخِ عزم، قوتِ ارادہ اور شدتِ عمل" سے سرشار تھے۔ وہ اس دعوتِ انقلاب پر لبیک کہنے کے لیے آ رہے تھے جس کو قبول کر لینے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت ان کے شاملِ حال ہوگی اور عرب و عجم کی حکومتیں ان کی باج گزار ہوں گی۔ [۲۸]

ان کے ساتھ وہ مشرکین بھی تھے جو ایک مخصوص ثقافت اور ایک متعین نظام تمدن و اخلاق کے حامل تھے۔ وہ خدائے بزرگ و برتر کے ساتھ کچھ اور ہستیوں کو بھی اپنا کارساز مانتے، اپنی فلاح و نجات کے لیے ان کی شفاعت پر بھروسہ کرتے اور تگ و تازِ زندگی میں کامیابی کے لیے ان کے "موثر" ہونے پر یقین رکھتے۔ مسلمان یہ چاہتے تھے کہ بیعتِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) انتہائی رازداری سے کی جائے تاکہ مشرکینِ مکّہ کی "بے چینیوں" میں اضافہ نہ ہونے پائے۔ حضرت عباسؓ نے بھی انھیں

Marfat.com

یہی مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنا معاملہ مخفی رکھیں یہاں تک کہ حُجاج منتشر ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ سرورِ عالمؐ سے ان کی ملاقات کے لیے وہ رات تجویز کی گئی تھی جس کی صبح کو یَومُ النفرِ الآخر (وہ آخری دن جب حجاج مختلف شعائر کی ادائیگی سے فارغ ہو کر منیٰ سے روانہ ہو جاتے ہیں) کہا جاتا ہے۔ یہ بیعت (البَیعتُ الثّانی بالعَقَبہ) مکّہ کے الشعب الامین کے عَقَبہ زیریں میں طے پائی۔

یہ لوگ فرداً فرداً رات کی تاریکی میں عَقَبہ کے نشیبی حصّے میں پہنچے جہاں سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عباسؓ کی معیت میں پہلے سے موجود تھے۔ حضرت عباسؓ اگرچہ اُس وقت تک اپنا اسلام چُھپائے ہُوئے تھے[۳] تاہم ختمی مرتبتؐ سے ان کی وابستگی اور وفاداری ہر شک وشبہ سے بالا تھی۔ اِس لیے بھی وہاں موجود تھے کہ رسالتمآبؐ اور انصار کے درمیان طے پانے والے معاہدہ کی شرائط بنظرِ غائر مطالعہ کر سکیں اور حالات کا جائزہ لینے کے بعد آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہجرت کے ممکن اور قابلِ عمل ہونے کے بارے میں فیصلہ کر سکیں۔

اس قافلہ شوق میں حضرت بَراءؓ بن معرور بھی تھے اور حضرت عبدؓاللہ بن عمرو بن الحرام بھی حضرت کعبؓ بن مالک بھی تھے اور ابو الہیثمؓ بن التیہان بھی، حضرت اسعدؓ بن زُرارہ بھی تھے اور حضرت عباسؓ بن عُبادہ بن نضلہ انصاری اور حضرت اُسیدؓ بن حُضیر بھی۔ یہ تمام حضرات گرم سرد چشیدہ تھے اور تلواروں کی چھاؤں میں پلے تھے۔ وہ اپنے اپنے قبیلے کے سردار اور اصحابِ اثر و رسوخ تھے۔ حضرت براءؓ بن معرور ان اصحابِ بصیرت میں سے تھے جنھوں نے رسالتمآبؐ کی خدمتِ اقدس میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ انھیں خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن شارع علیہ السلام نے انھیں اس کی اجازت نہ فرمائی اور حُکم دیا کہ وہ قبلہ اوّل (بیت المقدس) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کریں۔ [۳] حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ[۳۲] (حضرت ابو جابرؓ) نے اسی سفر کے دوران اسلام قبول کیا اور بیعتِ عقبہ ثانی میں شریک ہوئے۔ جب تمام لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: آج کی رات بات کو مختصر کیا جائے۔ طویل گفتگو کے لیے یہ موقع ہے نہ وقت[۳۱] حضرت عباسؓ نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

"خزرج کے لوگو! آنحضورؐ کو ہمارے ہاں جو حیثیت حاصل ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں وہ لوگ جو اب تک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آپؐ کی رسالت پر ایمان نہیں لائے۔ ان کے

Marfat.com

مقابلے میں ہم (بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب) ان کی حفاظت دل و جاں سے کر رہے ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوم کے اندر مضبوط حیثیت اور بلند مقام کے مالک ہیں۔ آپؐ کا ارادہ تمہارے ہاں جانے کا ہے۔ اگر تم لوگ سمجھتے ہو کہ تم اس عہد و پیمان کو پورا کر سکو گے جو تم آج شب آپؐ کے ساتھ باندھنے والے ہو، تو بہتر۔ لیکن اگر تم اپنے اندر کوئی کمزوری پاتے ہو اور یہ محسوس کرتے ہو کہ ایسا کرنا تمہارے لیے ممکن نہ ہو سکے گا اِس لیے کہ دشمن دلیر اور عیار ہے، تو مناسب ہوگا کہ تم ابھی سے صاف جواب دے دو۔" [۲۴]

نو واردانِ بساطِ عشق جو پُر عزم بھی تھے اور پُر اعتماد بھی، کہنے لگے:

"اے عباسؓ! ہم نے تمہاری بات سُن لی ہے۔ اب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے درخواست ہے کہ وہ ارشاد فرمائیں اور جس قسم کا عہد ہم سے لینا چاہتے ہیں، لے لیں۔"

سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی گفتگو کا آغاز قرآنِ مجید سے کیا اور لوگوں کو دعوتِ حق دیتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! مَیں تم سے اِس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری اسی طرح حمایت و حفاظت کرو گے جس طرح خود اپنی اور اپنے اہل و عیال کی کرتے ہو۔" [۲۵]

حضرت براءؓ بن معرور جو اس حسین منظر کو مشتاقانہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، آگے بڑھے اور ختمی مرتبتؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہوئے عرض گزار ہوئے:

"اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم آپؐ کی ہر اُس چیز سے حفاظت کریں گے جس سے ہم خود اپنی جان اور اولاد کی حفاظت کرتے ہیں۔ یا رسولؐ اللہ ہم سے بیعت لیجئے۔ ہم جنگ آزما ہیں۔ بہادری اور لڑائی کے انداز ہم نے اپنے اسلاف سے ورثے میں پائے ہیں۔" [۲۶]

ابوالہیثم بن التیہان نے بیچ میں بات کاٹتے ہوئے عرض کیا:

"یا رسولؐ اللہ! ہمارے اور یہود کے درمیان ایک مدت سے حلیفانہ تعلقات موجود

Marfat.com

ہیں جن کی تجدید کا ہم کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ آپؐ کو غلبہ عطا فرمائے تو آپؐ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں واپس تشریف لے جائیں۔ ؟

ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مسکراتے ہوئے فرمایا :

"نہیں۔ میرا مرنا اور جینا اب تمھارے ساتھ ہے۔ مَیں تمھارا ہوں اور تم میرے ہو۔ جن سے تم لڑو گے، ان سے میری لڑائی ہوگی اور جن سے تم صلح کرو گے، ان سے میری صلح ہوگی۔" ؟

انھوں نے عرض کیا :

"یا رسول اللہ! ہم کس بات پر آپؐ سے بیعت کریں ؟"

حضورِ اکرمؐ نے فرمایا :

"اِس بات پر کہ تم اچھے اور بُرے ہر حال میں حکم سنو گے اور اطاعت کرو گے خوشحالی ہو یا بد حالی، اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرو گے۔ لوگوں کو نیکی کا حکم دو گے اور انھیں بُرائی سے منع کرو گے۔ ہمیشہ سچ بات کہو گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ گھبراؤ گے۔

مَیں جب تمھارے پاس آؤں گا تو تم ہر اس چیز سے میری حفاظت کرو گے جس سے تم اپنی جانوں اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہو۔ اس کا بدلہ تمھیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنّت کی صورت میں ملے گا۔"

حضرت اسعدؓ بن زرارہ جو عمر میں سب سے چھوٹے لیکن ایمان و حُسنِ عمل میں کسی سے پیچھے نہ تھے اپنی جگہ پر کھڑے ہُوتے اور کہا :

"ٹھہرو۔ اے اہلِ یثرب! ہم اپنے اونٹ دوڑاتے ہوئے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اس کے سوا کسی اور غرض سے نہیں آتے کہ ہم جانتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ آپؐ کو یہاں سے نکال کر لے جانا تمام عرب کی دشمنی مول لینے کے مترادف ہے۔ تمھیں کچھ پتہ ہے کہ اس بیعت کے نتیجے میں تمھیں کن مشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اور کن آزمائشوں سے گزرنا ہوگا ؟ تمھارے اعزہ و اقربا

Marfat.com

قتل ہوں گے اور تلواریں تمھارے خون سے رنگین ہوں گی۔ اگر تم لطمۂ موجِ بلا کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہو تو آپؐ کا دامن تھام لو لیکن اگر تمھیں اپنی جانوں کا خوف ہو اور اپنے اموال کی تباہی کا ڈر ہو تو پھر اس بیعت سے باز آجاؤ اور صاف صاف معذرت کردو۔ اس وقت تمھارا عذر اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ قبول ہوگا۔“

ابنِ اسحٰق نے (ص ۴۴۶) حضرت عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ انصاری کی تقریر کا کچھ حصّہ نقل کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بیعت مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مفہوم سے کس درجہ واقف تھے اور لَآ اِلٰہ کہنے کے بعد پیدا ہونے والے جاں گسل نوائب سے کس قدر آگاہ تھے ؎

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

انھوں نے کہا:

”خزرج کے لوگو! کچھ جانتے ہو اس ہستی سے تم کس بات پر بیعت کر رہے ہو؟“

لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا:

”ہاں۔ ہم خوب آگاہ ہیں۔“

حضرت عباسؓ بن عُبادہ نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا:

”تم گورے اور کالے، سب سے لڑنے کے لیے بیعت کر رہے ہو۔ ابھی سے اپنے دلوں کو ٹٹول لو۔ اگر تمھارا خیال یہ ہو کہ جب تمھارے مال تباہی کے اور تمھارے اشراف ہلاکت کے خطرے میں پڑ جائیں تو تم حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دشمنوں کے حوالے کردو گے، تو بہتر یہ ہے کہ آج ہی اس عہد و پیماں سے کنارہ کشی کرلو۔ کیونکہ خدا کی قسم یہ دُنیا اور آخرت کی رُسوائی ہوگی۔ اور اگر تم سمجھتے ہو کہ جس عہد کے ساتھ تم اس ہستی کو اپنے ہاں دعوت دے رہے ہو، اسے تمام خطرات کے باوجود نبھاؤ گے، تو پھر بےشک آپؐ کا ہاتھ تھام لو۔ اس میں دُنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔“

معلوم ہوتا ہے کہ خزرج کے یہ پاکیزہ نفوس بیعتِ حق کے لیے اِس قدر بےتاب تھے کہ وہ

Marfat.com

اس تاخیر کو بھی گوارا نہ کر سکے جو بعض قائدین کی تقاریر کے سبب پیدا ہو رہی تھی۔ لوگوں نے کہا:

"اے فلاں! ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ۔ خدا کی قسم ہم اس بیعت کو ہرگز نہ چھوڑیں گے اور نہ اس سے ہاتھ کھینچیں گے۔" [۱]

اس کے بعد تمام لوگوں نے بیعت کی۔ اصحاب سِیَر کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے بیعت کرنے والے کون تھے؟ ایک گروہ کا خیال ہے کہ سب سے پہلے بیعت کرنے والے حضرت براءؓ بن معرور تھے [۲] بنی سلمہ کا خیال ہے کہ یہ شرف حضرت کعبؓ بن مالک کو حاصل ہوا؛ ایک اور گروہ سمجھتا ہے کہ یہ سعادت حضرت اسعدؓ بن زُرارہ کے حصے میں آئی۔

جب یہ معاہدہ اختتام کو پہنچا تو حضرت عباسؓ بن عُبادہ نے بارگاہِ نبوی میں عرض کیا:

"قسم ہے اس ذاتِ احد کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپؐ فرمائیں تو ہم کل صبح منیٰ میں اپنی تلواریں سونت کر جمع ہو جائیں اور ان کے جوہر آزمائیں۔"

ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"ہم تمھیں ایسا کرنے کی اجازت نہ دیں گے۔ تم اپنے خیموں میں واپس چلے جاؤ۔" [۳]

سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس گروہ میں سے بارہ نمائندوں کو ان پر نقیب مقرر کیا۔ [۴] ان میں سے ۹ خزرج اور ۳ اوس میں سے تھے۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت سعدؓ بن عُبادہ (زمانۂ جاہلیت میں 'کامل' کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔)

۲۔ حضرت اَسعدؓ بن زُرارہ۔ (نقیب النقباء تھے۔)

۳۔ حضرت براءؓ بن معرور

۴۔ حضرت اُسَیدؓ بن حُضیر ('کامل' کے لقب سے مشہور تھے)

۵۔ حضرت رافعؓ بن مالک (" " " ")

۶۔ حضرت ابوالہیثمؓ بن التیہان۔

۷۔ حضرت سعدؓ بن خیثمہؓ

۸۔ حضرت سعدؓ بن الربیع

۹۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن الحرام (ابوجابرؓ)

Marfat.com

۱۰۔ حضرت عُبادہؓ بن صامت

۱۱۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ

۱۲۔ حضرت منذرؓ بن عمرو

جیساکہ اوپر عرض کیا گیا ہے مدینہ کے ان حُریت نواز انسانوں نے محبوب داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک پناہ گزیں کی حیثیت سے نہیں بلکہ خدائے بزرگ و برتر کے پیغمبر، اپنے ہادی اور رہنما کی حیثیت سے اپنے ہاں بُلایا تھا۔ اسی طرح مکّی مسلمانوں کو مدینہ آنے کی دعوت محض اس لیے نہیں دی گئی تھی کہ وہ (کچھ وقت کے لیے) مشرکینِ مکّہ کے مظالم سے محفوظ ہو جائیں۔ بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ مختلف علاقوں، قومیتوں اور خانوادوں سے تعلق رکھنے والے مسلمان، بلاامتیازِ رنگ و نسل اور قوم و وطن، یہاں کی ایثار پیشہ اور محنت کش آبادی سے مل کر ایک ایسا متحرک اور فعال معاشرہ تشکیل کر سکیں جس کی بنیاد عدل و مساوات، تقوی الالہٰ، باہمی احترام اور مقاصد کی ہم آہنگی پر رکھی گئی ہے۔ درحقیقت یثرب کے باسیوں نے اپنے آپ کو "مدینۃ الاسلام" کے شو۔ پر پیش کیا تھا اور وہ "مشکلاتِ لاالہٰ" سے پوری طرح واقف تھے۔ ایسا کرتے ہوئے انھوں نے اپنے آپ کو پورے ملک کی تلواروں، دشمنانِ دیں کی یلغاروں اور ہر قسم کے مقاطعہ (معاشرتی اور اقتصادی) کے مقابلے میں پیش کیا تھا۔

ابن خلدون کے مطابق اس بیعت یا معاہدہ کی خبر قریش کو اگلی صبح مل گئی تھی۔ وہ انصار کے پاس پہنچے اور حقیقتِ حال دریافت کرنا چاہی۔ انھوں نے کہا :

"اے گروہِ خزرج! ہمیں خبر ملی ہے کہ تم ہمارے اس آدمی (ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم) سے رات کی تاریکی میں ملے ہو اور انھیں یہاں سے نکال لے جانا چاہتے ہو۔ خدا کی قسم عرب میں کوئی قوم ایسی نہیں جس سے لڑنا ہمیں تمھارے خلاف جنگ کرنے سے زیادہ ناگوار ہو۔"[۴۵]

عبداللہ بن اُبَی نے، جو اس وقت تک شرک پر تھا اور معاملے سے بے خبر، قریش کو یقین دلایا کہ :

"میری قوم ایسی نہیں کہ اس قسم کی اہم بات میرے مشورے کے بغیر طے کرے۔"[۴۶]

چنانچہ اس یقین دہانی کے بعد اشراف مکّہ واپس چلے گئے۔ لیکن وہ کچھ اس طرح لوٹے کہ نفسِ معاملہ کے

Marfat.com

اثبات و نفی کا کسی کو یقین نہ تھا معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوا بلکہ قریش انصار کی خیمہ گاہوں کی طرف دوڑنے لگے۔ انصار نے جلد جلد سواریاں تیار کیں اور یہاں سے بھاگ نکلے البتہ حضرت مُنذرؓ بن عمرو اور حضرت سعدؓ بن عُبادہ پکڑے گئے۔ اوّل الذکر تو پھر بھی جان بچانے میں کامیاب ہو گئے لیکن حضرت سعدؓ کو انھوں نے دھر لیا۔ قریش کے لوگوں نے ان کے ہاتھ گردن سے باندھ دیئے اور انھیں گھسیٹتے ہوئے مکّہ لے آئے۔ ؎

حضرت سعدؓ کا بیان ہے کہ جب قریش کا ہر فرد مجھ پر آوازے کس رہا تھا، لاتوں اور گھونسوں سے میری "تواضع" کر رہا تھا، تو مَیں نے ایک گورے چٹّے انسان کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ مَیں سوچا کہ اگر اُن لوگوں میں کوئی بھلائی ہے تو وہ اس شخص میں ہوگی۔ مگر جب وہ میرے قریب پہنچا اس نے ایک زور کا گھونسا میرے رسید کیا۔ مَیں نے اپنے دل میں کہا کہ ان سے نیکی کی توقع رکھنا محال ہے۔ اسی اثنا میں ایک شخص (غالباً ابوالبختری بن ہشام) نے مجھ سے کہا: بندۂ خدا۔ کیا تیرے اور قریش میں سے کسی کے درمیان جوار کا کوئی تعلق نہیں ہے، مَیں نے کہا: کیوں نہیں۔ اس نے کہا تو ان کا نام لے کر دہائی دے اور بتا کہ تمھارے اور اس کے درمیان کیا تعلق ہے؟ ؎

مَیں نے کہا:

"مَیں اپنے علاقے میں جُبیر بن مُطعِم اور حارث بن حرب بن اُمیّہ کے تجارتی قافلوں کو پناہ دیتا ہوں"

ابوالبختری ان دونوں کو تلاش کرتا ہُوا نکلا اور حرم کعبہ میں ان کو موجود پاکر کہا: کہ خزرج کا ایک آدمی اَبطح میں پٹیا جا رہا ہے اور وہ تم دونوں کا نام لے کر پکار رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ تمھارے اور اس کے درمیان جوار کا تعلق ہے۔ "وہ ہے کون؟" انھوں نے دریافت کیا۔ "اُسے سعدؓ بن عُبادہ کہتے ہیں" ابوالبختری نے کہا۔ یہ سُنتے ہی وہ دوڑ پڑے اور آکر حضرت سعدؓ کو ان کے پنجۂ ظُلم سے چھڑایا۔ اگر جُبیر بن مُطعِم اور حارث (جن کے ساتھ ان کے تجارتی تعلقات تھے) ان کی مدد کو نہ پہنچتے تو شاید حالات کوئی اور رُخ اختیار کر لیتے۔

مسلمانوں نے مدینہ واپس جاکر اِن خداؤں کے ساتھ جنھیں وہ ہمیشہ خلق و امر میں اللہ تعالیٰ کا شریک و سہیم جانتے تھے، کیا سلوک کیا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا

Marfat.com

ہے کہ بنی نجّار کے بُتوں کو توڑنے کی ذمہ داری حضرت اَسْعَدؓ بن زُرارہ، حضرت عَوفؓ بن عَفراء اور ابو صِرمہؓ نے قبول کی؛ بنی ساعدہ کے بُت حضرت سَعدؓ بن عُبادہ، حضرت مُنذرؓ بن عَمرو اور حضرت ابو دُجانہؓ کو سونپے گئے؛ بنی سلمہ کے بُت خانوں کی تباہی حضرت مُعاذؓ بن جبل، حضرت ثَعلبہؓ بن غَنمہ اور حضرت عبد اللہؓ بن اُنیس کے سپرد ہوئی اور بنی حارثہ کے بُت خانوں کا اتلاف حضرت ابو عَبسؓ اور حضرت ابو بُردہؓ کے ہاتھوں انجام پایا۔ مشرکینِ یثرب مسلمانوں سے اس قدر مرعوب تھے کہ ہمیں ان کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت کا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ ؁۴۹

اِس زمانے کا سب سے دلچسپ واقعہ عَمرو بن الجَمُوح کے اسلام لانے کا ہے جو بنی سلمہ کے مسلّمہ سردار تھے۔ اگرچہ ان کے بیٹے حضرت منذرؓ بن عَمرو اسلام قبول کر چکے تھے لیکن وہ خود ابھی تک شرک کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے۔ وہ "منات دیوی" کے پجاری تھے جس کا ایک قدِ آدم بُت انھوں نے اپنی حویلی میں سجا رکھا تھا۔ جب ان کے قبیلے کے نوجوان (ان کے اپنے صاحبزادے سمیت) مسلمان ہو گئے، تو وہ رات کو ان کی حویلی میں داخل ہو کر اس دیوی کو اُٹھا لاتے اور باہر کسی غلیظ گڑھے میں اوندھے منہ گرا دیتے۔ صبح اُٹھ کر جب عَمرو اپنی محبوب دیوی کو غائب پاتے تو بے چین ہو جاتے، چیختے چلّاتے، اس کی تلاش میں دیوانہ وار گھومتے اور اسے ڈھونڈ نکالتے پھر اس کو نہلاتے دُھلاتے، خوشبو ملتے اور اسی جگہ مزیّن کر کے رکھ دیتے جہاں سے وہ اُٹھائی گئی تھی۔ یہ تماشہ کئی دن تک جاری رہا۔

ایک دن جب وہ اس کی حفاظت کرتے کرتے تھک گئے تو انھوں نے ایک تلوار اس کی گردن میں لٹکا دی۔ اور "منات" سے یوں گویا ہوتے۔

"مجھے یہ تو علم نہیں کہ کون تجھے ہر روز رسوا کرتا ہے لیکن اگر تیرے اندر کوئی خیر ہے تو اس تلوار سے اپنی حفاظت کر۔" ؁۵۰

اگلی رات اسلام کے شیدائی پھر وہاں پہنچے۔ دیوی کی گردن سے تلوار کو علیحدہ کیا اور ایک مرا ہوا کُتّا اس کے ساتھ باندھ کر اُسے ایک اندھے کنوئیں میں لٹکا دیا۔ عَمرو جب حسبِ معمول صبح کو اُٹھے تو "منات" کو غائب پایا۔ تلاشِ بسیار کے بعد اسے ایک کنوئیں میں گرا دیکھا ـــــ بے بس اور لاچار، مقہور و مردود۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان کی اپنی آنکھیں

Marfat.com

بھی کھل گئیں اور وہ سچے دل سے اسلام لے آتے۔ عمروؓ بن الجموح بھی ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے جنگِ اُحد میں شہادت پائی۔ حدیثِ نبویؐ کا یہ ٹکڑا "لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ . . ." انہی کی شان میں فرمایا گیا تھا۔ حضرت عمروؓ بن الجموح اور حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن حرام، دونوں کو اُحد کے قریب ایک ہی قبر میں اُتارا گیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں علّیین میں جگہ دے۔ [۱۵]

Marfat.com

تعلیقات (باب بارہواں)

۱۔ السیرۃ النبویہ۔ ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۲۷

۲۔ ایضاً ۔ ایضاً ، ج ۲، ص ۴۲۷

۳۔ ایضاً ۔ ایضاً ، ج ۲، ص ۴۲۷؛ حیاتِ محمدؐ، سر ولیم میور، ج ۲، ص ۲۱۴

۴۔ ایضاً ۔ ایضاً ، ج ۲، ص ۴۲۵

۵۔ ایضاً ۔ ایضاً ، ج ۲، ص ۴۲۶

۶۔ حیاتِ محمدؐ، سر ولیم میور، ج ۲، ص ۲۱۳

۷۔ السیرۃ النبویہ۔ ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۴۴؛ حیات محمدؐ، محمد حسین ہیکل۔ ص ۲۴۱

۸۔ ایضاً ۔ ایضاً ، ج ۲، ص ۴۴۲؛ ایضاً ، ایضاً ۔ ص ۲۴۱

۹۔ ایضاً ۔ ایضاً ، ج ۲ ص ۴۴۲؛ ایضاً ، ایضاً ۔ ص ۲۴۱

۱۰۔ حیات محمدؐ۔ محمد حسین ہیکل، ص ۲۴۲

۱۱۔ قرآن مجید۔ سورہ البقرہ ۲ : ۸۹

(وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ج
فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ)

۱۲۔ قرآن مجید۔ سورہ آل عمران ۳ : ۱۰۳

(وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً
فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ج
وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم
مِّنْهَا)

Marfat.com

۱۳- قرآنِ مجید - سورہ الانعام ۶ : ۱۲۶

(وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ط)

" ۶ : ۱۶۱

(قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ج دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ج)

" ۶ : ۱۵۳

(وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ج وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ط)

۱۴- السیرۃُ النبویۃؐ - ابنِ ہشام، ج ۲، ص ۵۸۵ نیز قرآنِ مجید - سورۃ الصّٰفّٰت ۳۷ : ۱۶۷ - ۱۷۰

(وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ۙ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝)

۱۵- السیرۃُ النبویۃؐ - ابنِ ہشام، ج ۲، ص ۴۲۹

۱۶- ایضاً - ایضاً ، ج ۲، ص ۴۲۹

۱۷-۱۸- ایضاً - ایضاً ، ج ۲، ص ۴۳۳ ؛ تاریخ ابنِ خلدون، ج ۲، ص ۳۰،

(بیعتِ عقبہ اولیٰ کو 'بیعتِ نسواں' اور بیعتِ عقبہ ثانیہ کو 'بیعت الحرب' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اوّل الذکر کو 'بیعتِ نسواں' یا "بیعتِ نساء" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس بیعت کے الفاظ سے بہت مشابہ ہے جو اس واقعہ کے کئی سال بعد قرآنِ مجید، سورہ ممتحنہ، آیت (۱۲) میں مسلمان عورتوں سے بیعت لینے کے لیے تجویز کیے گئے۔ قرآنِ مجید میں آتا ہے :

"اے پیغمبرؐ! جب مسلمان عورتیں آپؐ کے پاس آئیں کہ آپؐ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہ کسی کو شریک کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ قتلِ اولاد کی مرتکب ہوں گی اور نہ کوئی بُہتان کی اولاد لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گڑھ

Marfat.com

لیں اور مشروع باتوں میں آپؐ کی نافرمانی نہ کریں گی تو آپؐ ان کو بیعت کر لیا کیجیے۔"

۱۹۔ موخر الذکر کو اس لیے "بیعت الحرب" کہا گیا ہے کہ اس بیعت میں اہلِ مدینہ نے کفار سے جہاد کرنے، آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ناموس کے لیے کٹ مرنے اور تحریکِ انقلاب کے تحفظ کی بیعت کی تھی۔ حضرت براءؓ بن معرور کا یہ کہنا کہ ہم :

"نَحْنُ وَاللّٰهِ أَبْنَاءُ الْحُرُوبِ وَأَهْلُ الْحَلْقَة"

اور حضرت عباسؓ بن نضلہ انصاری کا بیعت کرنے والوں کو آگاہ کرنا کہ :

"إِنَّكَ تُبَايِعُونَهُ عَلَى حَرْبِ الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ مِنَ النَّاسِ"

اِس بات کا وافر ثبوت ہے کہ اہلِ مدینہ ہر قسم کے حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار تھے۔

ابنِ اسحٰق نے (ابنِ ہشام، ص ۴۵۴) حضرت عبادہؓ کی سند پر اس بیعت کو "بیعت الحرب" قرار دیا ہے۔ ابنِ سعد نے الطبقات الکبریٰ کی ج ۳ میں اہلِ مدینہ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

"نَحْنُ حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَ وَسِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَ"

۲۰۔ "اہلِ مدینہ کی تقاریر کا ایک ایک لفظ اس امر کی شہادت دینے کے لیے کافی ہے کہ یہ بیعت نہ تو اظہارِ عقیدت کے لیے تھی اور نہ اس کا مقصد محض قبولِ ایمان واسلام تھا۔ حتّٰی کہ اس میں کوئی مذہبی رسم بھی ادا نہیں کی گئی اور نہ دعائیہ کلمات کا تبادلہ ہوا۔ بلکہ علم سیاسیات کے حوالے سے اس بیعت کو ایک "معاہدہ" کہنا چاہیے جسے فریقین نے پوری رضا و رغبت کے ساتھ قبول کیا اور جس کے سیاسی مضمرات کا اظہار بھی فریقین کے قول وعمل سے ہو رہا تھا۔ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ اب معاملات رسمی لین دین سے آگے بڑھ کر دفاعی معاہدے تک جا پہنچے تھے۔"

۲۰۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابنِ ہشام، ج ۲، ص ۴۴۷

۲۱۔ ایضاً ۔ ایضاً ، ج ۲ ص ۴۳۶

Marfat.com

۲۲-۲۷ - السیرۃ النبویہ - ابنِ ہشام، ج ۲، ص ۴۳۶ - ۴۳۷

۲۸ - السیرۃ النبویہ - ابن ہشام، ج ۲، ص ۷، ۱۴

(کَلِمَۃٌ وَّاحِدَۃٌ تُعْطُوْنِیْھَا تَمْلِکُوْنَ بِھَا الْعَرَبَ
وَتَدِیْنُ لَکُمْ بِھَا الْعَجَمُ)

۲۹ - الطبقات الکبریٰ - ابنِ سعد، ج ۱، ص ۲۲۱؛ السیرۃ النبویہ - ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۲۸

(اختلافِ روایت کے سبب بعض سیرت نگاروں نے (شروع شروع میں) چھ آدمیوں کے اسلام لانے کے واقعہ کو "بیعتِ عقبہ اولیٰ" کے نام سے موسوم کیا ہے حالانکہ یہ درست نہیں۔ یہ تو اہلِ یثرب سے رابطے کا آغاز تھا۔ اِس لیے اِس موضوع کو اگر "ابتدائے اسلام انصار" کا عنوان دیا جائے، تو بہتر ہوگا۔) دوسرے سال تشریف لانے والے حضرات جن کی تعداد بارہ تھی (صفحہ: ۲۷۵) ان کی بیعت، بیعتِ عقبہ اولیٰ کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت عُبادہؓ بن صامت کی روایت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ آخری بیعت جو بیعتِ عقبہ ثانی، کے نام سے مشہور ہے، ۱۳ سنہ بعد بعثت کو حج کے ایام میں انجام پائی۔ اس میں ۷۳ مرد اور ۲ عورتیں شامل تھیں۔ خواتین کے نام ہیں؛ نُسَیبہؓ بنتِ کعب اور اسماءؓ بنت عمرو۔ اول الذکر وہی خوش قسمت خاتون ہیں جنھوں نے مسیلمہ کذّاب کے خلاف اپنے دونوں بیٹوں سمیت جہاد میں حصّہ لیا اور بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ تاریخ ادیان اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ملاحظہ ہو، تاریخ ابن خلدون، ج ۴، ص ۱۳۷، و السیرۃ النبویہ، ابنِ ہشام ج ۲، ص ۴۶۶)

۳۰ - الطبقات الکبریٰ، ابن سعد بروایت حضرت ابو رافعؓ مولیٰ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

"اس وقت تک حضرت عباسؓ، ان کی بیوی ام الفضلؓ اور خود حضرت ابو رافعؓ حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے۔ لیکن وہ اپنا اسلام چھپاتے

Marfat.com

ہوتے تھے۔" نیز السیرۃ النبویہ۔ ابن ہشام ج ۲، ص ۴۴۶

۴۱۔ السیرۃ النبویہ۔ ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۴۰

۴۲۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو (ابو جابر) اشرافِ مدینہ میں سے تھے۔ آپ بیعتِ عقبہ ثانی کے دوران میں اسلام لائے۔ جنگِ اُحد میں شہادت پائی اور بلند درجات پر فائز ہوئے۔

الجامع ترمذیؒ، کتاب التفسیر، سورہ آلِ عمران۔ نیز ابنِ ہشام، ج ۲، ص ۴۴۱

۴۳۔ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج ۱، ص ۲۲۲

(اَوْجِزُوْا فِی الْخُطْبَةِ فَاِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْكُمْ كُفَّارَ قُرَیْشٍ)

۴۰-۴۴۔ اہلِ مدینہ نے بیعت کرتے وقت اپنے جذبات و احساسات کو جس موثر انداز میں پیش کیا وہ السیرۃ النبویہ، لابن ہشام کے صفحات ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۶ تا ۴۴۸ پر درج ہیں۔ نیز تاریخ ابن خلدون ج ۲، ص ۳۱، والطبقات الکبریٰ، لابن سعد کی ج ۳ کے صفحات ۶۰۲، ۶۰۹ تا ۶۲۲ کی طرف مراجعت فرمائیں۔

۴۱۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ سے بھی اسی قسم کی روایت منقول ہے۔ انھوں نے کہا:

"رَبِحَ الْبَیْعُ۔ لَا نُقِیْلُ وَلَا نَسْتَقِیْلُ"

(یہ تو بڑے نفع کا سودا ہے۔ ہم نہ اس بیع کو توڑیں گے اور نہ ہی اس کے توڑنے کی درخواست کریں گے۔)

ملاحظہ ہو تفسیرِ ماجدی، مولانا عبدالماجد مرحوم دریاآبادی، ج ۱، ص ۴۲۶

۴۲۔ زادالمعاد۔ ابن القیم جوزی، ص ۲۰۰؛ تاریخ ابن خلدون، ج ۲، ص ۳۱۔۳۲

۴۳۔ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۴۸؛ زادالمعاد، ابن القیم جوزی، ص ۲۰۰

۴۴۔ "نقیب" کا لفظ یہاں وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل میں سے بارہ "نقیب" چنے تھے، اسی طرح حضور سید دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی انصار میں سے بارہ "نقیب" منتخب فرمائے۔ انھوں نے اللہ اور رسول کی اطاعت کا اقرار کرتے ہوتے اس بات کا حلف اٹھایا کہ وہ آپؐ کی دعوت پر لبیک کہیں گے، آپؐ کی

Marfat.com

اعانت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھیں گے۔ اور اپنے عہد وفا کا پاس کریں گے۔

علامہ زمخشری نے "نقیب" کو متجسس، کا مترادف قرار دیا ہے اور حافظ ابن کثیرؒ نے اسے 'عارف'، سے تعبیر کیا ہے منٹگمری واٹ Watt نے مدنی قبائل کے ان "عرفاء" کے جذبہ اطاعت و انقیاد اور طرزِ مہر و وفا کے پیشِ نظر درست کہا ہے کہ وہ (تمام کے تمام) "میثاقِ عقبہ" کے فریق بن چکے تھے۔ حتیٰ کہ عبداللہ بن اُبی جیسا منافق بھی، جو مدینے کا معبداد بننے کا خواب دیکھ رہا تھا، اس عہد و پیمان میں شریک ہو چکا تھا۔ "میثاقِ عقبہ" کو ایک "معاہدۂ عمرانی" قرار دینا کسی طرح بھی غلط نہیں۔ کیونکہ مدینہ کے لوگ اور ان کے نمائندے (نقباء) برضا و رغبت ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک دینی رہنما، ایک سیاسی قائد اور مخدوم و مطاع تسلیم کر چکے تھے۔ یہی معاہدہ وہ بنیاد کا پتھر تھا جس پر ایک آزاد، نظریاتی اور شہری مملکت کی بنیاد رکھی جانی تھی جو ایک مثالی اجتماعی نظم اور ایک منظم سیاسی معاشرے کی تعمیر و ترقی کا کام سرانجام دینے والی تھی۔

مندرجہ بالا دلائل قطعی ہیں۔ لیکن اگر سر ولیم میور اور ان کے خوشہ چین ان سے متاثر نہ ہوں تو انھیں ذرا ان الفاظ پر غور کر کے دیکھنا چاہیئے جو رؤسائے قریش کے منہ سے اہلِ مدینہ کے سامنے (معاہدہ کی اگلی صبح کو) ادا ہوتے تھے۔

"جب صبح ہوئی تو قریش اہلِ مدینہ کے خیموں میں آ دھمکے۔ اور ان سے پوچھنے لگے: ہم نے سُنا ہے کہ تم نے ہمارے خلاف جنگ پر معاہدہ کر لیا ہے (وتبايعونه على حربنا وانه والله ما من حي من العرب ابغض الينا، ان تنشب الحرب بيننا وبينهم منكم) اور تم ہمارے آدمی کو یہاں سے نکال کر لے جانا چاہتے ہو"

اس سوال کا ایک ایک لفظ ان کے اندرونی خدشات کا اظہار کرتا ہے اور اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ مہاجرین کا اوس اور خزرج کے ہم جُو قبائل کے ساتھ معاہدہ ان کے وجود کے لیے بہت بڑا خطرہ ثابت ہو سکتا تھا۔ انھیں صرف اتنا ہی ڈر نہ تھا کہ اہلِ مدینہ ان کی "تجارتی شاہ رگ" کو کاٹ دیں گے جس سے ان کی معیشت تنگ ہو جائے گی، بلکہ انھیں مدینہ کی طرف

Marfat.com

سے مکہ پر حملے کا بھی زبردست خطرہ تھا۔

ملاحظہ ہو۔ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۴۸؛ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج ۱، ص ۲۲۷؛ منٹگمری واٹ Islam and the Integration of Society ص ۲۱۔ نیز الصحیح البخاری، ج ۱، باب ہجرۃ النبی واصحابہ الی المدینہ۔

۴۔ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام (ایضاً) و تاریخ ابن خلدون، ج ۴، ص ۳۳۷

۴۶۔ ایضاً ، ایضاً - ج ۲، ص ۴۴۹

۴۸۔ ایضاً ، ایضاً - ج ۲، ص ۴۵۰؛ تاریخ ابن خلدون، ج ۴، ص ۳۳۷

۴۔ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، بحوالہ سیرت سرورِ عالمؐ، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ج ۲، ص ۷۱۰۔

۵۔ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۵۳

۵۔ عیون الاثر، ابن سید الناس، ج ۱، ص ۳۴۷

Marfat.com

باب تیرہواں

شبِ اسریٰ اور معراج

(کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں)

مکے کی بستی میں ایسے لوگ کثرت سے آباد تھے جو کسی غلامانہ ذہنیت کے تحت نہیں بلکہ اپنی طبیعت کے لااُبالی پن کے سبب اور فاسقانہ کلچر کی اقتدا میں کفر و معصیت اور شر و فساد پر آمادہ تھے۔ ان کا میلانِ طبع حق کی طرف نہ تھا بلکہ وہ بُت پرستی اور اس کے مظاہر پر سختی سے کاربند تھے۔ مکہ کے معبد کے پجاری ہونے کے ناطے سے، قریش اپنے قومی مذہب کا تحفظ ہر قیمت پر کرنے کو تیار تھے۔ وہ ان تمام رکاوٹوں کو پوری طاقت اور قوت سے ہٹا دینا چاہتے تھے جو اُن کے راستے میں حائل تھیں۔

مکے میں اگرچہ وہ لوگ بھی موجود تھے جو سلیم الفطرت، حق گو اور بے باک تھے لیکن وہ اپنے اندر قریش کے اِن چوہدریوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پاتے تھے جو زور اور زر سے اپنے مذہب کے دفاع پر کمربستہ تھے۔ اوّل الذکر گروہ ان تمام مصائب و آلام کا ذمہ دار تھا جن سے محبوب داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) بعثت سے لے کر ہجرت تک دوچار رہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کا سب سے پہلا نشانہ وہ لوگ بنے جو کمزور تھے، مفلس و نادار تھے اور مکے میں کوئی غمگسار یا پشتیبان نہ ہونے کے سبب اپنے آپ کو تنہا پاتے تھے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو مکے کے مشرکین کی زیادتیوں اور ایذا رسانیوں کو تنہا انھوں نے ہی برداشت نہیں کیا بلکہ اس کا بار ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی برداشت کرنا پڑا اور ان صحابہ کبار ؓ کو بھی جو سوسائٹی کے اُونچے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ اب لات و منات کو چھوڑ کر خدائے بزرگ و برتر کے آستانۂ جلال و جبروت پر جھک گئے تھے اور ایک نئے نظامِ تمدن و اخلاق سے وابستہ ہو گئے تھے۔

Marfat.com

سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) جب مکہ والوں کی دھمکیوں اور ایذا رسانیوں، طائف والوں کی کٹ حجتیوں اور ان کے لُچے لفنگوں کی چھچھوری حرکتوں، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اور حضرت ابوطالب کی وفات کے اندوہ وغم سے دامن جھٹک کر نکل گئے، تو خداوندِ علیم و قدیر نے آنحضورؐ کو رات کے ایک حصے میں مسجدِ حرام سے لے کر مسجدِ اقصیٰ تک اور پھر بیت المقدس سے لے کر سدرۃ المنتہیٰ اور مستوی تک انتہائی بلندیوں کی سیر کرائی۔ مولانا شبلی رقمطراز ہیں:

"رضوانِ جنت کو حکم ہوا کہ آج مہمان سرائے غیب کو نئے ساز و برگ سے آراستہ کیا جائے۔ کہ شاہدِ عالم آج یہاں مہمان بن کر آئے گا۔ روح الامین کو فرمان پہنچا کہ وہ سواری جو بجلی سے زیادہ تیز گام اور روشنی سے زیادہ سبک خرام ہے اور جو خطۂ لاہوت کے مسافروں کے لیے مخصوص ہے، حرمِ ابراہیم (کعبہ) میں لے کر حاضر ہو۔ کارکنانِ عناصر کو حکم ہوا کہ مملکتِ آب و خاک کے تمام عادی احکام و فرامین تھوڑی دیر کے لیے معطل کر دیئے جائیں۔ اور زمان و مکان، سفر و اقامت، رویت و سماعت، تخاطب و کلام کی تمام طبعی پابندیاں ہٹا دی جائیں"۔

یہ سیر، بحالتِ بیداری، جسم و رُوح کے ساتھ ہوئی[۳۱] آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت جبریلؑ کی رفاقت میں مسجدِ اقصیٰ سے گزرتے ہوئے، مختلف نشانیوں کو دیکھتے، رب العزت کی بارگاہِ صمدیت میں پہنچے جو ارتقائے انسانی کا نقطۂ عروج ہے۔ چونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سرورِ انبیاء اور سیدِ اولادِ آدم تھے اس لیے اس خطۂ قدس اور بارگاہِ لامکاں میں وہاں تک رسائی حاصل ہوئی جہاں تک کسی فرزندِ آدم کا قدم اس سے پہلے نہیں پہنچا تھا۔ اور وہ کچھ مشاہدہ کیا جو اب تک دوسرے مقربانِ بارگاہ کی حدِ نظر سے باہر رہا تھا۔[۳۲]

بعض علماء کا خیال ہے کہ اسراء اور معراج کے واقعات الگ الگ اوقات میں پیش آئے لیکن یہ درست نہیں۔ دونوں واقعات ایک ہی شب میں پیش آئے۔ یہ عظیم واقعہ نہ صرف ہجرت کا پیش خیمہ تھا اور دُنیا کے نقشے پر اُبھرنے والی عظیم نظریاتی اسلامی سلطنت کا دیباچہ تھا بلکہ یہ اس حقیقت کا بھی اظہار تھا کہ گنبدِ آبگینہ رنگ اپنے ثوابت و سیار سمیت انسانی کمندِ ہمت سے باہر نہیں۔

Marfat.com

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفےٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردُوں

شیخین رح نے اپنے اپنے مجموعہ احادیث میں حضرت ابوذر رض غفاری اور حضرت مالک رض بن صعصعہ رض کی روایات در بارہ معراج نقل کی ہیں جو قدیم ترین ہونے کے علاوہ معتبر ترین بھی ہیں۔ بقول سید دونوں راویوں میں فرق اجمال و تفصیل کا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رض کی روایت مجمل ہے اور حضرت مالک رض بن صعصعہ کی قدرے مفصل۔ چونکہ دونوں روایات معراج کے تمام واقعات کو محیط نہیں اس لیے سید صاحب نے صحیحین کی تمام روایات کو ملا کر معراج کے واقعات کی ایک حسین اور جامع تصویر پیش کی ہے جو انہی کے الفاظ میں نقل کی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

"حضرت ابراہیم ع نے اصل کعبہ کی جو عمارت بنوائی تھی وہ سیلاب سے کئی دفعہ گر چکی تھی اور پھر بنی تھی۔ اسی طرح قریش کے زمانہ میں جب آنحضرت ص ہنوز پیغمبر نہیں ہوتے تھے، سیلاب سے گر گئی۔ قریش نے بدوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو سرمایہ کی کمی کے باعث ایک طرف اندر کی تھوڑی سی زمین چھوڑ کر دیوار کے طول کو کم کر دیا۔ اس طرح کعبہ کی تھوڑی سی زمین چار دیواری سے باہر رہ گئی اور اب تک اسی طرح ہے۔ اس (چھوڑی ہوئی) زمین کا نام حجر اور حطیم ہے۔ قریش کے نوجوان اور رؤسا اکثر یہاں رات کو سویا کرتے تھے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی کبھی کبھی یہاں آرام فرمایا کرتے تھے نبوت سے پہلے بھی آپ ص کو حالتِ رویا میں فرشتے نظر آتے تھے۔ جس شب کو معراج ہوئی آپ ص اسی مقام پر استراحت فرما رہے تھے۔

بیداری اور خواب کی ایک درمیانی حالت تھی کہ آپ ص نے دیکھا کہ آپ ص کے گھر کی چھت کھلی اور حضرت جبریل ع نازل ہوئے۔ ان کے ساتھ چند اور فرشتے بھی تھے۔ پہلے وہ آپ ص کو چاہِ زمزم کے پاس لے گئے اور وہاں آپ ص کے سینہ مبارک کو چاک کیا، اور قلبِ اطہر کو نکال کر آبِ زمزم سے دھویا۔ اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان و حکمت سے معمور لایا گیا۔ (حضرت) جبریل ع نے اس طشت سے ایمان و حکمت کے خزانہ کو لے کر آپ ص کے سینہ میں رکھ کر اس کو برابر کر دیا۔ اس کے بعد گدھے سے

Marfat.com

بڑا اور خچر سے چھوٹا سپید رنگ کا ایک لمبا جانور براق نامی لایا گیا جس کی تیز رفتاری کا یہ حال تھا کہ اس کا ہر قدم وہاں پڑتا تھا جہاں نگاہ کی آخری حد ہوتی۔ آپ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور براق کو اس قلابہ میں باندھ کر جس میں انبیاء (علیہم السلام) اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے، آپؐ نے مسجدِ اقدس کے اندر قدم رکھا اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی۔ یہاں سے نکلے تو جبریلؑ نے شراب اور دودھ کے دو پیالے آپؐ کے سامنے پیش کیے۔ آپؐ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا۔ (حضرت) جبریلؑ نے کہا: آپؐ نے فطرت کو پسند فرمایا۔ اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے تو آپؐ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ بعد ازیں (حضرت) جبریلؑ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لے کر آسمان پر چڑھے پہلا آسمان آیا تو جبریلؑ نے دربان کو آواز دی۔ اس نے کہا: کون ہے؟ جواب دیا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پھر دریافت کیا: کیا وہ بلاتے گئے ہیں؟ کہا: ہاں۔ یہ سن کر فرشتہ نے دروازہ کھول دیا۔ اور مرحبا خوش آمدید کہا۔۔۔ اب آپؐ پہلے آسمان میں داخل ہوتے تو ایک شخص نظر آیا جس کی داہنی اور بائیں جانب بہت سی پرچھائیں تھیں۔۔۔ وہ آپؐ کو دیکھ کر بولا: مرحبا اے نبیِ صالح اور اے فرزندِ صالح آپؐ نے (حضرت) جبریلؑ سے دریافت کیا یہ کون ہیں؟ (حضرت) جبریلؑ نے بتایا: کہ آپؐ کے باپ آدم ہیں۔۔۔ اسی آسمان میں آپؐ کو آمنے سامنے دو نہریں نظر آئیں پوچھنے پر (حضرت) جبریلؑ نے بتایا کہ یہ نیل اور فرات کی سوتیں ہیں۔ چلتے پھرتے آپ کو ایک اور نہر نظر آئی۔ جس پر لولو و زبرجد کا ایک محل تعمیر تھا اور اس کی زمین مشک کی تھی۔ (حضرت) جبریلؑ نے بتایا کہ یہ نہر کوثر ہے جس کو پروردگار نے مخصوص آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے رکھا ہے۔

اسی طرح ہر آسمان سے گزرتے گئے اور ہر آسمان کے دربان اور (حضرت) جبریلؑ سے اسی قسم کی گفتگو ہوتی گئی۔ اور ہر ایک میں کسی نہ کسی پیغمبر سے ملاقات ہوتی دوسرے آسمان میں حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے، جو دونوں خالہ زاد بھائی تھے، ملاقات ہوئی۔ تیسرے میں حضرت یوسفؑ سے ملے۔۔۔ چوتھے میں حضرت ادریسؑ

Marfat.com

سے ملاقات ہوئی ۔ ۔ ۔ اور پانچویں میں حضرت ہارونؑ سے ملے اور ہر ایک نے
"اے پیغمبرِ صالح اور اے برادرِ صالح" کہہ کر خیر مقدم کیا۔ چھٹے میں حضرت موسیٰؑ سے
ملاقات ہوئی ۔ ۔ ۔ ساتویں آسمان میں داخل ہوتے تو حضرت ابراہیمؑ نے "مرحبا اے
پیغمبرِ صالح اور اے فرزندِ صالح" کہہ کر خیر مقدم کیا۔ (حضرت) جبریلؑ نے بتایا کہ "یہ
تمہارے باپ ابراہیم ہیں"۔ حضرت ابراہیمؑ بیتِ معمور (آباد گھر) سے پیٹھ لگائے بیٹھے
تھے۔ جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ آپؐ کو جنت کی سیر کرائی گئی
جس کے گنبد موتی کے تھے اور زمین مشک کی تھی۔ (آپؐ) اس مقام تک پہنچے جہاں
قلم قدرت کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ آگے بڑھ کر آپؐ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔
اس پر شانِ ربانی کا پرتو تھا ۔ ۔ ۔ (جس سے) حسن کی وہ کیفیت پیدا ہوئی جس کو کوئی زبان
بیان نہیں کر سکتی۔ اور اس میں رنگ برنگ کے ایسے انوار کی تجلی نظر آئی جن کو الفاظ
ادا نہیں کر سکتے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے چیزیں نیچے زمین پر اترتی ہیں۔ اور زمین
سے چڑھ کر اوپر وہاں جاتی ہیں۔ یہاں پہنچ کر حضرت جبریلؑ اپنی اصلی کمالی صورت میں
آپؐ کے سامنے نمودار ہوتے۔ پھر شاہدِ مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت
گاہِ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوتے جن کی لطافت و نزاکت الفاظ کے بوجھ
کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ (فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِہٖ مَاۤ اَوْحٰی) "اس وقت آپ کو
بارگاہِ الٰہی سے تین عطیے مرحمت ہوتے۔ سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں جن میں اسلام
کے عقائد اور ایمان کی تکمیل کے علاوہ اس دور کے مصائب کے خاتمہ کی بشارت ہے،
رحمتِ خاص نے مژدہ سنایا کہ امتِ محمدیؐ میں سے ہر ایک جو شرک کا مرتکب نہ ہوا ہو،
کرمِ مغفرت سے سرفراز ہو گا۔ اور ندا آئی امت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی ہے۔
آپؐ ان عطیوں کو لے کر واپس پھرے اور حضرت موسیٰؑ کے پاس پہنچے۔ تو انھوں نے
دریافت کیا کہ بارگاہِ خاص سے کیا احکام عطا ہوتے؟ فرمایا، امت پر پچاس وقت کی
نماز۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا: میں نے بنی اسرائیل کا خوب تجربہ کیا ہے۔ آپؐ کی امت
سے یہ بار نہ اٹھ سکے گا۔ آپؐ واپس جائیے اور عرض کیجئے۔ آپؐ نے مراجعت کی اور

Marfat.com

عرض پرداز ہوتے کہ بارِ الٰہا! میری اُمت نہایت کمزور اور اس کے قویٰ نہایت ضعیف ہیں۔ حکم ہوا کہ "دس وقت کی نمازیں معاف ہیں"۔ ۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) چند بار حضرت موسیٰؑ کے مشورے سے بارگاہِ الٰہی میں عرض پرداز ہوتے رہے یہاں تک کہ شب و روز میں صرف پانچ وقت کی نمازیں رہ گئیں۔ حضرت موسیٰؑ نے پھر آپ کو مشورہ دیا کہ اب بھی مزید تخفیف کی درخواست کیجئے۔ فرمایا: اب مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے"۔

"اب آسمان سے اُتر کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) زمین پر تشریف لاتے اور بیت المقدس میں داخل ہوتے۔ دیکھا کہ یہاں انبیاء علیہم السلام کا مجمع ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ نماز میں مصروف ہیں۔ ۔ ۔ بخاری شریف میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ شبِ معراج میں دجال بھی آپؐ کو دکھایا گیا۔ ان تمام منازل کے طے ہونے کے بعد آپؐ مسجدِ حرام میں صبح کو بیدار ہوتے"۔ ؎

"خانہ کعبہ کے پاس رؤسائے قریش کی نشست رہتی تھی۔ آپؐ بھی وہیں مقام حجر میں تشریف فرما تھے۔ صبح کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان سے اس واقعہ کو بیان کیا تو اُن کو سخت اچنبھا ہوا۔ جو زیادہ کور باطن تھے، انھوں نے آپؐ کو (نعوذ باللہ) جھٹلایا۔ بعضوں نے مختلف سوالات کیے۔ ان میں اکثر شام کے تاجر تھے اور انھوں نے بیت المقدس کو بارہا دیکھا تھا اور انھیں معلوم تھا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں گئے ہیں۔ اس لیے آخر میں خاتمہ دلائل کے طور پر سب نے کہا: اے محمدؐ! آپ کہتے ہیں کہ صرف ایک شب میں آپؐ خانہ کعبہ سے بیت المقدس گئے اور واپس آتے۔ اگر یہ سچ ہے تو بتائیں بیت المقدس کی کیا ہیئت ہے؟ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ: میرے ذہن میں عمارت کا صحیح نقشہ نہ تھا، بہت بے قراری ہوتی۔ کہ ناگاہ نظر کے سامنے پوری عمارت جلوہ گر کر دی گئی۔ وہ سوال کرتے جاتے تھے اور میں اس کو دیکھ کر جواب دیتا جاتا تھا"۔ ؎

قرآنِ مجید نے اِس عظیم واقعہ کو بیان کرتے ہوتے "رُء ّیا" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ پوری عبارت سورۃ بنی اسرائیل کی آیت (۶۰) میں اِس طرح وارد ہوتی ہے۔

Marfat.com

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ

(اور جو رؤیا ہم نے آپ کو دکھایا ہے، اسے ہم نے لوگوں کی آزمائش کا سبب بنا دیا)

'رؤیا' عربی زبان میں 'منظر' یا 'دکھاوے' کو کہتے ہیں۔ اس کے معنی 'خواب' کے بھی بیان ہوتے ہیں

راغب اصفہانی نے کہا "الرُّءْيَا مَا يُرىٰ فِي الْمَنَامِ"۔ صاحبِ قاموس نے لکھا ہے: "الرُّؤْيَا مَا رَأَيْتَهُ فِي مَنَامِكَ" لیکن یہاں اس سے مراد رؤیتِ مطلق ہے جس کے تحت چشمِ بیداری کے منظر بھی آجاتے ہیں۔"

الصحیح البخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں "رؤیا" کے معنی "مشاہدہ چشم" بیان ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج کا واقعہ خواب نہ تھا بلکہ آنکھوں کا مشاہدہ تھا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

قَالَ هِيَ رُءْيَا عَيْنٍ اُرِيَهَا النَّبِيُّ (صلی اللہ علیہ وسلم) لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِهٖ اِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ	(یہ آنکھ کا مشاہدہ تھا جو نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دکھایا گیا۔ جب آپؐ کو رات کے ایک حصے میں بیت المقدس لے جایا گیا)

قاضی ابی الفضل عیاضؒ نے اس لفظ پر گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ لوگ جو معراج کو خواب کا قصہ بتاتے ہیں، وہ اس آیت کو اپنے دعویٰ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ عربی ادب میں اساتذہ کے ایسے اشعار کی کمی نہیں جن میں "رؤیا" کو "ظاہری آنکھ سے دیکھنے" کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، جو حبرِ اُمّت ہونے کے علاوہ لغت کے امام بھی تھے، کا فرمایا ہوا سند ہے۔ اگر لفظ "رؤیا" کو خواب کے معنوں میں لیا جائے تو لوگوں کے لیے آخر اس کے فتنہ بن جانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ خواب میں انسان کا لاشعور اسے کیا کچھ نہیں دیتا؟ یہی لاشعور۔ (Un-conscious mind): فرائڈ کے خیال کے مطابق، زندگی کی ناآسودہ خواہشات کو خواب میں اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ ہمیں خواب اور اس کی تعبیر کو نئے تناظر میں دیکھنا ہوگا اور انسان کی تحت الشعوری اور لاشعوری زندگی کا مطالعہ نئی جہت سے کرنا ہوگا۔

اگر ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں کو یہ فرما دیتے کہ آج رات میں نے خواب میں یہ دیکھا

Marfat.com

ہے کہ میں مکہ سے بیت المقدس گیا، تو نہ کوئی مسلمان فتنے میں پڑ کر مرتد ہوتا اور نہ کوئی کافر اس بات کا مذاق اڑاتا۔ اور نہ ہی کسی کو اس دعویٰ کی دلیل مانگنا پڑتی۔ رہا حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا وہ قول جس کی روایت ابن اسحاق نے "آلِ ابی بکر" کے کسی شخص کے حوالے سے کی ہے، [۱۵] تو یہ روایت مجہول السند ہونے کے علاوہ ان روایات کے منافی ہے جو صحیحین میں حضرت ابوذر غفاری، حضرت مالک بن صعصعہ، حضرت انس، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری ایسے جید صحابہ سے مروی ہیں۔ یہ کیسے ثابت کیا جاتے کہ حضرت عائشہ کا یہ قول:

"مَا فُقِدَ جَسَدُ رَسُولِ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم) وَلٰکِنَّ اللّٰہَ أَسْرٰی بِرُوْحِہٖ" (آنحضورؐ کو جسم کے ساتھ سیر نہیں کرائی گئی بلکہ (صرف) آپؐ کی رُوحِ پاک کو لے جایا گیا۔)

واقعی انہی کا قول ہے؟ علامہ بیہقی نے حضرت عائشہؓ سے متصل سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے کہ لوگوں نے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے واقعہ معراج سننے کے بعد جس حیرت و استعجاب کا اظہار کیا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ منافقین یہ خبر لے کر دوڑے دوڑے حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے:

"ذرا اپنے دوست کی خبر لیجئے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ آج رات وہ بیت المقدس پہنچائے گئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا: کیا وہ ایسا فرماتے ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: اگر وہ ایسا فرماتے ہیں، تو ضرور سچ فرماتے ہوں گے۔ ان لوگوں نے کہا: کیا آپ اس بات کی بھی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ ایک ہی رات میں بیت المقدس گئے بھی اور صبح سے پہلے واپس بھی آگئے؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: میں تو صبح شام ان سے آسمان کی خبریں سن کر تصدیق کرتا ہوں۔" [۱۶]

کیا کوئی شخص مان سکتا ہے کہ یہ بیان انہی حضرت عائشہؓ صدیقہ کا ہے جن کی طرف اوپر کی ایک غیر متصل اور قطعی مجہول سند سے یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ حضور ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جسدِ اطہر تو اپنی جگہ پر رہا اور صرف آپؐ کی روح کو سیر سمٰوٰت کے لیے لے جایا گیا۔

وہ حضرات جو معراج کو محض "خواب کی بات" یا "رات کی بات" سمجھتے ہیں یا پھر وہ اصحابِ قلم جو

Marfat.com

اسے "رواۃ کے ذوقِ داستان سرائی" کا نتیجہ گردانتے ہیں، یہ نہیں جانتے کہ معراج کا عظیم واقعہ معجزہ نہیں جس کا انتساب ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف کیا جاتا ہے بلکہ وہ خالقِ کائنات کی لامحدود طاقت اور قدرت کا ایک کرشمہ ہے۔ سورہ بنی اسرائیل کی ابتدائی آیاتِ کریمہ اسی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ وہ قادرِ مطلق جو ہر کمزوری سے پاک اور ہر ضعف سے مبرا ہے، اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا۔ اگر یہ معاملہ خواب کا ہوتا تو ظاہر ہے کہ قرآنِ حکیم وہ اسلوبِ بیان اختیار نہ کرتا جو اس نے محیّر العقول واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کیا ہے۔ خواب کے سفر یا کشفی سفر کے لیے "لے جانے" کی ترکیب بھی کسی طرح نہیں جچتی۔" لہٰذا ہمارے لیے یہ ماننے بغیر چارہ نہیں کہ یہ محض ایک روحانی تجربہ نہیں تھا بلکہ ایک جسمانی سفر اور عینی مشاہدہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کرایا،" تاکہ آپؐ کے مراتبِ عرفان اور کمالاتِ ایقان میں ترقی ہو سکے۔ اور لوگ کسی انسان کی حقیقی عظمت کو قربِ شاہی کے واسطے سے یا سیاسی اور سماجی رسوخ کے لحاظ سے یا کثرتِ دولت کے ناطے سے جانچنے کے موجودہ پیمانوں کو چھوڑ کر، جانچ کا وہ معیار قائم کریں جو اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ میں مضمر ہے۔

یہی بات مفکرِ اسلام حضرت علامہ اقبال مرحوم نے گول میز کانفرنس (منعقدہ لندن) سے واپسی پر فرانس کے عظیم دانشور اور فلاسفر برگسان کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی تھی۔ علامہ اقبال مرحوم نے برگسان کی توجہ اس حدیث کی طرف دلاتے ہوئے جس میں ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تھا۔ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ بندے کے حقیقتِ کبریٰ (Ultimate Truth) سے قرب کو اس کی شخصیت کی عظمت کی اساس قرار دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برگسان نے عقل و خرد کی حکمرانی کو تسلیم کرنے کے باوجود محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسی بلند شخصیتوں کو بہت بڑا خراجِ عقیدت پیش کیا ہے جنھوں نے "نوعِ انسانی کو خدائی رنگ میں رنگ دیا اور اس طرح عقل کو لاہوتی سند عطا کی"۔

خداوندِ علیم و قدیر کے لیے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مکاں سے لامکاں تک لے جانا دشوار تھا نہ مستبعد۔ کیا اسباب و علل کا سلسلہ اتنا ہی اٹل ہے کہ اب خالقِ کائنات بھی اس میں مزاحم نہیں ہو سکتا؟ اس میں شک نہیں کہ مشاہدات و تجربات نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ قوانینِ فطرت

Marfat.com

(Laws of Nature) ایسے ٹکے بندھے اصولوں کے تحت سرگرم عمل ہیں کہ ان میں ذرہ برابر کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ ہر"واقعہ علت و معلول کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اور ہر نتیجہ ذرائع کے صغریٰ و کبریٰ میں بندھا ہوا ہے"۔ لیکن سائنس کو اب یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ :

"بعض نتائج اس طرح ظہور میں آجاتے ہیں کہ ان کے اسباب و علل کی کئی ایک کڑیاں راستہ میں گم ہو جاتی ہیں"۔

بعض آئمۂ علم طبیعات یہاں تک کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ :

"ہمیں ایسا فرض کر لینے کا کوئی حق نہیں کہ کوئی خاص قوانین فطرت موجود ہیں یا یہ کہ کوئی خاص قوانینِ فطرت جو اس وقت تک موجود ہیں آئندہ بھی اسی طرح رہیں گے یہ بات بالکل قرینِ قیاس ہے کہ کسی سہانی صبح فطرت کسی ایسے خلافِ توقع واقعہ کو ظہور میں لے آئے جس سے ہم سب ہکے بکے رہ جائیں"۔

اگر ہم یہ کہیں کہ "فطرت" نہیں بلکہ "خالقِ فطرت" جو مالک و مختار بھی ہے، کسی خاص مقصد کے پیش نظر ایک ایسا واقعہ ظہور میں لے آتا ہے جو "خارقِ عادت" ہے اور جس سے مقصد "حقیقت بینی" میں مدد دینا ہے تو اس کے امکان پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے ؟ وہ خالقِ کائنات جس نے ثواب و سیّار کے بھاری بھرکم وجود کو بغیر کسی ٹیک کے کھڑا کر رکھا ہے' ان کی گردش کے راستے متعین کر دیتے ہیں اور ان کی حرکات مقرر کر دی ہیں، کیا وہ اپنے بندے کو "روح مع الجسد" آسمان کی سیر پر لے جانے پر قادر نہیں ہے ؟ کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ" اللہ میاں کسی خاص مقام پر ٹھہرا ہوا ہے ؟ نعوذُ باللہ مِن ذالِک ۔ مقید تو صرف بندہ ہے جو اپنے مالک سے ملاقات کے لیے کسی ایک جگہ کا محتاج ہے جہاں ربّ العزت کی تجلیات و انوار مرکوز ہو سکیں ۔ ورنہ اس کی شان اطلاق میں اس سے ملاقات بندۂ مجبور کے لیے ممکن نہیں ۔

مذاہب کی تاریخ میں ایسے واقعات کی کمی نہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ خالقِ کائنات نے اپنے برگزیدہ بندوں میں سے بعض پر اپنی عظیم سلطنت کے اسرار و رموز منکشف فرماتے۔ اور اُنھیں حکومتِ آسمانی (ملکوت السمٰوات والارض) کے کرشمے ان کے منصب و مرتبہ کے مطابق دکھاتے

Marfat.com

تاکہ انھیں درجۂ ایقان حاصل ہو۔ (وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ) انھیں یہ بھی دکھایا گیا کہ خداوند بزرگ و برتر کس طرح مُردوں کو زندہ کرتا ہے تاکہ انھیں مشاہدہ کے بعد وہ درجۂ اطمینان حاصل ہو، جسے عین الیقین کہتے ہیں۔ (البقرہ: ۲۶)

حضرت یعقوبؑ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی رویت سے نوازا۔ توراۃ میں آتا ہے کہ:

"(حضرت) یعقوبؑ بیر سبع سے نکل کر حاران کی طرف چلا اور ایک جگہ پہنچ کر ساری رات وہیں رہا۔ کیونکہ سورج ڈوب گیا تھا۔ اور اس نے اس جگہ پتھروں میں سے ایک اٹھاکر سرہانے رکھ لیا۔ اور اسی جگہ سونے کو لیٹ گیا۔ وہؑ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک سیڑھی زمین پر کھڑی ہے اور اس کا سرآسمان تک پہنچا ہے۔ اور خدا کے فرشتے چڑھتے اُترتے ہیں۔ اور خدا اس کے اوپر کھڑا کہہ رہا ہے کہ میں خداوند تیرے ابراہامؑ کا خدا اور اسحٰقؑ کا خدا ہوں۔ مَیں یہ زمین جس پر تو لیٹا ہے، تجھے اور تیری نسل کو دوں گا۔"[۱۴]

(پیدائش: ۲۸: ۱۰-۱۳)

حضرت موسیٰؑ کو طُور پر جلوہ ربّانی دکھایا گیا (الاعراف: ۱۴۳)۔ یوحنا رسول کا مکاشفہ بھی بہت سے روحانی مناظر پیش کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خداوند قدوس نے صاحبِ موصوف کو قیامت تک کے بہت سے واقعات مثلاً آثارِ قیامت، سزاوجزا اور جنت و دوزخ تمثیلی رنگ میں دکھادیئے تھے۔ ایسے ہی کچھ تجربات محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بھی تھے۔ آپؐ نے معراج کی شب خداوندِ علیم وقدیر کی عظیم نشانیاں دیکھیں (النجم: ۱۳-۱۸) جن میں جنت و دوزخ کا مشاہدہ بھی شامل ہے۔[۱۵]

اسریٰ کا پورا واقعہ کسی کی عقل میں آتے یا نہ، وہ نصِ قرآنی سے ثابت ہے؛ احادیثِ صحیحہ کا اس پر اتفاق ہے اور اصحابِ علم وفضل اسے ایک مسلّمہ حقیقت سمجھتے ہیں۔ بعض احباب کا اسے توڑ مروڑ کر "شبِ ہجرت" کے واقعات پر محمول کرنا "مسجدِ اقصیٰ کو" "مسجدِ نبوی" تصور کرنا اور "بیت المقدس کے ماحول" کو "مدینہ منورہ کی خیر و برکت" سمجھ لینا، صاحب معارف القرآن کی "جدّت طرازی" اور "عقلی موشگافی" تو کہی جاسکتی ہے لیکن قرآن فہمی نہیں کہی جاسکتی۔ انھیں میں ایک مسئلہ دودھ اور شراب کے پیالوں سے متعلق ہے جو معراج کی رات کو آپؐ کے سامنے پیش کیے گئے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم)

Marfat.com

نے دودھ کے پیالے کا انتخاب فرمایا۔ حضرت جبریلؑ نے کہا:

"آپؐ نے فطرت کو اختیار کیا۔ اگر شراب کا پیالہ اٹھا لیتے تو آپؐ کی تمام اُمت گمراہ ہو جاتی۔"[16]

اس پر صاحبِ معارف القرآن طنزاً لکھتے ہیں:

"واضعین روایت جس بات کو کہنا چاہتے ہیں (یعنی یہ کہ آپؐ نے دینِ فطرت کو پسند فرمایا) اُسے کیسے قابلِ اعتراض انداز میں کہہ رہے ہیں۔

... اگر آپؐ دوسرے پیالے کی طرف ہاتھ بڑھا دیتے تو (پناہ بخدا) آپؐ کی ساری اُمت گمراہ ہو جاتی۔"[17]

اسی طرح نماز فرض کیے جانے سے متعلق روایت کی تضحیک کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"صاف نظر آتا ہے کہ یہودی سازش گردوں نے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حضرت موسیٰؑ کی فضیلت ظاہر کرنے اور قرآنی احکام کے تعین کو مضحکہ بنانے کے لیے یہ افسانہ طرازی کی اور اس روایت کو چپکے سے نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کر دیا۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اسے اپنے اپنے مجموعوں میں داخل کر لیا اور اس کے بعد یہ اُمت کے لیے دین بن گئی۔"[18]

اگر قرآنِ مجید تفسیر بالرّائے کا متحمل ہو سکتا ہے تو الگ بات ہے، اور اگر حدیث کا انکار مقصود ہے تو جدا بات ہے! ورنہ راویانِ حدیث (خاص طور پر جنھوں نے معراج کی روایت کی ہے) نہ تو یہودی سازش کا شکار ہوتے ہیں، اور نہ ہی انھوں نے کسی سازش کے تحت کوئی غلط چیز محبوب داورِ حشرؐ کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اس بات سے خوب آگاہ تھے کہ آپؐ کی طرف غلط بات منسوب کرنا اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنانے کے مترادف ہے علاوہ ازیں شیخینؒ کا معیارِ نقد و بصر اتنا بلند ہے کہ بہت کم لوگ وہاں تک پہنچ سکے ہیں۔ اپنے تو خیر اپنے ہیں غیروں نے بھی ان کے تبحرِ علمی، عُمقِ نظری، معیارِ ردّ و قبول اور ثقاہت کی داد دی ہے۔[19]

دَورِ متاخرین کے گلبُن، شاہ ولی اللہ، محدّث دہلویؒ نے معراج کے واقعات پر جو سیر حاصل بحث کی ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ روایات محض "دیدشنید" نہیں بلکہ یہ "مرفوع" ہیں اور

Marfat.com

اس وجودِ ذی جُود کی زبانِ صدق سے ادا ہوتی ہیں جو "علیٰ نورٍ مِّن ربہٖ" کے مقام پر فائز ہیں اور "وَمَا یَنطِقُ عَنِ الھوٰی" کا اعلان فرما رہے ہیں۔ سر ولیم میور نے اپنی کتاب۔ The Life of Mohammad کے باب اوّل کے مقدمہ میں (Sprenger) کی شہادت نقل کی ہے جس کے مطابق شبِ اسریٰ کے واقعات کو زیادہ قابلِ اعتماد اور مستند سمجھا گیا ہے اس لیے کہ ان کی روایت آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود فرمائی ہے۔ وہ لکھتا ہے :

There is no event in his life on which we have more numerous and genuine traditions than on his Night Journey.

"محدث دہلویؒ کے مطابق" عالمِ تمثیل میں فطرت کو دودھ اور ضلالت کو شراب کے رنگ میں مشاہدہ کرایا گیا ہے۔ آپؐ کے پسند و قبول کو امت کا پسند و قبول کہنا اس لیے تھا کہ آپؐ اپنی اُمّت کے جامع و مرکز اور اس کے ظہور کے منشا و مولا تھے۔ دودھ کا پیالہ پسند کرنا، فطرت کا پسند کرنا تھا اور شراب کو ٹھکرانا دنیا لذاتِ دُنیا اور خواہشاتِ نفسانی سے اعراض کرنا تھا"۔ [۲۱]

جہاں تک حضرت موسیٰؑ سے ملاقات کا تعلق ہے، ظاہر ہے کہ تمام انبیاء علیہم السّلام میں سے آپ (حضرت موسیٰؑ) کو اُمّت کا وسیع تجربہ اور سیاستِ مُدُن سے زیادہ آگاہی حاصل تھی اللہ تعالیٰ کا پچاس نمازیں فرض کر کے پانچ کر دینا اور آنحضورؐ کا حضرت موسیٰؑ کے کہنے پر (اِنَّ اُمَّتَکَ لَا تُطِیقُ)، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور صرف پانچ نمازوں کا رہ جانا "قضائے معلّق" تھی جس میں تخفیف ہو سکتی ہے۔ علّامہ عینیؒ نے کہا ہے کہ پچاس نمازوں کے فرض کیے جانے کی خبر مخبرِ صادقؐ کو دی گئی تھی جسے انھوں نے بطیبِ خاطر قبول فرمالیا۔ لیکن جب آپؐ نے حضرت موسیٰؑ کے کہنے پر خداوندِ قدوس سے تخفیف کی درخواست کی تو نمازیں دس دس یا پانچ پانچ کر کے کم کر دی جاتی رہیں یہاں تک کہ پانچ باقی رہ گئیں۔ محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس ارمغانِ سرورِ جہان کو قبول فرمالیا اگرچہ آپؐ کے کمالِ عبودیت اور وفورِ شوقِ عبادت کے سامنے پچاس نمازیں بھی زیادہ

Marfat.com

نہ تھیں۔ اگر ان پانچ نمازوں کو ایماناً واحتساباً قائم کیا جائے تو ثواب پچاس نمازوں ہی کا ملے گا نسخ صلوٰۃ یا بھاؤ تاؤ کا مسئلہ تو اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ حکم اُمتِ مسلمہ کو پہنچا دیا گیا ہوتا اور اس پر عمل درآمد شروع ہو جاتا۔ نمازوں میں یہ تخفیف بھی اُمتِ مسلمہ کے لیے رحمت ہے۔

حضرت موسیٰؑ کو "لن ترانی" کا جواب تو پہلے ہی مل چکا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اگر ذاتِ احدِ اقدس کی بارگاہِ لامکان میں حاضری ناممکن ہے تو کم از کم اس رُخِ انور کو دیکھ لیا جائے جو اللہ تعالیٰ کے انوارِ تجلیات سے تاباں ہے۔ چنانچہ وہ راستے میں بیٹھ گئے اور آپؐ کو آتے جاتے دیکھتے رہے

ع لعلّی اراھم او اریٰ من راھم

(کاش میں اپنے محبوب اور اس کے قبیلے کے حسین لوگوں کو دیکھ لیتا۔ لیکن اگر یہ ممکن نہیں تو میں ان لوگوں کو دیکھنا پسند کروں گا جنہوں نے محبوب کے رُخِ تاباں کو دیکھا ہے۔)

معراجِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) جہاں ارتفاعِ مادہ کی ایک انوکھی داستان ہے وہاں وہ ارتقائے انسانی کی محیر العقول کہانی بھی ہے ؎

ایں بدن باجانِ ما انبار نیست
مشتِ خاکے مانعِ پرواز نیست

بادشاہوں کے بادشاہ کے ہاں پذیرائی اور یہ عزت افزائی — اس کے جمالِ جہاں آرا کی ایک جھلک اس سے راز و نیاز کی باتیں، اس سے تحائف کا تبادلہ اور تسنیم و کوثر کے آبِ زلال سے لطف اندوزی، جوانانِ چمن کہتے ہوں گے ؎

اکڑنا سرو کا ہم دیکھ لیویں گے اکڑنے دو
کبھی تو آتے گا گلشن میں وہ بھی خوش خرام آخر

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بستر اسی طرح گرم تھا جس طرح آپؐ چھوڑ کر گئے تھے، ستاروں کی تابانی وہی تھی جو روانگی سے پہلے تھی اور گردشِ دوراں وہیں رُکی نظر آتی تھی جہاں "خطۂ حیرت کے مسافر" کو لے جانے والے نے اُسے سفر سے پہلے حکم دیا تھا۔ محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) امیرِ ملکوت کے لیے گئے اور پھر صبح ہونے سے پیشتر واپس تشریف لے آئے۔ محبت اور علوِ مرتبت کی اس لازوال

Marfat.com

داستان کو جس اختصار سے بیان کیا گیا ہے۔ شاید اس سے زیادہ اختصار ممکن نہ ہو سکے۔

رحمت عالم ؐ کو جو اُنس اور محبت اپنے ابنائے جنس سے تھی، اس کا تقاضا تھا کہ آپ ؐ ادراکِ حقیقت کے فوراً بعد اُمّ القریٰ میں واپس تشریف لاتے اور انسانوں کو "مطلق خیر" اور "حقیقتِ کبریٰ" کا پتہ بتلاتے جس کی تلاش میں انسان اب تک سرگرداں تھا۔ فلاسفر نے اپنے تفکر سے اور صوفیاء نے اپنی باطنیت سے اضافی حقیقت (Relative Truth) کا کھوج تو لگا لیا تھا لیکن وہ مطلق حق (ا) کا ادراک کرنے میں ناکام رہے تھے۔

ایک بزرگ صوفی کا قول ہے کہ "ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جگہ اگر میں ہوتا تو آسمانوں کی بلندیوں سے کبھی نیچے نہ اُترتا" غالباً یہی فرق ایک نبی اور ایک صوفی میں ہے۔ صوفی کا تجربہ ان کی اپنی ذات کے لیے ہوتا ہے، اس کی تمام جدوجہد، کدوکاوش اور عزلت نشینی اپنے ذہن کی جلاء اپنی نمود اور ارتقاء کے لیے ہوتی ہے لیکن نبی کا جذبہ صادق بنی نوعِ انسان کی ترقی اور خوش حالی کے لیے ہوتا ہے۔ وہ اس تعلق کو استوار کرنے میں مدد دیتا ہے جو بندے اور مولا کے درمیان ہے۔ وہ پوری انسانیت کو اس راستے پر گامزن کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے، اس میں کوئی اینچ پینچ نہیں۔ وہ اس قانون پر عمل کرنے کے لیے تحریک پیدا کرتا ہے جو قانونِ فطرت ہے اور جس کے لیے داعیہ خود ہمارے اندر موجود ہے۔ علامہ محمد اقبال ؒ نے "تشکیلِ جدید الٰہیات" میں اس کی طرف لطیف اشارہ کیا ہے۔ کہتے ہیں:

> "اسلام بہ حیثیت ایک نظامِ سیاست کے اصولِ توحید کو انسان کی جذباتی اور ذہنی زندگی میں ایک زندہ عنصر بنانے کا عملی طریق ہے۔ اس کا مطالبہ وفاداری خدا کے لیے ہے نہ کہ تخت و تاج کے لیے۔ چونکہ ذاتِ باری تعالیٰ تمام زندگی کی روحانی اساس سے عبارت ہے اس لیے اس کی اطاعت کیشی کا درحقیقت مطلب یہ ہے کہ انسان خود اپنی معیاری فطرت کی اطاعت اختیار کرتا ہے۔"

علامہ مرحوم کے نزدیک مسلمان اور سلیم الفطرت انسان ایک ایسے نظام کے تحت زندگی گزارنا پسند کرتا ہے جس میں مقتدرِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی کا قانون رائج ہے اور اسی کی اطاعت مقصود ہے۔ تاکہ معاشرے کے اندر نیکی کو عام کیا جائے، بدی کو روکا جائے، پاک چیزوں کا استعمال کیا جائے اور

Marfat.com

ناپاک سے اِبا کی جاتی ہے۔ لوگوں پر سے وہ بوجھ اتارا جاتا ہے جس کے نیچے وہ دبے ہوتے ہیں اور ان بندشوں کو دور کیا جاتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوتے ہیں۔ فوز و فلاح صرف انہی لوگوں کے لیے ہے جو قرآنی ضابطہ حیات کی پیروی کرتے ہیں (الاعراف : ۱۵۷)

محبوب داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) معراج کی شب نماز پنج گانہ کے قیمتی تحفے کے علاوہ وہ اصول و فرامین بھی لے کر آتے جن کا ذکر سورہ بنی اسرائیل کی آیات ۲۲ تا ۳۹ کے تحت کیا گیا ہے۔ یہ آیاتِ کریمہ ایک ایسی نظریاتی مملکت کی نشاندہی کرتی ہیں جو خدائے بزرگ و برتر کے نام پر وجود میں آنے والی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ معراج اور ہجرت کا آپس میں قریبی اور اہم تعلق ہے۔ اس سلطنت کی بنیادیں قوانینِ الٰہیہ پر اٹھائی جانے والی تھیں جو نوامیسِ فطرتِ انسانیہ کے عین مطابق تھیں۔

اس عظیم سلطنت کی رعایا صرف وہی لوگ نہ تھے جو مدینہ میں بستے تھے یا مکہ میں رہتے ہوئے حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے تھے بلکہ وہ تمام انسان تھے جو بلا امتیازِ رنگ و نسل اور بلا لحاظِ ملک و ملت ایک نظریہ حیات اور ایک تصورِ زندگی کو اپناتے ہوتے تھے؛ ایک ہی رسی کو مضبوطی سے تھامے تھے اور ایک ہی مقصد کے لیے سرگرمِ عمل تھے۔

ابولہب اور ابوجہل، عاص بن وائل السہمی اور ولید بن مغیرہ وادی القریٰ کے سردار ہونے کے باوجود اس ملت کے فرد نہ بن سکے لیکن حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فارسی، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ رومی، حضرت عداس رضی اللہ عنہ نینوائی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی اس ملتِ بیضاء کے وہ روشن ستارے ہیں جن سے زندگی کی راہیں اب تک روشن ہیں۔

قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے :

أَفَغَيْرَ دِينِ اللّٰهِ يَبْغُونَ وَلَهٗٓ	(سو کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ
أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ	(کسی اور نظامِ زندگی کی) تلاش کر رہے
وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّ	ہیں؟ درآنحالیکہ آسمانوں اور زمین کے
إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۞ قُلْ اٰمَنَّا	درمیان ہر چیز اس کی فرمانبردار ہے (خواہ
بِاللّٰهِ وَمَآ أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ	یہ فرمانبرداری) برضا و رغبت ہو یا مجبوری
أُنْزِلَ عَلٰٓى إِبْرٰهِيْمَ وَإِسْمٰعِيْلَ	کے تحت۔ اور سب اسی کی طرف لوٹائے
وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْأَسْبَاطِ	جائیں گے۔ آپ فرما دیجئے کہ ہم اللہ پر

Marfat.com

وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ
مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ
اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝
وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ
دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ
فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

(آلِ عمران: ۳: ۸۴-۸۵)

ایمان رکھتے ہیں اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا ہے۔ اور اس پر جو ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر اتارا گیا ہے۔ اور اس پر جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے انبیاء کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا۔ ہم ان میں باہم کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم تو اسی اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور نظامِ زندگی کو تلاش کرے گا، سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کرے گا اور وہ (شخص) آخرت میں گھاٹا کھانے والوں میں سے ہوگا۔)

یہ غالباً پہلا موقع ہے کہ مسلمانوں کو بنی اسرائیل کے حوالے سے یہ یاد دلایا گیا ہے کہ اگر انھوں نے خداوندِ قدوس کی بندگی اور اطاعت سے منہ موڑ کر "ارباب متفرقون" کو اپنا کارساز بنا لیا، اور کاروبارِ زندگی کو اپنی خواہشات کے تابع کر دیا، تو ان کا بھی وہی حشر ہوگا جو بنی اسرائیل کا ہوا۔ انھوں نے جب خالقِ حقیقی کو چھوڑ کر "ایل" کی پرستش شروع کی اور اسے زندگی، روئیدگی اور خوشحالی کا دیوتا تسلیم کیا، تو خداوندِ قدوس کا قہر "اسرائیل پر بھڑکا" (زبور ۱۰۶: ۴۰)۔ بنی اسرائیل پہلی مرتبہ ۵۸۶ ق۔م میں بخت نصر، فرمانروائے بابل کے ہاتھوں اور دوسری مرتبہ ۷۰ء میں ٹائٹس رومی، (Titus) کے ہاتھوں ایسے ذلیل ہوئے کہ زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی۔[۲۱] اور جس طرح وہ قبائلی عصبیت کا شکار ہو کر کوئی متحدہ سلطنت قائم نہ کر پاتے تھے، اسی طرح اتحاد و یکجہتی کی دولت سے محروم ہو کر، مسلمانوں کا ایک عظیم سلطنت کے لیے خواب بھی کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔
اسی طرح اتحاد و یک جہتی کی دولت سے محروم ہو کر، مسلمانوں کا ایک عظیم سلطنت کے لیے خواب بھی کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ بنی اسرائیل کو فلسطین پر قابض ہونے سے پہلے یہ بتا دیا گیا تھا کہ وہ ان مشرک

Marfat.com

قوموں کو نیست و نابود کر دیں جو اُن کی تحویل میں آنے والی ہیں اِس لیے کہ ان قوموں کے اخراج ہی سے وہ باطل عقائد اور مشرکانہ خیالات ختم ہو سکتے تھے جو اُن کے دلوں میں صدیوں سے پل رہے تھے لیکن بنی اسرائیل مفتوحین سے چھٹکارا پانے کی بجائے، ان کے ساتھ مل گئے۔ اور ان کے سے کام سیکھ گئے۔ (زبور ۱۰۶: ۳۵) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ادومیوں، موآبیوں، عمونیوں اور فلستینیوں نے نہ صرف انھیں ملک کے آباد حصے سے نکال باہر کیا ہے بلکہ ان سے خداوند کے عہد کا صندوق بھی چھین لیا۔ خداوندِ قدوس نے ان پر ایسی قوموں کو مسلط کر دیا جو جابر اور قاہر تھیں، جنگجو اور نبرد پیشہ تھیں۔

مزید برآں مسلمانوں کو مادہ پرستانہ رویّہ ترک کر کے زندگی کی اصلی قدروں کو اپنانے پر زور دیا گیا ہے کیونکہ مکارمِ اخلاق اور اعمالِ حسنہ کے بغیر زندگی کو ربط و ضبط ملتا ہے نہ اس میں حسن و زیبائی پیدا ہوتی ہے۔ توراۃ کے احکام سے روگردانی جس طرح بنی اسرائیل کی ذلت و رسوائی کا باعث ہوئی، اسی طرح مسلمانوں کو خبردار کیا گیا کہ اگر انھوں نے "قرآنِ حکیم" کی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال دیا اور اس کے زرّیں اصولوں کو اپنی زندگی میں اپنانے سے تساہل برتا، تو ان کا حشر بھی بنی اسرائیل سے مختلف نہ ہو گا۔ اسی موقعہ پر ان کی توجہ انفرادی ذمہ داریوں اور مسئولیت کی طرف دلائی گئی۔ انسان اپنے اعمال کے لیے جواب دِہ ہے۔ عمل کے حُسن و قُبح کے لیے وہ خود ہی ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا۔ کوئی دوسرا اس کا بوجھ اٹھانے والا نہ ہو گا۔ ایک پاکیزہ اور صالح معاشرہ میں ہر انسان اپنی ذمہ داری پر نظر رکھتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ عمدگی اور نرمی سے دوسروں کو نیکی کی تلقین اور بُرائی سے بچنے کی نصیحت کے کام کو بھی جاری رکھتا ہے۔

انسان فطرتی طور پر "شخصیت پرست" پیدا ہوا ہے۔ وہ اپنے قائدین کی پیروی کے لیے ہمیشہ مستعد نظر آتا ہے۔ قائدین کی صالحیت یا شقاوت نے انسانی گروہوں کو ہر دونوں طرح سے متاثر کیا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی قوم جب اپنی شقاوت و بدبختی میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی تو خداوند قدوس نے اس کی زمامِ کار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دے دی جو سرکش، مُسرف اور معصیت کار تھے، بدنہاد اور بدکردار تھے۔ ان کی زیادتیاں اس سماج کو تباہی کے غار میں دھکیلنے میں سریع الاثر ثابت ہوئیں ؎

اِذَا کَانَ الْغُرَابُ دَلِیْلَ قَوْمٍ
سَیَہْدِیْہِمْ طَرِیْقَ الْہَالِکِیْنَا

Marfat.com

معراج کا پیغام :

سورہ بنی اسرائیل میں جن رموز و حقائق ، اصول و فرامین اور نتائج و بصائر کو بیان کیا گیا ہے [۲۶]
اور جنھیں بجا طور پر معراج کا پیغام کہا جاسکتا ہے ، وہی مستقبل کی عظیم اسلامی سلطنت کی اساس بننے
والے تھے ۔ یہ اصول کسی انسانی ذہن کی تخلیق نہیں بلکہ اس رب کائنات کے وضع کردہ ہیں جو انسانی
فطرت کا واقف ہی نہیں بلکہ اس کا خالق بھی ہے ۔ یہ احکام تعداد میں بارہ ہیں ۔

۱۔ خدائے واحد کے سوا کسی کی پرستش نہ کی جائے ۔

حضرت عیسیٰؑ نے شیطان کو دھتکارتے ہوئے کہا تھا : کہ انسان کے لیے " لازم ہے " کہ وہ
خداوند اپنے خدا کو سجدہ کرے اور صرف اسی کی عبادت کرے " [۳۵] خدا کی وحدانیت کو محض ایک
عقیدے کی حیثیت ہی سے تسلیم نہ کیا جائے بلکہ اسے ایک قوت کے طور پر مانا جائے ۔ جس طرح کہ
ایک ملت واحدہ ہے بالکل انہی معنوں میں اسلام بھی ایک ملت ہے جو " امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کے بلیغ مقصد کے لیے اٹھائی گئی ہے ۔ اگر توحید خالصہ کو اپنے اعمال کی بنیاد قرار دیا جائے ، تو کوئی وجہ
نہیں کہ انسان ان مقاصد کو حاصل نہ کر پائے جو روحانی مسرتوں اور مادی کامرانیوں سے عبارت ہیں ۔

۲۔ انسانی حقوق کی رعایت اور والدین کا احترام :

توحید کے بعد جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے وہ والدین اور بندوں کے حقوق ہیں
اگر سوسائٹی کے مختلف افراد کے درمیان اخوت اور مساوات ، ملاطفت اور اپنائیت کے جذبات موجود
نہ ہوں تو وہ کبھی " جسد واحد " کی طرح کام نہیں کر سکتی ۔ اس کے مختلف اجزاء نہ تو باہم پیوستہ اور
مربوط ہوں گے اور نہ ہی اتنے منظم کہ کسی بیرونی جارحیت کا مقابلہ کر سکیں ۔ ان حقوق کو یاد دلاتے
ہوئے ، والدین کی اطاعت کو ضروری قرار دیا گیا ہے ۔ اولاد کے لیے صرف اتنا ہی ضروری نہیں کہ
وہ ان کی ضروریات کو مقدور بھر پورا کرنے کی کوشش کرے بلکہ اس کا ادب شناس ہونا بھی ضروری
ہے ۔

۳۔ خداروں کے حقوق :

اسلام نے جس مثالی معاشرے کی تدبیر کی تھی ، اس میں مودت اور اخوت (Fraternity

کے جذبات کو فروغ دینے کے لیے رشتہ داروں، پڑوسیوں، بیواؤں اور محتاجوں کی ضرورتوں کو اپنے ذرائع اور وسائل کے مطابق پورا کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ جن لوگوں کے وسائلِ آمدنی زیادہ ہوں گے، وہ زیادہ خرچ کریں گے تاکہ معاشرے کو خوش حال بنایا جا سکے۔ محتاج افراد کی معاشی ضرورتوں کو پورا کرنا کسی "احسان" کے تحت نہیں آتا جس کا اظہار کرنا ضروری ہے۔ بلکہ یہ ایسا "حق" ہے جس کے ادا کرنے پر ہر انسان کو خدائے بزرگ و برتر کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ جس نے اسے توفیق بخشی کہ وہ بھلائی اور خیرات کے کاموں میں حصہ لے کر اس طبقاتی کش مکش کو کم کرنے کی کوشش کرے جس نے کئی ایک معاشروں کو نفرت کی آگ میں جھونک رکھا ہے۔

۴۔ اخراجات میں میانہ روی۔

آج کی سوسائٹی کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اس کا متمول طبقہ ہمیشہ جھوٹے وقار اور نمود و نمائش کی خاطر دولت کا ضیاع کرتا رہتا ہے۔ اس کی مسرفانہ رسموں نے سوسائٹی کے متوسط اور غریب طبقوں کے لیے ایسی روایات قائم کر دی ہیں کہ وہ بیچارے نہ ان پر چلنے کی ہمت رکھتے ہیں اور نہ ہی ان سے چھٹکارا پانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ شادی بیاہ، زندگی اور مرگ کی بہت سی رسمیں غیر شعوری طور پر ہندوؤں سے لی گئی ہیں اور ہم ان پر اس سختی سے کاربند ہیں کہ ہماری ناقدانہ حس ان کا جائزہ لینے سے قاصر ہے۔ اس اسرافِ بے جا نے نہ صرف سوسائٹی کے سنجیدہ طبقوں کو خون کے آنسو رلانے پر مجبور کر دیا ہے بلکہ اقتصادی طور پر گھریلو بجٹوں کے پروگرام کو بھی تہ و بالا کر دیا ہے۔ اسلام نے جہاں "معصیت بالذات" پر خرچ کو حرام قرار دیا ہے وہاں "معصیت بالغیر" (اِنْفَاقُ الْمَالِ فِیْ غَیْرِ حَقِّهٖ) کو بھی ممنوع بتایا ہے۔ اسی طرح اس نے بخل کو بھی ایک قبیح گناہ قرار دیا ہے۔ اسلام کی تعلیم اعتدال اور اقتصادی میانہ روی کی ہے۔

۵۔ قتلِ اولاد کے فساد سے بچنا۔

خداوندِ قدوس نے اپنے نظامِ تکوینی میں بعض کے لیے وسائلِ آمدنی وسیع کر دیتے ہیں اور بعض کے لیے محدود۔ دولت کی یہ تقسیم اندھا دھند ہے نہ مقصد و مصلحت کے بغیر۔ اس خیال سے کہ افلاس اور ناداری کا گھر میں ڈیرا ہے یا اس خیال سے کہ کثرتِ اولاد کے سبب افلاس اور تنگ دستی میں اضافہ

Marfat.com

ہونے کا اندیشہ ہے، والدین کو نسل کشی نہیں کرنی چاہیئے اس کی ایک صورت تو قتلِ اولاد کی تھی اور دوسری اسقاطِ حمل کی۔ جدید دَور میں تیسری صورت جو پیش آئی ہے وہ منعِ حمل کی ہے۔ قرآنِ مجید اِس بات پر مصر ہے کہ انسانی زندگی کو کسی حال میں بھی قتل نہ کیا جائے بلکہ دولت کو بڑھانے کی تعمیری کوششیں کی جائیں اور اولاد کی قابلیتوں، استعدادوں اور صلاحیتوں کو پروان چڑھا کر خوش حالی اور ترقی کے نئے دَور کا آغاز کیا جائے۔

٦۔ زنا سے اجتناب

زنا بجائے خود بھی قابلِ نفرت ہے اور بلحاظ دوسرے مفاسد کے بھی؛ روحانی پاکیزگی اور اخلاقی تنزیہ کے بھی منافی ہے اور تمدن و معاشرہ کی اجتماعی صالحیت کے بھی۔ اگرچہ بعض جاہلی معاشروں میں اسے مذہبی تقدس حاصل رہا ہے اور آج بھی متمدن ممالک میں یہ کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ لیکن اسلام نے اس کے عظیم نقصانات کے پیشِ نظر اسے نہ صرف جُرم قرار دیا ہے بلکہ اس نے ان تمام اسباب کا قلع قمع کر دیا ہے جو انسان کو اس کے قریب لے جانے کا سبب بنتے ہیں۔ مغربی سوسائٹی، جس نے حرام کاری اور اغلام بازی کو قانونی تحفظ دے رکھا ہے" Aids " ایسی امراض میں گرفتار ہے جس کے متعلق ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکا کہ اس کے وائرس کو کیسے نابود کیا جائے۔

۷۔ انسانی زندگی کا احترام اور ناحق قتل سے اجتناب:۔

اسلام نے لوگوں کی جان، ان کے مال اور ان کی آبرو کو پورا تحفظ دیا ہے۔ کوئی انسان دوسرے کا ناحق خون کر سکتا ہے نہ ہی اپنی جان لے سکتا ہے۔ اس کا ہاتھ دوسرے کے گریبان تک صرف اسی صورت میں اُٹھ سکتا ہے جب اس کے پاس معقول شرعی جواز ہو۔ لیکن خیال رہے کہ اس شرعی جواز کے ہوتے ہوئے بھی وہ صرف اسی حد تک انتقام (قصاص) لے سکتا ہے جس حد تک حق کا تقاضا ہو۔ قتل میں "اسراف" (زیادتی) کی تمام صورتیں ممنوع ہیں۔ قتل کے بعد نہ تو لاش کی بے حُرمتی کی جائے۔ نہ اس کا "مُثلہ"۔

۸۔ یتیم کے مال کی حفاظت:

عربوں کے ہاں یتیم کے مال کو ہضم کر لینا اور اس کی پرورش میں کوتاہی برتنا ایک عام معمول تھا۔ لیکن اسلام نے جہاں معاشی اور معاشرتی زندگی کو منظم کرنے کے لیے اور بہت سے قوانین کا

Marfat.com

تھا۔ کیا وہاں یتیم کے حقوق کی نگہداشت کے لیے بھی قانونی اور انتظامی تدابیر کیں۔ انھیں (ولی کو) یہ حکم دیا کہ وہ اس کے مال کی پوری طرح حفاظت کریں تا آنکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سیکھ لے۔

۹۔ ایفائے عہد:

معاہدات چاہے افراد کے درمیان طے پائیں یا قوموں اور سلطنتوں کے درمیان، ان کا احترام کرنا ضروری ہے۔ اسلام نے ایفائے عہد اور معاہدات کے احترام کو نہ صرف اخلاقی لحاظ سے اہمیت دی ہے بلکہ اسے اپنی خارجہ پالیسی کا سنگ بنیاد قرار دیا ہے۔

۱۰۔ ناپ تول اور پیمانوں کو درست رکھنا۔

اسلام نے تجارت اور کاروباری لین دین میں دیانت اور امانت کے جس اعلیٰ معیار کو نافذ کرنا چاہا ہے، اس کی پوری جھلک ہمیں شارعِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ میں نظر آتی ہے۔ اسلامی مملکت کی حدود میں محکمہ احتساب کا یہ فرض تھا کہ وہ منڈیوں میں ماپ تول کے پیمانوں کی پڑتال کرے اور کم تولنے اور کم ناپنے والوں کو قرار واقعی سزا دے۔

۱۱۔ ظن و تخمین اور وہم و گماں کی پیروی نہ کی جائے۔

اسلام نے علوم و فنون کی بنیاد محض ظن و قیاس پر نہیں رکھی بلکہ ٹھوس دلائل، شواہد اور تجربات پر رکھی ہے۔ ہمیں اس کی جھلک جہاں اخلاق اور قانون کے ضابطوں میں نظر آتی ہے وہاں ہمیں اس کا اطلاق انتظامیہ، سیاسیات اور عمرانیات کے اصولوں پر بھی دکھائی دیتا ہے۔ اسی اصول کا اظہار بدرجہ اتم دوسری قوموں کے ساتھ صلح جوئی اور مبازرت طلبی میں بھی کیا گیا ہے۔ اپنے وسیع معنوں میں اس کا مقصد بدگمانی سے بچنا اور حقیقت پسندی کو اختیار کرنا ہے تاکہ ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جا سکے جو قیاسات کی بجائے تیقن، استخراج کی بجائے استقرائیت اور تنگ نظری کی بجائے وسعتِ نظری پر یقین رکھتا ہو۔

۱۲۔ عصبیتِ جاہلیہ اور استکبار سے پرہیز:

اگرچہ عاجزی اختیار کرنے اور استکبار سے بچنے کی بات سب سے اخیر پر کہی گئی ہے لیکن اہمیت کے لحاظ سے یہ اصول کسی طرح بھی کم اہمیت کا حامل نہیں۔ اسلام نے اپنی تعلیمات میں ریاکاری، ڈینگ مارنے، شیخی بگھارنے اور خود ستائی کرنے کو جس قدر مذموم فعل گردانا ہے اس سے کہیں زیادہ

Marfat.com

تکبر و رعونت اور عصبیتِ جاہلہ کے اظہار کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے وہ تمام مفتوحہ قومیں جنھیں مسلمانوں کے سایۂ عاطفت میں زندگی گزارنے کا موقعہ ملا ہے۔ ان کی نئے آقاؤں سے محبت صرف اس لیے تھی کہ وہ حکمران ہوتے ہوئے بھی "ان کے خادم" تھے، عجز و نیاز کے پتلے تھے اور رحمت و رافت کے پیکر تھے۔ ان کی گفتگو میں حلم اور فروتنی، ان کی تحریر میں سادگی اور شیرینی اور ان کے عمل میں خلوص، راستی اور خدائے بزرگ و بالا کی رضاجوئی پائی جاتی تھی۔

اگر ان فرامین کا مقابلہ احکامِ عشرہ (Ten Commandments) سے کیا جائے جو حضرت موسیٰؑ کو کوہِ طور پر دیئے گئے تھے، تو پتہ چلے گا کہ قرآنِ مجید کے یہ فرامین ان احکام کا تکملہ ہیں اور ایک ایسے نظامِ تمدن و اخلاق کی بنیاد ہیں جو زندگی اور حرارت، روشنی اور خوش حالی کا نقیب ہے۔ استثناء کے باب (۵) کا مطالعہ احکامِ شرعیہ کی تفہیم اور ان پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سے کچھ اوپر باب (۴) کے فقرات (۳۹-۴۰) میں آئین احکام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

"پس آج کے دن تو جان لے اور اس بات کو اپنے دل میں جما لے کہ اوپر آسمان میں اور نیچے زمین پر خداوند ہی خدا ہے۔ اور کوئی دوسرا نہیں۔ سو تُو اس کے آئین اور احکام کو جو میں تجھ کو آج بتاتا ہوں ماننا تاکہ تیرا اور تیرے بعد تیری اولاد کا بھلا ہو، اور ہمیشہ اس ملک میں جو خداوند تیرا خدا تجھ کو دیتا ہے، تیری عمر دراز ہو۔" [۳]

ان احکام کی تائید استثناء کے باب (۲۸) سے بھی ہوتی ہے جس میں خداوندِ قدوس نے بنی اسرائیل کی سرفرازی کو اپنی بندگی اور فرمانبرداری سے مشروط کر دیا تھا اور عدمِ تعمیل کی صورت میں انھیں عذابِ الیم سے ڈرایا تھا۔

احکامِ عشرہ درج ذیل ہیں:

۱۔ میرے آگے تُو اور معبودوں کو نہ ماننا

۲۔ تو خداوند اپنے خدا کا نام بے فائدہ نہ لینا (جھوٹی قسم نہ کھانا)

۳۔ تو خداوند اپنے خدا کے حکم کے مطابق سبت کے دن کو یاد کر کے پاک ماننا (سبت کے دن کا احترام کرنا)

Marfat.com

۴۔ اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کرنا۔

۵۔ تو خون نہ کرنا۔

۶۔ تو زنا نہ کرنا۔

۷۔ تو چوری نہ کرنا۔

۸۔ تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔

۹۔ تو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا۔

۱۰۔ اور نہ ہی اس کے گھر یا اس کے کھیت یا غلام یا لونڈی یا بیل یا گدھے یا اس کی کسی اور چیز کا خواہاں ہونا۔ [۳]

ان احکام کا سرسری مطالعہ، تین چیزوں کا ہمارے اذہان پر گہرا نقش چھوڑتا ہے۔

۱۔ خداوند قدوس کا مقتدر اعلیٰ ہونا۔

۲۔ اس کے قانون کو، اتنی سلطنت میں جو یردن کے پار مشرق میں قائم کی جانی تھی، نافذ کرنا۔

۳۔ اس قانون کے مطابق سماجی زندگی کو ڈھالنا۔

اگر سورۃ بنی اسرائیل میں بیان ہونے والے ان احکام کو الگ کر دیا جائے، اور ان پر عمل کرنے سے گریز کیا جائے، جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے، تو یقیناً ہماری روح کو انشراح حاصل ہوگا، نہ قلب و نظر کو عفت کی دولت نصیب ہوگی، اور نہ ہی سماج ترفع اور کمال کی بلندیوں کو چھو سکے گا۔ رسومات کی ادائیگی (ظواہر پرستی) تو ہوتی رہے گی لیکن وہ "تزکیہ نفس" کبھی پیدا نہ ہوگا جو اسلام اپنے پیروؤں میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اور جس سے ارادوں میں گرمی اور عزائم میں بلندی پیدا ہوتی ہے۔ موجودہ حالات کے پیشِ نظر، یوں نظر آتا ہے کہ ہم نے بھی پولوس کی متابعت میں، جس نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ "آدمی شریعت کے اعمال سے نہیں بلکہ یسوع مسیح پر ایمان لانے سے راستباز ٹھہرتا ہے۔۔۔ کیونکہ شریعت کے اعمال سے کوئی بشر راستباز نہیں ٹھہرے گا۔" [۴] اصل نظام زندگی کو بھلا دیا ہے اور محض چند عبادات اور رسومات کی ادائیگی کو اسلام سمجھ لیا ہے۔

اسی سورت میں ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دعائے ہجرت سکھائی گئی ہے۔ یعنی کہیے کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق محبوب داور حشر کو ہجرت کی اجازت دی گئی ہے۔

Marfat.com

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝

(اور آپ کہہ دیجئے (بوقتِ ہجرت) کہ اے پروردگار مجھے دار الہجرت میں خیر و عافیت سے پہنچائیں اور ہجرت کے وقت (مکہ مکرمہ سے) صداقت کے ساتھ نکالیو اور مجھے اقتدار (غلبہ) دیجیو جس میں تیری نصرت ملی ہو)

غلبہ اور اقتدار کی درخواست دعوتِ حق کو عام کرنے، شریعت کو نافذ کرنے اور عدل و مساوات کو معاشرتی اور سیاسی زندگی کی بنیاد بنانے کے لیے کی گئی تھی۔ اس سے مقصد جاہ طلبی ہے نہ مادی تفوق کا حصول؛ مذہبی حکومت کا قیام ہے نہ اشتراکی حکومت کا غلبہ۔ اس کا بنیادی مقصد جہاں ایک طرف مفاسد کو روکنا تھا وہاں دوسری طرف حسنات اور نیکیوں کو عام کرنا تھا کہ لوگ بھرپور زندگی گزارنے کے قابل ہو سکیں۔ اسی سورۃ میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فتح مکہ کی خوش خبری دی گئی اور قریش کو خبردار کر دیا گیا۔ کہ ان کی اقبال مندی کے دن گنے جا چکے ہیں۔ وہ تمام نعمتیں جو انھیں حاصل تھیں، عدم ایفائے عہد کی پاداش میں ان سے چھین لی جائیں گی۔ اور انھیں ذلیل و خوار کر کے چھوڑ دیا جائے گا۔

معراج ان معنوں میں کفار کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر وہ ان نشانیوں پر ایمان لے آئیں جو معراج کی شب آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دی گئی تھیں تو بہتر ورنہ نشانیوں سے انکار کی صورت میں، انھیں نہ بجھنے والی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

Marfat.com

تعلیقات (باب تیرہواں)

۱۔ قرآن مجید، سورہ بنی اسرائیل ۱:۱۷

(سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ
لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۰)

یہ رات ۲۷ رجب ۱۲؁ بعد بعثت کی تھی۔ علامہ زرقانی نے اسی تاریخ کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ جب تک اس مشہور قول کے خلاف کوئی وزنی دلیل نہ ہو، اسی پر عمل کیا جاتے ستائیسویں رجب کی شب کے بعد طلوع ہونے والا دن چہارشنبہ تھا۔

۲۔ سیرۃ النبیؐ۔ علامہ شبلی نعمانی/سید سلیمان ندوی۔ ج ۳۔ ص ۴۰۶

۳۔ زاد المعاد۔ ابن القیم جوزی، ص ۱۹۰-۱۹۱

۴۔ سیرۃ النبیؐ، علامہ شبلی نعمانی/سید سلیمان ندوی ج ۳، ص ۳۹۵

۵۔ سید صاحب سے مراد سید سلیمان ندوی مرحوم ہیں جن کی وفات ۱۹۵۳ء میں ہوئی۔

۶۔ سیرۃ النبیؐ۔ علامہ شبلی نعمانی/سید سلیمان ندوی، ج ۳، ص ۴۰۹-۴۱۷؛ نیز الصحیح البخاری، علامہ بخاری، ج ۱، کتاب الصلوٰۃ

۷۔ سیرۃ النبیؐ۔ علامہ شبلی نعمانی/سید سلیمان ندوی، ج ۳، ص ۴۱۷

۸۔ تفسیر ماجدی، مولانا عبد الماجد دریابادی، ج ۱، ص ۵۹۰

۹۔ سیرۃ النبیؐ۔ علامہ شبلی نعمانی/سید سلیمان ندوی، ج ۳، ص ۴۲۷؛ الشفا، قاضی عیاض، ج ۱، ص ۱۱۵-۱۱۷۔ نیز الصحیح البخاری، کتاب التفسیر بروایت حضرت عکرمہؓ عن ابن عباس،

۱۰۔ ابن اسحٰق کا یہ کہنا کہ اس خبر کو پاکر بہت سے لوگ اسلام سے پھر گئے (فَارْتَدَّ کَثِیْرٌ

Marfat.com

مِمَّنْ كَانَ اَسْلَمَ) نہ صرف غلط ہے بلکہ گمراہ کن بھی ہے۔(ج ۲، ص ۳۹۹) ۔
اس وقت تک مکہ میں جو حضرات حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے تھے ان کے اسمائے گرامی کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں ان میں سے کسی کی پیشانی پر ارتداد کا داغ نظر نہیں آتا۔ یہ اس آیت کریمہ کی بھی غلط توضیح ہے جو قرآنِ مجید میں بنی اسرائیل کی زیر آیت (۶۰) وارد ہوئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

"وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ"

ملاحظہ ہو سیرۃ النبیؐ ۔ ج ۳، ص ۴۱۹

۱۱۔ السیرۃ النبویۃ ، ابنِ ہشام ، ج ۲، ص ۳۹۹ - ۴۰۰

۱۲۔ ایضاً ، ایضاً ، ج ۲، ص ۳۹۹۔

۱۳۔ Poet of the East از اے انور بیگ، ص ۷۷

۱۴۔ توراۃ - پیدائش ۲۸ : ۱۰-۱۳

۱۵۔ قرآنِ مجید - سورہ النجم ۵۳ : ۱۳ - ۱۸

(وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۙ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝)

۱۶۔ الصحیح البخاری ، علامہ بخاریؒ ، ج ۱۔ کتاب الانبیاء عن ابی ہریرۃؓ

۱۷۔ معارف القرآن ، غلام احمد پرویز ، ج ۴، ص ۲۵۷

۱۸۔ ایضاً ، ایضاً ، ج ۴، ص ۳۲۷-۳۹۷

۱۹۔ الصحیح البخاری ، علامہ بخاری ۔ کتاب العلم ۔ بروایت حضرت علیؓ و حضرت انسؓ ؛ الجامع الترمذی، ابواب فضائل القرآۃ ... فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا ... نیز حیاتِ محمد ۔ سر ولیم میور مقدمہ باب اوّل ، ص ۱۱ x

۲۰۔ حیاتِ محمدؐ ۔ سر ولیم میور، مقدمہ باب اوّل ، ص x ۱ - ۱ x ۱ ۔ و سیرۃ النبی ، علامہ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی ، ج ۳، ص ۴۰۴ - ۴۰۵ ؛ رحمۃ للعالمین ۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری ۔

Marfat.com

ج ۳، ص ۱۲۶-۱۲۸؛ نیز عیون الاثر - ابن سید الناس، ج ۱، ص ۱۸۲۔

۲۱۔ سیرۃ النبیؐ - علامہ شبلی نعمانی / سید سلیمان ندوی، ج ۳، ص ۴۴۵-۴۵۲

۲۲۔ قرآن مجید - سورہ الاعراف : ۱۵۷

(فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ)

(جو لوگ اس نبیؐ پر ایمان لائے اور اس کا ساتھ دیا اور اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اتارا گیا ہے، تو یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔)

۲۳۔ قرآن مجید - سورہ بنی اسرائیل : ۷۸

(أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ ۖ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ٥)

آفتاب کے ڈھلنے (دُلوکِ الشمس) کے دو درجے ہیں۔ ایک اس کا عروجِ نصف النہار سے پستی کی طرف مائل ہونا (ظہر کے وقت) اور دوسرے اس کا بالکل ڈھل جانا (عصر کے وقت)۔ اسی مناسبت سے ظہر اور عصر کی نمازیں تجویز ہوئیں۔ اسی طرح (غسق اللیل) کے بھی دو درجے قرار پاتے۔ ایک جب وہ اُفق سے غائب ہو جاتا ہے (مغرب کے وقت) اور دوسرے جب تاریکی اپنا قدم جما لیتی ہے۔ (عشا کے وقت)۔ اس طرح مغرب اور عشاء کی نمازیں فرض ہوئیں۔ قرآن الفجر میں فجر کی نماز کی طرف اشارہ ہے یہ ہیں پانچ نمازیں جنھیں محبوب داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا تھا اور مومنوں کے لیے معراج۔ نیز ملاحظہ ہو الجامع الترمذی عن ابن عباسؓ۔

۲۴۔ توراۃ میں متعدد آیات تعلیم توحید کی موجود ہیں :

"خداوند تیرا خدا جو تجھے ملکِ مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا، مَیں ہوں۔ میرے حضور تیرے لیے دوسرا خدا نہ ہووے ... تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اور نہ ان کی عبادت کر۔ کیونکہ مَیں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں"۔

(خروج ۲۰ : ۲-۵)

Marfat.com

۲۵۔ توراۃ۔ استثناء۔ باب ۷ : ۱ تا ۶

۲۶۔ قرآنِ مجید۔ سورہ بنی اسرائیل ۱۷ : ۹)

(إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ا
الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ط

۲۷ قرآنِ مجید۔ بنی اسرائیل ۱۷ : ۲۲-۳۹

(لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ہ
وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ط
اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ
وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ہ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ
الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ
صَغِيْرًا ہ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ط اِنْ تَكُوْنُوْا
صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ہ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى
حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ہ
اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ط وَكَانَ الشَّيْطٰنُ
لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ہ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ
رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ہ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ
مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا
مَّحْسُوْرًا ہ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ط
اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ہ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ
خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ط اِنَّ قَتْلَهُمْ
كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ہ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ط
وَسَآءَ سَبِيْلًا ہ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط
وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ

Marfat.com

فِي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ
اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ
اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا
بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝
وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَ
الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝ وَلَا تَمْشِ
فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ
طُوْلًا ۝ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝
ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ
مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝

(تو اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا۔ ورنہ ملامت زدہ اور بے یار و مددگار بیٹھا رہ جائے گا۔ تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ :

۱۔ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اسی کی ؛

۲۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمھارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انھیں اُف تک نہ کہو، نہ انھیں جھڑک کر جواب دو۔ بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی و رحم کے ساتھ . . . ان کے سامنے جھک کر رہو۔ اور دُعا کیا کرو کہ پروردگار ان پر رحم فرما جس طرح انھوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔ تمھارا رب خوب جانتا ہے۔ کہ تمھارے دلوں میں کیا ہے۔ اگر تم صالح بن کر رہو تو وہ ایسے سب لوگوں کے لیے درگزر کرنے والا ہے جو اپنے قصور پر متنبہ ہو کر بندگی کے رویے کی طرف پلٹ آئیں۔

۳۔ رشتہ دار کو اس کا حق دو۔ اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق ؛

Marfat.com

۴۔ فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے؛

۵۔ اگر ان سے (حاجت مند رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں سے) تمھیں کترانا ہو اس بنا پر کہ ابھی تم اللہ کی اس رحمت کو، جس کے تم امیدوار ہو، تلاش کر رہے ہو، تو انھیں نرم جواب دے دو۔

۶۔ نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔ تیرا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے وہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور انھیں دیکھ رہا ہے۔

۷۔ اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تمھیں بھی۔ درحقیقت ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے؛

۸۔ زنا کے قریب نہ پھٹکو۔ وہ بہت برا فعل ہے اور بڑا ہی برا راستہ؛

۹۔ قتلِ نفس کا ارتکاب نہ کرو۔ جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو، اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق دیا ہے کہ وہ قتل میں حد سے نہ گزرے، اس کی مدد کی جائے گی۔

۱۰۔ یتیم کے مال کے پاس نہ پھٹکو مگر احسن طریقے سے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے شباب کو پہنچ جائے۔

۱۱۔ عہد کی پابندی کرو۔ بے شک عہد کے بارے میں تم کو جوابدہی کرنی ہوگی۔

۱۲۔ پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو۔ اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو۔ یہ اچھا طریقہ ہے اور بلحاظ انجام بھی یہی بہتر ہے۔

۱۳۔ کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمھیں علم نہ ہو۔ یقیناً آنکھ، کان

Marfat.com

اور دل سب ہی کی باز پرس ہوگی۔

۱۴۔ زمین میں اکڑ کر نہ چلو۔ تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو، نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔

ان امور میں سے ہر ایک کا بُرا پہلو تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو تیرے رب نے تجھ پر وحی کی ہیں۔ اور دیکھ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا بیٹھ۔ ورنہ تو جہنم میں ڈال دیا جائے گا، ملامت زدہ اور ہر بھلائی سے محروم ہو کر۔

۲۸۔ انجیل۔ متی ۴ : ۱۰

۲۹۔ قرآنِ مجید۔ سورہ الذّٰریٰت ۵۱ : ۱۹

(وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝

(اُن کے مالوں میں سائل اور محروم کے لیے حق تھا)

۳۰۔ توراۃ۔ استثناء ۴ : ۳۹۔۴۰

۳۱۔ توراۃ۔ استثناء ۵ : ۷، ۱۱، ۱۲، ۱۶۔ ۲۱

۳۲۔ انجیل۔ گلتیوں کے نام پولس رسول کا خط۔ ب ۲ : ۱۶

Marfat.com

باب چودھواں

ہجرت آئین مسلم

(ایک کٹھن منزل)

کفارِ مکہ برسوں سے ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تبلیغِ دین اور دعوتِ حق کی تحریک کو دبا دینے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے لیکن مبلغِ اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پیغامِ حق لوگوں تک پہنچانے کے لیے جس عزم و استقلال اور صبر و استقامت کا ثبوت دیا اور آپؐ کے جاں نثاروں نے نئی دعوتِ انقلاب کے ابلاغ کے لیے جس شغف اور انہماک سے کام لیا، وہ عمرانیات کی تاریخ میں ایک درخشندہ باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہلڑ بازی اور ہنگامہ آرائی کے علاوہ جس کا مظاہرہ کفارِ مکہ اکثر کرتے، تضحیک و تکذیب کے وہ کون سے آوازے تھے جو مشرکینِ مکہ نے محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نہیں کھینچے: قید و بند کی وہ کونسی صعوبتیں تھیں جن سے صحابہ کبار (رضوان اللہ علیہم اجمعین) دوچار نہیں ہوتے اور دار و رسن کی وہ کونسی آزمائشیں تھیں جن سے صفحاتِ اسلامؐ نہیں گزرے۔

قریش کے اکابر کا یہ خیال تھا کہ ہجرتِ حبشہ کے مصائب اور شعب ابی طالب میں بنی عبدالمطلب اور بنی ہاشم کی طویل محصوری سے پیدا ہونے والے مسائل مسلمانوں کو گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور کر دیں گے اور ان کا وہ تمام نشہ جو اجتماعِ حقیقت اور توحید پرستانہ تصور نے چڑھا رکھا ہے جلد اُتر جائے گا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ اعلائے حق کی مخالفت جس قدر بڑھتی جاتی دعوت و تبلیغ اور تبشیر و تنذیر کی شدت اسی قدر زیادہ ہوتی جاتی۔ بادِ مخالفت کے جھکڑ اور جہالت و تعصب کی گھٹائیں جب ہر طرف سے اس مختصر سی جماعت کو محیط تھیں، قافلہ سالار اور داعیِ انقلاب (صلی اللہ علیہ وسلم) حالات کی عدم مساعدت اور راستے کے گھاؤ کو خاطر میں لائے بغیر، اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ نام اور اس کے پیغام کو، جو مومن کی زندگی کے ہر سانس کا منتہیٰ و مقصود ہے، ہر جگہ پہنچانے کے لیے مستعد اور سرگرمِ عمل نظر آتے۔ آپؐ اس مضبوط چٹان کی مانند تھے جس سے حوادثِ زمانہ کے تھپیڑے

Marfat.com

اور نفرت و مجادلت کے طوفان آکر ٹکراتے اور اپنا سر پھوڑ کر واپس چلے جاتے۔

بیعتِ عقبۂ ثانیہ کے بعد ہوا کا رُخ پلٹ گیا تھا۔ قریش مکہ یہ سوچنے پر مجبور تھے کہ اہلِ یثرب کے ساتھ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے "معاہدے" نے ان کے مستقبل کو مخدوش بنا دیا تھا۔ کیا مسلمانوں کی مختصر سی یہ جماعت یثرب میں پناہ گزین ہونے کے بعد اپنی عبادات کو قائم کرنے اور رسوم و رواجات کو آزادی کے ساتھ ادا کرنے تو نہ لگ جائے گی؟ کیا رسول اللہ کی دینی بصیرت، آپ کا سیاسی تدبر، آپ کی جاذبِ نظر شخصیت اور آپ کا اتھاہ خلوص اوس اور خزرج کے متحارب قبائل میں اتحاد و یگانگت تو پیدا نہ کر دے گا؟ منافقین کی وہاں پر موجودگی اور یہودیوں کی عیاری کے باوجود کیا اہلِ یثرب "اس نبی" کی قیادت اور سیادت کو قبول تو نہ کر لیں گے؟ کیا وہ دن قریب تو نہیں آگیا جب ان کا جتھہ اپنے حریفوں (قریشیوں) سے ان پر کی گئی زیادتیوں کا بدلہ لینے کے لیے ان پر چڑھائی کر دے گا؟ کیا اسلام کا وہ ننھا سا بیج جو کفر و ضلالت کی پتھریلی زمین کو پھاڑ کر چند سال قبل اکھوے کی صورت میں نمودار ہوا تھا اور پھر اپنی نال پر سیدھا کھڑا ہو گیا تھا، وہاں پہنچ کر مدینہ کی گہربار اور شاداب زمین میں ایک گرانڈیل درخت تو نہ بن جائے گا؟ کیا ایسا تو نہ ہو گا کہ ہم تولیتِ کعبہ کے عظیم منصب سے محروم کر دیئے جائیں، ہمارا شہر جو تجارت کا مرکز ہے، جہاں لوگوں کی جبینِ نیاز جھکتی ہے اور جہاں انوار و تجلیات کا نزول ہوتا ہے، کھنڈر بنا دیا جائے؟ اور کیا مہاجرین کا انصار سے نیا "گٹھ جوڑ" شام کی تجارتی شاہراہ کی ناکہ بندی کر کے قریش کی "معاشی شاہ رگ" تو نہ کاٹ دے گا؟

قریش اندیشہ ہائے دور و دراز کا شکار اور ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) تائیدِ ایزدی کے امیدوار۔ سورہ بنی اسرائیل کی ایک ایک آیتِ مبارکہ انجاحِ مقاصد کی دلیل، مستقبل کی کامرانیوں کی نوید اور رفعتِ ذکر اور بلندیٔ شان کی ضامن تھی۔ یہ وہ سورہ ہے جو ہجرت کا دیباچہ اور نئی ریاست کی تشکیل کا پیش خیمہ تھی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت فرما دی[1]۔ حضرت ابوسلمہؓ، ان کی بیوی حضرت اُمِّ سلمہؓ اور ان کے خورد سال بچے حضرت سلمہؓ ان پاکیزہ اور سعید لوگوں میں سے تھے جنھوں نے سب سے پہلے مدینہ کے لیے رختِ سفر باندھا۔[2] ان کے بعد حضرت عامر بن ربیعۃ العنزی اور ان کی بیوی اس سفر پہ روانہ ہوتے۔ پھر حضرت عمارؓ بن یاسرؓ

Marfat.com

حضرت بلالؓ حبشی اور حضرت سعدؓ بن وقاص نکلے۔ اب حضرت عثمانؓ بن عفان اپنی زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ (بنتِ رسولؐ اللہ) کے ساتھ تمام تحریصات سے دامن بچا کر سوئے مدینہ روانہ ہوئے پھر کیا تھا مہاجرت کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ اور لوگ سب کچھ چھوڑ چھاڑ، دارالہجرت کے لیے نکل کھڑے ہوتے یہاں تک کہ بنی مظعون، بنی بکیر اور بنی جحش کے تمام گھر خالی ہو گئے۔

ایک روز حضرت عباسؓ کا عتبہ اور ابوجہل کے ساتھ ادھر سے گزر ہوا تو عتبہ نے آہ سرد بھرتے ہوئے کہا۔ ؎

كُلُّ دَارٍ وَإِنْ طَالَتْ سَلَامَتُهَا يَوْمًا سَتُدْرِكُهَا النَّكْبَاءُ وَالْحُوبُ

(ہر گھر نے، چاہے وہ کتنے ہی عرصہ تک خوشیوں کا گہوارہ بنا رہے، ایک نہ ایک دن غم کدے اور ماتم کدے میں تبدیل ہونا ہے)

ابوجہل نے کہا:

"روتے کیا ہو۔ یہ سب ہمارے بھتیجے کا کیا دھرا ہے۔ اس نے ہماری جماعت میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ ہمارے خاندانی تعلقات کو مخدوش بنا دیا ہے اور ہم میں پھوٹ ڈال دی ہے۔"

ہجرت کی داستان سادہ بھی ہے اور رنگین و خوں چکاں بھی۔ حضرت ابوسلمہؓ پر کیا گزری۔ حضرت ام سلمہؓ کو ہجر و ناشکیبائی کے کن آلام سے گزرنا پڑا اور حضرت صہیبؓ رومی کس طرح اپنی زندگی بھر کی پونجی سے محروم کر دیئے گئے۔ ؎

ہم خستہ تنوں سے محتسبو! کیا مال منال کا پوچھتے ہو
جو عمر سے ہم نے بھر پایا، سب سامنے لائے دیتے ہیں۔
دامن میں ہے مشتِ خاکِ جگر، ساغر میں ہے خونِ حسرتِ مے
لو ہم نے دامن جھاڑ دیا، لو جام اُلٹائے دیتے ہیں!

حضرت ابواحمدؓ بن جحش کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد ان کے خسر (ابوسفیان) نے ہتھیالی۔ اور وہ اس حال میں گھر سے نکلے کہ بدن کے کپڑوں کے سوا کچھ پاس نہ تھا۔ انھوں نے ایک موقع پر کیا خوب کہا تھا ؎

Marfat.com

تَقُوْلُ: فَاِمَّا كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَيَمِّمْ بِنَا الْبُلْدَانَ وَلْتَنْأَ يَثْرِبُ

فَقُلْتُ لَهَا: بَلْ يَثْرِبُ الْيَوْمَ وَجْهُنَا وَمَا يَشَاءِ الرَّحْمٰنُ فَالْعَبْدُ يَرْكَبُ

(شاعر بیوی سے مخاطب ہو کر کہتا ہے: تیرا خیال ہے کہ اگر سفر کرنا ہی ہو تو کیوں نہ یثرب سے دُور کسی خوش حال ملک میں چل بسیں۔ مَیں نے اسے کہا: ہماری توجہ کا مرکز تو یثرب ہی ہے درحقیقت جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، بندہ وہی کرنے پر مجبور ہے۔

نیت کا خلوص اور مقصد کی بلندی ان کے ان اشعار میں جھلکتی نظر آتی ہے۔ ؎

اِلَى اللّٰهِ وَجْهِيْ وَالرَّسُوْلِ وَمَنْ يُقِمْ اِلَى اللّٰهِ يَوْمًا وَجْهَهٗ لَا يُخَيَّبُ

فَكَمْ قَدْ تَرَكْنَا مِنْ حَمِيْمٍ مُنَاصِحٍ وَنَاصِحَةٍ تَبْكِيْ بِدَمْعٍ وَتَنْدُبُ

تَرٰى اَنَّ وِتْرًا نَأْيُنَا عَنْ بِلَادِنَا وَنَحْنُ نَرٰى اَنَّ الرَّغَائِبَ نَطْلُبُ

(ہماری منزل تو اللہ اور اس کا رسول ہے۔ جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرتا ہے محروم نہیں رہتا۔)

(کتنے ہی لنگوٹیے دوستوں اور آنسو بہانے والی اور آہ و بکا کرنے والی ہمدرد عورتوں کو ہم نے چھوڑ دیا۔)

(وہ خیال کرتی ہیں کہ ہماری وطن سے دُوری (ہمیں کاٹ کھائے گی اور) ہم تنہا رہ جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم تو پسندیدہ چیزوں کی تلاش میں باہر نکلے ہیں)

سرورِ کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کا چھوٹا سا مگر خوبصورت گھر حضرت عقیل نے چھوٹی کوڑیوں کے عوض بیچ ڈالا۔ حضرت عیاشؓ اور حضرت عبداللہ بن سہیل بن عمرو کو اَن گنت صعوبتوں اور رنج و محن کی بے شمار آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔

مسلمانوں نے اپنے مولد و مسکن کو، جس میں اللہ تعالیٰ کا ایک سادہ سا گھر (ایک مرجع مخصوص اور ایک مرکزِ شہود) موجود تھا، جس کی دیواریں جدِ انبیاء حضرت ابراہیمؑ نے کھڑی کی تھیں، اور جس کے لیے گارا اور پتھر حضرت اسماعیلؑ (ذبیح اللہ) نے ڈھوتے تھے، اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ اس میں رہتے ہوئے ان مقاصدِ جلیلہ کا حصول مشکل ہوتا جا رہا تھا جو انسانی فطرت کے داعیوں سے ہم آہنگ، اور انسانی حاسۂ اخلاق کے عین مطابق تھے۔ مسلمانوں کا مقصد زندگی کے مسائل سے فرار تھا نہ نئی چراگاہوں

Marfat.com

کی تلاش۔ ان کا مقصد "اعلائے کلمۃ اللہ" تھا جس کے لیے انھوں نے اپنے وطن کو جو مرکزِ تجلیات تھا، امن کی جگہ تھا اور "ملکِ سلیماں سے خوشتر تھا" خیر باد کہا تھا۔ ناموسِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تحفظ اور دعوتِ اسلام کی کامیابی ان کے ایمان کا جزو (Avticle of Faith) بن چکی تھیں۔ اس دنیا کی دولت و ثروت اور جاہ و حشمت، اُخروی زندگی کی کامرانیوں کے مقابلے میں انھیں، ہیچ نظر آتی۔ حضرت ابو احمدؓ نے جب فتح مکّہ کے بعد محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا۔ کہ مجھے وہ تمام جائیداد واپس دلوائی جائے جو حضرت ابوسفیانؓ نے ہجرت کے موقع پر ان سے چھین لی تھی، آپؐ نے فرمایا :

"کیا خیال ہے اگر اس کے بدلے میں خداوند قدوس تمھیں جنّت میں ایک خوبصورت، وسیع اور رفیع گھر عطا کردیں۔"

ابو احمدؓ نے عرض کیا :

"میَں راضی ہوں۔"

پھر انھوں نے اس جائیداد کا کبھی مطالبہ نہ کیا۔

حضرت صہیبؓ رومی ہجرت کے لیے روانہ ہوتے تو قریش نے ان کا پیچھا کیا۔ حضرت صہیبؓ نے ان لوگوں کو اپنے تعاقب میں آتے ہوتے دیکھ کر فرمایا : تم جانتے ہو کہ مَیں تم میں سب سے زیادہ اچھا تیر انداز ہوں۔ خدا کی قسم تم میں سے کوئی مجھ تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک کہ جس کی موت آئی ہے، مر نہ جاتے۔

حریص لوگوں نے کہا : اپنا مال چھوڑ دو اور چلے جاؤ۔ حضرت صہیبؓ نے فرمایا :

"مال تو مکّہ ہی میں چھوڑ آیا ہوں۔ فلاں جگہ جاؤ اور جا کر نکال لو۔"

چنانچہ وہ پلٹ گئے اور ان کی چھوڑی ہوئی پونجی پر قبضہ کرلیا۔ حضرت صہیبؓ رومی رہائی پا کر سرورِ دُنیا و دیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس قبا پہنچے تو آپؐ نے فرمایا :

"رَبِحَ صہیبؓ، رَبِحَ صہیبؓ۔"

(صہیبؓ نے اس سودے میں بڑا نفع کمایا)

اِس سے زیادہ دلخراش واقعہ حضرت ابو سلمہؓ عبداللہ بن اسد (مخزومی) کا ہے جو حضرت

Marfat.com

ام سلمہؓ اور حضرت سلمہؓ کے ساتھ اللہ کی راہ میں ہجرت کرتے ہوئے نکلے۔ مشکل یہ تھی کہ اگر کوئی "خدا کا بن کر رہنا چاہتا تو اسے مکّے والے وہاں رہنے نہ دیتے اور اگر وہ "باخدا" بن کر ہجرت کرنا چاہتا تو قریش سدِّراہ ہوتے۔ چنانچہ جب میاں اور بیوی اپنے ننھے بچے کے ساتھ خدا کی راہ میں نکل کھڑے ہوتے اور اونٹ پر کجاوہ کس دیا، تو حضرت ام سلمہؓ کے رشتہ داروں نے یہ کہہ کر حضرت ام سلمہؓ کو اونٹ سے اُتار لیا کہ "یہ تمھارے ساتھ کہاں دَر دَر کی ٹھوکریں کھاتی پھرے گی؟ تم جہاں جی چاہے جا سکتے ہو اس لیے کہ تم تو ہمارے قابو سے باہر ہو۔ جب حضرت ابوسلمہؓ کے گھر والوں کو لڑکی والوں کی مکّاری کا علم ہُوا تو وہ دوڑتے ہوئے آئے اور بچے (حضرت سلمہؓ) کو جھپٹ لیا۔ اب حال یہ تھا کہ حضرت ام سلمہؓ اپنے میکے رہ گئیں، بچہ اپنے ددھیال میں روک لیا گیا اور حضرت ابوسلمہؓ تنہا مدینے کی طرف عازمِ سفر ہوتے ہے۔

حضرت ام سلمہؓ کا ایک سال تک یہ معمول رہا کہ وہ روز گھر سے نکل کر اَبطح میں جا بیٹھتیں اور روتی رہتیں۔ شام کو جب ہر سُو اندھیرا چھا جاتا اور سفر کے لیے کوئی اُمید باقی نہ رہتی تو وہ گھر واپس آجاتیں۔ ناصبوری و ناشکیبائی کا یہ زمانہ بھی عجیب تھا۔ دن راتوں سے طویل تھے اور راتیں دنوں سے زیادہ پریشان کُن۔ ایک دن بنی مغیرہ کے ایک معزز شخص نے ترس کھا کر حضرت ام سلمہؓ کے گھر والوں سے کہا: حیف ہے تم پر! تم نے اسے اس کے شوہر سے بھی جُدا کر دیا اور اس کے بچے سے بھی۔ کیا یہی عقل مندی ہے؟

آخرکار "مہاجرت الی اللہ" کی گھڑی قریب آپہنچی۔ اور آپ اپنے بچے سمیت مدینے کی طرف روانہ ہو گئیں۔ آپ تنعیم کے قریب پہنچی تھیں کہ عثمان بن طلحہ (بن ابی طلحہ، کلید بردارِ خانہ کعبہؓ) راستے میں ملے۔ انھوں نے پوچھا:

"ابواُمیہ کی بیٹی! کہاں کا ارادہ ہے؟"

آپ نے کہا:

اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا رہی ہوں۔ پوچھا: کیا تنہا سفر کر رہی ہو؟

"لَا وَاللّٰہِ اِلَّا اللّٰہُ وَبُنَیَّ ھٰذَا"

(خدا کی قسم! خدا کے سوا کوئی میرے ساتھ نہیں۔ اور میرا یہ بچہ)

Marfat.com

یہ سُن کر عثمان کا دل بھر آیا۔ اور اونٹ کی مُہار پکڑ کر آگے آگے ہو لیے۔ یہ قافلہ منزل بہ منزل چلتا رہا۔ جب قُبا کے مکانات دُور سے نظر آنے لگے تو عثمان نے کہا :

" وہ رہی تمھاری منزل۔ یارانِ نجد کو میرا سلام کہہ دینا " مجھے اب اجازت ہے کہ واپس لوٹ جاؤں۔ حضرت عثمان بن طلحہ کتنے شریف انسان تھے اور باحیا۔ حضرت ام سلمہؓ (جنھیں حضرت ابو سلمہؓ کی وفات کے بعد اُمّ المومنین بننے کا شرف حاصل ہے) فرماتی ہیں :

" خدا کی قسم ! مَیں نے عثمان بن طلحہ سے زیادہ کسی کو شریف نہیں پایا۔"

قافلہ ہائے شوق چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں رات کو تاروں کی چھاؤں میں نکلتے تاکہ تاک جھانک کرنے والوں کی آنکھ سے بچ سکیں۔ ایک قافلہ وہ بھی تھا جس میں حضرت زینب بنت جحش، حضرت حبیبہؓ بنت جحش، حضرت جذامہؓ بنت جندل، حضرت اُم قیس بنت محصنؓ، حضرت اُم حبیبؓ بنت ثمامہ، حضرت آمنہ بنت رُقیش اور حضرت حمنہؓ بنت جحش ایسی پاکیزہ اور عفت مآب خواتین شامل تھیں۔ یہ نگاہِ مستِ ساقی کا اعجاز تھا کہ عرب کی اَن پڑھ مگر غیور عورتیں بھی دعوتِ دین پر لبیک کہتی ہوئی خدا کی راہ میں نکل کھڑی ہوئیں اور قومی اہمیت کے کاموں میں مردوں کے دوش بدوش حصہ لینے لگیں۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت عیاشؓ بن ربیعہ بیس سواروں کے ساتھ، ہجرت کے لیے نکلے۔ ہشامؓ بن العاص بھی حضرت عمرؓ کی معیت میں سفر کرنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن مزاحمت کر کے، لوگوں نے ان کو ہجرت سے روک دیا۔ عیاشؓ خیر و عافیت سے مدینہ پہنچ گئے۔ چند لوگوں نے جن میں ابوجہل بن ہشام اور حارث بن ہشام پیش پیش تھے، انھیں مکہ واپس لانے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ یہ دونوں مدینے جا پہنچے اور لگے عیاشؓ کو بہکانے۔ انھوں نے کہا : تمھاری ماں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تمھیں ایک مرتبہ دیکھ نہ لے، سر میں کنگھی کرے گی نہ دھوپ سے سائے میں بیٹھے گی۔ احباب نے لاکھ سمجھایا کہ یہ تمھیں پھسلانے کا ایک حسین بہانہ ہے۔ ان کے فریب میں نہ آنا۔ تمھاری ماں کو جب جوئیں ستائیں گی تو آپ ہی کنگھی کرے گی اور جب گرمی اسے تنگ کرے گی تو خود ہی سائے میں چلی جائے گی۔ مگر عیاشؓ ماں کی محبت کے ہاتھوں مجبور تھے۔ انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ایک مرتبہ ماں کی قسم پوری کرنے میں ضرور مکہ

Marfat.com

پہنچ گئے۔

حضرت عیاشؓ اپنے بھائیوں کے ساتھ مکہ روانہ ہو گئے۔ ابھی انھوں نے زیادہ راستہ طے نہیں کیا تھا کہ ابوجہل اور حارث نے کمال چالاکی سے حضرت عیاشؓ کی مشکیں باندھ لیں۔ وہ اس حال میں مکے میں داخل ہوتے کہ حضرت عیاشؓ رسیوں میں جکڑے ہوتے تھے اور دونوں بھائی مسرت کے ساتھ اعلان کر رہے تھے کہ:

"اے اہلِ مکہ! اپنے اپنے نالائق لونڈوں کو اسی طرح سیدھا کرو جس طرح ہم نے اپنے بھائی کو کیا ہے۔" ۹

حضرت عیاشؓ کی اس طرح واپسی اور حضرت ہشامؓ بن عاص بن وائل کی غیر حاضری نے محبوب داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پریشان کیے رکھا۔ آپؐ صبح کی نماز میں ان کی رہائی کے لیے باقاعدہ دُعا فرماتے۔ ایک روز آپؐ نے فرمایا:

"کون ہے جو اُن دونوں کو میرے پاس لانے کے لیے تیار ہے؟"

حضرت ولیدؓ بن ولید بن مغیرہ نے عرض کیا:

"یا رسولؐ اللہ! یہ خدمت میں انجام دینے کے لیے تیار ہوں۔" ۱۰

چنانچہ جرأت و ہمت کا یہ پیکر مکہ پہنچا۔ اور اس ٹوہ میں لگا رہا کہ کسی طرح قیدیوں کا پتہ چلے جب معلوم ہوا کہ وہ ایک بے چھت کے مکان میں بند ہیں، تو وہ رات کے وقت دیوار پھاند کر وہاں پہنچے۔ دونوں کی بیڑیاں کاٹیں اور اپنے اونٹ پہ بٹھا کر انھیں مدینے لے آئے۔

حالات جس تیزی سے بدل رہے تھے، ان کے پیشِ نظر قریشِ مکہ کے لیے "امن و امان" کی صورتِ حال کا جائزہ لینا ضروری ہو گیا۔ ہجرت ان کے لیے وجۂ اطمینان نہ تھی، باعثِ تشویش تھی۔ یہ ایک ایسا کابوس (N: Nightmare) تھا جس نے ان کی راتوں کی نیند حرام کر دی تھی۔ جن لوگوں کو وہ "ضعیف" "رذیل" اور "راندۂ درگاہ" سمجھتے تھے، انھیں دیکھتے ہی اب ان کی آنکھوں کے آگے تارے چھٹنے لگتے۔ انھوں نے دارالندوہ میں رؤسائے قوم کا ایک خفیہ اجلاس طلب کیا تاکہ اس "دانائے سُبل" اور "مولائے کُل" کے بارے میں فیصلہ کیا جا سکے جس نے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا تھا، ان کے خداؤں کو ذلت کی اتھاہ گہرائیوں

Marfat.com

میں پھینک دیا تھا اور ان کے اسلاف کو جہنم کا ایندھن بنایا تھا۔ کیا آپؐ کو قیدی بنا لیا جائے اور کسی کال کوٹھڑی میں ڈال دیا جاتے؟ کیا آپؐ کو ملک بدر کر دیا جاتے یا پھر آپؐ کی تاریکی میں قتل کر دیا جائے تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری"؟

پہلی دونوں تجویزیں مسترد کر دی گئیں۔ وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاق سے مرعوب تھے اور آپؐ کے جاں نثاروں سے بھی جو آپؐ کی حفاظت کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دینے میں دریغ نہیں کرتے تھے اسی اجلاس میں ابلیس ایک بوڑھے نجدی کی صورت میں اوڑھے شریک ہوا[۱۱] ہر شخص نے اپنی اپنی رائے دی لیکن بوڑھے نجدی نے کسی کی تجویز کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہ دیکھا۔ ابوجہل نے اپنی تجویز پیش کرتے ہوتے کہا:

"کہ ہر قبیلہ سے ایک مضبوط اور تیز دست نوجوان منتخب کیا جائے جس کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہو۔ سب مل کر ایک ساتھ حملہ کریں اور محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام تمام کر دیں۔ اس طرح ختمی مرتبتؐ کا خون تمام قبیلوں پر تقسیم ہو جائے گا۔ اور بنو عبد مناف کے لیے ناممکن ہو جائے گا کہ کسی ایک کے خلاف کارروائی کر سکیں"۔

شیخ نجدی نے اس تجویز کو بے حد پسند کیا اور کہا:

"اَلْقَوْلُ مَا قَالَ الرَّجُلُ۔ هٰذَا الرَّأْيُ الَّذِيْ لَا رَأْيَ غَيْرُهُ"[۱۲]

(بات وہی ہے جو ابوجہل نے کہی ہے اس کے سوا کوئی اور رائے پسندیدہ نہیں)

سورۃ انفال میں ارشادِ ربانی ہے:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ط وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝[۱۳]

(اور اے نبیؐ! وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جبکہ کفار آپؐ کے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپؐ کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا جلا وطن کر دیں۔ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ تعالےٰ

Marfat.com

بہتر تدبیر کرنے والا ہے)

اس آیۂ مبارکہ کا مطالعہ کیجئے۔ یہ بھی اسی واقعہ سے تعلق رکھتی ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝	(کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ شاعر ہے۔ ہم اس کی موت کے حادثے کے منتظر ہیں گے۔ (اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ تم بھی انتظار کرو اور بے شبہ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ (تم میرا انجام دیکھتے رہو اور میں تمہارا انجام دیکھتا رہوں)۔)

جب حالات اس نہج تک آپہنچے، تو خداوند بزرگ و برتر نے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت مرحمت فرمادی۔ اور ارشاد ہوا۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝	(اور (اے نبیؐ) دعا کریں کہ اے میرے رب مجھے دار الہجرت میں سچائی کے ساتھ داخل کیجیو۔ اور مجھے مکہ سے سچائی کے ساتھ نکالیو اور کسی طاقت کو میرا مددگار بنا دیجیو۔)

یہ اجازت اس دن ملی جس کے بعد آنے والی رات قریش نے ختمی مرتبتؐ کے قتل کے لیے مقرر کی تھی۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے گھر میں عبادتِ الٰہی میں مشغول رہے تاکہ دشمنوں کو یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ آپؐ ان کے ارادوں سے باخبر ہو چکے ہیں۔ رات کی تاریکی نے جب قدم جمائے تو وہ لوگ بھی آپہنچے جو آپؐ کے قتل پر مقرر کیے گئے تھے۔ یہ تعداد میں بارہ تھے۔ ان وحشی درندوں میں ابوجہل، حکم بن ابی العاص، عقبہ بن ابی معیط، نضر بن الحارث، اُمیہ بن خلف، حارث بن قیس، زمعہ بن الاسود، طعیم بن عدی، ابولہب، اُبی بن خلف، نُبیہ بن حجاج اور منبہ بن حجاج شامل تھے۔ ان لوگوں کے آنے سے پہلے ہی آنحضورؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سُلادیا تھا اور

Marfat.com

انھیں وہ سبز حضرمی چادر اوڑھ لینے کی ہدایت فرما دی تھی جو آپؐ اکثر سوتے وقت استعمال فرماتے تھے[16] عربوں کے ہاں رواج تھا کہ وہ زنان خانہ میں داخل نہیں ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان خونخوار لوگوں نے دیوار پھاند کر اندر داخل ہونے کی جسارت نہیں کی۔ یہ لوگ بیٹھے رہے اور اس انتظار میں رہے کہ صبح سویرے جب آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نماز کے لیے اٹھیں گے، تو وہ آپؐ پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں گے۔

رات طویل تھی اور اُسے گزارنا مشکل ہوتا جارہا تھا۔ ابوجہل نے انھیں باتوں میں لگا رکھا۔ وہ کہہ رہا تھا:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گمان ہے کہ اگر تم ان کا اتباع کرو گے تو دُنیا میں عرب و عجم کے مالک بن جاؤ گے۔ اور مرنے کے بعد تمھیں اللہ تعالیٰ کے جوارِ رحمت میں جگہ ملے گی۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو دُنیا میں بھی ذلیل ہوگے اور عقبیٰ میں بھی خائب و خاسر ہوگے۔ اس کا گمان تھا کہ (نعوذ باللہ) آج کی رات کے بعد جب آپؐ ابدی نیند سُلا دیتے جائیں گے، یہ تمام فلسفہ جسے وہ اپنی زندگی میں پیش کرتے رہے، دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔"[17]

قدرت ان کی اِن تدابیر پر مُسکرا رہی تھی۔ وہ آج کی رات ان کے سر پر خاک ڈالنے پر تُلی ہوئی تھی۔ وہ یہ دکھانا چاہتی تھی کہ "جسے خدا رکھے اسے کون چکھے"

"يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝"[18] (الصف ۶۱: ۸)	(یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا۔ گو کافروں کو (کیسا ہی) گراں گزرے)

نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) رات کے کسی حصہ میں اطمینان سے باہر تشریف لائے اور ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے ان کے درمیان سے نکل گئے۔[19] سورہ یٰسین کی ابتدائی آیات مبارکہ فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ تک آپ کی زبان پر جاری تھیں۔ صبح ہوئی تو ان لوگوں نے حضرت علیؓ کو حضورِ اکرمؐ کے بستر پر سے اُٹھتے ہوئے دیکھا۔ انھوں نے پوچھا: تمھارے

Marfat.com

صاحب کہاں ہیں ؟

حضرت علیؓ نے کہا : مجھے کیا خبر۔ مَیں ان پر کوئی نگران نہیں ہوں۔ اس پر پوری منڈلی نے انھیں بُرا بھلا کہا، مارا پیٹا اور مسجدِ حرام میں لے جا کر کچھ دیر بند کر دیا۔ ممکن ہے کہ کفارِ مکہ نے آپ کو زیادہ اذیت پہنچانے سے اِس لیے بھی پرہیز کی ہو کہ سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انھیں اہلِ مکہ کی امانتیں واپس کرنے کے لیے اپنے پیچھے چھوڑا تھا۔ کروڑوں سلام ہوں اس خیر الانام (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جسے قتل گاہ سے نکلتے وقت بھی خونی دشمنوں کی امانتیں واپس کرنے کی فکر دامن گیر رہی۔

رازدارِ محبت اور پیکرِ مہر و وفا، حضرت ابوبکر الصدیقؓ کی اُمید بر آئی جب محبوب داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) دوپہر کے وقت، اپنا چہرہ مبارک ڈھانکے، ان کے گھر تشریف لائے یہ خاندانِ ابوبکرؓ کے لیے اچنبھے کی بات تھی۔ اِس لیے کہ آپؐ عام طور پر ان کے ہاں صبح یا شام کو تشریف لے جایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا :

"میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ ضرور کوئی بات ہے جس کے لیے آپؐ اِس وقت تشریف لاتے ہیں ؟"

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا : "مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا :

"کیا اس ناچیز کو بھی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوگا ؟" ۱۲

فرمایا : ہاں

حضرت ابوبکرؓ فرطِ مسرت سے رو پڑے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مَیں نے پہلی مرتبہ کسی انسان کو انتہاء خوشی کے موقعہ پر روتے ہوئے دیکھا۔ ۱۳ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا : مَیں نے گزشتہ کچھ عرصے سے دو اونٹنیاں اس غرض سے پال رکھی ہیں کہ وہ ہجرت کے موقعہ پر سواری کے کام آئیں گی۔ ان میں سے کیا آپؐ ایک لینا پسند فرمائیں گے ؟ آپؐ نے فرمایا : ہاں۔ مگر مَیں بدون قیمت کے نہ لوں گا۔ ۱۴ چنانچہ آپؐ نے اس کی قیمت اَدا کر دی۔ حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے ایک شخص کو، جس کا نام عبداللہ بن اُرَیقط (اور ابھی تک اسلام نہیں

Marfat.com

لایا تھا) اُجرت پر رہنمائی کے لیے مقرر کیا اور دونوں اونٹنیاں اس ہدایت کے ساتھ اس کے حوالہ کیں کہ جو جگہ بھی متعین کی جاتی، وقت مقررہ پر انھیں لے کر وہاں پہنچ جاتے گا۔

ابوجہل اور کچھ دوسرے اشرار، وقت ضائع کیے بغیر، حضرت صدیق کے گھر پہنچے دروازے پر کھڑے ہو کر انھوں نے حضرت اسماء رضؓ بنتِ ابوبکر رضؓ سے دریافت کیا کہ تمھارا باپ کہاں ہے؟ جواب بہت مختصر تھا: مجھے خبر نہیں۔ اس پر ابوجہل نے (جو ایک بے ہودہ اور خبیث انسان تھا) اس زور کا تھپڑ حضرت اسماء رضؓ کے رسید کیا کہ ان کے ایک کان کی بالی ٹوٹ کر دُور جا پڑی۔ [۳] اس کے بعد وہ یہاں سے چلے گئے۔

تمام مسلمان جنھیں مقدرت حاصل تھی، دارالہجرت کی طرف جا چکے تھے۔ مکے میں یا تو وہ لوگ رہ گئے تھے جو محصور و مقید تھے، یا پھر وہ جو اس قدر ضعیف تھے کہ سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے قابل نہ تھے۔ یا پھر محبوب داورِ حشر، حضرت ابوبکر الصدیق اور حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) باقی رہ گئے تھے [۴] اور ہجرت کے لیے اجازت کا انتظار کر رہے تھے۔ بحرِ متلاطم میں جب مہیب موجیں ہر چیز کو زیر و زبر کر رہی تھیں اور ہر طرف اس قدر اندھیرا ہی اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا تھا، اس کشتیِ اُمت کا کھویا ایک حوصلہ مند اور نڈر کپتان کی طرح اپنا فرض انجام دے رہا تھا تاکہ سارے عملے اور مسافروں کو سلامتی کی کشتی پر سوار کرنے کے بعد سب سے آخر میں کشتی کو الوداع کہے۔

جب ہجرت کی تیاریاں مکمل ہو گئیں تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رفیقِ سفر کے ساتھ غارِ ثور کی طرف نکلے۔ آپؐ نے ایک اُچٹتی ہوئی نگاہ اس شہر پہ ڈالی جہاں آپؐ نے بچپن کے دن گزارے تھے؛ جہاں آپؐ کی بے داغ جوانی پروان چڑھی تھی؛ جہاں آپؐ نے اپنے کنبے کی معیشت کو سہارا دینے کے لیے مکہ والوں کی بکریاں ایک خفیف اُجرت پر چرائی تھیں؛ جہاں آپؐ اپنے "حُسنِ عمل" کے سبب اپنوں اور بیگانوں کے درمیان "صادق" اور "امین" کے پاکیزہ لقب سے ملقب ہوتے تھے۔

یہی وہ شہر تھا جہاں چالیس سال کی عمر میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو "اِقرأ" کا مژدۂ نواز اور روح پرور پیغام ملا اور قدرتِ کاملہ نے مکہ کے چوہدریوں اور طائف کے وڈیروں کو چھوڑ کر آپؐ کو اپنی نیابت اور خلافت کے لیے پسند فرمایا۔ اسی شہر میں خدا کے نام کی منادی کرنے اور زندگی

Marfat.com

کی مشاطگی کرنے کے صلے میں آپؐ کی تضحیک ہوتی، آپؐ کے راستے کو کانٹوں سے سجایا گیا، آپؐ پر پتھروں کی بارش ہوتی اور آپؐ کے جاں نثاروں پر خواب و خور حرام کیا گیا۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں کو دیوی دیوتاؤں کے حضور جھکا ہوا پاتے، تو مضطرب ہو جاتے؛ انھیں تقلیدِ آبا میں مسرفانہ عادات اور بیہودہ رسم ورواج کا پابند دیکھتے تو کبیدہ خاطر ہوتے؛ انھیں بات بات پر لڑتے اور ہر بات پر جھگڑتے دیکھتے تو آزردہ دل ہوتے۔ اگرچہ کفارِ مکہ کی گمراہی اور محرومی و نامرادی ان کی اپنی بے بصری، شقاوتِ قلبی اور ہدایت و رہنمائی کے فقدان کا نتیجہ تھی لیکن ان کی ہر تکلیف آپؐ پر شاق گزرتی۔ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ آپ کو بار بار یاددہانی کرائی گئی کہ آپؐ ان کی باتوں سے اپنا جی برا نہ کریں (فَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ ۝) اور نہ ہی کفر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والوں کی حالت پر اندوہ و غم کا اظہار کریں (وَلَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۝)

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے اعراض و انکار کی حالت کو دیکھ رہے تھے اور جانتے تھے کہ:

وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِن بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ ۝

(اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل پردوں کے اندر ہیں اس بات سے جس کی طرف آپؐ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور آپؐ کے درمیان ایک حجاب ہے۔ سو آپؐ اپنا کام کیجیے اور ہم اپنا کام کر رہے ہیں)

اسراف و تبذیر کی پاداش میں قانونِ مجازات کے مطابق ان کی آنکھوں کے آگے حجاب، کانوں میں گرانی اور عقل پر تہ در تہ غلاف چڑھا دیے جائیں گے اور پھر وہ کبھی اس جماعت میں داخل نہ ہو سکیں گے (اِلّا ما شاء اللہ) جو خوش بخت، خندہ جبیں اور ہدایت یافتہ چہروں کی مالک ہے۔ اصل میں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہوا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۝۔

Marfat.com

جور و جفا کی جب انتہا ہو چکی تو قادرِ مطلق نے آپؐ کو اپنی عظیم سلطنت کی لازوال نشانیاں دکھانے کے لیے (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو صفحات ۴۵۶ تا ۴۶۲) پہلے بیت المقدس کی اور پھر آسمانوں کی سیر کرائی آپؐ سے رفعتِ ذکر اور جلالتِ شان کا وعدہ فرمایا اور آنے والے دَور میں کامرانیوں اور کامیابیوں کا یقین دلایا۔ یہ مہاجرت اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ زندگی جہدِ مسلسل ہے۔ ایک دن وہ تھے کہ آپؐ قبائل کے سرکردہ لوگوں کے پاس تشریف لے جاتے، انھیں خدا اور رسول کی طرف بلاتے، انھیں خود احتسابی کا فلسفہ ذہن نشین کرانے کی کوشش فرماتے اور اپنی نصرت و اعانت کی ترغیب دلاتے لیکن وہ تھے کہ کسی قیمت پر اپنی حالت کو بدلنے کے لیے تیار نہ تھے۔

مکّہ کی قسمت میں یہ نہ تھا کہ مرکزِ دعوتِ دین بنتا۔ طائف اپنی زمین کی زرخیزی اور لوگوں کی مرفہ حالی کے باوجود دُور ہو گیا۔ یہ سعادت قسّامِ ازل نے مدینے کی قسمت میں لکھ دی تھی کہ وہ "دَارُ الاِسلام" قرار پاتا اور اوس اور خزرج کے قبائل پیغمبرِ آخر و اعظم کی میزبانی کا شرف حاصل کرتے۔ ان کی استعدادِ قبولیتِ حق پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ مدینۃُ النبی اللہ تعالیٰ کی یکتائی اور نبی اکرمؐ کی دعوتِ انقلاب کا مشعل بردار بنا۔ وہ اس نظامِ زندگی کی تبلیغ اور اس سلطنت کی تاسیس کا مرکز قرار پایا جس کے اصول و ضوابط خالقِ کائنات نے خود وضع کیے تھے اور جس کے مبادیات شرح نہ جبر و لیسار کی "نکتہ رسی" کے مرہونِ منت تھے نہ بحیری ایسے نقیہ راہب کی نکتہ شناسی کا نتیجہ۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے مشن کے دوسرے مرحلے پر خدا کی راہ میں قدم اُٹھا رہے تھے تاکہ تشییدِ شریعت (قانون) اور تاسیسِ سلطنت (قوتِ نافذہ) کے عظیم کام کو یکسوئی، محبت اور تعقل سے انجام دے سکیں۔

ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکّے سے نکلتے وقت حزوَرہ کے مقام پر کھڑے ہو کر، اسے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے مکّہ! خدا کی قسم، تو مجھے خدا کی زمین میں سب سے زیادہ محبوب ہے اور خدا کو بھی اپنی زمین میں تو ہی سب سے بڑھ کر محبوب ہے۔ اگر تیرے باسی مجھے نہ نکالتے تو میں کبھی تجھے چھوڑ کر نہ جاتا۔" ۳۳

حاکمؒ نے مستدرک میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ آپؐ نے مکّہ کو

Marfat.com

الوداع کہتے ہوئے فرمایا :

"تو کتنا پاکیزہ شہر ہے اور مجھ کو کتنا محبوب ہے۔ اگر میری قوم مجھے یہاں سے نہ نکالتی تو میں کبھی دوسری جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔"

چنانچہ دونوں، ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت ابوبکرؓ، غارِ ثور کی طرف چل دیئے۔ جسے مرجعِ خلائق بنتا تھا اور "ثَانِیَ اثْنَیْنِ" کی سکینت اور طمانیت کا گہوارہ بننا تھا۔ کسی کو یہ گمان نہ گزرا ہوگا کہ آپؐ اپنے دوست کے ہمراہ شہر سے نکل کر جنوب کی طرف تشریف لے گئے ہیں اور غارِ ثور کے اندر پناہ گزیں ہو گئے ہیں۔ قریشِ مکہ کو تو یہ معلوم تھا کہ آپؐ ہجرت کر کے مدینہ جانا چاہتے ہیں جو مکہ کے شمال میں شام کے راستے پر واقع ہے۔ لامحالہ ان کا ذہن سب سے پہلے شمال کی طرف واقع پہاڑی راستوں اور غاروں ہی کی طرف جا سکتا تھا۔ انھوں نے بھی شمالی پہاڑوں کا جائزہ پہلے لیا ہوگا اور جنوبی حصوں کا بعد میں۔ اس طرح غارِ ثور تک پہنچتے پہنچتے کافی وقت مل گیا جو غنیمت تھا۔

حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے وہ تمام سرمایہ جو اسلام کی خدمت، مظلوم مسلمانوں کی اعانت اور دیگر امورِ صالح کے بعد بچ رہا تھا، اپنے ساتھ لیا۔ ان کے والد ابوقحافہ نے، جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے اور نابینا تھے، بچیوں سے پوچھا: کیا تمھارا والد تمھارے مشکل کے وقت کے لیے کچھ مال چھوڑ گیا ہے؟ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنی جان کے ساتھ اپنا مال بھی سمیٹ کر لے گیا ہوگا۔ حضرت اسماءؓ نے عرض کیا :

"وہ ہمارے لیے خیرِ کثیر چھوڑ گئے ہیں!"

حقیقت یہ تھی کہ حضرت اسماءؓ نے اس طاق میں جہاں صدیقؓ اپنا مال رکھتے تھے، نہایت عقلمندی سے، کچھ پتھر رکھ کر اوپر سے کپڑا ڈال دیا تھا اور اپنے دادا جان کی تسلی بھی کر دی تھی۔ ان پاکیزہ خواتین نے (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو) دونوں مسافروں کے لیے سامانِ سفر تیار کیا اور ایک تھیلے میں ضروری اشیاء 'زادِ راہ' کے طور پر ڈال دیں۔ تھیلے کا منہ بند کرنے کے لیے جب حضرت اسماءؓ کو رسی نہ ملی تو انھوں نے انتہائی عجلت میں اپنا پٹکا پھاڑ کر تھیلے کا منہ بند کر دیا اور "ذَاتُ النِّطَاقَیْن" کے معزز لقب سے مشہور ہوئیں۔

Marfat.com

حضرت عبداللہؓ بن ابوبکرؓ کو یہ کام سپرد کیا گیا کہ وہ دن بھر مکہ میں سن گن رکھیں اور شام کے جھٹپٹے میں غار میں آکر شہر کی تازہ ترین صورتِ حال سے مطلع کرتے رہیں۔ عامرؓ بن فہیرہ (حضرت صدیقؓ کے غلام) دن بھر بکریاں چراتے اور شام کے قریب ختمی مرتبتؐ کی خدمت میں تازہ دودھ لے کر حاضر ہو جاتے۔ یہی ریوڑ حضرت عبداللہؓ کے قدموں کے نشانات کو بھی مٹا دیتا جن کی موجودگی خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔

سرورِ کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رفیقِ سفر کے ساتھ دو یا تین دن غارِ ثور میں چھپے رہے۔ قریش دن رات آپؐ کی تلاش میں مارے مارے پھرتے۔ انھیں یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ آج اگر سرورِ دنیا و دیں ہمارے ہاتھ سے نکل کر مدینہ پہنچ گئے تو کل ان کے ہاتھوں ہمارا بُرا حشر ہوگا۔ رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر ماسویٰ سے رُخ ہٹا کر ذکرِ الٰہی میں مشغول تھے اور حضرت صدیقؓ باہر سے سُنائی دینے والی آوازوں کے لیے ہمہ تن گوش تھے۔ پھر کیا ہوا کہ قریش کی ایک مسلح جماعت آپؐ کی تلاش میں غار کے دہانے پر آ پہنچی۔ انھوں نے ایک گڈریے سے، جو قریب ہی میں اپنا ریوڑ چرا رہا تھا، پوچھا: کیا کچھ لوگ اس غار میں پناہ لینے کے لیے اس طرف آتے ہیں؟

"ممکن ہے ہوں۔ لیکن میں نے اپنی آنکھوں سے کسی کو اس طرف لپکتے نہیں دیکھا۔" چرواہے نے جواب دیا۔ حضرت ابوبکرؓ جو پہلے ہی سے کان کھڑے کیے ہوتے تھے، یہ سُن کر پسینہ پسینہ ہو گئے۔ حضرت صدیقؓ آپؐ کی وجہ سے اس قدر محزون تھے کہ انھوں نے خود کو آپؐ سے قریب کر دیا تاکہ اگر حملہ ہو تو ان پر زد پڑے مگر خدا کے رسولؐ کا بال بیکا نہ ہو۔ اسی دوران میں خود آگاہ اور خدا شناس پیغمبرِ خدا نے فرمایا: "گھبراؤ مت۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔"[۲۱]

الصحیح البخاری اور دیگر کتبِ حدیث میں حضرت انسؓ کی یہ روایت بیان ہوئی ہے[۲۲] کہ حضرت ابوبکرؓ نے قریش کی مسلح منڈلی کو غار کے منہ پر دیکھ کر رسول اللہؐ سے بڑی آہستہ آواز میں عرض کیا:

"یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کسی کی نظر اپنے قدموں پر پڑ گئی تو یقیناً ہم کو دیکھ پاتے گا۔"

آپؐ نے فرمایا:

Marfat.com

"مَا ظَنُّكَ یَا اَبَا بَکْرٍؓ بِاثْنَیْنِ اللّٰہُ ثَالِثُھُمَا۔ (اے ابوبکرؓ: ان دو کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے جن میں تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔)

حضرت ابوبکرؓ پیکرِ صدق و صفا تو تھے ہی، لیکن قرآنِ مجید نے انھیں "ثَانِیَ اثْنَیْنِ" کہہ کر جو مقام و مرتبہ بخشا ہے اور "سکینت" عطا فرما کر ان کی جس اوّلیت اور "جنودٍ مجنّدہ" سے موید کر کے جس افضلیت کا اظہار فرمایا ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ پوری آیتِ مبارکہ اس طرح ہے:

"اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝" (۳۳)

عیسائی سیرت نگاروں کو اس بات سے چڑ ہے کہ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف کسی قسم کے معجزات کو منسوب کیا جائے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ معجزات اور خارقِ عادت افعال حضرت عیسیٰؑ پر ختم ہو گئے۔ وہ کم از کم یہ تو تسلیم کر لیتے کہ قرآنِ مجید آپؐ کی رسالت کی تائید میں ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ اور آپؐ کی "حیاتِ جاوید" پر ایک بہت قوی دلیل ہے۔ لیکن ورنگھم جیسے مستشرق نے غار کے منہ سے قریش کی واپسی کو "مکڑی کے جالے، جنگلی کبوتروں کے آشیانے اور غار کے دہانے پر ایک شاخدار پودے کے وجود" کا نتیجہ بتا کر اہلِ ایمان کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"فقط یہی تین معجزے ہیں جو اسلامی تاریخ میں قطعیت کے ساتھ مذکور ہیں یعنی مکڑی کا جالا تن دینا، کبوتروں کا نشیمن اور شاخہائے درخت کا پھیلاؤ۔ لیکن یہ چیزیں تو عادی طور پر ہر روز وجود میں آتی رہتی ہیں۔" (۳۴)

؎ خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گر چہ آید در حدیثِ دیگراں

تیسرے روز جب نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے محسوس کیا کہ قریش کی ہمت جواب دے گئی

Marfat.com

ہے اور انھوں نے ایک گرانقدر انعام کا اعلان کر دیا ہے کہ جو بھی آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زندہ پکڑ کر لائے گا اُسے سو اونٹ دیتے جائیں گے اور اسے "مقربین" میں شمار کیا جائے گا، تو آپؐ نے اپنا سفر شروع کر دیا۔ عبداللہ بن اُرَیقط حسبِ ہدایت دونوں اونٹنیاں جو اس کی تحویل میں تھیں، لے کر تیسری رات کے آخری حصہ میں غارِ ثور پر پہنچ گیا۔ ایک اونٹنی پر ختمی مرتبتؐ سوار ہوتے اور دوسری پر حضرت ابوبکرؓ تھے۔ حضرت عامر بن فُہیرہؓ حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے بیٹھے۔ یہ پیر کا دن تھا[۳۵] جب یہ مختصر سا قافلہ جھلملاتے تاروں کی روشنی میں عام راستے سے ہٹ کر مدینے کے لیے روانہ ہوا۔ عبداللہ بن اُرَیقط راستہ بتانے کے لیے آگے آگے پیدل چل رہا تھا۔ ابنِ سعد نے طبقات الکبریٰ میں اِس بات کی وضاحت کی ہے کہ یہ مبارک قافلہ جمعہ، ہفتہ اور اتوار کی راتیں غار میں گزارنے کے بعد سوموار کو مدینۃ النبیؐ کی طرف روانہ ہوا۔[۳۶] انگریزی تاریخ ۱۶ ستمبر ۶۲۲ء تھی۔

اِس مختصر سے عہد ساز قافلے نے عام راستے سے ہٹ کر دوسرا راستہ اختیار کیا تاکہ دشمنوں کی نظر سے بچا جا سکے۔ راستے میں کئی ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی جو حضرت ابوبکرؓ کو پہچانتے تھے انھوں نے پوچھا:

"یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟"

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا:

"یہ وہ صاحب ہیں جو میری رہنمائی فرماتے ہیں۔"

منزل طویل تھی اور راستہ کٹھن تھا۔ سورج کی گرمی اس پر مستزاد تھی۔ قافلہ ان مشکلات کے باوجود آگے بڑھتا رہا۔ دوسرے روز جب سورج کی تمازت عناں گیر ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے نظر دوڑائی کہ کہیں سایہ کی جگہ ہے یا نہیں۔ دیکھا کہ ایک چٹان کے نیچے ابھی سایہ موجود ہے۔ انھوں نے اس جگہ کو اچھی طرح سے صاف کیا اور اپنی چادر بچھاتے ہوئے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا کہ آپ آرام فرمالیں۔

ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نیند سے بیدار ہوتے تو حضرت صدیقؓ نے دودھ کا ایک گلاس جو انھوں نے ایک چرواہے سے حاصل کیا تھا آنحضورؐ کی خدمت میں پیش کیا۔[۳۶] دودھ نوش فرمالینے کے بعد یہ قافلہ پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی تھوڑی دُور ہی گئے تھے کہ "انعام کے بھوکے،

Marfat.com

سُراقہ بن جعشم سے ملاقات ہوئی ؎ وہ تیر وسناں سے لیس تھا اور اپنی تیز رفتار، جری اور نڈر "عوذ" نامی گھوڑی پر سوار تھا۔ وہ قریب پہنچا ہی تھا کہ اچانک اپنی گھوڑی سے گر پڑا۔ اس نے فال کے تیر اپنے ترکش سے نکال کر "اپنے مستقبل" کو دیکھنا چاہا تو فال اس کی خواہش کے خلاف نکلی۔ اس امر کی پرواہ کیے بغیر وہ پھر تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔ اس نے دیکھا کہ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) پُرسکون تھے اور آپ کی قرأت صاف سُنائی دے رہی تھی۔ اِس مرتبہ اُس کی گھوڑی کے پاؤں زمین میں گھٹنوں تک دھنس گئے۔ سُراقہ نے پھر فال دیکھی۔ اِس مرتبہ بھی قسمت اس کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار نہ تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ حفاظتِ الٰہی پر غالب آنا محال ہے۔ اس نے رحمۃ للعٰلمین سے پکار کر امان مانگی۔ آپ رُک گئے۔ سُراقہ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ وہ کس مشن پر روانہ ہوا تھا۔ اس نے اس انعام کا بھی ذکر کیا جس کے لالچ میں وہ یہ مذموم قدم اُٹھانے پر مجبور ہو گیا تھا۔ سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُسے امان لکھ دی۔ ؎ سُراقہ نے عرض کیا کہ میں ہر حملہ آور کو پیچھے ہی روکتا رہوں گا۔ آپ مطمئن رہیئے گا۔ ؎

سُراقہ نے امن کی اِس تحریر کو اپنے پاس محفوظ کر لیا اور کئی سال بعد جب ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) حُنین اور طائف کے معرکوں سے کامیاب واپس لوٹے تو سُراقہ "جعرانہ" کے مقام پر آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور وہ تحریر پیش کی جو عامرؓ بن فہیرہ نے آپ کے حُکم سے لکھ کر دی تھی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"آج ایفائے عہد اور ادائے حق کا دن ہے۔" ؎

سُراقہ آپ کے قدموں پر گر پڑا اور اسلام لے آیا۔ محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"وہ کیا وقت ہو گا جب کسریٰ کے کنگن تجھے پہنائے جائیں گے۔

کسریٰ کے کنگن ایک بدو سردار کے ہاتھوں میں؟ جی ہاں۔ بالکل ایسا ہی ہوا۔ حضرت عمرؓ کے دورِ ہمایوں میں جب اسلامی افواج نے ایران کی سپاہ کو شکستِ فاش دی، مدائن کو تہ و بالا کر دیا اور آتشکدہ فارس کو، جہاں پر صدیوں سے آگ کی پرستش کی جا رہی تھی، ٹھنڈا کر دیا، تو کسریٰ بن ہُرمز کے محلات کے "تبرکات" — تاج زرنگار، مرصع زیورات، طلائی برتن اور دیگر نوادرات مدینہ پہنچے تو انھوں

Marfat.com

نے سراقہ کو مسجد میں بلایا اور طلائی کنگن سراقہ کو پہناتے ہوئے، اس پیشین گوئی کو سچ ثابت کر دیا جو مخبرِ صادق (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس بارہ میں کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے سراقہ سے کہا:

"ہاتھ اُٹھاؤ، اور اس ربِ ذوالجلال کا شکریہ ادا کرو جس نے یہ "علامات شاہی کسریٰ سے چھین کر بنی مدلج کے ایک بدّو کو پہنا دیں۔"

برکت و سعادت کا یہ قافلہ قُدید کی سرزمین کو طے کرتا ہوا آگے بڑھا۔ راستے میں اُمِ معبد کا ڈیرا تھا۔ یہ عورت بنی خزاعہ سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ پختہ عمر کی گہری نظر رکھنے والی عورت تھی۔ اور لوگوں کی میزبانی کیا کرتی تھی جو اس کے پاس سستانے کے لیے ٹھہرتے تھے۔ سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) جب وہاں پہنچے تو پوچھا:

"کیا تمہارے پاس دودھ، گوشت یا کھجوروں میں سے کوئی چیز ہے؟ اگر ہو تو ہمیں دے دو ہم اس کی قیمت ادا کر دیں گے۔"

اس نے کہا:

"قحط کا زمانہ ہے اور یہ تمام علاقہ اس سے بری طرح متاثر ہے۔ اگر میرے پاس کچھ ہوتا تو میں آپ لوگوں کی ضیافت کرنے میں کوتاہی نہ کرتی۔"

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خیمے کے ایک گوشے میں ایک بکری دیکھی تو فرمایا: یہ بکری کیسی ہے؟

اُمِ معبد نے عرض کیا: انتہائی کمزور ہے۔ ریوڑ سے پیچھے رہ گئی ہے۔

آپؐ نے فرمایا: کیا ہم اسے دوہ لیں؟

"اگر اس کے تھنوں میں کہیں دودھ نظر آتا ہے تو دوہ لیجئے۔" اُمِ معبد نے عرض کیا۔

بسم اللہ کہہ کر نبیِ صادق نے بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا۔ اور دودھ دوہنا شروع کیا پھر کیا تھا کہ بکری نے اس فراوانی سے دودھ دیا کہ گھر کے تمام برتن بھر گئے۔ آپؐ کے ساتھیوں نے دودھ سیر ہو کر پیا۔ اُمِ معبد جو اس واقعہ کو حیرت و استعجاب سے دیکھ رہی تھی آگے بڑھی اور آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دستِ مبارک سے پیالہ لے کر غٹ غٹ پی گئی۔ آخر میں آپؐ کی باری آئی آپ نے فرمایا:

Marfat.com

"سَاقِی الْقَوْمِ اٰخِرُھُمْ۔"

آپؐ نے ایک بڑا برتن دودھ کا بھر کر اہلِ خانہ کے لیے چھوڑ دیا۔ کچھ دیر کے بعد جب اُمِّ معبد کا شوہر آیا تو وہ دودھ سے بھرا برتن دیکھ کر سخت متعجب ہوا۔ اُس نے پوچھا: یہ کہاں سے آیا؟ اُمِّ معبد نے بتایا کہ یہ دودھ ایک بابرکت انسان کے قدم کا نتیجہ ہے۔ اس نے کہا: یہ وہی صاحبِ قریش معلوم ہوتا ہے جس کی مجھے تلاش ہے۔ ذرا اس کا سراپا تو بیان کرو:

"پاکیزہ رُو، کشادہ جبیں اور پسندیدہ خُو ہیں
نہ توند نکلی ہے۔ نہ چندیہ کے بال گرے ہیں
زیبا، صاحبِ جمال، بال لمبے اور گھنے
آواز میں بھاری پن، بلند گردن، روشن مردمک،
سرگیں آنکھیں، باریک و پیوستہ ابرو، سیاہ
گھنگریالے بال۔ خاموش وقار کے ساتھ
گویا دل بستگی لیے ہوتے۔ دُور سے دیکھنے میں زیبندہ
دلفریب۔ قریب سے نہایت شیریں و کمال حسین
شیریں کلام۔ الفاظ واضح۔ گفتگو حشو و زوائد سے پاک
جیسے موتیوں کی لڑی۔
میانہ قد۔ نہ کوتاہ کہ حقیر نظر آتے۔ نہ اتنا طویل کہ بھلا
دکھائی دے۔
زیبندہ نہال کی شاخِ تازہ۔
رفیق ایسے کہ ہر وقت اس کے گرد و پیش رہتے ہیں۔
جب وہ کہتے ہیں تو چپ چاپ سنتے ہیں۔
جب وہ حکم دیتے ہیں تو تعمیل کرتے ہیں۔
مخدوم و مطاع۔ نہ کوتاہ سخن نہ باتونی۔
نہ ترش رُو نہ درشت کلام۔ ؎۴۲

Marfat.com

ابو نُعیم کی روایت کے مطابق یہ دونوں میاں بیوی ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر مسلمان ہوتے۔

مدینہ کے مسلمان ہر روز صبح کے وقت نکل کر اس راستے پر بیٹھ جاتے جو مکہ سے آتا تھا اور اس وقت تک آنکھیں فرشِ راہ کیے رہتے جب تک دھوپ انھیں ستانا شروع نہ کر دیتی آپ کی آمد میں جوں جوں تاخیر ہو رہی تھی، مہاجرین کی پریشانی توں توں بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ بھی ہر روز "حَرَّۃُ العَصَبہ" پر جا بیٹھتے اور سورج کی تمازت تک انتظار کرتے۔ بزّار نے حضرت عمرؓ کے حوالے سے جو روایت بیان کی ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مکہ سے نکلنے کی اطلاع ملتے ہی، مہاجرین و انصار نے آپؐ کا شدت سے انتظار کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہ گرمی کا موسم تھا اور دوپہر کو سورج کی تمازت ناقابلِ برداشت ہوتی۔

اِس سفر کے دوران میں، اِس مختصر قافلے کی ملاقات بریدہ اسلمی سے ہوئی جو ستر سواروں کے ساتھ سُراقہ کی طرح انعام کے لالچ میں اِدھر آنکلا تھا۔ بریدہ جب قریب آیا تو رسولؐ اکرم نے پوچھا:

"تم کون ہو؟"

عرض کیا: "مجھے بریدہ کہتے ہیں"

نبی اکرمؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"ہمارا کام ٹھنڈا اور درست ہوا۔"

(بَرَدَ اَمْرُنَا وَصَلَحَ)

آپؐ نے پھر پوچھا: تم کس قبیلے سے ہو؟

بریدہ نے جواب دیا: "مَیں قبیلۂ اسلم سے ہوں"

آپؐ نے فرمایا: "ہم محفوظ رہے (سَلِمْنَا)

پھر فرمایا: "قبیلہ اسلم کی کس شاخ سے تعلق رکھتے ہو؟"

عرض کیا: "بنی سہم سے"

آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف ملتفت ہوتے ہوئے فرمایا: "تمھارا حصہ نکل آیا" یعنی تجھے

Marfat.com

اسلام سے بھرپور حصہ ملے گا۔

بریدہ نے پوچھا : "آپؐ کی تعریف ؟"

نبی اکرمؐ نے، جنھیں عبدیت کا اتمام حاصل تھا، فرمایا :

"مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں۔ مَیں عبداللہ کا بیٹا ہوں اور تمھاری طرف خدا کا رسول بن کر آیا ہوں۔"

بریدہ نے عرض کیا :

"مجھے اسلام پسند ہے۔ مَیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لاتا ہوں اور آپؐ کی رسالت کا اقرار کرتا ہوں۔"

...رضؓ کے اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے تمام ساتھی بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے۔

بریدہؓ نے عرض کیا :

"اگر بارِ خاطرِ شاہ" نہ ہو تو عرض کروں۔ آپؐ نے فرمایا : کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔

...نے کہا :

"مدینہ میں داخل ہوتے وقت آپؐ کے سامنے ایک جھنڈا ہونا چاہیئے۔"

...فوراً (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فوراً اپنا عمامہ اتارا اور بریدہؓ کو عطا کیا۔ جب آپؐ مدینہ منورہ ...پہنچے تو بریدہؓ جھنڈا لیے ہوئے آپؐ کے سامنے موجود تھے۔

ابنِ سعد کے نزدیک "الجثاثہ" آخری منزل تھی جہاں پہنچ کر رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) ...اور ان کے ساتھی رُک گئے۔ یہاں سے ایک نئے رہبر کی خدمات حاصل کی گئیں جو انھیں مدینہ منورہ ...کی طرف "ظبی" کے راستے "العصبہ" لایا۔ یہ ربیع الاوّل کا بارھواں دن تھا۔ ابنِ کثیر کی ایک ...روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سوموار کے دن ہجرت ...کا آغاز کیا تھا اور آپؐ سوموار ہی کے دن مدینہ پہنچے تھے۔ تین راتیں غارِ ثور میں گزارنے ...کے بعد ختمی مرتبتؐ نے یہ طویل سفر دس دن میں طے کیا۔

ابنِ اسحٰق کا خیال ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) جب "قبا" میں پہنچے تو ربیع الاوّل کی ...دو راتیں گزر چکی تھیں۔ اور یہ سوموار کا دن تھا۔ ...گرمی اس وقت اپنے جوبن پر تھی۔ دوپہر

Marfat.com

کا وقت تھا اور سورج ڈھلنے پر مائل تھا۔" متاخرین میں علامہ نووی بھی اسی تاریخ کے
ہیں۔ اگرچہ علامہ ابنِ حزم اور علامہ البیہقی مختلف الخیال ہیں

تعلیقات (باب چودھواں)

۱۔ السیرۃ النبویہ۔ ابن ہشام۔ ج ۲، ص ۴۶۸؛ طبقات الکبریٰ۔ ابن سعد، ج
ص ۲۲۵-۲۲۶۔

(اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ جَعَلَ لَکُمْ اِخْوَانًا وَدَارًا تَأْمَنُوْ
بِهَا فَخَرَجُوْا اَرْسَالًا۔

۲۔ السیرۃ النبویہ۔ ابن ہشام۔ ج ۲، ص ۴۶۸-۴۶۹؛ الطبقات الکبریٰ۔ ابن
ص ۲۲۶۔

۳۔ السیرۃ النبویہ۔ ابن ہشام۔ ج ۲، ص ۴۷۱-۴۷۲

۴۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ج ۲، ص ۴۷۳

۵۔ الصحیح البخاری۔ علامہ بخاریؒ۔ کتاب ؛ قرآن مجید : سورہ الحج ۲ : ۵۸
(مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَاءِ فَهُوَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ

۶۔ السیرۃ النبویہ۔ ابن ہشام۔ ج ۲، ص ۴۷۷

۷۔ زاد المعاد ۔ حافظ ابن قیم الجوزی، ص ۲۰۱

۸۔ السیرۃ النبویہ۔ ابن ہشام۔ ج ۲، ص ۴۶۹

۹۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ج ۲، ص ۴۷۵

۱۰۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ج ۲، ص ۴۷۶

۱۱۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ج ۲، ص ۴۸۲؛ زاد المعاد۔ حافظ ابن قیم الجوزی۔ ص

Marfat.com

سیرۃ النبویہؐ ۔ ابن ہشام ۔ ج ۲ ، ص ۴۸۲ ؛ زاد المعاد ۔ حافظ ابن قیم الجوزی، ص ۲۰۲

قرآن مجید ۔ سورۃ انفال ۸ : ۳۰

ایضاً ۔ سورہ الطور ۵۲ : ۳۰ ۔ ۳۱ ؛ السیرۃ النبویہ ۔ ابن ہشام ۔ ج ۲، ص ۴۸۴

ایضاً ۔ سورہ بنی اسرآئیل ۱۷ : ۸۰

طبقات الکبریٰ ۔ ابن سعد، ج ۱ ، ص ۲۲۷

السیرۃ النبویہؐ ۔ ابن ہشام ، ج ۲ ، ص ۴۸۳

قرآن مجید ۔ سورۃ الصّف ۶۱ : ۸

سیرۃ النبویہؐ ۔ ابن ہشام ، ج ۲، ص ۴۸۳ ؛ عیون الاثر ۔ ابن سیدالناس ۔ ج ۱، ص ۱۷۹

ز۔ زاد المعاد ۔ حافظ ابن قیم الجوزی ، ص ۲۰۲ ؛ تاریخ ابنِ خلدون ۔ علامہ ابن خلدون ،

۴، ص ۳۷

السیرۃ النبویہؐ ۔ ابن ہشام ۔ ج ۲، ص ۴۸۵

(الصحیح البخاری (کتاب الہجرت) میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت درج ہوتی ہے۔
کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے مدینے کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو آنحضورؐ نے فرمایا،
جلدی نہ کرو۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمھارے لیے کوئی ساتھی پیدا کردے۔)

السیرۃ النبویہؐ ۔ ابن ہشام ۔ ج ۲، ص ۴۸۷

ایضاً ۔ ایضاً ۔ ج ۲، ص ۴۸۷

الطبقات الکبریٰ ۔ ابن سعد ۔ ج ۱، ص ۲۲۶

تاریخ ابن خلدون ۔ علامہ ابن خلدون ، ج ۴، ص ۳۶

قرآن مجید ۔ سورہ التوبہ ۹ : ۱۲۸

قرآن مجید ۔ سورۃ یٰسٓ ۳۶ : ۷۶

قرآن مجید ۔ سورہ اٰل عمران ۳ : ۱۷۶

ایضاً ۔ سورہ حٰمٓ السجدہ ۴۱ : ۵

ایضاً ۔ سورہ المائدہ ۵ : ۴۱

Marfat.com

۳۰۔ مستدرک۔ حاکمؒ۔ عن حضرت عبداللہ بن عباسؓ

۳۱۔ قرآنِ مجید۔ سورہ التوبہ ۹ : ۴۰

۳۲۔ سیرۃ النبیؐ۔ علامہ شبلی نعمانی/ سید سلیمان ندوی۔ ج ۱، ص ۲۷۲؛ الصحیح البخاری

کتاب الہجرۃ۔

۳۳۔ قرآنِ مجید۔ سورہ التوبہ ۹ : ۴۰

۳۴۔ حیاتِ محمدؐ۔ محمد حسین ہیکل۔ ص ۲۲۵

۳۵-۳۶۔ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج ۱، ص ۲۳۲

۳۷۔ الصحیح البخاری۔ علامہ بخاریؒ۔ کتاب مناقب المہاجرین؛ سیرۃ النبیؐ۔ علامہ شبلی

سید سلیمان ندوی۔ ج ۱، ص ۲۷۳

۳۸-۴۰۔ الصحیح البخاری۔ علامہ بخاریؒ۔ باب ہجرۃ النبیؐ۔

(سُراقہ بنی مُدلج کا رئیس تھا اور قدید کے قریب ایک دسیع علاقے کا

جہاں تک امان لکھ کر دینے کا تعلق ہے، یہ چمڑے کے ایک ٹکڑے پر

فہیرہ نے لکھ کر دی تھی۔ اس سفر میں قلم دوات کا ساتھ ہونا، علم سے دا

ثبوت نہیں تو اور کیا ہے؟)

۴۱۔ السیرۃ النبویہؐ۔ ابن ہشام۔ ج ۲، ص ۹۰

۴۲۔ الطبقات الکبریٰ۔ ابنِ سعد۔ ج ۱، ص ۲۳۰-۲۳۱؛ رحمۃ للعلمین۔ قاضی محمد سلیما

منصور پوری۔ ج ۱، ص ۸۸-۸۹

۴۳۔ السیرۃ النبویہؐ۔ ابن ہشام۔ ج ۲۔ ص ۹۲؛ الطبقات الکبریٰ۔ ابن سعد، ج ا

۴۴۔ ہجرت (بعض اہم تاریخوں کے بارے میں وضاحت)

تاریخ کے طالب علم کے لیے یہ بات پریشان کُن ہے کہ ہجرت کی تاریخی اہ

اہمیت کے باوجود جو اُسے حاصل ہے (کہ وہ حق و باطل کی فارق اور تائید و نصرت

اور غلبۂ اسلام کا دیباچہ ہے) مورخین یا اصحابِ سِیَر نے اس کے واقعات سے م

دن یا تاریخ کو صحیح طور پر قلم بند نہیں کیا۔ ایک ہی واقعہ کے لیے مختلف وقتوں، ت

Marfat.com

دنوں، مہینوں یا موسموں کا تعین پڑھنے والے کی طبیعت پر بار گزرتا ہے اور وہ نہ صرف عالمی واقعات کی تطبیق میں دشواری محسوس کرتا ہے بلکہ وہ وقائع نگاروں کی ثقاہت اور مورخانہ حیثیت پر بھی شک کرنے لگتا ہے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ ہجرت یا اسلامی جنگوں کے واقعات کے لیے وقت، تاریخ، موسم یا سال کا صحیح تعین کیا جاتا اور اگر کہیں اختلاف تھا بھی تو مختلف تاریخوں میں ہم آہنگی پیدا کی جاتی تاکہ عالمی واقعات کو سمجھنے اور ان کی توجیہہ کرنے میں مدد مل سکتی۔

ہجرت سے متعلق چند اہم واقعات کی تاریخوں پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اختلافات کس قدر وسیع ہیں اور ان سے پڑھنے والے کا متاثر ہونا ایک قدرتی امر ہے مثال کے طور پر:

۱۔ کیا ہجرت کا اذن پانے پر آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) رازدارِ محبت حضرت ابوبکرؓ کے گھر دن کی روشنی میں تشریف لے گئے تھے (جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت کو امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے) یا رات کے وقت (جیسا کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، محمد بن کعب القریظی اور وہب بن منبہ سے مروی ہے)؟

۲۔ کیا آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ سے مدینہ کے لیے سوموار کو روانہ ہوئے (جیسا کہ حضرت امام احمد بن حنبل نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے) یا آپؐ نے مکہ سے جمعرات کو ہجرت فرمائی (جیسا کہ ابن الجوزی، محمد بن موسیٰ الخوارزمی ابن حجر العسقلانی نے نقل کیا ہے)؟

۳۔ کیا محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رفیق سفر کے ساتھ غارِ ثور میں تین راتوں کے لیے مقیم رہے (جیسا کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ سے مروی ہے) یا آپ نے وہاں دو ہی راتیں گزاریں (جیسا کہ حضرت عروہ بن الزبیرؓ سے ابن حجر العسقلانی نے روایت کی ہے) یا صرف ایک رات (جیسا کہ موسیٰ بن عقبہ کی روایت الوفا میں نقل ہوئی ہے)؟

۴۔ کیا آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ سے ۲۶ صفر المظفر کو روانہ ہوئے (جیسا کہ ابوبکر بن محمد بن الحزم، مدینہ منورہ کے مشہور قاضی، نے بیان کیا ہے یا

Marfat.com

آپؐ یکم ربیع الاوّل کو اس سفر پر روانہ ہوتے (جیسا کہ ابن اسحٰق، ابن الجوزی اور ہشام بن محمد بن السائب الکلبی نے بیان کیا ہے) یا آپؐ ۴ ربیع الاوّل کو روانہ ہوتے (جیسا کہ المقریزی کا خیال ہے) یا آپؐ ۵ ربیع الاوّل کو روانہ ہوتے (جیسا کہ ابن سعد نے عبدالملک بن وہب النخعی کا قول نقل کیا ہے) یا پھر ۸ ربیع الاوّل کو (جیسا کہ الدیار بکری سے منقول ہے)؟

۵۔ کیا آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) قبا میں یکم ربیع الاوّل کو تشریف لاتے (جیسا کہ موسیٰ بن عقبہ کا خیال ہے) یا آپؐ ۲ ربیع الاوّل کو وہاں پہنچے (جیسا کہ ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے) یا آپؐ ۷ ربیع الاوّل کو واردِ شہر ہوتے (جیسا کہ ابن حجر، السمہودی اور القسطلانی نے خیال ظاہر کیا ہے) یا آپؐ ۸ ربیع الاوّل کو داخل ہوتے (جیسا کہ محمد بن موسیٰ الخوارزمی سے نقل ہوا ہے)؟ یہ آخری تاریخ بعض مورخین کے خیال میں تواتر کا درجہ رکھتی ہے۔ ابوریحان البیرونی نے اسی تاریخ کو صحیح قرار دیا ہے۔

الطبری ۱۱۔ ربیع الاوّل بیان کرتا ہے جبکہ الزہری، ابن اسحٰق، الواقدی اور الطبری ۱۲ ربیع الاوّل کو آپؐ کے قبا میں ورودِ مسعود کی تاریخ بتلاتے ہیں۔

۶۔ کیا ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ میں سوموار کو قدم رنجہ فرمایا۔ (جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ، ابن اسحٰق، ابن سعد اور الطبری نے بیان کیا ہے یا آپؐ ۱۲ ربیع الاوّل جمعرات کو تشریف فرما ہوتے (جیسا کہ الیعقوبی کا خیال ہے) یا آپؐ جمعہ کے روز وہاں پہنچے (جیسا کہ ابن الکلبی سے مروی ہے)؟

۷۔ کیا نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینۃ المنورہ دوپہر کے وقت پہنچے (جیسا کہ حضرت عروہ بن زبیرؓ، ابن اسحٰق اور ابن سعد نے بیان کیا ہے) یا آپ چھڑ پٹے کے وقت مدینۃ المنورہ میں داخل ہوتے (جیسا کہ ابن حجر العسقلانی اور القسطلانی نے کہا ہے) یا آپؐ طلوعِ آفتاب سے پہلے "الحرّہ" پہنچے (جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن یزید نے خبر دی ہے)؟

Marfat.com

۸۔ کیا آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قبا پہنچنے کے بعد بنو عمرو بن عوف کو کچھ دنوں کے لیے میزبانی کا شرف بخشا پیشتر اس کے کہ آپ حضرت ابوایوب انصاری رضؓ کے گھر منتقل ہوتے (جیسا کہ حضرت عائشہ رضؓ، حضرت صفیہ رضؓ، حضرت ابنِ عباس رضؓ، حضرت انس رضؓ اور حضرت عروہ بن زبیر کے حوالے سے ابن سعد نے بیان کیا ہے) یا آپؐ مدینہ پہنچنے کے بعد بنو النجار کے ہاں تشریف فرما ہوتے (جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے)؟

۹۔ کیا بنی عمرو بن عوف کے ہاں قیام کے دوران میں آپؐ نے حضرت کلثوم رضؓ بن ہدم کو میزبانی کا شرف بخشا یا حضرت سعد بن خیثمہ کو جن کا گھر Bachelor's Lodge کہلاتا تھا؟

۱۰۔ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کتنے دن کے لیے بنی عمرو بن عوف کے ہاں ٹھہرے رہے؟ کیا تین روز کے لیے (جیسا کہ حضرت ابن عباس رضؓ، الزہری اور ابن حجر سے مروی ہے) یا چار روز کے لیے (جیسا کہ ابنِ اسحٰق نے بیان کیا ہے) یا ۱۳ سے ۱۹ روز کے لیے (جیسا کہ حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت عروہ رضؓ نے صراحت کی ہے) یا ۲۲ یوم کے لیے (جیسا کہ حافظ ابن کثیر اور ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے) یا ۲۴ یوم کے لیے (جیسا کہ حضرت انس بن مالکؓ سے نقل ہوا ہے)؟

اس طرح اگر ہم ہجرت کے واقعات کے علاوہ ان جنگوں (غزوات) کو تاریخ کی بے رحم کسوٹی پر پرکھنا چاہیں جو رسولِ مبین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہدِ ہمایوں میں لڑی گئیں، تو پتہ چلے گا کہ یہ توقیتی عدم مطابقتیں (Chronological Disagreements) ایک دو واقعات تک محدود نہیں بلکہ ان کا سلسلہ کافی طویل ہے۔

ان موضوعات پر ڈاکٹر حمید اللہ نے "رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیاسی زندگی" میں ضمناً بحث کی ہے؛ مولوی اسحٰق النبی علوی نے اپنے فاضلانہ مقالوں "سیرتِ نبوی کی توقیت (Chronology)" میں گفتگو کی ہے جو برہان (ہند) میں ۱۹۶۴ء

۱

Marfat.com

ہیں مئی سے لے کر دسمبر تک متواتر چھپتے رہے ہیں اور اب نقوش (رسولؐ نمبر) جلد دوم کی زینت بنتے ہیں؛ اسلامک سٹڈیز کے شمارہ نمبر ۳، ج XXIII، خزاں ۱۹۸۴ء میں شمسی صاحب نے "ہجرت کی تاریخ" کے عنوان سے ایک فکر انگیز مضمون تحریر کیا ہے جس میں ان عدم مطابقتوں پر گفتگو کرتے ہوئے، معقول حل تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ سر ولیم میور نے اپنی کتاب "حیاتِ محمدؐ" میں تاریخوں کی تعیین پرسیوال (Perceval) کی تاریخ سے کی ہے جو مولینا اسحٰق النبی علوی کے خیال میں غلط اور گمراہ کن ہیں۔ ان کے علاوہ ونکلر (Winceler) اور نیلسن (Nielson) نے بھی اس سلسلہ میں کافی کام کیا ہے جسے مارگولیس (Margolouth) نے زیادہ قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔

توقیتی عدم مطابقت کی ایک وجہ تو یہ نظر آتی ہے کہ مدنی تقویم (Calendar) قمری (Lunar) تھی جبکہ مکی تقویم قمری۔شمسی (Luni-Solar) تھی۔ ان دونوں تقویموں میں تفاوت تاریخی واقعات میں فرق کا سبب بنی ہے۔ مہاجرین (رضوان اللہ اجمعین) جب مدینہ پہنچے تو اپنے ساتھ مکی تقویم بھی لے گئے۔ اس طرح مدینہ منورہ میں بیک وقت دو تقویمیں رائج ہو گئیں۔ جس کے نتیجہ میں بعض لوگوں نے مکی تقویم کے مطابق یادداشتیں تیار کیں اور بعض نے مدنی کیلنڈر کے مطابق۔ مکی تقویم اس وقت ناپید ہے جس کے سبب واقعاتِ سیرت کی مکمل توقیتی تشریح ممکن نہیں "! اگر مکی تقویم کی بازیافت کر لی جائے تو ہر قسم کی توقیتی الجھنیں دُور کی جا سکتی ہیں۔"

اِس تفاوت کی دوسری وجہ وہ مصطلحات (Terminology) ہیں جو علامہ واقدی اور ان کے قابلِ اعتماد شاگرد ابن سعد نے واقعاتِ سیرت کو بیان کرتے ہوئے "طبقات الکبریٰ" میں استعمال کی ہیں۔ یہ بات واضح ہے "کہ ہجرت ۱۲ ربیع الاوّل کو ہوتی اور سن ہجری اس سے کوئی دو ماہ بارہ دن قبل یکم محرم سے شمار کیا جاتا ہے۔ اگر جنگِ بدر کا ذکر کرنا ہو تو ہم کہیں گے، ماہِ نہم (رمضان المبارک) سنہ ۲ھ یا ہجرت سے ایک سال چھ ماہ بعد۔ واقدی نے کسی ایک طریقہ شمار کو اختیار نہیں کیا۔ اس لیے مِنَ الْہِجْرَۃِ (ہجرت کے وقت سے) اور لِلْہِجْرَۃِ (سنِ ہجری سے) کہنے میں تاریخیں اور مہینے خلط ملط ہو سکتے ہیں۔ مزید برآں

Marfat.com

اگر راوی کی صرف روایت پہنچی ہو اور اس سے بالمشافہ جرح اور تعین کا موقع نہ ملا ہو، اور راوی نے ہجری سنہ مُراد لیا ہو اور واقدی نے وقتِ ہجرت سے مدت مراد ہونی بھی ہو، تو نادانستہ تین ماہ کا بڑی آسانی سے فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ خاص کر اس لیے کہ واقدی نے مہینے کا نام لینے کی بجائے، اکثر مہینوں کی گنتی دی ہے کہ ہجرت کے اٹھارہ یا بیس مہینوں بعد وغیرہ۔"

جناب رسالتمآب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ میں سالِ کبیسہ کو عربی مہینوں کے لیے ہمیشہ کے واسطے منسوخ فرما دیا۔ اور خطبہ حجۃ الوداع میں اس کی قرآنی ممانعت (اِنَّمَا النَّسِیٓئُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ .... اِلیٰ آخرہ (سورہ التوبہ ۹: ۳۷) کو دُہرانے کے بعد ارشاد فرمایا تھا کہ:

اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ کَھَیْئَتِہٖ یَوْمَ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاِنَّ عِدَّۃَ الشُّھُوْرِ عِنْدَ اللّٰہِ اثْنَا عَشَرَ شَھْرًا۔

(زمانہ چکر کھا کر پھر وہی شکل اختیار کر چکا ہے جیسا زمینوں اور آسمانوں کی خلقت کے وقت تھا (بلاشبہ) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے)

رہا اِن سوالوں کا جواب جو اوپر اٹھائے گئے ہیں، ان کے لیے یہ جگہ ہے نہ موقع۔ انشاء اللہ دوسری جلد میں ان پر مفصل گفتگو کی جائے گی تاکہ تحقیق و تفتیش کرنے والوں کو ہجرت اور دوسرے واقعات کی صحیح تاریخوں سے آگاہ کیا جا سکے اور پیدا ہونے والی بعض پیچیدگیوں کو دُور کیا جا سکے۔ بہر حال ہجرت سے متعلق واقعات کی ترتیب (Chronology) اس طرح ہے:

۱۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گھر سے روانگی : جمعرات، یکم ربیع الاول مطابق ۱۱ر نومبر، سنہ ۶۲۲ء

۲۔ غار میں سہ روزہ قیام : جمعہ، ہفتہ اور اتوار مطابق

		۱۲-۱۴، نومبر ۶۲۲ء
۳۔ غار سے روانگی	:	سوموار، پانچ ربیع الاوّل، مطابق ۱۵، نومبر، ۶۲۲ء
۴۔ قبا میں آمد	:	دوشنبہ، ۱۲، ربیع الاوّل مطابق ۲۲، نومبر، ۶۲۲ء
۵۔ مدینہ میں (پہلی) آمد سے پہلے قبا میں قیام	:	سوموار، منگل، بدھ اور جمعرات۔ (۴ یوم) مطابق ۲۲-۲۵ نومبر ۶۲۲ء
۶۔ مدینہ میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی	:	جمعہ، ۱۶، ربیع الاوّل، مطابق ۲۶ نومبر، ۶۲۲ء
۷۔ قبا میں قیام کی مدت	:	۱۴ روز (۱۲ ربیع الاوّل سے لے کر ۲۵، ربیع الاوّل تک)
۸۔ حضرت ابو ایوب انصاری کے گھر کیلئے روانگی	:	دوشنبہ، ۲۶ ربیع الاوّل مطابق ۵، دسمبر ۶۲۲ء

Marfat.com

باب پندرھواں

تاسیسِ اُمّتِ مُسلمہ

تشکیلِ ریاستِ مدینہ

جس روز یہ مختصر مگر انتہائی مسعود و بابرکت قافلہ مدینہ کی نواحی بستی "قبا" میں پہنچا، مہاجرین و انصار اس روز بھی اپنے محبوب قائد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے استقبال کے لیے مقررہ مقام پر انتظار کرتے رہے تھے لیکن جب سورج عین سر پر آن پہنچا اور سائے مفقود ہو گئے، تو یہ لوگ ذرا سستانے کے لیے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ پہلا شخص جس کی نگاہ نے اس مبارک کارواں کو آتے دیکھا، ایک یہودی تھا جو اتفاقاً دوپہر کی اس گھڑی باہر رہ گیا تھا۔ وہ اپنی خاطر نہیں، بلکہ اپنے ہمسایوں کی خوشیوں کو دوبالا کرنے کے لیے، شہر کے قریب آکر زور سے پکارا:

" اے قیلہ کی اولاد! تمھاری جستجو کا حاصل تم تک آن پہنچا ہے" ل

یہ آواز سُنتے ہی انصار اپنے گھروں کے نہاں خانوں سے نکل آئے۔ اور اس طرف دوڑنے لگے، جدھر سے سحابِ رحمت چلا آرہا تھا۔ آپؐ اور آپؐ کے رفیقِ سفر ایک درخت کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ جب تک رسولِ اکرمؐ کے سر پر سایہ رہا، انصار آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ میں تمیز نہ کر سکے۔ سایہ ہٹا تو ادب شناسِ نبوت نے رسولِ اکرمؐ پر اپنی چادر کا سایہ کر دیا۔ انصار سمجھ گئے کہ ہادی و رہنما کون تھا، اور صدیقِ مخلص کون ہے

قبا میں ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کلثوم ابنِ ہدم کے ہاں تشریف فرما ہوتے اور حضرت ابوبکرؓ خبیبؓ بن اِساف کے ہاں ٹھہرے۔ حضرت علیؓ تین روز اور تین راتیں مکہ میں گزارنے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس رکھی گئی امانتوں کو ان کے مالکوں کے حوالے کر دینے کے بعد جب قبا پہنچے تو سرورِ کونینؐ ہی کے پاس قیام کیا۔ ؎ آپؐ کا معمول تھا کہ جب کبھی حضرت کلثومؓ کے گھر سے نکلتے تو حضرت سعدؓ بن خیثمہؓ کے گھر تشریف لاتے۔ حضرت سعدؓ کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی اس لیے ان کے بی بی بچے

Marfat.com

نہیں تھے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ان کا گھر " بیت الاعزاب " تھا اس لیے تمام کنوارے صحابہ کرامؓ وہیں ٹھہرائے گئے تھے۔

قُبا میں مختصر سے قیام کے دوران میں (جو ۱۴ روز کے لیے تھا) نبی آخر دا عظمؐ نے مسجدِ قُبا کی بنیاد رکھی۔ اس کے قبلہ کے رُخ پہلا پتھر محبوب داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود رکھا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ دوسرا پتھر اُٹھا کر لائے اور تیسرا حضرت عمرؓ نے رکھا۔ پھر باقی لوگوں نے عمارت اوپر اٹھائی۔ علامہ السہیلی نے رَوض الاُنُف میں اِس بات کی تصریح کی ہے کہ مسجد کی بنیاد پہلے ہی روز رکھ دی گئی تھی۔ تبھی تو قرآن کریم نے " مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ " کے الفاظ استعمال کیے ہیں ۔ فخر موجودات (صلی اللہ علیہ وسلم) قبا میں چار روز گزارنے کے بعد جمعہ کے دن سوار ہوئے۔ بنی سالم کے گھروں تک پہنچے ہی تھے کہ جمعہ کا وقت ہو گیا آپؐ نے پہلی نمازِ جمعہ بنی سالم کی مسجد میں ادا فرمائی جو " وادیِ رانُونا " میں واقع ہے۔ آپؐ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے والوں کی تعداد ایک سو کے لگ بھگ تھی۔ (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو) نماز سے فراغت پاتے ہی، یہ مختصر سی جماعت اپنے ہادی و رہنما کی اقتداء میں، جس کا مطمعِ نظر " اعلائے کلمۃ الحق " کے سوا کچھ نہ تھا، مدینہ کی طرف بڑھی۔

" یہ قافلہ جوں جوں آگے بڑھتا گیا، لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگتے گئے۔ بنو نجار ہتھیار سج سج کر آئے۔ قُبا سے مدینہ تک دو رویہ جاں نثاروں کی صفیں تھیں۔ راہ میں انصار کے خاندان آتے تھے۔ ہر قبیلہ سامنے آکر عرض کرتا حضورؐ! یہ گھر ہے، یہ مال ہے، یہ جان ہے۔" آپؐ منت کا اظہار فرماتے اور دُعا خیر دیتے۔ شہر قریب آگیا تو جوش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خواتین چھتوں پر نکل آئیں اور گانے لگیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا، مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعٍ

معصوم لڑکیاں دف بجا بجا کر گاتی تھیں :

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِّنْ جَارٍ ○

ابنِ سعد نے حضرت انسؓ کی روایت نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ انھوں نے دیدِ شوق اور سرورِ دل کا یہ نظارہ اِس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اہلِ مدینہ دیدہ و دل فرشِ راہ کیے ہوئے تھے۔

Marfat.com

عورتیں جمالِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دیکھنے کے لیے چھتوں پر جمع تھیں۔ بریدہؓ اسلمی اِس کاروانِ رُشد و سعادت کے آگے آگے چل رہا تھا۔ پگڑی کا پھریرا امن و سلامتی، اخوت و مساوات اور اصلاح و فلاح کی خوش خبری دے رہا تھا۔ حضرت براءؓ بن عازب کہتے ہیں کہ میں نے اہلِ مدینہ کو کبھی اتنا خرّم و شادماں نہیں دیکھا جتنا اس روز جب ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نکہت و نور کی ہزار دنیائیں اپنے جلو میں لیے مدینہ میں تشریف لائے تھے۔ مشتاقین کی جماعت نے اپنی آنکھیں ہی فرشِ راہ نہ کی تھیں بلکہ اپنے دل بھی آنے والوں کے قدموں میں بچھا دیتے تھے۔

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عورتوں، بچوں اور نوجوانوں کو آتے دیکھا تو کھڑے ہوگئے۔ آپؐ نے فرمایا: تم لوگ مجھے سب سے بڑھ کر محبوب ہو۔" اس وقت محبوبِ داور حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپؐ کے رفیقِ سفر (حضرت ابوبکرؓ) ایک ہی اونٹنی پر سوار تھے۔ جونہی سواری آگے بڑھی، بنی سالم کے اکابر، حضرت عتبانؓ بن مالک اور حضرت عباسؓ بن عُبادہ (بن نضلہ) انصاری حاضر ہوتے اور عرض کیا کہ ہمارے ہاں قدم رنجہ فرمایئے اور ہمیں اپنی مہمانی کا شرف بخشئے۔ آپؐ نے فرمایا:

"اس اونٹنی کا راستہ چھوڑ دیجئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے۔ یہ جہاں رُکے گی، ہم وہیں اُتریں گے۔"

سواری آگے بڑھی۔ اب بنی بَیاضہ کے مسکن تھے۔ یہ لوگ بھی وفد کی صورت میں حاضر ہوتے اور میزبانی کا شرف پانے کی درخواست کی۔ لیکن ان کو بھی وہی جواب ملا جو اس سے پہلے بنی سالم کے اکابرین کو ملا تھا۔ اس سے آگے بنی ساعدہ کے مکان تھے۔ حضرت سعدؓ بن عُبادہ اور حضرت مُنذرؓ بن عمرو نے ختمی مرتبتؐ کو اپنے ہاں ٹھہرانے کی درخواست کی۔ آپؐ نے انھیں دعا دی اور مرحبا کہتے ہوتے گزر گئے۔ آگے بنی خزرج کے مساکن تھے۔ انھوں نے بھی بڑی لجاجت سے رُکنے کی درخواست کی اور اسی طرح بنی نجّار نے۔ اونٹنی اس "مِربَد" (خالی جگہ جہاں کھجوریں خشک کی جاتی تھیں) پر پہنچ کر رُک گئی جو بنی نجار کے دو یتیم لڑکوں (سہلؓ اور سہیلؓ) کی ملکیت تھی۔ اونٹنی ٹھہر گئی اور اس نے اپنی گردن زمین پر رکھ دی۔

رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اونٹنی سے اتر آتے اور حضرت ابوایوبؓ انصاری کو جو اِس قطعہ زمین سے متصل مکان میں رہتے تھے، کم و بیش سات ماہ کے لیے مہمانی کا شرف بخشا۔ یہی وہ

Marfat.com

قطعہ زمین ہے جسے سجدہ گاہِ خاص و عام ہونا تھا؛ جسے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کا مرکز اور سیاسی زندگی کا محور بننا تھا؛ جسے امیر العساکر کی فرودگاہ اور فوجی صدر مقام کا شرف حاصل ہونا تھا۔ جسے اہم قضایا کے فیصلوں کے لیے وہ بلند مقام ملنا تھا جو کسی ملک کے اندر عدالتِ عالیہ کو حاصل ہوتا ہے۔

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اونٹنی پر سوار ہو کر یثرب کی مختلف آبادیوں، قبیلوں اور جگہوں کا جائزہ لینا محض سیر و تفریح یا عارضی قیام گاہ کے انتخاب کے لیے نہیں تھا بلکہ ایک ایسی جگہ کی تلاش میں تھا جہاں "مملکتِ خداداد مدینہ" کے دار الخلافہ کی نیو رکھی جا سکے۔ اکثر اصحاب سیر نے اس واقعہ کو سرسری نگاہ سے دیکھا ہے۔ اُس بصیرت سے نہیں جو ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک عظیم قائد، ایک کامگار سپہ سالار اور ایک ماہرِ تعمیرات کی حیثیت سے حاصل تھی۔ آپؐ نے "قصوا" پر سوار ہو کر "جوف" کا ہر پہلو سے جائزہ لیا جہاں آگے چل کر اسلام کے تحفظ و بقا کی جنگیں لڑی جانی تھیں۔ اونٹنی مختلف سمتوں سے ہوتی ہوئی جس جگہ رُکی تھی، وہیں مسجد (مرکزِ ملت) تعمیر کی گئی جو اسلامی ریاست کا دار الخلافہ بننے والی تھی۔

یہ جگہ اسفل میں واقع تھی۔ جبل سلع کے نزدیک اور جوف کے مرکز میں ہونے کے سبب اس کی دفاعی اور سیاسی پوزیشن مضبوط تھی۔ شہر کے جنوب اور مغرب (دونوں طرف) ناقابلِ گزر باغات تھے اور تیسری جانب سلع اور دیگر چھوٹی پہاڑیاں قدرتی فصیل کا کام دیتی تھیں۔" اسفل کے قبائل نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا اور ہجرت کے وقت بمقابلہ عوالی کے یہاں اسلام کے اثرات قوی تھے۔ اسفل کی مسلمان آبادیاں مدینہ کے مغرب، جنوب اور مشرق کے اطراف میں جال کی طرح پھیلی ہوئی تھیں۔ خصوصاً "النجار" کا قبیلہ بہت بڑا تھا اور آنحضور سے قرابت داری کی وجہ سے اسلام کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار تھا۔ جنگِ احزاب (خندق) نے ثابت کر دیا کہ محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتخاب برائے عسکری فرودگاہ کے انتہائی موزوں اور درست تھا۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بالغ نظری نے "جوفِ مدینہ" کو حرم مقرر کر کے رہی سہی کسر کو پورا کر دیا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یہ بات خوب کہی ہے کہ اگر مکہ والے "حرم مدینہ" کا احترام

Marfat.com

ملحوظ نہیں رکھتے تو اُن کا اپنا "حَرم" بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ یہ محض خوش عقیدگی ہی نہیں بلکہ ایک روشن حقیقت ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی سیاسی بصیرت اور فوجی تدبر سے "جوف" اور "عوالی" کا جائزہ لینے کے بعد ایک ایسی جگہ کا انتخاب فرمایا جو ہر لحاظ سے بہترین تھا۔ اس کے لیے ملاحظہ ہو "حدیث دفاع" از جنرل اکبر خاں۔

اصحاب سِیَر کے درمیان اس بات پر اختلاف ہے کہ نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ پہنچ کر سب سے پہلا کام جس کی طرف خصوصی توجہ فرمائی، کونسا تھا؟ ابن اسحٰق کا خیال ہے کہ آپؐ نے "تعمیر مسجد" کی طرف سب سے پہلے توجہ فرمائی، پھر "منشورِ مدینہ" کی طرف اور سب سے آخر میں "مواخاۃ" کی طرف۔ علامہ شبلی نعمانی کا خیال ہے کہ مدینۃ النبیؐ کے مخصوص حالات کے پیش نظر، واقعات کی ترتیب کچھ اس طرح ہو گی۔ تقدیم اور افضلیت مسجد کو حاصل تھی، اس کے بعد مواخاۃ کو اور پھر منشورِ مدینہ یا معاہدہِ عمرانی کو۔[۸]

اگرچہ بنی نجار کے بزرگوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اس قطعۂ زمین کے لیے کوئی قیمت وصول نہیں کریں گے جس پر مسجد تعمیر کی جانی تھی لیکن رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ نذر قبول کرنے سے انکار کر دیا اور مسجد کے لیے زمین کی قیمت اُدا کرنے کا حکم دیا۔ زہریؒ کی روایت کے مطابق جو فتح الباری میں نقل ہوئی ہے، اس قطعہ زمین کی قیمت حضرت ابوبکرؓ نے اُدا کرنے کی سعادت حاصل کی۔

زمین میں مشرکین کی موجود قبریں اکھاڑ دی گئیں، زمین ہموار بنا دی گئی اور تمام درخت کاٹ ڈالے گئے۔[۹] جب زمین ہموار ہو گئی تو تعمیر کا کام شروع ہوا۔ بنیادیں کھدیں۔ ان میں پتھر بھر دیئے گئے اور دیواریں کچی اینٹوں سے اٹھائی جانے لگیں۔ مسجدِ نبویؐ کا کام عجیب منظر پیش کرتا ہے۔ یوں تو سارے کے سارے مسلمان اس کام میں برابر کے شریک تھے مگر محبوب داورِ حشرؐ کا شوق دیدنی تھا۔ آپؐ بھی پتھر ڈھونے اور اینٹیں اُٹھانے میں پوری طرح مستعد تھے۔ عقیدت مند حاضر ہوتے اور عرض کرتے:

"ہمارے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ آپؐ یہ کام چھوڑ دیں۔ ہم خود کر لیں گے۔"

"آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی درخواست قبول فرماتے لیکن پھر اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے۔"

Marfat.com

"علامہ قسطلانی کا خیال ہے کہ اینٹیں بھاری تھیں اس لیے ایک ایک آدمی ایک ایک اینٹ اٹھا کر لا رہا تھا۔ سوائے حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کے جو دو دو اینٹیں اٹھا کر لاتے اور بآواز بلند کہتے جاتے کہ ایک اینٹ ان کی اپنی ہے اور دوسری رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اٹھا کر لاتے ہیں۔"

جب مسجد تعمیر ہو رہی تھی، اینٹیں چنی جا رہی تھیں اور دیواریں اٹھ رہی تھیں تو نبی آخر و اعظمؐ کی ولولہ انگیز قیادت میں معمار اور مزدور مل کر یہ رجز پڑھ رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَہ　　　　فَارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَہ

اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُ الْاٰخِرَہ　　　　فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَہ

حضرت عبداللہ بن رواحہ ایک نغزگو شاعر تھے۔ وہ بھی مزدوروں کے ساتھ مسجد کی تعمیر کے عظیم کام میں پوری طرح منہمک تھے۔ جس طرح ہر مزدور کام کرتے وقت صوتی اور غنائی اثرات سے دل بہلاتا ہے، اسی طرح وہ بھی اپنے اشعار گا کر پڑھ رہے تھے:

اَفْلَحَ مَنْ يُّعَالِجُ الْمَسَاجِدَا　　　　وہ کامیاب ہوا جس نے مسجد کی تعمیر میں

وَيَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ قَائِمًا وَّقَاعِدًا　　　　حصہ لیا وہ اٹھتے بیٹھتے قرآن مجید کی

وَلَا يَبِيْتُ اللَّيْلَ عَنْهُ رَاقِدًا　　　　تلاوت کرتا ہے اور راتوں کو جاگ کر گزارتا ہے۔

یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے پاک، اسلام کی سادگی اور حسن کا نمونہ تھی۔ دیواریں کچی اینٹوں سے چنی گئی تھیں۔ اس کا چھپر کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے تیار کیا گیا تھا۔ اور اس کے ستون بھی کھجور کے تھے۔ اس عظیم ادارے کا فرش کچا تھا۔ بارش ہو جاتی تو کیچڑ بن جاتا۔ کبھی کبھی صحابہ کبارؓ اس صورتِ حال سے بچنے کے لیے کنکریاں اٹھا لاتے اور انھیں اپنی اپنی نشست گاہ پر بچھا لیتے۔ مسجد کے ایک سرے پر مسقف چبوترہ تھا جو "صُفّہ" کہلاتا۔ یہی چبوترہ اسلام کے "درویشوں" کی رہائش گاہ یا ٹھکانہ تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی تعمیر دو مرتبہ ہوئی۔ اوّل جب آپؐ ہجرت فرما کر حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے مکان میں فروکش ہوتے تھے اور دوسری مرتبہ ۷ھ میں جب آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم)

Marfat.com

جنگِ خیبر سے کامیاب واپس لوٹے تھے۔ اس مرتبہ مسجد کے طول میں اضافہ ہوا۔ اضافی زمین کی خرید کے لیے حضرت عثمانؓ نے ایک گراں قدر رقم خرچ کی۔ جس کے عوض میں انھیں جنت میں ایک خوبصورت محل کی خوشخبری دی گئی۔ ترمذی شریف کی وہ حدیث جس میں حضرت ابوہریرہؓ کا یہ عرض کرنا درج ہے کہ:

"یارسول اللہ! آپؐ اتنا بوجھ کیوں اٹھا رہے ہیں۔ مجھے دیجئے میں یہ اینٹیں اٹھا کر لے جاتا ہوں۔"

آنحضورؐ نے فرمایا:

"خُذْ غَیْرَھَا۔ یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ فَاِنَّہٗ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشَ الْاٰخِرَۃَ"

یہ دوسری مرتبہ تعمیر سے متعلق ہے۔ اس لیے کہ حضرت ابوہریرہؓ پہلی تعمیر کے وقت مکہ میں محصور تھے۔

مسجدِ نبویؐ کی تکمیل کے فوراً بعد، آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ازواجِ مطہرات کے لیے حجرات تعمیر کروانے شروع کیے۔ یہ مکانات کچی اینٹوں سے بنائے گئے تھے اور ان کی چھتیں خرما کی ٹہنیوں اور پتوں سے تیار کی گئی تھیں۔ ازواجِ مطہرات میں جوں جوں اضافہ ہوتا گیا، توں توں نئے حجرات تیار ہونے لگے۔ حضرت اُمِ سلمہؓ، حضرت اُمِ حبیبہؓ، حضرت زینبؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ اور حضرت زینبؓ بنت جحش کے مکانات شامی جانب تھے جبکہ حضرت عائشہؓ، حضرت صفیہؓ اور حضرت سودہؓ کے حجرات مقابل جانب تھے۔ یہ مکانات چھ چھ سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لمبے تھے۔ چھت واجبی سی اُونچی تھی۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ حجرات سمت شام اور مشرق واقع تھے۔ وہ صرف اتنے اونچے تھے کہ وہ جوانی کے ابتدائی ایام میں کھڑے ہو کر حجرے کی چھت کو چھو سکتے تھے۔ حجرات کے دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا۔ راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔ (وَالْبُیُوْتُ یَوْمَئِذٍ لَیْسَ فِیْھَا مَصَابِیْحُ)[۳۱]

اذان کی ابتدا

اسلام نے اپنی تمام عبادات میں جو اہمیت اجتماعیت اور مرکزیت کو دی ہے، اس سے

Marfat.com

پتہ چلتا ہے کہ وہ سوسائٹی کے مختلف عناصر میں کس طرح یک جہتی، وحدتِ فکر اور مقاصد کی ہم آہنگی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ آپ نماز گھر پر ادا کریں تو اس کا ثواب اور ہے، محلے کی مسجد میں ادا کریں تو ثواب ۲۵ گنا بڑھ جاتا ہے۔ جامع مسجد میں ادا کریں تو یہ پانچ سو گنا ہو جاتا ہے۔ مقامِ اجتماعِ عظیم (خانہ کعبہ) میں جا کر ادا کریں تو ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوتا ہے نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے اتنے بڑے اجر و ثواب کا ذکر یقیناً نیکی کے لیے تحریکِ ذہنی پیدا کرتا ہے اور تقویٰ کے حصول کے لیے بہت بڑا محرک ثابت ہو سکتا ہے۔ اسی طرح سے اسلام کے دوسرے ادارے، روزہ، حج اور زکوٰۃ بھی خشیتِ الٰہی، اتحاد و اتفاق اور نظم و ضبط پیدا کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ ان تمام عبادات کی روح اجتماعی ہے۔ وہ نہ صرف افراد کو "فحاشی اور منکرات" سے روکتی ہیں بلکہ انھیں طبقاتی اور استحصالی نظام کو ختم کرنے کے لیے تیار کرتی ہیں۔ انسان دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے، ان کی تنگی اور مصیبت کے وقت میں کام آتا ہے اور قومی ترقی کے پروگراموں کے لیے ایک ایسی قوت مہیا کرتا ہے جس کے بغیر ترقی و خوشحالی کا کوئی تصور پیش ہی نہیں کیا جا سکتا۔

شروع شروع میں نماز باجماعت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ مسلمان تخمینے اور اندازے سے وقت کا تعین کرتے اور مسجد میں نماز کی ادائیگی کے لیے آ جاتے۔ یہ بات شارع علیہ السلام کو پسند نہ تھی۔ آپؐ کا خیال تھا کہ اس مقصد کے لیے کچھ لوگوں کو مقرر کر دیا جائے جو وقت پر لوگوں کو ان کے گھروں سے بلا لایا کریں۔ لیکن اس میں بھی کئی مشکلات حائل تھیں۔ آپؐ نے صحابہ کبار سے مشورہ کیا۔ ظاہر ہے کہ آراء مختلف تھیں۔ کسی نے نماز کے وقت مسجد میں ایک جھنڈا بلند کر دینے کی تجویز پیش کی، دوسرے نے بوق و ناقوس بجانے کی تجویز رکھی اور کسی اور نے عیسائیوں کے طریقے کی پیروی کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن ختمی مرتبتؐ نے حضرت عمرؓ کی رائے کو پسند فرماتے ہوئے[۱۴] حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دیں۔[۱۵] اس سے ایک طرف تو نماز کی اطلاع عام ہو جاتی تھی۔ دوسری طرف دن میں پانچ دفعہ دعوتِ اسلام کا اعلان ہو جاتا تھا۔[۱۶]

مواخاۃ

مہاجرین میں سے اکثر جو اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی اور خوشنودی کی خاطر اپنے وطن کو خیر باد

Marfat.com

کہ کردار الاسلام (مدینۃ النبیؐ) میں وارد ہوتے تھے، کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ تجارت پیشہ ہونے کے سبب گرم سرد چشیدہ تھے۔ تموّل و تونگری کے باوجود جو انھیں ہجرت سے پہلے حاصل تھی، وہ ہجرت کے موقع پر قریش کی پکڑ دھکڑ کے سبب کچھ زیادہ رقم اپنے ساتھ نہ لا سکے تھے۔ بعض اصحاب سِیَر کا خیال، کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں میں سے اکثر نے چھپ کر اور انتہائی بے سرو سامانی کے عالم میں ہجرت کی تھی، دُرست نہیں۔ مہاجرین میں سے وہ بھی تھے جو اثر و رسوخ کے مالک تھے، عزت دار تھے اور متموّل تھے۔ انھوں نے دن کی روشنی میں مکّہ کو خیرباد کہا تھا۔ ان میں سے وہ بھی تھے جو کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ سماجی اور سیاسی لحاظ سے صاحبِ توقیر تھے لیکن پیسے کے لیے اپنے بزرگوں پر انحصار کرتے۔ ایسے حضرات گھر سے چھپ کر نکلے تھے۔ اور جاتے وقت کوئی بڑی رقم اپنے ساتھ نہ لے جا سکے تھے۔ ان میں کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جسے مکّہ میں کسی کی پناہ حاصل تھی نہ کسی کا جوار۔ وہ موقعہ پاتے ہی مدینۃ النبیؐ کی طرف نکل کھڑے ہوتے۔ ان کے پاس کوئی سرمایہ نہ تھا۔ ان کے علاوہ ایک گروہ اور بھی تھا— لاچار اور مجبور۔ غربت و افلاس نے اور قریش کے ظلم و استبداد نے ان کا چہرہ بگاڑ دیا تھا۔ ان کے قبیلہ والوں نے انھیں رسیّوں میں جکڑ دیا تھا اور وہ مکّہ میں ٹھہرے رہنے پر مجبور تھے۔

اگرچہ انصار نے انھیں جس خندہ پیشانی اور فراخ حوصلگی کے ساتھ کُھلے بندوں وصول کیا تھا وہ ان کی فیاضی، اسلام دوستی اور ایثار و قربانی کا مُنہ بولتا ثبوت ہے۔ لیکن محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) مہاجرین کی بحالی کے مسئلے کو ہنگامی بنیادوں پر نہیں بلکہ مستقل بنیادوں پر حل کرنا چاہتے تھے تاکہ دونوں (مہاجرین و انصار) اخوت و مساوات اور مودّت و مواخات کے ایسے رشتوں میں پرو دیئے جائیں کہ تاریخ ان پر ناز کرتی رہے۔ اور انسانیت ان پر فخر کرتی رہے۔

مواخات اور بھائی چارے کی بنیادیں اس آفاقی نظریے اور عقیدے پر رکھی گئی تھیں جس نے ملّتِ اسلامیہ کو اخوت پرست قوم سے جُدا کر دیا تھا۔ رنگ و نسل اور قوم و وطن کے تمام بُتوں کو توڑ کر جہان و جہاں کو ایک رشتۂ توحید میں منسلک کیا تاکہ ان کے عقائد و اعمال میں ہم آہنگی، ظروف و احوال میں اختلاف اور اعلیٰ مقصدِ حیات کے لیے جینے کا نیا حوصلہ پیدا کیا جا سکے۔

جب مسجد کی تعمیر ختم ہوئی تو آپؐ نے انصار کو طلب کیا اور مہاجرین کی طرف اشارہ کرتے

Marfat.com

ہوتے فرمایا:

تَآخَوْا فِی اللّٰہِ اَخَوَیْنِ اَخَوَیْنِ

(یہ تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ کی راہ میں دو دو شخص بھائی بھائی بن جاؤ)

اس کے بعد ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) مہاجرین وانصار میں سے دو دو آدمیوں کو بلا کر فرماتے گئے کہ تم بھائی بھائی ہو۔ سلسلہ مواخات کی کڑیاں کس قدر مضبوط اور ناقابل شکست تھیں، اس کا اندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جونہی دو آدمی آپس میں بھائی قرار پاتے "انصاری" مہاجر بھائی کو اپنے ساتھ لیتا، گھر کی ایک ایک چیز اسے دکھا دیتا اور کہتا کہ نصف آپ کا ہے اور نصف میرا۔ حضرت سعدؓ بن ربیع نے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو اپنی دونوں بیویاں بھی پیش کر دیں اور کہا جس سے شادی کرنا چاہیں اُسے میں طلاق دینے کے لیے تیار ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے نہایت ہی شکر گزاری کے ساتھ انکار کر دیا۔ پھر حضرت ابنِ عوفؓ نے قینقاع کے بازار میں پنیر اور گھی کا کاروبار شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ان پر فضل و کرم اتنا زیادہ تھا کہ وہ خاک پر ہاتھ ڈالتے تو سونا بن جاتی۔

انصار زراعت پیشہ تھے۔ انھوں نے نہ صرف اپنے مساکن اور گھریلو سامان ہی کی تقسیم کی بلکہ اپنے باغات اور کھیت تک بھی بانٹ کر ان کے حوالے کر دیئے۔ مہاجرین چونکہ تجارت پیشہ تھے اور فلاحی کے کوچہ سے نابلد، اس لیے وہ بازار کا راستہ پوچھتے تھے تاکہ خرید و فروخت کرکے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ پال سکیں۔ یہ رشتہ بالکل حقیقی رشتہ بن گیا۔ کوئی انصاری مرتا تھا تو اس کی جائیداد اور مال مہاجر بھائی کو ملتا اور بھائی بند محروم رہتے۔ قرآنِ مجید کی یہ آیتِ کریمہ انھوں کے اسی جذبۂ ایثار و قربانی کی ترجمانی کرتی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ	(بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد بھی کیا اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے انھیں پناہ دی اور ان کی مدد کی، یہ لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں)

Marfat.com

فتح مکہ کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو مستغنی کر دیا اور انھیں اس اعانت کی ضرورت نہ رہی، تو یہ عارضی انتظام اسی سورت کی آخری آیات (۷۴۔۷۵) سے منسوخ ہو گیا، جو درج ذیل ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ ۔۔۔ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ
۔۔۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ
فِيْ ۔۔۔۔ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

مزید براں سورۃ نساء میں مستقل قانون وراثت کے نزول سے یہ ہنگامی حالت ختم کر دی گئی۔

صحیح مسلم (باب الجہاد) میں آتا ہے کہ خیبر کی فتح کے بعد ہی مہاجرین نے، جنھیں اللہ تعالیٰ نے مقدرت اور وسعت عطا فرمائی تھی، بہت سے نخلستان اپنے انصار بھائیوں کو واپس کر دیئے تھے۔

جہاں تک مہاجرین کے لیے رہائشی مکانات کا تعلق ہے، انصار نے اپنی خوشی سے اپنے مسکونہ مکانات سے انھیں حصہ دیا اور جہاں یہ ممکن نہ ہو سکا وہاں انھوں نے وہ افتادہ زمینیں جو ان کے گھروں کے آس پاس تھیں، ان کو دے دیں تاکہ وہ مکانات تعمیر کر سکیں۔ بنو زُہرہ ایسی ہی زمینوں پر مسجد نبوی کے عقب میں آباد ہوتے۔ حضرت عثمانؓ، حضرت زبیر بن العوام، حضرت مقدادؓ اور حضرت جلیبؓ نے بھی اپنے اپنے انصار بھائیوں کے پہلو میں اپنے مکانات تعمیر کیے۔

جس طرح ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکہ کے قیام کے دوران میں دو مکی مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دے کر "رشتہ مواخاۃ" قائم کیا تھا اور قبائلی نفرتوں کو مٹانے، ہمدردی اور ایثار و قربانی کے جذبات کو ابھارنے کی حکیمانہ تدبیر اختیار کی تھی، اسی طرح آپؐ نے مہاجر و انصار میں "مواخاۃ" کی بنیاد رکھ کر مختلف گروہوں کے درمیان امتیاز ما و تُو ختم کر دیا اور ایک عالمی معاشرے کا سنگِ بنیاد رکھا۔

نبیِ رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے "مواخاۃ" کی بنیاد اُن نفسیاتی اصولوں پر اُٹھائی تھی جن تک بڑے سے بڑے لیڈر کی پہنچ بھی عام حالات میں مشکل ہو جاتی ہے۔ اگر "مواخاۃ" میں شامل اصحاب کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کس طرح مختلف افراد کے مذاق،

Marfat.com

میلانِ طبع اور حیثیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، ان میں بھائی چارہ پیدا کیا تھا۔ "مواخاۃ" کے رشتہ سے جو لوگ آپس میں بھائی بھائی بنے، ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

حضرت ابوبکرؓ کو	حضرت خارجہؓ بن زید انصاری	کا بھائی بنایا گیا
حضرت عمرؓ فاروق کو	حضرت عتبانؓ بن مالک انصاری	″ ″
حضرت عثمانؓ غنی کو	حضرت اوسؓ بن ثابت انصاری	″ ″
حضرت علیؓ کرم کو	حضرت سہلؓ بن حنیف انصاری	″ ″
حضرت جعفر بن ابی طالب کو	حضرت معاذؓ بن جبل	″ ″
حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو	حضرت سعدؓ بن معاذ	″ ″
حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو	حضرت سعدؓ بن الربیع	″ ″
حضرت زبیرؓ بن العوام کو	حضرت سلمہؓ بن سلام بن وقش	″ ″
حضرت مصعبؓ بن عمیر کو	حضرت ابوایوبؓ انصاری	″ ″
حضرت عمار بن یاسر کو	حضرت حذیفہؓ بن یمان	″ ″
حضرت سعید بن زیدؓ کو	حضرت ابی بن کعبؓ	″ ″
حضرت ابوحذیفہؓ کو	حضرت عبادؓ بن بشر	″ ″
حضرت بلالؓ کو	حضرت ابورویحہؓ	″ ″
حضرت ابوذر غفاریؓ کو	حضرت منذرؓ بن عمرو	″ ″
حضرت سلمانؓ فارسی کو	حضرت ابودرداءؓ	″ ″

یہاں پر حضرت جعفرؓ کی "مواخاۃ" کا جو ذکر اوپر آیا ہے وہ کسی سہو کا نتیجہ نظر آتا ہے۔ حضرت جعفرؓ ان دنوں حبشہ میں ٹھہرے ہوتے تھے۔ وہ خیبر کی فتح کے بعد مدینہ پہنچے تھے[۱]۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ السیرۃ النبویۃ کے فاضل مصنف نے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مواخاۃ حضرت علی کرم سے دکھائی ہے۔[۲] یہ بھی غلط ہے۔ حافظ ضیاء الدین مقدسی نے اپنے مجموعہ میں اور حافظ ابن سید الناس نے اپنی تصنیفِ لطیف، عیون الاثر کی جلد اول کے صفحہ ۲۰۰ پر اس "مواخاۃ" کا ذکر کرتے ہوئے اس بات کا دعویٰ کیا ہے۔ کہ یہ "مواخاۃ" مکہ میں ہجرت سے پہلے واقع ہوئی تھی۔ ابن اسحٰق / ابن ہشام

Marfat.com

نے غلطی سے "پہلی مواخاۃ" کا یہاں ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۵۰۵) اس مواخاۃ میں جو ہجرت سے قبل خاص مہاجرین میں ہوئی تھی، ان حضرات کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:

ختمی مرتبت، سیدنا و مولینا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت علی کرم کے بھائی بنے

حضرت ابوبکرؓ (الصدیق)	حضرت عمرؓ کے بھائی بنے
حضرت حمزہؓ (سید الشہداء)	حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف "
حضرت زبیر بن العوامؓ	حضرت عبداللہؓ بن مسعود "
حضرت عبیدہؓ بن الحارث	حضرت بلالؓ بن رباح "
حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح	حضرت سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہ "

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری، ج ۷، ص ۲۱۰ و زاد المعاد، حافظ ابن القیم الجوزی ص ۲۱۱ - ۲۱۲

ابنِ اسحٰق نے مواخاۃ کے دُور رس نتائج پر گفتگو کرتے ہوئے حضرت بلالؓ کا حوالہ دیا ہے اور بتایا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے عطایا اور وظائف کی فہرست تیار کی تو حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ ان کا وظیفہ کن کے ساتھ رکھیں؟ (یہ اس لیے ہوا کہ شام کی لڑائیوں کے بعد حضرت بلالؓ وہیں اقامت پذیر ہو گئے تھے) حضرت بلالؓ نے کہا کہ ابو رُویحہؓ کے ساتھ جن سے ان کا بھائی چارہ کرایا گیا تھا۔ وہ اس مواخاۃ سے کبھی علیحدہ ہونا پسند نہ کرتے تھے۔

انصار کی مہمان نوازی، دل جوئی اور غم خواری کے واقعات سے احادیث اور کُتب سِیَر بھری پڑی ہیں۔ لیکن قرآنِ مجید نے ایثار و قربانی کی اس داستان کو اپنے مقدس صفحات میں جگہ دے کر جس طرح اسے لازوال بنایا ہے، اس کی مثال بھی مذہبی کُتب میں ملنا محال ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ	ان حاجت مند مہاجروں کا حق ہے جو
اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ	اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے جُدا کر
يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ	دیئے گئے ہیں۔ اللہ کے فضل اور رضامندی

Marfat.com

وَرِضْوَانًا . . . وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط ۲۳

کے طلب گار ہیں۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ تو صادق ہیں۔ اور ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دارالاسلام اور ایمان میں ان کے قبل سے قرار پکڑے ہوتے ہیں۔ وہ اس سے محبت کرتے ہیں جو اُن کے پاس ہجرت کرکے آتا ہے۔ اور جو کچھ انھیں ملتا ہے اس کے لیے اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں پاتے۔ اور انھیں اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود فاقہ میں ہی ہوں)

ایک مرتبہ ایک حاجت مند اور فاقہ مست شخص محبوب داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور بھوک پیاس کی شکایت کی۔ آپؐ نے گھر والوں سے دریافت فرمایا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ معلوم ہوا کہ ساقیِ کوثر کے ہاں "پانی" کے سوا کچھ اور نہیں۔ آپؐ سائل کو مایوس لوٹانا نہیں چاہتے تھے۔ اس لیے انصار سے دریافت فرمایا کہ کیا کوئی صاحب اس ضرورت مند کو اپنا مہمان بنانے کے لیے تیار ہیں۔ حضرت ابوطلحہؓ نے رضامندی ظاہر کرتے ہوئے مہمان کو اپنے ساتھ لیا اور گھر آگئے۔ بیوی سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ گھر میں کھانا مشکل سے بچوں کی ضرورت کو پورا کرسکے گا۔ حضرتِ ابوطلحہؓ نے بیوی سے کہا کہ چراغ گل کردو اور وہی کھانا مہمان کے سامنے لاکر رکھ دو۔ تینوں ساتھ کھانے پر بیٹھے۔ میاں بیوی بھوکے بیٹھے رہے اور اس طرح ہاتھ چلاتے رہے کہ گویا کھا رہے ہیں۔ اس واقعہ کو کتابِ ہدیٰ نے محفوظ کرلیا ہے تاکہ لوگ ایثار و قربانی سیکھیں اور اپنے جذبات کی تہذیب کرسکیں۔

مسجد کی تعمیر ہو یا مواخاۃ کی توثیق، اس کی برکات اور نتائج واثرات فوراً ہی واضح ہونے شروع ہوگئے تھے۔ اوّل الذکر کے صحن سے جہاں خداوندِ بزرگ و برتر کی حمد و ثنا کے زمزمے پھوٹتے اور اس کی چھت سے اللہ تعالیٰ کی جلالت و کبریائی کا دن میں پانچ مرتبہ اعلان ہوتا، وہاں امن

Marfat.com

کی گود سے وہ جہاں بان وجہاں نگر پیدا ہوئے جو "خود گرے، خود شکنے، خود نگر ہے" کا مصداق تھے؛ وہ فاتح کشور کشا پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے وقت کی عظیم سلطنتوں کو زیر و زبر کر ڈالا، انھیں خراج دینے پر مجبور کر دیا؛ وہ نکتہ رس خطیب اور سفیر پیدا ہوئے جن کی فصاحت اور تدبر نے ایک دُنیا کو رام کیا؛ وہ معلم اور مصلح پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے علم و آگہی اور تحقیق و جستجو سے زندگی کی تاریک راہوں کو منور کیا۔ اور مشرق و مغرب کی خوابیدہ قوموں کو بیدار کر کے نشاۃِ ثانیہ کی راہ پر گامزن کیا۔ بریفالٹ کو اعتراف ہے کہ:

"جس روشنی سے تہذیب کا چراغ ایک دفعہ پھر روشن ہوا، وہ یونانی، رومی ثقافت کے ان شراروں سے نہیں اٹھی تھی جو یورپ کے کھنڈروں میں سُلگ رہے تھے۔ اور نہ باسفورس کی "زندہ موت سے وجود میں آئی تھی۔ یہ روشنی شمال سے نہیں آئی بلکہ اسے سلطنت کے جنوبی حملہ آور یعنی عرب اپنے ساتھ لاتے تھے۔"

کیمبل، جان۔ ڈبلیو نے مسلمانوں کے تجرباتی علم کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا:

"اسلام نے سائنس ایجاد کی۔ یہ کام روما اور یونان نہ کر سکے۔۔ فلسفہ خوب ہے لیکن یہ تنہا قائم نہیں رہ سکتا۔ ایتھنز اپنے دلفریب فلسفے پر مُنہ کے بل گرا۔ کیونکہ یہاں نکاس کے لیے بدرو تھی نہ آبی گزرگاہ۔ روما کے پاس صفائی ستھرائی کا شاندار نظام تھا لیکن حکیمانہ فکر نہ تھا۔ ہم نے سائنسی میراث روما سے لی ہے نہ یونان سے بلکہ اسلام سے لی ہے۔" (بحوالہ مسلمان یورپ میں، سلیمانی، ص ۳۲۳)

یہاں سے وہ درویش اور بوریانشین پیدا ہوئے کہ "لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ"۔

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ ایسے حکمران، مدبر اور منتظم اگر پہلے گروہ سے تعلق رکھتے تھے تو حضرت علاءؓ بن حضرمی، حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ، حضرت خالدؓ بن سعید، حضرت زیادؓ بن لبید اور حضرت بازانؓ بن ساسان ان اصحابِ تدبیر و رائے میں سے ہیں جنھوں نے بحرین، یمامہ، صنعاء، حضر موت اور یمن کے علاقوں میں (علی الترتیب) امن و سکون قائم کیا، عدل و مساوات کو یقینی بنایا اور ترقی و خوشحالی کے ایک نئے دور کا آغاز کیا؛ جہاں

Marfat.com

حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح اور حضرت سعدؓ بن وقاص ایسے فاتحین ان صفوں میں ممتاز نظر آتے ہیں جو ہنگامہ آرائی اور کشورکشائی کے لیے کھڑی کی گئی تھیں وہاں حضرت جعفرؓ طیار، حضرت دحیہؓ کلبی، حضرت شجاع بن وہب الاسدی، حضرت موسیٰؓ اشعری اور حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی ایسے نکتہ رس انسان تدبیر و سیاست کے پیچیدہ عقدوں کی کشود میں اپنی نظیر نہیں رکھتے؛ اگر حضرت عائشہؓ صدیقہ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت معاذؓ بن جبل اور حضرت عبداللہ بن زبیر ایسے دانشور اور صاحب بصیرت فرائض الٰہیہ کی تعلیم اور فقہ و قانون کی تدوین میں بے مثال تھے تو حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انسؓ بن مالکؓ، حضرت ابوسعیدؓ خدری، حضرت عبادہؓ بن صامت، حضرت جابرؓ بن عبداللہ اور حضرت براءؓ بن عازب ایسے اصحاب علم و فضل نے احکام و وقائع کے انضباط اور تحفظ و ابلاغ میں جس خلوص نیت، مہارت اور حزم و احتیاط سے کام لیا ہے۔ اس کی مثال کسی ایک جگہ ملنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اگر حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت عثمانؓ بن مظعون اور حضرت سلمانؓ فارسی ایسے درویش زہد و قناعت کی مسند کے صدر نشین تھے تو حضرت عثمانؓ، حضرت ابوطلحہؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف یتامیٰ کی اعانت اور مساکین کی پرورش میں ہوا سے زیادہ سخی تھے۔

جہاں تک مواخاۃ کا تعلق ہے، تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اس بھائی چارے نے انسانی اور عمرانی روابط پر وہ گہرا اثر چھوڑا ہے کہ اس سے نہ صرف مہاجرین کی بحالی (Rehabilitation) کا پیچیدہ مسئلہ بحسن و خوبی حل ہو گیا اور ان کی معیشت کو سہارا مل گیا بلکہ مہاجرین نے انصار سے مل کر مدینہ کی معاشی اور معاشرتی زندگی میں وہ انقلاب بپا کیا کہ یہود کی وہاں کی تجارت پر اجارہ داری، جس کے سبب وہ اوس اور خزرج کا مدتوں استحصال کرتے رہے تھے، ختم ہو گئی۔ مہاجرین جو تجارت کے فنون و کشیوں سے واقف اور اس کی نزاکتوں سے آگاہ تھے، جب مدینہ کے بازاروں میں جم کر بیٹھے اور ماپ تول کے پیمانوں کو درست کیا، تو یہود کی تجارت ماند پڑ گئی، ان کا مہاجنی کاروبار ٹھپ ہو گیا اور ان کی اہمیت گھٹ گئی۔

۲ھ میں بنی قینقاع کے خروج، ۴ھ میں بنی نضیر کے اخراج اور ۵ھ میں بنی قریظہ

کے اموال کی ضبطی (Expropriation) سے (پانچ سال کے اندر اندر) انصار کی زراعت اور مہاجرین کی تجارت کو وہ فروغ حاصل ہوا کہ مدینہ کی چھوٹی سی بستی خداوند بزرگ و برتر کے فضل و کرم سے خوشحال اور ترقی و پیش رسی کی علامت بن گئی۔ اتحاد و اتفاق نے نئے حوصلوں کو جنم دیا۔ ولولہ انگیز قیادت نے انھیں آفاقی نظریہ حیات بخشا۔ اس موثر قیادت کو انھوں نے صرف اس لیے قبول نہیں کیا تھا کہ جنگ بُعاث کے بعد اہلِ یثرب کسی "دیوار کے سائے" کی تلاش میں تھے۔ جہاں وہ بیٹھ کر سستا سکیں یا جیسا کہ منٹگمری واٹ نے سمجھا ہے کہ :

> "اہلِ مدینہ سرد جنگ سے عاجز آ چکے تھے اور ایسے ذرائع کو بروئے کار لانا چاہتے تھے جو اُن کے لیے سکون اور طمانیت کا باعث ہو سکیں۔ سکون کی تلاش کا یہ جذبہ اتنا شدید تھا کہ عبداللہ بن اُبَی جیسا انسان بھی اس کے خلاف نہ جا سکتا تھا خواہ یہ چیز اس کے اپنے مفاد کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔" [۲۵]

اِن معاشرتی اور سیاسی اسباب کا بھلا کون انکار کر سکتا ہے جو محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مدینہ منورہ میں ورودِ مسعود کا سبب بنے؟ لیکن بیعتِ عَقَبہ ثانیہ کے موقع پر جو مکالمہ (Dialogue) ہم نے صفحہ (۴۲۹-۴۳۳) پر نقل کیا ہے، اس روحانی تشنگی کا بھی پتہ دیتا ہے جو ایک "کلیم اور حکیم نے نواز" کی عدم موجودگی میں محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ انتشار و افتراق جہاں باہمی حسد و فساد کا نتیجہ ہے وہاں ان کی موجودہ ناگفتہ بہ حالت اِس لیے بھی ہے کہ وہ "آسمانی ہدایت" سے محروم ہیں۔ انھیں یہ بھی احساس تھا کہ اگر یہود و نصاریٰ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت پر ان سے پہلے ایمان لے آئے تو ان کی مشکلات دو چند ہو جائیں گی۔ انھیں یہ باور کرنے میں کوئی چیز مانع نہ تھی کہ نئی قیادت جو وحیِ الٰہی سے مؤید ہے، نئی بصیرتوں اور توانائیوں سے بھرپور ہے اور آزادی کے ممکنات کی تلاش میں سرگرمِ عمل ہے، ضرور ایک دن غالب آ کر رہے گی۔ وہ نہ صرف موجودہ "بے یقینی کی فضا" کو ختم کر دے گی بلکہ وہ ایک ایسی قوت بن کر اُبھرے گی جو اللہ تعالیٰ کے دین (نظامِ زندگی اور قانون) کو باقی تمام نظام ہائے زندگی پر غالب کر دے گی۔

اس مواخاۃ نے جہاں دو متحارب گروہوں کے درمیان افہام و تفہیم پیدا کی، وہاں ... ذہنی

Marfat.com

یگانگت کے لیے نئی اساس بھی مہیا کی جس نے خوب و زشت اور صواب و ناصواب کے تمام پیمانے بدل دیئے۔ تمام لوگ ایک ہی پلیٹ فارم پر لا کھڑے کیے۔ امیر و غریب، آقا و مولا، بے زر و زردار اور عالم و جاہل۔ ایک "سیاسی مجتمع کا ظہور" اس مواخاۃ کا ایسا نتیجہ ہے کہ اقوام و ملل کی تہذیبی اور تمدنی سرگرمیوں کا مطالعہ کرنے والے حضرات اس قسم کی مثالیں کہیں اور نہ ڈھونڈ پائیں گے۔ پروفیسر آرنلڈ کو اس بات کا اعتراف ہے کہ:

"اس رشتہ مواخات نے تمام قبائل کے باہمی اختلافات کو ختم کر دیا اور ایک مشترکہ مذہبی زندگی جو نسلی رشتوں سے بالاتر تھی، قائم کر دی۔"

مسلمانوں کے مختلف گروہ متحد الخیال ہونے کے سبب، ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے اور آنے والے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے سینہ سپر ہو گئے۔ اگر مدینہ کے یہود اور منافقین کو علیحدہ کر دیا جائے تو مدینۃ النبیؐ کی پوری آبادی ایک ایسے "جسم واحد" کا نقشہ پیش کرتی ہے جس کے ہر جوڑ کی چولیں دوسرے جوڑ کے ساتھ ٹھیک ٹھیک بٹھا دی گئی تھیں۔ دماغ جو تخیل، تفکر اور تدبر کا مرکز ہے جسم نامی کو مربوط اور منظم رکھے ہوئے تھا اور دل جو لطائف ربانیہ کا مہبط ہے، رُوح و جاں کی نئے انداز سے پرورش کر رہا تھا۔

معلم اعظمؐ اور رسولِ معظم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اگر ظواہر پر توجہ دی ہے تو آپ نے سیرت و کردار کے ان سرچشموں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جو تربیت سے زیادہ مصفّٰی اور پاک ہوتے ہیں۔ انصار کی جو تربیت مہاجرین کے ہاتھوں، شعوری اور غیر شعوری طور پر، ہوتی رہی، اس سے حسنات بڑھتے گئے اور منکرات کم ہوتے چلے گئے۔ انصار کی وہ تمام صلاحیتیں اور قابلیتیں نکھر کر باہر آ گئیں جو نظامِ تربیت کی عدم موجودگی کے سبب مخفی رہی تھیں۔ اس سے پہلے صفحہ (۴۶۳) پر اس بات کی تصریح کر دی گئی ہے کہ تاثیر پذیری کے لیے جس "اتحادِ مذاق" کی ضرورت تھی، اس کی رعایت معلم اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے رشتہ ہائے مواخات میں رکھ دی تھی۔ اس کا فلسفہ یہ تھا کہ کمزور قوی انسان کے ساتھ بھائی چارے سے قوت حاصل کرے اور ضعیف قوی کے لیے قوت بازو بنے۔

مستشرقین (Orientalists) یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ:

Marfat.com

"رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تک مکّہ میں رہے، آپؐ کی حیثیت ایک مبلّغ اور پیغمبر کی تھی لیکن ہجرتِ مدینہ کے بعد آپ نے ایک سیاست دان اور ایک حکمران کی حیثیت اختیار کر لی۔"

گویا ان کے نزدیک مدینہ کی معاشرتی اور سیاسی فضا اس قدر خوشگوار اور سازگار تھی کہ وہاں پہنچتے ہی کامیابی کا ہرا بھرا میدان آپؐ کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ مسلمانوں کی میزبان جماعت جو "انصار" کے معزز لقب سے یاد کی جاتی ہے اِس قدر منظم، سیاستِ مُدن سے واقف، تدبیرِ منزل سے آگاہ اور مادی وسائل سے لیس تھی کہ اس نے فخرِ موجوداتؐ کو ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھنے کے لیے مدینے بُلا لیا جو آئندہ بہت وسیع اور نامور ہونے والی تھی۔

اغیار، اپنی غلط فہمی کے سبب، آپؐ کی زندگی کو، مکّی اور مدنی میں تقسیم کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مکّی زندگی مذہبی مصلحین کی سی تھی (جس میں تبلیغ دعوت تھی، زہد و ورع تھا اور تحنّث و تعبّد تھا) لیکن مدینہ میں پہنچ کر "جب قوت اور جمعیت حاصل ہوئی تو آپؐ کو سلطنت کے قیام کا خیال آیا جس کے لیے تلوار اٹھانی پڑی اور جہاد و قتال کو روا رکھا گیا"۔ یہ خیال مقامِ نبوت سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔

ایک نبی کے سامنے پہلی وحی نازل ہونے کے بعد سے ہی ایک واضح اور غیر مبہم نصب العین ہوتا ہے اور اس نصب العین کا حصول اس کی زندگی کا منتہیٰ و مقصود ہوتا ہے۔ فرق صرف اس کے پروگرام کی تقسیم کا ہے۔ شروع میں، وہ انسانی وسائل کی تعیین کرتا ہے، انھیں اکٹھا کرتا ہے، ان کی تربیت کا اہتمام کرتا ہے، ان کی توانائیوں کو جِلا بخشتا ہے اور پھر انھیں ایک راستے پر ڈالتا ہے۔ وہ تعداد سے کہیں زیادہ اپنے لوگوں (Followers ؛) کے قوائے جسمانی و ذہنی پر نظر رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ایک ہیرا کوئلے کے منوں ڈھیر سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ان میں نئی بصیرتیں پیدا کرے اور ان کی خودی کو "قطرۂ شبنم" کی طرح نرم بنانے کی بجائے اپنی ژرف نگاہی سے "قطرۂ الماس" کی طرح سخت بنا دے۔

نبی کا کام جتنا دشوار اور کٹھن ہے، اس کا اندازہ نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مکّی زندگی کے تیرہ برس سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس دوران میں معلمِ اعظمؐ نے آہنِ خام کو فولاد بنانے اور

Marfat.com

پارے کو "سیم ناب" میں تبدیل کرنے کے لیے جس سعی و کوشش اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا، وہ تاریخ عالم کا ایک سنہری باب ہے۔ یہ اسی کاوش و کاہش کا نتیجہ تھا کہ ایک ایسی قوم تیار ہو گئی جسے خداوندِ قدوس نے کبھی "صادقین" کے نام سے یاد فرمایا اور کبھی "منفقین" کے نام سے؛ کبھی اسے "متقین" کہہ کر پکارا اور کبھی "محسنین" کہہ کر؛ کبھی "اصحاب الیمین" کہہ کر ان کے درجات کی تخصیص فرمائی اور کبھی "اصحاب الجنۃ" کہہ کر ان سے اپنی خوشنودی اور رضامندی کا اعلان فرمایا۔

معاندین کا مکی زندگی اور مدنی زندگی میں اس طرح حدِ فاصل قائم کرنا کہ اگر مکی زندگی آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیاتِ جاوید کا جمالی پہلو تھی تو مدنی زندگی اس کا جلالی پہلو تھی؛ اگر مکی زندگی میں صبر و استقلال اور عفو و درگزر کا پہلو زیادہ نمایاں تھا تو اُن کے خیال میں مدنی زندگی "تیشۂ معمار" کی آئینہ دار تھی، نہ صرف حالات سے بے خبری کا نتیجہ ہے بلکہ مقدمے سے صحیح نتائج اخذ کرنے کی عدم قابلیت بھی ہے۔ حالانکہ معمارِ فنِ تعمیر کی پنسل کے ابتدائی نشانات سے لے کر تیشۂ معمار کی آخری ضرب تک تمام مراحل پیشِ نظر عمارت کی تکمیل ہی کے اجزاء ہوتے ہیں۔ انھیں الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ دونوں ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو پہلا مرحلہ جو بظاہر خاموش اور غیر محسوس نظر آتا ہے، دوسرے مرحلے کی نسبت زیادہ صبر آزما اور "انقلاب در آغوش" ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مکی زندگی کا ہر قدم اس نصب العین کی طرف بڑھ رہا تھا جو پہلے دن سے آپ کے لیے متعین کیا جا چکا تھا۔ اور وہ تھا "اسلامی نظامِ زندگی کو باقی تمام نظام ہائے زندگی پر غالب کرنا"۔ اسی عظیم مقصد کے حصول کے لیے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے۔

معترضین یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار کے درمیان "مواخاۃ" فوجی ہم آہنگی اور عسکری مطابقت پیدا کرنے کے لیے ضروری سمجھی گئی تھی۔ حالانکہ وہ حالات کی اِس سنگینی کا اندازہ نہیں لگا سکے جس کا ختمی مرتبت کو سامنا تھا۔ وہ قریش کی ان دھمکیوں سے بے خبر ہیں جو انصار کو صرف اس لیے دی گئی تھیں کہ انھوں نے خدا کے رسولِ مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے ہاں پناہ دی تھی۔ اور مہاجرین کو مکہ چھوڑنے کے بعد اپنے ہاں بسانے کا فیصلہ کیا تھا۔ انھوں نے منافقین کی ان چالوں کو

Marfat.com

بھی سمجھنے کی کوشش نہیں کی جن کا مقصد پُرامن شہریوں کے درمیان اختلافات کی خلیج کو وسیع کرنا تھا۔ انھوں نے یہودیوں کی ان دسیسہ کاریوں اور بداعمالیوں کی طویل فہرست پر بھی نگاہ نہیں ڈالی جن کا مقصد حقائق کا چھپانا، نبی آخرالزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جھٹلانا اور اوس و خزرج کے قبائل میں منافرت پھیلانا تھا۔ مسلمانوں کی سربلندی اور ترقی و خوشحالی اس "راندۂ درگاہ" قوم کی آتشِ حسد کو بھڑکاتی رہی۔

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ "نو واردانِ بساطِ عشق" کو قریش کی دھمکیاں ڈرا سکیں نہ منافقین کی حیلہ بازیاں؛ یہود کی سیاہ کاریاں مضطرب رکھ سکیں نہ مذہب کے ٹھیکیداروں کی نکتہ طرازیاں۔

رافع بن حُریملہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو اِس مطالبے کے ساتھ کہ:

"اگر آپ اپنے دعویٔ نبوت میں سچے ہیں تو اللہ میاں سے کہیں کہ ایک لکھی لکھائی کتاب ہم پر نازل کر دے جسے ہم پڑھ سکیں۔ نیز ہمارے سامنے ٹھنڈے پانی کے چشمے جاری کر دے تاکہ ہم آپ کی صداقت کی گواہی دے سکیں۔" ۲۷

اِس کے بعد یہود کا ایک گروہ حاضرِ خدمت ہوا جس میں عبداللہ بن صبور، کِنانہ بن رَبیع اور کعب بن اَسد ایسے اصحابِ جُبّہ و عمامہ شامل تھے۔ اور اسی مطالبے کو دُہرانے آئے تھے جو چند روز قبل رافع نے پیش کیا تھا۔ قرآنِ مجید نے ان کے مفتریات کا جواب اپنی الہامی زبان میں اس طرح دیا ہے:

"کہ ہم نے آپ کو (نوعِ انسان کی ہدایت کے لیے) بھیجا ہے اور اس لیے کہ (ایمان و عمل کی برکتوں کی) بشارت دیں اور (انکارِ حق کے نتائج سے متنبہ کریں۔ (آپ کی دعوت تمام تر خداپرستی اور نیک عملی کی دعوت ہے۔ پھر جو لوگ نشانیاں مانگ رہے ہیں، اگر ان میں فی الحقیقت سچائی کی طلب ہے تو غور کریں۔ آپ کی دعوت سے بڑھ کر اور کونسی نشانی ہو سکتی ہے) ۲۸

زید بن اللُّصَیت ایک اور بدطینت انسان تھا۔ ایک مرتبہ آپ کی اونٹنی کھو گئی۔ جب زید کو پتہ چلا تو کہنے لگا:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے پاس آسمان کی خبر آتی ہے۔ حالانکہ وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے۔" ۲۹

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان باتوں سے آگاہ کر دیا جن سے زید کا پیٹ پھولا جا رہا تھا۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

"ایک کہنے والے نے کہا ہے کہ محمدؐ (فداہ ابی وامی) یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے پاس آسمان سے خبر آتی ہے۔ حالانکہ وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کی اونٹنی کہاں ہے۔ خدا کی قسم! میں بے شک نہیں جانتا مگر وہی چیز جس کی اطلاع مجھے اللہ تعالیٰ سے ملتی ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اس کی جانب میری رہنمائی فرما دی ہے اور وہ اس گھاٹی میں ہے جہاں ایک درخت نے اس کی نکیل روک رکھی ہے۔" (۳۰)

مستشرقین یہود کے جحود و انکار، نسلی غرور اور استکبار سے پوری طرح واقف ہیں جنھوں نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے "اس نبیؐ" کا انکار کر دیا جس کے تذکارِ مقدس سے ان کے صحائف مزین تھے۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ پیغمبرِ اعظمؐ و آخر کا ذکرِ جمیل اور اسلام کی ترقی ان کی تنگ مزاجی اور چڑچڑاہٹ میں اضافہ کر دیتی ہے۔

یہود کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پہچان بالکل اسی طرح سے تھی جس طرح انھیں اپنی اولاد کی پہچان تھی۔ ایک مرتبہ شارع علیہ السلام نے ابنِ صوریا (ایک یہودی عالم) سے پوچھا:

"کیا توراۃ میں شادی شدہ زنا کرنے والے کے لیے رجم کا حکم ہے"؟

اس نے عرض کیا:

"اَللّٰھُمَّ نَعَمْ۔ اَمَا وَاللّٰہِ یَا اَبَا الْقَاسِمِ۔ اِنَّھُمْ لَیَعْرِفُوْنَ اَنَّکَ نَبِیٌّ مُرْسَلٌ وَلٰکِنَّھُمْ یَحْسُدُوْنَکَ" (۳۱)

یہود کے ان رویوں پر اُمّ المومنین حضرت صفیہؓ سے بہتر شہادت اور کس کی ہو سکتی ہے۔ وہ ایک عظیم یہودی عالم (حُیَیّ بن اَخطب) کی بیٹی اور ایک دوسرے صاحبِ علم (ابو یاسر بن اخطب) کی بھتیجی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں:

"جب نبی اکرمؐ مدینے تشریف لائے تو میرے باپ اور چچا دونوں آپؐ سے ملنے گئے۔ دن بھر آپؐ سے گفتگو رہی۔ پھر جب شام کو گھر واپس لوٹے تو میں نے اپنے کانوں سے ان کو یہ گفتگو کرتے سُنا:

Marfat.com

چچا: کیا یہ "وہی نبی" ہے جس کا ذکر ہماری کتابوں میں ملتا ہے؟

والد: خدا کی قسم۔ ہاں

چچا: کیا تم کو اس کا یقین ہے؟

والد: کیوں نہیں۔

چچا: پھر کیا ارادہ ہے؟

والد: جب تک دم میں دم ہے۔ اس کی مخالفت کرتا رہوں گا اور اس کے پیغام کو پھیلنے نہ دوں گا۔" (عَدَاوَتُهُ وَاللهِ مَا بَقِيتُ)

غالباً یہود کے انہی رویّوں اور کردار کے پیشِ نظر خداوندِ علیم و قدیر نے سورہ البقرہ کی پہلی ایک سو آیات نازل فرمائیں اور ان الزامات کی توثیق فرما دی جو اُن کے خلاف دیگر آسمانی صحائف میں لگائے گئے تھے۔ البقرہ کی آیت: ۸۷ اُن کے آیاتِ باہرہ سے انکار اور استکبار پر اس طرح شہادت پیش کرتی ہے :

أَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُولٌۢ	(تو کیا جب کبھی تمھارے پاس کوئی
بِمَا لَا تَهْوَىٰٓ أَنفُسُكُمُ	رسول ایسی چیز (احکام و فرائض) لے
ٱسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا	کر آیا جسے تمھارے نفس پسند نہ کرتے
كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا	تھے، تو تم نے تکبر کیا۔ پھر ایک جماعت
تَقْتُلُونَ ۝	کو تم نے جھٹلایا اور ایک کو تم قتل کر
	رہے ہو۔)

'مکافاتِ عمل' کا اصول جو اس کائنات میں جاری و ساری ہے، اِس بات کا متقاضی تھا کہ انھیں ان کے اعمالِ بد کی قرارِ واقعی سزا دی جاتی۔ چنانچہ انھیں مستوجب لعنت قرار دیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے :

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتَٰبٌ مِّنْ عِندِ ٱللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ
وَكَانُوا۟ مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ فَلَمَّا
جَآءَهُم مَّا عَرَفُوا۟ كَفَرُوا۟ بِهِۦ ۚ فَلَعْنَةُ ٱللَّهِ عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ ۝

Marfat.com

اِس سے پہلے ان پر حضرت داؤد، اور حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے لعنت بھیجی جا چکی تھی جس کا ذکر زبور ۸۰: ۲۱-۲۳ اور متی ۲۳: ۳۱-۳۲ میں ملتا ہے۔ قرآنِ مجید اس کی تصدیق کرتے ہوئے فرماتا ہے :

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ
دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا
يَعْتَدُوْنَ ۝ [۳۴]

مستشرقین میں سے سر ولیم میور عذاب کی اِن آیات سے بہت چڑتا ہے جو کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ خداوندِ بزرگ و برتر نے ایک طرف تو مسلمان عربوں کو جو خشک اور بے برگ و بار شہر کے باسی تھے، جنت اور اس کی لذات کا یاد دلا کر اُن کے جذبۂ حرص و آز کو اُبھارا ہے اور دوسری طرف خوفناک عذاب کا ذکر کر کے منکرینِ دعوتِ انقلاب کو ڈرایا ہے۔ جنت کا ذکر کرتے ہوئے سر ولیم میور نے سورہ الواقعہ ۵۶ کی آیات ۲۰ تا ۲۶؛ سورہ الطور ۵۲ کی آیات ۲۰ تا ۲۱؛ سورۃ الدھر ۷۶ کی آیات ۱۲ تا ۱۹ اور المرسلٰت ۷۷ کی آیات ۴۱ تا ۴۴ کا حوالہ دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ مناظر ان (بھوکے) لوگوں کے تخیل کو مسخر کرنے کے لیے پیش کیے ہیں[۳۵] حالانکہ یہ اَجر ہے ان اعمالِ حسنہ کا، اِس پاکیزہ زندگی کا اور اس تقویٰ اور پرہیزگاری کا جو وہ توفیقِ ایزدی سے دُنیا میں سمیٹتے رہے۔ سورہ الطور میں ارشاد ہوتا ہے :

"بے شک متقی لوگ باغوں اور سامانِ عیش میں ہوں گے اور خوش ہو رہے ہوں گے ان نعمتوں سے جو اُن کے پروردگار نے انھیں دی ہیں۔

اور ان کا پروردگار انھیں عذابِ جہنم سے محفوظ رکھے گا۔ . . . وہ تکیہ لگائے ہوں گے برابر بچھے ہوئے تختوں پر اور ہم ان کی تزویج کریں گے ایسی عورتوں کے ساتھ جو گوری اور بڑی بڑی آنکھوں والی ہوں گی۔[۳۶]

سورہ الواقعہ میں پاکیزہ لوگوں کے اجر کو اِس طرح بیان فرمایا :

"ان (سابقون الاوّلون) کے لیے میوے ہیں جنھیں وہ پسند کریں۔ اور پرندوں کا گوشت ہے جو انھیں مرغوب ہے۔

Marfat.com

اور گوری، بڑی آنکھوں والیاں ہیں جیسے پوشیدہ موتی (دُرِّ مکنون) یہ ان کے عمل کے صلہ میں ملے گا۔ [۳۷]

اَب صاحب موصوف قرآنِ مجید سے جہنم کا نقشہ پیش کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ قرآنِ مجید کا اسلوب بناوٹی اور مصنوعی دکھائی دیتا ہے (نعوذ باللہ) اس پر تبصرے کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ دوم ص ۱۲۳-۱۲۹

سورہ الرحمٰن میں ارشاد ہوتا ہے:

"یہی وہ جہنم ہے جسے مجرم لوگ جھٹلاتے ہیں۔
ان لوگوں کو پھرایا جائے گا جہنم اور اس کے گرم کھولتے ہوتے پانی کے درمیان [۳۸]

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

"بہت سے چہرے اُس روز ذلیل ہوں گے مصیبت جھیلتے ہوں گے اور خستہ (تن) ہوں گے۔ جلتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ کھولتے ہوتے چشمے سے انھیں پانی پلایا جائے گا۔ انھیں کوئی کھانا نہ ملے گا بجز خار دار جھاڑیوں کے۔ نہ وہ فربہ کرے گا اور نہ بھوک ہی دُور کرے گا۔" [۳۹]

حالانکہ آیت مبارکہ ۶۰ کے اندر وہ اصول بیان کر دیا گیا ہے جس کی بنیاد پر انسان کو اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

"هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ۝ (کمالِ اطاعت کا بدلہ بجز کمالِ عنایت کے کچھ اور نہیں۔)

Marfat.com

تعلیقات (باب پندرہواں)

۱۔ السیرۃُ النبویۃ۔ ابنِ ہشام۔ ج ۲، ص ۴۹۲؛ الطبقات الکبریٰ۔ ابن سعد، ج ۱، ص ۲۳۲
(یَا بَنِي قَيْلَه، هٰذَا جَدُّكُمْ قَدْ جَاءَ)

۲۔ ایضاً ″ ″ ایضاً

۳۔ ایضاً ″ ″ ج ۲، ص ۴۹۳؛ الطبقات الکبریٰ۔ ابنِ سعد، ج ۱، ص ۲۳۶۔

۴۔ قرآنِ مجید۔ سورہ التوبہ ۹ : ۱۰۸

(لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۚ۔ آپ (مسجدِ ضرار) میں کبھی بھی نہ کھڑے ہوں۔ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر اول روز سے پڑی ہے، وہ واقعی اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں)

۵۔ سیرۃ النبی۔ علامہ شبلی نعمانی / سید سلیمان ندوی، ج ۱، ص ۲۷۸

ترجمہ درج ذیل ہے :

"چاند نکل آیا۔ کوہِ وداع کی گھاٹیوں سے
ہم پر خدا کا شکر واجب ہے۔ جب تک دُعا مانگنے والے دُعا مانگتے رہیں گے۔
ہم خاندانِ نجار کی لڑکیاں ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اچھے ہمسائے ہیں

۶۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابنِ ہشام۔ ج ۲، ص ۴۹۵-۴۹۶؛ الطبقات الکبریٰ۔ ابنِ سعد، ج ۱، ص ۲۳۷۔

۷۔ سیرۃ النبی۔ علامہ شبلی نعمانی / سید سلیمان ندوی، ج ۱، ص ۲۷۶-۲۹۶

Marfat.com

۸۔ فتح الباری۔ ج ۷، ص ۱۹۲

۹۔ الصحیح البخاری۔ علامہ بخاریؒ۔ کتاب الصلوٰۃ۔ عن انس بن مالکؓ؛ دائرۃ المعارف اسلامیہ؛
ج ۳، ص ۳۱۶۔

۱۰۔ الصحیح البخاری۔ علامہ بخاریؒ۔ کتاب الصلوٰۃ۔ عن عکرمہؓ

۱۱۔ ایضاً - 〃 - کتاب الصلوٰۃ۔ عن انس بن مالکؓ

۱۲۔ ایضاً - 〃 - کتاب الصلوٰۃ۔ عن عبداللہ بن عمرؓ

۱۳۔ ایضاً - 〃 - کتاب الصلوٰۃ۔ عن (حضرت) عائشہؓ

۱۴۔ ایضاً - 〃 - باب الأذان

۱۵۔ سیرۃ النبیﷺ۔ علامہ شبلی/ سید سلیمان ندوی۔ ج ۱، ص ۲۸۳

۱۶۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابن ہشام۔ ج ۲، ص ۵۰۵

۱۷۔ الصحیح البخاری۔ علامہ بخاریؒ۔ کتاب المناقب۔ باب إخا النبیﷺ

۱۸۔ قرآن مجید۔ سورہ الانفال ۸: ۷۲

۱۹۔ ایضاً - 〃 ۸: ۷۴-۷۵

۲۰۔ سیرۃ النبیﷺ۔ علامہ شبلی نعمانی/ سید سلیمان ندوی۔ ج ۱، ص ۲۸۸-۲۹۲

۲۱۔ عیون الاثر۔ ابن سید الناس۔ ج ۱، ص ۲۰۱

۲۲۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابن ہشام ج ۲، ص ۵۰۵

۲۳۔ قرآن مجید۔ سورہ الحشر ۵۹: ۸-۹

۲۴۔ مسلمان یورپ میں۔ محمد احسان الحق سلیمانی۔ ص ۳۳۳

۲۵۔ Islam and the Integration of Society
ایم۔ وٹ ص ۲۱

۲۶۔ The Arab Civilization جوزف ہل۔ ص ۲۲

۲۷۔ قرآن مجید۔ سورۃ الاسریٰ ۱۷: ۹۰-۹۳

۲۸۔ قرآن مجید۔ سورہ البقرہ ۲: ۱۱۹

Marfat.com

۲۹۔ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور۔ ج ۱، ص ۷ ix ۱ ؛ السیرۃ النبویہؐ : ابن ہشام، ج ۲،
ص ۵۲۷۔

۳۰۔ السیرۃ النبویہؐ۔ ابنِ ہشام۔ ج ۲، ص ۵۲۷

۳۱۔ خصائص الکبریٰ۔ ج ۱، ص ۱۹۳

۳۲۔ السیرۃ النبویہؐ۔ ابن ہشام۔ ج ۲، ص ۵۱۹

۳۳۔ قرآنِ مجید۔ سورہ البقرہ ۲ : ۸۹

۳۴۔ ایضاً ۔ سورہ المائدہ : ۷۸

۳۵۔ حیاتِ محمدؐ ۔ سر ولیم میور ۔ ج ۲، ص ۱۴۱۔۱۴۵

۳۶۔ قرآنِ مجید ۔ سورہ الطور ۵۲ : ۱۷۔۲۰

۳۷۔ ایضاً ۔ سورہ الواقعہ ۵۶ : ۲۴۔۳۰

۳۸۔ ایضاً ۔ سورہ الرحمٰن ۵۵ : ۴۳۔۴۴

۳۹۔ ایضاً ۔ سورہ الغاشیہ ۸۸ : ۲۔۷

Marfat.com

باب سولہواں

یہودیوں کی دسیسہ کاریاں
اور
منافقین کی فتنہ سامانیاں

یہودیوں کے جذبات مشتعل تھے اور ان کا طیش و غصہ اپنے عروج پر تھا جب رجب یا شعبان ۲ھ میں تحویلِ قبلہ کا حکم حضرت جبریلؑ امین لے کر آئے۔[۱] اس سے پہلے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سولہ سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے رہے تھے۔[۲] اس حکم نے نہ صرف یہود کے ان خیالات کا کہ

"مسلمانوں نے اگر ہمارا قبلہ اختیار کر رکھا ہے تو وہ بہت جلد ہمارے مذہب کی طرف بھی لوٹ آئیں گے۔"

ابطال کر دیا بلکہ انھیں قوموں کی امامت سے بھی محروم کر دیا۔ مالکِ حقیقی نے "قانونِ مجازات" کے تحت ان کی سلطنت کے سقوط پر آخری مُہر ثبت کر دی اور اُن کا نام زندہ قوموں کی فہرست سے نکال دیا۔ اس طرح وہ "ابدی وعدہ" جو حضرت اسحٰقؑ کے ساتھ ہوا تھا ختم ہو گیا۔[۳] ملّتِ حنیفہ اُمّتِ وسط" قرار پائی۔ یہ واقعہ اتنا مہتم بالشان تھا کہ یہودی اس پر ناگواریِ خاطر کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکے۔ انھوں نے اس موقع پر تضحیک و استہزا کی وہ پھلجھڑیاں چھوڑیں جو ان کی سفاہت اور کم عقلی کی دلیل تھیں۔ یہ حال تھا اس قوم کا جس کے پاس وحیِ الٰہی کی روشنی تھی (اگرچہ انھوں نے ایمان و خدا پرستی کی حقیقت کھو دی تھی اور اعتقاد و عمل کی تمام سچائیوں سے محروم ہو گئے تھے)؛ جو موحد تھی (اگرچہ شرک اور گوسالہ پرستی ان کی نس نس میں سرایت کر چکی تھی) تورات کی حامل تھی۔ (اگرچہ اس کی پاکیزہ تعلیمات کو پسِ پُشت ڈال چکی تھی اور اس میں الحاق و تحریف کی مرتکب ہوتی تھی)؛ اور مدتِ مدید سے "اِس نبیؐ" کی آمد کی منتظر تھی جس کا وجود مسعود اس کے لیے خوش حالی،

Marfat.com

رفعتِ شان اور قوت و شوکت کا باعث بننے والا تھا لیکن جب وہ تشریف لے آئے تو اس نے نہ صرف دعوتِ حق پر لبیک کہنے سے انکار کر دیا بلکہ آنحضور (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی شمعِ حیات کو بھی گُل کر دینے کے لیے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔

انھوں نے تحویلِ قبلہ کے فیصلے کو ایک ایسا جارحانہ اقدام قرار دیا جس کے بعد مفاہمت اور مصالحت کے تمام دروازے بند ہو گئے۔ اچھا ہوا کہ مسلمانوں کا وہ "حُسنِ ظن" جو انھیں اہلِ کتاب کے بارے میں تھا جاتا رہا۔ اور انھیں پتہ چل گیا کہ انھیں دوسروں پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی اعانت و نُصرت اور اپنے دست و بازو پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ اب ذرا ان منافقین کی شرانگیزیوں اور فتنہ سامانیوں کو دیکھیے جو نئی دعوتِ انقلاب کے مقابلے کی تاب نہ لا کر کمین گاہوں میں چُھپ گئے تھے اور مشرکینِ مکہ اور یہودِ مدینہ کا آلۂ کار بن کر اس عظیم تحریک کو ناکام بنانے کی مذموم کوشش کر رہے تھے جسے عرب اور اس کے باہر بہت جلد پذیرائی حاصل ہونے والی تھی۔ انھوں نے اوس اور خزرج کے اختلافات کو ہوا دینے کے لیے کون سی کسر اٹھا رکھی تھی؟ تبلیغِ دین اور دعوتِ حق کے پروگرام کو سبوتاژ کرنے کے لیے وہ کونسا حربہ تھا جو انھوں نے اختیار نہ کیا؟ جنگِ اُحد اور احزاب میں مسلمانوں کی شکست و ہزیمت کو یقینی بنانے کے لیے وہ کون سے ہتھکنڈے تھے جو انھوں نے نہ آزمائے ہوں؟ جنگِ تبوک میں عدمِ شرکت کے لیے وہ کون سے حیلے بہانے تھے جو انھوں نے پیش نہ کیے ہوں۔

حضرت اسعدؓ بن زرارہ کی فوتیدگی پر آنحضور (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی تکذیب کے لیے ان کی حرکات افسوسناک اور تکلیف دہ تھیں۔ ان افواہوں کے پیشِ نظر جن کو انھوں نے ہوا دی تھی، آنحضور (صلّی اللہ علیہ وسلّم) یہ کہنے پر مجبور ہو گئے:

بِئْسَ الْمَيِّتُ أَبُو أُمَامَةَ	(حضرت ابُو امامہ کی موت یہودیوں اور
لِيَهُودَ وَمُنَافِقِي الْعَرَبِ	منافق عربوں کے لیے مصیبت کا باعث
يَقُولُونَ: لَوْ كَانَ نَبِيًّا لَمْ	بن گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ شخص
يَمُتْ صَاحِبُهُ وَلَا أَ	(یعنی مرتبتؐ) نبی ہوتے تو آپؐ کے
أَمْلِكُ لِنَفْسِي وَلَا لِصَاحِبِي	دوست (حضرت امامہؓ) کبھی نہ مرتے۔

Marfat.com

مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ ۝ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہ اپنی ذات کے لیے کچھ قدرت رکھتا ہوں اور نہ اپنے دوست کے لیے)

حضرت عائشہؓ پر افک میں جو الزام لگایا گیا اور غزوۂ تبوک میں آپؐ کو قتل کرنے کی جو سازش ہوئی، وہ انہی منافقین کی حیلہ جوئیوں کا نتیجہ تھیں۔ یہ خداوندِ قدوس کا کرم تھا کہ اس نے مسلمانوں کو منافقوں کے عظیم گروہ سے اِس طرح علیحدہ کر دیا جس طرح سونا دھول سے علیحدہ کر لیا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ ۝ (جس حال میں تم ہو اللہ تعالیٰ اس پر ایمان والوں کو چھوڑے رکھنے کا نہیں۔ جب تک کہ وہ ناپاک سے الگ نہ کرے)

اور ملاحظہ ہو النساء کی آیت ۸۳ جس میں خدائے بزرگ و برتر نے منافقین کے دجل و فریب سے آگاہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو اِن افواہوں پر ٹھنڈے دِل سے غور کرنے اور ان سے صحیح نتیجہ اخذ کرنے کا حکم دیا ہے جو اُن کے درمیان اختلافات کو ہوا دینے اور ان کی جمعیت کو پریشان کرنے کے لیے پھیلائی جا رہی تھیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"یہ لوگ جہاں کوئی اطمینان بخش یا خوفناک خبر سُن پاتے ہیں، اسے لے کر پھیلا دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ اسے رسولؐ اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجاتے جو اُن کے درمیان اِس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں۔ تم لوگوں پر اللہ کی مہربانی اور رحمت نہ ہوتی تو معدودے چند کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے لگ چکے ہوتے۔"

یہ مسلمانوں کے اعصاب کی آزمائش کا سب سے کٹھن دور تھا۔ اِن حالات میں یہ سوچنا کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ کے مسلمانوں کو مشرکینِ مکہ اور دشمنانِ اسلام سے بدلہ لینے کے لیے اکسانا شروع کر دیا تھا، ان کے اموال کو لوٹنے، ان کی عزت کے ساتھ کھیلنے اور ان کو بجبر و اکراہ مسلمان بنانے کے لیے تحریکِ ذہنی کا آغاز کیا تھا، تاریخ سے کس قدر مذاق ہے اور اسلام سے لاعلمی کا

اظہار ہے؟ سورہ انفال میں خداوندِ قدوس مسلمانوں پر اپنی بے پایاں عنایات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ (الانفال ۸ : ۲۶)	(اور یاد کرو (اس حالت کو) جب تم تھوڑے تھے اور ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے۔ تم ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تم کو اچانک کھسوٹ نہ لیں۔ سو اللہ نے تمھیں پناہ دی اور اپنی نصرت سے تمھاری تائید کی)

کہیے ! اِن حالات میں جب ہر طرف سازشوں کے جال بُنے جارہے تھے اور باطل قوتیں اپنی طاقت کا لوہا منوانے پر تُلی ہوئی تھیں، وہ کونسا خیال تھا جو "عرب کے وحشیوں" کو برسرِ پیکار رکھ سکتا تھا کیا یہ وقت اپنے تحفظ و بقا کے لیے ضروری اسباب مہیا کرنے کا تھا یا جارحانہ اقدام کے لیے تیاری کا کیا یہ وقت تلوار کو میان میں کرنے کا تھا یا تلوار کھینچنے کا ؟ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدینے میں داخل ہونے کے بعد ترجیحی بنیادوں پر جو کام شروع کیا وہ مسجد کی تعمیر کا تھا تاکہ مسلمانوں کے مختلف طبقوں میں اِتحاد و یگانگت کے علاوہ نظم و ضبط پیدا کیا جاسکے۔ دوسرا کام "مواخاۃ" کا تھا اور تیسرا "میثاقِ مدینہ" کا۔ تاکہ تمام گروہوں کی وفاداریاں یقینی بنائی جاسکیں اور اندرونی استحکام کے ذریعے بیرونی جارحیت کا مقابلہ کیا جاسکے۔

ہاں۔ اس میں شک نہیں کہ "ملتِ اسلامیہ" کے فرزند چاک و چوبند تھے، عزائم ان کے بلند تھے، خدائے بزرگ و برتر پر ایمان، نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی انقلاب آفریں قیادت پر اعتماد اور نئے حالات میں جینے کا حوصلہ ـــــ ان کی ایسی خصوصیات تھیں کہ "ملتِ کفر" اپنی کثرت اور قوت کے باوجود انھیں ڈرا سکی نہ مرعوب کرسکی۔

اِس مسئلے کا ایک پہلو اور بھی ہے جسے اکثر نظر انداز کردیا جاتا رہا ہے۔ وہ ہے یثرب کی آب و ہوا اور اس سے جنم لینے والے امراض جن کے سبب مہاجرین ایک مدت تک مبتلائے درد و الم رہے اِن حالات میں یہ افواہ بھی پھیلادی گئی کہ مدینہ کے یہودیوں نے مسلمانوں پر جادو کردیا ہے۔

Marfat.com

حضرت ابوبکرؓ اپنے بستر پر پڑے کراہ رہے ہیں۔ بخار کی وہ شدت ہے کہ ہوش وحواس گم ہیں۔ ایک شعر وردِ زباں ہے ؎

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ وَالْمَوْتُ أَدْنَى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ ○

اور یہ ہیں حضرت بلالؓ۔ مسجد کے چبوترے (صفہ) پر پڑے کروٹیں بدل رہے ہیں اور لڑکھڑاتی آواز میں شعر کہہ رہے ہیں، جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"شاعر کا طائرِ خیال اسے مکہ کی وادیوں اور پہاڑیوں کی طرف لے جاتا ہے جن کے دامن میں اذخر اور جلیل ایسی خوشبودار گھاس اُگی ہے۔ اور صاف پانی کے چشمے بہہ رہے ہیں۔ (گویا کہ مکہ یاد آرہا ہے جسے وہ خدا کی رضا کے لیے چھوڑ آئے ہیں)

حضرت عامرؓ کا یہ حال ہے کہ وہ موت کے آنے سے پہلے موت کی چاپ سُن رہے ہیں[9]۔ ایک اور صحابی جن کا نام حضرت شدادؓ ہے اسی قسم کے بخار میں مبتلا ہیں۔ سردی سے ان کے دانت بج رہے ہیں اور جسم پر کپکپی طاری ہے۔ محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پتہ چلا تو حضرت شدادؓ کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے آئے۔ حضرت شدادؓ نے عرض کیا:

"کیا اچھا ہوتا کہ اس وقت بطحا کا ٹھنڈا اور میٹھا پانی پینے کو مل جاتا"!

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: چلے جاؤ۔ اور جا کر پی آؤ۔ کون روکتا ہے؟

عرض کیا: ہجرت!

فرمایا: تم جہاں بھی ہو گے، مہاجر ہی کہلاؤ گے۔

یہودیوں جیسی تنگ نظر اور کج رو قوم کی موجودگی میں، جسے تنزیل قرآن سے انکار اور تقلیدِ آباء پر اصرار تھا؛ منافقین جیسے گروہ کے ہوتے ہوئے جس کی سفاہتیں اور فتنہ انگیزیاں ضرب المثل تھیں، یثرب کی آب وہوا نے بھی "نووارداں بساطِ عشق" کو خوب آزمایا۔ حالت یہ تھی کہ صحابہ کبارؓ نے نماز بیٹھ کر ادا کرنی شروع کی۔ طاقت ہوتی تو بیچارے کھڑے ہو کر ادا کرتے۔ سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا تو محسوس کیا کہ اغیار ہمارے اس ضعف اور کمزوری پر ہنسیں گے، خندہ زن ہوں گے۔ یہ صورت حال آپؐ کو پسند نہ آئی۔ ایک دن جب اکثر صحابہ کبارؓ بیٹھ کر نماز ادا کر رہے تھے، آپؐ مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا:

Marfat.com

اِعْلَمُوْا اَنَّ صَلٰوۃُ الْقَاعِدِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ صَلٰوۃِ الْقَائِمِ

یہ بات جان لو کہ بیٹھے ہوئے کی نماز کھڑے ہوئے کی نماز کی آدھی ہوتی ہے۔

صحابہ کبار (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے بیماری اور کمزوری کے باوجود "ثواب" کی خاطر کھڑے ہو کر نماز ادا کرنی شروع کی۔

یہ مدت بھی طویل ہوتی گئی۔ بخار تھا کہ پیچھا نہ چھوڑتا تھا۔ بخار کی شدت کے سبب ان کی بہکی بہکی باتیں عزیزوں اور رشتہ داروں کو ہراساں کیے دیتیں۔ آخر نبی اکرمؐ نے اپنے مالک کے حضور یہ دعا فرمائی:

"اے اللہ! ہمارے لیے مدینہ کو ویسا ہی محبوب بنا دے جیسا کہ تو نے بطحا کو ہمارے لیے پسندیدہ بنایا تھا۔ تو ہمارے لیے اس کے مدّ و صاع میں برکت عطا فرما۔ اور اس وبا (بخار) کو مھیعہ کی طرف بھیج دے۔"

مستشرقین نے مدینۃ النبیؐ کے ابتدائی دور کا مطالعہ جس کسل مندی سے کیا ہے، وہ ان کے تعصب اور حقیقت ناپسندانہ رویے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ محبوبِ داور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہجرت کے مصائب کا ذکر کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا تھا:

"اِنَّ شَانَ الْهِجْرَةِ لَشَدِيْدٌ" (ہجرت کا معاملہ بڑا سنگین ہے)

ایک مرتبہ ایک بدو مسجد نبویؐ میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں کفر سے تنگ آ چکا ہوں اور فاسقانہ رسم و رواج سے نجات چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا اسلام قبول کرتے ہو؟ عرض کیا: کیوں نہیں اسی لیے تو حاضر ہوا ہوں۔ اس نے آپؐ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ اتفاق کی بات ہے کہ یثرب کے بخار نے اسے آ لیا اور لگا وہ پچھاڑیں کھانے۔ جن اوہامِ باطلہ کا شکار وہ رہ چکا تھا، ان کے پیشِ نظر اس نے سمجھا کہ اس کی بیماری اسلام ہی کے راستے سے آتی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی بیعت توڑ دی اور صحرا میں واپس چلا گیا۔ جب آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا:

تَنْفِي النَّاسَ كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ

(مدینہ لوہار کی بھٹی ہے۔ وہ (برے) لوگوں کو اس طرح نکالتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کی میل نکال دیتی ہے۔

Marfat.com

علامہ ترمذیؒ بھی اپنے "جامع" میں اسی قسم کی حدیث لاتے ہیں جس کے معانی درج ہیں :

" مدینہ سونار کی بھٹی ہے جو میل کچیل کو چھانٹتا ہے اور ستھرے کو نکھارتا ہے "۔[۱۲]

مستشرقین نے مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت پر تنقید کرنے اور تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کی جس قدر کوشش کی ہے، مسلمان مورخین اور اصحاب سِیَر نے ان کی صداقت کو اجاگر کرنے کے لیے اسی قدر زیادہ محنت و کاوش اور تحقیق و جستجو سے کام لیا ہے۔ مہاجرین اسلام نہ صرف یثرب کی آب و ہوا کے سبب تپ لرزہ میں مبتلا رہے بلکہ ان کی فاقہ مستی بھی رنگ لائی۔ حضرت ابوہریرہؓ جن کا اکثر وقت اللہ اللہ کرنے، محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معمولاتِ زندگی کا مشاہدہ کرنے اور آپؐ کی باتیں سننے میں گزرتا، کئی مرتبہ حضرت عائشہؓ کے حجرے اور منبرِ رسولؐ کے درمیان بھوک اور فاقہ کی شدت کے سبب گرے ہوئے پائے گئے۔ لوگ انھیں آسیب زدہ سمجھ کر چھوڑ دیتے۔ ایک دن جب وہ بھوک کے ہاتھوں سخت لاچار تھے، انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کو آتے دیکھا تو لگے ان سے قرآنِ حمید کی ان آیات کے متعلق دریافت کرنے جن میں خیرات کرنے، محتاجوں اور ضرورتمندوں کی حاجت روائی کرنے اور ان کی حالت پر طنز و تعریض کے تیر برسانے سے گریز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ضروری تشریح تو کر دی لیکن دل کی بات نہ سمجھ سکے۔ کچھ دیر بعد، یہی معاملہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا لیکن وہ بھی ان کے بشرہ اور آثار سے بات کی تہ تک نہ پہنچ سکے۔ اسی اثنا میں رحمۃ للعلمینؐ کا گزر وہاں سے ہوا۔ آپؐ نے حضرت ابوہریرہؓ کو اس پریشان کن حالت میں دیکھا تو فوراً گھر تشریف لائے۔ کچھ دودھ پیالے میں ڈال کر وہاں پہنچے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے دودھ پیا تو جان میں جان آئی۔ حضرت فضالہ بن عبیدؓ سے مروی ہے کہ بسا اوقات " اصحابِ صفہ " عین حالتِ نماز میں بیہوش ہو کر گر پڑتے اور اگر باہر سے کوئی بدوی آتا تو وہ انھیں مجنون سمجھتا۔[۱۳]

اسلام کے ان ضعفاء پر ہی کیا موقوف ہے جن میں اصحابِ صفہ، شامل تھے، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے عظیم المرتبت لوگ بھی کئی کئی راتیں بھوک پیاس سے کاٹتے۔ ایک روز حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان تکالیف کا ذکر کیا جو غریب الوطنی، بیماری اور بھوک کے سبب پیدا ہوتی ہیں۔ محبوبِ داورِ حشرؐ نے فرمایا: میرا حال بھی تم سے مختلف نہیں ہے۔ کئی دنوں سے پتھر تو میں نے بھی اپنے پیٹ پر باندھ رکھا ہے۔ آئیے ابوالہیثمؓ

Marfat.com

(بن التیہان) کے ہاں چلتے ہیں - ذرا طبیعت بہل جائے گی۔ ابوالہیثم رضی اللہ عنہ نے فخرِ موجودات، سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شیخین رضی اللہ عنہما کے ساتھ آتے دیکھا تو فرطِ مسرت سے آپے سے باہر ہو گئے۔ انھیں باغ میں لے جا کر دسترخوان بچھایا۔ کھجوروں کے خوشے توڑ کر حاضر کیے۔ بھوک پیاس کی اس حالت میں یہ دعوت کس قدر خوش آئند تھی - آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے میزبان کے لیے دُعا فرمائی اور واپسی کے لیے اجازت چاہی -

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن وقاص سے بھی اسی قسم کے واقعات مروی ہیں۔ شمائل ترمذی کا باب ـــ مَا جَاءَ فِي عَيْشِ النَّبِيِّ (صلی اللہ علیہ وسلم) فقر و فاقہ اور صبر و غنی کے بیسیوں واقعات سے بھرا پڑا ہے جو سر ولیم میور کے جذباتِ انسان دوستی کو ابھارنے کی بجائے اسے زبانِ طعن دراز کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

سر ولیم میور ایک طرف تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جلالتِ شان اور رفعتِ ذکر سے بھونچکا دکھائی دیتا ہے اور اپنے کلیجے کی پھُنکن یہ کہہ کر نکالتا ہے کہ مسلمانوں نے اس قسم کے واقعات محض آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی "قدر افزائی" کے لیے تیار کیے ہیں - دوسری طرف وہ آپ کے "فقر و فاقہ" سے متعلق واقعات کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس میں بھی مسلمانوں نے مبالغے سے کام لیا ہے - وہ کہتا ہے :

"The same principle led the Muslims to magnify the hardships which Muhammad (peace be upon him) himself endured.

Prophet's poverty and frequent starvation which She (Hazrat Aisha), God be pleased with her, carries so far as to say that She had not even oil to burn in her chamber while Muhammad (peace be upon him) lay dying there". [16]

جی ہاں - یہ ایک حقیقت ہے کہ محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رُوحِ پاک کے عالمِ قدس میں پہنچنے سے پہلے نہ صرف یہ کہ آپ کے گھر کے چراغ میں تیل نہ تھا بلکہ آپ کی زرہ تیس درہم کے عوض گرو رکھی ہوئی تھی - اور آپ کے پاس اتنا زرِ نقد نہ تھا کہ اسے چھڑا لیتے۔ اگرچہ معاندین

Marfat.com

کی ناآشنا نگاہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدنی زندگی "ایک طرب انگیز" منظر پیش کرتی ہے لیکن حقیقت بیں نگاہ میں آپؐ کثرتِ غنائم کے باوجود زندگی کی سہولتوں سے اسی قدر فائدہ اٹھانا چاہتے تھے جس قدر جسم وجان کا رشتہ قائم رکھنے کے لیے ضروری تھا۔ "عرب کے خزانے آپؐ کے دستِ تصرف میں تھے لیکن کاشانہ نبوت میں نہ کوئی نرم بستر تھا، نہ غذائے لطیف؛ نہ جسم اطہر پر خلعتِ شاہانہ تھی نہ جیب وآستین میں درہم ودینار۔ عین اس وقت جب آپؐ پر کسریٰ وقیصر کا دھوکہ ہوتا تھا، وہ گلیم پوش، مکہ کا یتیم اور آسمان کا معصوم فرشتہ نظر آتا تھا۔" (سیرۃ النبیؐ: ج ۲، ص ۷۵)

ایلاء کے زمانہ میں حضرت عمرؓ جب مشربہ میں، جو اسباب کی کوٹھڑی تھی داخل ہوئے تو ان کو نظر آیا کہ سرورِ عالمؐ کے بیتِ قدس میں دنیاوی ساز وسامان کی کیا کیفیت تھی؛

"جسمِ اطہر پر ایک تہبند تھا، سونے کے لیے ایک کھری چارپائی بچھی تھی، سرہانے ایک تکیہ پڑا تھا جس میں خرمے کی چھال بھری تھی، مشربہ میں ایک طرف مٹھی بھر جَو رکھے تھے اور ایک گوشے میں پائے مبارک کے پاس کسی جانور کی کھال پڑی تھی کچھ مشکیزہ کی کھالیں سر کے پاس کھونٹی پر لٹک رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے رونے کا سبب دریافت فرمایا: عرض کی یارسولؐ اللہ! میں کیوں نہ روؤں۔ چارپائی کے بان سے جسمِ اقدس میں بدھیاں پڑ گئی ہیں۔ یہ آپؐ کے اسباب کی کوٹھڑی ہے۔ اس میں جو سامان ہے نظر آرہا ہے۔ قیصر وکسریٰ تو باغ وبہار کے مزے لوٹیں اور آپؐ خدا کے پیغمبر اور برگزیدہ ہو کر آپؐ کے سامان خانہ کی یہ کیفیت ؟

ارشاد ہوا:

اے ابنِ خطاب! تم کو یہ پسند نہیں کہ وہ دنیا لیں اور ہم آخرت۔" ۳۸

اس کا الزامی جواب تو لمبا ہو جائے گا۔ ہم حضرت علیٰؑ کے احترام میں کوئی ایسی بات نہیں کہنا چاہتے جس کی زد ہمارے عقیدے پر پڑتی ہو یا اس سے حضرت علیٰؑ کی تنقیص ہوتی ہو۔ ورنہ انجیل کے اوراق پر ایسی مبالغہ آمیز داستانوں کی کمی نہیں جن کا مقصد حضرت علیٰؑ کو غیر معمولی قوتوں کا

Marfat.com

مالک دکھانا ہے اور انھیں "خدا" یا "خدا کا بیٹا" ثابت کرنا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی شخصیت کو بڑھانے کے لیے جس غلو اور مبالغے سے پولس اور اس کے پیروؤں نے حصّہ لیا ہے اور جس میں کلیسائی کونسلیں برابر کی شریک رہی ہیں، اس پر تنقید کا حق تو عیسائی علماء نے بھی ادا کیا ہے۔

آپ اگر مرقس کا مطالعہ کریں تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ انجیل کا یہ حصّہ حضرت عیسیٰؑ کو کس طرح پیش کرتا ہے۔ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی "مافوق الفطرت کردار" کا مطالعہ کر رہے ہیں جو ہواؤں کو حکم دیتا ہے تو تھم جاتی ہیں اور بہتے پانی کو کہتا ہے تو وہ رُک جاتا ہے۔ وہ کوڑھ اور جزام کے مریضوں کو شفا بخشتا ہے اور مجرموں اور عاصیوں کو ان کے گناہ معاف کرتا ہے۔ پانچ روٹیاں اور دو مچھلیاں کھا کر پانچ ہزار نفوس سیری حاصل کر لیتے ہیں۔ اور بچے کھچے ٹکڑوں سے بارہ ٹوکریاں بھی بھری جاتی ہیں۔ کہیں یہ بتایا گیا ہے کہ سات روٹیوں سے چار ہزار لوگ اپنا پیٹ بھرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ایک جگہ پر اس بات کا بھی اظہار کیا گیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ اپنی بھوک مٹانے کے لیے ایک انجیر کے درخت کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ اس پر پتّوں کے سوا اور کچھ نہ تھا (کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا)۔ آپ نے اس کے لیے بددُعا کی کہ :

"آئندہ تجھ سے کوئی پھل نہ کھائے۔" ۱۸

اور وہ (حضرت عیسیٰؑ) کوئی معجزہ وہاں نہ دکھا سکے۔

کہیں بادل آپؑ پر سایہ کرتا دکھایا گیا ہے جس میں سے آواز آتی ہے :

"یہ میرا بیٹا ہے۔ اس کی سُنو۔" ۱۹

مرقس کی انجیل کا آغاز بھی توجہ طلب ہے۔ کہاں قرآنِ مجید کا یہ عقیدہ کہ :

إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ٥

اور کہاں یہ مُزخرفات :

"یسوع مسیح ابنِ خدا کی خوشخبری کا شروع۔" ۲۰

کتاب کا آخر بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ "ارشاد" ہوتا ہے :

"غرض خداوند یسوع ان سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا۔ اور خدا کی دہنی طرف بیٹھ گیا۔" ۲۱

Marfat.com

قرآنِ مجید کی پاکیزہ، محفوظ و مصئون اور ابدی تعلیمات سے مرقس کی اس تعلیم کو کیا نسبت ؟

ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ کی بستی کو منظم کیا اور اسے وہی ( )
دیا جو مکہ کو حاصل تھا۔ آپؐ اس شہر میں جوں جوں اسلام پھیلتا گیا، متصل بستیوں میں قبیلوں کے
تعاون سے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم کرنا چاہتے تھے۔ اسی کے بناتے ہوئے قانون کو نافذ کرنے اور
ایک ایسی "ہیئت اجتماعی" کو وجود میں لانے کے لیے مصروفِ عمل تھے جس کی بنیاد وحدتِ انسانی اور
احترامِ آدمیت پر رکھی گئی ہو۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہی "ہیئت اجتماعی" ایک ایسی حکومت کی داغ بیل
ڈالنے میں کامیاب ہوتی جو "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کا فریضہ انجام دینا چاہتی تھی۔ انہی
معنوں میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) حکومت کے نگرانِ اعلیٰ تھے؛ مملکت خداداد کی عدالتِ عالیہ
کے چیف جسٹس تھے؛ افواجِ اسلام کے امیر تھے؛ معاش و معاشیات کے جدید نظام کے نافذ کرنے
والے تھے۔ اور قرآنی نظامِ اخلاق و تمدن کے داعی تھے۔ مدنی زندگی میں "ارادہ" اور "قوت"
کا حسین امتزاج جو آپؐ کی ذات میں مستشرقین کو نظر آتا ہے، اکثر انھیں بے چین کیے رکھتا ہے۔
وہ سوچتے ہیں کیا اچھا ہوتا کہ مدنی زندگی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کبھی نصیب نہ ہوتی۔ اور آپؐ
یہودی اور عیسائی مذہب (جو دینِ اسلام کی مسخ شدہ صورت ہے) کی پیروی میں ایک نئے
کلیسا۔ (Church) کی بنیاد رکھتے۔ تب اس صورت میں آپؐ ۔ Saint)
(Muhammad کہلاتے اور عربی کلیسا کے بانی ہونے کے ناتے سے لازوال شہرت
کے مالک ہوتے ع

چہ بے خبر ز مقامِ محمدؐ عربی است

نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھوں اسلامی ریاست کا قیام اور دینی سیاسیات کی
داغ بیل پڑنا ایسے اقدام ہیں جن سے سانپ ان کی چھاتی پر لوٹ لوٹ جاتا ہے۔ اگر آپؐ کا ظہور
دنیا میں نہ ہوتا تو ان کے خیال کے مطابق دنیا پر صلیب سایہ فگن ہوتی، پولوس کی لائی ہوئی عیسائیت
کا پھریرا ہوتا اور وہ مسیحانہ اخلاق جسے برٹرنڈرسل (B. Russel + 1970)
نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا تھا کہ وہ وقت کا ساتھ دینے سے قاصر ہے، بے میل اور
بے جوڑ ہے، رائج ہوتا۔ کیا خداوند قدوس کی مرضی اس وجود کے ظہور کے بغیر پوری ہو سکتی تھی

Marfat.com

جس کی اعانت کا اقرار الست کے دن تمام پاکیزہ روحوں نے کیا تھا؟ کیا خدائے علیم و قدیر اپنے دین کی تکمیل، اپنی نعمتوں کے اتمام اور انسانیت کی ترقی و خوشحالی کو ان بدخواہوں کی خاطر ترک کر سکتا تھا جن کے ہبوط و زوال پر مُہر لگائی جانے والی تھی۔

یرمیاہ نبی کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہیں:

"تم نے میری زمین کو ناپاک کر دیا اور میری میراث کو مکروہ بنایا۔ کاہنوں نے کہا کہ خداوند کہاں ہے؟ اور اہلِ شریعت نے مجھے نہ جانا اور چرواہوں نے مجھ سے سرکشی کی اور نبیوں نے بعل کے نام سے نبوت کی اور ان چیزوں کی پیروی کی جن سے کچھ فائدہ نہیں۔" [۲۳]

ان زیادتیوں کا انجام اور اس فسق و فجور کا نتیجہ یہ ہُوا کہ انھیں زندگی کی تمام مسرتوں اور راحتوں سے محروم کر دیا گیا اور رنج و غم ان کا مقدر بنا دیا گیا۔ کہا گیا ہے۔

"یہوداہ کے شہروں میں اور یروشلم کے بازاروں میں خوشی اور شادمانی کی آواز دلہے اور دُلہن کی آواز موقوف کر دوں گا کیونکہ یہ ملک ویران ہو جائے گا۔" [۲۴]

فخرِ موجودات، سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تشریف آوری مشیتِ ایزدی کا تقاضا تھا جس طرح شبِ تار کے بعد آفتابِ جہاں تاب کا نکلنا ایک قدرتی امر ہے اور سورج کی تمازت اور گرمی کی شدت کے بعد بارش کا نزول ایک فطرتی تقاضا ہے، بالکل اسی طرح جہالت کی تاریکیوں کو دُور کرنے، زندگی کے جمُود اور تعطل کو ختم کرنے اور نظامِ شاہنشاہی و پاپائی کو بدلنے کے لیے ایک ایسے ہادی و رہنما، کلیم و نئے نواز اور نجات دہندہ کی ضرورت تھی۔

"جو سچا اور برحق کہلاتا ہے۔ وہ راستی کے ساتھ انصاف اور لڑائی کرتا ہے۔ اس کی آنکھیں آگ کے شعلے ہیں اور اس کے سر پر بہت سے تاج ہیں اور اس کا ایک نام لکھا ہوا ہے جسے اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اس کا نام کلامِ خدا کہلاتا ہے اور آسمان کی فوجیں سفید گھوڑوں پر سوار اور سفید اور صاف مہین کتانی کپڑے پہنے ہوتے اس کے پیچھے پیچھے ہیں۔ اور قوموں کے مارنے کے لیے اس کے منہ سے ایک تلوار نکلتی ہے اور وہ لوہے کے عصا سے ان پر حکومت کرے گا۔ اور اس کی پوشاک اور

Marfat.com

ران پر یہ نام لکھا ہوا ہے۔

بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند ۲۵

اگر اسلام اجازت دیتا تو ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سنگی اور برنجی مجسمے ترشواتے اور انھیں مریں صنم خانوں میں سجاتے، ہم آپ کی قبر شریف کا طواف کرتے اور آپ کا تعلق آفتاب و مہتاب اور ذی اُس اور جیو پیٹر سے قائم کرتے۔ ہم آپ کو جنسِ انسانی سے بالاتر ہونے کی عزت بخشتے۔ لیکن نہیں ہرگز نہیں۔ آپ قرآن مجید کے الفاظ میں :

هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا

کمالات عبدیت کا اتمام آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی

کے وجود پر ہوا۔ اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ

Marfat.com

تعلیقات (باب سولہواں)

۱۔ قرآنِ مجید۔ البقرہ ۲ : ۱۴۲-۱۴۳
۲۔ الصحیح البخاری۔ علامہ بخاریؒ۔ کتاب الصلوٰۃ عن البراءؓ؛ الجامع الترمذی، علامہ ترمذی۔ ابواب تفسیر القرآن۔
۳۔ قرآنِ مجید۔ سورہ البقرہ ۲ : ۱۲۴؛ توراۃ۔ کتاب پیدائش ۱۷: ۱۹
۴۔ ایضاً ۔ سورہ التوبہ : ۸۱-۸۳
۵۔ السیرۃ النبویہؐ۔ ابن ہشام ۔ ج ۲، ص ۵۰۷
۶۔ قرآنِ مجید۔ سورہ آل عمران ۳ : ۱۶۹
۷۔ ایضاً ۔ سورہ الانفال ۸ : ۲۶
۸۔ الصحیح البخاری۔ علامہ بخاریؒ۔ باب فضائل المدینہ عن حضرت عائشہؓ؛ السیرۃ النبویہؐ، ابن ہشام، ج ۲، ص ۵۸۸۔
۹۔ السیرۃ النبویہؐ۔ ابن ہشام۔ ج ۲، ص ۵۸۹
۱۰۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ج ۲، ص ۵۹۰
۱۱۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ج ۲، ص ۵۸۹
۱۲۔ الصحیح البخاری۔ علامہ بخاریؒ۔ باب فضائل المدینہ۔ عن ابی ہریرہؓ
۱۳۔ الجامع الترمذیؒ۔ علامہ ترمذیؒ۔ ابواب المناقب
۱۴۔ الصحیح البخاری۔ علامہ بخاریؒ۔ کتاب الرقاق
۱۵۔ شمائل ترمذی۔ علامہ ترمذیؒ۔ باب۔ ما جاء فی عیشِ النبیؐ

Marfat.com

۱۶۔ حیاتِ محمدؐ۔ سر ولیم میور۔ ج ۱، ص 1x
۱۷۔ سیرۃ النبیؐ۔ علامہ شبلی نعمانی/ سید سلیمان ندوی۔ ج ۲، ص ۳۲۲
۱۸۔ انجیل مقدس۔ مرقس، باب ۱۱ : ۱۱-۱۴
۱۹۔ ایضاً ۔ ایضاً۔ باب ۹ : ۶-۷
۲۰۔ ایضاً ۔ ایضاً۔ باب ۱ : ۱
۲۱۔ ایضاً ۔ ایضاً۔ باب ۱۶ : ۱۹
۲۲۔ حیاتِ محمدؐ ۔ سر ولیم میور۔ ج ۱، ص xcviii
۲۳۔۲۴۔ توراۃ ۔ یرمیاہ ۲ : ۷-۸ نیز باب ۷ : ۳۴
۲۵۔ انجیل ۔ یوحنا عارف کا مکاشفہ : ۱۱-۱۶

Marfat.com

باب ستترہواں

قانونِ مجازات

(جنّت و دوزخ کی حقیقت)

مَیں یہ کبھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ سر ولیم میور جیسا صاحبِ علم و دانش "مکافاتِ عمل" کے اصول پر یقین نہیں رکھتا۔ سب سے اہم سبق جو تاریخ نے ہمیں دیا ہے وہ ہمارے اعمال کے نیک و بد ہونے کے ناتے سے قوموں کے عروج و زوال کی صورت میں موجود ہے۔ وہ قومیں جن کے جسمانی قویٰ اضمحلال کا اور ذہنی قویٰ انتشار کا شکار ہوں، جن کے فکر و عمل کی قوتیں مستبد حکومتوں کے ظالمانہ اور غیر جمہوری اقدام کے سبب محبوس ہو چکی ہوں اور جن کے جمہوری ادارے "سیاسی حبس" کے سبب سانس لینے سے محروم ہو چکے ہوں، زیادہ دیر تک بدلتے ہوئے حالات کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ ان کا ضُعفِ خودی، ان کا باہمی انتشار و افتراق، ان کا طبقاتی نظام، ان کی عیش کوشی اور اسلاف پرستی پہلے ان کو بیگانۂ عمل بناتی ہیں اور پھر انھیں قعرِ مذلت میں دھکیل دیتی ہیں۔

اسرائیلی قوم بابل اور آشور کے بے رحم اور سخت گیر حکمرانوں کے ہاتھوں کس حالت پر پہنچی۔ روما پر فرینکس اور گاتھ کے حملوں کے بعد کیا گزری، آلِ عثمان کا اپنے اور بیگانوں کے ہاتھوں کیا حشر ہوا، اسپین اور سسلی کی بربروں کے حملوں کے دوران میں کیا دُرگت بنی اور جنگِ عظیم دوم کے بعد بیمار قوموں کے ساتھ وحشیانہ سلوک، جو آزادی سے محرومی، جمہوری اداروں کی تباہی و بربادی اور لوگوں کے غربت و افلاس کی صورت میں نمودار ہوا، ایسے حقائق ہیں جن سے صرفِ نظر کرنا ممکن نہیں۔

اگر سعی و کوشش اور حُسنِ عمل کا فرشتہ کسی کو تاجِ شاہی بخش سکتا ہے، اُسے خلافتِ ارضی کا وارث بنا سکتا ہے اور دولت کے سرچشموں پر قابض ہونے میں مدد دے سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ عمل سے بیگانگی اور سوئے عمل، زندگی کے حقائق سے چشم پوشی اور سیدھی راہ پر چلنے سے انکار اسے عجز و شکستگی سے دوچار اور اللہ تعالیٰ کی "رحمت" سے دُور نہ کر دیں۔ جس طرح ترقی و خوشحالی اور

Marfat.com

اصلاح وفلاح" تدریج و امہال" کی پابند ہیں اسی طرح "ہبوط و زوال" اور "عقوبت و عذاب" بھی وقت اور مہلت کے طلب گار ہیں۔ قرآنِ حکیم اس "تدریج و امہال" سے افراد اور قوموں کو اس بات کا موقعہ دیتا ہے کہ وہ اپنے اعمال کی اصلاح کرلیں، راستے کے گھاؤ کو درست کرلیں اور اپنی اغلاط کی تلافی کرلیں تاکہ ہر ایک کو زیادہ سے زیادہ مہلتِ اصلاح ملتی رہے۔ اور اس کی رحمت کا دروازہ کسی پر بند نہ ہو۔ بقول مولانا ابوالکلام احمد" اگر تدریج و امہال کی یہ فرصتیں اور بخششیں نہ ہوتیں تو دنیا میں ایک وجود بھی فرصتِ حیات سے فائدہ نہ اُٹھا سکتا۔ ہر غلطی، ہر کمزوری، ہر نقصان، ہر فساد اچانک بیک وقت بربادی و ہلاکت کا باعث ہو جاتا۔"

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ۝ ۲

اور انسان جو کچھ اپنے اعمال سے کمائی کرتا ہے، اگر اللہ اس پر (فوراً) مواخذہ کرتا، تو یقین کرو، زمین کی سطح پر ایک جانور بھی باقی نہ رہتا۔ (یہ اس کی رحمت ہے کہ) اس نے ایک مقررہ وقت تک فرصتِ حیات دے رکھی ہے۔ البتہ جب وہ مقررہ وقت آجائے گا تو پھر اللہ اپنے بندوں کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ اُس کی آنکھیں ہر وقت اور ہر حال میں سب کچھ دیکھ رہی ہیں)

اس طرح سے اچھائی اور بُرائی دونوں کے لیے ڈھیل دی گئی ہے۔ اگر اچھائی کے لیے اس لیے ہے کہ وہ پھلے پھولے تو بُرائی کے لیے اس لیے ہے کہ انسان خبردار ہو کر اصلاح و تلافی کا سامان کرلے۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ ۳

اِن لوگوں کو بھی اور اُن لوگوں کو بھی یعنی اچھوں کو بھی اور بُروں کو بھی سب کو تمھارے پروردگار کی بخشش میں سے

Marfat.com

حصہ مل رہا ہے ۔ اور تمھارے پروردگار
کی بخشش کسی پر بند نہیں ۔

"اگر قوانینِ فطرت کی ان مہلت بخشیوں سے فائدہ اُٹھا کر نقصان وفساد کی اصلاح کر لی جائے
مثلاً تم نے بد پرہیزی کی، اسے ترک کر دو۔ تو پھر اسی فطرت کا یہ بھی قانون ہے کہ اصلاح و تلافی کی
کوشش قبول کر لیتی ہے ۔ اور نقصان وفساد کے جو نتائج نشو و نما پانے لگے تھے، ان کا مزید نشو و نما رُک
جاتا ہے ۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ اگر اصلاح بر وقت اور ٹھیک ٹھیک کی گئی ہے تو پچھلے مضر اثرات بھی
دُھل جائیں گے ۔ لیکن اگر فطرت کی تمام مہلت بخشیاں رائگاں گئیں ۔ اس کا بار بار اور درجہ بدرجہ ا
بھی کوئی نتیجہ پیدا نہ کر سکا تو پھر بلاشبہ وہ آخری حد نمودار ہو جاتی ہے جہاں پہنچ کر فطرت کا آخری حکم
صادر ہو جاتا ہے ۔ پھر جب اس کا فیصلہ صادر ہو جاتا ہے تو نہ تو اس میں چشم زدن کی تاخیر ہو سکتی ہے
کسی حال میں بھی تزلزل اور تبدیلی" ۔[۱] قرآنِ مجید کا ارشاد ہوتا ہے ۔

"فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝"

پھر جب ان کا مقررہ وقت آگیا تو اس سے نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں (یعنی نہ تو اس کے نفاذ میں تاخیر ہو سکتی ہے نہ تقدیم۔ ٹھیک ٹھیک وقت میں اسے ہو جانا چاہیے ۔

یہ بات خاص اہمیت کی حامل ہے کہ قرآنِ مجید نے جہاں کہیں بھی مخالفین و معاندین کے
"شدت و غلظت" کا اظہار فرمایا ہے وہاں اس کی مُراد صرف ان لوگوں سے ہے جن کی مخالفت
عناد اور شر و فساد کی بنا پر تھی ۔ ظاہر ہے کہ اصلاح و ہدایت کی کوئی تعلیم بھی اس صورتِ حال
گریز نہیں کر سکتی ۔ ایسے ہی موقعوں پر حضرت عیسیٰؑ نے اپنے زمانے کے مفسدوں کو "افعی" کہہ کر
تھا اور انھیں "ڈاکوؤں کا مجمع" قرار دیا تھا ۔ جب ایک آدمی ضد کی بنا پر روشنی کو تاریکی، حق کو
دن کو رات اور وحیِ الٰہی کو "اَساطِیرُ الاوّلین" سمجھنے لگتا ہے تو وہ فکر و بصیرت سے محروم ہو
ہے اور اسی نوعیت کے مخالفین کے لیے قرآن "خُسرانِ مبین" کی اصطلاح استعمال کرتا ہے ۔ اس
جہاں کہیں "نیک عملی" کے لیے ظفر و فتح مندی کی نوید سناتی ہے وہاں اس نے "سوءِ عملی" کے لیے

Marfat.com

فلاح کی نفی بھی کر دی ہے۔ وہ جابجا "لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ"، "لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ"، "لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ"، "لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ" کے الفاظ استعمال کرتا ہے اور بتانا چاہتا ہے کہ گمراہی و کوری کی زندگی کا انجام خرابی ہے، زوال و ہلاکت ہے اور عذابِ عظیم ہے۔

وہی اَحْسَنُ الْخَالِقِیْن جو لوگوں کے گناہوں، ان کی لغزشوں اور ان کی تقصیرات کو معاف کرنے کے لیے انھیں "مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا" کی طرف دعوت دیتا ہے، جب دیکھتا ہے کہ وہ لوگ استعدادِ قبولیتِ حق سے محروم ہو گئے ہیں تو وہ ان کے دلوں پر مُہر اور ان کے کانوں اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیتا ہے:

"وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا" ؎ — اور بُرائی کے لیے ویسا ہی اور اتنا ہی بدلہ ہے جیسی اور جتنی بُرائی کی گئی ہے

ہم جانتے ہیں کہ کسان گندم بو کر گندم اور جَو بو کر جَو کاٹتا ہے۔ اسی چیز کو حضرت عیسیٰؑ نے تمثیل کی زبان میں اس طرح بیان کیا تھا:

"جب کوئی بادشاہی کا کلام سُنتا ہے اور سمجھتا نہیں تو جو اس کے دل میں بویا گیا تھا اُسے وہ شریر آکر چھین لے جاتا ہے۔ یہ وہ ہے جو راہ کے کنارے بویا گیا تھا۔ اور جو پتھریلی زمین میں بویا گیا۔ یہ وہ ہے جو کلام کو سُنتا ہے اور اسے فی الفور خوشی سے قبول کر لیتا ہے لیکن اپنے اندر جڑ نہیں رکھتا۔ بلکہ چند روزہ ہے۔ اور جب کلام کے سبب سے مصیبت یا ظلم برپا ہوتا ہے تو فی الفور ٹھوکر کھاتا ہے۔ اور جو جھاڑیوں میں بویا گیا یہ وہ ہے جو کلام کو سُنتا ہے اور دُنیا کی فکر اور دولت کا فریب اس کلام کو دبا دیتا ہے اور وہ بے پھل رہ جاتا ہے۔ اور جو اچھی زمین میں بویا گیا یہ وہ ہے جو کلام کو سُنتا اور سمجھتا ہے اور پھل بھی لاتا ہے۔ کوئی سَو گنا پھلتا ہے، کوئی ساٹھ گنا کوئی تیس گنا۔" ؎

ایک اور مقام پر فرمایا:

"آسمان کی بادشاہی کھیت میں چھپے خزانہ کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے پا کر چھپا دیا اور خوشی کے مارے جا کر جو کچھ اس کا تھا بیچ ڈالا اور اُس کھیت کو مول لے لیا۔" ؎

Marfat.com

اسی حقیقت کا اظہار ایک دوسری جگہ اس طرح فرمایا :

"پھر آسمان کی بادشاہی اُس بڑے جال کی مانند ہے جو دریا میں ڈال دیا گیا اور اُس نے ہر قسم کی مچھلیاں سمیٹ لیں - اور جب بھر گیا تو اسے کنارے پر کھینچ لائے۔ اور بیٹھ کر اچھی اچھی تو برتنوں میں جمع کر لیں اور جو خراب تھیں پھینک دیں۔" دُنیا کے آخر میں ایسا ہی ہوگا۔ فرشتے نکلیں گے اور شریروں کو راست بازوں سے جدا کریں گے اور ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے ۔ وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔" [۱]

یہ تمثیلیں متی کی انجیل سے لی گئی ہیں جو عیسائی حضرات کے نزدیک چار معتبر کتابوں میں سے ایک ہے ۔ "قانونِ مجازات" کی وضاحت جو محولہ بالا عبارات میں کی گئی ہے وہ ایک الہامی کتاب (بلا الحاق و تحریف کے) کے شایانِ شان ہے ۔ ظاہر ہے کہ جو فطرت ہر گوشۂ وجود میں اپنا قانون مکافات رکھتی ہے، وہ انسانی اعمال کے لیے بھی اس قانون کو اپنانے پر مجبور ہے ۔ تمام انبیائے علیہم السلام اپنے اپنے زمانے میں انسانی قلوب کی تطہیر اور اعمال کی درستی کے لیے اس اصول کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتے رہے ۔ وہ اپنے پیروؤں کو نیکی پر اُبھارنے اور بُرائی سے بچانے کے لیے ایسی زبان کا استعمال کرتے جو اس دَور کے لوگوں کی ذہنی سطح اور ان کے مذاق کے مطابق تھی۔ تبشیر و انذار کا وہ مقصد جو انبیائے علیہم السلام لے کر آتے تھے صرف اسی صورت میں پورا ہو سکتا تھا جب ان کی تعلیم سادہ اور قابلِ فہم زبان میں ہوتی، جن تشبیہات اور استعاروں کا انھوں نے استعمال فرمایا وہ لوگوں کے سروں کے اوپر سے گزر جانے کی بجائے ان کے دلوں میں اُتر جاتے اور وہ محسوس کرنے لگتے کہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ ان کی فطرت کے داعیوں ہی کی عکاسی کرتا ہے۔

انجیل مقدس میں حضرت عیسیٰؑ نے "تمثیلوں میں اپنا منہ کھولا"۔ قرآنِ مجید نے وہ زبان استعمال کی جو وقت کے گزرنے کے ساتھ منجھ چکی تھی ۔ اس کی تشبیہیں اور استعارے ؛ اس کے صنائع و بدائع اپنا جواب نہ رکھتے تھے ۔ لوگوں کا "شعورِ ذات" اور "عینیت کا تصور" پختہ ہو چکا تھا۔ قرآن مجید انہی اسالیب کو اپناتے ہوتے رہے جو اس دَور میں مروّج تھے۔ اس نے جب ایک بھٹکی ہوئی قوم کو سیدھی راہ پر ڈالنا چاہا تو اُس نے الفاظ و محاورات اور تشبیہات و استعارات میں سے انہی الفاظ اور محاورات کا انتخاب کیا جو تبلیغِ دین اور دعوتِ حق کو موثر بنانے میں ممد و معاون ثابت ہوسکے

Marfat.com

ہے۔ اس نے جو منظر کشی کی ہے اور اقوام سابقہ کے حالات کو بیان کرنے میں جس تنوع اور جدت سے کام لیا ہے، وہ اِس بات کا ثبوت ہے کہ اس کا انداز "وضعی" اور "من گھڑت" ہونے کی بجائے "الہامی" اور آفاقی ہے۔

"انبیاءِ کرام (علیہم السلام) کی دعوت کی ایک بنیادی اصل یہ رہی ہے کہ انھوں نے ہمیشہ خدا پرستی کی تعلیم ویسی ہی شکل و اسلوب میں دی، جیسی شکل و اسلوب کے فہم و تحمل کی استعداد مخاطبوں میں پیدا ہو گئی تھی۔ وہ مجمعِ انسانی کے معلّم و مربّی تھے اور معلّم کا فرض ہے کہ متعلموں میں جس درجہ کی استعداد پائی جاتے، اسی درجہ کا سبق بھی دے۔ پس انبیاء کرامؑ نے بھی وقتاً فوقتاً خدا کی صفات کے لیے جو پیرایۂ تعلیم اختیار کیا، وہ اس سلسلۂ ارتقاء سے باہر نہ تھا۔ بلکہ اسی کی مختلف کڑیاں مہیا کرتا ہے۔"

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کتابِ آخریں جس نے قانونِ مجازات کی تحدی فرمائی ہے اور جا بجا یہ کہہ کر

۱۔ "كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ"	ہر انسان اس نتیجے کے ساتھ جو اس کی کمائی ہے، بندھا ہوا ہے۔
اور ۲۔ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝	۲۔ یہ ایک اُمت تھی جو گزر چکی۔ اس کے لیے وہ نتیجہ تھا جو اس نے کمایا۔ اور تمھارے لیے وہ نتیجہ ہے جو تم کماؤ گے۔

لوگوں کو نجات و سعادت کے حصول اور نقصان و ہلاکت سے بچاؤ کی ترغیب دلاتی ہے اور انھیں "مسئولیت" اور "جوابدہی" کا احساس دلایا ہے، جنت اور دوزخ کو کس طرح پیش کرتی ہے اور دیگر آسمانی صحائف کا اس سلسلہ میں انداز کیا ہے۔

وہ لوگ جنھوں نے عقیدے کی صحت کے ساتھ اچھے عمل کیے، ان کا نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جاتے گا اور وہ انتہائی مسرت کے ساتھ دوسروں کو اپنی کامیابی اور سرخروئی کی اطلاع دیں گے۔" جنت میں میوہ دار درختوں کے لذیذ پھل اور خوشے اہلِ جنت پر جھکے ہوتے ہر حال میں ان سے ایسے قریب ہوں گے وہ بیٹھے لیٹے، کھڑے، جس وضع و حالت میں بھی چاہیں گے

Marfat.com

انھیں پاسکیں گے ۔ ان کی یہ زندگی ہر قسم کے فکر و تردد، عیب و نقص اور مرض و مصیبت سے
خالی ہوگی" (فَهُمْ فِىْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۙ فِىْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۙ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ)[۱۳]
لیکن وہ لوگ جنھوں نے دین (اسلامی نظامِ زندگی) کو ٹھکرا دیا اور حرص و ہوس کو اپنا لیا، ان کا
نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ۔ وہ کہیں گے کیا اچھا ہوتا کہ ہمیں ہمارا نامۂ اعمال
ہی نہ ملتا۔" دوزخ اس کی میزبانی کے لیے تیار ہوگی اور اسے ایسی زنجیر میں جکڑ دیا جائے گا جس
کی لمبائی ستر گز ہے ۔ اس کے لیے کوئی کھانا نہیں ہوگا بجز زخموں کے دھوون کے"[۱۴]

سورۃ المعارج (۷۰) میں خالقِ کائنات فرماتے ہیں کہ " مجرم اِس بات کی تمنا کرے گا کہ اس
روز کے حساب سے چھوٹ جائے چاہے اسے اپنے بدلہ میں اپنے بیٹوں، اپنی بیوی، اپنے
بھائی اور اس پورے کنبے کو جس میں وہ زندگی بسر کرتا رہا ہے قربان کر دینا پڑے ۔ كَلَّا ۖ إِنَّهَا
لَظَىٰ ۙ نَزَّاعَةً لِّلشَّوَىٰ (یہ ہر گز نہ ہوگا ۔ وہ آگ ایسی شعلہ زن ہے کہ کھال تک اتار دے
گی ۔ وہ اس شخص کو اپنی طرف بلائے گی جس نے (راہِ حق) سے رُوگردانی کی ہو گی، مال کو جمع کیا ہو
گا اور اس کو اٹھا اٹھا رکھا ہو گا ۔[۱۵]

سورۃ الدھر میں رب العزت نے اِس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ ہم نے انسان کو دونوں
راستوں سے آگاہ کر دیا ہے ۔ یہ اب اس کا کام ہے کہ وہ شکر گزار بن کر ہمارے پاس آئے یا ناشکرا
بن کر ۔ اگر وہ نیکی کی راہ سے ہٹ جاتا ہے تو اس کے لیے زنجیریں ہیں، طوق و سلاسل ہیں اور
بھڑکتی ہوئی آگ ہے ۔ لیکن اگر وہ اچھے کام کرتا ہے تو اس کے لیے ایسے جام ہیں جن میں کافور
کی آمیزش ہوگی یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے فرائض کو حُسن و خوبی سے انجام دیتے ہیں اور اُس دن
سے ڈرتے ہیں جس کی سختی ناقابلِ برداشت ہوگی ۔ وہ مسکینوں اور یتیموں کو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی
کے لیے کھانا کھلاتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ان کے صبر و ثبات کے بدلے میں تازگی اور خوشی
عطا کرے گا ۔ وہ جنت میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ۔ وہاں نہ تو تپش ہوگی اور نہ
سردی ۔ درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوں گے اور ان کے میوے ان کے اختیار میں ہوں گے
ان کے پاس چاندی کے برتن اور شیشے کے گلاس لائے جائیں گے ۔ ان کی خدمت ایسے لڑکوں کے
سپرد ہوگی جو ہمیشہ ان کے ساتھ رہنے والے ہوں گے ۔ اور اگر تُو انھیں دیکھے تو سمجھے کہ بکھرے

Marfat.com

رتے موتی ہیں۔ [۱۶]

سر ولیم میور سمجھتا ہے کہ جنّت اور دوزخ کے یہ مناظر مادی مسرّتوں اور حسّی راحتوں کی صورت میں پیش کیے گئے ہیں تاکہ عربوں کے ذہن کو، جو بنجر اور بے آب و گیاہ سرزمین کے باسی تھے، متاثر کیا جا سکے [۱۷] وہ سورہ الرحمٰن کی آیات ۴۶ تا ۵۸ کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے یہاں پر قرآنِ مجید کا اسلوبِ بیان "بناوٹی" اور "گھڑا ہوا" نظر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس سورت میں نیکوکاروں کے لیے خداوندِ تعالیٰ کی بیش بہا نعمتوں کا ذکر ایسی پاکیزہ اور ارفع زبان میں کیا گیا ہے کہ قاری اس سے لُطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اگر سر ولیم میور زبان کی خوبصورتی اور صلہ و انعام کی حُسن کاری کی تحسین نہیں کر سکا تو یہ اس کا قصور نہیں ؎

فَقُلْ لِلْعُیُوْنِ الرَّمَدِ اِیَّاكَ اِنْ تَرَای
سَنَا الشَّمْسِ فَاسْتَغْنِیْ ظَلَامَ اللَّیَالِیَا

(گرد آلود آنکھوں سے کہہ دو کہ اگر وہ آفتاب کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں تو وہ راتوں کی تاریکی اوڑھ لیں)۔

قرآنِ مجید نے اپنے وفاشعار بندوں کو جو مژدۂ جانفزا سُنایا ہے اور منکرین و مکذبین کو جس ذلّت و رسوائی کی وعید کی ہے وہ کوئی ایسے مجرّد تصوّرات نہیں جو ہماری عقل و فہم سے بالا ہوں اس کی مثالیں اس زندگی میں بھی بکثرت ملتی ہیں ؎

نہ خزاں میں ہے کوئی تیرگی، نہ بہار میں کوئی روشنی
یہ نظر نظر کے چراغ ہیں کہیں بجھ گئے، کہیں جل گئے

ہم ایک اور مثال پیش کرتے ہیں۔ مطالعہ کرنے والے حضرات اس کے اسلوب کی خوبصورتی اور مضمون کے آہنگ کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یہ ہے سورۃ انفطار ۸۲۔ نفخ صُور کے وقت آسمان پھٹ جائے گا، ستارے جھڑ پڑیں گے اور سمندر اُبل پڑے گا۔ قبروں کے پھٹتے ہی اصحابِ قبور باہر آجائیں گے۔ یہ دن جزا کا دن ہوگا۔ نیکوں کو ان کی نیکی کا اور بُروں کو ان کی بُرائی کا بدلہ دیا جائے گا اور پوچھا جائے گا:

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۝

Marfat.com

(اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے مہربان رب سے متعلق بھول میں ڈال رکھا)

لیجئے۔ نیک لوگ آسائش میں ہوں گے۔ اور بدکار دوزخ میں۔ یہ وہ دن ہوگا جب کسی کا بس کسی کے لیے نہ چلے گا۔ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا ط اور حکومت (تمام اختیار) اللہ ہی کی ہو گی۔ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ ۝ ۱۸

اس کو پڑھیے اور سر دھنیے۔ بلاغت و خطابت کا جو اسلوب یہاں اپنایا گیا ہے وہ قرآن مجید ہی کا حصہ ہے۔ عبارت صاف اور واضح ہے؛ مضامین پاکیزہ ہیں اور اسلوب بیان انتہائی سادہ اور دلنشیں۔ آخرت کے عقیدے ہی سے خوفِ خدا پیدا ہوتا ہے جو تمام حکمتوں کا سرچشمہ ہے۔ اور آیت کا یہ جملہ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ ۔ ۔ ۔ اِلٰی اٰخِرِہٖ اللہ تعالیٰ کے لیے تقدس و احترام کے ان جذبات کو ابھارتا ہے جو انسان کے دل میں اپنے خالق اور مالکِ حقیقی کے لیے پوشیدہ ہیں؛ اور شکر گزاری کے ان لطیف احساسات کو بیدار کرتا ہے جو اس کے دل کی عمیق گہرائیوں میں اپنے مُنعم اور محسن کے لیے پائے جاتے ہیں۔

آیئے انجیل کی عبارات پر غور کریں اور دیکھیں کہ فطرت کے ان قوانین کو جن کی طرف قرآن مجید نے لطیف اشارات کیے ہیں کس طرح تمثیل کی زبان میں بیان کیا ہے اور وہ قرآنی احوال ظروف کی کس طرح ترجمانی کرتے ہیں:

"۔ ۔ ۔ ۔ ان کے پھلوں سے تم ان کو پہچان لوگے۔ کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں؟ اسی طرح ہر اچھا درخت اچھا پھل لاتا ہے۔ اور برا درخت برا پھل لاتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ اس وقت میں ان سے صاف کہہ دوں گا کہ میری کبھی تم سے واقفیت نہ تھی۔ اے بدکارو! میرے پاس سے چلے جاؤ۔ ۔ ۔" ۱۹

تمثیل کا مطالعہ کیجئے جو متی کے باب (۲۵) کی عبارت ۱ تا ۱۳ میں بیان ہوتی ہے۔

"اس وقت آسمان کی بادشاہی اُن دس کنواریوں کی مانند ہو گی جو اپنی مشعلیں لے کر دلہا کے استقبال کو نکلیں۔ ان میں پانچ بیوقوف اور پانچ عقلمند تھیں۔ جو بیوقوف تھیں انھوں نے اپنی مشعلیں تو لے لیں مگر تیل اپنے ساتھ نہ لیا۔ مگر عقلمندوں نے

Marfat.com

اپنی مشعلوں کے ساتھ اپنی کپیوں میں تیل بھی لے لیا۔ اور جب دُلہا نے دیر لگائی تو سب اُونگھنے لگیں اور سو گئیں۔ آدھی رات کو دھوم مچی کہ دیکھو دُلہا آگیا! اس کے استقبال کو نکلو۔ اس وقت وہ سب کنواریاں اُٹھ کر اپنی اپنی مشعل درست کرنے لگیں۔ اور بے وقوفوں نے عقلمندوں سے کہا کہ اپنے تیل میں سے کچھ ہم کو بھی دے دو۔ کیونکہ ہماری مشعلیں بجھی جاتی ہیں۔ عقلمندوں نے جواب دیا کہ شاید ہمارے تمہارے دونوں کے لیے کافی نہ ہو۔ بہتر یہ ہے کہ بیچنے والوں کے پاس جاکر اپنے واسطے مول لے لو۔ جب وہ مول لینے جا رہی تھیں تو دُلہا آ پہنچا۔ اور جو تیار تھیں وہ اس کے ساتھ شادی کے جشن میں اندر چلی گئیں۔ اور دروازہ بند ہو گیا۔ پھر وہ باقی کنواریاں بھی آئیں اور کہنے لگیں۔ اے خداوند! ہمارے لیے دروازہ کھول دے اس نے جواب میں کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں تم کو نہیں جانتا۔ پس جاگتے رہو کیونکہ نہ تم اس دن کو جانتے ہو نہ اس گھڑی کو۔"

ذرا اس تمثیل کو بھی پڑھیے جو اس کے فوراً بعد بیان ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ اس شریر اور سست نوکر سے کس طرح مخاطب ہوتے ہیں جس نے روپوں کی تھیلی حاجت مندوں کے درمیان تقسیم کرنے کی بجائے اپنے گھر میں چھپا رکھی تھی۔ اور جس پر کوئی منافع (اجر و ثواب) نہ ملا۔ حکم ہوتا ہے:

"پس اس سے وہ توڑا لے لو اور جس کے پاس دس توڑے ہیں اسے دے دو۔ کیونکہ جس کے پاس ہے اسے دیا جائے گا اور اس کے پاس زیادہ ہو جائے گا۔ مگر جس کے پاس نہیں ہے اس سے وہ بھی جو اس کے پاس ہے لے لیا جائے گا۔ اور اس نکمے نوکر کو باہر اندھیرے میں ڈال دو۔ وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔"

ان تمثیلوں سے ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو اپنا وقت اور پونجی خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، ابنائے جنس کے دُکھ درد میں شریک ہوتے ہیں اور ان کی فلاح و اصلاح کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ شرعِ مصطفویؐ پر مضبوطی سے قائم ہیں، ان

Marfat.com

کے لیے اس دُنیا میں بھی اور اُخروی زندگی میں بھی مسرتیں ہیں، بہجتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وہ انعامات ہیں جنھیں گنا نہیں جاسکتا۔ رہا یہ سوال کہ حشر کے روز دی جانے والی سزائیں جسم پر وارد ہوں گی یا ان سے صرف ہماری رُوح ہی متاثر ہوگی؟ اسی طرح ملنے والے انعامات کیا مادی اور حسّی صورت میں اہلِ جنت کو میسّر آئیں گے یا یہ بھی رُوح کی مسرت اور بہجت کی صورت میں اہلِ ایمان کو دیئے جائیں گے؟

اِس کا سیدھا سادہ جواب تو یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام اس دُنیا میں مادی اور حسّی ہیں تو اُخروی دُنیا میں ان کے حسّی اور جسمانی ہونے پر اعتراض کیوں؟ اسی طرح ہمارے اعمال کے نتیجے میں جو نتائج مترتّب ہوتے ہیں، ان کے اثرات محض ذہنی اور روحانی نہیں ہوتے بلکہ وہ مادی اور حسّی ہوتے ہیں۔ دوسری دُنیا میں "قانونِ مجازات" کے تحت ملنے والی سزائیں اگر اسی طرح مادی اور جسمانی ہوں جس طرح کسی ملک کی عدالتِ عالیہ قانون شکنی کے مرتکب افراد یا فساد وعناد پھیلانے والوں کو دیتی ہے، تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟

بعض اصحابِ رائے کا خیال ہے کہ نبی اکرمؐ نے اپنے "شعورِ مذہبی" کے اوائل میں (ممکن ہے) اُخروی زندگی میں ملنے والی سزاؤں کو مادی اور حسّی سمجھا ہو لیکن "جب اُن کی رُوح میں کامل بیداری آگئی اور خالقِ کائنات کے ساتھ ان کا ربط زیادہ گہرا ہوگیا تو ان کے وہ خیالات جو پہلے مادیت کا پہلو لیے ہوتے تھے سراسر روحانی ہوگئے۔ ۔ ۔ ۔ چنانچہ بعد کی سورتوں میں روحانی پہلو مادی پر اور رُوح جسم پر غالب نظر آتی ہے۔"[۱] یہ خیال نہ صرف غلط ہے بلکہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شعورِ مذہبی اور وحی کی حیثیت سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔

ٹرٹلین (Tertullion) نے جو تقریر روما کے مجسٹریٹوں کے سامنے کی تھی اِس میں ثواب و عذابِ آخرت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ وہ کہتا ہے:

"یومِ نشور کے دن تمام وہ انسان جو آفرینشِ کائنات سے اس کے خاتمے تک پیدا ہو کر مر چکے ہیں، اس کے حکم سے دوبارہ زندہ ہوں گے اور اپنے دنیوی قالب اختیار کریں گے۔ اس کے بعد وہ (اللہ تعالیٰ) ان کے اعمال کی جانچ کرے گا، اور جو نیک ہوں گے انھیں تو لذّت جاودانی عطا فرمائے گا اور جو بد ہوں گے انھیں

Marfat.com

ابدی شعلوں میں جھونک دے گا۔ دوزخ کی آگ سے مراد وہ چھپے ہوئے شعلے ہیں جو
قبر زمین میں بھڑک رہے ہیں![23]

سر ولیم میور قدیم صحائف کے مضامین اور ان کے اسلوب بیان پر تو خاموشی اختیار کیے ہوئے ہے لیکن قرآن مجید کے اسلوب نگارش پر معترض ہے حالانکہ یہ کتاب ان تمام صداقتوں کی امین ہے اور ان تمام حقیقتوں کی ترجمان ہے جو قدیم نوشتوں میں درج تھے اور جس کا مقصد متعلقہ اقوام میں جسم کی چستی اور قلب و نگاہ کی عفت پیدا کرنا تھا۔

پولس کے ہاں شریعت کی اہمیت تو ذرہ برابر بھی نہیں۔ وہ تمام لوگ اس کے نزدیک لعنتی ہیں۔[24] جو شریعت کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں۔ گلتیون کے باب ۳ کی عبارت ۱۱ تا ۱۴ ملاحظہ ہو:

"اور یہ بات ظاہر ہے کہ شریعت کے وسیلہ سے کوئی شخص خدا کے نزدیک راستباز نہیں ٹھہرتا کیونکہ لکھا ہے کہ راست باز ایمان سے جیتا رہے گا۔ مسیحؑ جو ہمارے لیے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔[25]

توراۃ کے قوانین عشرہ سے، جو مذہبی دبستانِ اخلاق میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں پتہ چلتا ہے کہ "شریعت" کی اہمیت کیا ہے؟ اسلام نے بھی ایمان کے ساتھ عمل صالح کو خداوند قدوس کی رضا اور ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت کے لیے شرطِ اوّل قرار دیا ہے۔ اجر و ثواب اور عقوبت و عذاب کا تمام تر دار و مدار انسان کی نیک نیتی اور حسنِ عمل کے لیے سعی و کوشش پر ہے۔ توراۃ نے ان تمام لوگوں کی سرفرازی کا مژدہ سنایا ہے جو "خدا کی بات کو جانفشانی سے مان کر اس کے سب حکموں پر احتیاط سے عمل کرتے ہیں" اور ان لوگوں کو ناکامی و نامرادی کی وعید سناتی ہے جو "اپنے خداوند اپنے خدا کی بات سن کر سب احکام اور آئین پر عمل نہیں کرتے"۔ یہ عبارات ایک طرف تو پولس کی لائی ہوئی مسیحیت کی قلعی کھولتی ہیں اور اس کے کھوکھلے پن کی کہانی کہتی ہیں اور دوسری طرف اسلام کے بیان کردہ اصولوں، جو "قانون مکافاتِ عمل" کی صورت میں کائنات میں جاری و ساری ہیں، کی تائید کرتی ہیں۔ ملاحظہ ہو استثناء کا باب ۲۷۔۲۸۔ جو نقشہ جنت و دوزخ کا (اگرچہ یہ جنتِ ارضی اور عذابِ مادی کا نقشہ ہے) توراۃ پیش کرتی ہے

Marfat.com

اسے دیکھ لیا جاتے اور پھر قیاس کر لیا جاتے کہ جنت و دوزخ کے وہ مناظر جو خداوند قدوس کتاب ہدایت میں پیش کیے ہیں کس قدر حقیقی اور معروضی ہیں۔ توراۃ میں آتا ہے:

"اور اگر تو خداوند اپنے خدا کی بات کو جاں فشانی سے مان کر اس کے ان سب حکموں پر جو آج کے دن میں تجھ کو دیتا ہوں احتیاط سے عمل کرے تو خداوند تیرا خدا دُنیا کی سب قوموں سے زیادہ تجھ کو سرفراز کرے گا۔ اور اگر تو خداوند اپنے خدا کی بات سُنے تو یہ سب برکتیں تجھ پر نازل ہوں گی اور تجھ کو ملیں گی۔ شہر میں بھی تو مبارک ہوگا اور کھیت میں بھی مبارک ہوگا۔ تیری اولاد اور تیری زمین کی پیداوار اور تیرے چوپایوں کے بچے ... مبارک ہوں گے ... خداوند تیرے انبار خانوں میں اور سب کاموں میں جن میں تو ہاتھ لگاتے برکت کا حکم دے گا .... خداوند آسمان کو جو اس کا اچھا خزانہ ہے تیرے لیے کھول دے گا ۔۔ اور تو بہت سی قوموں کو قرض دے گا پر خود قرض نہیں لے گا" ....

"تُو پست نہیں بلکہ سرفراز ہی رہے گا بشرطیکہ تو خداوند اپنے خدا کے حکموں کو... سُنے اور احتیاط سے اُن پر عمل کرے۔ اور جن باتوں کا میں آج کے دن تجھ کو حکم دیتا ہوں، اِن میں سے کسی سے دہنے یا بائیں ہاتھ مڑ کر اور معبودوں کی پیروی اور عبادت نہ کرے۔"

"لیکن اگر تُو ایسا نہ کرے کہ خداوند اپنے خدا کی بات سُن کر اس کے سب احکام اور آئین پر ... احتیاط سے عمل کرے تو یہ سب لعنتیں تجھ پر نازل ہوں گی۔ شہر میں بھی تو لعنتی ہوگا اور کھیت میں بھی لعنتی ہوگا۔ تیرا ٹوکرا اور تیری کٹھوتی دونوں لعنتی ٹھہریں گے .... خداوند ان سب کاموں میں جن کو ہاتھ لگاتے گا لعنت اور اضطراب اور پھٹکار کو تجھ پر نازل کرے گا۔ جب تک کہ تو ہلاک ہو کر جلد نیست و نابود نہ ہو جاتے۔ یہ تیری ان بداعمالیوں کے سبب سے ہوگا جن کو کرنے کی وجہ سے تو مجھ کو چھوڑ دے گا ... خداوند تجھ کو تپ دق اور بخار اور سوزش اور شدید حرارت اور تلوار اور بادِ سموم اور گیروئی سے مارے گا اور یہ تیرے پیچھے پڑے رہیں گے جب

تک کہ تو فنا نہ ہو جائے۔ اور آسمان جو تیرے سر پر ہے پیتل کا اور زمین جو تیرے نیچے ہے لوہے کی ہو جائے گی۔ خداوند مینہ کے بدلے تیری زمین پر خاک اور دھول برسائے گا . . . تیری لاش ہوا کے پرندوں اور زمین کے درندوں کی خوراک ہو گی۔ اور کوئی ان کو ہنکا کر بھگانے کو بھی نہ ہو گا" ۲۶

کیا یہ وعید بدی کے مرتکب انسان کے رونگٹے کھڑے کرنے کے لیے کافی نہیں ؟ کیا یہ صرف بنی اسرائیل کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے تیار کی گئی تھی یا اس کی بنیاد ان اصولوں پر اٹھائی گئی ہے جن کا اظہار یہاں مقصود ہے ؟ کیا اس کا اسلوب بیان کسی مہذب سوسائٹی کے لیے باعث ننگ وعار تو نہیں ؟ اگر نہیں ہے تو پھر قرآن مجید کا اسلوب نگارش کیوں "ان" کی آنکھوں میں چبھتا ہے ؟ اسی وعید کی آئندہ عبارات ملاحظہ ہوں۔ انداز جتنا تیکھا اور چبھتا ہوا ہے وہ اتنا ہی عبرت خیز اور زندگی آموز ہے۔ صحائف کی یہ زبان وقت کے تقاضوں اور قوم کی ذہنی ترقی کے عین مطابق تھی۔ ارشاد ہوتا ہے :

"خداوند تجھ کو مصر کے پھوڑوں اور بواسیر اور کھجلی اور خارش میں ایسا مبتلا کرے گا کہ تو کبھی اچھا بھی نہیں ہونے کا . . . تو اپنے سب دھندوں میں ناکام رہے گا اور تجھ پر ہمیشہ ظلم ہی ہو گا۔ اور تو لٹتا ہی رہے گا اور کوئی نہ ہو گا جو تجھ کو بچائے۔ عورت سے منگنی تو تو کرے گا لیکن دوسرا اس سے مباشرت کرے گا۔ تو گھر بنائے گا پر اس میں بسنے نہ پائے گا۔ تو تاکستان لگائے گا پر اس کا پھل استعمال نہ کرے گا.. تیرے بیٹے اور بیٹیاں دوسری قوم کو دی جائیں گی اور تیری آنکھیں دیکھیں گی . . . خداوند تیرے گھٹنوں اور ٹانگوں میں ایسے برے پھوڑے پیدا کرے گا کہ ان سے تو پاؤں کے تلوؤں سے لے کر سر کی چاندی تک شفا نہ پا سکے گا" . . .

"تب یہ ہو گا کہ جیسے تمہارے ساتھ بھلائی کرنے اور تم کو بڑھانے سے خداوند خوشنود ہوا ایسے ہی تم کو فنا کرانے اور ہلاک کر ڈالنے سے خداوند خوشنود ہو گا . . . اور خداوند تجھ کو زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام قوموں میں پراگندہ کرے گا وہاں تو لکڑی اور پتھر کے اور معبودوں کو جن کو تو یا تیرے باپ دادا جانتے بھی نہیں

Marfat.com

پرستش کرے گا . . . . اور تو اپنے دلی خوف کے اور ان نظاروں کے سبب سے جن کو تُو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا صبح کو کہے گا کہ اے کاش کہ شام ہوتی اور شام کو کہے گا اے کاش کہ صبح ہوتی۔ ؎

توراۃ، قرآن مجید کی طرح (چونکہ دونوں ایک ہی طاقِ نُور سے پھُوٹی ہیں)، اس زریں اصول کی طرف اشارہ کرتی ہے جو بنی اسرائیل یا دوسری تمام آنے والی نسلوں کے ذہن نشین کرانا مقصود تھا تاکہ انسان بُرائی سے بچے اور حسنات میں اضافہ کرے۔ وہ اصول ان عبارات میں محفوظ ہے۔

"دیکھ مَیں نے آج کے دن زندگی اور بھلائی کو اور موت اور بُرائی کو تیرے آگے رکھا ہے۔ کیونکہ مَیں آج کے دن حکم کرتا ہوں کہ تو خداوند اپنے خدا سے محبت رکھے اور اس کی راہوں پر چلے اور اس کے فرمان اور آئین اور احکام کو مانے تاکہ تو جیتا رہے اور بڑھے۔ اور خداوند تیرا خدا اس مُلک میں تجھ کو برکت بخشے جس پر قبضہ کرنے کو تو وہاں جارہا ہے۔"

"پر اگر تیرا دل برگشتہ ہو جائے اور تو نہ سُنے بلکہ گمراہ ہو کر اور معبودوں کی پرستش اور عبادت کرنے لگا تو آج کے دن میں تم کو جتا دیتا ہوں کہ تم ضرور فنا ہو جاؤ گے اور اس ملک میں جس پر قبضہ کرنے کو تو یردن پار جارہا ہے، تمھاری عمر دراز نہ ہوگی۔"

"مَیں آج کے دن آسمان اور زمین کو تمھارے برخلاف گواہ بناتا ہوں کہ مَیں نے زندگی اور موت اور برکت اور لعنت کو تیرے آگے رکھا ہے، پس تُو زندگی کو اختیار کر کہ تُو بھی جیتا رہے اور تیری اولاد بھی۔" ؎

سیرتِ رسولِ مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ باب "مجازات" کے اصول کی مفصل تشریح کا متحمل نہ ہوسکتا تھا لیکن ہم نے اس قانون کی اہمیت کے پیشِ نظر جو اسے افراد اور قوموں کی اجتماعی زندگی میں حاصل ہے، کسی قدر تفصیل سے لکھنا پسند کیا ہے۔ دکھانا یہ مقصود تھا کہ "جس طرح جسمانی موثرات جسم پر مرتب ہوتے ہیں، معنوی موثرات سے روح متاثر ہوتی ہے۔ اعمال کے یہی قدرتی خواص و نتائج ہیں جنھیں جزا۔ و سزا سے تعبیر کیا گیا ہے۔" ان کی نوعیت کیا ہے؟ وحیِ الٰہی نے جس طرح زمانۂ گزشتہ میں انبیائے (علیہم السلام) کی معرفت، اعمال کے اچھے یا بُرے ہونے کے نتائج و عواقب سے ہمیں آگاہ کیا،

Marfat.com

اسی طرح ربیت (صلی اللہ علیہ وسلم) نزولِ کتابِ آخرین، میں ہماری "فہم و استعداد" کے مطابق عذاب و ثواب کا نقشہ پیش کیا گیا۔ اِس نقشہ میں ایک موقع بہشت کا ہے، ایک دوزخ کا، بہشت ... تمام ان کے لیے ہیں جن کے اعمال بہشتی ہوں گے۔ دوزخ کی عقوبتیں ان کے لیے ہیں جن کے اعمال دوزخی ہیں۔"[۲۶] قرآنِ مجید کا انداز الہامی اور آفاقی ہے۔ اگر وہ "صالحین" کو نیکی کے کاموں پر آمادہ کرتا ہے تو وہ "مجرمین" کو بُرائی سے بچنے کے لیے ان اسباب کے قلع قمع کرنے کا حکم دیتا ہے جو شر و فساد اور ظلم و عناد پر منتج ہوتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے :

لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝

(اصحابِ جنّت اور اصحابِ دوزخ (اپنے اعمال و نتائج) میں برابر نہیں ہو سکتے۔ کامیاب انسان وہی ہیں جو اصحابِ جنّت ہیں۔)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے :

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۝ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

(کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لاتے اور اچھے کام کیے ان کے برابر کر دیں گے جو دُنیا میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ؟ یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر قرار دیں گے۔ یہ قرآن ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور اہلِ فہم (و دانش) نصیحت حاصل کریں)

تعلیقات (باب سترہواں)

۱۔ حیات محمدؐ ۔ سر ولیم میور ۔ ج ۲، ص ۱۴۱
۲۔ قرآنِ مجید ۔ سورۃ فاطر ۳۵ : ۴۵
۳۔ ایضاً ۔ سورہ الاسراء ، ۱۷ : ۲۰
۴۔ ترجمان القرآن ۔ ابوالکلام احمد ۔ ج ۱، ص ۷۸-۷۹
۵۔ قرآنِ مجید ۔ سورہ الاعراف ۷ : ۳۴
۶۔ ایضاً ۔ سورہ الشوریٰ ۴۲ : ۴۰
۷۔ انجیل ۔ متی ۱۳ : ۱۹-۲۳
۸۔ ایضاً ۔ ایضاً ۱۳ : ۴۴
۹۔ ایضاً ۔ ایضاً ۱۳ : ۴۷-۵۰
۱۰۔ ترجمان القرآن ۔ ابوالکلام احمد ۔ ج ۱، ص ۱۳۳
۱۱۔ قرآنِ مجید ۔ سورۃ الطور ۔ ۵۲ : ۲۱
۱۲۔ ایضاً ۔ سورہ البقرہ ۲ : ۱۳۴
۱۳۔ قرآنِ مجید ۔ سورہ الحاقۃ ۶۹ : ۲۱-۲۳
۱۴۔ ایضاً ۔ ایضاً ۶۹ : ۲۵، ۳۱-۳۲، ۳۶
۱۵۔ ایضاً ۔ سورہ المعارج ۷۰ : ۱۱-۱۸
۱۶۔ ایضاً ۔ سورۃ الدھر ۷۶ : ۳-۱۹
۱۷۔ حیات محمدؐ ۔ سر ولیم میور ، ج ۲ ، ص ۱۴۱-۱۴۵
۱۸۔ قرآنِ مجید ۔ سورۃ الانفطار ۸۲ : ۱-۶

Marfat.com

(اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۙ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۙ وَاِذَا
الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۙ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۙ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ
وَاَخَّرَتْ ؕ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۙ)

۱۹- انجیل - متی ۷: ۱۶-۲۳
۲۰- ایضاً - ایضاً ۲۵: ۱-۱۳
۲۱- ایضاً - متی ۲۵: ۲۸-۳۰
۲۲- روحِ اسلام، سید امیر علی، ص ۳۳۰
۲۳- معرکۂ مذہب و سائنس جان ولیم ڈریپر (ترجمہ اردو از مولٰینا ظفر علی خاں) ص ۵۷
۲۴-۲۵- انجیل - گلتیون ۳: ۱۱-۱۳
۲۶-۲۷ توراۃ - استثناء ۲۷، ۲۸: (مجموعی طور پر دیکھے جائیں)
۲۸- توراۃ - استثناء ۳۰: ۱۵-۱۹
۲۹- قرآن مجید - سورہ الحشر ۵۹: ۲۰
۳۰- ایضاً - سورۃ ص ۳۸: ۲۸-۲۹

Marfat.com

باب اٹھارہواں

تاسیسِ ریاست کی طرف ایک شعوری قدم

دستورِ مدینہ

دفعاتِ منشورِ مدینۃ النبیّ (صلی اللہ علیہ وسلم)

۱۔ یہ تحریری دستاویز ہے اللہ کے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قریش اور یثرب کے اہلِ ایمان اور ان لوگوں کے باب میں جو اُن کے اتباع میں ان کے ساتھ شامل ہیں اور ان کے ہمراہ جنگ میں حصّہ لیں؛

۲۔ یہ (تمام گروہ) دُنیا کے لوگوں سے ممتاز و میتز ایک علیحدہ (سیاسی) وحدت متصوّر ہوں گے۔

۳۔ مہاجرین جو قریش میں سے ہیں عَلیٰ حالہٖ دیتوں اور خون بہا وغیرہ کے معاملات میں اپنے قبیلہ کے طے شدہ رواج کے مطابق عمل کریں گے۔ اپنے قیدیوں کو مناسب فدیہ دے کر چھڑائیں گے اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کریں گے!

۴۔ اور بنو عوف بھی اپنی جگھوں پر قائم رہیں گے اور خون بہا وغیرہ کا طریقہ ان میں حسبِ سابق قائم رہے گا۔ ہر گروہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑاتے گا؟

۵۔ اور بنو ساعدہ بھی اپنی جگھوں پر قائم رہیں گے اور خون بہا کا طریقہ ان میں حسبِ سابق قائم رہے گا۔ ہر گروہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ..... (دفعہ (۴) کی مانند)

۶۔ اور بنو حارث بھی اپنی جگھوں پر قائم رہیں گے ... (دفعہ (۴) کی مانند)

۷۔ اور بنو جشم بھی اپنی جگھوں پر قائم رہیں گے ... (دفعہ (۴) کی مانند)

Marfat.com

- اور بنو نجار بھی اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے . . . . . (دفعہ (۴) کی مانند)
- اور بنو عمرو بن عوف بھی اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے . . . . (دفعہ (۴) کی مانند)
- اور بنو النبیت " " " " " . . . . (" ")
- اور بنو الاوس " " " " " . . . . (" ")
- اہلِ ایمان اپنے کسی زیر بار قرض دار کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے بلکہ قاعدے کے مطابق فدیہ، دیت اور تاوان ادا کرنے میں اس کی مدد کریں گے؛
- اور کسی مومن کے آزاد کردہ غلام کو کوئی مومن حلیف نہ بنائے گا۔
- اور یہ کہ تمام تقویٰ شعار مومنین متحد ہو کر ہر اس شخص کی مخالفت کریں گے جو سرکشی اختیار کرے۔ ظلم، گناہ اور تعدی کے ہتھکنڈوں سے کام لے اور ایمان والوں کے درمیان فساد پھیلائے۔ ایسے شخص کی مخالفت میں ایمان والوں کے ہاتھ ایک ساتھ اُٹھیں گے اگرچہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو؛
- کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو، کافر کے عوض قتل نہیں کرے گا۔ اور نہ مومن کے خلاف وہ کسی کافر کی مدد کرے گا؛
- اور اللہ کا ذمہ (اور پناہ سب کے لیے یکساں اور) ایک ہے۔ ادنیٰ ترین مسلمان بھی کافر کو پناہ دے سکتا ہے۔ اہلِ ایمان دوسرے لوگوں کے مقابلے میں بھائی بھائی اور مددگار و کارساز ہیں؛
- یہودیوں میں سے جو بھی ہمارا اتباع کرے گا تو اسے مدد اور مساوات حاصل ہو گی۔ ان (یہود) پر نہ تو ظلم کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے خلاف کسی (دشمن) کی مدد کی جائے گی؛
- تمام اہلِ ایمان کی صلح یکساں اور برابر کی حیثیت رکھتی ہے۔ کوئی مومن قتال فی سبیل اللہ میں دوسرے مومن کو چھوڑ کر (دشمن سے) صلح نہیں کرے گا۔ اور اسے مسلمانوں کے درمیان عدل و مساوات کو ملحوظ رکھنا ہو گا؛
- جو لشکر ہمارے ساتھ جہاد میں شریک ہو گا، اس کے افراد آپس میں باری باری ایک دوسرے کی جانشینی کریں گے؛

Marfat.com

۲۰۔ اہلِ ایمان کفار سے انتقام لینے میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے؛

۲۱۔ تمام تقویٰ شعار مسلمان اسلام کے احسن اور اقوم طریق پر ثابت قدم رہیں گے؛

۲۲۔ اور (مدینہ کا) کوئی مشرک قریش کے کسی شخص کو مالی یا جانی کسی طرح کی پناہ نہ دے گا اور نہ مسلمان کے مقابلے پر اس (قریشی) کی حمایت و مدد کرے گا؛

۲۳۔ اور جو شخص ناحق کسی مومن کا خون کرے گا، اسے مقتول کے عوض (بطور قصاص) قتل کیا جائے گا الّا یہ کہ اس مقتول کا ولی اس کے عوض خون بہا لینے پر رضامند ہو جائے اور تمام اہلِ ایمان قاتل کے خلاف رہیں گے؛

۲۴۔ کسی ایمان والے کے لیے جو اس دستور العمل کے مندرجات کی تعمیل کا اقرار کر چکا ہے اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، یہ ہرگز جائز نہ ہوگا کہ وہ کوئی نئی بات نکال کر فتنہ انگیزی کے ذمہ دار کی حمایت کرے یا اسے پناہ دے۔ جو ایسے کسی (مجرم) کی حمایت و نصرت کرے گا یا اسے پناہ دے گا تو وہ قیامت کے دن اللہ کی لعنت اور اس کے غضب کا مستوجب ٹھہرے گا۔ اور (وہاں) اس کی توبہ قبول کی جائے گی نہ (عذاب کے بدلے) کوئی فدیہ؛

۲۵۔ اور جب تم مسلمانوں میں کسی قسم کا تنازعہ ہوگا تو اسے اللہ (اور اس کے رسولؐ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

۲۶۔ اور یہ کہ جب تک جنگ جاری رہے یہودی اس وقت تک مومنین کے ساتھ مل کر مصارف اُٹھائیں گے؛

۲۷۔ اور یہودی بنی عوف اور ان کے اپنے حلفاء اور موالی، سب مل کر ایک جماعت (فریق) متصور ہوں گے؛

۲۸۔ یہودی اپنے دین پر (رہنے کے مجاز) ہوں گے اور مومن اپنے دین پر کاربند رہیں گے۔ البتہ جس نے ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کیا تو وہ محض اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو مصیبت میں ڈالے گا؛

۲۹۔ اور بنی النجار کے یہودیوں کے لیے بھی وہی کچھ مراعات ہیں جو بنی عوف کے یہودیوں کے

Marfat.com

لیے ہیں :

۳۰۔ اور بنی الحارث کے یہودیوں کے لیے . . . . (دفعہ: ۱۹) کی مانند۔)

۳۱۔ اور بنی ساعدہ کے یہودیوں کے لیے . . . . (" " ")

۳۲۔ اور بنی جشم کے یہودیوں کے لیے . . . . (" " ")

۳۳۔ اور بنی الاوس کے یہودیوں کے لیے . . . . (" " ")

۳۴۔ اور بنی ثعلبہ کے یہودیوں کے لیے بھی وہی کچھ ہے جو یہودی بنی عوف کے لیے ہے۔ البتہ جو ظلم اور عہد شکنی کا مرتکب ہو تو خود اس کی ذات اور اس کے گھرانے کے سوا کوئی دوسرا مصیبت میں نہیں پڑے گا؛

۳۵۔ اور جفنہ جو ثعلبہ کی شاخ ہے، اسے بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو حاصل ہیں ؛

۳۶۔ اور بنی شطیبہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود بنی عوف کے لیے ہیں اور ہر ایک پر اس (دستاویز) کی وفاشعاری لازم ہے نہ کہ عہد شکنی ؛

۳۷۔ اور ثعلبہ کے موالی کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کے لیے ہیں ؛

۳۸۔ اور یہودی قبائل کی ذیلی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کے ہیں ؛

۳۹۔ اور یہ کہ ان قبائل میں سے کوئی فرد (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اجازت کے بغیر نہیں نکلے گا (فوجی کارروائی کے لیے) ؛

۴۰۔ اور کسی مار یا زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی اور ان میں سے جو فرد یا جماعت قتل ناحق اور خوں ریزی کا ارتکاب کرے تو اس کا وبال یا ذمہ داری اس کی ذات اور اس کے اہل و عیال پر ہوگی۔ اور اللہ اس کے ساتھ ہے جو اس سے بری الذمہ ہے؛

۴۱۔ اور یہودیوں پر ان کے مصارف کا بار ہوگا اور مسلمانوں پر ان کے مصارف کا ؛

۴۲۔ اور اس صحیفہ والوں کے خلاف جو بھی جنگ کرے گا، تو تمام فریق (یہودی اور مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ نیز خلوص کے ساتھ ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے اور ان کا شیوہ وفاداری ہوگا نہ کہ عہد شکنی ؛

۴۳۔ اور ہر مظلوم کی بہر حال حمایت و مدد کی جائے گی۔

Marfat.com

۴۴۔ اور یہ کہ جب تک جنگ رہے، یہودی اس وقت تک مومنین کے ساتھ مل کر مصارف اٹھائیں گے؛

۴۵۔ اور اس صحیفہ والوں کے لیے حدودِ یثرب (مدینہ) کا داخلی علاقہ (جوف) حرم کی حیثیت رکھے گا؛

۴۶۔ پناہ گزیں پناہ دہندہ کی مانند ہے۔ نہ کوئی اس کو ضرر پہنچائے اور نہ وہ خود عہد شکنی کر کے گناہ گار بنے؛

۴۷۔ اور کسی پناہ گاہ میں وہاں والوں کی اجازت کے بغیر کسی کو پناہ دی جائے گی؛

۴۸۔ اور اس صحیفہ کے ماننے والوں میں اگر کوئی نئی بات پیدا ہو (جس کا ذکر اس دستاویز میں نہیں) یا کوئی اور جھگڑا جس سے کسی نقصان اور فساد کا اندیشہ ہو، تو اس متنازعہ فی امر کے فیصلے کے لیے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اور اللہ (کی تائید) اس شخص کے ساتھ ہے جو اس صحیفہ کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ احتیاط اور وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے؛

۴۹۔ اور قریشِ مکہ اور ان کے حامیوں کو کوئی پناہ نہیں دی جائے گی؛

۵۰۔ اور یثرب (مدینہ) پر جو بھی حملہ آور ہو، تو اس کے مقابلہ میں یہ سب (یہودی اور مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے؛

۵۱۔ ان (مسلمانوں) میں سے جو اپنے حلیف کے ساتھ صلح کرنے کے لیے یہود کو دعوت دے تو یہود اس سے صلح کر لیں گے۔ اسی طرح اگر وہ (یہود) کسی ایسی ہی صلح کے لیے دعوت دیں تو مومنین بھی اس دعوت کو قبول کر لیں گے۔ اِلّا یہ کہ کوئی دین کے لیے جنگ کرے؛

۵۲۔ تمام لوگ (فریق) اپنی اپنی جانب کے علاقے کی مدافعت کے ذمہ دار ہوں گے؛

۵۳۔ اور قبیلہ اوس کے یہود کو، خواہ موالی ہوں یا اصل، وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس صحیفہ کے ماننے والوں کو حاصل ہیں۔ اور وہ بھی اِس صحیفہ کے ماننے والوں کے ساتھ خالص وفا شعاری کا برتاؤ کریں۔ نیز قرارداد کی پابندی کی جائے گی نہ کہ عہدِ شکنی؛

۵۴۔ ہر کام کرنے والا اپنے عمل کا ذمہ دار ہوگا۔ زیادتی کرنے والا اپنے نفس پر زیادتی کرے

Marfat.com

گا۔ اور اللہ اس کے ساتھ ہے جو اس صحیفہ کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ صداقت اور وفاشعاری کے ساتھ تعمیل کرے؛

۵۵۔ یہ نوشتہ کسی ظالم یا مجرم (کو اس کے جرم کے نتائج سے بچانے کے لیے) کام نہ آئے گا۔ جو جنگ کے لیے نکلے (کسی اور جگہ نقلِ مکانی کرے) وہ بھی اور جو گھر میں بیٹھا رہے وہ بھی امن کا حقدار ہوگا۔ البتہ اس سے صرف وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جو ظلم یا جرم کے مرتکب ہوں؛

۵۶۔ اور جو اس نوشتہ کی وفاشعاری اور احتیاط سے تعمیل کرے گا، تو اللہ اور اس کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اس کے نگہبان (اور خیراندیش) ہیں؛

دستور/منشور/معاہدۂ مدینہ کا مطالعہ مختلف مورخین اور اصحاب سیر نے چونکہ مختلف تناظر میں کیا ہے اِس لیے انھوں نے اس کو مختلف ناموں سے یاد کیا ہے۔ وہ احباب جنھوں نے اس کا مقصد مسلمانوں کے یہودیوں اور دیگر غیرمسلم اقوام کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنا ٹھہرایا ہے (تاکہ وہ نئی ریاست کے قیام و انصرام میں مزاحم نہ ہوں) وہ اسے ایک "حلیفانہ معاہدہ" سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ اصحاب جو اس کے دُوررَس اثرات کو، جو عرب معاشرہ اور سیاست پر مترتب ہونے والے تھے، سمجھ پائے، انھوں نے اسے "دستور" یا "منشور" سے تعبیر کیا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس معاہدہ کو، اس کی زبان، اس کے اسلوبِ بیان اور اس کے متن (مندرجات) کے لحاظ سے "دستور" (Constitution) کہا ہے اور اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ یہ دُنیا کا پہلا تحریری دستور ہے جس میں حکمران کے حقوق و فرائض اور دیگر فوری ضروریات کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔[۱۲] (Watt, Montgomery) نے بھی اسے "دستورِ مدینہ" کے نام سے یاد کیا ہے۔ وِالہوسن اسے فرمان (Decree) قرار دیتا ہے۔ ڈاکٹر نکلسن اپنی شہرۂ آفاق کتاب (A Literary History of the Arabs) میں اسے "منشور" (Charter) سے تعبیر کرتے ہیں۔ انھوں نے مزید کہا ہے کہ اس سے "اسلامی ریاست" کا آغاز ہوتا ہے۔[۱۳] جوزف ہل (Joseph Hell) نے ڈاکٹر نکلسن سے اتفاق کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ:

"اس کے مندرجات سے پتہ چلتا ہے کہ گویا اسلامی ریاست کی بنیادیں رکھی جارہی ہیں۔"[۱۴]

Marfat.com

ابنِ ہشام نے السیرۃ النبویۃ؎ میں، ابن سیدالناس نے عیون الاثر میں؎ اور علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبیؐ میں؎ اس میثاق کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور یہودیوں کے مابین ایک معاہدہ قرار دیا ہے۔

دستورِ مدینہ کا محتاط اور قانونی اندازِ بیان اور اس کی اٹھان ان "معاہدوں" اور محالفوں" سے یکسر مختلف ہے جو مختلف قبائل کے درمیان بوقتِ ضرورت طے پاتے تھے۔ اس کی صورت ایک ایسے منشور کی ہے جو حکمران کی طرف سے اپنی رعایا کے لیے جاری کیا گیا ہے۔؎ اس دستور میں حقوق و فرائض کی تعیین کے علاوہ معاشی ضروریات اور سیاسی ترجیحات کو پورا کرنے کی بلیغ کوشش کی گئی ہے۔ اس کا اطلاق مدینے کے تمام باسیوں پر یکساں طور پر ہوتا ہے — ان کا تعلق مہاجرین سے ہو یا انصار سے یہود سے ہو یا منافقین سے۔ اس منشور کی ہمہ گیری اور وسعت اس بات کا وافر ثبوت مہیا کرتی ہے کہ یہ محض یہود کے ساتھ ایک معاہدہ ہی نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے استخلاف فی الارض کو منوانے کی طرف ایک سوچا سمجھا اقدام تھا۔ اس کا آغاز "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے ہوتا ہے اور اس کی شق (۴۸) اس بات کا اعلان کرتی ہے۔

"کہ اس صحیفہ کے ماننے والوں میں اگر کوئی نئی بات پیدا ہو یا کوئی ایسا جھگڑا جس سے فساد کا اندیشہ ہو، تو اس متنازعہ فی امر میں فیصلے کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔"

"منشور کی نوعیت کچھ بھی ہو، رسالت کا اقرار کیے بغیر دوسرے گروہوں کا نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنا حَکَم یا ثالث مان لینا معجزے سے کم نہیں۔ اس میں دو واضح گروہ ہیں جنہیں سیاسی مصلحتوں کے تحت "اُمَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ" کے نام سے یاد کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو شق نمبر ۲) بعض مستشرقین کا یہ خیال کہ مدینے کا وہ گروہ جو یہودیوں، عیسائیوں اور غیر مسلم عربوں پر مشتمل تھا "اُمتِ مسلمہ" کے دائرہ سے خارج تصور نہیں کرنا چاہیے، نہ صرف غلط ہے بلکہ منشور کی رُوح کے بھی منافی ہے۔" اُمت" کا لفظ متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ کبھی اس سے مراد گروہ یا جماعت ہوتی ہے اور کبھی طریقہ، دین اور سُنّت۔ چونکہ اُمت کا دائرۂ کار خالص عمرانی ہے اس لیے یہاں اُمت سے مراد ایسا گروہ یا جماعت ہے جس میں بعض قدریں مشترک ہوں۔ منشور کی رُوح کے

Marfat.com

مطابق، اس میں امتزاج و ائتلاف کا مقصد "مشترکہ مقصد میں اتحاد و اتفاق" تھا نہ کہ کسی "متحدہ قومیت کی تکوین"۔ چونکہ دستور کو مدنی معاشرہ کی سیاسی ضروریات کے پیش نظر مرتب کیا گیا تھا، اس لیے سیاسی ضرورتوں کا حل سیاسی وحدت کے ذریعہ ہی ممکن تھا۔ ہمارے اس دعوے کی تائید دستور کی شق (۱۴) سے ہوتی ہے جس میں مومنین کی جماعت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

"وَاِنَّ الْمُؤْمِنِیْنَ بَعْضُهُمْ مَوَالِیْ بَعْضٍ دُوْنَ النَّاسِ"

(بے شک جو لوگ ایمان لائے، دوسرے لوگوں کے مقابلے میں باہم حلیف ہیں)

چنانچہ دستور کی شق (۱) مسلمان مہاجرین اور انصار کو تمام دوسرے لوگوں سے ایک الگ امت قرار دیتی ہے جس کی بنیاد ایک دین، ایک نظریۂ حیات اور مخصوص ثقافت پر رکھی گئی ہے جبکہ دوسرے تمام گروہ (یہود و نصاریٰ اور منافقین و مشرکین) ایک الگ امت ہیں۔ وہ اتباع کرنے والے ہیں، حامی و ناصر ہیں اور اول الذکر گروہ کے ساتھ مل کر شر و فساد کے استیصال، ظلم و عدوان کے خاتمے، قریش کی ناکہ بندی اور مدینے کے دفاع میں سعی و کوشش کرنے والے ہیں۔ اس طرح "محمد (النبی صلی اللہ علیہ وسلم)، مومنین اور مسلمین بن قریش و یثرب" ایک گروہ ہیں اور "مَنْ تَبِعَهُمْ فَلَحِقَ بِهِمْ وَجَاهَدَ مَعَهُمْ" دوسرا گروہ ہیں۔

اُمتِ مسلمہ اور غیر مسلم طبقات کے درمیان جو بھی معاہدہ ہوا ہے اس کی بنیاد صرف اس بات پر رکھی گئی ہے کہ وہ مدینے کے باشندے ہیں۔ انہیں نظر انداز کیا جا سکتا ہے نہ انہیں ڈھیل دی جا سکتی ہے کہ جس طرح چاہیں کھل کھیلیں۔ اسلامی ریاست کے قیام، اس کی بقا اور تحفظ، مدینے کی امن و سلامتی اور مستقبل کی ترقی و خوشحالی کے لیے ضروری تھا کہ غیر مسلم عناصر کو موجودہ حیثیت ہی میں اس طرح شریک و سہیم کر لیا جائے کہ وہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنا ثالث اور مرجع قبول کر لیں۔ ولہاوزن نے اپنی تاریخی بصیرت سے اس حقیقت کو بھانپ لیا تھا:

"یہود کو اُمت (مسلمہ) سے وہ قربت نہیں حاصل نہ تھا جو انصار و مہاجرین کو تھا، اور نہ ہی ان کو برابر کے حقوق و فرائض حاصل تھے۔"

بہر حال، دستور مدینہ غیر مسلم طبقات کو مدینے کے معاشرے میں وہ مقام دیتا ہے جو حلیف کے وجہ سے ملتا ہے۔ ان تمام تر تعلقات کی بنیاد، احترام آدمیت اور سماجی انصاف کے

اصولوں پر اٹھائی گئی تھی نہ کہ میکیاولی (Machiavelli) کی طرح "دھوکہ دہی، بد عہدی اور بے وفائی" پر، جو اس کے خیال میں، کارہائے نمایاں انجام دینے کی خاطر ریاست کے لیے ضروری ہیں۔

اس منشور کے مطابق یہودیوں کو مسلمان رعایا کے ساتھ سیاسی و تمدنی حقوق میں مساوات دی گئی لیکن ان کے دین، عقیدہ، دیت اور دوسرے رسم و رواج میں انھیں بالکل آزاد رکھا گیا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہود اور ان کے ساتھیوں نے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیادت ہی کو قبول نہیں کیا بلکہ مدینۃ النبی اور اس کے مضافات کو بھی حرم کی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔ "حرم" کے مفہوم میں جائے امن، جائے پناہ، قتل و غارت گری کی ممانعت تمام چیزیں شامل ہیں۔ اگر اس میثاق کو ایک عظیم "فوجی اتحاد" تصور کیا جائے، جو نئی ریاست کے دفاع کے لیے قائم کیا گیا تھا تو غلط نہ ہوگا۔ اس سے مراد یہ تھی کہ یہود اور دوسری غیر مسلم قومیں اپنی مذہبی، ثقافتی اور سماجی حیثیت کو الگ قائم رکھتے ہوئے شہری ریاست کے اندر امن و سلامتی کی زندگی بسر کریں۔ انھیں انفرادی اور اجتماعی تحفظ حاصل ہو۔ جب کوئی کسی ایک فریق پر حملہ کرے گا تو دونوں فریق مل کر اس سے لڑیں گے اور دونوں علیحدہ علیحدہ مصارف جنگ برداشت کریں گے۔ منشور کی یہ شق غیر مسلم قوموں کی قریش کے ساتھ مساعدت و تعاون کے تمام راستے بند کر دیتی ہے۔ اور اہل یثرب کے لیے قریش کے ساتھ تمام حلیفانہ روابط کو جاری رکھنے کے احکامات کو ختم کر دیتی ہے۔

اس طرح کوئی شخص حتیٰ کہ ایک مشرک بھی کسی قریشی کو پناہ دے گا۔ نہ ہی کسی ظالم یا مجرم کے آڑے آئے گا۔ ڈاکٹر نکلسن رقمطراز ہیں کہ:

> "بظاہر یہ ایک محتاط اور شعوری اصلاح تھی لیکن حقیقت میں یہ ایک انقلاب تھا۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قبائل کی خود مختاری پر نہ صرف کھلم کھلا ضرب لگائی بلکہ اُسے ختم کر دیا۔ اور انجام کار اختیار قبیلے سے معاشرہ کو منتقل ہو گیا۔ معاشرہ میں اگرچہ مسلمان، یہود اور مشرک سبھی شامل تھے لیکن آنحضورؐ اس بات سے آگاہ تھے کہ آنے والے دور میں مسلمان ہی نئی ریاست کا فعال اور غالب حصہ ہوں گے جب کہ آپؐ

Marfat.com

کے دشمن اس حقیقت کے ادراک سے محروم رہے ہیں۔"

والٹرنسن، اپنے تعصبات کے باوجود، کبھی کبھی سچی بات کہہ دیتا ہے۔ حقیقت وہی ہے جو اعدا سے بھی اپنا وجود منوا لے۔ وہ کہتا ہے:

"مکمل حاکمانہ اختیارات کے ساتھ پہلا عربی معاشرہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھوں شہر مدینہ میں قائم ہوا لیکن خون کی بنیاد پر نہیں جو لامحالہ اختلافات کو جنم دیتا ہے بلکہ دین کی بنیاد پر جس کا اطلاق ہر فرد پر یکساں طور پر ہوتا تھا۔"

اگلے موضوع کی طرف بڑھنے سے پیشتر مناسب ہوگا کہ ہم "دستورِ مدینہ" پر ایک بار پھر نگاہ ڈال لیں تاکہ دیکھ سکیں کہ نبی اکرم ؐ نے کس طرح یہودیوں کی مخالفت و مزاحمت اور منافقوں کی نفرت و حقارت کے باوجود ایک سیاسی نظام کی داغ بیل ڈالی اور ایک شہری ریاست کو خلعتِ وجود عطا کیا۔ اس سلطنت کے اصول و مبادیات، جن کی توضیح سورہ بنی اسرائیل میں زیر آیت ۲۲ تا ۳۹ کردی گئی ہے، اس عمدگی سے طے کیے کہ مدینہ کے تمام سماجی گروہوں اور سیاسی طبقوں کو اطاعت کرتے ہی بنی۔ اسلام اپنی جامعیت، وسعت اور گہرائی کے لحاظ سے ایک نیا نصب العین بن کر اُبھرا۔ اس نظام تمدن و اخلاق میں، جس کی بنیاد توحید و رسالت اور آخرت کے واضح تصور پر رکھی گئی تھی، اللہ تعالیٰ مقتدرِ اعلیٰ تھا۔ اس کا قانون مسلمانوں کے لیے دستورِ حیات تھا اور رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذاتِ اقدس اللہ تعالیٰ کا نائب ہونے کی حیثیت سے قانون کے نفاذ، اس کی تشریح و تعبیر اور اس کی تعلیم و تدریس کی ذمہ دار تھی۔

"دستورِ مدینہ" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا خطاب دو گروہوں سے ہے۔ ایک مسلمانوں کا جو مہاجرین اور انصار پر مشتمل تھا اور دوسرا یہود، مشرکین اور منافقین کا۔ ان کے باہمی تعلقات کی نوعیت نہ صرف سماجی، معاشی اور سیاسی ہی تھی بلکہ انھیں امن و سلامتی کے قیام اور عدل و احسان کو اپنانے کی بھی ہدایت کردی گئی تھی۔ اس ریاست کا مقصد جہاں آزادی کے امکانات کی تلاش تھی وہاں اس کی ایک بڑی غایت یہ بھی تھی کہ مدینے اور اس کے قرب و جوار میں بسنے والے قبائل کو قتل و غارت سے نجات اور معاشی استحصال سے تحفظ مہیا کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دستور کی مختلف دفعات میں ہمیں فدیہ، دیت، قصاص، خون بہا اور رجوع الی اللہ و رسولؐ

Marfat.com

کی اصطلاحات ملتی ہیں۔ اس معاشرے کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نیکیاں فروغ پاتی ہیں اور منکرات کم ہوتے ہیں۔

یہ دستور ایک مکمل اور جامع فرمان کی حیثیت سے ایک ہی مرتبہ ۱ھ میں نافذ ہوا۔ اس کا انداز بیان اور اسلوب اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ وہ ایک کُل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے اس خیال کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ اس کا پہلا حصّہ ۱ھ میں نافذ ہوا جب کہ دوسرا حصّہ جنگ بدر کے بعد جب یہودی مسلمانوں کی کامیابی سے گھبرا اٹھے تھے۔ اور سمجھ رہے تھے کہ قریش کی ہزیمت کے بعد ان کے لیے مسلمانوں کی اطاعت و انقیاد کے سوا اب کوئی چارہ باقی نہیں رہا۔ یہی وہ منشور تھا جس میں دوسرے گروہوں کو مکمل آزادی کی ضمانت دی گئی تھی، انھیں ان کے مال، جان اور آبرو کے تحفظ کی یقین دہانی کرائی گئی تھی اور انھیں پھلنے پھولنے کے تمام مواقع مہیا کیے گئے تھے۔ اگر دیکھا جائے تو دنیا کی بڑی سے بڑی لادینی ریاست (Secular State) بھی آج تک اپنی اقلیتوں کو وہ تحفظ مہیا نہیں کر سکی جو اسلام نے اپنی دستوری دستاویز (۱۰) میں مدینہ کی اقلیتوں کو مہیا کیا تھا۔ اگر بعد میں ان گروہوں نے اپنے حقوق کھو دیے تو یہ نتیجہ تھا ان کی باغیانہ سرشت، سقیم طرز عمل اور منافقانہ چالوں کا۔ اس کی ذمہ داری کسی طرح بھی اسلامی ریاست پر عائد نہیں ہوتی۔

مہاجرین اور انصار کے تعلقات کا یہ پہلو جو اپنے اندر باہمی احترام اور افہام و تفہیم لیے ہوتے ہے خوشگوار بھی ہے اور خوش آئند بھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں گروہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ماضی کی تلخیوں کو بھلا چکے تھے اور ایک نئے نظام تمدن کی داغ بیل ڈالنے کے لیے متحدہ کوششوں کو جاری رکھے ہوئے تھے۔ ان کا یہ اتحاد یہود اور منافقین کو کسی طرح نہیں بھاتا تھا۔ منافقین کی خوش حالی، خوش وضعی اور خوش لباسی کا تذکرہ ہمارے مورخین نے اکثر بار کیا ہے۔ ہمیں ان کے خیالات و عقائد کی پختگی، مقاصد کی تعیین اور طرز عمل کی صلابت کے اشارے بھی ملتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کو اسلامی ریاست کے خلاف اکسانے اور مسلمانوں کے درمیان شکوک و شبہات پیدا کرنے کے ذمہ دار یہود تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ نبی اکرمؐ کی فہم و فراست اور تائید ایزدی کے سبب مسلمان ہمیشہ ان کے داؤ پیچ سے محفوظ رہے لیکن یہود اور منافقین نے اپنی سی کوشش

Marfat.com

کرنے میں کبھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

منشورِ مدینہ کا احترام ان مؤخر الذکر گروہوں پر بڑا شاق گزرتا تھا۔ چنانچہ منافقین نے یہود کی طرح اس منشور کی دفعات کو نظر انداز کرتے ہوئے قریشِ مکہ کے ساتھ اپنے تعلقات بڑھانے شروع کیے۔ وہ ان کے لیے جاسوسی کے فرائض انجام دیتے اور انھیں کامیابی کی امید دلا کر مسلمانوں پر فوج کشی کے لیے ابھارتے۔ قرآن مجید نے ان کی بے ثمر کوششوں کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے:

وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ (التوبہ ۹: ۷۴)

(اور ایسی بات کا ارادہ کیا جو انھیں حاصل نہ ہو سکی (تبوک سے واپسی پر آپ کو قتل کر دینے کی کوشش)) غزوۂ بنو نضیر کے موقع پر عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں نے جس ڈھٹائی سے یہود کی حمایت کا اعلان کیا، اس پر قرآن مجید نے اس طرح گرفت فرمائی ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ
الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ
لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا
وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ
لَكَاذِبُونَ ۝ (الحشر ۵۹-۱۱)

جنگ بدر کے بعد رئیس المنافقین (عبداللہ بن اُبی) کا بنو قینقاع کی بے جا حمایت کرنا، جنگِ اُحد کے موقع پر اپنے ۳۰۰ ساتھیوں سمیت علیحدہ ہو جانا اور جنگِ احزاب میں افواہوں کے پھیلانے کے علاوہ بنو قریظہ کی عہد شکنی کے باوجود، ان کا ساتھ دینا۔ ایسی حرکات ہیں جو یہود اور منافقین کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کا تقاضا کرتی تھیں مگر نبی اکرمؐ نے ہمیشہ درگزر سے کام لیا اور انھیں اپنی اصلاح کا موقع فراہم کیا لیکن وہ تھے کہ کھلی بغاوت پر تلے ہوئے تھے۔ ان کے ان جرائم کے پیشِ نظر حضرت عمرؓ نے مجبور ہو کر عرض کیا: یا رسولؐ اللہ کیا یہ لوگ واجب القتل نہیں؟ آپؐ نے فرمایا: "عمر! دنیا کیا کہے گی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کروانا شروع کر دیا ہے"۔ یہ نبی اکرمؐ کی حکمتِ عملی کا حصہ تھا کہ یہود اور قریشِ مکہ کے ساتھ

Marfat.com

لڑائی کے دوران میں منافقین سے تعرض نہ کیا جاتے جن میں سے اکثر کا تعلق اوس اور خزرج کے قبائل سے تھا۔ نبی رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سوچا کہ یہود کے اخراج کے بعد منافقین سے نمٹنا آسان ہو جائے گا۔ اس لیے انھیں ابھی ڈھیل دی جا سکتی ہے۔ چنانچہ بنو قریظہ کے مکمل اخراج کے بعد منافقین کو اپنی روش بدل لینے کے لیے کہا گیا۔ بصورتِ دیگر ان سے سختی برتی جائے گی کیونکہ اسلامی معاشرے میں اِس قسم کے مفسدین کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

• لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝
(الاحزاب ۶۰-۶۲)

اگر منافقین اور وہ لوگ باز نہ آتے جن کے دلوں میں روگ ہے اور جو مدینہ میں افواہیں اُڑایا کرتے ہیں۔ تو ہم ضرور آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بس بہت ہی قلیل رہنے پائیں گے۔ اور وہ بھی پھٹکار پڑے ہوئے، جہاں کہیں بھی مل گئے پکڑ لیے گئے اور ان کے ٹکڑے اڑا دیے گئے۔

ایک اور اہم مسئلہ (جس کی طرف پہلے بھی اشارہ کر دیا گیا ہے) نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مدنی معاشرہ میں مقام و مرتبہ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہودی اور عیسائی مورخین نے (باستثنائے چند) اپنے علم و تحقیق، تاویل و تفسیر، بیان و زبان اور دلائل و نظائر کو اِس لیے خرچ کیا ہے کہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ مدینہ میں تشریف لانے کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقام کسی قبیلے کے سردار سے زیادہ نہ تھا۔ بلکہ انھوں نے اپنے استدلال سے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مدینہ میں کچھ اور بھی سردار بستے تھے جو آپ کی نسبت زیادہ طاقتور، زیادہ بااثر اور زیادہ قوت و شوکت کے مالک تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) عبداللہ بن ابی کے خلاف اس کی زیادتیوں، اس کی بے جا دخلتوں اور ڈھونگوں کے باوجود کوئی موثر قدم نہ

Marfat.com

اُٹھاسکے، نیز بنی قریظہ کے معاملے میں حضرت سعدؓ بن معاذ کو حَکَم مقرر کرنا آپ کی مرکزی سیاسی حیثیت کی غمازی کرتا ہے۔

مستشرقین کا یہ رویّہ کوئی نیا نہیں بلکہ ایک سوچی سمجھی سکیم کا حصّہ ہے۔ اگر اس منشور کی مختلف دفعات کو غور سے پڑھا جائے تو پتہ چل جائے گا کہ مدنی معاشرے کے تمام طبقوں نے (بالاتفاق) نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو عزت واحترام اور شرف ومجد کا جو اعلیٰ مقام دیا تھا وہ شاید ہی کسی بڑے سے بڑے حکمران کو اس قلیل مدت میں حاصل ہوا ہو۔ اس کی وجہ وہاں کی معاشرتی، معاشی اور سیاسی زندگی کے وہ تقاضے تھے جو طویل جنگی ہذیانی کیفیات کی کوکھ سے پیدا ہوتے تھے اور جن کے سبب مدینے کے رہنے والے اپنے آپ کو غیر محفوظ، سریع الحس اور ملامت زدہ سمجھنے لگ گئے تھے۔ اگر محبوبِ داور محشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مدینہ لانے کی دعوت کا جائزہ حالات کی (　　　　) میں لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یثرب کے لوگوں کے روگوں کا مداوا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دارالشفاء ہی میں تھا۔ تمام قبائلی سرداروں کا جن میں حضرت ابو امامہ اسعدؓ بن زرارہ (بنی مالک بن النجار)، حضرت عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ انصاری (بنی سالم بن عوف)، حضرت عبادہؓ بن صامت (بنی عوف)، حضرت ابوالہیثمؓ بن التیہان (بنی عبدالاشہل)، حضرت جابرؓ بن عبداللہ (بنی عُبَید بن عدی) حضرت رافعؓ بن مالک (بنی زُریق) حضرت سعدؓ بن معاذ (بنی عبدالاشہل) اور حضرت سعد بن عبادہ (بنی ساعدہ) شامل تھے، نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیادت کو قبول کرلینا اور آپ کے تمام فیصلوں کی بلاچون وچرا تعمیل کرنا، اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ محبوبِ داور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیثیت ایک ایسے مخدوم ومطاع کی تھی جس کے بارے میں کوئی دو رائیں نہیں ہوسکتیں۔ مدینہ میں آپ کی تشریف آوری کے وقت کسی نے کیا خوب کہا تھا ؎

اَیُّھَا الْمَبْعُوْثُ فِیْنَا　　　　جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

(اے ہمارے ہاں قدم رنجہ فرمانے والے، تو واجب الاطاعت منصب کے ساتھ آیا ہے)۔

قرآن مجید کی وہ آیات بینات جو شارع علیہ السلام کو مختلف فیہ امور کے فیصلے کا اختیار دیتی

Marfat.com

ہیں، درحقیقت اسی معاشی، معاشرتی اور سیاسی اقدار کی تشریح اور تعبیر ہیں جس کے بارہ میں معاندین شکوک و شبہات پیدا کرنے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر کیا مدینہ والوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی غیر مشروط اطاعت کا حلف نہیں اٹھایا تھا؟ کیا انہوں نے آپ کی قیادت میں جارحیت کا ارتکاب کرنے والے ہر سرکش اور متمرد انسان یا گروہ کے خلاف لڑنے کا فیصلہ نہیں کیا تھا؟ کیا یہودی برادری نے ایک یہودی عورت کی سزا کو جو محمد رسول اللہ نے اسے چوری کے جرم میں دی تھی، قبول نہیں کیا تھا؟ ایک دوسرے موقع پر جب نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک یہودی مرد کو زنا کے جرم میں سنگسار کرنے کا حکم دیا تھا تو کیا یہودی قوم نے اس فیصلے کی تعمیل نہیں کی تھی؟ کیا یہی حقیقت اور یہی تعبیر کے اختلاف کے فیصلوں پر۔ جو ختمی مرتبت نے بطور منصف صادر جاری کیے تھے، صاد نہیں کیا تھا؟ پھر کونسی وجہ ہے کہ سباق اور یہودی لابی یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اختیارات محدود تھے یا آپ ان کے استعمال سے جھجھکتے تھے؟

جہاں تک بنو قریظہ کے معاملے میں حضرت سعد بن معاذ کو حکم بنانے کا تعلق ہے مستشرقین آگاہ ہے کہ یہ فیصلہ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اوس کے کہنے پر کیا تھا جن کے بنو قریظہ کے ساتھ حلیفانہ تعلقات تھے۔ یہودیوں نے حضرت سعد بن معاذ کو، جو جنگ احزاب میں سخت زخمی ہو جانے کے سبب بستر علالت پر پڑے تھے، اپنا ثالث تسلیم کر لیا۔ حضرت سعد نے اپنا فیصلہ تورات ہی کے مطابق صادر کیا جس کی رو سے قرار پایا کہ:

• لڑنے والے قتل کیے جائیں، عورتیں اور بچے قیدی ہوں اور مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے۔

تورات کی عبارت یوں ہے:۔

• جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا۔ اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لیے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باجگزار بن کر تیری خدمت کریں۔ اور... اگر وہ ... تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تو اس کا محاصرہ کرنا اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے

Marfat.com

قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا لیکن عورتوں اور بال بچوں
اور چوپایوں اور شہر کے سب مال اور لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی
ہو رکھ لینا۔

یہودیوں کے ردعمل کا اندازہ حُیّی بن اخطب (جو تمام فتنے کا بانی تھا) کے ان الفاظ سے ہوتا ہے جو اس نے قتل میں لائے جانے کے بعد ادا کیے تھے۔ (اُس نے ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نگاہ اُٹھاتے ہوئے کہا:

• بخدا۔ مجھے اس بات کا افسوس نہیں کہ میں نے کیوں تیری عداوت کی۔ لیکن بات یہ ہے کہ جو شخص خدا کو چھوڑ دیتا ہے، خدا بھی اسے چھوڑ دیتا ہے۔

پھر وہ لوگوں سے مخاطب ہوا اور کہا:

• لوگو! خدا کے حکم کی تعمیل میں کچھ مضائقہ نہیں۔ یہ حکم الٰہی تھا جو پورا ہونا تھا اور یہ نوشتۂ تقدیر تھا جو بنی اسرائیل کے لیے مقدر ہو چکا تھا۔

یہ حضرت سعدؓ بن معاذ کا فیصلہ تھا جنھیں یہود نے خود اپنا ثالث تسلیم کیا تھا۔ حضرت سعدؓ نے انھیں ان کے اعمال شنیعہ (غداری، عہد شکنی اور تخریب کاری) کی سزا سنائی تھی۔ محبوب داورؐ نے حضرت سعدؓ کا فیصلہ سن کر فرمایا:

لَقَدْ حَكَمْتَ فِيهِم بِحُكْمِ اللّٰهِ مِنْ فَوْقِ سَبْعَةِ أَرْقِعَةٍ ۔	(بے شک تو نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق فیصلہ دیا ہے جو اس نے سات آسمانوں پر کیا تھا)

مستشرقین نے حسب معمول بنو قریظہ پر سختی اور بے رحمی کا جو اعتراض کیا ہے، وہ بے بنیاد اور بے حقیقت ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے اپنی فاضلانہ تصنیف میں اس اعتراض کے رد میں درج ذیل دلائل دیے ہیں:

۱۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ میں آکر ان کے ساتھ دوستانہ کیا جس میں ان کے مذہب کو پوری آزادی دی گئی اور جان و مال کی حفاظت کا اقرار کیا گیا۔

۲۔ بنو قریظہ رتبہ میں بنو نضیر سے کم تھے۔ یعنی بنو نضیر کا کوئی آدمی قریظہ کے کسی آدمی

کو قتل کر دیتا تھا تو اس کو صرف آدھا خون بہا دینا پڑتا تھا، بخلاف اس کے بنو قریظہ پورا خون بہا ادا کرتے تھے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قریظہ پر یہ احسان کیا کہ ان کا درجہ بنو نضیر کے برابر کر دیا۔

۳۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بنو نضیر کی جلاوطنی کے وقت بنو قریظہ سے دوبارہ تجدید معاہدہ کی۔ (تاکہ وہ اپنی اصلاح کر سکیں اور آئندہ وفاشعاری کو اپنا مسلک بنائیں)۔

۴۔ باوجود ان باتوں کے انھوں نے عہد شکنی کی اور جنگ احزاب میں شریک ہوئے۔

۵۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن قلعہ میں حفاظت کے لیے بھیج دی گئی تھیں، ان پر حملہ کرنا چاہا۔

۶۔ حُیَیّ بن اخطب جو (پہلے ہی) بغاوت کے جرم میں جلاوطن کر دیا گیا تھا اور جس نے تمام عرب کو برانگیختہ کر کے جنگِ احزاب قائم کر دی تھی، اس کو اپنے ساتھ لائے، جو آتشِ جنگ کے اشتعال کا دیباچہ تھا۔ [۱۵]

اِن حالات میں بنو قریظہ کے ساتھ اور کیا سلوک کیا جا سکتا تھا۔

اصحابِ علم اور اربابِ تحقیق نے اس روایت پر سخت تنقید کی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ بنو قریظہ کے کوئی چھ سات سو نوجوان (جنھوں نے مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے) تہ تیغ کر دیئے گئے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو مدینہ، بغداد اور شام کے بازاروں میں غلام بنا کر بیچ دیا گیا۔ انھوں نے قطعی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ کہانی "دشمنانِ اسلام" کی تراشیدہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ "صرف چند مجرم سرداروں کو ان کی اسلام دشمنی، قومی عصبیت، اور اسلامی ریاست کے خلاف بغاوت کے جرم میں قتل کیا گیا جب کہ بقیہ کو معاف کر کے مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دی گئی۔

سید امیر علی نے اپنی کتاب ــ (A Critical Exam. of the Life and Teachings of Muhammad) کے صفحہ ۸۱ پر اس روایت کا محاکمہ کرتے ہوئے کہا:

"اب اگر مقتولوں کی طرف توجہ کی جائے تو ہر شخص فوراً یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ

Marfat.com

ان کی تعداد کو بڑھا کر بیان کیا گیا ہے۔ بعض کے خیال میں ان کی تعداد (جو قتل کیے گئے) ۴۰۰ تھی، بعض کے ہاں ان کی تعداد بڑھ کر نو سو ہو گئی ہے۔ عیسائی مورخین عموماً ان کی تعداد سات آٹھ سو کے درمیان بتاتے ہیں۔ میں اسے محض مبالغہ سمجھتا ہوں۔ چار سو کی تعداد بھی غلط معلوم ہوتی ہے۔ راویان بنی قریظہ کے سامان جنگ پر اتفاق کرتے ہوتے بتاتے ہیں کہ وہ ۳۰۰ زرہ بکتر ۵۰۰ ڈھالوں اور ۱۵۰۰ تلواروں پر مشتمل تھا۔ اگر یہ سامان درست مان بھی لیا جائے، تو یہ امر ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ اس قسم کے ہتھیار لڑنے والوں کی تعداد سے بہت زیادہ ہوتے ہیں میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جنگ میں شریک ہونے والوں کی تعداد دو یا تین سو سے زیادہ نہ ہوگی۔ یہ تمام قیدی رات کے وقت رملہ بنت الحارث کے مکان میں رکھے گئے تھے جو اتنی بڑی تعداد کے لیے کسی طرح کافی نہ ہو سکتا تھا۔" ؎

یہ تھی "منشورِ مدینہ" کی مختصر روداد جو محبوب دادرِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حُسنِ تدبّر گہری بصیرت اور قوتِ فیصلہ پر شاہد ہے۔ آپ کے دل میں ہر انسان کے لیے (بلا لحاظِ مذہب و ملت اور رنگ و نسل) رحمت و رافت اور شفقت اور محبت کا وہ گوشہ تھا جو قسامِ ازل نے انھیں بطورِ خاص عنایت فرمایا تھا۔ یہ محض اتفاق ہے کہ بعض بدنہاد اور بدطینت لوگوں کو اپنے اعمالِ بد کی سزا بھگتنا پڑی۔ ورنہ وہ تمام افراد اور قبائل جنھوں نے معاہدات کی پُر خلوص پابندی کی تھی، ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا گیا۔ وہ ہمیشہ ایک حلیف دوست یا ذمی کی حیثیت سے ان تمام حقوق اور مراعات سے متمتع ہوتے رہے جن کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔

Marfat.com

تعلیقات (باب اٹھارہواں)

۱۔ کتاب الاموال، ابوعبید (القاسم بن سلام)، ص ؛ السیرۃ النبویۃ۔ ابنِ ہشام، ج ۲، ص ۵۰۱-۵۰۴ نیز نقوش (رسولؐ نمبر) ج ۵، ص ۹۱-۱۱۱ و ص ۲۷۳-۲۷۳۔

۲۔ عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکمرانی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص ۷۶۔ نیز ص ۱۰۲-۱۱۱ جہاں صاحبِ موصوف نے منشورِ مدینہ کا ترجمہ دیا ہے۔

۳۔ ادبیاتِ عرب (A Literary Hist. of the Arabs) ڈاکٹر آر۔ اے نکلسن ص۔ ۱۷۳

۴۔ تمدنِ عرب (The Arab Civilization [illegible]) جوزف ہل، انگریزی ترجمہ از ایس۔ خدا بخش، ص ۲۵-۲۶

۵۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابنِ ہشام۔ ص ۵۰۱-۵۰۲

۶۔ عیون الاثر۔ ابنِ سید الناس۔ ج ۱، ص ۱۹۷

۷۔ سیرۃ النبیؐ۔ علامہ شبلی نعمانی/ سید سلیمان ندوی، ج ۱، ص ۲۹۴-۲۹۶

۸۔ عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکمرانی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص ۸۳۔

۹۔ نقوش (رسولؐ نمبر) ج ۵، ص ۲۷۷-۲۷۸

۱۰۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابنِ ہشام۔ ج ۲، ص ۵۰۲-۵۰۳

۱۱۔ نقوش (رسولؐ نمبر) ج ۵، ص ۲۵۰ (مقالہ از ڈاکٹر مظہر صدیقی)

۱۲۔ ایضاً ۔ ایضاً، ص ۲۸۰

۱۳۔ منشورِ مدینہ، دفعات ۴۳، ۴۵، ۴۶ اور ۴۷ ملاحظہ ہوں [illegible]

Marfat.com

۱۴۔ نقوش (رسولؐ نمبر) ج ۵، دفعات "منشورِ مدینہ" ۲۶، ۴۲

۱۵۔ ادبیاتِ عرب، ڈاکٹر آر۔ اے۔ نکلسن، ص ۱۷۳

۱۶۔ " The Historians History of the World " تالیف والمزن۔ ج ۸، ص ۲۹۱۔

۱۷۔ قرآنِ مجید۔ سورہ التوبہ ۹: ۴

۱۸۔ قرآنِ مجید۔ سورہ الحشر ۵۹: ۱۱

۱۹۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابنِ ہشام۔ ج ۳، ص ۲۰۳

۲۰۔ سیرۃ النبیؐ۔ علامہ شبلی نعمانی۔ ج ۱، ص ۴۲۵

۲۱۔ توراۃ۔ کتاب استثناء۔ باب ۲۰: ۱۰ تا ۱۴

۲۲۔ سیرۃ النبیؐ۔ علامہ شبلی نعمانی۔ ج ۱۔ ص ۴۳۶

۲۳۔ الطبقات الکبریٰ۔ ابن سعد۔ ج ۲، ص ۴۱۹؛ السیرۃ النبویۃ، ابنِ ہشام۔ ج ۳، ص ۲۵۲،

۲۴۔ السیرۃ النبویۃ۔ ابنِ ہشام، ج ۳، ص ۲۵۱

۲۵۔ سیرۃ النبیؐ۔ علامہ شبلی نعمانی۔ ج ۱، ص ۴۲۷۔۴۲۸

۲۶۔ A Critical Exam. of the Life and Teachings of Muhammad سید امیر علی، ص ۱۱۳ نیز تحقیق الجہاد۔ مولوی چراغ علی، ص ۲۵۰۔۲۵۱

Marfat.com

باب انیسواں

عقل، وجدان اور وحیٔ الٰہی

زندگی نے یقیناً ایک بہت بڑی زقند لگائی ہوگی جب اس کے شجرۂ نسب کی تحقیق وتلاش کرنے والوں نے اس کی "ذاتی قدر وقیمت" اور "خاندانی وجاہت" کی داستان بیان کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ اگرچہ اس کے "آبائے علوی" اور "اُمہاتِ سفلی" کا پتہ تو نہیں چل سکا لیکن یہ بات ہے کہ وہ "مادے" (Matter) کی کوکھ سے پیدا ہوتی ہے جو اُن کے عقیدے کے مطابق اور ابدی ہے۔ طبعی قوانین کے تحت مادہ اپنے اندر تبدیلیاں پیدا کرتا رہتا ہے۔ انہی تبدیلیوں کے سبب زندگی وجود میں آئی۔ زندگی نے تدریج وارتقاء کے مراحل چند سالوں، چند برسوں یا چند صدیوں میں نہیں بلکہ کروڑوں اور اربوں سالوں میں طے کیے۔ جرثومۂ حیات زندگی کے تمام امکانات اپنے اندر لیے ہوئے تھا۔ جب اسے کیچڑ مٹی میسر آگئی تو اس نے آنکھ کھولی جس طرح ایک ننھا بیج ایک تناور درخت کو اپنے اندر سمیٹے ہوتا ہے بالکل اسی طرح یہ جرثومۂ حیات زندگی کی تمام انواع واقسام کو اپنے اندر چھپائے صبحِ نمود کے لیے مضطرب اور بے چین تھا۔ اس ننھے بیج کے تناور درخت کی وہ شاخیں پھوٹیں جو سطحِ زمین پر پھیل گئیں۔ ہر شاخ مخلوق کی مختلف انواع کی ترجمانی کرتی تھی۔ نوعِ انسانی کی شاخ جو شعور وفہم کے لحاظ سے ایک خاص امتیاز کی حامل تھی نفسِ واحدہ کے ننھے سے بیج سے بڑھتی ہوئی قدم بہ قدم اور منزل بہ منزل اس بلندی تک پہنچی جہاں اسے شرفِ انسانیت سے مشرف ہونا تھا۔ یہ مقام ومنصب زندگی کو اس وقت حاصل ہوا جب مادہ نے ظروف واحوال کو بدلتے ہوئے عقل وخرد اور اس کے نتیجے میں اختیار وارادہ کو بھی شاملِ حیات کر لیا۔ اسی تدریج وارتقاء کے دوران میں وہ مقام بھی آپہنچا جہاں تخلیق کا کام بذریعۂ تناسل شروع ہوا اور وہ مرحلہ بھی نمایاں ہو گیا جب خلیاتِ حیات جوڑوں میں بٹ گئے اگر ایک خلیہ نر (Spermatazoon) کا تھا تو دوسرا مادہ (Ovum) کا

Marfat.com

اسے ذوقِ تخلیق سمجھیے کہ یہ سب کچھ آپ سے آپ ہوتا چلا گیا میکانکی ارتقا Mechanical) (Evolution کے دعویداروں کا کہنا ہے کہ زندگی کا ظہور، اس کا ارتقاء، اس کا شاخ در شاخ ہونا، اس کا جوڑوں میں بٹنا اور اسے عقل و شعور کی روشنی کا ملنا، ایسی چیزیں ہیں جن میں (عیاذاً باللہ) نہ تو خالقِ جہاں کے ارادہ کو دخل ہے نہ اس کی قوتِ تخلیق کو علاقہ ہے۔ اگر قرآن مجید پر نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ خالقِ جہاں نے انسانی زندگی کے ارتقائی مراحل کو جس خوب صورت، مربوط اور جامع انداز میں پیش کیا ہے، اس کی توقع کسی اور مذہبی کتاب سے رکھنا بہت مشکل ہے۔ یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اگر ان سائنس دانوں کو پتہ ہوتا کہ قرآن حکیم نے زندگی کے ارتقاء کے بارے میں ایک انتہائی حقیقت پسندانہ اور سائنسی نظریہ پیش کیا ہے، تو وہ "مادے کی میکانکی حرکت" کی بجائے خداوندِ قدوس کی خالقیت اور ربوبیت کے قائل ہو جاتے۔ ارشاد ہوتا ہے:

۱۔ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ؕ ۱	(کیا وہ نہیں جانتا کہ اس کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ وہی جو بڑا باریک بین اور باخبر ہے)۔
۲۔ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۞ ۲	(اس نے انسان کی تخلیق کی ابتدا مٹی سے کی۔
۳۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ ۳	(ہم نے ہر جاندار شے کو پانی سے بنایا کیا وہ پھر بھی ایمان نہیں لاتے)
۴۔ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ۞ ۴	(اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا۔ پھر اس کا خاندان اور سسرال بنایا۔ اور تیرا رب ہر بات پر قادر ہے:
۵۔ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۞ ۵	(کیا انسان پر وہ زمانہ نہیں گزرا جب یہ قابلِ ذکر شے نہ تھا)

Marfat.com

۶۔ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ

(وہی رب ہے جس نے تجھے پیدا کیا، درست کیا اور تجھے متناسب الاعضا بنایا)

۷۔ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ

(اور اس نے تمہارے لیے سمع و بصر اور دل بنایا۔ تھوڑے ہیں وہ لوگ جو شکر گزار ہیں)

ان مقدمات کو قرآن مجید نے چند جملوں میں اس طرح پیش کیا ہے کہ اس کی شروح و حواشی آپ چاہیں تو ہزاروں صفحے پر پھیل سکتے ہیں۔ یہ بات دنیا کے اصحاب دانش کے سامنے اس وقت کہی گئی جب سائنس خود ابھی تپتی مٹی میں آنکھ کھول رہی تھی۔ اور دنیا ایک ایسا ظلمت کدہ تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ قرآن مجید انہی معنوں میں فارق ہے کہ وہ دور ظلمت اور دور جدید کے درمیان حد فاصل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ ۝ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ۝ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ ۝

(آسمان سے زمین تک وہی ہر امر کی تدبیر کرتا ہے۔ پھر یہ امر اس کی طرف بلند ہوتا ہے ایک دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی میں ہزار (ہزاروں) سال کی ہوتی ہے۔ وہی ذات ہے جس نے ہر چیز کو خوب صورت بنایا اور انسان کی پیدائش گارے سے شروع کی پھر اس کی نسل کو نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے چلایا۔ پھر اسے درست کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی۔ اور تمہیں کان، آنکھ اور دل دیئے۔ تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔)

Marfat.com

جنین جن مراحل سے گزرتا ہے، اسے خالقِ کائنات نے کس اختصار مگر جامعیت سے بیان فرمایا ہے۔ موجودہ طبی سائنس اپنی تحقیق و تفتیش کے بعد ان بنیادی اصولوں پر صاد کہنے کے لیے مجبور ہے جنھیں قرآنِ مجید نے نبی اُمّی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی معرفت پیش کیا تھا۔ سورۃ مومنون (۲۳) میں آتا ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ۪ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَؕ

(پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کر دیا۔ پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی۔ پھر لوتھڑے کو بوٹی بنایا اور پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں۔ پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کھڑا کیا (پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ تعالیٰ، سب کاریگروں سے اچھا کاریگر)]

زندگی نے، جسے حُسن و زیبائی کے ساتھ عقل و شعور کی متاعِ بے بہا بھی میسر آگئی تھی، جلد ہی اپنے آپ کو مسلح کرنا شروع کر دیا۔ زندگی کے پردھتوں نے جن میں فرنگی دانشور اور مغربی سائنسدان پیش پیش تھے، اس کے کان میں یہ پھونکنا شروع کیا کہ جب تک وہ قوت بہم نہ پہنچائے گی اور اپنے آپ کو جدید ساز و سامان سے لیس نہیں کرے گی۔ وہ ضُعف و نقاہت کا شکار بنی رہے گی۔ ڈارون کا "بقائے اصلح" (Survival of the Fittest) اور نطشے کا "مافوق البشر" (Superman) اسی فلسفہ کی شرحیں ہیں۔ یہی قانون جب قوموں نے اپنانا شروع کیا تو قوت و ہیبت، نفرت و حقارت اور جنگ و جدل کا وہ "جن" جو بوتل میں بند تھا، باہر نکل آیا۔ اور اس نے ان تمام قوموں کے سر پھوڑ دیئے اور ہاتھ پاؤں توڑ دیئے، جو معلق زندگی گزارنے کی خواہاں تھیں۔

گزشتہ صدی میں جدید تمدن کی بنیاد جس تصورِ حیات پر رکھی گئی، اس کے لیے مسالہ مہیا کرنے کی ذمہ داری اِن حضرات پر تھی جو اپنی عقل اور فہم کو مذہب کی نگرانی میں دینے سے انکاری

Marfat.com

تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ مذہب سائنس کا حریف ہے اور علم و بصیرت کا دشمن ہے۔ ان کا یہ خیال عیسائیت کے بارہ میں تو درست ہو سکتا ہے لیکن اسلام کے بارہ میں ان کا یہ خیال اس تنگ نظری اور ہٹ دھرمی کی عکاسی کرتا ہے جو عیسائی علماء کو ورثے میں ملی ہے۔ چونکہ زندگی طبعی قوانین کے تحت پرورش پا رہی تھی، اِس لیے اس کے تقاضے بھی طبعی قرار پاتے۔ لیکن سائنس جسے یہ دعویٰ تھا کہ وہ زندگی کے تمام مسائل حل کر دے گی، اس بارے میں افسوسناک حد تک ناکام رہی۔ زندگی کے مسائل کو طبعی قرار دے کر نفسی اور ذہنی مسائل سے آنکھیں بند کر لینا ایک بہت بڑی غلطی تھی۔ "مادہ" (Matter) کا جو حشر ہوا، وہ ہمارے سامنے ہے اور اس کی بنیاد پر جو تمدن کھڑا کیا گیا ہے، اس کا انجام بھی اہلِ دانش کی نظروں سے اوجھل نہیں۔

مادہ کا سالمات (Molceules) میں تقسیم ہو جانا اور سالمات کا انفرادی جوہروں (Atoms) میں؛ انفرادی جوہروں کا برقیات کی مثبت اور منفی قوتوں میں منقسم ہونا، مجھے ان سردار صاحب کا قصہ یاد دلاتا ہے جو قیمہ بھرے کریلے کھا رہے تھے کہ ان کے اوپر کا دھاگہ ان کے دانتوں کے درمیان پھنس گیا۔ سردار صاحب نے دھاگہ نکالنے کی بسیار کوشش کی لیکن دھاگہ تھا کہ کھنچتا چلا آ رہا تھا، ختم ہونے کو نہ آتا۔ سردار صاحب نے اپنی سردارنی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"دیکھو! تیرا سردار ادھڑتا چلا آ رہا ہے۔"

مادہ بھی اسی طرح تحلیل ہو گیا اور اس کی حقیقت غیر مادی قرار پائی۔ پروفیسر میکڈوگل نے کیا خوب کہا تھا: کہ "Atoms ختم ہو چکے ہیں۔ مادہ نے اپنے آپ کو توانائی میں بدل لیا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ توانائی کیا ہے؟

میسن (Mason) نے جسے انسانی زندگی کے مسائل میں گہری بصیرت حاصل ہے موجودہ مادی ترقی کا جائزہ لیتے ہوئے اپنی کتاب (Creative Freedom) میں بعض خوب صورت اشارے کیے ہیں جو قابلِ توجہ ہیں:

"جس قدر مادی ترقی بڑھتی جاتی ہے، خودی کی محبوبیت اسی قدر کم ہوتی جاتی ہے خوش حالی اس قدر فراواں ہے کہ باید و شاید۔ عیش و عشرت کے سامان ہر جگہ موجود

Marfat.com

ہیں۔ مادی کامیابی کے مواقع نچلے سے نچلے درجے کے انسانوں کے لیے کھلے ہیں لیکن بایں ہمہ انسان بے حد غیر مطمئن ہے، مضطرب اور بے چین ہے۔۔۔ تخلیق کی قوتِ محرکہ کبھی مستقل طور پر ایسے نظریئے کو اپنے سینے سے نہیں لگائے رکھ سکتی جو انسانی ذات کو محض "مادہ کی نمود" قرار دے۔ ایسے نظریئے کے تحت افراد اور قومیں دونوں ہی تباہ ہو کر رہ جائیں گی"۔

اگر یہ درست ہے کہ "قلبِ انسانی" کے داعیوں کی ترجمانی "عقلِ انسانی" نہیں کر پاتی اور یہ بھی درست ہے کہ موجودہ عہد کا انسان رفتہ رفتہ مشین بنتا جا رہا ہے اور اپنی ذات کو مادہ سے بلند نہیں لے جا سکا، تو ہمیں دیکھنا ہوگا کہ انسانی ذات کے نفسیاتی اور روحانی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے کون سا طریق کار اختیار کیا جا سکتا ہے۔ میسن ( ) نے اس کا حل "مادے" اور "روح" کے صحیح امتزاج میں بتایا ہے۔ لیکن میسن چونکہ علوم نبوت سے شناسا نہیں ہے اس لیے وہ یہ نہیں بتا سکتا کہ افادی تخلیق کے ساتھ روح کی آمیزش کس طرح کی جائے یا یہ کہ مادیت اور روحانیت میں کس طرح توافق پیدا کیا جائے۔

عقل کی رسائی سے کسے انکار ہے۔ لیکن اس کی کوتاہیوں کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ ایک انسان کو لیجئے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے سننے، دیکھنے اور غور و فکر کرنے کی تمام صلاحیتوں سے بہرہ مند کیا ہے۔ اشیاء کے متعلق جو تصورات (Concepts) اس نے لڑکپن میں قائم کیے تھے، جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی انھیں بدل ڈالا اور جو فیصلے اس نے جوانی میں جذباتیت کے تحت کیے تھے، عمر ڈھلنے کے ساتھ ہی اسے ان پر ہنسی آنے لگی۔ انسان جوں جوں زندگی کے مختلف ادوار سے گزرتا ہے، اپنے مشاہدے اور تجربے سے مسِ خام کو کندن بناتا رہتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک ہی قسم کے واقعات سے مختلف لوگوں نے (اپنے رجحانات اور تجربے کے تنوع کے مطابق) مختلف نتائج اخذ کیے ہیں۔ اس کا ثبوت ان سیاسی، ثقافتی اور سائنسی نظریات سے ملتا ہے جو کل تک رائج تھے لیکن آج اس کا چلن نہیں رہا۔ (.Joad (G.E.M نے اپنی تصنیف (Guide to Modern Thought) میں مادی قوت کی تسخیرِ کائنات کے لیے اہمیت اور قوموں کے تحفظ و بقا کے لیے ضرورت پر جو زور دیا تھا وہ اس

Marfat.com

وقت ماند پڑ گیا جب اس نے جنگِ عظیم دوم سے کچھ عرصہ پہلے عقلِ بے ہنگام کی ایجادات کے نتیجے میں ہونے والی انسانی خواہشوں کی پامالی، جمہوری اداروں کی تباہی اور مظلوم انسانیت کی بربادی کو محسوس کر لیا تھا۔ عقل (جو عشق سے محروم تھی) ان بیمانہ طاقتوں پر قابو نہ پا سکی جنھیں خود اس نے جنم دیا تھا۔ Joad نے اپنی دوسری فاضلانہ تصنیف ــ (Guide to Modern Wickedness) میں جلنے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہوتے نہ صرف مادی زندگی سے متعلق اپنے خیالات کی تردید کی بلکہ زندگی کی ان اعلیٰ اقدار (Values) کو اپنانے پر بھی زور دیا جن کے بغیر ایک پُر سکون اور پُر مسرت زندگی کا وجود ناممکن ہے۔ ناں

عقل کو جن لوگوں نے "مشکل کُشا" سمجھا تھا، انھیں اب اس بات کا اعتراف ہے کہ عقل نے ماہیتِ اشیاء کو جاننے میں سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ اِن چیزوں کو جانے دیجئے جن کا تعلق غیر مرئی اشیاء یا مابعد الطبیعاتی زندگی سے ہے، عقل تو محسوسات کی دُنیا میں بھی حقیقت کا ادراک کرنے سے قاصر رہی ہے۔ سر جیمز جینز نے اپنی بلند پایہ تصنیف ــ (The Mysterious Universe) میں سائنس کی (Limitations) کا ذکر کرتے ہوئے اشگاف الفاظ میں بتایا ہے کہ ہمارا علم کس قدر قیاسی اور غیر یقینی ہے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ :

"جو کچھ کہا گیا ہے اور جو نتائج تجربتہً پیش کیے گئے ہیں، سچ تو یہ ہے کہ وہ تمام قیاسی اور غیر یقینی ہیں۔ ہم نے اس مسئلہ پر بحث کرنے کی کوشش کی ہے کہ کیا عہدِ حاضر کی سائنس ان مشکل مسائل کے متعلق جو ہمیشہ کے لیے ماورائے سرحدِ ادراک رکھے گئے ہیں، کچھ کہہ سکتی ہے ؟

ہم زیادہ سے زیادہ روشنی کی ایک مدھم کرن دیکھ پاتے ہیں۔ اس سے زیادہ ہم کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ کرن بھی فریبِ نگاہ ہی ہو۔ اس لیے کہ اس باب میں ہمیں کچھ دیکھنے کے لیے اپنی آنکھوں پر بہت بوجھ ڈالنا پڑا ہے۔ سو آج یہ دعویٰ قطعاً نہیں ہو سکتا کہ دورِ حاضر کی سائنس کوئی یقینی اعلان کر سکتی ہے بلکہ یہ صحیح ہے کہ سائنس کو چاہیئے کہ اس قسم کے اعلان کرنا چھوڑ دے ۔ علم کے دریا کا رُخ اکثر اوقات پیچھے کی طرف مڑتے بھی دیکھا گیا ہے۔"

Marfat.com

تقریباً اسی قسم کے تحیّر اور درماندگی کا اظہار افلاطون نے جمہوریت میں کیا تھا۔ پروفیسر کوبان (Cobban) نے بھی تہذیبِ افرنگ کی متزلزل عمارت کا ذکر کرتے ہوئے عقل و دانش کو "ماورائے طبعی لوگوں کی متروک توہم پرستی" قرار دیا ہے۔

عقل کے بعد ضمیر کا درجہ آتا ہے۔ جو ہمارے اعمال کا محاسب بھی ہے اور ناقد بھی۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت وابصہؓ کو ایمان کی حقیقت سمجھاتے ہوئے فرمایا تھا:

"اے وابصہؓ! اپنے دل سے پوچھا کر اور اپنے نفس سے فتویٰ لیا کر۔ نیکی وہ ہے جس سے دل اور نفس میں طمانیت پیدا ہو۔ اور گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے اور نفس کو تردّد میں ڈالے۔ اگرچہ لوگ تجھے اس کا کرنا جائز ہی کیوں نہ بتائیں۔"[۱]

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ضمیر "بیدار" ہو، تو وہ نفسِ لوّامہ کا کردار ادا کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ وہ بُرے کاموں پر انسان کو ٹوکتا ہے اور اعمال میں کمزوریوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ لیکن ضمیر جب خارجی اثرات سے متاثر ہوتا ہے، اپنے ماحول کے خیالات، رسم و رواج اور معتقدات کو غیر شعوری طور پر قبول کرتا چلا جاتا ہے، تو وہ خاص سانچوں میں ڈھلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس طرح ضمیر یا حاسۂ اخلاقی ان اثرات کے مجموعہ (Sum-Total) کے سوا کچھ نہیں ہوتا جو انسان وراثت، ماحول اور تعلیم و تربیت سے حاصل کرتا ہے۔ یہ اثرات اس قدر گہرے ہوتے ہیں کہ اگر انھیں دو چار نسلوں تک جاری رکھا جائے تو معاشرے کا ایک گروہ مستقل خصوصیات کا حامل بن جاتا ہے۔

ایک یہودی کا بچہ مدیون سے سود کی رقم وصول کرنے کے لیے جس قدر شقی القلب ہے، اس کی صحیح تصویر شیکسپیئر کا کردار (Shylock) پیش کرتا ہے۔ ہندو کسی اوتار یا کالی ماتی کے سامنے جھکنے میں کس قدر آمادہ نظر آتا ہے اور مسلمان کو کسی پلید چیز کا گوشت کھانے میں کتنی [illegible] ہے۔ ان کی وجوہات کی تلاش اس ماحول میں کی جاسکتی ہے جس میں مختلف مذاہب کے پیرو نشو و نما پاتے ہیں۔ بہر حال اگر ضمیر زندہ ہو اور حاسۂ اخلاقی صرف اسی کو ملامت نہ کرے جسے وہ ماحول کے اثر کے تحت قابلِ ملامت سمجھتا ہے، تو وہ ہمیں اعتدال کی راہ پر گامزن کرنے میں مدد و معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

خالقِ کائنات نے اچھے اور بُرے پر غور و فکر کرنے کے لیے "دل" دیا ہے جو کسی خاک نشین کی (بوقتِ ضرورت) مدد کر کے راحت اور سرور حاصل کرتا ہے اور کسی سائل اور محروم پر زیادتی ہوتے دیکھ کر کُڑھتا ہے۔ یہی دل وجدان اور حدس کا سرچشمہ ہے۔ 'وجدان' کو 'عقل' کے مقابلے میں لایا گیا ہے جو یکسر وہبی ہے اور اس کا تعلق دل سے ہے۔ اگر آپ اُچکتی ہوئی نظر علامہ اقبالؒ کی نظم "عقل و دل" پر ڈالیں تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ عقل طبعی زندگی میں جماد و نبات ہی نہیں بلکہ فلکیات کو بھی سمجھنے کی قدرت رکھتی ہے۔ وہ مظہرِ شانِ کبریا ہے، اس سے کسے انکار ہے۔ عقل ہمیں "علم الیقین" تک تو پہنچا سکتی ہے لیکن "عین الیقین" تک نہیں۔ اس کی رہبری یہاں پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

عقل گو آستاں سے دُور نہیں
اس کی تقدیر میں حضُور نہیں

"حکمت، سائنس یا فلسفے کا کام مظاہرِ فطرت کا مطالعہ ہے تاکہ یہ کثرت آئین کی وحدت میں پروئی جائے لیکن کنہ وجود تک اس کی رسائی نہیں، عقل کی بینائی مظاہر کی سطح تک خوب کام کرتی ہے لیکن "عینِ وجود" میں غوطہ زنی اس کا کام نہیں۔ عقلی ادراک ہمیشہ بالواسطہ ہوتا ہے، استدلال کی کئی کڑیاں ایک نتیجے پر منتج ہوتی ہیں۔ اگر استدلال کے زینے میں سے کوئی ایک پایہ ٹوٹ جائے تو نتیجے تک پہنچنا محال ہو جائے۔ عقل میں شک اور گمان کا شائبہ ہمیشہ باقی رہتا ہے لیکن براہِ راست مشاہدے میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہتی ؎[۱۲]

رازِ ہستی کو تو سمجھتی ہے — اور آنکھوں سے دیکھتا ہوں مَیں
عِلم تجھ سے، تو معرفت مجھ سے — تو خدا جو، خدا نما ہوں مَیں
تُو زمان و مکاں سے رشتہ بپا — طائرِ سدرہ آشنا ہوں مَیں

اگر تھوڑا سا آگے بڑھیں تو ہمیں 'عقل و دل' کا یہ مکالمہ "بوعلی سینا اور ابوسعید ابوالخیر کی ملاقات" میں بھی ملتا ہے۔ بوعلی سینا نے، جنھیں استدلالی عقل کا مظہر کہنا چاہیے اور حکمتِ یونان کا عظیم معلم، عالمِ روحانی کی گوناگوں کیفیات کا اثبات کرتے ہوئے جن احوال و ظروف کا ذکر کیا، اس پر ابوسعید ابوالخیر نے فرمایا:

Marfat.com

"ہر چہ تو می دانی، من می بینم"

اصحابِ دل ہند و پاکستان سے تعلق رکھتے ہوں یا سمرقند و بخارا سے، وہ سرزمین عراق سے اُٹھے ہوں یا بغداد سے، ادراکِ حقیقت میں ان کا کشف (Limitations) ان عیسائی باطن پرستوں کی تلبیس سے بالکل مختلف ہے جن کا ذکر پروفیسر ولیم جیمز نے "مذہبی تجربات کے تنوع" کے سلسلے میں کیا ہے۔ یہ اصحاب اس پائے کے بزرگ تھے کہ "القائے رحمانی" اور "القائے شیطانی" میں تمیز تو انھیں حاصل تھی ہی، ابلیسی قوتیں اور طاغوتی طاقتیں بھی ان سے لرزاں اور ترساں تھیں۔

اِس سلسلہ کی آخری کڑی نبوّت و رسالت ہے جو وحیِ الٰہی سے مؤید ہے۔ اس کو عقلِ بشری سے وہی نسبت ہے جو خورشیدِ جہاں تاب کو خاک کے ذرّوں سے۔ نبی یا رسول کا تعلق چونکہ مبدا اِفیاض سے ہے، اِس لیے اس کی باریک بیں، دُور رس اور دقیقہ سنج نگاہیں ان حقائق تک پہنچ جاتی ہیں جو بڑے بڑے مفکرین اور متکلمین کی نگاہوں سے مخفی رہتے ہیں۔ اور رسول کی رسائی عالمِ حقیقت کی ان گہرائیوں تک ہوتی ہے جو علم و عقل اور کشف و اشراق سب سے ماورا ہیں۔

ایک ایسے دَور میں جب اعتقادات اوہام و ظنون کے پردے میں چھپے تھے اور حُسنِ عمل کے سوتے خشک ہو چکے تھے، معاشرتی زندگی آلودۂ گناہ تھی اور اخلاقی زندگی کا گوشہ گوشہ نابکار لوگوں کے ہاتھوں مجروح ہو چکا تھا۔ ایسے زمانے میں جب ہر چیز کا فیصلہ قوت اور طاقت کے بَل بوتے پر کیا جاتا تھا، اصول پسندی، عفو و درگزر اور صبر و شکیبائی کمزور لوگوں کے ہتھیار تھے جنھیں اربابِ اختیار نے کند بنا دیا تھا۔ انسان بہیمیت کی ان پستیوں میں اتر چکا تھا جہاں نوزائیدہ بچیوں کو جھوٹے وقار کی خاطر دفن کر دیا جاتا، عورت وہ حقیر چیز تھی جسے جوئے میں ہار دیا جاتا اور مقدس ترین عبادات بھی عریانی کی حالت میں اَدا کی جاتیں، ضروری تھا کہ:

> "حیاتِ کائنات وجدانی طور پر اپنے تقاضوں کو محسوس کرتی اور اس نازک موقع پر اپنا رُخ آپ متعین کر لیتی"۔ ۳۱

چنانچہ حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل سے وہ "نبی" تشریف لاتے جو اپنے "داہنے ہاتھ میں آتشی شریعت لیے ہوتے تھے"۔ ۳۲ یہ وہی وجودِ مقدس تھا جس کے بارے میں حضرت داؤدؑ نے یوں نغمہ سرائی

Marfat.com

کی تھی :

"میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلا دوں گا۔

پس سارے لوگ ابد الآباد تک تیری ستائش کریں گے استائش بمعنی محمدؐ ہے)[۵] یہ میرا بندہ (عبدہٗ و رسولہٗ) اور میرا برگزیدہ (مصطفےٰ، صلی اللہ علیہ وسلم) جس کا زوال نہ ہوگا (خاتم النبیین) ۔۔ اس کا مصداق بجز رسالتآب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور کون ہو سکتا ہے جن کی شریعت بحری ممالک تک پھیلی ہوتی ہے[۶]

یہ وہی پتھر تھا جسے معماروں (بنی اسرائیل) نے رد کر دیا۔ حالانکہ اسے ہی "کونے کا پتھر" بننا تھا۔ متی میں آتا ہے کہ یسوع نے ان سے کہا :

"کیا تم نے کتابِ مقدس میں نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا، وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا۔ اور ہماری نظر میں عجیب ہے"۔

انھوں نے مزید کہا :

"جو اس پتھر پر گرے گا، اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، مگر جس پر وہ گرے گا، اسے پیس ڈالے گا۔"[۷]

یہ وحی الٰہی ہی تھی جس نے عقل و خرد کو سوچ کی نئی راہیں سجھائیں۔ اور اسے جانچ پڑتال کے نئے معیار عطا کیے۔ انسانی معاشروں کو "اللہ تعالیٰ کی وحدت" کے اصول پر متحد کیا اور انھیں نیا سماجی شعور بخشا۔ بے کسوں اور بے سہاروں کو زندگی کا بوجھ اُٹھانے اور انھیں استحصالی قوتوں سے نجات حاصل کرنے کا حوصلہ بخشا۔ رسم و رواج کے فضول بندھنوں میں جکڑے ہوئے مفلوک الحال انسانوں کو حالات سے نبرد آزما ہونے اور حسنِ عمل کے نئے سرچشموں سے سیراب ہونے کے مسرت آگیں مواقع مہیا کیے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انسانی گروہوں کو آزادی کے نئے ممکنات کی تلاش اور علم و فن کے اکتساب سے جہاں ایک طرف تسخیر کائنات کے لیے ترغیب دلاتی وہاں ان میں مکارمِ اخلاق پیدا کر کے زندگی کی اعلیٰ اقدار کا شعور بھی پیدا کیا۔ ان میں "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کا وہ صور پھونکا کہ لوگ حسنات میں اضافہ کرنے اور برائیوں کو کم کرنے میں پہل کرنے لگے۔ لوگوں کی معاشی مشکلات کے حل کے لیے، وحیِ الٰہی کی روشنی میں، بیت المال، صدقات و زکوٰۃ، عشر و فئ

Marfat.com

کا نظام نافذ کیا گیا جس نے صدیوں کے استحصالی مالیاتی نظام کو ختم کر دیا۔ اور اسلامی ریاست کے تمام افراد کو پُرسکون اور باعزت زندگی گزارنے میں مدد دی۔ اس طرح ایک ایسے نظامِ معاشرت و تمدن کی بنیاد ڈالی جس میں ہر انسان اپنے حوائج و ضروریات ــــ مادی و روحانی کی تکمیل کر سکتا تھا اور حالات سے ہم آہنگی پیدا کرتے ہوئے معاشرے کی ترقی میں اپنا رول اَدا کر سکتا تھا۔

اسے سوئے اتفاق کہیئے کہ وہ وجودِ قدسی جس کی عفت مآبی اور صداقت و امانت کی گواہی اس کے بدترین دشمنوں نے دی تھی اور جو نوعِ انسان کی طرف اِس لئے بھیجا گیا تھا کہ وہ انھیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتے اور کتاب کا علم دے کر نشاۃِ ثانیہ کی راہ پر گامزن کرے، اسے چند بے ہودہ، "مسیح خدمت گزاروں" نے تعصب و جہل اور حسد و عناد کی بنا پر (نعوذ باللہ) "پیغمبرِ کاذب" قرار دیا اور اس کے بارے میں کہا گیا:

"کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک کبوتر (یا فاختہ) کو سدھا رکھا تھا جو اُن کے کندھے پر بیٹھا ان کے کان سے دانے چگتا۔ اس سے انھیں خیال ہوتا کہ فرشتہ ان سے باتیں کر رہا ہے۔ اور وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دوسروں کو بھی یہی تاثر دیتے کہ ان پر وحی نازل ہو رہی ہے۔" (۳)

یہ تو تھا وحی کے حوالے سے وہ افسانہ جو دشمنانِ دین و ایمان نے تراشا۔ کچھ ایسی دیومالائی قسم کی بے سروپا کہانیاں بھی ہیں "جنھیں آسمانی سلطنت میں جگہ پانے" کی غرض سے چند ناہنجار لوگوں نے اس گورے چٹّے چہرے والے وجودِ مقدس کے متعلق پھیلا دیں "جس کے رُخِ زیبا کے واسطے سے بارش کی دُعائیں مانگی جاتی تھیں۔" انکا یہ کہنا کہ "آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) تو دراصل دینِ عیسوی کے پیرو تھے۔ لیکن چونکہ "پوپ" مقرر نہ ہوسکے اِس لیے انتقاماً رومی چرچ سے بغاوت کرکے اسلام ایجاد کر لیا۔ یا آپ تو صرع (مرگی) کے مریض تھے۔ جب بھی وحی کا نزول ہوتا آپ کے (خاکم بدہن) ہاتھ پاؤں پھڑپھڑانے لگتے، منہ سے جھاگ آنے لگتی، اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر جاتے۔" تاریخ سے کتنا بڑا مذاق ہے۔

آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ "مسیحی" اربابِ دجل و تلبیس نے پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کس قدر بھدّی تصویر پیش کی ہے۔ اس کا ایک رُخ وہ تھا "جس کے تحت آنحضرت کے واقعات

سیرت کو پیکرِ خیال میں پیش کیا گیا اور دوسرا رُخ وہ تھا جس کی اپنی کوئی اصل اور حقیقت نہ تھی بلکہ وہ مغربی ذہن کی ایجاد و اختراع اور کذب و افترا سے عبارت تھا۔"

گروشس (Grotious) جو وحیِ الٰہی سے انکار کرنے اور کبوتر پالنے کی بے مغز کہانی کا مصنّف ہے، اس بات کا دعویدار تھا کہ مذہبِ اسلام "عطائی نسخوں" کا خزینہ اور (نعوذ باللہ) حماقتوں کا مجموعہ ہے"۔ ٹامس کارلائل نے اس کی سفلہ پردازیوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنے فاضلانہ مضمون میں لکھا ہے کہ :

"پوکاک (Pocacke) نے جب گروشس (Grotious) سے پوچھا کہ تمہارے پاس اس کہانی کا کیا ثبوت ہے جو تم نے کبوتر سے متعلق تراشی تھی جو آنحضورؐ کے کانوں سے دانے چگا کرتا تھا، تو اس نے انتہائی (ڈھٹائی) سے جواب دیتے ہوئے کہا : کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔" [19]

اسی فاضلانہ مضمون میں، جس میں ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتخاب بطور "پیغامبر" کیا گیا ہے، کارلائل کہتا ہے :

"کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہم ان مفروضات کو ختم کر دیں جو رسالتمآبؐ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔ کذب و افترا کا وہ انبارِ عظیم جو ہم نے اپنے مذہب کی حمایت میں اس ہستیؐ کے خلاف کھڑا کیا ہے، خود ہمارے لیے شرمناک ہے۔ یہ تمام تر مواد (خود ساختہ قصّے) تشکّک کے دَور کی پیداوار ہے۔ آپؐ اپنے وقت کے "نابغہ" تھے۔ وہ ایک ایسی انسانی روح تھے جو خداوندِ قدوس کا آخری پیغام لے کر آئے تھے۔ وہ ایک عظیم مخلص انسان تھے اور خلوص کے سوا وہ کچھ اور ہو بھی نہ سکتے تھے۔ اگر تمام انسان ان کی لائی ہوئی "سچائی" کو بھول جائیں اور ایک غلط راستے پر چل نکلیں، تو وہؐ (جو سچائی کا علمبردار تھا) سچائی کو نہیں چھوڑ سکتا۔" [20]

آیئے دیکھیں کہ اس لغو اور بے سروپا کہانی کا آغاز کیسے اور کہاں سے ہوا۔ سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) پر مصروع ہونے کا الزام "مغرب کے خراباتیوں" نے کب ایجاد کیا اور کس طرح آپؐ کے سر تھوپ دیا؟ اس سے ان کی "علمی کاوشوں" کے پس پردہ کام کرنے والے "عوامل" کا بھی پتہ چل

Marfat.com

جائے گا اور ان کی ان قابلیتوں، استعدادوں اور نیا قتوں کا بھی جن سے "دورِ غلامی" میں ہم مرعوب رہے۔

حضرت آمنہ، آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی والدہ ماجدہ نے اپنے رؤیا میں فرشتوں کو دیکھا جو انھیں احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت کی خوشخبری دینے اور آپؐ کا نام مبارک تجویز کرنے آتے تھے۔ سپرنگر جو عقل خام کا غلام اور حسد کا مارا تھا یہ کہہ اٹھا کہ فرشتوں نے بشارت کیا دینی تھی، حقیقت میں حضرت آمنہؓ کو ضعفِ دماغ اور صرع (مرگی) کی بیماری تھی[۲] کیا سپرنگر نے تورات اور انجیل کی ان عبارات کا مطالعہ کیا جن میں حضرت سارہؓ اور حضرت مریمؓ کا فرشتوں کو دیکھنا بیان کیا گیا ہے؟ کیا ان پاکیزہ خواتین کو بھی صرع کا عارضہ تھا؟

محبوبِ داورِ حشر (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی دایہ حضرت حلیمہؓ سعدیہ کے گھر زندگی کی ابتدائی منزلیں بحسن وخوبی طے کر رہے تھے، کہ وہ ساعتِ سعید قریب آگئی جب فرشتوں نے آپؐ کا پیٹ چاک کر دیا۔ اس میں سے کوئی چیز نکال کر پھینک دی اور پیٹ کو ویسا ہی کر دیا جیسا وہ تھا[۲]۔ جب حضرت حلیمہؓ کو واقعہ کا علم ہوا تو وہ اپنے شوہر کے ہمراہ بھاگتی ہوئی موقعہ پر پہنچیں۔ دیکھا کہ بچہؐ کھڑا ہے اور اس کا رنگ فق ہے۔ واقعہ کی نوعیت میاں بیوی کی سمجھ میں نہ آئی حضرت حلیمہؓ کے خاوند نے ان سے کہا:

قَالَتْ وَقَالَ لِیْ اَبُوْہُ یَاحَلِیْمَۃُ: لَقَدْ خَشِیْتُ اَنْ یَّکُوْنَ ھٰذَا الْغُلَامُ قَدْ اُصِیْبَ فَالْحِقِیْہِ بِاَھْلِہٖ۔	(حضرت حلیمہؓ نے کہا کہ آپؐ کے (رضاعی) والد نے مجھ سے کہا، کہ حلیمہ! مجھے ڈر ہے کہ اس لڑکے کو کچھ ہو گیا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اُسے اس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دیا جائے)

چنانچہ دایہ اس سعید بچے کو مکہ واپس لے آئیں اور حضرت آمنہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے، عرض کیا:

"میں نے بچے کو خوب پال کر بڑا کر دیا ہے اور میری جو ذمہ داری تھی وہ میں نے پوری کر دی ہے؟

Marfat.com

حضرت آمنہ نے فرمایا: اصل بات کیا ہے؟ مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔

حضرت حلیمہؓ نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ حضرت آمنہ نے فرمایا: کیا تمھیں اس بچے کے معاملہ میں شیطان کا خوف ہے (أَفَتَخَوَّفْتِ عَلَيْهِ الشَّيْطَانَ؟) انھوں نے کہا: (نعم) ہاں حضرت آمنہ نے اپنے مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر فرمایا: خدا کی قسم! شیطان کے لیے اس پر کوئی راہ نہیں۔ میرے اس بچے کی بڑی شان ہے (قَالَتْ: كَلَّا: وَاللهِ۔ مَا لِلشَّيْطَانِ عَلَيْهِ مِنْ سَبِيْلٍ) ۲۳

اگر لفظ "اُصِيْبَ" کو پیش نظر رکھا جائے تو اس کے معنی ہیں "کچھ ہو گیا ہے، یا اس کو کچھ "عارضہ ہو گیا ہے لیکن 'عارضہ' سے مراد "مرگی کا عارضہ اور اس کے معنی Fit" سے کرنا نادانی کی انتہا ہے۔ بلکہ سر ولیم میور کو "اُصِيْبَ" پڑھنا ہی نہیں آیا۔ انھوں نے اس لفظ کو "اُمِيْبَ" پڑھا ہے یعنی "ص" کی بجائے "م" اور معنی کو کھینچ تان کر Fit (غشی کا دورہ یا مرگی) کر دیا ہے اس قسم کی نادانی یا تعصب پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ سر ولیم میور نے غالباً "تاریخ ابو الفداء" کا لاطینی میں ترجمہ از ڈاکٹر پوکاک دیکھا ہے۔ صاحب موصوف نے محولہ بالا عبارت کو سمجھنے میں سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ اور اس کا ترجمہ ایسا اٹکل پچو کیا ہے کہ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات والا صفات کو "واقعی مرگی کا مریض بنا دیا ہے" حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

ترجمہ مع اصل عبارت عربی کے پوکاک کے مسودہ سے جو ۱۷۲۳ء میں بمقام آکسفورڈ (Oxford) چھپا تھا نقل کیا جاتا ہے۔ اور اس کی متعدد اغلاط بیان کی جاتی ہیں جن کے سبب آج کل کے بہت سے "دانشور" بھٹک گئے۔ اور آج تک "سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ لاطینی عبارت کا ترجمہ (جس پر جھوٹ کی بنیاد رکھی گئی ہے) یوں ہوگا:

"فَقَالَ زَوْجُ حَلِيْمَةَ لَهَا	"تب (حضرت) حلیمہؓ کے شوہر نے کہا
قَدْ خَشِيْتُ أَنَّ هٰذَا الْغُلَامَ	کہ مجھ کو بہت خوف ہے کہ اس لڑکے
قَدْ أُصِيْبَ بِالْحَقِيْقَةِ بِأَهْلِهٖ	نے اپنے کسی ساتھی سے دماغی بیماری کو
فَاحْتَمَلَتْهُ حَلِيْمَةُ وَقَدِمَتْ	اخذ کر لیا ہے۔ اس واسطے اس کو (حضرت)
بِهٖ إِلٰى أُمِّهٖ" ۲۴	حلیمہؓ سے لے کر اس کی ماں آمنہ کے

Marfat.com

پاس لے گیا۔"

اس عبارت سے واضح ہے کہ سر ولیم میور نے جس لفظ کو "اُصِیبَ" پڑھا ہے وہ اصل میں "اُصِیْبَ" ہے جیسا کہ ابنِ ہشام کی "سیرۃ النبویۃ" کے صفحہ ۴۷۱ پر درج ہے۔[۲۵] پوکاک نے "فَالْحَقِیْہِ" کو "بِالْحَقِیقَۃِ" پڑھا جو بالکل غلط تھا اور اس کا ترجمہ اپنے انداز سے "دماغی بیماری" یا "بیہوش کرنے والی بیماری" کر دیا اور "بِاَھْلِہٖ" کو پھر غلط سمجھا اور سیاق و سباق کی مناسبت سے اس کا ترجمہ "کسی ساتھی سے" کر دیا۔ حالانکہ اس کا صاف اور سادہ ترجمہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ:

"اس بچے کو کچھ عارضہ ہو گیا ہے۔ بہتر ہے کہ اسے اس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دیا جائے۔"[۲۶]

"اتنی سی بات کو اف نہ کر دینا" علیسائی مورخین کی پرانی عادت ہے۔ پوکاک سے بھی غلطی تو سرزد ہوتی جس سے اس کی علمیت کا پتہ چلتا ہے، لیکن جس دجل و تلبیس سے سر ولیم میور نے کام لیا ہے، اس پر عقل ششدر و حیران ہے کہ اسے کیا کہیے؟

"قدیم اہلِ یونان اپنے توہماتِ مذہبی سے صرع کی بیماری جو ایک عجیب و غریب قسم کی بیماری ہے، یقین کرتے تھے کہ دیوتاؤں یا خبیث روحوں کے اثر سے ہوتی ہے۔ اسی بنا پر علیسائی مصنفوں نے لفظ "اُصِیْبَ" سے بالتخصیص صرع کی بیماری سمجھ لی۔ حالانکہ ایسا سمجھنا عرب کے محاورہ کے برخلاف ہے کیونکہ عرب صرف صرع ہی کی بیماری کو لامعلوم اثر کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے۔ پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ لفظ "اُصِیْبَ" سے "صرع" کا عارضہ مراد لیا جائے۔"

"اس بیان کی تائید میں ہم ایک نہایت ذی علم اور ذی فہم اور غیر متعصب مصنف کی رائے کو نقل کرتے ہیں جو کہتا ہے کہ:

> "یہ متواتر بیان کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو عارضہ صرع لاحق تھا یونانیوں کی ایک ذلیل اختراع ہے جنھوں نے اس عارضہ کے لحوق کو ایک نئے مذہب کے بانی کی طرف اس غرض سے منسوب کیا ہوگا کہ ان کے اخلاق چال چلن پر ایک دھبہ ہو جو علیسائیوں کی طعنہ زنی اور تنفر کا مستوجب ہو۔"[۲۷]

"نہایت مشہور اور لائق مورخ گبن (E. Gibbon) نے ان صرعی حملوں کی نسبت یہ

Marfat.com

لکھا ہے کہ

"یہ یونانیوں کا ایک نامعقول اتہام ہے۔"

ایک اور مقام پر اسی مورخ نے لکھا ہے کہ :

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عارضہ صرع (Epileptic Fits) یا بیہوش کر دینے والی بیماری کو تھیوفینز زونارس (Theophanes Zonas) اور دیگر یونانیوں نے بیان کیا ہے اور ہالنجر (Hollinger) پریڈو (Prideaux) اور مراکی (Maracci) اپنے سخت تعصب کے سبب اس کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر نگل گئے ہیں۔ قرآن میں جو دو سورتیں ہیں، جن میں سے ایک کا نام مزمل اور ایک کا نام مدثر ہے، ان میں سے صرع کی بیماری کی تاویل کرنی مشکل ہے۔ مسلمان مفسرین کا سکوت اور صرع کی بیماری سے ناواقفیت ان کے قطعی انکار کی نسبت زیادہ تر قاطع اور مرجح ہے۔ اوکلے (...) گیگنیر (Gagnier) اور سیل (Sale) نے یہی آزادانہ رستہ اختیار کیا ہے۔"

"اب ہم اس غلط اور بے اصل اتہام پر کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو عارضہ صرع لاحق تھا، بلحاظ طب کے غور کرتے ہیں۔ چیمبرز انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ :

"صرع (Epilepsy) اس بیماری کو کہتے ہیں جس میں دفعتہً بیہوشی طاری ہو اور اعصاب تنفس کے تشنج اور سانس لینے کے منفذ کے بند ہونے سے اعصاب اختیاری بے اختیار شدت سے پھڑکنے لگیں۔ اور کبھی کبھی سانس بالکل بند ہو جاتے۔ اس بیماری کا مریض اکثر پاگل ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اس کا حافظہ جاتا رہتا ہے اور اس میں تیزی اور چستی نہیں رہتی۔ اور ایسی مردہ دلی اس پر چھا جاتی ہے جو اس کو زندگی کے معمول کے کاروبار سے معذور کر دیتی ہے۔ بدہضمی بھی اکثر ہوتی ہے اور تمام قوائے جسمانی میں ضعف اور ناطاقتی گھر کر جاتی ہے جس کی وجہ سے مصروع کے چہرہ سے دائمی نقاہت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ یہ بات کچھ بعید نہیں ہے کہ اس کے ساتھ مصروع کے ذہن میں اپنے ضعف و نقاہت کا یقین بخوبی جم جاتا ہے اور

Marfat.com

مشقت طلب اشغال سے نفرت ہو جاتی ہے۔ بالخصوص ایسے اشغال سے جن میں اس پر زیادہ لوگوں کی نظریں پڑیں۔" [۲۹]

ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آیا یہ سب آثار یا ان میں سے بعض آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عمر کے کسی حصہ (طفولیت سے لے کر وفات تک) پائے گئے تھے یا نہیں۔

"کوئی مورخ مسلمان یا عیسائی یہ نہیں بیان کرتا کہ منجملہ آثارِ مذکورہ بالا کے ایک بھی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) میں پایا گیا تھا۔ بلکہ برخلاف اس کے تمام متفق اللفظ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے بچپن اور جوانی میں نہایت تندرست اور قوی تھے۔ خود سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ "دو برس کے سن میں (حضرت) حلیمہؓ نے ان کا دودھ چھڑایا اور ان کے گھر لے گئیں اور (حضرت) آمنہؓ اپنے لڑکے کی تندرست اور قوی ہیئت کو دیکھ کر جو آپؐ سے دو چند عمر والے لڑکے کے برابر معلوم ہوتا تھا، اِس قدر خوش ہوئیں کہ حلیمہ سے کہا اس کو پھر صحرا کو لے جا۔" لڑکپن اور جوانی کے زمانہ میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مضبوط، تندرست اور قوی الجثہ تھے ۔۔۔ بہت تیز چلا کرتے تھے اور زمین پر مضبوطی سے قدم رکھتے تھے۔ تمام عمر آپؐ کو بڑے بڑے خطرے اور تکلیفیں پیش آئیں اور ان سب کو آپؐ نے کمال صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کیا۔ آپؐ نے خدائے واحد کی پرستش و عبادت کی تجدید ایسے طور پر کی جس کی کوئی نظیر و مثال نہیں پائی جاتی اور علم الٰہیات کو ایسے پختہ و معقول اصول پر قائم کیا جس کا ہمسر جہاں سے معدوم ہے۔ آپؐ نے قوانینِ تمدن و اخلاق کو ایسے کمال تک پہنچا دیا جو اس سے پیشتر کبھی نہیں ہوا تھا۔ اُنہی کی وساطت سے انسانوں کی رفاہ و بہبودی کے واسطے وہ ملکی و مالی و دینی و دنیوی قوانین کا مجموعہ حاصل ہوا جو اپنے نوع میں یکتا و بے نظیر ہے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ (شخصیت) ہیں جنھوں نے اپنی زندگی میں تمام جزیرہ عرب کو فتح کیا اور مختلف قبیلوں کو مجتمع کر کے ایک مضبوط اور طاقتور عظیم الشان قوم بنا دیا۔ جس

Marfat.com

نے اس زمانہ کی مہذب دُنیا کے ایک جزدِ اعظم کو ایک عرصۂ قلیل میں مفتوح و مسخر کر لیا۔ کیا اس بات کا خیال کرنا قرینِ عقل و انصاف ہے کہ ایسے نادرہائے نمایاں ایک لاچار اور ناتواں مصروع شخص سے عمل میں آئے ہوں گے؟ ایسے کارہائے نمایاں کا عمل میں آنا بجز اس شخص کے جس کے قوائے جسمانی و روحانی کامل صحیح و سالم ہوں اور کسی شخص سے غیر ممکن معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کی ماہیت تائیدِ ربانی پر دلالت کرتی ہے۔" ۳۰

سر ولیم میور کا یہ خیال کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مزاج میں ان مضطر حالتوں اور بے ہوش کنندہ غشوں کے صریح آثار نمودار تھے جو نزولِ وحی کے ہوتے تھے اور شاید جن کے سبب ان کے دل میں نزولِ وحی کا خیال پیدا ہو گیا تھا اور ان کے متبعین نے ان اضطراب اور غشوں کو نزولِ وحی کا شاہد قرار دیا تھا" کس قدر پوچ، لغو اور مقامِ رسالت کے صحیح شعور سے ہٹا ہوا ہے۔

کیا خداوند علیم و قدیر نے اپنی آخری کتاب کے لیے ایک ایسے وجود کا انتخاب کرنا تھا جو "فریبِ خیال" کا شکار اور مراق کا مریض ہو یا پھر صرع کا یا ایک ایسے "انسانِ کامل" کی تلاش مقصود تھی جو شعور و آگہی اور نبوت و رسالت کے اِس عظیم مقام پر کھڑا ہو جہاں سے وہ پوری انسانیت کی تعمیر و ترقی اور اس کے حال و استقبال کی فوز و فلاح کے لیے رہنمائی کر سکے۔ "ادراکِ حقیقت" جو علم کا مقصودِ منتہیٰ ہے کیسے اور کیونکر ممکن ہے؟ ہم گزشتہ صفحات میں عقل کی کوتاہ دامنی بیان کر آئے ہیں، اور عشق کی عدم موجودگی میں اس کی ہولناکیوں پر سیر حاصل تبصرہ کر چکے ہیں۔ ہم نے جبلّت (Instinct) کی ناکامی اور وجدان کی کوتاہی کا بھی تفصیلی ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ عقلِ استدلالی جس طرح زندگی کے ہمہ گیر مسائل کو حل کرنے میں ناکام رہی ہے اسی طرح علمِ غیر استدلالی بھی "ادراکِ حقیقت" کا موثر ذریعہ نہیں بن سکا۔ حقیقت جب تک خود اپنے آپ کو منکشف نہیں کرتی، ادراکِ حقیقت ممکن ہی نہیں۔ حقیقت (وحی کے ذریعے) جب اپنے آپ کو منکشف کرنا چاہتی ہے تو ایک ایسا "قلب" تلاش کرتی ہے جسے قرآن کی اصطلاح میں "قلبِ سلیم" کہتے ہیں، ایسی فطرت کی جویا ہوتی ہے جو فطرت

Marfat.com

صالحہ" ہو۔ اور ایک ایسا جسم ڈھونڈتی ہے جو ہر کجی سے پاک، مستقیم ہو اور ایک نئی دُنیا کی تعمیر کر سکے۔ ظاہر ہے کہ حقیقت اپنے اظہار کے لیے ایک ایسے اِنسان کی متلاشی ہوتی ہے جو "صادق" اور "امین" ہو۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ صادق و امین جو تمام معاشرتی لین دین میں مخلص اور سچا تھا اور معاشی کاروبار میں دیانت دار اور امین تھا، وہ خداوند تعالیٰ پر جھوٹ باندھے اور" اپنے صرعی غشوں کو اپنے رسولِ برحق ہونے کے ثبوت میں پیش کرے"۔

اغیار کی تضحیک و تعریض کا ایک پہلو تو وہ ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اور جس کے مطابق (نعوذ باللہ) وحی کی حقیقت ہی مشتبہ قرار پاتی ہے۔ مختصراً ان کا ادعا یہ ہے کہ "آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) جن باتوں کو وحی بتا کر اپنے پیروؤں کی ہدایت کرتے وہ دراصل ان کے مرضِ صرع کا کرشمہ تھا۔ جس کے دورہ سے وہ لرزنے لگتے اور منہ سے جھاگ اُگلنا شروع کر دیتے۔ لیکن ہوش میں آنے کے بعد وحیِ خداوندی کے نام سے کلام پیش کرتے۔ حالانکہ یہ سب مرضِ صرع کا اثر و نتیجہ تھا"۔ (۳۱)

ہمیں یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ سپرنگر کی "طبی تحقیقات" کس حد تک غیر جانبدارانہ ہیں اور وہ اِن تحقیقات کے کرنے کا کہاں تک اہل ہے؟ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی کی کیفیتوں کو صرع سے تعبیر کرنا طبی طور پر "نابکارانہ خطا" ہے تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ صرع کے حملے میں مریض کے ذہن میں کچھ آتا بھی ہے تو وہ اسے ہوش میں آنے کے ساتھ قطعاً بھلا بیٹھتا ہے۔ اس دوران میں کوئی بات مریض (مصروع) کی زبان پر آتی ہی نہیں۔ اس لیے کہ اثنائے حادثہ میں اس کا شعور و فکر معطل ہو جاتا ہے۔ مرگی کا مریض ان کیفیات و تجربات سے بالکل ناواقف ہوتا ہے جو مرض کے دوران میں اس پر وارد ہوتے ہیں۔ جب کہ خدا کا نبی وحی کے نزول کے وقت شعور و آگہی کے اس بلند مقام پر ہوتا ہے جس کا کسی اور آدمی کے اندر تلاش کرنا قطعاً ناممکن ہوتا ہے۔

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذہن میں وحی کی تمام واردات پوری طرح محفوظ رہتیں، جنہیں آپؐ وحی کے اختتام پر کاتبانِ وحی کو لکھوا دیتے (۳۲) سورہ القیٰمہ کی آیات ۱۶-۱۹، جن میں قرآنِ مجید (وحی) کا آپؐ کے سینہ مبارک میں جمع کر دینا اور اس کا ز پڑھے کے پورے قرآن کا

Marfat.com

آپؐ کی زبانِ فیض رساں سے پڑھوا دینا ایک مستقل نص کا کام دے رہی ہیں۔ تیسرا اور ان تمام الزامات کے رد میں تنہا کافی ہیں جو مستشرقین کی طرف سے بوجہ تعصب اور جہالت وحیِ الٰہی کی نوعیت اور آپؐ کی استعدادِ حفظ پر کیے گئے ہیں۔ لہٰذا نزولِ وحی کے وقت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر شدید تشنج کا دورہ پڑنا، غنودگی کا طاری ہونا، اور آپؐ کے دہنِ مبارک سے جھاگ نکلنے لگنا ۔ ایسی باتیں ہیں جن کا حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ۔

جدید طبی تحقیقات نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ مصروع کو کبھی کبھی مرض کا حملہ اس قدر بے اختیار اور بے بس کر دیتا ہے کہ وہ دوسروں کی اذیت رسانی میں معروف ہو جاتا ہے۔ ان علامات کو رسالتمآب (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تلاش کرنا اور وحی کی کیفیات کو مرض کی علامات کے مشابہ ٹھہرانا، اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ ایسی تحقیق کرنے والے خود مذہبی ہسٹریا کے مریض ہیں۔ مرض ذہنی انحطاط کا ایک ایسا مرض ہے کہ اس کا شکار جسمانی کمزوری، عصبی اضمحلال اور شدتِ الم کی شکایت کرتا ہے۔ اس کی اُڑی اُڑی سی رنگت، اس کا پژمردہ چہرہ اور اس کی دھنسی ہوئی آنکھیں اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ اسے ثبات ہے نہ قرار۔

ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جہاں دل و دماغ کی بے شمار اور اَن گنت صلاحیتیں پائی تھیں، وہاں آپؐ کو حسن و جمال سے بھی وافر حصہ ملا تھا۔ مردانہ حُسن و دلکشی، بلند قامتی اور حلم و وقار، سخت کوشی اور شخصیت کی جاذبیت ۔۔ ان سب میں رُوحِ نبوت کا پرتو دیکھا جا سکتا تھا یہ خدائے بزرگ و برتر کا "تقویٰ" تھا جو آپؐ کے رُخِ انور کو درخشندہ رکھتا۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے آپؐ کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہی کہہ دیا تھا کہ "یہ چہرہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیشانی مطلعِ انوار تھی؛
آپ (〃 〃) کی آنکھیں سیاہ اور پلکیں دراز تھیں؛
آپ (〃 〃) کی آنکھوں کے سفید حصے میں سُرخ ڈورے پھیلے تھے؛
آپ (〃 〃) کے رخسار ہموار اور ہلکے تھے اور دہن مبارک فراخ تھا؛
آپ (〃 〃) تکلم فرماتے تو دانت موتیے کی کلیوں کی طرح سفید نظر آتے؛
آپ (〃 〃) کی گردن کسی مورتی کی طرح خوب صورتی سے تراشی گئی تھی؛

Marfat.com

آپ ("   ) کے سر کے بال قدرے خمدار تھے، نہ بالکل سیدھے تنے ہوتے اور نہ زیادہ پیچدار۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بدن تھا کہ چاندی سے ڈھلا ہوا؛ اعضا کے جوڑوں کی ہڈیاں بڑی اور مضبوط تھیں؛

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سینہ چوڑا اور پیٹ ہموار تھا؛

آپ ("   ) کی کلائیاں دراز، ہتھیلیاں فراخ اور انگلیاں موزوں حد تک لمبی تھیں؛

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہتھیلیاں نرم اور گداز تھیں؛

آپ ("   ) کے قدم چکنے کہ پانی نہ ٹھہرے۔ آپؐ چلتے وقت قوت سے پاؤں اٹھاتے گویا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بلندی سے ڈھلوان کی طرف اُتر رہے ہیں (إذا مَشیٰ یَتَقَلَّعُ کَاَنَّمَا یَمْشِیْ فِیْ صَبَبٍ) اور جب چہرہ مبارک پھیرتے تو تمام بدن ایک ہی مرتبہ پھیرتے (اِلْتَفَتَ مَعًا)؛

اِس سراپا کو اُم معبدؓ نے جس جامعیت اور فصاحت سے بیان کیا ہے اسے رحمۃ للعالمین کے فاضل مصنف کی زبان سے سُنیئے۔ پتہ چل جائے گا کہ یہ خدوخال اسی "محبوب" کے ہیں جسے پوری انسانیت کے لیے نمونہ بنا کر بھیجا گیا تھا: فرماتے ہیں:

"پاکیزہ رُو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خُو، نہ توند نکلی ہوئی نہ چندیہ کے بال گرے ہوتے۔ زیبا، صاحب جمال، آنکھیں سیاہ و فراخ، بال لمبے اور گھنے۔ آواز میں بھاری پن، بلند گردن، روشن مردمک، سرگیں چشم۔ باریک و پیوستہ ابرو۔ سیاہ گھنگھریالے بال، خاموش وقار کے ساتھ۔

گویا دل بستگی لیے ہوتے۔ دُور سے دیکھنے میں زیبندہ و دل فریب۔ قریب سے نہایت شیریں و کمال حسین۔ شیریں کلام، واضح الفاظ، کلام کمی و بیشی الفاظ سے معرا۔ تمام گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی۔ میانہ قد کہ کوتاہی سے حقیر نظر نہیں آتے، نہ طویل کہ آنکھ اس سے نفرت کرتی۔ زیبندہ نہال کی تازہ شاخ۔ زیبندہ منظر والا

Marfat.com

قدر۔ رفیق ایسے کہ ہر وقت اس کے گرد و پیش رہتے ہیں۔ جب وہ کچھ کہتے ہیں تو چُپ چاپ سُنتے ہیں، حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لیے جھپٹتے ہیں۔ مخدوم و مطاع، نہ کوتاہ سخن نہ فضول گو۔"

کیا صرع کے مریض کی پیشانی یوں ہی تابانی لیے ہوتی ہے؟ کیا اس کا چہرہ یوں ہی جگمگوں ہوتا ہے؛ کیا اس کے ہونٹوں پر یوں ہی مسکراہٹ کھیلی ہوتی ہے؟ کیا اس کی نگاہ ایسی ہی بجلیاں لیے ہوتی ہے کہ ؎

بگڑے تو خانہ خراب کردے ، اُٹھے تو بجلی پناہ مانگے !

جلوت و خلوت میں، سفر و حضر میں اور معرکۂ خیر و شر میں آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی اپنے مقاصد کو نظر انداز نہیں کیا۔ اگر ایامِ امن میں آپ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کے بنیادی کام میں معروف ہوتے اور اپنے پیروؤں کی تربیت پر توجہ مرکوز فرماتے تو جنگ کے دنوں میں، بحیثیت ایک سپہ سالارِ اعظم کے، مسلمانوں کو طاغوتی طاقتوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار کر رہے ہوتے؛ دفاعی سیاست کے منصوبوں کی تشکیل کا کام ہوتا، سامانِ رسد، آلاتِ حرب اور وسائلِ نقل و حمل پر آپ کی نظر ہوتی۔ اندرونی استحکام کے لیے موثر ذرائع ابلاغ کا کام لڑائی کے لیے مالی وسائل کی فراہمی، میدانِ جنگ میں صفوں کی درستی اور اس بات کا یقین کر لینا کہ دفعِ ظلم کے جوش میں مجاہدین حد سے نہ گزرنے پائیں اور مسلمانوں کے فکر و عمل کی قوتیں "وحی" کی رہنمائی میں نئی بستیاں آباد کرتی رہیں ــــ یہ کام کسی مصروع کے کرنے کا تھا؟

ایک عام قابلیت کا آدمی بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے (جو مغرب کے متعصب اور جانبدار اربابِ تحقیق و تفحص نہیں سمجھ پاتے) کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مشکلات میں جس صبر و تحمل، شدائد میں جس جرأت و ہمت اور تنگ نائے حرب میں جس شجاعت و شہامت کا ثبوت دیا ہے، وہ کیا کسی اختلاط پذیر ذہن کا کام تھا یا کسی کھوکھلے جسم کا؟ اسلامی ریاست کے قیام و انصرام کے لیے (جس کا نام سن کر مغربی دانشور بوکھلا اٹھتے ہیں) جس تعقل، جذبے اور محبت کی ضرورت تھی وہ صرف اور صرف وحیِ الٰہی ہی سے حاصل ہو سکتے تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان تمام جسمانی، ذہنی اور روحانی خوبیوں کا مجموعہ تھے جن سے انبیاء علیہم السلام کو بقدرِ ظرف حصہ

Marfat.com

عطا رہا ہے

حُسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

اگر حُسنِ صوری سے آپؐ کو مزین کیا گیا تھا تو حسنِ معنوی بھی بتمامہ آپؐ کو عطا ہوا تھا۔ آپؐ کی اصابتِ رائے، صحتِ فہم، جودتِ قیاس اور صحتِ نظر، پورے عرب میں بہ طور ضرب المثل کے چلی آتی تھی۔

اِس کہانی کا دوسرا پہلو وہ قیاس عقلی (نتیجہ) ہے جو سپرنگر نے مقدمہ کے کُبریٰ اور صُغریٰ سے حاصل کیا ہے اور اسے منطقی استدلال کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ صرع کا مریض جھوٹ اور فریب کا رجحان رکھتا ہے۔ یہ اس کا کُبریٰ ہے۔ اور صُغریٰ یہ ہے کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) (نعوذ باللہ) صرع یا مراق کے مریض تھے۔ لہٰذا آپؐ کا میلانِ طبیعت بھی۔ کی طرف تھا۔

سپرنگر کا قائم کردہ کُبریٰ (Major Premises) جتنا غلط، قیاسی اور بلا دلیل ہے اس کا صغریٰ اتنا ہی مبتذل، پوچ اور خلافِ واقعہ ہے۔ اس کا حاصل کردہ نتیجہ ایک ایسے ذہن کی عکاسی کرتا ہے جو سقیم اور ردی ہے۔ کیا تاریخ کوئی ایسی معاصرانہ شہادت پیش کر سکتی ہے جس سے پتہ چلے کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) مصروع تھے؟ کیا اصحابِ سِیَر نے کوئی ایسی مستند، متواتر اور صحیح روایت بیان کی ہے جس سے معلوم ہو کہ آنحضورؐ پر نزولِ وحی کے وقت "علامتِ صرع عود کر آتی تھیں"۔ یا بالفاظِ دیگر وحی کی علامات بالکل وہی ہوتیں جو مرگی کے مریض کی ہوتی ہیں؟ خلوتوں کے رفیق اور جلوتوں کے ہم نشین جن میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ جیسی "امین" اور حضرت عائشہؓ جیسی "فطین" خواتین! ابوبکر صدیقؓ جیسے راست باز اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے مصاحب (صاحبِ وسادہ) شامل تھے! کیوں نہ اس بیماری کی نشاندہی کر سکے؟ حضرت زید بن ثابتؓ جیسے "کاتبِ وحی"، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے ثقہ راوی اس بارہ میں کیوں خاموش ہیں؟

سورہ فتح کا نزول ان سینکڑوں صحابہ کبار (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے سامنے ہوا جو

Marfat.com

بیعتِ رضوان کے بعد، تسلیم و رضا کو پیشہ بناتے، واپس مدینہ منورہ جا رہے تھے۔ اور سورہ النجم کا نزول حرمِ پاک میں ایسے دو گروہوں کی موجودگی میں ہوا جن میں سے ایک نے اطاعت و انقیاد کو اپنا مسلک بنا رکھا تھا اور دوسرا وہ تھا جس نے سرکشی اور انکار کو اپنا مذہب قرار دیا تھا۔ کیا کوئی ایسی قابلِ قبول شہادت موجود ہے جس سے پتہ چلے کہ دونوں سورتوں کے نزول کے وقت، جو دن کی روشنی میں زبانِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جاری ہوئیں، آپؐ کے چہرہ انور پر سرخی دوڑ گئی تھی، منہ سے رال بہنے لگی تھی، جسم پر کپکپی طاری ہونے لگی تھی اور چیخ کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) زمین پر آ رہے؟ نہ تو آپؐ کو وارننگ (Aura) ملی جو صرع کے مریض کو کئی گھنٹے پہلے ملتی ہے! نہ تشنج (Convulsions) کا دورہ پڑا؛ نہ عضلات پھڑکے (Twitchings) اور نہ ہی آپؐ کی زبان سے بڑبڑانے (Grunt) کی آواز سنائی دی۔ آپؐ پر غنودگی طاری ہوئی اور نہ ہی شعور منقطع ہوا۔ سورۂ فتح کے موقع پر جہاں آپؐ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو مایوسی کی جگہ امید اور احساسِ شکست کی بجائے کامرانی کا احساس دلایا وہاں النجم کے نزول کے موقع پر قرآنِ مجید کی شدتِ تاثیر سے وہ رؤسائے قریش جو دوسروں کو اس کے سننے سے منع کرتے تھے، خود نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ سجدہ میں گر گئے۔

کیفیتِ وحی کو — جو کبھی گھنٹی کی مسلسل گونج کی طرح ہوتی (كَصَلْصَلَةِ الْجَرَسِ)، کبھی شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی مانند ہوتی (كَدَوِيِّ النَّحْلِ)، کبھی فرشتہ انسان کی شکل میں ظاہر ہو کر وحی لاتا (أَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلًا فَأَعِي مَا يَقُولُ) اور کبھی خدائے بزرگ و برتر سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوتا (مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ) — مرگی کا دورہ سمجھنا یا ہسٹریا کی علامات گردانا، ایک ایسی اختراع ہے جس پر تہذیب اور شائستگی، تحمل اور وقار ہمیشہ سر پیٹتے رہیں گے۔

قرآنِ مجید نے ان تمام اتہامات کو تفصیل سے بیان کیا ہے جن سے قریشِ مکہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو متہم کرتے رہتے تھے۔ قرآنِ حمید نے ان اتہامات کا جواب دیتے ہوئے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ ہمارا "بندہ" اور "رسول" اس وحی کی پیروی کرنے والا ہے جو اس کے پاس بھیجی جاتی ہے تاکہ وہ نیک اعمال کرنے والوں کو خوش خبری سناتے اور برے اعمال کے

Marfat.com

مرتکب لوگوں کو عذاب سے ڈراتے۔ اگر مشرکینِ مکہ کو یہ اعتراض بھی ہوتا کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) (نعوذ باللہ) مصروع تھے تو کوئی وجہ نہیں کہ خداوندِ علیم وخبیر اپنی آخری کتاب میں اس کا ذکر نہ فرماتے۔ قرآنِ حکیم نے ان تمام الزامات کی پُرزور تردید کی ہے جن کے مطابق کبھی آپ کو شاعر کہہ کر متہم کیا گیا اور کبھی ساحر کہہ کر؛ کبھی مجنون کہہ کر حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی گئی اور کبھی مسحور کہہ کر آپ کے شرف ومجد کو گھٹانے کی مذموم کوشش کی گئی۔

قرآن مجید کی چند ایک آیاتِ مبارکہ ملاحظہ ہوں جن میں مشرکین مکہ کے الزامات کو صاحبانِ عقل وشعور کے سامنے پیش کیا گیا ہے کہ وہ خود فیصلہ کرلیں کہ کیا ایسا "فارقلیط" (رُوحِ حق) اور ایک ایسی "سلطنت کا مالک جو تا ابد غیبت نہ ہوگی"، جو "ہمت نہ ہارے گا"، جو "دُنیا کو" پہاڑوں کی چوٹیوں (سلع) پر سے للکارے گا" اور "جنگی مرد" کی طرح سے اپنی "غیرت دکھاتے گا" اور جو "اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سُنے گا وہی کہے گا" ان الزامات کا مورد قرار دیا جاسکتا ہے جن کا ذکر قرآنِ مجید نے صراحت سے کیا ہے:

سورت مع آیت/آیات درجِ ذیل ہیں:

الاعراف ۷ : ۱۸۴	؛	الصّٰفّٰت ۳۷ : ۳۶-۳۷	
النحل ۱۶ : ۱۰۱	؛	الدخان ۴۴ : ۱۴	
المومنون ۲۳ : ۷۰	؛	الطور ۵۲ : ۲۹-۳۴	
الفرقان ۲۵ : ۸	؛	القلم ۶۸ : ۲-۴	
سبا ۳۴ : ۴۶			

قرآنِ مجید نے ایک طرف تو اِن الزامات کو دُہرایا ہے جن کا مقصد مشرکین کو "پیامِ آخریں" کے سُننے اور اس کی تعلیمات کو قبول کرنے سے روکنا تھا اور دوسری طرف وحیِ الٰہی کی حقیقت کو اصحابِ بصیرت کے لیے بیان کرنا تھا تاکہ وہ اصحابِ دجل وتلبیس کے افکار کے سبب کسی مغالطے میں نہ پڑ جائیں۔ خداوندِ قدوس نے اپنی آخری کتاب کو جن پاکیزہ ناموں سے یاد فرمایا ہے، ان میں سے بعض درجِ ذیل ہیں:

کتاب: المائدہ ۵ : ۴۸؛ الکہف ۱۸ : ۲۷؛ القصص ۲۸ : ۸۶؛

Marfat.com

الزمر ۳۹ : ۴۱ ؛ حٰم السجدہ ۴۱ : ۴۲ ؛ الاحقاف ۴۶ : ۲ ؛
قرآن : یونس ۱۰ : ۱۵ ؛ النمل ۲۷ : ۶ ؛ الشوریٰ ۴۲ : ۷ ؛
القیام ۷۵ : ۱۷-۱۸ ؛ البروج ۸۵ : ۲۱-۲۲
تذکرہ : المدثر ۷۴ : ۵۴ ؛ الانسان ۷۶ : ۲۹ ؛ عبس ۸۰ : ۱۱
ذکر : الحجر ۱۵ : ۹ ؛ النحل ۱۶ : ۴۴ ؛ الانبیاء ۲۱ : ۲۴ ؛ ایضاً : ۵۰ ؛
یٰسین ۳۶ : ۶۹ ۔
بصائر، ھُدیٰ اور رحمت : الاعراف ۷ : ۲۰۳ ؛ الجاثیہ ۴۵ : ۲۰
تنزیل : الشعراء ۲۶ : ۱۹۲-۱۹۵ ؛ السجدہ ۳۲ : ۲ ؛ الزمر ۳۹ : ۱ ؛ فصلت ۴۱ : ۴۲
میرے سامنے کولیر کے دائرۃ المعارف کی جلد نہم (مطبوعہ ۱۹۸۰) رکھی ہے جس میں ان حضرات کے نام بیان کیے گئے ہیں جو مرگی کے مریض رہے ہیں۔ بایں ہمہ، تاریخ نے انھیں ان کے عظیم کارناموں کے لیے فراموش نہیں کیا۔ اس دائرۃ المعارف میں آقائے نامدار محمد مصطفٰے کا اسم گرامی درج نہیں لیکن سینٹ پال کا نام ان لوگوں کی فہرست میں شامل ہے جو مرگی زدہ تھے۔ اگر سپرنگر کا وہ قیاس منطقی کچھ دقت کے لیے قبول کر لیا جائے جو اوپر بیان ہوا ہے تو کہیے کہ بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جو صرع (مرگی) کا مریض تھا ؟ [۴۱]

اِس (Syllogism) کو پڑھیے اور غور فرمائیے :

مرگی کے تمام مریض جھوٹ اور فریب کا رجحان رکھتے ہیں (کبریٰ)
سینٹ (رسول) پال بھی مرگی کے مریض تھے ۔ (صغریٰ)
لہٰذا سینٹ پال کا میلانِ طبیعت بھی جھوٹ اور فریب کی طرف تھا۔ (نتیجہ)

ڈیوڈ فریڈرک سٹراس (Dr. Friedrich Strauss) نے اپنی فاضلانہ تصنیف (A New Life of Jesus) کی جلد اوّل (مطبوعہ ۱۸۶۵ء) [۴۲] میں اِس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ سینٹ پال کے وہ تمام مکاشفات جن کا ذکر اعمال کے باب ۲۲ میں ہوا ہے، ان روایتی مکاشفات اور رؤیا سے گہری مماثلت رکھتے ہیں جو یہودی اور ابتدائی مسیحوں کے ہاں رائج تھے۔ پولس رسول کا دمشق کے نزدیک پہنچ کر زمین پر گر پڑنا، ایک عظیم

Marfat.com

نور کا اس کے گرد ہالہ بنا لینا، اس کی آنکھوں کا چندھیا جانا، اس کے خوابوں اور رؤیا کی باہم آمیزش اور حضرت مسیحؑ سے ہمکلام ہونا، ایسے واقعات ہیں جن کو رسولوں کے اعمال کے مصنّف نے اپنی صوابدید کے مطابق ترتیب دیا ہے۔ ان کا اگر کرنیلس کی تاریخ اور پطرس (شمعون) کے حالات سے مقابلہ کیا جائے جن کا تفصیلی ذکر اعمال کے باب ۱۰: ۱۱-۲۴ میں کیا گیا ہے یا لوقا کی انجیل کے باب اوّل میں ملتا ہے، تو پتہ چلے گا کہ پولُس رسول کا حضرت عیسیٰؑ کو دیکھنا وہی اسلوب اختیار کیے ہوتے ہے جو دوسرے حواریوں کے ہاں مروّج ہے۔

کرنتھیوں کے باب ۱۵ کی آیت ۸ میں پولُس رسول ہمیں بتاتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کتابِ مقدس کے مطابق تیسرے دن جی اٹھا۔ وہ پہلے کیفا[۳۲] کو دکھائی دیا اور اس کے بعد ان بارہ (حواریوں) کو دکھائی دیا پھر یعقوب کو اور سب سے پیچھے مجھ کو۔ (پولُس رسول کو یہ بات یاد نہیں رہی کہ ایک حواری (یہودا اسکریوتی) پہلے ہی اللہ میاں کو پیارا ہو چکا تھا، تاکہ اپنے کیے کی سزا پائے۔ اب وہ بارہ کی بجائے گیارہ رہ گئے تھے)۔

اسی واقعہ (رؤیا) کو وہ اسی کتاب کے باب ۹: ۱ میں اس طرح دُہراتے ہیں:

"کیا مَیں نے یسوعؑ کو نہیں دیکھا جو ہمارا خداوند ہے؟"

ان کی مراد یہ ہے کہ مَیں نے انھیں دیکھا ہے۔ ان ہر دو عبارات میں وہ وثوق کے ساتھ اِس بات کا اظہار فرما رہے ہیں کہ انھوں نے حضرت عیسیٰؑ کو دوبارہ جی اُٹھنے کے بعد دیکھا تھا لیکن گلتیوں کے باب۱ میں اس مکاشفہ کا ذکر کرتے ہوئے جو انھیں حضرت یسوع مسیحؑ کی طرف سے حاصل ہوا تھا، وہ اس طرح مخاطب ہوتے ہیں:

"جب اس کی (خدا کی) مرضی ہوئی کہ اپنے بیٹے کو مجھ میں ظاہر کرے تاکہ مَیں غیر قوموں میں اس کی خوشخبری دوں۔"

یہ اسلوبِ بیان کرنتھیوں سے لیے گئے اقتباساتِ مذکرہ بالا کے اندازِ بیان سے مختلف ہے۔ نہ صرف یہ، بلکہ متن کے لحاظ سے بھی یہ اِس قدر اشکال سے پُر ہے کہ پڑھنے والے کو اشتباہ ہوتا ہے کہ کیا پولُس رسول نے واقعی حضرت عیسیٰؑ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا؟ کیا یہ فریبِ خیال تو نہیں؟ کیا یہ مرگی کے دورہ کا کرشمہ تو نہیں کہ انھوں نے سمجھا کہ خداوندِ قدوس

Marfat.com

نے "اپنے بیٹے" کو ان میں ظاہر کر دیا تاکہ وہ غیر قوموں (Heathens) خاص طور پر غیر مختونوں اور ملحدوں کے درمیان اس کے مقدس نام کا پرچار کریں (بلکہ مختونوں کو چھوڑ کر انہی کے ساتھ مفاہمت پیدا کر لیں)۔ حالانکہ یہ بات انجیل کی واضح تعلیمات (نص) کے خلاف ہے۔ انجیل متی ۱۰ : ۵ میں حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا تھا :

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔ ... اور لڑکوں کی روٹی کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں۔" [۴۸]

فریڈرک سٹراس کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰؑ سے پولس رسول کی ملاقات محض دروغ بے فروغ ہے۔ یہ قصہ صرف اس لیے گھڑا گیا کہ حواری اور متبعین مسیح پولس کے چور دروازے سے داخل ہونے پر معترض نہ ہوں۔ چونکہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی زندگی میں، ان کے شدید مخالف اور ان کے پیغام کے سخت مزاحم تھے۔ حواریوں کو ستانا اور انھیں "تباہ کرنا" [۴۸] ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ ایک اور سوال جو ذہن میں اُبھرتا ہے یہ ہے کہ پولس رسول کو کیسے پتہ چلا کہ حضرت عیسیٰؑ "اللہ تعالیٰ کے بیٹے" ہیں؟ کیا یہ عقیدہ بھی پولس رسول کا اپنا گھڑا ہوا نہیں؟ قرآن مجید کی تصریحات کی روشنی میں [۴۸] یہ تمام قصہ "مقدس جھوٹ" کی ایسی "روشن مثال" ہے جس کی ترویج و اشاعت کے لیے کلیسائے مسیح نے ایڑی چوٹی کا پورا زور لگا دیا ہے اور دُنیا کو روشنی کے اس دَور میں بھی شرک کا لتیا بنا رکھا ہے۔ سپرنگر، سر ولیم میور اور مارگولیس کے اندر پولس رسول کی وہی رُوح کار فرما ہے جس کا مسکن ایک ایسا مریض اور سقیم جسم ہے جس کا ذکر ہمیں کرنتھیوں ۲ کے باب ۱۰ : ۱۰ میں ملتا ہے اور کبھی گلتیون کے باب ۴ کی عبارت ۱۳ میں کیا گیا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو :

"بلکہ تم جانتے ہو کہ مَیں نے پہلی دفعہ جسم کی کمزوری کے سبب سے تم کو خوشخبری سنائی تھی۔ اور تم نے میری اس جسمانی حالت کو جو تمھاری آزمائش کا باعث تھی نہ حقیر جانا، نہ اس سے نفرت کی اور خدا کے فرشتہ بلکہ مسیح یسوعؑ کی مانند مجھے مان لیا۔" [۴۹]

پولس رسول کے ہاں وجد آور کیفیات کی تلاش کوئی مشکل کام نہیں۔ کرنتھیون ۲ کے باب ۱۲

کی درج ذیل عبارات جہاں ان کے مراقی (Hypochondriac) ہونے کی شہادت دیتی ہیں وہاں ان کی کم ظرفی پر بھی گواہ ہیں :

"مجھے فخر کرنا ضرور ہوا اگرچہ مفید نہیں۔ پس جو رؤیا اور مکاشفے خداوند کی طرف سے عنایت ہوئے، ان کا میں ذکر کرتا ہوں۔ میں مسیح میں ایک شخص کو جانتا ہوں چودہ برس ہوئے کہ وہ یکایک تیسرے آسمان تک اٹھا لیا گیا۔ نہ مجھے یہ معلوم کہ بدن سمیت نہ یہ معلوم کہ بغیر بدن کے، یہ خدا کو معلوم ہے۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس شخص نے (بدن سمیت یا بغیر بدن کے یہ مجھے معلوم نہیں، خدا کو معلوم ہے) یکایک فردوس میں پہنچ کر ایسی باتیں سنیں جو کہنے کی نہیں۔ اور جن کا کہنا آدمی کو روا نہیں۔ میں ایسے شخص پر تو فخر کروں گا لیکن اپنے آپ پر سوا اپنی کمزوریوں کے فخر نہ کروں گا۔ (۱-۵) . . .

اور مکاشفوں کی زیادتی کے باعث میرے پھول جانے کے اندیشہ سے میرے جسم میں کانٹا چبھویا گیا یعنی شیطان کا قاصد تاکہ میرے مکے مارے اور میں پھول نہ جاؤں۔ اس کے بارے میں میں نے تین بار خداوند سے التماس کیا کہ یہ مجھ سے دور ہو جائے۔ مگر اس نے کہا کہ میرا فضل تیرے لیے کافی ہے کیونکہ میری قدرت کمزوری میں پوری ہوتی ہے۔ (۷-۹)" ش

معلوم ہوتا ہے کہ پولس رسول کا "ظرف" چھوٹا ہے اور جو کچھ انھیں رؤیا میں دکھایا جا رہا ہے وہ زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ "خداوند نے شیطان کو مقرر کر دیا ہے تاکہ وہ فخر و غرور اور خود بینی و خود پسندی کا شکار نہ ہو جائیں" سٹراس نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

"But that lest he should be exalted above measure, there had been given to him a thorn in the flesh, the messenger of Satan, to buffet him".

اس طویل بحث کو سمیٹتے ہوئے فریڈرک سٹراس کہتا ہے :

Marfat.com

"ان الفاظ کے مطالعہ کے بعد تشنج کے دَورے، بلکہ مرگی کے دَورے پڑنے لگ جاتے ہیں۔ ان کا امکان ان عبارات کے پیشِ نظر جن میں پولُس رسول کی جسمانی کمزوری، ضعفِ دماغ اور اس کی وضع قطع کے بگاڑ۔ (Un-sight liness of his out-ward appearance) کا ذکر آتا ہے'

اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ ان کا جسم جن عصبی امراض کا گہوارہ ہے، اس کا اظہار کرنتھیون ۱ کے باب ۱۴ کی عبارت ۱۸ سے ہوتا ہے جہاں انھوں نے کلیسائے کرنتھیون کے افراد کے مقابلے میں سب سے زیادہ زبانیں بولنے کا دعویٰ کیا ہے، ان بانوں کو سمجھنے میں کتنے لوگ کامیاب ہوتے یا کتنے لوگ ایسے تھے جو کسی "ترجمان" کے بغیر ان کا مفہوم سمجھ پاتے، کچھ بھی کہا نہیں جا سکتا۔ یہ تجربہ (بذاتِ خود) انہی دوروں کا ایک حصّہ ہے جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ ص۲۲

سٹراس نے کرنتھیون اور گلیتون کے نام خطوط کا جس طرح (Post-martem) کیا ہے اور حضرت پولُس رسول کی ذہنی کیفیات کا جس طرح تجزیہ کیا ہے، اس کی ایک کڑی گلیتون کے نام (پولُس رسول) کا وہ خط ہے جو باب ۲، عبارت دوم کی زینت بنا ہوا ہے۔ اس میں وہ یوں رقمطراز ہیں:

"آخر چودہ برس کے بعد میں برناباس کے ساتھ پھر یروشلم کو گیا اور طِطُس کو بھی ساتھ لیتا گیا۔ اور میرا جانا مکاشفہ کے مطابق ہوا اور جس خوشخبری کی غیر قوموں میں منادی کرتا ہوں، وہ ان سے بیان کی مگر تنہائی میں انہی لوگوں سے جو کچھ سمجھے جاتے تھے تا ایسا نہ ہو کہ میری اس وقت کی یا اگلی دوڑ دھوپ بے فائدہ جائے۔ ص۲۲

پولُس رسول (جیسا کہ اوپر تحریر ہوا ہے) مکاشفے کے مطابق تبلیغِ دین کے لیے یروشلم کے سفر پر روانہ ہوتے ہیں مگر مضطرب اور بے چین دل کے ساتھ۔ انھیں یہ ڈر کھاتے جا رہا ہے کہ بعض لوگوں کی مخالفت ان کی "مساعیٔ جمیلہ" پر کہیں پانی نہ پھیر دے۔ وہ نہایت رازداری سے انہی لوگوں سے بات کرتے ہیں جن کے متعلق انھیں یقین ہے کہ ان کی دوڑ دھوپ رایئگاں نہیں جائے گی۔ دعوتِ حق اور تبلیغِ دین کے سلسلے میں اس سے زیادہ بزدلی اور کیا ہو سکتی ہے؟

Marfat.com

جیسا کہ (Baur) کا خیال ہے یہ تمام مکاشفات ان کے اپنے حریص ذہن کی پیداوار ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں ورنہ یہ ممکن نہیں کہ وہ جا تو رہے ہوں مکاشفہ (حکم) کے تحت اور حالت یہ ہو کہ کا ٹو تو لہو نہیں۔

سٹراس ہمیں مختلف راستوں سے گزارتا ہوا، ایک بندگلی کی طرف لے آتا ہے جس کے نیچے ایک بدرَو بہہ رہی ہے۔ اس کا شور اتنا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ سٹراس اپنی علمی بصیرت سے ہمیں اس بندگلی کے مطالعہ کا موقعہ بخشتا ہے اور اس بدرَو کے سمجھنے میں مدد دیتا ہے جس کی سٹراند سے دماغ پھٹا جاتا ہے۔ پولس رسول اور برنباس کے تعلقات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ موخرالذکر اس کے خلوص اور دینِ عیسوی کی تبلیغ میں اس کی سرگرمی سے متاثر ہو کر، اس کا نہ صرف ساتھ دینا ہی پسند کرتا ہے بلکہ اس کا یروشلم میں پہنچ کر عیسوی مذہب کے رسولوں اور دیگر ساتھیوں سے تعارف کراتا ہے اور انھیں اس بات کا یقین دلاتا ہے کہ "پولس رسول نے اپنی جان خداوند یسوع مسیح کے نام پر نثار کر رکھی ہے"۔ یہ دونوں حضرات "بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے علاوہ" غیر قوموں کو "بتوں کی مکروہات اور حرام کاری اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور لہو سے" پرہیز کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔ ۱۵۹

یہ بات بڑی تکلیف دہ ہے کہ یہ دونوں ساتھی جو ایک مدت تک ایک ساتھ تبلیغِ عیسائیت کا فریضہ ادا کرتے رہے تھے، اعمال کے پندرھویں باب کے بعد یوں ایک دوسرے سے جُدا ہوتے ہیں کہ گویا وہ کبھی ملے ہی نہ تھے۔ اتنا شدید اختلاف کیوں پیدا ہوا جبکہ دونوں ایک ہی مقصد کے لیے کوشاں تھے؟ ایک ہی دین کی اشاعت کے لیے سرگرم عمل تھے۔ سٹراس (Strauss) ہمیں ان کی جدائی اور اس کے محرکات پر گفتگو کرتے ہوئے یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ علیحدگی کا سبب کوئی ایسی چیز نہ تھی (یوحنا مرقس کو ساتھ لیا جائے یا سیلاس (اعمال ۱۵: ۳۷-۴۰) جو ہنگامی اور وقتی ہو۔ بلکہ اس کے اسباب کا کھوج لگانے کے لیے ہمیں پولس رسول کے لاشعور (Un-conscious Mind) کا تجزیہ کرنا ہوگا جو تمام عمر یہودیت کی حمایت میں "شمشیر بے نیام" بنے رہے لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ دال نہیں گلتی، تو وہ "نقاب اوڑھ" کر مسیح کے حامیوں میں شامل ہو گئے۔ اب انھیں ردِ یا میں

Marfat.com

حضرت موسیٰ کی بجائے حضرت عیسیٰ دکھائی دینے لگے، ان کے گرد حلقۂ نور بننے لگا اور انھیں
دینِ مسیحؑ کی تبلیغ کے لیے چُن لیا گیا۔ یوں کہیئے کہ حضرت عیسیٰ ان کے پیکرِ خاکی میں حلول ہو گئے
لیکن موجودہ "بگاڑ" نے پُولس رسول کو کچھ کا کچھ بنا دیا گویا انھیں گڈھنگا بنا دیا
انطاکیہ میں ان کے ہاتھ سے ایک ایسے مرکز کا قیام جو "یہودی۔ عیسائیوں اور مختونوں" کے
"مسجدِ ضرار" تھا، وجود میں آیا۔ انھوں نے 'ختنہ' (Circumcision) کی رسم
جو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کے لیے ضروری قرار پائی تھی۔ ۵۵ نو داردانِ بساطِ عشق کے لیے
غیر ضروری سمجھا، شریعتِ موسویؑ کی اتباع کو لغو اور پوچ قرار دیا اور ان تمام "گوشتوں"
کو جو حرام قرار پاتے تھے حلال کر دیا۔ چنانچہ یروشلم کا ابتدائی کلیسا۔ اُن کے ان اقدام
شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان سے مطالبہ کرتا ہے کہ بُت پرستوں کو دینِ عیسوی
لانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ختنہ کریں اور حضرت موسیٰ کے قوانین کی پابندی کریں
کا ردِ عمل یہ ہوتا ہے کہ پُولس رسول ایک نئی شخصیت بن کر اُبھرتے ہیں۔ جن کے ظاہر
باطن میں توافق ہے نہ ربط۔ وہ ان مطالبات کو پلٹے استغفار سے ٹھکرا دیتے ہیں
ابتدائی کلیسائے مسیحؑ کے ماننے والے ان سے کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نخانۂ مسیح
قدم رکھنے سے پہلے جس کام کے لیے وہ اتنے سرگرم اور پُر جوش تھے۔ اب وہ خود ہی اس
استیصال کرنے پر تُلے ہوئے تھے۔ ۵۶ حضرت عیسیٰ کے مریدینِ باصفا کے اعتراضات ان
ذہن کی گہرائیوں میں اُترتے جا رہے تھے اور وہ بے چین تھے۔ اگر اِن حالات میں انھوں
نے "فرضی مکاشفات" کا سہارا لیا ہے اور "تصور کے پردوں" پر اُڑنے کی کوشش کی
ہے، تو کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ سٹراس کہتا ہے :

...d considering the character of his mind, we canno: be ...prised that there resulted from it at least a revelation an ...ginary command of Christ revealing himself to him in a dream ...walking moment.

Marfat.com

ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی تو پولُس کو خواب میں یکدم نئی آدمی اپنے ہاں دعوت دیتا نظر آتا ہے تاکہ وہ انھیں خوش خبری دے، کبھی وہ ایک لونڈی کو غیب دان رُوح سے پاک کرتے دکھائی دیتے ہیں ۵۹ اور کبھی بھونچال کے سبب ان کے قید خانے کی نیو ہل جاتی ہے اور وہ بیڑیاں جو اُن کے پاؤں میں ڈالی گئی تھیں، کُھل جاتی ہیں۔ یہ ایک ایسا معجزہ ہے جو قید خانے کے داروغہ کو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور وہ فوراً یسوعؑ پر ایمان لا کر بپتسمہ لیتا ہے۔ ۶۰

سٹراس کا خیال ہے کہ فریسی کی حیثیت سے جو متشددانہ رویّہ اُنھوں نے قبولِ عیسائیت سے پہلے اختیار کر رکھا تھا، وہ ان کے لیے کبھی بھی طمانیت بخش ثابت نہ ہوا۔ ان کی جذباتی بے کلی اور ان کی عادات کی عجلت اِس بات پر گواہ ہیں کہ پہلے تو عیسائیت کی ترقی اور نشو ونما ان کی آنکھ میں کھٹکتی تھی لیکن جب اُنھوں نے محسوس کیا کہ بات بنائے نہیں بنتی تو وہ اس میں شریک ہو گئے اور اپنے حریفوں کو ایک ماہرِ کلام مناظر (Disputation) (Dialection) کی طرح دبانے لگے۔ اچھا ہوا کہ وہ صدوقی (Sadducee) نہ تھے ورنہ انھیں قیامت کے روز پر ایمان لانے اور حضرت عیسٰیؑ کے دوبارہ جی اٹھنے پر کبھی یقین نہ آتا۔ شروع سے لے کر آخر تک ان کا کھیل ایک دروغ باف رسول، جھوٹے اور مکار استاد کا ہے اور یہ تمام کیفیات ایک ایسے انسان ہی میں پائی جا سکتی ہیں جو "مرگی کا مریض ہو اور ذہنی طور پر غیر متوازن ہو۔"

۱۰ "اعمال" کی کتاب سے یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ برناباس اور پولُس رسول کی جدائی ان نظریاتی اور بنیادی اختلافات کا نتیجہ تھی جن کے پیشِ نظر برناباس نے بھانپ لیا تھا کہ وہ مخلص ہے نہ راسخ العقیدہ۔ پولُس رسول کے انقلاب انگیز پروگرام میں ختنہ کی رسم کو ختم کر دینا، شریعتِ موسویؑ کی پیروی کو غیر ضروری قرار دینا اور بہت سی حرام چیزوں کو حلال قرار دینا شامل تھے۔ وہ "یہودی۔ عیسائیوں کی نسبت "غیر قوموں" سے خاص تعلق رکھتے تھے اِس لیے کہ ملحدوں (Heathens) اور ان میں ایک خاص قسم کی ذہنی ہم آہنگی پائی جاتی تھی برناباس جو حضرت عیسٰیؑ کے حواریوں میں سے تھا اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہو چکا تھا، ان بدعات

Marfat.com

کو پسند کرنے اور انھیں مسیحیت میں جگہ دینے کے لیے تیار نہ تھا جو اس کی بنیادوں کو ہلا دینے والی تھیں۔

"اظہار الحق" کے فاضل مصنف پولس رسول کے برناباس کے ساتھ تعلقات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لہٰذا یہ بات عین قرینِ قیاس ہے کہ وہ برناباس جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے براہِ راست ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا، پولس سے اس بناء پر برگشتہ ہوا ہو کہ وہ ایک عرصہ دراز تک اپنے آپ کو سچا عیسائی ظاہر کرنے کے بعد مذہبِ عیسوی کے بنیادی عقائد و احکام میں تحریف کا مرتکب ہو رہا تھا۔ شروع میں برناباس نے پولس کا ساتھ اس لیے دیا تھا کہ وہ اسے مخلص عیسائی سمجھتے تھے۔ لیکن جب اس نے غیر اقوام کو اپنا مرید بنانے کے لیے مذہب کی بنیادوں کو منہدم کرنے اور ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالنے کا سلسلہ شروع کیا تو وہ اس سے جدا ہو گئے۔" [۲۵]

یہ ہے پولس رسول کی سیرت کا وہ پہلو جو شخصیت کے نفاق، ذہن کے مراق اور طبیعت کے عناد سے عبارت ہے۔ انجیل برناباس اسی لیے متروک قرار پائی ہے کہ اس کے آغاز ہی میں پولس رسول اور اس کے ملحد ساتھیوں کے عقائد پر تنقید کی گئی ہے اور صحیح عقائد کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ فرماتے ہیں:

"اے عزیزو! اللہ نے جو عظیم و عجیب ہے اس آخری زمانہ میں ہمیں اپنے نبی حضرت یسوع مسیحؑ کے ذریعے ایک عظیم رحمت سے آزمایا ہے۔ اور اس تعلیم کے ذریعے جسے شیطان نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ جو تقویٰ کا دعویٰ کرتے ہیں اور سخت کفر کی تبلیغ کرتے ہیں۔ مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، ختنہ کا انکار کرتے ہیں، جس کا اللہ نے ہمیشہ کے لیے حکم دیا ہے اور ہر نجس گوشت کو جائز کہتے ہیں۔ انہی کے زمرے میں پولس بھی گمراہ ہو گیا۔ جس کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتا مگر افسوس کے ساتھ۔ یہی سبب ہے جس کی وجہ سے میں وہ

Marfat.com

حق بات لکھ رہا ہوں جو مَیں نے (حضرت) یسوعؑ کے ساتھ رہنے کے دوران سُنی اور دیکھی ہے تاکہ تم نجات پاؤ اور تمھیں شیطان گمراہ نہ کرے۔ اس بنا پر ہر اس شخص سے بچو جو تمھیں کسی نئی تعلیم کی تبلیغ کرتا ہے جو میرے لکھنے کے خلاف ہو تاکہ تم ابدی نجات پاؤ۔" ۶۲

یہ الفاظ ایک ایسے انسان کی زبان سے نکلے ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کی صحبت میں رہا ہے اور ان کا تربیت یافتہ ہے۔ وہ پاکیزہ خیالات اور پختہ عقائد کا مالک ہے۔ کسی قسم کی مادی تحریصات اور ترغیبات اسے جادۂ حق سے ہٹا نہیں سکتیں۔ مزید برآں وہ پولُس رسول کے اندر کے انسان کا بھی تجربہ کر چکا ہے۔

احباب کو مضمون کی طوالت ضرور کھٹکتی ہوگی۔ لیکن اگر موضوع کی نوعیت اور اس کی نزاکت کو دیکھا جائے تو موجودہ ضخامت بھی کم نظر آئے گی۔ ہم نے گزشتہ صفحات میں درج ذیل اشارات کیے ہیں:

ا۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی صحت زندگی کی ہر منزل پر نہایت عمدہ، مثالی اور قابلِ رشک رہی ہے۔ آپؐ اپنا کام خود کرتے اور دوسروں کو اپنا کام خود کرنے کی تلقین فرماتے۔ جن صحابہ کرامؓ کو سفر و حضر میں آپؐ کے ساتھ رہنے یا دفاعی مہمات میں آپؐ کے دوش بدوش کام کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے، انھیں علم ہے کہ ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام منصوبوں کو جس محنت، شغف اور تدبّر سے انجام دیتے اس کی مثال دوسروں کے ہاں خال خال ہی ملے گی۔

ب۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) پر دوسرے الزامات کی طرح، صرع کا اتہام بھی ان نابکار لوگوں کے تخیّل کی پیداوار ہے جنھیں اپنے اسلاف سے اسلام کے خلاف تنگ نظری، تنک مزاجی، تعصّب، عدمِ رواداری اور حقد و کینہ کے سوا اور کچھ نہیں ملا۔ اِس امر کا اعتراف ان مستشرقین کے ہاں واضح الفاظ میں ملتا ہے جو غیر جانبدار اور انصاف پسند ہیں۔ ٹامس کارلائل (Thomas Carlyle) نے اپنے فاضلانہ مضمون (On Heroes and Hero Worship)

Marfat.com

میں، پروفیسر فلپ کے حتی نے اپنی کتاب (A History of the Arabs) میں، سر ولیم میور نے (The Mohammaden Controversy) میں اور منٹگمری واٹ (M. Watt) نے اپنی تالیف (What is islam) میں عیسائی یورپ کے ان جذبات بغض وعنا د کا کھل کر ذکر کیا ہے جو اس نے اسلام اور شارعِ اسلام (علیہ السلام) کے خلاف اپنے سینے میں پال رکھے تھے۔ اور جن کے نتیجے میں وہ ہمیشہ مسلمانوں کو اپنا کھلا دشمن اور مہیب مزاحم سمجھتا رہا۔ عیسائی دُنیا نے صلیبی جنگوں کے دوران میں مسلمانوں کو جن نامساعد حالات میں چھوڑا ہے، وہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔

ج۔ ای۔ ڈرنگھم نے جس جرأت اور بے باکی سے عیسائی اور یہودی علماء کی مبالغہ آمیزیوں اور بے جا الزام تراشیوں کا پردہ چاک کیا ہے، وہ انتہائی قابلِ قدر ہے۔ ایک مقام پر یوں لکھتے ہیں:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس اعتبار سے دُنیا کے واحد پیغمبر ہیں جن کی زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔ ان کی زندگی کا کوئی گوشہ چھپا ہُوا نہیں بلکہ منوّر اور روشن ہے۔ عقلِ سلیم سے عاری انسان ہی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر کسی بھی ذہنی بیماری کا الزام عائد کرتے ہیں۔ یہاں موازنہ نہیں بلکہ واقعہ اور حقیقت کا اظہار مقصود ہے کہ عہد نامہ قدیم کے پیغمبر کتنے جلالی تھے اور مغضوب الغضب۔ اور تو اور عہدِ جدید میں حضرت مسیحؑ جیسے حلیم اور نرم دل کو بھی ہم غصّے اور طیش سے مغلوب ہوتے دیکھتے ہیں۔ اور ایسی زبان بھی بولتے سُنتے ہیں جو شائستہ قرار نہیں دی جا سکتی۔

کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بڑے سے بڑا معترض کوئی ایسا واقعہ بتا سکتا ہے جب آپؐ نے اپنے پر غصّے اور طیش کو غالب کر لیا ہو؟ کیا کسی

Marfat.com

ایسے ایک واقعہ کی نشاندہی کی جا سکتی ہے جب آپؐ نے غیر شائستہ زبان استعمال کی ہو؟ کوئی معترض اور نقاد بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کا ایک ایسا واقعہ بیان نہیں کر سکتا جب کسی مرض یا تکلیف کی وجہ سے آپؐ کسی میدانِ جنگ یا زمانۂ امن میں کسی بیماری کے دورے کے زیر اثر آتے ہوں۔ کوئی ایسا واقعہ ان کی زندگی میں نہیں ملتا جس سے ان کی جسمانی یا ذہنی صحت کے علیل ہونے کا سراغ ملتا ہو۔

ان کی جسمانی اور ذہنی صحت قابلِ رشک تھی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی زندگی میں چالیس فوجی مہمیں روانہ کیں جن میں سے ایک (محتاط) اندازے کے مطابق تیس جنگوں میں آپؐ نے خود حصّہ لیا۔ ہر جنگ میں جس فراست، جس شجاعت اور جنگی حکمتِ عملی اور مہارت کا ثبوت آپؐ نے فراہم کیا، کیا وہ کسی ایسے شخص کے لیے ممکن ہو سکتا ہے جو کسی بھی نوع کی بیماری میں مبتلا ہو؟

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پاک، صحت مند اور توانا شخصیت کو بیمار کہنے والے درحقیقت خود ذہنی بیماری میں مبتلا ہیں۔ آنکھیں رکھنے والے ایسے لوگ ہیں جو سب کچھ دیکھتے ہوتے بھی، کچھ نہیں دیکھتے ... جان بوجھ کر اندھے بن جاتے ہیں۔" [۶۳]

اِس مضمون میں پوئس رسول کا ذکر اتفاقی نہیں بلکہ ایک علمی نکتہ کی وضاحت کے لیے بطورِ خاص کیا گیا ہے۔ ان مغربی علماء کو، جنھوں نے ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پاکیزہ، جامع اور مؤثر شخصیت کو اپنی بے جا تنقید کا نشانہ بنایا ہے، یہ بتانا مقصود ہے کہ کسی دعویٰ کے پیش کرنے سے پہلے اس کے لیے مضبوط اور قوی دلائل کا ہونا ضروری ہے۔ علمی تحقیق کا وزن اِس بات پر ہے کہ اسے منطقی نتیجہ تک پہنچانے کے لیے کتنی کدّ و کاوش کی گئی؛ کس قدر وسائل اور ذرائع کو بروئے کار لایا گیا؛ روایت اور درایت کے انبار کو کس ہوش و خرد اور خلوص و دیانت سے کھنگالا گیا اور نتائج کے استنباط کے لیے کس علم و تجربہ کے لوگوں نے حصّہ لیا۔ اِس لیے کہ

Marfat.com

تحقیق نہ تو بدنیتی اور خبثِ باطن سے عبارت ہے اور نہ ہی معنیٰ میں حسد اور کینہ کے مترادف۔

اگر سپرنگر (Sprenger) کے قیاس عقلی کو جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، پولس رسول پر چسپاں کیا جائے جس کے مصروع (Epileptic) ہونے میں کوئی دو رائیں نہیں، تو پتہ چل جائے گا کہ حقائق کتنے تلخ ہوتے ہیں۔ کیا عیسائی ذہن یہ تسلیم کرنے کو تیار ہے کہ "فتحِ جدید" کے مصنف (پولس رسول) فریبی تھے، جھوٹے اور مکار تھے؟ یا ان کے تمام مکاشفات جھوٹ کا پلندہ تھے تاکہ ابتدائی کلیسا کے ماننے والوں میں انھیں (Acceptance) حاصل ہو جائے۔

وقت آگیا ہے کہ یہود و ہنود اور عیسائی (جن میں ان کے اصحابِ علم و دانش بھی ہیں اور اربابِ تحقیق و تفحص بھی) ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو "رسولِ برحق" جانیں۔ انھیں چاہیے کہ وہ ان تمام غلط تصورات کو جو انھوں نے "رسولِ مبین" (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق قائم کیے ہیں، بالائے طاق رکھتے ہوئے اور ان تمام پوچ روایات کو جو انھیں اپنے جاہل راہبوں اور متعصب عالموں سے پہنچی ہیں، نظر انداز کرتے ہوئے، آپ کو جسمانی عوارض سے پاک، ذہنی خطا و ہذیان سے مبّراء اور اخلاقی کوتاہیوں سے بے عیب سمجھیں۔ آپ نے خداوندِ قدوس کی وحدانیت، اپنی رسالت اور آخرت میں افراد کی مسئولیت کے عقیدے پر زور دیا اور دُنیا کو راستی، مہر و وفا، عفو و درگزر اور عدل و مساوات کا سبق دیا۔ جس سے انسانی ترقی اور خوشحالی کے ایک نئے باب کا آغاز ہوا اور ہر انسان گورا ہو یا کالا، اسود ہو یا احمر، آزاد ہو یا غلام، امیر ہو یا غریب، بلا تفریقِ رنگ و نسل اور بلا امتیازِ ملک و ملت، جہادِ زندگانی میں اپنا مقام پیدا کر سکتا تھا۔

انھیں یہ بھی تسلیم کر لینا چاہیے کہ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جسے پوری انسانیت کی ہدایت کے لیے "اساسی دستور" کی حیثیت سے قلبِ رسالتمآب (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اُتارا گیا تھا۔ اس کتابِ مبین کے نزول سے جہاں دَورِ مظلمہ کا خاتمہ ہوتا ہے وہاں سائنسی دَور کی ابتدا بھی ہوتی ہے۔ اگرچہ مغرب کے باسیوں نے علم و حکمت کے لیے قدیم یونان کے حکماء کے سر سہرا باندھا ہے، لیکن تاریخی حقائق کو کہاں تک جھٹلایا جا سکتا ہے؟ وہ اسلام

Marfat.com

کے پیرو ہی تھے جنھوں نے اپنے فکر وعمل اور تحقیق و تفتیش (تجربی علم) سے علم کو نئی ابعاد (Dimension) عطا کیں اور یورپ کو نشاۃِ ثانیہ کی راہ پر گامزن کیا۔

اِس حقیقت کا اظہار بھی بغیر کسی ذہنی تحفظ (Mental Reservation) کے کیا جانا چاہیئے کہ اسلام بنی نوعِ انسان کے لیے رحمت و رافت کا مذہب ہے۔ وہ "عیسائیت کی بگڑی ہوئی صورت ہرگز نہیں بلکہ تمام الہامی مذاہب کی آخری، جامع اور مکمل صورت ہے جو انبیاءِ ماسبق کی تعلیمات کی صداقتوں کا امین اور زندگی کی تمام بنیادی حقیقتوں کا مخزن ہے۔ قرآنِ مجید میں آتا ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ؕ ۶۴

(ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور "الکتاب" میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے، اس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ و نگہبان ہے۔)

گویا کہ قرآنِ مجید اور تمام الہامی کُتب جو مختلف انبیاء (علیہم السلام) پر مختلف زمانوں اور زبانوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی رہیں، در اصل ایک ہی کتاب ہیں۔

اِس بات کا اعتراف بھی انتہائی ضروری ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی "خلوص اور صداقت" سے عبارت تھی، زُہد و عبادت اور سادگی و عاجزی" کا مرقع تھی۔" آپؐ نے کبھی وہ بننے اور دکھانے کی کوشش نہ کی جو وہ نہیں تھے۔ اور پھر آپؐ میں خودسری اور خودنمائی کا شائبہ تک نہ تھا۔ ۶۵ اپنے مشن کی صداقت اور حقانیت کا جو شعور آپؐ کو حاصل تھا، اس کی مثال کوئی دوسری برگزیدہ شخصیت پیش نہیں کر سکتی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ خدا کے بھیجے ہوئے نبی اور رسول ہیں۔ اور یہ واقعہ ایسا ہے جو اس سے پہلے تاریخ میں ملتا ہے اور نہ اس کے بعد۔"

Marfat.com

تعلیقات (باب انیسواں)

۱۔ قرآنِ مجید۔ سورۃ الملک ۶۷ : ۱۴

۲ ۔ 〃 سورۃ السجدہ ۳۲ : ۷

۳ ۔ 〃 سورۃ الانبیاء ۲۱ : ۳۰

۴ ۔ 〃 سورۃ الفرقان ۲۵ : ۵۴

۵ ۔ 〃 سورۃ الدھر ۷۶ : ۱

۶ ۔ 〃 سورۃ الانفطار ۸۲ : ۷

۷ ۔ 〃 سورۃ السجدہ ۳۲ : ۹

۸ ۔ 〃 〃 ۳۲ : ۵، ۷ - ۹

۹ ۔ 〃 سورۃ المومنون ۲۳ : ۱۳ - ۱۴

۱۰۔ گائیڈ ٹو ماڈرن وکڈنس، سی۔ای۔ایم جوڈ "Guide to Modern Wickedness") ص : ۱۵ تا ۳۷۔ جوڈ کے نزدیک اقدار کا وجود معروضی (Objective) اور اساسی (Ultimate) ہے۔

۱۱۔ مسند احمد بن حنبلؒ ، ج ۴ ، ص ۲۲۸

۱۲۔ فکرِ اقبال ۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ۔ ص ۲۷۔

۱۳۔ تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ ، علامہ سر محمد اقبال ، (ترجمہ اُردو سیّد نذیر نیازی) ص : ۲۲۶

۱۴۔ توراۃ ۔ استثناء ۳۳ : ۲

۱۵۔ زبور ۔ ۴۵ : ۱۷

Marfat.com

۱۶۔ توراۃ۔یسعیاہ۔ ۴۲ : ۱-۴

۱۷۔ انجیل۔ متی ۔ ۲۱ : ۴۲-۴۴

۱۸۔ ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ، ٹامس کارلائل۔ص : ۲۷۹

۱۹۔ " ، ٹامس کارلائل۔ص : ۲۷۹

۲۰۔ " ، ٹامس کارلائل۔ص : ۲۷۹

۲۱۔ سیرتِ محمدیؐ ، سرسید احمد خاں۔ص : ۲۲۸

۲۲۔ الطبقات الکبریٰ ۔ ابن سعد۔ج ا، ص ۱۵۰-۱۵۱

۲۳۔ السیرۃ النبویہؐ ۔ ابنِ ہشام، ج ا، ص ۱۷۴ ؛ سیرتِ محمدیؐ۔ سرسید احمد خاں

ص ۲۲۹۔

۲۴-۲۶۔ سیرتِ محمدیؐ ۔سرسید احمد خاں، ص ۲۳۰-۲۳۱ ؛ السیرۃ النبویہؐ، ابنِ ہشام ،

ج ا، ص ۱۷۴۔

۲۷۔ (Apology for Mohammad and the Koran) جان ڈیون

پورٹ، بحوالہ سیرتِ محمدیؐ۔ص ۲۳۱

۲۸-۲۹۔ تاریخِ زوالِ روما، ایڈورڈ گبن، ج : ص — Collier's

Encyclopaedia ص

۳۰۔ سیرتِ محمدیؐ۔ سرسید احمد خاں، ص ۲۳۲

۳۱-۳۲۔ حیاتِ محمدؐ ۔ محمد حسین ہیکل ۔ ص ۴۴-۴۵

۳۳۔ قرآنِ مجید۔ سورۃ القیٰمہ ۷۵ : ۱۶-۱۹

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۚ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ؕ)

(اے نبیؐ ! اِس وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں اس کو یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمّہ ہے۔ لہٰذا جب ہم اسے پڑھ رہے

Marfat.com

ہوں اس وقت اس کی قرأت کو غور سے سُنیں۔ پھر اس کا مطلب سمجھا دینا
بھی ہمارے ہی ذمہ ہے)۔

۳۴۔ رحمۃ للعلمین۔ قاضی محمد سلیمان، سلمان منصور پوری۔ ج ۱، ص ۸۹؛ زاد المعاد، حافظ ابن القیم الجوزی، ج ۱، ص ۳۰۷۔

۳۵۔ محمدؐ اور محمدیت۔ باسورتھ سمتھ، ص ۱۱۴۔

۳۶۔ کولیرز انسائیکلو پیڈیا (Collier's Encyclopaedia) ج ۹، ص ۲۷۵۔ (میکملن کارپوریشن، نیویارک ۱۹۸۰ء)

۳۷-۳۸۔ توراۃ۔ یسعیاہ ۴۲ : ۱۱ نیز ۴۲ : ۱۳

۳۹۔ انجیل۔ ۱۶ : ۱۳

۴۰-۴۱۔ جیسا کہ ۳۶ کے تحت درج ہوا ہے۔ دائرۃ المعارف سے وہ عبارت نقل کی جاتی ہے جس میں سینٹ پال کا دوسری شخصیتوں کے ساتھ مرگی کا شکار ہونا درج کیا گیا ہے:

Epilepsy has been observed as far back as history records, and throughout the ages people with epilesy have made lasting contributions in many fields. St. Paul, Julius Caesar, Buddha, Napoleon, Handel, Dante,,Vincent Van Gogh, and Alfred Nobel were epileptics.

Prevalence.

۴۲ (A New Life of Jesus)، ڈیوڈ فریڈرک سٹراس۔ (D.F. Strauss) ج ۱، ص ۴۱۶-۴۲۱۔

۴۳-۴۴۔ کرنتھیون (۱)، ۱۵ : ۴-۸

۴۵۔ انجیل۔ متی ۱۰ : ۶

۴۶۔ " ۔ متی ۱۵ : ۲۶

۴۷۔ " ۔ گلیتون ۱ : ۱۳

۴۸۔ قرآن مجید۔

Marfat.com

۴۹۔ انجیل۔ گلیتون ۴ : ۱۳-۱۴

۵۰۔ انجیل۔ کرنتھیون (۲) : ۱-۹

۵۱۔ A New Life of Jesus ، سٹراس، ج ۱، ص ۴۱۷

۵۲۔ " ، سٹراس، ج ۱، ص ۴۱۷-۴۱۸

۵۳۔ گلیتون کے نام پولُس رسول کا خط، ۲ : ۲

۵۴۔ اعمال۔ ۱۵ : ۲۰

۵۵۔ توراۃ۔ پیدائش ۱۷ : ۹-۱۴

"پھر خدا نے ابرہام سے کہا : کہ تو میرے عہد کو ماننا۔ اور تیرے بعد تیری نسل پشت در پشت اسے مانے۔ اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزندِ نرینہ کا ختنہ کیا جائے۔ اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کیا کرنا۔ اور یہ اس عہد کا نشان ہوگا جو میرے اور تمہارے درمیان ہے ۔۔۔ اور وہ فرزندِ نرینہ جس کا ختنہ نہ ہُوا ہو اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے کیونکہ اس نے میرا عہد توڑا۔"

۵۶-۵۷۔ A New Life of Jesus. ، سٹراس۔ ج ۱، ص ۴۱۸

۵۸-۶۰۔ اعمال۔ ۱۶ : ۹، ۱۸، ۳۱

۶۱۔ بائبل سے قرآن تک، مولانا رحمت اللہ کیرانوی۔ (ترجمہ مولانا اکبر علی)، ج ۳، ص ۳۶۸

۶۲۔ انجیل برناباس ۱ : ۲-۹ بحوالہ اظہار الحق (ترجمہ مولانا اکبر علی)، ج ۳، ص ۳۶۹

۶۳۔ حیاتِ محمدؐ۔ ای ڈرمنگھم۔ بحوالہ اُردو ڈائجسٹ شمارہ ۴، جلد ۲۸ (اپریل، ۱۹۸۸ء) ص ۷۷-۷۸۔

۶۴۔ قرآنِ مجید۔ سورہ المائدہ ۵ : ۴۸

۶۵۔ ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ، ٹامس کارلائل، ص۔

Marfat.com

Marfat.com

ضمیمہ چہارم

مہاجرین کی فہرست

اس ہجرت کی اہمیت کا پورا اندازہ مہاجرین کی اس فہرست سے ہوتا ہے جو ابن ہشام نے سیرت میں ابنِ اسحاق کے حوالہ سے درج کی ہے :-

بنی ہاشم میں سے (۱) جعفرؓ ابن ابی طالب
(۲) ان کی بیوی اسماءؓ بنت عُمیس خثعمیہ

بنی اُمیہ میں سے (۳) عثمانؓ بن عفان
(۴) اُن کی بیوی رُقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
(۵) عمروؓ بن سعید بن العاص (ان کے باپ سعید بن العاص کی کنیت ابواُحیحہ تھی)۔
(۶) اُن کی بیوی فاطمہؓ بنت صفوان (یہ بنی کنانہ میں سے تھیں)۔
(۷) اُن کے بھائی خالدؓ بن سعید بن العاص
(۸) اُن کی بیوی اُمَینہؓ بنت خلف (بعض لوگوں نے ان کا نام ھُمینہ لکھا ہے، یہ بنی خزاعہ میں سے تھیں)

حلفائے بنی اُمیہ میں سے (۹) عبداللہؓ بن جحش (یہ بنی غنم بنی دودان میں سے تھے اور ام المومنین حضرت زینبؓ کے بھائی تھے)۔
(۱۰) اُن کا بھائی عبیداللہ بن جحش (یہ شخص حبش میں عیسائی ہو کر مرا)
(۱۱) اُس کی بیوی اُمّ حبیبہؓ (یہ ابوسفیان کی بیٹی تھیں حبش ہی

Marfat.com

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے توسط سے ان کو اپنی زوجیت میں لے لیا)۔

(۱۲) قیس رضؓ بن عبداللہ (یہ بنی اسد بن خزیمہ میں سے تھے)۔

(۱۳) ان کی بیوی برکہ رضؓ بنت یسار (ابو سفیان کی آزاد کردہ لونڈی)۔

(۱۴) معیقیب رضؓ بن ابی فاطمہ (یہ قبیلہ دوس میں سے تھے)۔

بنی عبد شمس بن عبد مناف میں سے (۱۵) ابو حذیفہ رضؓ بن عتبہ بن ربیعہ۔

حلفائے بنی نوفل بن عبد مناف میں سے (۱۶) عتبہ رضؓ بن غزوان (یہ بنی قیس بن عیلان میں سے تھے)۔

بنی اسد بن عبد العزیٰ بن قصی میں سے (۱۷) زبیر رضؓ بن العوام بن خویلد۔

(۱۸) اسود رضؓ بن نوفل بن خویلد۔ } یہ حضرت خدیجہ رضؓ کے بھتیجے تھے۔

(۱۹) یزید رضؓ بن زمعہ بن اسود بن مطلب۔

(۲۰) عمرو رضؓ بن امیہ بن حارث بن اسد۔

بنی عبد بن قصی میں سے (۲۱) طلیب رضؓ بن عمیر بن وہب (یہ حضورؐ کی پھوپھی اروی بنت عبد المطلب کے صاحبزادے تھے)۔

بنی عبد الدار بن قصی میں سے (۲۲) مصعب رضؓ بن عمیر بن ہاشم۔

(۲۳) سویبط رضؓ بن سعد

(۲۴) جہم رضؓ بن قیس

(۲۵) ان کی بیوی (ام حرملہ رضؓ بنت عبد الاسود (یہ بنی خزاعہ میں سے تھیں)۔

(۲۶) ان کے بیٹے عمرو رضؓ بن جہم

(۲۷) ان کے دوسرے بیٹے خزیمہ رضؓ بن جہم

(۲۸) ابو الروم رضؓ بن عمیر بن ہاشم (حضرت مصعب رضؓ کے بھائی)۔

(۲۹) فراس رضؓ بن نضر بن حارث بن کلدہ (یہ اسی شخص کے بیٹے تھے جس نے اسلام کو زک دینے کے لیے ثقافتی پروگرام شروع کیا تھا)۔

Marfat.com

بنی زُہرہ میں سے (۳۰) عبدالرحمٰنؓ بن عوف

(۳۱) عامرؓ بن اَبی وَقّاص (حضرت سعدؓ بن ابی وَقّاص کے بھائی)۔

(۳۲) مُطّلِبؓ بن اَزْہَر

(۳۳) اُن کی بیوی رَمْلَہؓ بنت ابی عَوف (یہ بنی سَہْم میں سے تھیں)۔

حلفائے بنی زُہرہ میں سے (۳۴) عبداللہؓ بن مسعود (یہ قبیلہ ھُذَیل میں سے تھے)

(۳۵) اُن کے بھائی عُتْبہؓ بن مسعود۔

(۳۶) مِقدادؓ بن عَمْرو (یہ مِقداد بن اَسْود کہلاتے تھے کیونکہ اَسْود بن عبدِیَغُوث نے ان کو بیٹا بنا لیا تھا)۔

بنی تَیْم میں سے (۳۷) حارثؓ بن خالد (یہ حضرت ابوبکرؓ کے ماموں زاد بھائی تھے)۔

(۳۸) ان کی بیوی رَیْطَہؓ بنت الحارث بن حَبَلہ یا حُبَیلہ (یہ بھی بنی تَیْم میں سے تھیں)۔

(۳۹) عَمْروؓ بن عثمان۔ (یہ حضرت طلحہؓ کے چچا تھے)۔

بنی مَخْزُوم میں سے (۴۰) ابوسَلَمہؓ بن عبدالاسد۔ (حضورؐ کے دُودھ شریک اور پھوپھی زاد بھائی)۔

(۴۱) ان کی بیوی اُمّ سَلَمہؓ (یہ بھی بنی مَخْزوم میں سے تھیں اور بعد میں ان کو اُمّ المومنین ہونے کا شرف نصیب ہُوا)۔

(۴۲) شَمّاسؓ بن عثمان (یہ عُتْبہ بن رَبیعہ کے بھانجے تھے)۔

(۴۳) ہَبّارؓ بن سُفْیان۔

(۴۴) ان کے بھائی عبداللہؓ بن سفیان۔ (بعض لوگوں نے ان کا نام عُبَیداللہ لکھا ہے)۔

(۴۵) ہشامؓ بن ابی حُذَیفہ بن مُغیرہ۔ (بعض لوگوں نے ان کا نام ہاشم لکھا ہے)

(۴۶) سَلَمہؓ بن ہشام بن مُغیرہ۔ (ابوجہل کے بھائی)۔

Marfat.com

(۴۷) عَیَّاشؓ بن ابی رَبیعہ۔ (ابوجہل کے بھائی)۔

حُلفائے بنی مخزوم میں سے (۴۸) مُعتّبؓ بن عوف (یہ بنی خُزاعہ میں سے تھے)۔

بنی جُمَح میں سے (۴۹) عثمانؓ بن مَظعُون۔ (حضرت عُمر کے برادرِ نسبتی)۔

(۵۰) ان کے بیٹے سائبؓ بن عثمان۔

(۵۱) ان کے بھائی قُدامہؓ بن مَظعُون۔

(۵۲) ان کے دوسرے بھائی عبداللہ بن مظعون

(۵۳) حاطبؓ بن الحارث۔

(۵۴) ان کی بیوی فاطمہؓ بنت مُجَلّل عامِریّہ

(۵۵) ان کے بیٹے محمدؓ بن حاطب۔

۵۸۰۔ (۵۶) ان کے دوسرے بیٹے حارثؓ بن حاطب

(۵۷) ان کے بھائی حَطّابؓ بن الحارث

(۵۸) ان کی بیوی فُکَیہہؓ بنت یسار

(۵۹) سُفیانؓ بن مَعْمَر

(۶۰) ان کے بیٹے جابرؓ بن سُفیان

(۶۱) ان کے دوسرے بیٹے جُنَادہؓ بن سفیان

(۶۲) ان کی بیوی حَسَنہؓ۔ (جابر و جُنادہ کی ماں)۔

(۶۳) حَسَنہؓ کے دوسرے شوہر سے بیٹے شُرَحبیلؓ بن حَسَنہ (یہ بنی غوث بن مُرّ میں سے تھے)۔

(۶۴) عُثمانؓ بن رَبیعہ بن اُھبان۔

بنی سَہم میں سے (۶۵) خُنَیسؓ بن حُذافہ۔ (حضرت عُمر کے داماد۔ حضرت حفصہؓ اُمّ المومنین کے پہلے شوہر)۔

(۶۶) عبداللہؓ بن حارث۔

(۶۷) ہِشامؓ بن وائل۔ (عَمرو بن العاص کے بھائی)۔

Marfat.com

(۶۸) قیسؓ بن حُذافہ

(۶۹) ابو قیسؓ بن حارِث۔

(۷۰) عبدؓ اللہ بن حُذافہ

(۷۱) حارِثؓ بن حارِث بن قیس

(۷۲) مُعْمرؓ بن حارث بن قیس

(۷۳) بِشرؓ بن حارِث بن قیس

(۷۴) اُن کے ماں جائے بھائی سعیدؓ بن عمْرو (یہ بنی تمیم میں سے تھے)

(۷۵) سعیدؓ بن حارث بن قیس

(۷۶) سائبؓ بن حارث بن قیس

۵۸۱ ـ (۷۷) عُمیرؓ بن رِئاب۔

حُلفائے بنی سَہم میں سے (۷۸) مَحمِیہؓ بن الجزء (یہ بنی زُبید میں سے تھے)۔

بنی عَدِی میں سے (۷۹) مَعْمرؓ بن عبداللہ بن نَضلہ

(۸۰) عُرْوَہؓ بن عبدالعُزّیٰ۔ (بعض لوگوں نے عُروہ بن ابی اُثاثہ بن عبدالعزّیٰ لکھا ہے)۔

(۸۱) عَدِی بن نَضلہ

(۸۲) ان کے بیٹے نُعمانؓ بن عَدِی

حُلفائے بنی عَدِی میں سے (۸۳) عامرؓ بن رَبیعۃ العَنَزِی (بنی عَنز بن وائل میں سے تھے اور خطّاب نے ان کو بیٹا بنا رکھا تھا)۔

(۸۴) ان کی بیوی لیلیٰؓ بنت ابی حَثْمہ (یہ بنی عَدِی میں سے تھیں)

بنی عامر بن لُؤی میں سے (۸۵) ابو سَبرہؓ بن ابی رُہم۔ (حضورؐ کی پھوپھی بَرّہ بنت عبدالمطّلب کے بیٹے)

(۸۶) ان کی بیوی اُمّ کلثومؓ بنت سُہیل بن عَمْرو۔

(۸۷) عبدؓ اللہ بن مَخرمہ

Marfat.com

(٨٨) عبداللہؓ بن سُہَیل بن عَمْرو

(٨٩) سَلیطؓ بن عمرو

(٩٠) ان کے بھائی سَکرانؓ بن عَمْرو

(٩١) ان کی بیوی سَودہؓ بنت زَمعَہ (جنھیں بعد میں اُم المومنین بننے کا شرف حاصل ہُوا)۔

(٩٢) مالک بن زَمعَہ (حضرت سَودہؓ کے بھائی)۔

(٩٣) ان کی بیوی عَمْرہؓ بنت السَّعدی (بعض لوگوں نے ان کا

٥٨٢ ـ (٩٤) حاطِبؓ (یا ابو حاطِب) بن عَمْرو۔

حُلفائے بنی عامر میں سے (٩٥) سَعدؓ بن خَولَہ یا خَولَہ۔ (یہ یمنی تھے)۔

بنی الحارث بن فہر میں سے (٩٦) ابو عبیدہؓ بن الجرّاح

(٩٧) سُہَیلؓ بن بَیضاء

(٩٨) عَمْروؓ ابن ابی سَرح

(٩٩) عِیاضؓ ابن زُھَیر (بعض نے ان کی جگہ رَبیعہ بن بلال کا نام لکھا ہے)۔

(١٠٠) عَمْروؓ بن الحارث بن زُھَیر

(١٠١) عُثمانؓ بن عبد غَنم بن زُھَیر

(١٠٢) سعدؓ (یا سعید) بن عبد قَیس

(١٠٣) حارثؓ بن عبد قَیس۔

Marfat.com

کتابیات

عربی

۱۔ البخاریؒ (محمد بن اسمٰعیلؒ)	الجامع الصحیح	محمد بن علی صبیح واولادہ، مصر
۲۔ الترمذی (محمد بن عیسیٰ)	جامع السُّنَن	مطبع مغیزی، مصر
۳۔ ابنِ اسحٰق/ابنِ ہشام	السیرۃ النبویۃ (مصطفیٰ السقا، ابراہیم الابیاری عبدالحفیظ شلبی)	مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۹۵۵ء
۴۔ ابنِ جریر الطبری	تاریخ الامم والملوک	مطبع الاستقامۃ، قاہرہ
۵۔ ابنِ حجر العسقلانی	۱۔ فتح الباری ۲۔ اصابہ فی معرفۃ الصحابہؓ	مطبع البہیہ، مصر
۶۔ ابنِ خلدون	تاریخ (مجلد ثانی)	دارالکتاب اللبنانی ۱۹۵۶ء
۷۔ ابنِ سعد (محمد)	الطبقات الکبریٰ (ج ۱-۲)	دارِ صادر، البیروت
۸۔ ابن سید النّاس	عیون الاثر (ج-۱-۲)	دارالآفاق الجدیدہ، بیروت
۹۔ ابنِ قتیبہ	عیون الاخبار	دارالکتاب، بیروت
۱۰۔ احمد بن حنبلؒ	مُسند (امام) احمد	دارالمعارف، مصر
۱۱۔ بدرالدین عینی	عمدۃ القاری	
۱۲۔ الذہبی (محمد بن احمد بن عثمان، الحافظ)	السیرۃ النبویۃ	دارالفکر، دمشق
۱۳۔ راغب (الاصفہانی)	مفردات القرآن	مطبعہ المیمنیہ، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر
۱۴۔ رشید رضا (محمد)	المنار	دارالمنار، مصر

Marfat.com

۱۵۔ الزہری (ابنِ شہاب)	المغازی النبویۃ (تحقیق سہیل زکار)	دارالفکر، دمشق
۱۶۔ السہیلی (ابوالقاسم عبدالرحمٰن)	الروضُ الأُنُف	دارالمعارف، مصر
۱۷۔ عیاض (بن موسیٰ، القاضی)	الشفاء	مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر

Marfat.com

اُردو

۱۔ ابن القیم (جوزی)	مختصر زاد المعاد	اختصار (ڈاکٹر مقتدیٰ احسن)	ادبیات، ایبک روڈ، لاہور
۲۔ ابوزہرہ (محمد)	حیاتِ امام ابنِ حزم	حریری، غلام احمد	شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور
۳۔ ابوعبیدہ (قاسم بن سلام	کتاب الاموال		
۴۔ ابوالفضل (بن فیاض، مرزا	غریب القرآن فی لغاتِ الفرقان		ڈومینین بک کنسرن، حیدرآباد، دکن، ۱۹۴۷ء
۵۔ احمد خاں (سرسید)	۱۔ خطباتِ احمدیہ		۱۹۷۰ء
	۲۔ سیرتِ محمدیؐ		مقبول اکیڈمی، لاہور
۶۔ بلاذری (احمد بن یحییٰ)	فتوح البلدان (ج ۱-۲)	سید ابوالخیر مودودی	جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن ہندوستان
۷۔ پرویز (غلام احمد)	۱۔ معارف القرآن		ترکمان روڈ، دہلی، ادارہ
	ج ۔ ۳		
	ج ۔ ۴		طلوعِ اسلام کراچی
	۲۔ لغات القرآن (ج ۔ ۱-۴)		ادارہ طلوعِ اسلام، لاہور

Marfat.com

۸۔ حمید اللہ (محمد، ڈاکٹر)	۱۔ سیاسی وثیقہ جات	مولینا ابو یحییٰ امام خاں	مجلس ترقی ادب لاہور
۹۔ دریاآبادی (مولینا عبد الماجد)	تفسیر ماجدی (ج ۱-۲)		تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
۱۰۔ سیدیو (موسیو)	تاریخ عرب	ترجمہ مولوی عبد الغفور و مولوی عبد الحلیم	مقبول اکیڈمی لاہور
۱۱۔ سیوطی (جلال الدین)	الاتقان فی علوم القرآن (ج ۱-۲)	مولینا محمد حلیم انصاری	اصح المطابع کراچی
۱۲۔ شبلی (نعمانی)	سیرۃ النبیؐ		مطبع معارف اعظم گڑھ
۱۳۔ شرر (مولینا عبد الحلیم	تاریخ اسلام (ج ۱)		مقبول اکیڈمی لاہور
۱۴۔ ظفر علی خاں	معرکۂ مذہب و سائنس		
۱۵۔ عبد الحق (شیخ، محدث دہلوی)	مدارج النبوۃ (ج ۱-۲)		مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی
۱۶۔ کرد علی (محمد)	اسلام اور عربی تمدن	شاہ معین الدین	مطبع معارف اعظم گڑھ
۱۷۔ لیبان (موسیو)	تمدن عرب	سید علی بلگرامی	حیدرآباد، دکن، ۱۹۳۶
۱۸۔ لیکی	تاریخ اخلاق یورپ (ج ۱-۲)	مولینا عبد الماجد دریاآبادی	انجمن ترقی اردو اورنگ آباد حیدرآباد دکن ۱۹۱۹

Marfat.com

۱۹۔ محمد ادریس (کاندھلوی)	سیرۃ المصطفٰے (ج ۱-۲)		مکتبہ عثمانیہ، جامعہ اشرفیہ، لاہور
۲۰۔ محمد اقبال (سر، ڈاکٹر)	تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ	سید نذیر نیازی	بزمِ اقبال، کلب روڈ، لاہور
۲۱۔ مناظر احسن (گیلانی)	حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی		نفیس اکیڈمی، کراچی
۲۲۔ منصور پوری (قاضی سلیمان)	رحمۃ للعلمین (ج ۱-۳)		شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
۲۳۔ مودودی (مولانا ابوالاعلیٰ)	۱۔ تفہیم القرآن (ج ۱-۶) ۲۔ اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی		ادارہ ترجمان القرآن لاہور، مکتبہ جماعت اسلامی لاہور۔
۲۴۔ ناصر (نصیر احمد، ڈاکٹر)	پیغمبرؐ اعظم وآخر		فیروز سنز، لاہور
۲۵۔ نثار احمد (فاروقی، ڈاکٹر)	نقوش (رسولؐ نمبر) (متفرق مضامین بسلسلہ استشراق ومُستشرقین)		نقوش، لاہور
۲۶۔ واقدی (محمد بن عمر)	مغازی الرسولؐ		مقبول اکیڈمی لاہور
۲۷۔ ہیکل (محمد حسین)	حیاتِ محمدؐ	مولانا ابویحیٰی امام خاں	ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور
۲۸۔ یونیورسٹی، پنجاب	دائرۃ المعارف، اسلامی، اردو (متعلقہ حصے)		پنجاب یونیورسٹی لاہور

Marfat.com

BIBLIOGRAPHY
(ENGLISH BOOKS).

1. Ahmad, Syed Bahador. A SERIES OF EASSAYS ON THE LIFE OF MUHAMMAD, Premier Book House, Lahore,
2. A.J.Arberry, RELIGIONS IN HE MIDDLE EAST, Cambridge 1968. University press, 1969.
3. Ali, Syed Ameer, A GRITICAL EXAMINATION OF THE LIFE AND TECHINGS OF MUHAMMAD, WILLIAMS AND NERGATE, LONDON, 1873.

   Ali, Syed Ameer, THE SPIRIT OF ISLAM, CHRISTOPHERS, LONDON, 1952.
4. A.R.Gibb, Sir Hamilton, MUHAMMED ANSAM, A HISTORICAL SURVEY, LONDON, 1955.
5. Arnold, T.W., THE PREACHING OF ISLAM, London 1896
6. Azzam, Abdul Rehman, THE ETERNAL MESUAGE, OF MUHAMMAD, Caesar E.Farah, Devine Adair, Co.N.Y, 1964
7. Psverth Smith, Muhammad And muhammed anism, smith & elder col, london, 1875.
8. Carlyle, Thomas, ON HEROES AND HERO WORKSHIP, Everyman's Library, London, 1965.
9. Collier's Encyclopaedia, Vol.IX., Macmillan Corp, N.Y,1980.
10. Draper, J.W.HISTORY OF THE CONFLICT BETWEEN RELIGION & SCIENCE, 1875.
11. Draper, INTELLECTUAL DECELOPMENT OF COURSE EUROPE, VOLS. I & II (Bell & Daldy, London, 1864)
12. Gibb, H.A.R.,MOHMMAED ANISM, Oxford Univ.Press, London,1955.
13. Gibben, Edward, Decline and Fall of the ROMEAN EMPIRE Vols IV & V 1788.
14. Goldstone, Robert, THE SWORD OF THE PROPHET.
15. Haykal, M.Hussayn, THE LIFE OF MUHAMMAD, (English Translation by I Smail Ragi A.Al.Faruqi, Darul Ishaat, Lahore.)
16. Ibn-e-Hisham, THE LIFE OF MUHAMMAD, Oxford Univ.Press, London,1955.

Marfat.com

17. Irving, Washington, LIFE OF MAHMET VOL. i&ii J.M.Dent & Sons, London, 1911.
18. Joad, C.E.M.GUIDE TO MODERN THROUGHT, Falev & Faliv Ltd., London.
19. Joad, C.E.M.GUIDE TO MODERN WICKEDNESS, Falev & Faliv Ltd., London.1938.
20. Lane, Edward William, ARABIC-ENGLISH LEXICON,1974
21. Lanepool, Stanley, THE SPEECHES AND TABLE TALK OF THE PROPHET MUHAMMED, Edin Buigh,1882
22. Lings, Martin, MUHAMMAD GALLEN & UNWIN, London,1983
23. Margoliouth, D.S.MUHAMMAD & THE rISE OF ISLAM, G.P.Putman's Sons, 1905.
24. Margoliouth, MUHAMMAD ANISM, Williams & Nargate, London.
25. Munir, Sir William, THE LIFE OF MAHOMET IN 4 Vols, Smith, Eldor & Co. London, 1877.
26. Munir, Sir William, Coran.
27. Said, Dr.Edward W.ORIENTALISM, Routledge Kegan Paul, London, 1976.
28. Sale, George, THE KORAN, Williams tegg & Co. London, 1864
29. Stobart,James W.Hampson, ISLAM & ITS FOUNDER, Society for Promoting Christian Knowlege, London, 1870
30. Staruse, F.Fviedrick, A NEW LIFE OF JESUS, Williams & Norgate, London, 1865.
31. Stubbs Dr.Henry, Rise & PROCESS OF MAHOMENTANISM, Orientalia, Afzal Chambers, Lahore, 1975.
32. Watt: Montomery, WHAT IS ISLAM Longman's green & Co. London.
33. Watt: Montomery, MUHAMMAD AT MECCA, Oxford Univ:Press,1953.
34. Watt: Montomery, MUHAMMAD AT MEDINA Oxford Univ:Press,1956.
35. Watt: Montomery, ISLAM & THE INTEGRATION OF SOCIETY, London, 1961

Marfat.com

اشاریہ

الف

آدمؑ (حضرت ۱۹۶، ۴۴۸
آذربائیجان ۳۸۷
آرمینیا ۳۸۷
آرنلڈ (ٹی' ڈبلیو پروفیسر) ۵۲۷
آروی (بنت عبدالمطلب) ۲۷۶
آشور ۵۵۳
آل عثمان ۵۵۳
آل فہر ۲۲۹
آمنہ (بنت رو قیش) ۴۸۳
آمنہ (حضرت بنت وہب) ۸۶، ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۲۱
کی وفات ۱۲۲، ۱۶۹، ۶۲۲
آن ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ ۶۰۳، ۶۲۶
ابراہیمؑ (حضرت) ۵۹، ۶۰، ۶۵، ۱۲۳
۱۳۶، ۳۷۰، ۴۴۷، ۴۴۹
امام الناس ۶۱
بعثت کا مقصد ۶۱
نبوت و رسالت آپ کی ذریت میں ۶۱
ابراہیم' تحریک انقلاب کے بانی ۶۱
دعائے خلیلؑ ۶۵، ۶۶
وہ "نبی" تشریف لاتے ہیں ۶۶
کعبہ کی تعمیر ۶۵
معمار حرم و موسّس ملت حنفیہ ۶۵
ابراہیمی سلسلہ ۹۵
مصر میں داخلہ ۹۷، ۹۸
ابرہہ (الاشرم) ۸۷
خانہ کعبہ پر حملہ ۸۷
حضرت عبدالمطلب کی سفارت ۸۸، ۸۹
حملے کا کربناک انجام ۹۰
ابن اثیر ۸۳
ابن اسحٰق ۱۳۳، ۱۲۵، ۱۴۰، ۳۴۴، ۳۶۲
۳۶۶، ۳۷۷، ۳۸۳، ۳۹۵، ۴۱۱
۴۲۳، ۵۰۰، ۵۲۱
ابن ام کلثومؓ ۱۷۲، ۱۷۳
ابن جریر الطبری ۸۶، ۲۱۰، ۳۱۸، ۴۰۲
ابن حجر ۴، ۱۳۴، ۱۲۰، ۲۶۴
ابن حزم (الاندلسی) ۵۰۱
ابن خزیمہ ۲۱۷
ابن خلدون ۴۳۴
ابن الدغنہ ۳۷۷
کا حضرت ابو بکرؓ کو پناہ دینا ۳۷۸

Marfat.com

حضرت ابوبکرؓ کا جوار لوٹا دینا ۳۷۹

ابن سعد ۹۰، ۱۳۴، ۲۱۰، ۲۲۸
۲۳۱، ۳۵۰، ۳۶۵، ۳۳۷
۳۹۱، ۳۹۵، ۳۹۸، ۵۰۰، ۵۱۱

ابن سید الناس ۵۲۰

ابن شہاب (الزہری) ۲۴۴، ۲۹۵

ابن العاص ۳۳۰

ابن عبد البر ۲۶۹، ۳۹۱، ۳۹۷

ابن قتیبہ (ابو محمد عبد اللہ بن مسلم) ۳۹۸

ابن قیم (حافظ) ۵۲۲

ابن کثیر (حافظ عماد الدین، سیرت نگار رسولؐ)
۲۱۷، ۵۰۰

ابن ماجہ (محدث) ۷۹

ابن ہشام ۵۲۱، ۵۷۷

ابو احیحہ ۳۳۱، ۳۶۵، ۳۶۶

ابو احمدؓ (بن جحش) ۲۲۷، ۲۹۴، ۳۳۸، ۴۷۹،
۴۸۰

ابو البختری (بن ہشام) ۲۹۷، ۳۱۹، ۳۹۴
۴۰۳، ۴۳۵

ابوبکرؓ (حضرت عبد اللہ بن عثمان) ۱۳۴، ۱۴۱، ۱۷۱،
۱۷۵، ۱۸۶، ۲۳۱، ۳۱۷، ۳۶۹، ۲۷۰، ۲۷۳ مارگولیس
کا اعتراض

سر ولیم میور اور گبن کا اخراج عقیدت ۲۷۳

ناموس رسالت کی حفاظت میں سزا ۳۲۸

مزید عقوبت ۳۲۸، ۳۲۹

غلاموں کو خرید کر آزاد کرنا ۳۴۴، ۳۴۵

قرآن مجید کی ان کی سخاوت پر گواہی
۳۴۵، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۷۷
۳۷۸، ۳۸۷، ۴۱۰، ۴۵۲، ۴۸۸
۴۸۹، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵
۵۱۱، ۵۱۲، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۴۲
۵۴۴

ابوبکر (قاضی) ۲۱۷

ابو جہل، آنحضورؐ کی صداقت پر گواہی ۱۰۲
آپ کے صادق اور امین ہونے کا اعتراف
لیکن...... ۱۰۳، ۱۱۰، ۱۶۲ شدید حسد و عناد ۲۸۸
نبوت کا توڑ کیا ہو سکتا ہے؟ ۲۹۶
۳۰۸ اسلام کی دعوت انقلاب کا مرثیہ ۳۰۳
کیا اسلام کا مقابلہ سختی سے کیا جائے یا نرمی سے
۳۱۹، ۳۲۷
پتھر اٹھا کر آپؐ کو ہلاک کرنے کا ارادہ؟ معجزاتی
بچاؤ ۳۲۹
حضرت زنیرہؓ کو سزائیں ۳۴۴
سلمہؓ بن ہشام ابو جہل کا بھائی) ہجرت حبشہ کے
لیے روانہ ہوتے ہیں ۳۶۸، ۳۷۵، ۳۷۶، [illegible]
ابو جہل ملت اسلامی کا فرعون بن سکا لیکن بلالؓ
حبشی ایسے غلام اس ملت [illegible]
کہلائے ۴۶۰
ہجرت پر اظہار تاسف ۴۷۹ اپنے بھائی عیاشؓ
کو مدینہ سے واپس لانے کی کوشش ۴۸۳

Marfat.com

ابو جہل کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ آنحضورؐ کے گھر کا محاصرہ ۴۸۶
حضرت صدیقؓ کے گھر پر (ہجرت کے وقت) ۴۸۹
ابو حذیفہؓ (بن عتبہ بن ربیعہ) ۲۷۶، ۳۶۳، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۵۲۱
ابو دجانہؓ ۴۳۶
ابو درداءؓ ۵۲۱
ابو ذر غفاریؓ ۲۶۶، ۲۷۵، ۴۴۷، ۵۵۲، ۵۲۱، ۵۲۵
قبول اسلام ۳۵۰، ۳۵۲
ابو رغال ۸۸
ابو الرومؓ (بن عمیر) ۲۷۹
ابو رویحہ ۵۲۱، ۵۲۲
ابو سبرہؓ (بن ابی رھم) ۲۸۱، ۳۶۳، ۳۶۶، ۳۶۹
ابو سعید خدریؓ ۴۵۲، ۵۲۵
ابو سعید (نیشاپوری) ۱۳۴
ابو سفیان (بن الحارث) ۱۱۰
ابو سفیان (بن حرب) ۱۰۴، ۱۱۰، ۲۹۵، ۳۱۹، ۳۶۸، ۳۹۲، ۴۷۹، ۴۸۱
ابو سلمہؓ ۱۱۸، ۲۸۰، ۳۵۰، ۳۶۳، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۱
ابو صرمہؓ ۴۳۶
ابو طالب (حضرت) ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۴۱، ۲۲۶، ۲۳۱، ۲۶۹، ۲۹۰، ۲۹۶، ۳۰۰، ۳۴۶
آنحضورؐ کا خطبہ نکاح ۲۳۲
شعب ابو طالب میں محصوری ۳۹۱
وفات ۳۹۶
آپ کی وصیت ۳۹۵، ۳۹۶
ابو طلحہؓ ۵۲۳، ۵۲۵، ۵۴۵
ابو عبیدہؓ (بن الجراح) ۱۷۱، ۲۸۰، ۳۵۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۵
ابو فکیہہؓ ۲۹۲، ۳۴۲، ۳۴۳،
ابو قبیس (پہاڑ) ۲۲۹
ابو قحافہؓ ۳۴۴، ۴۹۲
ابو لہب ۱۱۰، ۳۰۸، ۴۶۰
اسلام سے پہلے آنحضورؐ سے تعلقات ۱۰۲
مخالفت کا پہلا روز ۲۸۸
خدائے واحد کے نام پر بھنا اٹھا ۲۹۰
مخالفت کا نفسیاتی سبب ۲۹۰، ۲۹۱
ایک بدترین ہمسائے کی حیثیت ۲۹۲
آنحضورؐ کی صاحبزادیوں کو طلاق دلوانا ۲۹۳
ربیعہؓ بن عباد اسے آنحضورؐ کو جھٹلاتے اور آپ پر کنکریاں پھینکتے دیکھا ہے ۲۹۳ سورہ لہب کا نزول ۲۹۳، ۲۹۴
مزید مزاحمت ۳۰۸، ۴۰۵
ہجرت کی رات آنحضورؐ کے در دولت کا محاصرہ ۴۸۶
ابو منصور (ماتریدی) ۲۱۷
ابو نعیم ۱۳۴، ۴۹۹

Marfat.com

ابو امامہؓ (اسعدؓ بن زرارہؓ) ۴۲۳، ۴۲۵، ۴۲۹، ۴۳۱، ۴۳۳
ان کی وفات پر یہودیوں کا واویلا ۴۳۶
ابو ایوبؓ انصاری ۵۱۲، ۵۱۵، ۵۲۱، ۵۳۹
ابو ہالہؓ ۲۳۳
ابو ہریرہؓ ۱۲۴، ۲۶۶، ۴۵۲، ۵۱۶، ۵۲۵، ۵۴۴
ابو الہیثم (بن التیہان) ۴۱۹، ۴۲۴، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۳، ۵۴۴
ابی بن خلف ۱۷۵، ۳۸۷
ابی بن کعبؓ ۱۸۶، ۲۶۶، ۵۲۱، ۵۲۵
احد (غزوہ) ۵۳۹، ۵۸۲
احزاب (غزوہ) ۵۱۳، ۵۳۹، ۵۸۲
احمدؐ (لفظ محمدؐ) کے تحت ملاحظہ فرمائیں
احمد (بن حنبل، امام) ۱۰۹، ۲۳۵، ۲۶۸
احمد (ابو الکلام) ۱۹۴
اخنس (بن شریق) ۲۹۵، ۳۳۶
ادریسؑ (حضرت) ۴۴۹
اودی ۴۶۲
اذان (ابتدا) ۵۱۶، ۵۱۷
ار ۶۴
ارتقائے انسانی (میکانکی ارتقاء) ۵۹۱
قرآن مجید کی تصریحات ۵۹۲
ارقمؓ (بن ابی الارقم) ۲۷۱، ۲۸۰
دار ارقم ۲۸۰
اردنگ واشنگٹن (امریکی تاریخ دان) ۱۴۲
اساف ۳۴۳
اسامہؓ بن زیدؓ ۲۶۸
اسپین ۵۵۳
اسحٰقؑ (حضرت) اسحٰق، غلام علیم ۵۹، ۶۰، ۱۳۶
بنی اسحٰق ۹۹
آپ کی عظمت ۱۰۰
اللہ تعالیٰ کا وعدہ ختم ہوتا ہے ۵۳۸
اسحٰق (شلومو) ۹۷
اسرائیل (حضرت یعقوب) ۹۹، ۱۳۶
اسرائیلی قانون (جائیداد کی تقسیم) ۹۶
بنی اسرائیل ۶۲، ۱۶۴، ۱۶۹
اسرائیل کے خلاف قرآن کی طرف سے فرد جرم ۱۱۷، ۶۰۱
بنی اسرائیل (سورت) ۳۶۱، ۳۶۸
احکام عشرہ ۳۶۷، ۳۶۸
اسکندر (یونانی) ۱۰۵، ۱۸۹، ۲۵۴
ایمن دیوتا کا بیٹا ۱۰۵
اسلام،
عقیدہ توحید، کیا یہ بحیری کی تعلیمات کا نتیجہ ہے ۱۴۱، ۱۴۳
ادیان کی وحدت پر گولڈ سٹن کی رائے ۱۷۶، ۱۷۸
میں دین و دنیا کا حسین امتزاج ۱۷۸، ۱۸۱
کی دعوت انقلاب ۳۰۳، ۳۰۴
قانون مجازات ۵۵۳، ۵۶۸

Marfat.com

سماءؓ (بنت ابی بکرؓ) ۲۷۱، ۲۷۷، ۲۸۹، ۲۹۲
اسماءؓ (بنت علامہ) ۲۸۰
اسماءؓ (بنت عمیس) ۲۷۶
اسمٰعیلؑ (حضرت) ۵۹، ۶۳، ۶۵، ۹۶، ۲۳۱، ۲۸۰،
۶۰۰
ذبیح اللہ ۶۵، ۹۹
آپ کی پیدائش بطور جسم ۱۰۰
اسمٰعیل شیاخ کی خصوصیات ۶۳، ۴۶، ۹۵
لونڈی بچہ ہونے کا الزام، نوعیت اور جائزہ
۹۶، ۱۰۰
اسمٰعیلؑ تورات کی شہادت ۱۰۰
قربانی کی رسم بنی اسمٰعیل میں
جاری ہے نہ کہ بنی اسحٰقؑ میں ۹۹
اسود بن عبد یغوث ۳۴۴، ۳۶۶
اسودؓ (بن نوفل بن خویلد)
السہیلی (محدث، ابو القاسم عبدالرحمٰن ۲۱۷، ۲۲۸،
۲۳۱
اسید بن حضیر ۴۲۵، ۴۲۹، ۴۳۳
قبول اسلام ۴۲۵، ۴۲۶
اصحاب کہف والرقیم ۳۲۶
الصحیح البخاری (مجموعہ حدیث) ۷۶، ۲۲۴، ۲۳۴،
۴۵۱
اصیرم (عمرو بن ثابت) ۴۲۷
اظہار الحق ۶۲۵
اعشیٰ (میمون بن قیس) ۳۱۰، ۳۱۱
اقبال (سر محمد) ۳۰۳، ۴۵۳
اقنوم ثلاثہ ۱۳۲
اللہ جل جلالہ (اسم ذات)، خدا خداوند قدوس
۵۹، ۶۰، ۶۲، ۶۳، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۳۶، ۱۵۰، ۱۷۰، ۱۷۴،
۲۲۲، ۲۳۳، ۳۸۷
توحید ۶۳
تصور توحید ۱۸۹
المنار (تفسیر) ۳۰۶
ام ایمن (برکہ) ۸۶، ۱۲۲، ۱۲۳، ۲۸۱
ام جمیل ۲۹۳ اسلام دشمنی ۲۹۳
ام حبیبؓ (بنت ثمامہ) ۴۸۳
ام حبیبہؓ (حضرت، ام المومنین) ۲۷۷، ۳۶۸، ۵۱۶
ام الخیرؓ ۴۳۹
امراؤالقیس ۲۳۶
ام رومانؓ ۲۷۷
ام سلمہؓ (حضرت ام المومنین) ۱۱۰، ۲۸۰، ۳۶۳،
۳۷۲، ۴۷۸، ۴۷۹
ام عیسؓ ۲۸۲، ۳۴۲، ۳۴۴
ام قیسؓ ۴۸۳
ام کلثومؓ (بتول رسول مقبولؐ) ۲۹۲،
ام کلثومؓ (بنت سہیل بن عمرو) ۲۸۱، ۳۶۳، ۳۶۹
ام معبدؓ ۴۹۷
کے خیمہ میں معجزہ ۴۹۷
آنحضورؐ کا حلیہ بیان کرتی ہیں ۴۹۸
امصیاہ ۱۰۷

Marfat.com

امیمہؓ (بنت خلف) ۲۷۷
امیہ (بن خلف) ۱۱۰، ۲۰۶، ۲۹۷، ۳۱۹
امیہ (بن خلف) ۳۲۷، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۴۸۶
انجیل (مقدس) ۶۲، ۷۱، ۱۳۳، ۱۷۷، ۳۲۵، ۳۷۳، ۵۴۷، ۵۶۱
روایت بالمعنی ۱۳۹
کے مصنفین کی بے بصری ۱۶۹
انسؓ ۳۶۳، ۴۵۲، ۵۱۱، ۵۲۵
انساب الاشراف ۲۹۰، ۳۴۵
انصار کا قبول اسلام ۴۲۲
انگوریہ (انقرہ) ۸۰
انیسؓ ۳۵۱
اوس (قبیلہ) ۴۱۸، ۴۳۳، ۴۷۸، ۴۹۱، ۵۲۵
اوس (بن ثابت) ۵۲۱
اوکلے (مستشرق) ۶۰۷
ایاس (بن بکیر) ۲۷۸
ایاسؓ (بن معاذ) ۴۱۶
ایران،
ایرانی سلطنت کی تباہی کی پیشگوئی ۱۷۳، ۱۷۵، ۳۸۶
رومن افواج کا سنبھلنا اور ایران کو شکست دینا ۳۸۶
گبن کا تحیر ۳۸۶
ایران کی شکست عربوں کے ہاتھوں ۴۹۶
ایریس ۲۹۱
اے ہسٹری آف دی عربس ۶۲۷
ایشیائے کوچک ۸۰، ۲۵۴
ایل (دیوتا) ۴۶۱
ایمن (دیوتا) ۱۰۵

(ب)

بازانؓ بن ساسان ۵۲۴
بحرین ۲۳۶، ۵۲۴
بحیرہ (بن فراس) ۴۰۷
بحیریٰ (نسطوری راہب) ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۸
بخاری (اسمٰعیل، محدث) ۷۶، ۲۱۷، ۴۰۱
براق ۴۴۸
براءؓ (بن عازب) ۵۱۲، ۵۲۵
براءؓ (بن معرور) ۴۱۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۳
برٹرنڈ رسل ۵۴۹
برک الغماد ۴۷۷
برگسان ۴۵۳
برناباس (حضرت عیسیٰ کا حواری) ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۴، ۶۲۵
بزاز ۴۰۲
بشیرؓ (بن حارث) ۲۷۹، ۲۸۰
بصریٰ ۱۳۲، ۱۳۴
بعاث (لڑائی) ۴۲۰
بقالا صلع ۵۹۴

Marfat.com

بکر(بن علامہ قاضی) ۲۱۷
بلاذری(علامہ) ۲۹۰،۳۴۲،۳۴۵،۳۶۶
بلالؓ(حبشی حضرت) ۱۳۴،۱۴۱،۲۸۱،۳۴۲،۳۶۰،
۴۷۹،۵۲۱،۵۲۲،۵۴۲
بنی اسد ۲۲۹
بنی اسرائیل(اوپر ملاحظہ ہو)
بنی امیہ ۱۸۶،۳۶۳
بنی بکربن وائل ۴۰۶،۴۰۷
بنی بکاء ۴۰۷
بنی بیاضہ ۵۱۲
بنی تیم ۲۲۹
بنی ثقیف ۸۷،۳۹۷
بنی جرہم ۶۴،۶۷،۸۳
بنی حارث ۳۶۳،۴۰۷
بنی حنیفہ ۴۰۶،۴۰۷
بنی خزاء ۷۸
بنی خزرج ۴۱۶،۴۱۸،۵۱۲
بنی زہرہ ۸۶،۲۲۹،۳۶۳
بنی ساعدہ ۴۳۶،۵۱۲
بنی سالم ۵۱۱،۵۱۲
بنی سلیم ۴۰۷
بنی شیبان ۴۰۷،۴۰۹
بنی عامربن صعصعہ ۴۰۶،۴۰۷،۴۰۸
بنی عامربن لوئی ۳۶۳
بنی عبدالاشہل ۴۲۵
بنی عبدالدار ۳۶۳
بنی عبدالشمس ۳۶۳
بنی عبس ۴۰۶،۴۱۰
بنی عبدالمطلب ۲۸۸، ۲۸۹، ۳۰۰، ۳۹۱، ۳۹۶،
۴۳۰،۴۷۷
بنی عبدمناف ۲۸۸
بنی عدی ۳۶۳
بنی غسان ۴۰۷
بنی غطفان ۴۰۷
بنی فزارہ ۴۰۷
بنی فہر ۳۶۳
بنی قریظہ ۴۲۰،۵۲۵،۵۸۲،۵۸۶
بنی قینقاع ۵۲۵،۵۸۲
بنی کلب ۴۰۶
بنی کندہ ۴۰۶
بنی مالک بن اقیش ۴۰۶
بنی مخزوم ۷۹،۳۱۴،۳۶۳،۳۶۸
بنی مسلمہ ۴۳۳
بنی نجار ۴۳۶،۵۱۱،۵۱۲
بنی نضیر ۴۲۰،۵۲۵،۵۸۶،۵۸۷
بنی ہمدان ۴۰۸
بنی ہاشم ۲۲۹، ۲۸۸،۳۰۱، ۳۹۱، ۳۹۳، ۳۹۴،
۴۳۰،۴۷۷
بنی ہوازن ۴۰۷
بوانہ ۳۴۳

Marfat.com

بوصیری (عارف) ۲۴۱
بئر معونہ ۳۴۳
بیت الحرام ۹۹
بیت المقدس ۱۳۱، ۴۵۰، ۴۵۲
میں آنحضورؐ کا انبیاء کو نماز پڑھانا ۴۵۰
بیہقی (محدث) ۱۰۲، ۱۳۴، ۲۱۷، ۲۲۷، ۲۶۵، ۳۶۳، ۴۵۲، ۵۰۱

(پ)

پال (سینٹ)
حضرت اسمٰعیلؑ پر اعتراض کی آپؑ "لونڈی بچہ" تھے جو بطور جسم کے پیدا ہوئے ۹۹
کولیر کے دائرہ المعارف کے مطابق وہ "مرگی" کے مریض تھے ۶۱۷
اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس کے پیچھے اس لیے لگا دیا کہ وہ "استکبار" سے پھول نہ جائے ۶۲۰
وہ تشنج کا مریض بھی تھا ۶۲۱ پال کیوں برنباس سے علیحدہ ہوا؟ ۶۲۲
پال کے مکاشفات جھوٹے ہیں ۶۲۳
پال کا ملحد قوموں کے ساتھ اختلاط اور حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا کروانا ۶۲۵
پریڈو ۶۰۷
پطرس (شمعون) ۶۱۸
پوکاک ۶۰۳

(ت)

تارح ۱۳۶
تبوک (غزوہ) ۵۰۴
ترمذی (امام، محدثؒ) ۷۶، ۱۰۳، ۱۳۴، ۱۴۰، ۱۴۱، ۴۰۲، ۵۱۶، ۵۴۴
جامع ترمذی ۱۴۰، ۳۳۶، ۵۴۴
شمائل ترمذی ۷۶
توراۃ ۶۱، ۶۲، ۹۵، ۹۶، ۱۰۰، ۱۳۳، ۱۷۷، ۳۲۵، ۴۶۲
کے مصنفین کی بے بصری ۱۶۹
کے قوانین عشرہ ۵۶۴
اجر و ثواب کا قانون ۴۶۵، ۵۶۷
توراۃ اور قرآن ایک ہی طاق نور سے پھوٹے ہیں ۵۶۷
تہامہ ۴۲۰
تیماء ۵۲۴

(ٹ)

ٹائیٹس ۴۶۱
ٹریلن ۵۶۳

Marfat.com

(ث)

ثعلبہ ۴۲۰

ثعلبہؓ (بن غنمہ) ۴۳۶

ثوبیہ ۱۱۸

(ج)

جابرؓ (بن حسنہ ۲۷۸

جابرؓ (بن سفیان) جابرؓ (بن عبداللہ) ۴۰۲، ۴۲۳،
۵۲۵

جان جاک روسو ۱۸۸

جانسن ۱۹۱

جاوید نامہ ۳۰۳، ۳۰۴

جبر ۱۶۷، ۱۶۸، ۴۹۱

جبرائیلؑ (حضرت) ۱۰۹، ۲۶۱، ۲۶۴، ۲۶۸، ۴۴۶

روح الامین ۱۵۰

ناموس ۲۶۳

آپ کا آنحضورؐ کے ساتھ مل کر قرآن کا دورہ
کرنا ۲۶۶

شب اسریٰ آمد ۴۴۷ آپؑ کا سینہ دھونا
۴۴۷

آپؑ کو آسمان پر لے جانا ۴۴۸

جبیر بن مطعم ۷۶، ۴۳۵

جذامہؓ (بنت جندل) ۴۸۳

جرش ۲۳۶

جعاشہ ۲۳۶

جعرانہ ۴۹۶

جعفرؓ (بن ابی طالب) ۲۴۰، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۷۴،
۵۲۵

نجاشی کے دربار میں ۳۷۰، ۳۷۲

نجاشی کا اظہار حقیقت ۳۷۳

جنگ خیبر کے موقع پر حبشہ سے واپس ۳۷۷

جفنہ ۴۱۹

جنادہؓ (بن حسنہ) ۲۷۸

جنادہؓ (بن سفیان)،

جہمؓ (بن قیس) ۲۷۹

جیوش انسائیکلوپیڈیا ۹۸

جویریہؓ (حضرت ام المومنین) ۱۰۳

جیمز جینز ۵۹۷

جیمز ولیم ۶۰۰

(چ)

چین ۷۴

(ح)

حاران ۴۵۵

حارثؓ (بن ابی ہالہ) ۳۲۸، ۳۲۹

حارثؓ (بن حارث بن قیس)

حارثؓ (بن حرب) ۴۳۵

حارثؓ (بن خالد) ۲۷۷

Marfat.com

حارثؓ (بن سعید) ۲۸۱
حارثؓ (بن عبداللہ) ۱۱۸
حارثؓ (بن عبدالمطلب) ۸۴
حارثؓ (بن عبد قیس) ۲۷۹، ۴۸۶
حارثؓ (بن ہشام) ۲۶۶، ۴۸۳
حارثہؓ
حاطبؓ (بن الحارث) ۲۷۹
حاطبؓ (بن عمرو) ۲۸۱
حاکم (محدث) ۱۰۳، ۲۲۷، ۴۰۲، ۴۹۱
حالی (مولینا الطاف حسین) ۱۶۲
حبشہ ۲۳۶
حبیبؓ (بنت جحش) ۴۸۳
حتیٰ (فلپ، کے) ۶۲۷
حج ۶۵
حجاجؓ (بن حارث) ۲۸۰
حجاج (بن یوسف) ۲۴۵
حجر ۸۴، ۴۴۷
حدیبیہ
صلح ۱۰۴، ۳۸۷
عمرہ ۱۲۳
حذیفہؓ ۲۶۶، ۵۲۱
حرا (کوہ) ۲۵۷، ۴۰۳
حرا کی خلوتیں اور عروس حقیقت کی نقاب
کشائی ۲۶۱، ۲۷۱
حرب الفجار ۲۲۸

حزورہ ۴۹۱
حسانؓ بن ثابت ۳۴۳، ۴۰۳
حسنؓ بصری ۵۱۶
حسنہؓ (امام جابرؓ وجنادہؓ)
حطابؓ (بن الحارث) ۳۷۹
حضرموت ۵۲۴
حفاظ ۱۸۶
حفصہؓ (حضرت ام المومنین) ۱۸۶، ۳۶۸
حکمؓ (بن ابی العاص) ۴۸۶
حکیمؓ (بن حزام) ۲۴۰، ۲۷۰، ۲۷۱، ۳۹۴
حلف الفضول ۲۲۸، ۲۲۹
حلیل ۷۸
حلیمہؓ (سعدیہ) ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۱، ۲۳۵، ۶۰۴
حمامہؓ (والدہ حضرت بلال) ۲۸۲، ۳۴۳
حمزہؓ (حضرت) ۱۱۸، ۱۲۵، ۱۳۱، ۲۸۷، ۳۴۸،
۳۸۳، ۴۹۱، ۵۲۲، ۵۲۵
حضرت علیؓ کی اونٹنیوں کو ذبح کر ڈالنا ۱۲۵، ۱۲۶
کا قبول اسلام ۳۱۲، ۳۱۴
حمنہؓ (بن جحش) ۴۸۳
حمنہؓ (بنت سفیان) ۳۳۹
حمورابی ۱۳۶
حمید اللہ (ڈاکٹر، محمد) ۲۲۳، ۲۶۷، ۵۱۳، ۵۷۶
حواری (رسولؐ اللہ) کے حواری (حضرت عیسیٰؑ
) کے ۶۱۸
حیات محمدؐ ۹۴، ۱۳۹، ۱۵۵، ۱۷۱

Marfat.com

(خ)

خارجہؓ (بن زید الانصاری) ۵۲۱
خالدؓ (بن بکیر بن عبد یا لیل) ۲۷۸
خالدؓ (بن حزام) ۲۷۷
خالدؓ (بن سعید بن العاص) ۲۷۶، ۳۴۰، ۵۲۴
خالدؓ (بن ولید) ۵۲۵
خبابؓ (بن الارث) ۱۷۱، ۲۷۸، ۳۴۲، ۳۴۷،
۳۴۸، ۳۸۲
خبیبؓ (بن اساف) ۵۱۰
خدیجۃ الکبریٰ (حضرت ام المومنین) ۱۷۱، ۲۲۷،
۲۳۳، ۲۴۰، ۲۶۵، ۲۶۹، ۲۷۱، ۳۶۳، ۴۴۶
سے آنحضورؐ کی محبت ۲۳۴
حضرت ہالہؓ کی آمد ۲۳۴
نماز اور وضو کا سیکھنا ۲۶۸
وفات ۳۹۵
عام الحزن ۳۹۵
خزرج ۴۲۲، ۴۲۹، ۴۳۲، ۴۷۸، ۴۹۱،
کا قبول اسلام ۴۲۲
مواخاۃ سے اوس اور خزرج کے تعلقات کو نئی
سمت ملی ۵۲۵
خزیمہؓ (بن جہم)
خطبات احمدیہ ۷۶
خنیسؓ (بن خزافہ) ۲۸۹، ۳۶۸
خویلد ۲۳۱
کیا وہ حضرت خدیجہؓ کی شادی کے وقت موجود
تھے ۲۳۱
خیبر جنگ ۵۱۶، ۵۲۱

(د)

دار الندوہ ۷۹، ۱۰۳
داؤدؑ (حضرت) ۶۱، ۱۰۶، ۶۰۰
دائرۃ المعارف ۱۸۸
دحیہؓ کلبی ۵۲۵
درخیم (مستشرق) ۱۷۹
دریا آبادی (مولانا عبد الماجد) ۷۲، ۱۰۹
دمیاطی (علامہ عبد المومن) ۲۱۷
دوسیؓ (طفیل بن عمرو) ۳۰۹، ۳۱۰
قبیلہ دوس کا اسلام قبول کرنا ۳۱۰

(ڈ)

ڈارون ۵۹۴
ڈرمنگھم (مستشرق) ۱۹۲، ۲۹۴، ۶۲۷،
ڈریپر (ولیم، مستشرق) ۱۰۶، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۴۰، ۱۷۳،
۲۹۱، ۳۲۵
ڈوزی (مستشرق) ۱۹۰

Marfat.com

(ذ)

ذکوانؓ (بن عبد قیس) ۴۲۳
ذہبی (علامہ محدث) ۱۳۱، ۲۱۷، ۲۳۶
ذی المجاز ۲۹۴

(ر)

راحلؑ (زوجہ حضرت یعقوبؑ) ۹۷
رازی (علامہ فخرالدین) ۲۱۷
راغب (امام، اصفہانی) ۷۳، ۱۶۳
رافعؓ (بن مالک) ۴۲۳، ۴۳۳
رانوناء ۵۱۱
ربیعہؓ (بن عباد) ۲۹۳
رضا (علامہ، رشید) ۳۰۶
رفادہ ۸۲
رقیہؓ (بنت رسول مقبولؐ) ۲۹۲، ۳۵۰
ہجرت حبشہ ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۷
ہجرت مدینہ ۴۷۹
روح کی حقیقت ۳۲۶
روض الانف ۲۲۸، ۲۳۱
روما
رومن سلطنت ۱۷۴، ۵۵۳
کی ایرانیوں کے ہاتھوں شکست ۱۷۴
روما کی بازیافت ۱۷۵
سورہ روم کا نزول ۳۸۴
قرآن مجید کی معجزبیانی اور گبن کی شہادت ۳۸۶
رملہؓ (بنت ابی عوف) ۸۰
رینان (مستشرق) ۱۸۴، ۲۵۴

(ز)

زاد المعاد ۲۲۵
زبید ۲۲۹
زبیرؓ بن عبد المطلب ۲۲۹
زبیرؓ بن (العوام) ۱۷۱، ۲۷۷، ۳۳۹، ۳۶۳، ۳۶۶، ۵۲۱، ۵۲۲
زروبابل ۶۱۱
زمخشری (مفسر، صاحب کشاف) ۲۱۰، ۲۷۰
زم زم (میٹھے پانی کا چشمہ) ۶۴، ۳۵۳
چاہ زمزم کا بند ہونا ۶۴
کی دوبارہ دریافت ۸۳، ۸۴
زمعہ (بن الاسود) ۳۱۹، ۳۶۶، ۳۹۳، ۴۰۳، ۴۸۶
زنیرہؓ (رومیہ) ۲۸۱، ۳۴۲، ۳۴۴
زونارس (تھیوفینز) ۶۰۷
الزھری (محمد بن مسلم بن شہاب)
زہیر (بن ابی امیہ) ۳۹۳، ۴۰۳
زہیر (بن ابی سلمی) ۲۳۶
زیادؓ (بن سید) ۵۲۴

Marfat.com

زیدؓ (بن الخطاب) ۲۷۸

زید (بن اسلم) ۱۰۲

زید (بن ثابت) ۱۸۶، ۱۸۷، ۲۸۷

زیدؓ (بن حارثہ) ۵۲۵، ۱۵۷، ۳۱۷، ۲۴۰، ۲۶۹، ۱۷۱

نے آنحضورؐ کے پاس ٹھہرنا پسند کیا ۲۴۰

کا اسلام ۲۷۰

طائف کا سفر ۳۹۷

اذیتوں کے پیش نظر بد دعا کے لیے عرض کرنا ۴۰۱

زید (بن عمرو بن نفیل) ۲۵۱

زینبؓ (حضرت، ام المومنین) ۱۴۸، ۱۵۷، ۱۷۱

ہجرت کے لیے روانگی ۴۸۳

حجرات کی تعمیر ۵۱۶

(س)

سارہؓ (حضرت) ۵۹، ۶۰، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۶۰۴

سالمؓ (مولیٰ ابی حذیفہؓ) ۵۲۲

سائب (بن حارث) ۲۸۰

سائبؓ (بن عثمان بن مظعون) ۲۷۹، ۳۶۸

سپرنگر (مستشرق) حضرت اسمعیل کے مقام و مرتبہ پر اعتراض ۱۰۰، شق صدر پر اعتراض ۱۲۱

آنحضور کا بحیریٰ سے استفادہ کرنا ۱۴۰، ۱۴۲

اسلام آنحضورؐ کی سعی و کوشش کا مرہون منت نہیں ۲۵۲ محمدؐ سے پہلے محمدیت کا وجود ۲۵۳

حضرت آمنہ کے خواب مرض صرع کا نتیجہ تھے؟ ۶۰۴

کی تحقیقات دوبارہ آنحضورؐ کی دماغی امراض ۶۱۰، ۶۱۱ سپرنگر کے بعض قائم کردہ مقدمات پر بحث ۶۱۴، ۶۱۳، ۶۱۶

اس کے آخذ کردہ نتائج کا پولس رسول پر اطلاق ۶۱۷، ۶۲۹

سٹراس (ڈیوڈ فریڈرک)

سینٹ پال کے تمام مکاشفات ایک خاص مقصد کے لیے گھڑے گئے، ۶۱۷، ۶۱۸

کیا پولس رسول نے واقعی حضرت عیسیٰ کو دیکھا ۶۱۸، ۶۱۹ سینٹ پال کے جسمانی عوارضات اور ذہنی امراض، ۶۲۰، ۶۲۱

کرنتھیوں اور گلیتوں کے نام خطوط کا تجزیہ از برناس کے ساتھ اس کے قطع تعلق کے اسباب ۶۲۲، ۶۲۴، برناس کا عیسائی بھائیوں کو انتباہ ۶۲۵، ۶۲۶

سخاوی (حافظ) ۳۹۸

سراقہ (بن جعشم) ۴۹۶، ۴۹۷

آنحضورؐ کا تعاقب اور امن کی بھیک ۴۹۶

کو کسریٰ کے کنگن پہناتے گئے،

سعدؓ (بن ابی وقاص) ۱۷۱، ۲۷۵، ۲۷۷، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۹۲، ۴۷۹، ۵۲۵، ۵۴۵

Marfat.com

سعد بن بکر (قبیلہ) ۱۱۸
سعدؓ (بن خثیمہ) ۴۴۳، ۵۱۰
ان کا گھر کنواروں کی رہائش گاہ تھی ۵۱۱
سعدؓ (بن خولہ) ۴۴۳، ۵۱۰
سعدؓ (بن الربیع) ۵۱۹، ۵۲۰، سعدؓ (بن عبادہ)
۴۴۳، ۴۴۵، ۴۴۶، ۵۱۲
سعدؓ (بن معاذ) ۴۲۵
کا قبول اسلام ۴۲۷
مواخاۃ ۵۵۱
سعدیٰ ۳۴۹، ۳۵۰
سعیدؓ (بن زید بن عمرو بن نوفل) ۲۷۰، ۲۷۸،
۳۸۱، ۵۲۱
سعیدؓ (بن عبد قیس) ۲۸۱
سفیانؓ (ثوری) ۱۰۳
سفیانؓ (بن معمر) ۲۷۹
سقایہ ۸۰
سکرانؓ (بن عمرو) ۲۸۰
سلاقی ایل ۱۰۶
سلمانؓ (فارسی) ۴۶۰، ۵۲۱، ۵۲۵
سلمہؓ (بن ابو سلمہؓ) ۴۷۸
سلمہؓ (بن سلام) ۵۲۱
سلمیٰؓ (زوجہ ہاشم) ۸۱، ۸۲
سلمہؓ (بنت ہشام) ۲۸۰، ۳۶۸
سلیطؓ (بن عمرو) ۲۸۱
سلیمانؓ (حضرت) ۱۲۹

سیمانی ۵۲۴
سمتھ (باسورتھ، مستشرق)
آنحضور ؐ کو حضرت زینبؓ کے ساتھ شادی
کے جواز میں آیات گھڑنے کی کیا ضرورت تھی
۱۷۱
کیا اس قسم کی کوتاہیوں کے بعد آپ ؐ کو یہ چیلنج
دینے کی ضرورت تھی، کہ قد لبثت فیکم
عمرا من قبلہ ۱۷۲
آپ ؐ واقعی نبوت کے منصب پر فائز تھے ۱۷۵
اگر کوئی انسان رضائے الٰہی کے مطابق حکومت کر
رہا تھا، تو وہ آقائے نامدار ؐ کی ذات والا صفات تھی
۱۹۱، ۱۹۲
سمیہؓ ۲۸۲، ۳۴۶
سودہؓ (حضرت ام المومنین) ۵۱۶
سودہؓ (بنت زمعہ) ۲۹۱
سوورڈ آف دی پرافٹ ۱۷۶
سویدؓ (بن صامت) ۴۱۷
سوبیطؓ (بن سعد)
سہلہؓ (بنت سہیل بن عمرو) ۲۷۶، ۳۶۴، ۳۶۷
سہیل (بن بیضاء) ۲۸۱، ۳۶۴
سید (سر احمد خاں) ۷۶، ۱۳۹
سید (امیر علی) ۱۹۰، ۵۸۷
سید (سلیمان ندوی) ۴۴۷
سیل (جارج مترجم قرآن) ۱۴۰، ۱۴۴، ۶۰۷
قرآن مجید کی اصابت اور اس کے "ربانی

Marfat.com

الاصل' ہونے پر گواہ ۱۴۴'۱۴۵

(ش)

شام (ملک) ۶۳'۸۰'۸۲'۱۴۳'۱۷۴'۳۲۰
آنحضور ؐ کا سفر شام ۱۳۲'۲۳۶
شاہ (ولی اللہ محدث دہلوی) ۴۵۶'۴۵۷
شائی لاک ۵۹۸
شبلی (علامہ' نعمانی) ۸۰'۱۱۷
اسریٰ کا بیان ۴۴۶
دستور مدینہ پر ۵۷۷
شجاعؓ (بن وہب الاسدی)
شدادؓ ۵۴۲
شرجیلؓ (بن حسنہ) ۲۷۸
شرف المصطفیٰ (ابو سعید نیشاپوری) ۱۳۴
شعب (ابی طالب) ۲۹۴'۴۰۳'۴۷۷
میں آپ ؐ کی محصوری ۳۹۱
حالات کی نزاکت ۳۹۲'۳۹۳
معاہدہ کو دیمک کا چاٹ جانا ۳۹۴
سے رہائی ۳۹۴
شعیبؑ (حضرت) ۱۶۴'۲۳۲
شفاؓ (بنت عوف) ۲۶۷
الشفاء (بتعریف حقوق المصطفیٰ) ۱۶۱
شماس (بن عثمان)
شیبہ (بن ربیعہ) ۲۹۷'۳۰۲'۳۱۹-

شیخین (حضرت امام بخاری و امام مسلم رحہ)
۴۴۷'۴۵۶
شیطان ۱۹۶' ۲۰۷' ۲۰۸' ۲۱۰' ۲۱۲' ۲۱۳' ۲۱۵'
۲۱۷'۲۱۸
شیطانی فقرات ۱۹۶'۲۰۹'۲۱۱'۲۱۳'۲۱۵'۲۱۸
شیکسپیئر ۵۹۸

(ص)

صائب (بن صیفی) ۲۹۷
صحاح (حدیث کی چھ متداول کتابیں) ۲۱۷
صعبہؓ (بنت الحضرمی) ۲۷۷
صفوان (بن امیہ) ۳۴۳
صفہ (اصحاب صفہ) ۵۱۵
صفیہؓ (حضرت' ام المومنین) ۵۱۶
صفیہؓ (بنت عبدالمطلب) ۲۷۶'۲۸۹
صہیبؓ (رومی) ۱۶۸' ۲۷۷' ۳۴۲' ۳۴۷' ۳۶۰'
۴۶۰'۴۸۱

(ض)

ضمادؓ (ازدی) ۲۳۶
کا قبول اسلام ۳۵۴'۳۵۵
ضمیمہ (اول) اسم پاک محمد مصطفیٰ ؐ کی خصوصیات
۲۷'۷۶
ضمیمہ (دوم) قرآن مجید کی اصابت اور حفظ و صیانت
۱۵۵'۱۹۹

Marfat.com

ضمیمہ (سوم) قصہ غرانیق (اصابت قرآن کے
حوالے سے ۲۰۶، ۲۲۰
ضمیمہ (چہارم) دوسری ہجرت حبشہ کے شرکاء کی
فہرست ۶۳۵

(ط)

طبقات (ابن سعد) ۷۶، ۹۰، ۲۱۰، ۳۶۵، ۳۹۵
طعیم (بن عدی) ۴۸۶
طفیل (بن الحارث) ۳۴۳
طلحہؓ (حضرت) ۷۱، ۲۷۷، ۳۳۸
طیبؓ بن ازہر ۲۷۸
طیب (بن عمیر) ۲۸۱

(ع)

عاص (بن وائل) ۱۱۰، ۲۲۹، ۳۱۹، ۳۸۳، ۴۶۰
عاقلؓ (بن بکیر) ۲۷۹ عامرؓ (بن ابی وقاص) ۲۷۷
عامرؓ (بن بکیر) ۲۷۹ عامرؓ (بن ربیعہ الغزی)
۲۷۸، ۳۶۳، ۴۷۸
عامرؓ (بن فہیرہ) ۲۸۲، ۳۴۳، ۴۹۳ عائشہؓ
(حضرت، ام المومنین) ۱۹۱، ۲۲۴، ۲۳۵، ۲۶۵،
۲۶۶، ۴۰۱، ۴۵۲، ۴۸۸، ۵۱۶، ۵۲۵
افک کا الزام ۵۴۰
قرآن مجید جواب دیتا ہے ۵۴۰
عبادؓ (بن بشر) ۴۲۵، ۵۲۱
عبادہؓ (بن صامت) ۲۶۶، ۴۲۳، ۴۳۴، ۵۲۵

عباسؓ (بن عبادہ بن نضلہ انصاری) ۴۲۲، ۴۲۹،
۴۳۲، ۵۱۲
عباسؓ (بن عبدالمطلب) ۲۶۹، ۲۸۹، ۴۲۹
عبدالرحمٰنؓ (بن عوف) ۷۱، ۲۷۵، ۳۵۰،
۳۶۳، ۳۶۶، ۵۱۹، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۵
عبدالرحمٰن (بن غزوان) ۱۴۱
عبدالدار ۷۹، ۳۴۳
عبداللہ (ابو بکر بن عثمان)، ابو بکرؓ کے نیچے ملاحظہ
فرمائیں،
عبداللہؓ (ابن رسول مقبولﷺ، طاہر و مطہر) ۲۳۳
عبداللہؓ (بن ابی امیہ) ۳۲۴
عبداللہؓ (بن ابی بکرؓ) ۴۹۳
عبداللہؓ (بن ابی سرح) ۲۷۵
عبداللہ (بن ارقط) ۴۸۸، ۴۹۵
عبداللہ (بن ابی، راس المنافقین) ۴۲۱، ۴۳۴،
۵۲۶، ۵۸۲
عبداللہؓ (بن انیس) ۴۳۶
عبداللہؓ (بن جحش) ۱۱۸، ۲۷۷
عبداللہؓ (بن جدعان) ۳۱۳
عبداللہؓ (بن حارث) ۲۸۰
عبداللہؓ (بن حذافہؓ) ۲۷۹، ۵۲۵
عبداللہؓ (بن رواحہ) ۴۳۴، ۵۱۵
عبداللہؓ (بن زبیرؓ) ۵۲۵
عبداللہؓ (بن سفیان) ۲۸۰
عباللوہؓ (بن سلام) ۱۶۲

Marfat.com

عبداللہؓ (بن سہیل بنؓ بن عمرو) ۲۸۱، ۴۸۰
عبداللہؓ (بن عمرؓ) ۴۰۲
عبداللہؓ (بن عمرو بن الحرام) ۴۲۹، ۴۳۳
عبداللہؓ (بن مسعود) ۱۷۱، ۲۷۸، ۳۴۱، ۳۷۳، ۳۷۹، ۵۲۲
عبداللہؓ (بن مظعون) ۱۷۱، ۲۷۹، ۳۶۸
عبد مناف: ۷۹، ۲۹۴،
ہاشم (بن عبد مناف) ۷۹
ہاشم اور عبد مناف کے درمیان مناصب کی تقسیم پر جھگڑا ۷۹، ۸۰
عبدیالیل ۳۹۸
اور اس کے بھائیوں کا دعوت حق کی طرف منفی رویہ ۳۹۸
عتبانؓ (بن مالک) ۵۱۲، ۵۲۱
عتبہ (بن ربیعہ) ۲۹۵، ۲۹۷
آنحضور کی خدمت میں ۳۱۵، ۳۱۸
دوسری سفارت ۳۱۹، ۳۲۰
عتبہ (بن ابو لہب) ۲۹۲
عتبہ (بن مسعودؓ) ۲۷۸
عتیبہ (بن ابو لہب) ۲۹۲
عتیقؓ (مخزومی) ۲۳۳
عثمان (بن الحویرث) ۱۶۸، ۲۵۱
عثمان (بن طلحہ) ۳۳۹، ۴۸۲
عثمانؓ (بن عبد غنم) ۲۸۱، ۴۸۳
عثمانؓ (بن عفان، حضرت) ۱۴۵، ۱۸۶، ۱۹۷، ۲۷۱،
۲۷۶، ۳۳۹
قبول اسلام ۳۳۹
ہجرت حبشہ ۳۶۳، ۳۶۶، ۳۶۷
ہجرت مدینہ ۴۷۹
مواخاۃ ۵۲۱، ۵۲۴
عثمانؓ (بن مظعون) ۱۶۸، ۱۷۱، ۲۷۹، ۳۵۰، ۳۶۳، ۳۶۶، ۳۶۸، ۵۲۵
عداسؓ (نینوائی) ۴۰۰، ۴۶۰
عدنان ۱۰۵
کا نبی اسمٰعیل سے ہونا ۱۰۵
عدیؓ (بن نضلہؓ انصاری) ۲۷۸
عدیمؓ (بن ساعدہ) ۴۲۴
عراق ۹۷، ۳۲۰
عرب ۱۰۶، ۱۲۰، ۳۰۴
کا کوہ سینا (حضرت ہاجرہ ۹۹
عربی زبان ۱۸۹
عربی ادب ۳۲۶، ۳۲۷
عروہؓ (بن ابی اثاثہ) ۲۷۸
عروہؓ (بن زبیر) ۲۲۷
عزیٰ ۱۳۳، ۲۲۷، ۲۹۳، ۳۳۵
عقبہ (بن ابی معیط) ۲۳۳، ۲۹۲، ۲۹۷، ۳۲۷، ۳۲۹، ۳۹۵، ۴۸۶
عکاظ ۲۹۳
سوق عکاظ (عرب کا اولمپیا) ۲۳۶
عفیفؓ (کندی) ۲۶۹

Marfat.com

عقبہ ۴۲۲

بیعت عقبہ اول ۴۲۳، ۴۲۴

بیعت عقبہ ثانی ۴۲۸، ۴۳۳، ۴۳۵، ۴۷۸

نبیوں کا تقرر ۴۳۳، ۴۳۴

علاء (بن حضری) ۵۲۴

علیؓ (بن ابی طالب، حضرت) ۱۷۱، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۲۴۲، ۲۶۹، ۲۷۰، ۳۰۲، ۳۴۶، ۴۸۷، ۴۸۹، ۴۸۸، ۵۲۱، ۵۲۴، ۵۲۵

کو آنحضورؐ کا اپنی تربیت میں لینا ۲۴۰

عمارؓ (بن یاسرؓ) ۲۸۰، ۲۸۷، ۳۴۲، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۷۷، ۴۷۸، ۵۲۱

آل یاسر ۳۴۶

عمارہ (بن ولید) ۳۰۰

عمرؓ (بن الخطاب، حضرت) ۱۸۶، ۲۶۷، ۳۴۴، ۳۶۸، ۳۹۱، ۴۸۳، ۵۱۱، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۴، ۵۳۴، ۵۴۶

کا قبول اسلام ۳۸۰، ۳۹۴

اسلام کی قوت ۴۲۴

عبداللہ بن ابی کو قتل کرنے کی تجویز پیش کرنا لیکن آنحضورؐ کا منع فرمان ۵۸۲

عمروؓ (ابن ابی سرح)

عمروؓ (بن اسد) ۲۳۱

عمروؓ (بن امیہ) ۲۷۷

عمروؓ (بن الجموح) ۴۳۶

کا اسلام قبول کرنا ۴۳۶، ۴۳۷

عمروؓ (بن جہم)

عمروؓ (بن الحارث بن زہیرا) ۲۸۱

عمروؓ (بن سعید بن العاص) ۶۳۵

عمروؓ (بن العاص) ۴۲۲، ۳۶۴، ۳۷۲

عمروؓ (بن عامر) ۴۱۹

عمروؓ (بن علیہ) ۳۵۳، ۳۵۴

عمروؓ (بن عثمان)

عمروؓ (بنت السعدی)

عمروؓ بن عمیر) ۳۹۸

عمونی ۴۶۲

عمیرؓ (بن ابی وقاص) ۲۷۱، ۲۷۷

عمیرؓ (بن رباب) ۲۸۰

عمیلو (طبقہ) ۱۳۶

عوفؓ (بن الحارث) ۴۲۳، ۴۳۶

عیاشؓ (ابن ابی ربیعہ) ۲۸۰، ۴۸۰، ۴۸۳، ۴۸۴

عیاضؓ (بن زہیرا)

عیاضؓ (قاضی اندلسی) ۲۱۷، ۴۵۱

عیسو (حضرت یعقوبؑ کے بڑے بھائی) ۱۰۷

عیسیٰ (حضرت) ۶۱، ۱۰۷، ۱۳۵، ۱۶۸، ۱۶۹، ۲۳۲، ۲۵۴، ۳۷۰، ۳۷۳، ۴۰۰، ۴۱۹، ۴۴۸، ۵۴۷، ۵۶۲، ۶۱۸، ۶۱۹

ابن مریم ۱۳۶، ۱۳۷

آنحضورؐ کی بعثت کی خوشخبری ۱۷

ابن اللہ ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۴۱، ۶۲۵، ۶۲۶

آپ کا درجہ بحیثیت "ابن اللہ" کے ۱۳۷،

Marfat.com

۱۳۸
کیا آپ طبیعت واحدہ کے مالک تھے؟ ۱۷۴
نسب نامہ پر تنقید ۱۰۶، ۱۰۷
ایک مافوق الفطرت ہستی ۵۴۷، ۵۴۸
تمثیل کی زبان میں گفتگو ۵۵۶، ۵۵۷
عیسائی علماء ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۳۸
عیسائیت ۶۲، ۱۴۲، ۱۸۵، ۲۵۴، ۲۹۸، ۳۷۴
کیا تبلیغی مذہب ہے؟ ۶۲
بت پرستی سے ہم آہنگی ۲۹۲
عینی (بدرالدین، فقیہہ اور محدث) ۲۱۷

(غ)

غار ثور ۴۹۳، ۵۰۰
غار حرا ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۶۵
غرانیق کا قصہ اصابت قرآن کے حوالے سے ۲۰۶ مشرکین النجم کی تلاوت سن کر سجدے میں گر گئے ۲۰۷
ولیم میور قصہ بیان کرتا ہے ۲۰۷ کیا شیطان وحی میں مخل ہو سکتا ہے؟ ۲۰۸ کیا وہ شیطانی فقرات جو اس کے مطابق آنحضور کی زبان پر جاری ہوتے تھے منسوخ کر دیتے گئے؟ ۲۰۹ کیا آپ واقعی مشرکین سے مصالحت چاہتے تھے، ۲۰۹ ولیم میور نے قصہ کہاں سے لیا؟ ۲۱۰، ۲۱۱ قصے پر تنقید ۲۱۲، ۲۲۰ علماء تحقیق کی جستجو کا حصل، ۲۱۷، ۲۲۰

غزہ ۸۴، ۸۶
غسان ۴۱۹

(ف)

فاطمہ (ام عبداللہ) ۸۵
فاطمہؓ (بتول رسول مقبولؐ) ۲۸۹، ۳۹۵
فاطمہؓ (بنت الخطاب) ۲۷۱، ۲۷۸، ۳۸۱، ۳۸۲
فاطمہؓ (بنت مجلل) ۲۷۹
فرات ۴۳۸
فراسؓ (بن النضر) ۲۷۹، ۳۶۸
فرانس ۴۵۳
فرانس (موریس) ۱۸۸
فرائڈ (جدید علم النفس کا ماہر) ۳۵۱
فضالہؓ (بن عبید) ۵۴۴
فکیہہ (بنت یسار) ۲۷۹
فلپ (شہزادہ) ۱۷۸
فلسطین ۸۶، ۱۴۳، ۴۶۱، ۴۶۲
فلے (مورخ) ۲۵۳
فیل (محمود)
سورہ فیل ۹۱

(ق)

قبا ۵۰۰، ۵۱۰
مسجد قبا ۵۱۱

Marfat.com

قدامہؓ (بن مظعون) ۲۷۱، ۲۷۹، ۳۶۸

قرآن ۹۶، ۱۰۱، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۴۷، ۱۵۹، ۱۶۰، ۲۸۸، ۲۹۱ فصحائے عرب کو چیلنج کے اس جیسی کوئی سورت پیش کرو ۱۴۸، ۱۴۹ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ربانی الاصل ہے، اور ہر قسم کے تضادات سے پاک ۱۴۴، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۷۷ انفس و آفاق کی نشانیاں اس کے برحق ہونے پر دلالت کریں گی، ۱۵۰، انبیائے بنی اسرائیل پر احسان ۱۶۹، تدریج نزول ۱۸۱، تدوین و تسوید ۱۸۳، ۱۸۷، عربی زبان پر اثر ۱۸۹، ۱۹۰ قصص قرآن، کیا یہ جبرو یسار کی روایات کے مرہون منت ہیں؟ ۱۶۸، ۱۶۹، مضامین قرآن، دین و دنیا کے معاملات کا حسین امتزاج ۱۷۸، ۱۸۰، ناسخ و منسوخ کا مسئلہ ۱۹۴، ۱۹۹ قرآن انسانی شعور کی بلندیوں کا نقیب ۱۹۷، اس کا یاد کروا دینا اور اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کی اپنی ذمہ داری ہے، ۱۴۹

قرآن کا لانے والا ۱۳۶، قرآن کی اصابت پر مستشرقین کے اعتراضات اور ان کے جواب ۱۵۵، ۱۸۱

تدریج و امہال کا فلسفہ قرآن کی رو سے، ۵۵۴، ۵۵۶

جنتی اور دوزخی برابر نہیں ہو سکتے ۵۶۸

قرآن ارتقائے انسانی پر ۵۳۴، ۵۹۵

قرآن (از سر ولیم میور کی کتاب) ۱۵۶

قریش (قوم) ۷۷، ۷۸، ۸۱، ۸۵، ۸۸، ۱۳۱، ۱۶۲، ۲۹۷، ۲۹۸، ۳۰۰، ۳۰۴، ۳۱۹، ۳۶۴

قریش کی اسلام کے مقابلے میں پہلی (سیاسی) شکست ۳۷۳

قریش کی ہٹ دھرمی اور آنحضورؐ کی شعب ابی طالب میں محصوری ۳۹۳، قریش کو آگاہ کر دیا گیا کہ ان کی اقبال مندی کے دن گنے جا چکے ہیں، ۳۶۹، ۴۷۸

قریش کا بدترین نمائندہ (ابو جہل) ۳۲۹، ۳۳۰

سورہ قریش ۹۱

قریش کے درمیان آنحضورؐ کا مقام و مرتبہ ۱۰۲، ۱۰۴

قس بن ساعدہ ۲۳۶

قسطلانی (علامہ، ابن حجر) ۳۹۵، ۵۱۵

قسطنطین ۱۷۴

قصص یہود ۱۳۶

قصی ۷۷، ۳۲۰

قائد قوم ۷۸، ۷۹

مجمع ۷۸

بنی قصی ۱۰۲، ۱۰۳

قطبہؓ (بن عامر) ۴۲۳

قصیدہ (لامیہ) ۳۰۱

قیدار ۹۹

قیسؓ (بن حذافہ) ۲۸۰

قیسؓ (بن عبداللہ)

قیلہ (اوس اور خزرج کی ماں) ۴۲۰

Marfat.com

(ک)

کارلائل (سرٹامس)
سچائی کا جوہر قرآن مجید میں ہر جگہ جھلکتا نظر آتا ہے' ۱۴۴ آنحضورؐ صدق و صفا اور خلوص و وفا کا پیکر تھے ۱۶۱' ۱۸۸ عیسائیوں کی آنحضورؐ پر الزام تراشی ایک غیر شریفانہ فعل ہے ۲۲۶
آنحضورؐ کا تدبر و تفکر ۲۵۶ ان غلط مفروضات کو ختم کر دیا جائے جو ہم نے محض حسد اور عناد کی بنا پر آنحضورؐ کی ذات سے متعلق قائم کر رکھے ہیں' ۶۰۳' ۶۲۶' ۶۲۷
کارنیلس ۶۱۸
کرنھتیون ۶۲۱
کسریٰ ۵۴۶
کسریٰ (بن ہرمز) ۴۹۶
کعب بن مالک ۴۲۹' ۴۴۳
کعبہ ۶۵' ۴۷۷
کی تعمیر نو ۲۴۲
حجر اسود کا آنحضورؐ کے ہاتھوں اپنی جگہ پر رکھا جانا ۲۴۲' ۲۴۴
کعبہ کی لمبائی چوڑائی ۲۴۵
... ۱۳۸
... ۷۷' ۷۸
...نان (فلسطین) ۶۳' ۱۰۰
کوبان (پروفیسر) ۵۹۸
کوثر (سورہ) ۱۰۹' ۱۱۰
(نہر) ۴۴۸
کوہ (طور) ۶۱
(عشیر) ۶۱
کوہ (صفا) ۶۱
کیفا ۶۱۸

(گ)

گاڈفری ہگنز ۳۵۹
گائڈ ٹو ماڈرن تھاٹ ۵۹۶
گائڈ ٹو ماڈرن وکڈنس ۵۹۷
گاندھی (کرم چند) ۱۷۶
گبن (ایڈورڈ مورخ)
آنحضورؐ حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں سے تھے ۱۰۷
حضرت ابو طالب کی آنحضورؐ کے لیے بے لوث خدمات ۱۳۶
سورۃ الروم' قرآن مجید کی اصابت کا بین ثبوت ۱۷۳
قرآن مجید زندگی کے تمام پہلوؤں کی رہنمائی کرتا ہے ۱۸۹
گردش ۶۰۳
گلیتوں (کے نام پولس رسول کا خط) ۹۹

Marfat.com

گنز برگ ۱۳۶

گول میز کانفرنس ۴۵۳

گولڈ سٹن ۱۷۶

گوئٹے ۱۸۹

گیگر (مستشرق) ۶۰۷

(ل)

لات ۷۸، ۱۳۳، ۲۲۷، ۲۹۳، ۳۴۴

لائی کرس ۱۳۶

لبیبہؓ ۲۸۲

لبیدؓ بن ربیعہؓ ۱۳۵، ۲۳۶

لبینہؓ ۳۴۲، ۳۴۴

لٹریری ہسٹری آف دی عربس ۵۷۶

لوتھر (مارٹن) ۲۵۴

لوطؑ (حضرت) ۱۴۹، ۳۵۸، ۳۶۴

لوقا ۶۰۱، ۶۱۸

لوئی میسینون ۱۹۴

لیاہؓ (زوجہ حضرت یعقوبؑ) ۹۷

لیلہؓ (بنت ابی حثمہ) ۳۷۸

لین پول ۲۲۵

(م)

مارگولیس

مکہ کی قدامت پر اعتراض ۴۹

حضرت عبدالمطلب کی سیادت پر معترض ۹۰،

حضرت اسمعیل کی عظمت کا منکر ۱۰۱، ۱۰۷ شق

الصدر یا مرگی کا دورہ ۱۲۱ آنحضورؐ کو حضرت

حمزہؓ کا طعنہ

۱۲۵، ۱۲۶ بحیریٰ سے ملاقات ۱۳۴، ۱۴۰ قرآن

مجید کی اصابت پر شبہ، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷۰ آپؐ کی

حیات قبل نبوت ۲۲۷

آنحضورؐ سے پہلے دین صحیح کی نمود

۲۵۳ حضرت ابوبکرؓ بطور ہیرو ورشپر ۲۷۳

حضرت عثمانؓ کے قبول اسلام کی بھونڈی

توجیہہ،

۳۴۹ ہجرت حبشہ کے اسباب پر علمی لغزش

۳۷۵ سفر طائف کی ناکامی پر تبصرہ ۴۰۱

مالکؓ (بن زمعہ) ۲۸۱

مالکؓ (بن صعصعہ) ۳۴۷، ۴۵۲

متی ۵۹۱

مثنیٰ (بن حارثہ) ۴۰۹

مجنہ ۲۹۴

محمدؐ، احمد، آنحضرت، آنحضور، ابن الذبیحین،

برقلیطس، منحمنا، رسول مبین "وہ نبی" ختمی

مرتب، (فداہ ابی و امی)

اسم پاک کی خصوصیات ۷۲، ۷۶

آپ کا عدنان میں سے ہونا ۱۰۵ گبن کی اس

بارہ میں شہادت ۱۰۷ سلسلہ نسب ۷۷،

۸۶

Marfat.com

انجیل و توراۃ میں آپؐ سے متعلق، پیشین گوئیاں ۱۲۷، ۱۲۹
مستشرقین کی غلط اندیشیاں (سلسلہ نسب کے حوالے سے) ۹۴، ۱۱۱ کیا آپؐ کا نسب نامہ کسی سرگرم تخیل کی پیداوار ہے؟ میور اور سپرنگر کے ہفوات، اور ان کے جوابات ۱۰۵
سید (سر احمد خان) اور سلمان منصور پوری کی کاوشیں ۱۰۷
کی شادی حضرت خدیجہؓ کا مقام و مرتبہ ۲۳۰
مہر کی رقم، صاحبزادیاں (علیہن السلام) شام کا سفر اور بحیریٰ سے ملاقات ۱۳۲
اس بارہ میں عیسائی مصنفین کے علمی زلات ۱۴۳، ۱۵۰ تحقیق، اور تجسس کے پردے میں مستشرقین کا تاریخ سے مذاق ۱۳۹
آپ ﷺ کا اخلاق کی عصمت پر نفر بن حارث سرولیم میور اور دیگر مستشرقین کی شہادتیں ۱۶۳، ۱۷۱، ۱۹۴، ۲۲۵، ۲۲۶
عنفوان شباب اور بے داغ جوانی ۲۲۳ شرک اور اصنام پرستی کے ہر طریقے سے احتراز ۲۲۶، ۲۲۸
قرآن اور حامل، قرآن کا آپس میں تعلق ۱۸۸، ۱۹۴
تدبر اور تفکر کی منزلیں ۲۵۰، ۲۵۱
اعلیٰ اخو کی تلاش ۲۵۲، ۲۵۷
حرا میں حضرت جبریل کی آمد ۲۶۱
گھر واپسی پر زوجہ محترمہؓ سے گفتگو ۲۶۲
اقراء کی وہ آیات جو سب سے پہلے نازل ہوئیں ۲۶۳
ورقہ بن نوفل سے ملاقات ۲۶۳، ۲۶۴ رمضان المبارک میں قرآن حکیم کا نزول ۲۶۶
کیا آپؐ سے پہلے دین مصطفوی کی نیو رکھ دی گئی تھی؟ سپرنگر کی بکواس ۲۵۲، ۲۵۳، میور، مارگولیس اور سپرنگر کے دعویٰ کو رد کرتا ہے ۲۵۵، ۲۵۶ دلوں کی تسخیر والیٹر کے ریمارکس کی روشنی میں (السابقون الاولون) ۲۷۳، ۲۷۶، ۲۸۲
اعلان دعوت حق ۲۷۴، ۲۸۹
ام جمیل کا سورۃ لہب پہ رد عمل ۲۹۳، ۲۹۴
ہجوم مخالفت میں استقامت ۲۹۹، ۳۰۸
قبائل کو دعوت ۳۰۸، ۳۰۵، ۳۱۲
مشرکین کی طرف سے معجزات کا مطالبہ (استہزا اور تمسخر کی کہانی) ۳۲۰، ۳۲۱
کیا معجزات شرط اول ہیں؟ ۳۲۲، ۳۲۳
عبداللہ بن امیہ کی ڈھٹائی ۳۲۴
اسلام نے شرک سے کبھی مصالحت نہ کی، ڈریپر کا تبصرہ ۳۲۵ مخالفت اور مزاحمت ایک نئے دور میں داخل ہوتی ہے، ۳۲۷، ۳۳۱
نبی الرحمت ناموس اسلام کے لیے جنگ کرنے کو تیار ۳۲۷
مزید ایذا رسانیاں ۳۳۰

Marfat.com

نیا دور' نبی عبدالاشہل کے چند نفوس کے سامنے اسلام کا پیش کرنا ۴۱۲ بیعت عقبہ ثانیہ (بیعت حرب) ۴۱۸'۴۱۹
اسریٰ اور معراج ۴۴۵ اسریٰ ہجرت کا پیش خیمہ ۴۴۶ رویا کی حقیقت (مشاہدہ چشم) ۴۵۰
کیا معراج خواب کی بات ہے' اور رواۃ کے ذوق داستان سرائی کا نتیجہ؟ ۴۵۲'۴۵۳
معراج کا پیغام ۴۶۳'۴۶۷
آنحضور کو قتل کرنے کا منصوبہ ۴۸۴'۴۸۵
ہجرت کا حکم ملنے پر مکہ کو الوداع کہتے ہیں ۴۸۹'۴۹۲
رازدار محبت کی رفاقت ۴۹۳
غار ثور میں قیام ۴۹۴' قبا میں ورود مسعود ۵۰۰
مدینہ منورہ میں اونٹنی پر سوار ہو کر مسجد یا والخلافہ کے لیے جگہ کی تلاش وفائی حکمت عملی کی حامل تھی' ۵۱۳
مدینہ کو حرم قرار دینا' ۵۱۴ مواخاۃ ۵۲۲
آپ کی مکی اور مدنی زندگی میں تفریق کیوں؟ مستشرقین کی خیانت علمی اور اخلاقی ۵۲۸' ۵۲۹
مدنی زندگی جاں گسل مصائب اور صبر آزما مسائل سے شروع ہوتی ہے' یہود اور منافقین کی سازشیں ۵۳۰'۵۳۳
ایک نئی ملت کی تخلیق ۵۳۸ پہلا عربی معاشرہ (مکمل اختیارات کے ساتھ) مدینہ میں قائم ہوتا ہے' والہوسن کی تصریحات ۵۸۰
"وہ نبی" ۶۰۰
کیا آپ مصروع تھے ۶۰۳
اس الزام کی ابتداء یونانی خراباتیوں کی ایجاد ۶۰۴
آپ دل و دماغ کی تمام خوبیوں کے مالک تھے' ۶۱۱' ۶۱۳ صرح کا الزام تنگ نظری اور حسد و فساد کا نتیجہ ہے ۶۲۶
غیر جانبدار مستشرقین نے آپ کو ہر قسم کی جسمانی' ذہنی اور اخلاقی کمزوریوں سے بری ثابت کیا ہے ۶۲۷'۶۲۸
سپرنگر کے اخذ کردہ نتائج کی روشنی میں اگر پولس رسول کے رویوں اور کردار کا جائزہ لیا جائے تو نتیجہ وہی نکلے گا جس کی طرف سٹراس نے اپنی کتاب "اے نیو لائف آف جلیس" میں اشارہ کیا ہے ۶۱۴'۶۲۹
محمیہ ۲۸۰
محجن (بن لادرع) ۲۸۲
محمود (ابرہہ کا ہاتھی) ۸۹
محمو پاشا فلکی ۱۱۷
محی الدین (ابن عربی) ۲۴۰
مدائن ۳۸۴'۴۹۶
مدینہ (النبی' الاسلام) ۸۱' ۳۵۲' ۳۹۶' ۴۱۲' ۵۲۱

Marfat.com

مدنی و مکی سورتیں ۱۸۳
مدینہ میں ترجیحات‘
(i) مسجد ۵۱۴
(ii) مواخاۃ ۵۱۴‘ ۵۱۷‘ ۵۲۰
(iii) منشور مدینہ ۵۱۴‘
دفعات منشور ۵۷۱‘ ۵۷۶
تنقید ۵۷۷‘ ۵۸۱
یہود اور منافقین کا دفعات منشور کو نظر انداز کرنا ۵۸۲‘ ۵۸۳
مراکی ۶۰۷
مرتس ۱۰۷‘ ۵۴۷
مردہ ۶۴
مریمؑ (حضرت) ۶۰۴
مسدرک ۲۲۷‘ ۴۹۱
مستشرقین
آنحضورؐ کو حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں سے ثابت کرنے کے لیے ابراہیمی نسب نامے کے ابتدائی سلسلے گھڑے گئے‘ ۹۴
آنحضور ﷺ نے اپنے عقائد کی بنیاد نسطوری راہب کی تعلیمات پر رکھی ۱۳۸
مستشرقین دوسروں کی دلآزاری کو "تاریخ نویسی" سمجھتے ہیں اور دوسروں کے مصائب کو ڈھونڈ نکالنا ان کے ہاں "تجدد" کہلاتا ہے‘ ۱۳۹
مستشرقین یہ نہیں بتا سکتے کہ آنحضورؐ نے بحیریٰ کا مشرکانہ گفتگو سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی صحیح راہ کیسے نکال لی‘ ۱۳۶
کیا قرآن مجید آنحضورؐ کے ذاتی تجربات کا نتیجہ ہے؟ کیا مسلمانوں نے "واسطہ کی رنگ آمیزی" کا اصول کبھی استعمال کیا جو عیسائیوں کے ہاں رائج ہے؟
آنحضور ﷺ تاریخ کی بے رحم کسوٹی پر پورے اترے (طائف کے سفر کے حوالے سے)‘ میور ۱۶۶
قرآن مجید کو گھڑنے کے لیے آپؐ کا لکھا پڑھا ہونا ضروری تھا ۱۶۷
قصہ غرانیق کے حوالے سے‘ کیا حضور سرور کائنات "القائے ربانی" اور "القائے شیطانی" میں تمیز نہ کر سکے ۲۱۱
کیا انصار نے آنحضور ﷺ کو محض ایک "غریب الدیار" اور "بے سہارا" کے قبول کیا تھا ۹۴
آپؐ جب تک مکہ میں رہے‘ آپ کی حیثیت ایک مبلغ اور مشنری کی تھی‘ لیکن مدینہ آتے ہی آپ ایک سیاستدان اور حکمران بن بیٹھے‘ ۵۲۸
قرآن مجید ان مشکلات کا صریحاً ذکر فرماتا ہے‘ جو آپؐ کو مدینہ میں پیش آئیں‘ مسلمانوں کو کفار کے خلاف اکسانے کا خیال مستشرقین کے حسد اور بغض کا نتیجہ ہے ۵۴۰‘ ۵۴۳
یہودیوں اور منافقین کو جو دستور مدینہ میں شامل تھے‘ امت مسلمہ کے دائرہ سے خارج

Marfat.com

نہیں سمجھنا چاہیے ۵۷۷
والسوسن کی بصیرت ۵۷۸
کیا مدینہ میں آپؐ سے زیادہ باأثر اور بارسوخ
لوگ موجود تھے؟ ایک سراب خیال ۵۸۳،
۵۸۶
بنو قریظہ پر سختی کا الزام ۵۸۶
سید (امیر علی) کی تردید ۵۸۷، ۵۸۸
قرآن مجید ان الزامات کی سختی سے تردید کرتا ہے،
جو ان "آنکھ کے اندھوں" نے وحی کے ناتے سے
آپؐ پر کیے ہیں، ۱۱۱
میسٹرلیس یونیورس ۵۹۷
مسعود (بن عمرو بن عمیر) ۳۹۸
مسعودؓ (بن ربیعہ بن عمرو) ۲۸۲
مسعودؓ (بن سوید بن حارثہ) ۲۷۸
مسلم (امام محدث) ۳۰۱
الصحیح المسلم ۵۲۰
مسلمان یورپ میں ۵۲۳
مسند (امام احمد حنبلؒ) ۱۰۹، ۲۳۵، ۳۵۲، ۳۷۳
مسیلمہ (الکذاب) ۱۷۵، ۱۷۶
مصر ۹۳، ۱۷۴
مصعبؓ (بن عمیر) ۲۷۹، ۳۳۹، ۳۶۳، ۴۲۲،
۴۲۵، ۵۲۱
مضیر ۴۲۰
مطعم (بن عدی) ۳۹۳، ۴۰۳
کی وفات پر حضرت حسانؓ کا مرثیہ ۴۰۳
آنحضور کی احسان شناسی ۴۰۳
مطلب (بن ازہر) ۲۷۷
مطلب ۸۲
بنی مطلب (دیکھیے مناسب جگہ پر)
وفات ۸۲، ۸۳
مظعونؓ (بن حبیب) ۲۷۱
مغمس ۸۸
معاذؓ (الحارث بن رفاعہ) ۴۲۳
معاذؓ (بن جبل) ۳۳۶، ۵۲۱، ۵۲۵
معارف القرآن ۴۵۵
صاحب معارف القرآن (غلام احمد پرویز) ۴۵۶
معقب (بن عوف)
معمرؓ (بن الحارث) ۲۷۹
معمرؓ (بن عبداللہ بن نضلہ) ۲۷۸
معیقیبؓ (بن ابی فاطمہ)
مغیرہ (بن عبداللہ) ۸۵
مفروق (بن عمرو) ۴۰۹، ۴۱۰
مقدادؓ (بن عمرو الکندی) ۲۷۸
مکہ (بکہ) ۹۳، ۱۱۰، ۱۱۷، ۲۲۳، ۲۸۷، ۳۷۸،
۳۹۶، ۴۴۵
کی قدامت پر مارگولیس کا اعتراض ۶۸، ۷۰،
۸۷
قرآن حکیم کا اسلوب بیان مکی سورتوں میں
۱۸۲
قرآن حکیم کا اسلوب بیان مدنی سورتوں میں
۱۸۳

Marfat.com

منافقین ۱۸۳، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۸۴
تعرض نہ کرنا ۵۸۳
منیٰ ۲۹۴
مواخاۃ ۵۱۷، ۵۱۹، ۵۲۲
مواہب اللدنیہ ۳۹۵
شرح مواہب ۳۹۵
موسیٰؑ (حضرت) ۱۴۹، ۱۷۷، ۴۴۹، ۴۵۵، ۴۵۷، ۴۵۸
احکام عشرہ ۴۶۷، ۴۶۸
مہاجرین کی آبادی کاری ۴۹۹، ۵۱۶، ۵۴۴
میسرہ (بن مسروق العبسی) ۴۱۰، ۴۱۱
میکڈوگل (ماہر نفسیات) ۵۹۵
میمونہؓ (حضرت، ام المومنین) ۵۱۶
مین ۵۹۵
میور (سر ولیم)
مکہ کی قدامت کا قائل ۶۹ عبدالمطلب کی سیادت پر گواہی ۹۰
آنحضورؐ کے نسب نامے پر معترض ۹۴
"عظیم" کو "شریف" سے خلط ملط کر کے غلط نتائج حاصل کرنے کا ذمہ دار ہے ۱۰۱ کیا نسب نامہ واقعی گھڑا گیا اور کیا یہ آنحضورؐ کی عظمت کو دوبالا کرنے کی شعوری کوشش تھی ۱۰۷ آنحضورؐ کی جسمانی صحت کی عمدگی پر شہادت ۱۲۰ تعصب کی انتہا کہ شق صدر کے واقعہ کو مرگی کا دورہ سمجھتا ہے ۱۲۱
حضرت ابو طالب کے کردار پر مارگولیس کے اعتراضات اور میور کی تردید ۱۳۶ کیا بحیرٰی سے آنحضورؐ کی ملاقات عیسائیت کی فتح ہے، ۱۴۳، ۱۴۵ میور کی غیر جانبداری تاریخ کی کسوٹی پر، ۱۳۹، کیا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا عقیدہ بحیرٰی سے ملاقات کا نتیجہ تھا، ۱۴۲، قرآن مجید کا متن بلاشک و شبہ خالص صحیح اور مستند ہے، ۱۴۵ لیکن میور کی یہ رائے کہ قرآن حکیم آنحضورؐ کا اپنا کلام ہے، احمقانہ اور غیر حقیقت پسندانہ ہے ۱۵۵، ۱۵۷
باسورتھ سمتھ نے میور کی اس رائے کو سختی سے رد کر دیا ہے ۱۷۱، ۱۷۶
ناسخ و منسوخ کی بحث کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی ۱۹۴، ۱۹۶
"شیطانی فقرات کو محو کر دیا گیا" (بحوالہ قصہ غرانق) صریحاً بددیانتی ہے ۱۹۷، ۱۹۹
آنحضورؐ کے سفر طائف پر ان کی ہمت اور جرات کی داد دینا ۲۰۱ انصار نے آنحضورؐ کو "پناہ" دی تھی نہ کہ انہیں اپنا آقا و مولا اور ہادی و رہنما کے طور پر اپنے ہاں بلایا تھا، ۲۱۸، ۲۱۹
اسریٰ کے واقعات کی تصدیق ۲۵۷ میور آنحضورؐ کی جلالت شان سے بھونچکا اور آپؐ کے فقر و فاقہ سے متحیر ہے ۲۵۴
کیا میور قانون مکافات عمل سے واقف تھا؟ ۵۵۳ نیک اور بد کبھی برابر نہیں ہو سکتے، قرآن

Marfat.com

مجید پر اسی کے اسلوب بیان کے ناتے سے
اعتراض ۵۱۱' دیگر آسمانی صحائف کا اسلوب
۵۷۳ میور نے "امیب" کو "امیب" پڑھا اور
ترجمہ غشی کر دیا' کیا آنحضور' واقعی "مرگی"
کے مریض تھے؟ ۶۰۵'۶۰۶ قدیم اہل یونان کی
بدمعاشی ۶۰۶ گبن اس کی تردید کرتا ہے'
۶۰۷ "صرع" پر طبی اور نفسیاتی بحث ۶۰۷'
۶۰۸ صورت حال کی چھان بین' سر سید احمد
خان کی مکمل تحقیق کا نچوڑ اور دیگر مستند کتابوں
کی شہادت ۳۰۹'۳۳

(ن)

نائلہ ۳۴۳
نبیہ بن حجاج ۴۸۶
نبیہ (بن عثمان) ۲۷۹
نجاشی ۳۴۳
فرقہ طبیعت واحد
کارکن تھا ۳۷۳
عربوں کی سفارت کے باوجود مسلمانوں کو واپس
کرنے سے انکار ۳۶۹
آنحضور کی نبوت کا اقرار ۳۷۳
ایک وفد کا بھجوانا تاکہ اسلام کی تعلیم حاصل
کرے ۳۷۵
نخلہ ۲۰۴ جنوں کا قرآن مجید سننا ۲۰۴
نضر (بن الحارث) ۲۹۷'۳۱۹'۳۶۸
کی اسلام کے خلاف تفریحی ادب کی دکان
۳۲۵
آنحضور کی پاکیزگی اطوار پر شہادت ۱۴۳
نعمان ۳۰۹
نعمان (بنی عدی)
نعیم (بن عبداللہ) ۲۷۸'۳۸۱
نکلسن (ڈاکٹر آر' اے مستشرق) ۵۷۶
نووی (علامہ) ۵۰۱
نہدیہ ۳۴۲
نیل ۴۳۸
نینویٰ ۳۸۷

(و)

واٹ (منٹگمری' مستشرق) ۵۷۶'۳۷
واقد (بن عبداللہ) ۲۷۸
والٹیر (فرانسیسی مفکر) ۲۷۱
والہوزن (جرمن مستشرق) ۵۷۶'۵۷۸
وث از اسلام؟ ۳۷
وحی ۲۳۱'۲۳۳'۲۴۳
کی نوعیت ۲۶۶'۲۶۸
انقطاع وحی ۲۴۳'۲۶۵
وحی کے حوالے سے آنحضور پر اعتراضات
۴۰۲

Marfat.com

ورقہ بن نوفل ۲۵۱، ۲۴۳، ۲۴۴

ولید (بن مغیرہ) ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۹۷، ۳۰۴، ۳۱۹

کی آنحضورؐ سے ملاقات ۳۰۵، ۳۰۶

قرآن مجید کا تبصرہ ۳۰۷

اسلامی امتہ کے فرد نہ بن سکے؟ ۳۹۰

(ھ)

ہارونؑ (حضرت) ۴۳۹

ہاشمؓ (بن ابی حذیفہ) ۲۸۰

ہانی (بن قبیصہ) ۴۰۹، ۴۱۰

ہبارؓ (بن سفیان) ۲۸۰

ہبل ۳۰۴

ہجرت،

کا مفہوم ۳۶۰

حبشہ کی طرف روانگی ۳۶۰، ۳۷۷

قرآن مجید کی تصریحات ۳۶۱، ۳۶۴

رہروان کوئے محبت ۳۶۳، ۳۶۴

مسلمان پہلی ہجرت کے بعد واپس کیوں لوٹ آئے؟ (اغرانیق کے تحت ملاحظہ فرمائیں)

دوسری ہجرت حبشہ ۳۶۷

ہجرت آئین مسلم ۳۷۷، ہجرت مدینہ کی

اجازت ۳۸۶

راز دار محبت کا ایثار و قربانی ۳۸۸، ۳۹۰، ۴۹۲، ۵۰۱

ہجرت کی اہم تاریخوں کی تصحیح ۵۰۳، ۵۰۹

ہشامؓ (ابن العاص بن وائل) ۲۷۹، ۲۸۴

ہشامؓ (بن ابی حذیفہ) ۲۸۰

ہشامؓ (بن عمرو) ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۰۴

ہل (جوزف، جرمن مستشرق) ۵۴۶

ہیکل (محمد حسین، مصری) ۳۷۹

(ی)

یاسرؓ ۲۸۰

یثرب (مدینۃ النبیؐ) ۴۲۰، ۴۸۱، ۵۱۳

یحییٰؑ (حضرت) ۴۴۸

یرمیاہ (نبی) ۵۴۹

یروشلم ۴۲۱

یزیدؓ (بن ابی سفیان) ۵۴۴

یزیدؓ (بن ثعلبہ) ۴۲۴

یزیدؓ (بن زمعہ بن الاسود) ۲۷۷

یسار ۱۶۷، ۱۶۸، ۴۸۱

یعقوبؑ (حضرت) ۱۳۶، ۴۵۵

یعقوب (حواری) ۹۸

یقینہؓ (بنت علقمہ) ۲۸۱

یمن ۲۳۶، ۴۴۶، ۵۴۴

یوحنا ۴۵۵

یوسفؑ (حضرت) ۳۷۰، ۴۴۸

یونسؑ (حضرت، بن متی) ۴۰۰

Marfat.com

یہود ۳، ۱۹۶، ۱۹۷
یہودی ۹۳، ۱۹۸
یہودیت ۳
آنحضور کی آمد سے پہلے یہود کی توقعات ۴۲۱
مواخاۃ سے یہودیوں کی تجارت ماند پڑ گئی
۵۴۵
یہود کا اخراج ۵۴۵، ۵۴۹
یہود کی دسیسہ کاریاں اور منافقین کی فتنہ
سامانیاں ۵۴۸
تحویل قبلہ کے مضمرات ۵۴۹
قانون مکافات عمل ۵۴۹، ۵۵۰
دستور مدینہ میں یہودیوں کے حقوق کی ضمانت
۵۷۷، ۵۷۹
یہودا (اسکریوتی) ۶۸

Marfat.com

قرآنِ حکیم اور ہماری زندگی ـــــ محمد احسانُ الحق سُلیمانی

مُسلمان یورپ میں ـــــــــ محمد احسان الحق سلیمانی

سیرت ابنِ اسحاق ـــــــــ رفیع اللہ شہاب

سیرت ابنِ ہشام ـــــــــ علامہ ابنِ ھشام

اسلام اور سیرت النبیؐ ـــــــــ ڈاکٹر لیاقت علی نیازی

سیرتِ محمدیؐ ـــــــــ سر سیّد احمد خاں

سیرت النبیؐ (تلخیص) ـــــــــ احسان بی اے

رسولِ عربیؐ ـــــــــ محمد ابو النصر

مُعلّمِ اخلاقؐ ـــــــــ عشرت رحمانی

نبیؐ ہمارے سب سے پیارے ـــــ محمد جاوید امتیازی

Marfat.com

Marfat.com